فیض مشکوٰۃ
شرح
مشکوٰۃ شریف
8
شارح:
مفتی حارث عبدالرحیم فاروقی قاسمی
مکتبہ فیض القرآن دیوبند ۲۴۷۵۵۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فیض المشکوۃ

شرح اردو

# مشکوۃ شریف

جلد ہشتم

شارح

مولانا مفتی حارث عبدالرحیم فاروقی قاسمی

کتاب اللباس کتاب الطب والرقی کتاب الرؤیا کتاب الآداب

سلسلہ حدیث نمبر ۱۱۶۸ تا ۱۷۴۶

ناشر

247554

مکتبہ فیض القرآن نزد مسجد چھتہ دیوبند (یوپی)

نام کتاب : فیض المشکوٰۃ شرح اردو مشکوٰۃ شریف جلد ہشتم
شارح : مفتی حارث عبدالرحیم فاروقی قاسمی صاحب
باہتمام : تاج عثمانی ابن مشہود اقبال عثمانی
کمپیوٹر کتابت وڈیزائننگ : شاد کمپیوٹر مکتبہ فیض القرآن دیوبند

فہرست مضامین جلد کے آخر میں دیکھیے

مکتبہ فیض القرآن
نزد مسجد چھتہ دیوبند ضلع سہارن پور (یوپی)
Ph.No.01336-222401
(Mob.)09897576186

# کتاب اللباس

## ﴿لباس کا بیان﴾

لباس اصل میں مصدر ہے، لیکن اس کا استعمال "ملبوس" کے معنی میں ہوتا ہے، یہ "سمع" سے ہے، اس کا مصدر "لُبسٌ" بمعنی پہننا بھی ہے اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۳۷ حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں لباس سے متعلق نہایت اہم تاکیدات مذکور ہیں، لباس بمعنی پوشاک، اس کے مقاصد کے متعلق خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "یبنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سواتکم وریشا" (اعراف آیت ۲۶) یعنی ہم نے تمہاری صلاح کے لئے ایک ایسا لباس اتارا ہے، جس سے تم اپنے قابل شرم اعضاء کو چھپا سکو اور آرائش کے کپڑے سے زیب وزینت حاصل کرسکو، الحاصل انسانی لباس کا اصل مقصد ستر پوشی ہے اور یہی اس کا عام جانوروں سے امتیاز ہے، لہٰذا انسان کے لئے ننگا ہونا نہایت بے حیائی کی بات ہے، اور طرح طرح کے شر وفساد کا مقدمہ ہے، یہی وجہ ہے کہ شیطان کا سب سے پہلا حملہ انسان (آدم) کے خلاف اسی راہ سے ہوا کہ اس کا لباس اتر گیا اور آج بھی شیطان اپنے شاگردوں کے ذریعہ جب انسان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو تہذیب وشائستگی کا نام لے کر سب سے پہلے اس کو برہنہ یا نیم برہنہ کرکے عام سڑکوں اور گلیوں پر کھڑا کردیتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض ستر پوشی کو قرار دیا، نماز روزہ وغیرہ سب اس کے بعد ہیں، معلوم رہے لباس کا استعمال بطریق فخر وغرور حرام ہے اور جو لباس دوسری قوم کی نقالی اور اپنی قوم وملت سے غداری اور بیزاری پر مشتمل ہو وہ بھی حرام ہے (معارف القران ج ۴ ص ۵۴۴)

## ﴿لباس سے متعلق چند فقہی مسائل﴾

(۱) مردوں کے لئے ستر عورت کی مقدار یعنی ناف سے لے کر گھٹنوں تک کوئی کپڑا پہننا اور بدن کا چھپانا فرض ہے۔

(۲) اس مقدار تک کپڑا پہننا جس کی وجہ سے سردی اور گرمی سے حفاظت اور اس کے نقصان سے بچ سکیں واجب ہے۔

(۳) اظہار نعمت اور اداءِ شکر کے لئے عمدہ لباس مستحسن ہے (۴) بڑائی جتانے کے لئے، لوگوں میں برتری وفوقیت ظاہر کرنے کے لئے، شہرت ودکھاوے کی نیت سے عمدہ لباس پہننا درست نہیں ہے (۵) خوش حال لوگوں کے لئے جن کو عمدہ لباس کی قدرت ہو سادہ ومتواضعانہ لباس پہننا مستحب وباعثِ ثواب ہے (۶) ہاف پینٹ جانگھیہ اسی طرح ہر وہ لباس جس سے گھٹنے کھلے رہتے ہوں بالغ اور مراھق کے لئے ناجائز اور گناہ کی بات ہے (۷) مردوں کو ٹخنوں سے نیچا کرتا لنگی پاجامہ غرض کہ جو بھی لباس ہو مکروہ ہے (۸) دھوتی پہننا درست نہیں ہے، یہ مشرکوں کا امتیازی لباس ہے (۹) پینٹ بوشرٹ کالردار قمیص پہننا مکروہ ہے، ہاف قمیص ہو تو اس سے نماز میں الگ کراہت آئے گی (۱۰) عورتوں کو ساڑی لہنگا پہننا مکروہ ہے، یہ غیروں کا لباس ہے اور بے پردگی کا باعث ہے (۱۱) بلاوز پہننا ناجائز ہے، اس کی وضع ہی ہاتھ پیٹھ اور پیٹ کی نمائش کے لئے ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ نمائش شوہر کے غیر کے لئے حرام ہے (۱۲) ہر وہ لباس جو کہ کفار اور فساق وفجار کے درمیان رائج ہو اس کا استعمال بے ستری نہ ہو تو خلاف اولیٰ ہے اور اگر بے ستری ہو تو ناجائز ہے، جیسے مردوں کے لئے ہاف پینٹ (۱۳) پرنٹ اور گہرے رنگ کے کپڑے اسی طرح وہ کپڑے جو ماحول وعرف میں عورتوں کے درمیان جاری اور رائج ہوں مردوں کے لئے جائز نہیں ہیں، لیکن اگر سرخ وسبز دھاریاں ہوں تو مردوں کو درست ہے (۱۴) عورتوں کو ایسا باریک کپڑا پہننا جس سے بال کھال یا اس کی رنگت نظر آئے حرام ہے، حدیث شریف میں اس کی سخت وعید آئی ہے (۱۵) عورتوں کو ایسا چست لباس پہننا

جس سے بدن وکمر وغیرہ کی ہیئت نمایاں ہو درست نہیں ہے (۱۶) عورتوں کو ایسا جمپر و کرتا پہننا جس کے آستین چھوٹے ہوں جیسا کہ آج کل بکثرت رائج ہے درست نہیں ہے، کیوں کہ اس سے بے پردگی اور نماز نہ ہونے کا بھی احتمال رہتا ہے، البتہ بے پردگی نہ ہونے اور نماز کے نہ پڑھنے کی صورت میں کوئی قباحت نہیں ہے (۱۷) اب تو بعض کرتوں اور جمپروں کی آستین صرف چار پانچ انگل ہوتی ہے، بڑے گناہ کی بات ہے شوہر کے غیر کا نظر پڑنا دیکھنا دکھانا حرام ہے (۱۸) جمپر اور کرتے کے آگے کا گلا اتنا بڑا رکھنا کہ سینے کی نمائش ہو ناجائز ہے، اسی طرح پیچھے بھی بڑا رکھنا درست نہیں ہے، گو دوپٹہ سے پردہ ہو جاتا ہے، مگر پھر بھی گھر میں اس کا اہتمام نہیں ہوتا اور جس سے پردہ ہوتا ہے اس سے ذرا بے احتیاطی میں بے پردگی ہوتی ہے، گلے کے بڑے رکھنے کا مقصد ہی نمائش ہے (۱۹) قریب البلوغ لڑکیوں کو دوپٹہ کا استعمال واجب ہے (۲۰) عورتوں کے لئے پتلون اور شرٹ پہننا حرام ہے (۲۱) چست برقع اور جس برقعہ سے پردے کے بجائے اظہار زینت ونمائش ہوتی ہو درست نہیں ہے، اس سے مقصد پردہ نہیں جسم اور کپڑے کی نمائش ہے (۲۲) جمعہ، عیدین اور اہم تقریبات نیز مہمانوں کی آمد پر عمدہ لباس پہننا اولیٰ ہے (شمائل کبریٰ ج اول)

## الفصل الاول

### حدیث: ۱۱۶۸ ﴿آپ کے پسندیدہ کپڑے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ٤٣٠٤

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَلْبَسَهَا الْحِبَرَةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ**: بخاری ص ٨٦٥ ج٢ باب البرود والحبر، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۱۳ مسلم ص ۱۹۳ ج۲، باب فضل لباس ثیاب الحبرة، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۷۹

**حل لغات**: الحبرة ایک قسم کی دھاری دار یمنی چادر، ایک ریشمی چادر، جسے اوڑھ کر عورتیں مصر میں باہر نکلتی تھیں، (ج) حِبَرٌ

**ترجمہ**: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو تمام کپڑوں میں یمنی چادر پہننا بہت پسند تھا۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک خاص قسم کی یمنی دھاری دار چادر پہننا آپ کو بہت پسند تھا، یہ خالص سوت سے تیار ہوتی تھی، سبز رنگ کی ہوتی تھی، جلدی میلی نہیں ہوتی تھی اور بہت آرام دہ ہوتی تھی، لہٰذا آپ اس کا استعمال بطیب خاطر فرماتے تھے، یہیں سے معلوم ہوا کہ ''حبرہ'' کا استعمال مستحب ہے، نیز دھاری دار کپڑے پہننے میں بھی کسی طرح کا حرج نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** احب الثیاب الی النبی ﷺ ان یلبسها الحبرة آپ کو پہننے کے کپڑوں میں سب سے زیادہ ''حبرۃ'' کپڑا پسند تھا، یہ کپڑا یمن میں تیار ہوتا تھا، اس کی زمین سفید ہوتی تھی اور سرخ دھاریاں ہوتی تھیں، اور کبھی سبز اور کبھی نیلی دھاریاں بھی ہوتی تھیں۔ ان یلبسها پہننے کا کپڑا، اس سے بچھانے کا کپڑا خارج ہو گیا۔

**سوال**: حبرہ کپڑا آپ کو سب سے زیادہ کیوں پسند تھا؟

**جواب**: اس کے پسندیدہ ہونے کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں۔ (۱) یہ کپڑا خالص سوتی ہوتا تھا اور عرب کے نزدیک سوتی کپڑا سب سے بہتر اور سب سے پسندیدہ ہوتا تھا (۲) اس کا رنگ سبز ہوتا تھا اور اہل جنت کا لباس سبز رنگ کا ہوگا، روایت بھی ہے کان احب الالوان الیه الخضرة آپ کو ہرا رنگ سب سے زیادہ پسند تھا، (۳) اس میں سادگی بہت تھی۔ (۴) یہ کپڑا میل خورا ہوتا تھا، بہت جلد گندا نہیں ہوتا تھا۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۱۱۵ ج ۴ تحفۃ الاحوذی ص ۴۰۶ ج ۵)

**تعارض**: عالمی حدیث ۴۳۲۸ ہے کان احب الثیاب الی رسول الله ﷺ القمیص (آپ کو سب سے زیادہ قمیص پسند

تھی) حدیث باب اور اس حدیث میں بظاہر تعارض ہے۔

**دفع تعارض:** (۱) زیادہ پسندیدہ لباس میں سے ایک حبرہ ہے اور ایک قمیص ہے، یعنی دونوں اپنی اپنی جگہ پسندیدہ ہیں، بناوٹ کے اعتبار سے قمیص پسندیدہ تھی اور رنگ کے اعتبار سے "حبرہ" پسندیدہ تھی۔ (۲) گھر میں رہنے کے وقت حبرہ کا پہننا پسند تھا، اور باہر نکلنے کے وقت قمیص زیب تن کرنا پسند تھا۔ (مرقات ص ۲۳۵ ج ۸۔ ایضاح المشکوۃ ج ۲)

## حدیث: ۱۱۶۹ ﴿آپؐ کا تنگ آستینوں والا جبہ پہننا﴾ عالمی حدیث ٤٣٠٥

وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ:** بخاری، ص ٥٢ ج ١، باب الصلوة فی الجبة الشامية، كتاب الصلوة، حديث ٣٦٣ مسلم، ص ١٣٢ ج ١، باب المسح علی الخفين، كتاب الطهارة، حديث ٢٧٤.

**حل لغات:** جبة جبہ چوغہ، (ج) جُبَبٌ وَجِبَابٌ ضيقة ضَيِّقٌ کا مونث ہے۔ تنگ (تفعیل) تنگ کرنا۔ الكمين آستین، تثنیہ ہے، واحد کُمٌّ (ج) اَكْمَامٌ وَكِمَمَةٌ.

**ترجمہ:** حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریمؐ نے رومی جبہ پہنا، جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دار الکفر کا بنا ہوا کپڑا مسلمان کے لئے استعمال کرنا مباح ہے، کیوں کہ روم اس وقت دار الکفر ہی تھا، نماز میں بھی یہ کپڑا پہنا جا سکتا ہے، اور نماز کے باہر بھی پہنا جا سکتا ہے، نیز یہ کپڑا کافر نے بنایا ہو یا مسلمان نے اس سے بھی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، لہٰذا جب تک کپڑے کے بارے میں ناپاکی کا یقین نہ ہو اس کے استعمال میں حرج نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لبس جبة رومية آپؐ نے رومی جبہ پہنا اور اس جبہ کی آستینیں تنگ تھیں۔

**سوال** یہاں حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رومی جبہ تھا جب کہ بخاری ومسلم کی روایت میں "جبة شامية" ہے یہ اختلاف کیوں ہے؟

**جواب** آپؐ کے عہد مبارک میں ملکِ شام قیصر روم کی حکومت کے تحت ہی تھا، تو گویا وہ روم کا ہی حصہ تھا، لہٰذا اس اختلافِ لفظ کا کوئی اثر نہیں ہے (مرقات ص ۲۳۵ ج ۸) بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے، حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ کی صراحت ہے کہ "كنت مع النبی ﷺ فی سفر" میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا، معلوم ہوا کہ آپ سفر میں چھوٹا و تنگ آستینوں والا جبہ پہنتے تھے، سفر میں اس میں سہولت رہتی ہے اور سفر میں مسافر کو ایسے لباس کی ضرورت پڑتی ہے، جس کو وہ حضر میں استعمال نہیں کرتا ہے، (فتح الباری ص ۲۱۸ ج ۱۳) امام بخاریؒ نے کتاب اللباس میں اسی کے مانند حدیث نقل کی ہے اور باب قائم کیا ہے۔ باب من لبس جبة ضيقة الكمين فی السفر (سفر میں تنگ آستینوں والا جبہ پہننا) امام بخاریؒ نے اس سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر سفر میں غیر معتاد لباس استعمال کرنے کی ضرورت پڑے تو سنت میں اس کی اصل موجود ہے۔ (کشف الباری) بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ جبہ آپؐ کے پاس کہیں سے ہدیہ کے طور پر آیا تھا، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اس جبہ کی قیمت دو ہزار دینار یعنی تقریباً بیس ہزار درہم تھی۔ حضور ﷺ نے ایسا قیمتی جبہ بھی زیب تن فرمایا اور پیوند لگے ہوئے کپڑے بھی زیب تن فرمائے۔ آپ کی عام عادت تو سادے اور معمولی کپڑے پہننے کی تھی، لیکن اس قیمتی جبہ کو زیب تن فرما کر اس بات کا اظہار فرما دیا کہ ایسے کپڑے پہننا بھی جائز ہے، اس سے امت کے لئے بہت سہولت ہوگئی۔ (درسِ ترمذی)

## حدیث ۱۱۷۰ ﴿جن کپڑوں میں آپؐ کی وفات ہوئی﴾ عالمی حدیث ۴۳۰۶

وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلَبَّدًا وَإِزَارًا غَلِيظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۶۵ ج ۲ باب ذکر من الاکسیۃ والخمائص، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۱۸ مسلم، ص ۱۹۳ ج ۲ باب التواضع فی اللباس، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۸۰

**حل لغات:** کساء کپڑا، تن پوش، اوڑھنے کی چادر (ج) اَکْسِیَۃ. ملبدا پیوند لگا ہوا۔ جوڑا ہوا (مفعول) لَبَّدَ تَلْبِیْدًا (تفعیل) الشیءَ بالشیءِ ایک شی کو دوسری شی کے ساتھ مضبوطی سے چپکانا۔ ازار، تہبند، لنگی (ج) اُزُرٌ آزِرَۃ. غلیظا موٹا، گاڑھا۔ سخت (ج) غِلَاظٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ہمارے سامنے ایک پیوند لگی ہوئی چادر اور ایک موٹا تہبند نکالا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات اِن ہی دو کپڑوں میں ہوئی تھی۔

**خلاصۂ حدیث:** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ نے زندگی میں عموماً نہایت سادہ لباس زیب تن کرنے کا معمول رکھا، چنانچہ آپ کی وفات بھی نہایت سادہ اور عام کپڑوں میں ہوئی، بوقتِ وفات آپؐ کے جسم اطہر پر ایک موٹی پیوند لگی چادر اور موٹی سی معمولی لنگی تھی۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** کساء ملبدا پیوند لگی چادر، یا موٹی اور دبیز چادر، آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپؐ کے جو تبرکات تقسیم کیے تھے، ان میں یہ جوڑا بھی تھا، اس کو پہن کر آپ کی وفات ہوئی تھی۔ یہ جوڑا حضرت عائشہؓ کو ملا تھا یہ ان کے پاس کافی عرصہ تک محفوظ رہا، کبھی کبھی طلبہ کو اس کی زیارت کراتی تھیں۔ (تحفۃ الالمعی) حضورؐ اپنی زندگی میں دعا فرماتے تھے، "اللهم احيني مسكينا وامتني مسكينا" یا اللہ مسکین اور غریب بنا کر زندہ رکھئے اور موت بھی مسکین ہونے کی حالت میں عطا فرمایئے۔ یہ اس دعا کی قبولیت کا اثر ہے کہ آپ کی وفات نہایت معمولی کپڑوں میں ہوئی۔ (مرقات ص ۲۳۶ ج ۸)

## ﴿زندگی گزارنے کا معیار کیا ہو؟﴾

گذشتہ حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ آپؐ نے نہایت قیمتی جبہ زیب تن فرمایا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کا لباس نہایت معمولی رہتا تھا، لوگوں کے دلوں میں یہ خلجان پیدا ہوسکتا ہے، کہ کس معیار کا کپڑا پہنا جائے؟ اور کس معیار کی زندگی اختیار کی جائے کہ وہ اسراف میں داخل نہ ہو؟ اس بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس کے حدود بیان فرمادیئے ہیں، وہ حدود اگر چہ مکان کے بارے میں ارشاد فرمائے تھے، لیکن وہی حدود کپڑے اور دنیا کی دوسری چیزوں پر بھی صادق آتی ہیں، فرمایا کہ ایک درجہ ضرورت کا ہوتا ہے کہ آدمی کی ضرورت پوری ہوجائے جیسے مکان اگر کچا ہو، جس میں آدمی اپنا سر چھپا سکے، حضرت والا اس کو فرماتے ہیں کہ یہ درجہ رہائش کا ہے، یعنی یہ مکان قابلِ رہائش ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جائز ہے، دوسرا درجہ آسائش کا ہے، یعنی آدمی ایسا مکان بنائے، کہ وہ مکان صرف سر چھپانے کا ذریعہ نہ ہو، بلکہ اس مکان کے اندر اپنے لیے راحت و آرام کا بھی خیال رکھا گیا ہو، مثلاً وہ مکان پختہ بنالیا، تاکہ اس میں بارش کا پانی نہ آئے، یہ صورت بھی جائز ہے، تیسرا درجہ آرائش کا ہے، یعنی ایک مکان میں آسائش تو حاصل تھی، لیکن خاص زینت نہ تھی، اب کسی نے اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے اس مکان میں زینت کے اسباب کا انتظام کرلیا، مثلاً رنگ و روغن کرالیا وغیرہ، یہ آرائش ہے یہ بھی جائز ہے، چوتھا درجہ نمائش کا ہے، یعنی مکان کے اندر ایسے اسباب جمع کرنا کہ اس کے ذریعہ

لوگوں کے سامنے نمائش اور دکھاوا مقصود ہے، تاکہ لوگ مجھے بڑا اور دولت مند آدمی سمجھیں، اس لئے کہ میں ایسے شاندار مکان میں رہتا ہوں، ایسے شاندار کپڑے پہنتا ہوں، ایسی شاندار سواری استعمال کرتا ہوں، یہ نمائش ہے اور یہ حرام ہے، گویا تین درجہ جائز اور چوتھا درجہ حرام ہے۔ اب لباس کے اندر بھی یہی تفصیل ہے، اگر کوئی شخص قیمتی لباس اس لئے پہنتا ہے، کہ مجھے اچھا لگتا ہے، یا مجھے اس کے پہننے سے راحت ملتی ہے، یا میں اپنا دل خوش کرنے کے لیے پہنتا ہوں، یا اپنے گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لیے پہنتا ہوں، تو یہ صورت جائز ہے، لیکن اگر کوئی شخص قیمتی لباس اس لئے پہنتا ہے تاکہ میں فیشن ایبل کہلاؤں اور میں دولت مند اور بڑا آدمی کہلاؤں تو یہ صورت حرام ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ما اخطائك اثنتان سرف ومخيلة یعنی ہر لباس پہننا تمہارے لیے جائز ہے، سوائے اس لباس کے جس میں اسراف ہو اور عجب وتکبر ہو، لہٰذا ان دونوں چیزوں سے بچتے ہوئے انسان قیمتی لباس بھی پہن سکتا ہے۔ (درسِ ترمذی ج۵)

## ﴿لباس کے بارے میں ہمارے اکابر کا ذوق﴾

ہمارے اکابر نور اللہ مراقدہم کا ذوق لباس کے سلسلے میں مختلف رہا ہے، حضرت گنگوہیؒ نہایت صاف شفاف اور لطیف لباس پہنتے تھے، اس طرح ان کے بعد ان کے خلیفہ حضرت اقدس سہارنپوریؒ اور ایسے ہی حضرت مولانا تھانویؒ بھی صاف شفاف لباس پہنتے تھے، جس کی تفصیل اِن حضرات کی سوانح حیات سے معلوم ہوتی ہے، اور قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے یہاں بہت زیادہ سادگی تھی اور ایسے ہی حضرت مولانا شیخ زکریاؒ کے والد مولانا محمد یحییٰؒ کا حال تھا۔ (الدر المنضود ج۶)

## حدیث ۱۱۷۱ ﴿آپؐ کے بستر مبارک کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۴۳۰۷

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ يَنَامُ عَلَيْهِ أَدَماً حَشْوُهُ لِيْفٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ:** بخاری ص ۹۵۶ ج۲، باب كيف كان عيش النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الرقاق، حدیث ۶۴۵۶ مسلم، ص ۱۹۴ ج۲، باب التواضع فی اللباس، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۸۲

**حل لغات** حشو بھراؤ، وہ چیز جو کسی شی میں بھری جائے، جیسے تکیہ میں روئی، لیف کھجور کے درخت کی چھال، واحد لِيْفَةٌ (ج) اَلْيَاف. لَافَ، (ض) لَيْفاً الشيَ کھجور کی چھال سے دھونا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر جس پر آپؐ سویا کرتے تھے چمڑے کا تھا، اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح آپؐ کا کھانا پینا، پہننا اوڑھنا نہایت سادہ تھا، ویسے ہی آپؐ کا بچھونا اور بستر بھی نہایت معمولی اور سادہ تھا، بستر چمڑے کا تھا اور اس میں روئی کے بجائے کھجور کی چھال بھری تھی۔ ایسا نہ تھا کہ آپؐ چاہتے تو آپ کو عمدہ بستر میسر نہ ہوتا، حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے فقیرانہ زندگی پسند فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک انصاری عورت نے آپؐ کے لیے ایک بستر بنایا اور اس میں اون بھری، آپؐ نے وہ بستر واپس کر دیا اور فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ میرے لیے سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دیں۔ (شمائل نبوی)

**کلمات حدیث کی تشریح** كان فراش النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی ینام علیہ ادماً حشوہ لیف جس بستر پر آپؐ سوتے تھے چمڑے کا تھا، اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت مفتی سعید احمد صاحب

پالنپوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ "لیف" کا ترجمہ عام طور پر کھجور کی چھال کیا جاتا ہے، جس سے طالب علم صحیح بات نہیں سمجھتے، وہ سمجھتے ہیں کہ کلہاڑی سے چھیل کر کھجور کے تنے سے اتاری ہوئی چھال کا بستر ہوتا ہوگا، یہ بات صحیح نہیں ہے، وہ تو لکڑیاں ہوں گی، اس کا گدا کیسے بنے گا، بلکہ کھجور کے ریشے مراد ہیں، کھجور اور ناریل کے پتوں کی جڑوں میں ایک جھلی ہوتی ہے، جو سوکھ کر گر جاتی ہے، اس کو کوٹ کر برادہ بنالیا جاتا تھا، جس کو گدوں اور تکیوں میں بھرتے تھے اور لمبائی میں کاٹ کر اس کی رسی بھی بُنی جاتی تھی، پھر اس کی لگام بنتی تھی۔ (تحفۃ الالمعی)

**تعارض:** اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا بستر چمڑے کا تھا جب کہ حضرت حفصہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا بستر ٹاٹ کا تھا، شمائل ترمذی کی روایت ہے کہ سئلت حفصة ماکان فراش رسول الله صلی الله علیه وسلم فی بیتك، قالت مسحا. (حضرت حفصہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیا تھا، انھوں نے بتایا کہ آپ کا بستر ٹاٹ کا تھا) دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے۔

**جواب:** کوئی تعارض نہیں ہے، کیوں کہ ایک بچھونا حضرت عائشہؓ کے گھر میں تھا جو چمڑے کا تھا اور دوسرا حضرت حفصہؓ کے گھر میں تھا جو کہ ٹاٹ کا تھا، یا پھر کسی زمانے میں چمڑے کا بچھونا تھا اور کسی زمانہ میں ٹاٹ کا تھا، یا پھر سونے کا بستر چمڑے کا تھا اور بیٹھنے کا ٹاٹ کا تھا۔

## حدیث ۱۱۷۲ ﴿آپؐ کے تکیہ کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۴۲۰۸

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ وِسَادُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِىْ يَتَّكِىءُ عَلَيْهِ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهُ لِيْفٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۱۹۴ ج ۲، باب التواضع فی اللباس، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۸۲

**حل لغات:** یتکئی (افتعال) علی الشئی تکیہ لگانا، سہارا لینا، بھروسہ کرنا، مجرد میں سمع سے ہے۔ تَكِئَ، يَتْكَأُ، تَكَأً، ٹیک لگا کر بیٹھنا، تکیہ لگا کر بیٹھنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ جس پر آپ ٹیک لگاتے تھے چمڑے کا تھا، اس میں کھجور کی چھال بھری تھی۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث:** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سونے کے وقت یا آرام کے وقت تکیہ کا استعمال سنت ہے، آپؐ نے تکیہ استعمال بھی کیا ہے اور تکیہ کے سلسلہ میں یہ ہدایت بھی دی ہے کہ اگر کوئی پیش کرے تو اس کو قبول کیا جائے، انکار نہ کیا جائے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کا تکیہ بھی بہت سادا اور معمولی تھا، اس میں کسی طرح کا اسراف نہیں تھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** وسادة رسول الله صلی الله علیه وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ چمڑے کا تھا، عرب میں عام طور پر تکیہ میں روئی کے بجائے کھجور کی چھال بھری جاتی تھی، آپؐ کے تکیہ میں بھی کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ کھجور کی چھال کی تحقیق کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

## حدیث ۱۱۷۳ ﴿چادر سے آپؐ کا سر مبارک ڈھانکنا﴾ عالمی حدیث ۴۲۰۹

وَعَنْهَا قَالَتْ بَيْنَا نَحْنُ جُلُوْسٌ فِىْ بَيْتِنَا فِىْ حَرِّ الظَّهِيْرَةِ قَالَ قَائِلٌ لِأَبِىْ بَكْرٍ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا مُتَقَنِّعًا رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۶۴ ج ۲، باب التقنع، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۰۷

**حل لغات:** متقنعا اسم فاعل، کپڑے میں لپٹنے والا۔ (تفعل) کپڑے میں لپٹنا، المراۃ اوڑھنی اوڑھنا، نقاب اوڑھنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ دوپہر میں ہم اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ ایک کہنے والے نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک ڈھانپے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** یہاں پر یہ حدیث مختصر ہے، بخاری میں حدیث طویل ہے، ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مفہوم حدیث پوری طرح سمجھ میں آجائے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حبشہ کی طرف چند مسلمانوں نے ہجرت کی، حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لئے تیاری کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ذرا ٹھہر جایئے، شاید مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے، تو اکٹھا چلیں گے، انھوں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا آپ کو ایسی امید ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ کے ساتھ ہجرت کرنے کی نیت سے رک گئے اور اپنی دو اونٹنیوں کو چار ماہ تک ببول کے پتے کھلاتے رہے تاکہ وہ تیز رفتار ہو جائیں، عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے مزید بیان فرمایا کہ ایک دن ہم اپنے گھر میں بیٹھے تھے، عین دوپہر کا وقت تھا، کوئی ابوبکرؓ سے کہنے لگا یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپہنچے، آپؐ سامنے سے سر چھپاتے ہوئے تشریف لا رہے تھے، آپؐ اس وقت ہمارے پاس کبھی نہیں آیا کرتے تھے، ابوبکرؓ نے کہا آپؐ پر میرے ماں باپ قربان، خلاف معمول آپؐ اس وقت تشریف لا رہے ہیں، تو ضرور کوئی اہم کام ہے، غرض آپؐ دروازے پر آپہنچے، اور اندر آنے کی اجازت طلب کی، ابوبکرؓ نے اجازت دی آپؐ اندر تشریف لائے، اور فرمایا ابوبکرؓ ذرا لوگوں سے کہیں، باہر ہو جائیں، انھوں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں یہاں کوئی غیر تو نہیں آپؐ ہی کی اہلیہ ہیں، آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ (مجھے خدا کی طرف سے) ہجرت کی اجازت مل گئی ہے، انھوں نے کہا مجھے بھی ساتھ رکھیے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ضرور، تب ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپؐ لے لیجئے، آپؐ نے فرمایا میں قیمت سے لوں گا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں نے دونوں کے سفر کا سامان جلدی سے تیار کیا اور ایک تھیلی میں کھانا رکھا (اس کے باندھنے کے لئے کپڑا نہ تھا) اس وقت اسماء بنت ابوبکرؓ نے اپنے کمر کا کپڑا کاٹ کر تھیلا باندھ دیا، اسی بنا پر ان کا لقب ذات النطاق پڑ گیا، پھر ابوبکرؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں اکھٹے تشریف لے گئے، حتیٰ کہ غار ثور میں قیام کیا، تین راتیں اسی میں رہے، رات کو عبداللہ بن ابی بکرؓ جو جوان چالاک اور ہوشیار تھے، ان کے پاس جاتے اور پچھلی رات ان کے پاس سے نکل کر قریش میں واپس آجاتے، ہر شخص یہی سمجھتا کہ عبداللہ رات بھر مکہ ہی میں رہا ہے اور مکہ مکرمہ میں جو ان دونوں کے نقصان کی بات سنتے اس کو یاد رکھ کر رات کی تاریکی میں، ان کے پاس جا کر ان سے کہہ دیتے، عامر بن فہیرہؓ جو حضرت ابوبکرؓ کے غلام تھے، وہ دودھ والی بکریاں لے کر چراتے، جب عشاء کا وقت قریب آجاتا تو ان کے پاس (غار ثور میں) پہنچتے، اور وہ رات کو اسی دودھ پر گذارا کرتے، ابھی رات کا اندھیرا باقی ہوتا کہ عامر ان بکریوں کو لے کر آواز کرتے (گویا ابھی مکہ سے نکلے ہیں) تین شب تک وہ یوں ہی کرتے رہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** تقنعا آپؐ چادر کے کنارے سے سر کو ڈھانکے ہوئے تشریف لائے، معلوم ہوا کہ کسی کپڑے یا چادر وغیرہ سے سر ڈھانکنا جائز ہے۔ آپؐ نے دوپہر کی شدید تمازت سے بچنے کے لیے سر پر کپڑا ڈال رکھا تھا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مقصد یہ بھی ہو کہ دشمن آپؐ کو پہچان نہ سکیں۔ (مرقات)

### حدیث ۱۱۷۴ ﴿گھر میں تین سے زائد بستر رکھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۳۱۰

وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ وَفِرَاشٌ لِامْرَأَتِهِ وَالثَّالِثُ لِلضَّيْفِ وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

**حوالہ:** مسلم، ص ۱۹۴ ج۲، باب کراهة مازاد علی الحاجة، کتاب اللباس والزينة، حديث ۲۰۸۴

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا ایک بستر اپنے لیے، دوسرا بستر اس کی بیوی کے لیے، تیسرا مہمان کے لیے، اور چوتھا شیطان کے لیے ہوتا ہے۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جتنے بستروں کی ضرورت ہو رکھنا چاہئے، ضرورت سے زائد بستر رکھنا درست نہیں ہے، آپؐ کے پاس صرف ایک بستر تھا، کمال تقوی اور زہد میں مرتبہ علیا کی بات ہے کہ باوجود قدرت واختیار کے آپؐ نے توسع اختیار نہیں کیا۔ (شمائل کبریٰ)

**کلمات حدیث کی تشریح** فراش للرجل گھر میں اگر صرف میاں بیوی ہوں تو تین بستر کافی ہیں، کیوں کہ اگر میاں بیوی بوقت ضرورت علاحدہ لیٹنا چاہیں تو ایک ایک بستر ان کو کافی ہوگا اور اگر مہمان آگیا تو تیسرا بستر اس کے لیے کفایت کرے گا۔ والرابع للشیطان اور چوتھا بستر چوں کہ ضرورت سے زائد ہے اس لیے وہ فخر وغرور کا ذریعہ بنے گا اور یہ چیز شیطان کی رضا کا سبب ہے، لہٰذا چوتھا بستر شیطان کا قرار دیا ہے۔

**سوال** شوہر اور بیوی ایک بستر پر لیٹیں یا علاحدہ علاحدہ لیٹیں، کون سی صورت بہتر ہے؟

**جواب:** ایک بستر پر دونوں کا لیٹنا بہتر ہے، یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، البتہ مرض یا کسی دوسری ضرورت سے علاحدہ لیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

**سوال:** اگر کسی شخص کو تین سے زائد بستر کی ضرورت ہے تو کیا وہ تین سے زائد بستر رکھ سکتا ہے؟

**جواب:** بالکل رکھ سکتا ہے اصل بات یہ ہے کہ حدیث میں تین کا عدد تحدید کے لیے نہیں ہے کہ اس سے زائد بستر کسی صورت رکھے نہ جاسکتے ہوں، یہاں عدد تنویع کے لیے ہے، مقصد بستر کے جائز انواع بیان کرنا ہے، ایک نوع وہ جائز ہے جو آدمی اپنے لئے رکھے، دوسری نوع وہ جائز ہے جو آدمی اپنی بیوی کے لیے رکھے، اور تیسری نوع وہ جائز ہے جو آدمی اپنے مہمانوں کے لیے رکھے، اب اگر کسی نوع میں ایک سے زائد بستر کی ضرورت ہے تو رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً کسی کے یہاں مہمان کثرت سے آتے ہیں تو جتنے بستروں کی عموماً ضرورت پڑتی ہے، اتنے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

**سوال:** چوتھے بستر یعنی ضرورت سے زائد بستر کو شیطان کے لئے کیوں کہا گیا ہے؟

**جواب(۱):** ضرورت سے زائد رکھنا فخر وغرور پر آمادہ کرتا ہے اور یہ چیز مذموم ہے اور ہر مذموم چیز کی نسبت شیطان کی طرف کی جاتی ہے، لہٰذا اسکی نسبت بھی شیطان کی طرف کی گئی ہے۔ (۲) بستر ضرورت سے زائد رہے گا تو اس کو شیطان استعمال کرے گا، اس لیے اس کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔ (ملخص تکملہ فتح الملہم ۱۱۹-۱۲۰ ج۴)

## حدیث ۱۷۵ ﴿ٹخنوں سے نیچے لنگی پہننے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۳۱۱

وَعَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى مَنْ جَرَّ إِزَارَهٗ بَطَرًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۶۱ ج۲، باب من جر ثوبه، کتاب اللباس، حديث ۵۷۸۸ مسلم ص ۱۹۵ ج۲، باب تحريم جر الثوب، کتاب اللباس حديث ۲۰۸۷

**حل لغات:** جر (ن) جَرًّا کھینچنا، سبب بننا۔ بطرا بَطِرَ (سمع) بطراً، اترانا، اکڑنا، پھولا نہ سمانا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر نہیں فرمائیں گے، جو اپنی لنگی اتراتے ہوئے گھسیٹتا ہو۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ کہ ٹخنے کے نیچے لنگی یا پائجامہ پہننا درست نہیں ہے، جو شخص جان بوجھ کر از راہ تکبر ایسا کرے گا، اس پر خداوند قدوس بروز قیامت نظر کرم نہیں فرمائیں گے، البتہ اگر کوئی شخص کسی عذر کی بنا پر ٹخنے سے اوپر لنگی نہ رکھ پاتا ہو تو وہ اس وعید سے خارج ہے، چنانچہ حدیث میں مذکور وعید سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! میری لنگی ٹخنوں سے نیچے آجاتی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ تم متکبرین میں سے نہیں ہو۔ (ترغیب ص ۹۳ ج ۳)

لنگی اور پائجامہ کتنا نیچے رکھنا چاہئے، اس حوالے سے حضرت ابوسعید خدریؓ کا فرمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا تہبند نصف پنڈلی تک ہونا چاہئے، پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان بھی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے (ابن ماجہ ص ۲۹۴) معلوم ہوا کہ نصف ساق تک سنت ہے اور ٹخنوں تک جائز ہے، اور ٹخنوں سے نیچے ناجائز ہے۔ تفصیلات کے لیے ذیل کی احادیث کے ساتھ عالمی حدیث ۴۳۳۱ دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من جر ازاره بطرا جس نے اتراہٹ کی بنا پر اپنی لنگی گھسیٹی، جس طرح پائجامہ اور لنگی ٹخنوں کے نیچے پہننا ممنوع ہے، اسی طرح کرتا، قمیص، چادر اور عمامہ وغیرہ بھی ٹخنے سے نیچے لٹکانا ممنوع ہے۔ ابوداود کی روایت بالکل عام ہے "وما كان اسفل من الكعبين فهو في النار" (ٹخنوں کے نیچے جو بھی کپڑا ہو وہ اپنے پہننے والے کو جہنم میں لے جائیگا) ابوداود کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "الاسبال في الازار والقميص والعمامة من جر منها شيئاً خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة" (رواہ ابوداود فی قدر موضع الازار، کتاب اللباس) ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننے کی وعید مردوں کے حق میں ہے عورتیں اس وعید میں داخل نہیں ہیں۔ آپؐ نے عورتوں کو ٹخنے ڈھانکنے کا حکم دیا ہے، حافظؒ فرماتے ہیں کہ مردوں سے عورتوں کو ایک بالشت زائد کپڑا پہننا مستحب ہے (فتح الباری ص ۲۰۴ ج ۱۳) بطرا تکبر اور اتراہٹ کی بنا پر، خيلاء، مخيلة، بطر، كبر، زهو، تبختر، سب متقارب اور مترادف الفاظ ہیں، مقصد یہ ہے کہ اگر ٹخنوں سے نیچے لنگی تکبر اور اتراہٹ کی بنا پر ہے تو حرام ہے اور وعید اسی صورت میں ہے، اور اگر لاعلمی یا بے توجہی کی وجہ سے ہے تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر بلاقصد عذر کی بنا پر ہے تو مباح ہے (تفصیل کے لیے دیکھیں تکملہ فتح الملہم ص ۱۲۰ تا ۱۲۳ ج ۴)

## حدیث ۱۱۷۶ ﴿کپڑا گھسیٹتے ہوئے چلنے پر وعید﴾ عالمی حدیث ۴۳۱۲

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۶۰ ج ۲، باب من جر ازاره، کتاب اللباس، حدیث ۵۷۸۴ مسلم ص ۱۹۴ ج ۲، باب تحریم جر الثوب، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۸۵

**حل لغات:** خیلاء تکبر، اتراہٹ، خود پسندی۔ خَالَ (س) فلانٌ خَيلاً تکبر کرنا، مغرور ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تکبر کی وجہ سے اپنے کپڑے کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس پر قیامت کے دن نظر نہیں فرمائیں گے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ٹخنوں کے نیچے تکبر کی غرض سے کسی بھی کپڑے کے پہننے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، ایسا کرنا حرام ہے، اس عمل کی بنا پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محرومی ہوگی۔ اس حدیث سے یہ

بات بھی معلوم ہوئی کہ ممانعت کی اصل وجہ تکبر ہے، لیکن چوں کہ تکبر ایک امر مخفی ہے، لہٰذا محض ٹخنے کے نیچے پہننے کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا، جس طرح سفر کو مشقت کا اور نوم کو حدث کا قائم مقام بنایا گیا ہے، لہٰذا ٹخنے کے نیچے پہننا بہر حال مکروہ ہے، البتہ تکبر کی غرض سے مکروہ تحریمی ہے اور غفلت کی صورت میں مکروہ تنزیہی ہے، لیکن بغیر قصد وارادہ کے عذر کی بنا پر رخصت ہے، کیوں کہ غیر اختیاری صورت کا انسان مکلف نہیں ہے، بخاری میں روایت ہے "فقام یجر ثوبه مستعجلا" آپ جلدی میں کپڑا گھسیٹتے ہوئے کھڑے ہوئے، معلوم ہوا کسی ہنگامی صورت میں اگر کپڑا کھسک کر ٹخنے کے نیچے چلا گیا تو یہ قابل گرفت نہیں ہے، اصلاً تکبر کی غرض سے لٹکانا مذموم ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۱۲۳ ج ۴۔ کشف الباری ج ۱۳)

**کلمات حدیث کی تشریح** من جر ثوبه خیلاء تکبر کی غرض سے کپڑا ٹخنوں کے نیچے لٹکایا، بعض روایات میں مطلقاً ممانعت آئی ہے، ان کو تکبر کی قید والی احادیث پر محمول کیا جائے گا، اور جن روایات سے اجازت معلوم ہوتی ہے، انھیں عدم تکبر پر محمول کیا جائے گا، تاکہ دونوں طرح کی روایات میں تطبیق ہو سکے، البتہ جان بوجھ کر اس عمل کی انجام دہی سے گریز کرنا چاہئے، اس لیے کہ یہ متکبرین کا شعار ہے، اس سے تکبر پیدا ہونے کا اندیشہ تو بہر حال موجود ہے ہی۔ مزید کے لیے ذیل کی احادیث اور عالمی حدیث ۴۳۳۱ دیکھیں

## حدیث ۱۱۷۷ ﴿کپڑا گھسیٹتے ہوئے چلنے پر عذاب کا نازل ہونا﴾ عالمی حدیث ٤٣١٢

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَجُرُّ إِزَارَهُ مِنَ الْخُيَلَاءِ خُسِفَ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْأَرْضِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

**حوالہ:** بخاری، ص ٤٩٥ ج ١ باب کتاب احادیث الانبیاء. حدیث ٣٤٨٥

**حل لغات:** خسف (ض) الارض دھنسا دینا۔ یتجلجل (تفعلل) گونجنا، الشئ فی الارض زمین میں دھنسنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص تکبر کی غرض سے اپنی لنگی گھسیٹے ہوئے چل رہا تھا، چنانچہ وہ زمین میں دھنسا دیا گیا اب وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تکبر کی غرض سے کپڑا گھسیٹتے ہوئے چلنا اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے، اور اس جرم کی بنا پر بسا اوقات اللہ تعالیٰ دنیا ہی سے عذاب کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں۔ تفصیل کے لیے عالمی حدیث ۴۳۳۱ دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** رجل بنی اسرائیل کا کوئی شخص ہے، بعض روایات میں "ممن کان قبلکم" (تم سے پہلے لوگوں میں تھا) کے الفاظ ہیں، بعض لوگوں نے اس کا مصداق قارون کو ٹھہرایا ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ "من لبس ثوبا فاختال فیه خسف به من شفیر جهنم فهو یتجلل فیها" جس شخص نے کوئی کپڑا پہنا اور اس میں وہ اترایا، تو وہ جہنم کے کنارہ سے دھنسے گا اور پھر وہ دھنستا رہے گا۔ لأن قارون لبس حلة فاختال فیها فخسف به الارض فهو یتجلل فیها الی یوم القیامة" اس لیے کہ قارون نے ایک جوڑا پہن کر اتراہٹ کا مظاہرہ کیا، تو اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا، چنانچہ وہ قیامت تک دھنستا رہے گا۔ (فتح الباری ص ۲۰۶ ج ۱۳) ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ رجل کو مبہم ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قارون کے علاوہ کوئی اور ہے، کیوں کہ اگر اس سے قارون مراد ہوتا تو اس کا ذکر بالصراحت ہوتا۔ (مرقات ص ۲۳۸ ج ۸)

**حدیث۱۱۷۸ ﴿ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننے والا جہنم میں جائیگا﴾ عالمی حدیث ٤٣١٤**

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاأَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فِي النَّارِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

**حوالہ:** بخاری، ص ۸٦۱ ج ۲، باب ما اسفل من الکعبین، کتاب اللباس، حدیث ٥٧٨٧

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جتنی لنگی ٹخنوں سے نیچے ہے وہ جہنم کی آگ میں ہے۔(بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ لنگی یا کوئی دوسرا کپڑا جان بوجھ کر ٹخنوں سے نیچے پہننا نہایت قبیح عمل ہے اور یہ جہنمیوں کا کام ہے، اور جتنا حصہ ٹخنے سے نیچے ڈھانکا جائے گا وہ حصہ جہنم کی آگ میں جلے گا، لہٰذا اس سلسلے میں بہت محتاط رہنا چاہئے اور سنت کے مطابق کپڑا نصف ساق تک رکھنا چاہئے اور ٹخنوں سے اوپر تو بہر حال رکھنا چاہئے، کیوں کہ اس سے نیچے کی گنجائش نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار ٹخنے کے نیچے لنگی پہننا جہنم میں جانے کا سبب ہے۔ اس حدیث میں اگر چہ خاص طور پر لنگی کا ذکر ہے، لیکن یہ حکم عام ہے، اس میں پاجامہ، قمیص، کرتا، شیروانی سب داخل ہیں، لنگی کا خاص طور پر ذکر اس لئے ہے کہ اکثر اوقات اسی کو ٹخنے سے نیچے پہننے کا معمول تھا، لنگی وغیرہ کو ٹخنے سے نیچے پہننا اتنا بڑا جرم ہے کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ شعبان کی پندرہویں رات میں سب مسلمانوں کی مغفرت کی جاتی ہے، لیکن والدین کے نافرمان، شراب کے رسیا اور لنگی ٹخنے سے نیچے پہننے والے مغفرت سے محروم رہتے ہیں۔ اس موضوع سے متعلق تفصیلات گذشتہ احادیث ۴۳۱۱ تا ۴۳۱۳ کے تحت دیکھ لی جائیں۔ نیز عالمی حدیث ۴۳۳۱ دیکھیں۔

**حدیث۱۱۷۹ ﴿کپڑا پہننے کے ممنوع طریقہ کا ذکر﴾ عالمی حدیث ٤٣١٥**

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهٖ أَوْيَمْشِيَ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَأَنْ يَشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ أَوْ يَحْتَبِيَ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ كَاشِفاً عَنْ فَرْجِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

**حوالہ:** مسلم، ص ۱۹۸ ج ۲ باب النهي عن اشتمال الصماء، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۷۳

**حل لغات:** یشتمل (افتعال) اِشْتَمَلَ بثوبه، کپڑے میں پورا لپٹ جانا کہ ہاتھ بھی باہر نہ رہے "الصماء" چادر کو پہلے دائیں ہاتھ اور بائیں مونڈھے پر اور پھر بائیں ہاتھ اور دائیں مونڈھے پر ڈال کر لپیٹنا۔ یحتبی (افتعال) سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے ان کے گرد سہارا لینے کے لیے دونوں ہاتھ باندھنا یا کمر اور گھٹنوں کے گرد کپڑا باندھنا۔ (عرب لوگ اکثر اس طرح بیٹھا کرتے تھے)

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے، یا ایک جوتا پہن کر چلے، یا کپڑے کو بدن پر اس طرح لپیٹ لے کہ دونوں ہاتھ کپڑے کے اندر آجائیں، یا بدن پر کوئی ایک کپڑا لپیٹ کر اس طرح گوٹ مار کر بیٹھے کہ اس کا ستر کھلا ہوا ہو۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپ ﷺ نے چار باتوں سے منع فرمایا ہے (۱) بائیں ہاتھ سے کھانے سے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوجاتا ہے۔ (احمد) بائیں سے شیطان کھاتا پیتا ہے، لہٰذا مسلمان کو بائیں ہاتھ سے کھانے کی ممانعت ہے اور دائیں ہاتھ سے کھانے کی تاکید ہے۔ (۲) ایک پیر میں جوتا پہننا بھی منع ہے، اس لیے کہ یہ بدسلیقگی بھی ہے اور اس میں چوٹ کھانے کا بھی قوی اندیشہ ہے۔ (۳) ایک کپڑا بدن پر اس طرح لپیٹ لینا کہ

دونوں ہاتھ اندر بند ہو جائیں ممنوع ہے، بعض مرتبہ اچانک ہاتھوں سے کام لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، مثلاً اس طرح کپڑا لپیٹ کر چل رہا تھا کہ اچانک ٹھوکر لگی تو ہاتھ سے ٹیک لگانے کی ضرورت پیش آئے گی اور ہاتھ جلدی نکل نہ سکیں گے تو گر پڑے گا۔ (۴) اسی طرح ایک کپڑے میں حبوہ بنانا یعنی گھٹنے کھڑے کر کے چاروں طرف سے کپڑا لپیٹ کر بیٹھنا، جبکہ شرم گاہ پر کوئی مستقل کپڑا نہ ہو ممنوع ہے، کبھی کسی کے دھکا دینے سے آدمی گر پڑتا ہے یا اونگھتے ہوئے گر جاتا ہے تو ننگا پا کھل جاتا ہے، غرض کپڑا پہننے کی ایسی ہیئت ممنوع ہے، جس سے بوقت ضرورت ہاتھ نہ نکل سکیں، یا ننگا ہو جانے کا احتمال ہو۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** ان یاکل الرجل بشماله آپ ﷺ نے بائیں ہاتھ سے کھانے سے منع فرمایا اور دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم دیا۔ تفصیل کے لیے عالمی حدیث ۴۱۵۹ دیکھیں او یمشی فی نعل واحدۃ آپ ﷺ نے ایک پیر میں جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت فرمائی۔ ایک پیر میں جوتا پہن کر چلنا وقار کے منافی اور بے ڈھنگے پن کی علامت ہے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "لا یمشی احدکم فی النعل الواحدۃ لینتعلهما جمیعا او لیخلعهما جمیعا" (ابوداود) آدمی کو ایک پیر میں جوتا پہن کر نہیں چلنا چاہیے، یا دونوں پاؤں میں جوتا پہنے یا دونوں پاؤں سے جوتا اتار دے۔

**سوال:** جب ایک پیر میں جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت تھی تو حضرت عائشہؓ نے اس کے خلاف کیوں عمل کیا ہے "انها مشت بنعل واحدۃ" (ترمذی) حضرت عائشہؓ ایک پیر میں جوتا پہن کر چلیں۔

**جواب:** عمومی احوال میں ایک پیر میں جوتا پہن کر چلنا منع ہے، لیکن عارض اور مجبوری میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً ایک جوتا قریب میں ہے دوسرا تھوڑی دور ہے تو ایک پیر میں پہن کر دوسرے جوتے تک جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، یا ایک جوتا چلنے کے دوران ٹوٹ گیا تو اس کو اتار کر دوسرے کو پہنے ہوئے چلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

**وان یشتمل الصماء** چادر کو اس طرح پورے بدن پر لپیٹنا کہ ہاتھ پاؤں سب اس کے اندر رہ جائیں اور بوقتِ ضرورت ہاتھوں کا نکالنا دشوار ہو جائے، اس طرح کا لباس پہننا منع ہے، اس لیے کہ اس میں گرنے کا خوف بھی ہے اور وقار کے منافی بھی ہے۔ **او یحتبی فی ثوب واحد** اس طرح کا لباس کہ سامنے کی طرف سے شرمگاہ کھل جائے درست نہیں ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ صرف ایک چادر میں احتباء کیا جائے اور لنگی نہ پہنی جائے۔

## حدیث ۱۱۸۰ ﴿ریشمی کپڑا پہننے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۳۱۶-۱۷-۱۸-۴۳۱۹

وَعَنْ عُمَرَ وَأَنَسٍ وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَأَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَبِسَ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۶۷ ج ۲؛ باب لبس الحریر للرجال، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۳۵، مسلم ص ۱۹۰ ج ۲، باب تحریم استعمال اناء الذهب، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۶۸

**ترجمہ:** حضرت عمرؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت ابوامامہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کے لیے ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ میں ریشم رکھا اور بائیں ہاتھ میں سونا رکھا اور پھر فرمایا کہ میری امت کے مردوں پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ (ابوداود) اب اگر کوئی شخص حرام ہونے کے باوجود اس کو پہنے گا تو وہ جنت کے ریشمی لباس سے محروم کر دیا جائے گا اور اس کو

قیامت کے دن آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ آپ کا فرمان ہے "من لبس الحریر فی الدنیا البسه الله یوم القیامة ثوبا من نار" (احمد) جو شخص دنیا میں ریشمی لباس پہنے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن جہنم کی آگ کا لباس پہنائیں گے، یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسا شخص جنت میں ابتداء میں داخل ہونے سے بھی محروم رہے گا، لہٰذا مردوں کو ریشمی کپڑا ہرگز نہ پہننا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من لبس الحریر اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ دنیا میں ریشمی لباس پہننے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا، کیوں کہ جنتیوں کا لباس ریشم ہے، قرآن کریم میں ارشاد رب ہے "ولباسهم فیها حریر" ایسے شخص کو جنت کے لباس کے ساتھ ابتدائی طور پر جنت میں دخول سے محرومی بھی ہوگی، البتہ اپنے گناہ کی سزا پانے کے بعد پھر جنت میں داخل ہو سکے گا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایسا شخص اگر اپنی دوسری نیکیوں کی بدولت جنت میں داخل بھی ہوگیا تو جنت کا ریشمی لباس اس کو نہیں ملے گا۔ (فتح الباری ص ۲۵۳ ج ۱۳)

## ﴿مردوں کے لیے ریشم کا استعمال اور اختلافِ ائمہ﴾

مردوں کے لیے ریشم کا استعمال عام حالات میں ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے اور حالتِ اضطرار میں بالاتفاق جائز ہے، البتہ بیماری اور جنگ وسفر وغیرہ میں خالص ریشمی لباس مردوں کے لیے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

**امام ابو حنیفہ کا مذہب:** امام صاحبؒ و امام مالکؒ کے نزدیک اس صورت میں خالص ریشم کا لباس استعمال کرنا جائز نہیں ہے

**امام شافعی کا مذہب:** امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور حنفیہ میں سے صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں خالص ریشمی لباس کا استعمال مردوں کے لیے جائز ہے۔

**امام ابو حنیفہ کی دلیل:** امام صاحب اور امام مالکؒ ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں ریشمی لباس کے استعمال کی ممانعت وارد ہوئی ہے، ترمذی کی روایت ہے "حرم لباس الحریر والذهب علی ذکور امتی واحل لاناثهم" (ریشم کا لباس اور سونا میری امت کے مردوں کے لیے حرام ہے اور عورتوں کے لیے حلال ہے)

**امام شافعی کی دلیل:** یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، جس میں ہے کہ "ان رسول الله صلی الله علیه وسلم رخص لعبدالرحمن بن عوف والزبیر بن العوام فی القمیص الحریر فی السفر من حکة کانت بهما او وجع کان بهما" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ دونوں صحابہ کو سفر میں خارش یا کسی دوسرے مرض کی وجہ سے ریشمی قمیص استعمال کرنے کی اجازت دی تھی)۔

**جواب:** حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت زبیرؓ کی روایت کو حنفیہ ان حضرات کی خصوصیت پر محمول کرتے ہیں، خصوصیت پر ابن عساکر کی اس روایت سے استدلال کیا جاتا ہے جو حضرت محمد بن سیرینؒ سے منقول ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک ریشمی قمیص پہنے دیکھا تو پوچھا یہ کیوں؟ انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی یہ روایت ذکر کی، تو حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا اولک مثل مالعبد الرحمن (کیا آپ کو بھی اسی طرح رخصت حاصل ہوگئی، جیسے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو حاصل تھی؟) اور پھر اس قمیص کو پھاڑ دیا۔ حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ فرماتے ہیں کہ فقول ابی حنیفة فی الباب اورع واحوط وقولهما اوسع واقوی واحبط. (اعلاء السنن، کشف الباری)

## ﴿مردوں کے لیے ریشمی لباس کی جائز مقدار﴾

مردوں کے لیے ریشمی لباس کی کتنی مقدار جائز ہے؟ چار انگلیوں کے بقدر یا اس سے کم ریشم کا استعمال لباس میں کرنا جائز ہے، کیوں کہ چار انگشت کی رخصت خود حدیث میں وارد ہوئی ہے، یہ تو خالص ریشم کا حکم ہے، البتہ اگر کوئی کپڑا ایسا ہے کہ اس میں ریشم خالص نہیں، بلکہ اون وغیرہ کے ساتھ ملا ہوا ہے، تو جمہور فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں غالب کا اعتبار ہوگا، ریشم غالب ہے تو ناجائز ہے، مغلوب ہے تو جائز ہے (کشف الباری)

**حدیث ۱۱۸۱ ﴿دنیامیں ریشم پہننا آخرت میں محرومی کی علامت﴾ عالمی حدیث ۴۳۲۰**

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا مَنْ لَاخَلَاقَ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ:** بخاری، ص۸۶۷ ج۲، باب لبس الحرير، كتاب اللباس، حديث ۵۸۳۵ مسلم، ص ۱۹۱ ج۲، باب تحريم استعمال اناء الذهب، كتاب اللباس، حديث ۲۰۶۸

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا، اس کے لیے آخرت میں حصہ نہیں ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ مردوں کو دنیا میں ریشم نہیں پہننا چاہیے ورنہ انہیں جنت کا ریشمی لباس نہیں ملے گا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لاخلاق لہ فی الآخرة اگر ریشم کو حلال سمجھ کر کوئی پہنے گا تو وہ دائمی طور پر آخرت کی تمام نعمتوں سے محروم ہوگا اور اگر حرام سمجھتے ہوئے پہنے گا تو وقتی طور پر جنت سے محروم ہوگا اور جہنم کا عذاب جھیلے گا۔ مزید تفصیلات گذشتہ حدیث میں دیکھیں۔

**حدیث ۱۱۸۲ ﴿سونے کے برتن استعمال کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۳۲۱**

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَشْرَبَ فِيْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ وَأَنْ نَأْكُلَ فِيْهَا وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَأَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ:** بخاری، ص۸۸۶ ج۲ باب افتراش الحرير، كتاب اللباس، حديث ۵۸۳۷ مسلم ص ۱۸۹ ج۲ باب تحريم استعمال اناء الذهب، كتاب اللباس، حديث ۲۰۶۷

**ترجمہ:** حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چاندی وسونے کے برتن میں پینے سے اور کھانے سے منع فرمایا ہے، اور ریشم ودیباج پہننے سے منع فرمایا ہے، نیز اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** سونا اور ریشم مردوں کے لیے استعمال کرنا حرام ہے، کیوں کہ یہ چیزیں نسوانیت پیدا کرتی ہیں اور عیش کوشی ولذت طلبی کی دعوت دیتی ہیں، چوں کہ عورتوں میں آرائش مطلوب ہے، لہٰذا ان کے لیے ان چیزوں کا استعمال حلال کیا گیا ہے، لیکن عورتوں کے لیے بھی سونا و چاندی زیور کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے، سونے وچاندی کے برتن وغیرہ جس طرح مردوں کے لیے استعمال کرنا حرام ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی حرام ہے۔ مردوں کے لیے چار گرام کے بقدر چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، اسی طرح دو، تین یا چار انگشت کے بقدر کپڑے میں ریشم کے استعمال کی بھی اجازت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نهانا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی آنیة الفضة والذهب آپؐ نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے، اور یہ ممانعت مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہے۔ ابوداود میں روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ جو کہ مدائن میں رہتے تھے، اِن کو حضرت عمرؓ نے وہاں کا امیر مقرر کیا تھا، ایک روز انھوں نے پانی مانگا تو ان کے پاس ایک "دهقان" چاندی کے پیالے میں پانی لے کر آیا، حضرت حذیفہؓ نے اس کو پھینک دیا، اور فرمایا کہ میں نے اس کو ویسے ہی نہیں پھینک دیا، بلکہ میں نے اس کو اس میں پانی لانے سے منع کیا تھا، مگر یہ باز نہیں آیا، حالاں کہ حضورؐ نے "حریر اور دیباج" پہننے سے منع فرمایا ہے اور سونے چاندی کے برتن میں پینے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ چیزیں دنیا میں صرف کفار کے لئے ہیں اور تمہارے لیے صرف آخرت میں ہیں۔ (ابوداود ص ۵۲۳ ج ۲) مزید تفصیل کے لیے عالمی حدیث ۴۲۷۱۔۴۲۷۲ دیکھیں۔

وعن لبس الحرير والديباج آپؐ نے ریشم اور دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے "دیباج" اس ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں جس کا تانا بانا دونوں ریشم کا ہوتا ہے۔ ریشمی کپڑا نہ آپؐ نے اپنے لیے پسند کیا اور نہ اپنی امت کے مردوں کے لیے پسند کیا، حضرت عمرؓ نے ایک زرد دھاری دار ریشمی جوڑا (بازار) میں فروخت ہوتے ہوئے دیکھا، تو انھوں نے آپؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ اسے خرید لیتے تو بہتر ہوتا، جمعہ کے دن نیز جب دوسرے ملکوں کے وفود آپؐ کے پاس آتے تو آپ ان سے ملاقات کے وقت پہن لیا کرتے، آپؐ نے فرمایا یہ لباس تو وہ پہنے جسے آخرت میں کچھ نصیب نہ ہوگا، پھر اتفاق سے آپؐ نے ایک ویسا ہی جوڑا حضرت عمرؓ کو عنایت فرمایا، انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپؐ مجھے یہ پہنا رہے ہیں، جب کہ آپ ہی نے اس جوڑے کے متعلق یوں فرمایا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ تجھے اس لیے دے رہا ہوں تا کہ تم اس کو بیچ لو، یا کسی اور کو پہنا دو (بخاری) مقصد یہ تھا کہ مردوں کے لیے پہننا حرام ہے، لیکن عورتوں کے لیے اجازت ہے اسی طرح ریشم کی تجارت بھی حلال ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے عالمی حدیث ۴۳۱۶ دیکھیں۔

## حدیث ۱۱۸۳ ﴿ریشمی کپڑا استعمال کرنے والے پر آپؐ کا غصہ﴾ عالمی حدیث ۴۳۲۲

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ أُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُلَّةٌ سِيَرَاءُ فَبَعَثَ بِهَا إِلَيَّ فَلَبِسْتُهَا فَعَرَفْتُ الْغَضَبَ فِيْ وَجْهِهِ فَقَالَ إِنِّيْ لَمْ أَبْعَثْ بِهَا إِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا إِنَّمَا بَعَثْتُ بِهَا إِلَيْكَ لِتُشَقِّقَهَا خُمُرًا بَيْنَ النِّسَاءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حواله:** بخاری، ص ۳۵٦ ج ۱ باب هدية مایکره لبسها، کتاب الهبة، حدیث ۲٦۱٤ مسلم، ص ۱۹۰ ج ۲ باب تحریم استعمال اناء الذهب، کتاب اللباس، حدیث ۲۰٦۹

**حل لغات:** سیراء زرد ریشم کی دھاری دار چادر، وہ کپڑا جس میں تسموں کی طرح ریشم کی لکیریں پڑی ہوئی ہوں، خمر جمع ہے، واحد "خِمَارٌ" ہے عورت کا دوپٹا، اوڑھنی۔

**ترجمه:** حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ ایک ریشمی جوڑا پیش کیا گیا، آپؐ نے اس کو میرے پاس بھیج دیا، میں نے اس کو پہن لیا تو میں نے آپؐ کے چہرۂ انور پر غصہ کے آثار محسوس کیے، پھر آپؐ نے فرمایا کہ میں نے یہ جوڑا تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کو پہن لو، میں نے تو اس لئے اس کو تمہارے پاس بھیجا تھا تا کہ اس کو پھاڑ کر عورتوں کے دوپٹے بنا دو۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے ریشم پہننا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص ریشمی لباس تحفہ کے طور پر دے تو اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، قبول کر کے اس کو خود نہ استعمال کر کے عورتوں کو استعمال کرنے کے لیے دیدیا جائے، کیوں کہ ریشمی کپڑا عورتیں استعمال کر سکتی ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فبعث بها الی آپ نے ریشمی لباس حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا، حضرت علیؓ نے اس کو یہ سمجھ کر پہنا کہ آپ نے اس کو اسی لیے عطا کیا ہے، ممکن ہے کہ اس میں ریشم اتنی مقدار میں ہو کہ اس کا پہننا جائز ہو، آپ کا غصہ اس بنا پر تھا کہ علی جیسے متقی شخص کے لیے ریشمی لباس زیبا نہیں، انہیں تو اس کو عورتوں میں تقسیم کرنا چاہئے تھا، بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور کی خفگی جب محسوس کی تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنی عزیز عورتوں کو دے دیا الفاظ ہیں "فَرَاَیْتُ الْغَضَبَ فِیْ وَجْهِهٖ فَشَقَقْتُهَا بَیْنَ نِسَائِیْ" آپ کے چہرے پر غصہ دیکھا تو میں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنی عزیز عورتوں میں تقسیم کر دیا (بخاری ص ۸۶۸ ج ۲) مزید کے لیے عالمی حدیث ۴۳۱۶ دیکھیں۔

## حدیث ۱۱۸٤ ﴿ریشم کی جائز مقدار کا ذکر﴾ عالمی حدیث ٤٣٢٣-٤٣٢٤

وَعَنْ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ إِلَّا هٰكَذَا وَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِصْبَعَيْهِ الْوُسْطٰى وَالسَّبَّابَةَ وَضَمَّهُمَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ أَنَّهُ خَطَبَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ إِلَّا مَوْضِعَ إِصْبَعَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ أَوْ أَرْبَعٍ

**حوالہ:** بخاری، ص ۸٦۷ ج ۲، باب لبس الحرير للرجال، کتاب اللباس، حديث ۵۸۲۹ مسلم، ص ۱۹۱ ج ۲ باب استعمال اناء الذهب، کتاب اللباس، حديث ۲۰٦۹

**ترجمہ:** حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے، مگر اتنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو مبارک انگلیاں اٹھائیں، یعنی درمیانی اور شہادت والی انگلی اور دونوں کو ملایا۔ (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جابیہ کے مقام پر حضرت عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے، مگر دو یا تین یا چار انگلیوں کے بقدر کی اجازت ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کے لباس میں اگر چار انگلیوں کے بقدر یا اس سے کم ریشم کی آمیزش ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، اس سے زائد مقدار میں اگر ریشم ہے تو اس لباس کا مردوں کے لیے استعمال حرام ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الا هكذا اس حدیث سے مردوں کے لیے اولاً دو انگشت کے بقدر پھر چار انگشت کے بقدر ریشم کا جواز معلوم ہو رہا ہے، مگر اس سے مراد یہ ہے کہ "سنجاف" یعنی کپڑے کے اطراف جیسے گریبان اور کف اور آگے پیچھے چاک کے سرے میں جائز ہے، چنانچہ بخاری میں ہے اس حدیث کے بعد "فيما علمنا انه يعني الاعلام" ابو عثمان مہدیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق اس سے ان کا مقصد گل بوٹے اور نقش و نگار تھے، یعنی لباس میں بسا اوقات پھول اور گل بوٹے اور نقش و نگار بنائے جاتے ہیں، تو اگر جائز مقدار میں اس کا استعمال ہے تو کوئی حرج نہیں ہے شرعاً اس کی رخصت ہے۔ (الدر المنضود، کشف الباری)

## حدیث ۱۱۸۵ ﴿رسول اللہ کے جبہ کا ذکر﴾ عالمی حدیث ٤٣٢٥

وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ أَنَّهَا أَخْرَجَتْ جُبَّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةٍ لَهَا لِبْنَةُ دِيْبَاجٍ وَفَرْجَيْهَا مَكْفُوْفَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ وَقَالَتْ هٰذِهِ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِيْ بِهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم ص ۱۹۰ ج ۲ باب تحريم استعمال اناء الذهب والفضة، کتاب اللباس، حديث ۲۰٦۹

**ترجمہ:** حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک طیالسی کسروانیہ جبہ نکالا، جس کا گریبان ریشم کا تھا اور اس کے دونوں چاک کے سرے ریشم کے ساتھ سلے ہوئے تھے، اور حضرت اسماءؓ نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے، جو حضرت عائشہؓ کے پاس تھا، جب ان کی وفات ہوگئی تو میں نے اس کو لے لیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ کو پہنا کرتے تھے، ہم اس کو مریضوں کے لیے دھلتے ہیں اور اس سے شفا حاصل کرتے ہیں۔ (مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کپڑے میں ریشمی دھاری یا اس کے کناروں وغیرہ پر کچھ ریشم لگا ہوا ہے تو اس کا استعمال مردوں کے لیے حلال ہے، آپ کے پاس بھی اسی طرح کا جبہ تھا، جس کو آپ نے کبھی کبھار پہنا بھی ہے

**کلمات حدیث کی تشریح** جبة طیالسة یہ وہ مخصوص لباس جس کو بادشاہ وغیرہ پہنتے ہیں **کسروانیة** کسریٰ فارس کے بادشاہ کی طرف منسوب ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۱۰۲ ج ۴) "طیالس" اصل میں "طیلسان" کی جمع ہے اور "طیلسان" ایک دوسری زبان کے لفظ "تالسان" کا معرب ہے، پہلے زمانہ میں اس چادر کو عام طور پر یہودی لوگ اوڑھا کرتے تھے، یہاں حدیث میں جس جبہ کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اسی چادر کا بنایا گیا تھا، اور سیاہ رنگ کا گول تھا، چوں کہ اس طرح کا جبہ فارس یعنی ایران کے بادشاہ خسرو کی طرف منسوب ہوتا تھا اور خسرو کا عربی لفظ "کِسریٰ" یا بعض کے مطابق کَسریٰ ہے اس لیے اس جبہ کو کسروانیہ کہا گیا ہے۔ (مظاہر حق)

**وفرجیها مکفوفین بالدیباج** اس جبہ کے دونوں چاک دیباج کے تھے، بعض جبوں میں کچھ چاک کھلا ہوتا ہے، کچھ جبے تو وہ ہوتے ہیں جو آگے سے پورے کھلے ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو آگے سے پورے کھلے نہیں ہوتے، بلکہ کچھ حصہ نیچے سے کھلا ہوتا ہے۔ جن جبوں کے چاک کھلے ہوتے ہیں، اسی طرح کا یہ جبہ تھا اور انہیں دونوں چاکوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان پر جو سنجاف یعنی گوٹ لگی تھی وہ ریشم کی تھی۔ "دیباج" کخواب کے مانند موٹے ریشم کو کہتے ہیں۔

**سوال:** حضرت اسماءؓ نے یہ جبہ نکال کر لوگوں کو کیوں دکھایا؟

**جواب** (۱) ابوداود میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے بازار سے ایک شامی کپڑا خریدا، جب اس کے اندر سرخ دھاگے دیکھے جو کہ ریشم کے تھے، تو انھوں نے اس کو واپس کردیا، ابو عمرو جو کہ اس حدیث کے راوی ہیں وہ حضرت اسماءؓ کے مولیٰ بھی تھے، انھوں نے حضرت اسماء سے اس کا ذکر کیا، چنانچہ حضرت اسماءؓ نے لونڈی سے آپ کا جبہ منگوا کر لوگوں کو دکھایا، تاکہ حضرت ابن عمرؓ اور دیگر لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم ہوجائے کہ تھوڑی مقدار میں اگر کپڑے میں ریشم لگا ہے تو اس کا استعمال مردوں کے لیے جائز ہے

(۲) تاکہ لوگوں کو اس نعمت یعنی جبہ کا حضرت اسماءؓ کے پاس ہونے کا علم ہوجائے۔

**تعارض:** حدیث باب کا آگے عمران بن حصینؓ کی حدیث آرہی ہے "**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا البس القمیص المکفف بالحریر**" (میں ایسا کرتا نہیں پہنتا جس پر ریشمی سنجاف لگا ہو) سے تعارض ہے، دونوں احادیث بظاہر ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

**دفع تعارض:** (۱) حدیث اسماءؓ میں جبہ کا تذکرہ ہے اور حدیث عمران میں قمیص کا، جبہ اور قمیص میں فرق ہے، کیوں کہ دونوں کی ساخت الگ ہوتی ہے، جبہ میں تزئینی کام ہوتا ہے اور قمیص میں سادگی ہوتی ہے، اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں ریشمی سنجاف لگائی ہوئی قمیص نہیں پہنتا۔ (۲) حدیث ثانی سے مراد وہ قمیص ہے جس میں ریشم چار انگل سے زائد ہو اور چار انگل کے بقدر ریشم کا استعمال جائز ہے، جبہ میں چار انگل یا اس سے کم مقدار میں ریشم ہوگا، اس لئے اس کو پہنا اور قمیص میں زائد تھا اس لئے نہیں پہنا۔ (۳) قمیص میں زیب وزینت اور تجمل زیادہ نظر آیا، اس لیے اس کو نہیں پہنا۔ (ایضاح المشکوۃ)

**سوال:** کیا قمیص میں سنجاف لگانا درست ہے؟

**جواب:** آپؐ کے فرمان "لا البس" (میں نہیں پہنتا) سے ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ فیشن اور زینت سے پرہیز کرنا ثابت ہوتا ہے، لہٰذا چار انگلیوں کے بقدر کی اجازت اس میں بھی ہے۔ (حوالہ بالا)

## حدیث ۱۱۸۶ ﴿ضرورت کیوقت ریشمی کپڑا پہننے کی رخصت﴾ عالمی حدیث ۴۳۲۶

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فِيْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ لِحِكَّةٍ بِهِمَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّهُمَا شَكَوَا الْقَمْلَ فَرَخَّصَ لَهُمَا فِيْ قُمُصِ الْحَرِيْرِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۶۸ ج ۲ باب ما یرخص للرجال من الحریر للحکۃ، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۳۹
مسلم ص ۱۹۳ ج ۲ باب اباحۃ لبس الحریر، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۷۶

**حل لغات:** حکۃ کھجلی، خارش، اِحْتَكَّ الْجِسْمُ، خارش ہونا، حَكَّ(ن) حَكًّا الشئیَ بِالشئیِ رگڑنا، گھسنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں فرمایا کہ ان دونوں نے جوئیں پڑ جانے کی شکایت کی، تو آپؐ نے دونوں لوگوں کو ریشم پہننے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

**خلاصہ حدیث** ریشمی کپڑا گرم اور آرام دہ ہوتا ہے، اس سے جوئیں ختم ہو جاتی ہیں، لہٰذا آپؐ نے ضرورت کی بنا پر اجازت مرحمت فرمائی، حنفیہ کے نزدیک یہ اجازت مذکورہ حضرات کے ساتھ خاص تھی، عام لوگ اِس ضرورت کی بنا پر خالص ریشم کا لباس استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔ تفصیلات کے لیے عالمی حدیث ۴۳۱۶ دیکھیں

**کلمات حدیث کی تشریح** رخص رسول الله صلى الله عليه وسلم للزبير وعبد الرحمن بن عوف في لبس الحرير لحكة بهما حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زبیرؓ کے خارش ہوگئی، تو آپؐ نے ان کو ریشم کی قمیص پہننے کی اجازت عطا فرمائی، یہاں خارش کا ذکر ہے جب کہ بخاری میں ایک موقع پر ہے "انهما شكوا الىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم يعني القمل" اِن دونوں نے جویں پڑنے کی شکایت کی تو آپؐ نے ریشم استعمال کرنے کی اجازت دی، کیوں کہ ریشم میں جویں نہیں پڑتے ہیں۔ حافظؒ نقل کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ان دو صاحب میں سے ایک صاحب کو کھجلی اور دوسرے کو جوئیں پڑنے کی شکایت ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کھجلی جوئیں پڑنے کی بنا پر ہوئی ہو، تو کبھی علت کی نسبت سبب کی طرف کی گئی اور کبھی سبب کے سبب کی طرف کی گئی ہے۔ (فتح الباری ص ۱۱۹ ج ۶) اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خارش کی وجہ سے یا جوؤں کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے مردوں کے لیے ریشم کا استعمال مطلقاً جائز ہے، اسی طرح جنگ کے اندر بھی ریشم کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے، کیوں کہ اگر خالص ریشم ہو تو تلوار اچٹ جاتی ہے، اور آدمی زخمی ہونے سے بچ جاتا ہے، لہٰذا ان دونوں صورتوں میں ریشم کا استعمال مردوں کے لئے مطلقاً جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں بھی خالص ریشم پہننا مردوں کے لیے جائز نہیں، البتہ مخلوط ریشم پہننا جائز ہے اور مخلوط میں بھی تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کپڑے کا بانا ریشم ہے اور تانا غیر ریشم ہے تو یہ حنفیہ کے نزدیک مردوں کے لیے پہننا جائز نہیں ہے، البتہ اگر تانا ریشم ہو اور بانا غیر ریشم ہو تو ایسا کپڑا عام حالات میں بھی پہننا جائز ہے، لیکن حالتِ مرض اور حالتِ جنگ میں ایسا مخلوط کپڑا بھی حنفیہ کے نزدیک جائز ہے جس کا بانا ریشم کا اور تانا غیر ریشم کا ہو چنانچہ حدیث باب اور اس جیسی دوسری احادیث کو جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے کی اجازت دی ہے حنفیہ اس

صورت پر محمول کرتے ہیں جس میں بانا ریشم کا ہو اور تانا غیر ریشم کا ہو، اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے کے اندر اصل بانا ہوتا ہے اور بانا ہی سامنے رہتا ہے اور تانا اندر رہتا ہے، لہٰذا اگر تانا ریشم ہے اور بانا غیر ریشم ہے تو اس کپڑے کے ظاہر میں ریشم کے اوصاف دیکھنے میں نظر نہیں آئیں گے، کیوں کہ اس صورت میں ریشم پوشیدہ رہے گا، اس لیے ایسا کپڑا حنفیہ کے یہاں عام حالات میں بھی پہننا جائز ہے اور بانا حریر ہو اور تانا غیر حریر ہو اس صورت میں اس کپڑے کی ظاہری شکل حریر جیسی ہوگی، لہٰذا یہ عام حالات میں ناجائز ہے، اور حالت جنگ میں جائز ہے۔ (درسِ ترمذی ۵) مزید کے لیے دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۱۶۔

## حدیث ۱۱۸۷ ﴿زرد رنگ کے کپڑے پہننے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۳۲۷

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بِنْ عَمْرِو بنْ الْعَاصِ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قُلْتُ أَغْسِلُهُمَا قَالَ بَلْ أَحْرِقْهُمَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عَائِشَةَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ فِيْ بَابِ مَنَاقِبِ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۱۹۳ ج ۲، باب النهي عن لبس الرجل الثوب الاصفر، كتاب اللباس، حديث ۲۰۷۷

**حل لغات:** المعصفر زرد رنگ سے رنگا ہوا کپڑا، عَصْفَرَ الثوبَ عصفر سے رنگنا، "العُصْفُرُ" ایک زرد رنگ کی بوٹی جس سے رنگائی کی جاتی ہے۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اوپر دو زرد رنگ کے کپڑے دیکھے تو فرمایا کہ یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہیں تم ان کو مت پہنو، ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا کہ ان کو دھولوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ انھیں جلا دو، (مسلم) اور ہم عنقریب حضرت عائشہؓ کی حدیث خرج النبي صلى الله عليه وسلم الخ مناقبِ اہلِ بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کریں گے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کے لئے زرد رنگ کے کپڑے پہننا ممنوع ہے، "معصفر" اس کپڑے کو کہتے ہیں جو عصفر سے رنگا ہوا ہو، اور عصفر ایک پیلے رنگ کی گھاس ہوتی تھی، اس سے رنگے ہوئے کپڑے خواتین استعمال کرتی تھیں، اس لیے آپؐ نے مردوں کو اس رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمادیا۔ (درس ترمذی)

**کلمات حدیث کی تشریح** ثوبین معصفرین زرد رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے، یہ سرخی کی جانب مائل رنگ ہوتا ہے، اردو میں اس کو گیروا یعنی گلابی رنگ میں رنگا ہوا کپڑا کہتے ہیں، اس قسم کے کپڑے سادھو سنت اور پادری پہنتے ہیں، لہٰذا ان کی مشابہت کی وجہ سے بھی مردوں کے لیے شریعت نے اس کو پسند نہیں کیا ہے۔ ان هٰذه من ثياب الكفار کفار کے کپڑے ہیں۔

**سوال:** آپؐ نے معصفر کپڑے کو کفار کا کیوں فرمایا؟

**جواب:** کفار حلال وحرام میں فرق نہیں کرتے، نیز مردوں اور عورتوں کے لباس میں بھی امتیاز کے قائل نہیں، لہٰذا وہی ممنوعہ لباس اختیار کرتے ہیں۔ فلا تلبسهما ان کو مت پہنو۔ اس لئے کہ اس میں عورتوں سے اور غیر مسلم مشائخ سے تشبیہ ہے۔ اغسلهما مقصد یہ ہے کہ کیا میں اس کپڑے کو اچھی طرح دھو کر اور اس کی بو زائل کر کے پہن سکتا ہوں؟ احرقهما آپؐ نے فرمایا کہ ان کو جلا دو، آپؐ نے دھو کر مردوں کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی، کیوں کہ کراہت کی وجہ رنگ ہے اور رنگ دھونے سے زائل نہیں ہوتا ہے۔

**سوال:** آپ ؐ نے کپڑے جلانے کو کیوں کہا؟

**جواب:** جلانے کا حکم عقوبتاً، زجراً اور توبیخاً ہے، یا پھر جلانے سے مراد فنا کرنا ہے اور وہ ہدیہ کرنا ہے یا بیچ دینا ہے اس کو بطور تغلیظ جلانے سے تعبیر کیا ہے۔ عورتوں کے لئے اس رنگ کا کپڑا بلا کراہت جائز ہے۔ (تلخیص مرقات ص ۲۴۳ ج ۸)

**سوال:** معصفر کپڑا پہننا حرام ہے یا مکروہ؟

**جواب:** حنفیہ کے نزدیک مردوں کے لیے مکروہِ تحریمی ہے، شوافع اباحت کے قائل ہیں، بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت والی حدیث امام شافعیؒ تک نہیں پہنچی ہوگی، اس لیے وہ جواز کے قائل ہیں، اسی کی طرف امام نوویؒ کا بھی میلان ہے، ممانعت کے سلسلے میں احادیث صریح ہیں، لہٰذا ممانعت بہتر ہے۔ (ملخص تکملہ فتح الملہم ص ۱۱۳ ج ۴)

# الفصل الثانی

## حدیث ۱۱۸۸ ﴿آپؐ کو کرتا پسند تھا﴾ عالمی حدیث ۴۳۲۸

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ .

**حوالہ:** ترمذی، ۳۰۶ ج ۱، باب ماجاء فی القمیص، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۶۲ ابو داود، ص ۵۵۸ ج ۲ باب ماجاء فی القمیص، کتاب اللباس

**ترجمہ:** حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے محبوب لباس کرتا تھا۔ (ترمذی، ابو داود)

**خلاصہ حدیث** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سلے ہوئے کپڑے بہت کم پہنے جاتے تھے، عام طور پر چادروں سے ستر پوشی کی جاتی تھی، چادر میں دقت تھی کہ اس کو روکنا پڑتا تھا، اور اس میں زیب و زینت بھی کوئی خاص نہ تھی، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرتے کو اپنا محبوب لباس بنایا، اس سے بدن اچھی طرح چھپتا تھا اور اس میں زینت بھی خوب تھی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کان احب الثیاب آپ ؐ کو لباس میں کرتا زیادہ مرغوب تھا، محدث زین الدین عراقیؒ نے بیان کیا ہے کہ کرتا پہننا مندوب و بہتر ہے، اور آپ ؐ کے زیادہ پسند فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ستر پوشی زیادہ ہے، سلائی کی وجہ سے بدن کو گھیرے ہوئے رہتا ہے، بے ستری کا احتمال نہیں رہتا، بخلاف چادر وغیرہ کے کہ اس میں باندھنے اور دیگر باتوں میں احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، ملا علی قاریؒ نے بھی بیان کیا ہے کہ کرتا زیادہ ساتر ہوتا ہے اور بدن پر ہلکا ہوتا ہے، اس کے پہننے میں زیادہ تواضع ہوتی ہے اور ساتھ میں تجمل اور زینت بھی ہو جاتی ہے۔ (شمائل کبریٰ اول)

## حدیث ۱۱۸۹ ﴿کرتے کی آستینوں کی لمبائی کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۴۳۲۹

وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ كُمُّ قَمِيْصِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّصْغِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ .

**حوالہ:** ترمذی، ص ۳۰۶ ج ۱، باب ماجاء فی القمیص، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۶۶

**ترجمہ:** حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کی آستینیں گٹوں تک تھیں۔ (ترمذی، ابو داود) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کرتے وغیرہ میں گٹوں تک آستینیں رکھنا مسنون ہے، اگرچہ اس سے زائد کی گنجائش ہے، لیکن بہتر یہی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کم قمیص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاعلی قاریؒ نے علامہ جزریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ کرتے کی آستین میں سنت یہ ہے کہ وہ گٹوں تک ہوں، اور اس کے علاوہ مثلاً جبہ اور چوغہ وغیرہ میں اس سے زائد کی گنجائش ہے، مگر انگلیوں سے نہ بڑھنا سنت ہے، البتہ بعض مواقع پر آپ کی آستینیں ہاتھ کی انگلیوں تک بھی آجاتی تھیں، چنانچہ شرح السنہ میں ہے کہ آپ کی آستینیں گٹے سے نیچے بھی تھیں، ممکن ہے کوئی کرتا ایسا ہو یا سردی کی وجہ سے ہو، ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں بھی لکھا ہے کہ آستین گٹے تک پہنتے تھے، ہاں سفر میں آپؐ نے تنگ آستین والا جبہ وکرتا پہنا ہے۔ (شمائل کبریٰ)

## حدیث ۱۱۹۰ ﴿کپڑا پہننے میں دائیں سے ابتداء کرنا﴾ عالمی حدیث ۴۲۲۰

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَبِسَ قَمِيْصًا بَدَأَ بِمَيَامِنِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

**حوالہ:** ترمذی، ص ۳۰۶ ج ۲، باب ماجاء فی القمیص، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۶۶

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ جب قمیص پہنتے تو دائیں جانب سے ابتداء فرماتے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** چوں کہ داہنے کی فضیلت ہے، اس لیے آپ کرتا پہننے میں بھی اس کا خیال رکھتے اور پہلے داہنی طرف کی آستین میں ہاتھ ڈالتے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذالبس قمیصابدأبمیامنه آپ کرتا پہنتے تو پہلے داہنی آستین میں ہاتھ ڈال کر نکالتے، پھر بائیں آستین میں ہاتھ ڈالتے، ہر لباس پہننے میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ داہنی جانب سے ابتدا کی جائے

**سوال:** میامن کو جمع کیوں ذکر کیا ہے؟

**جواب:** جمع اس لیے لائے ہیں تا کہ یہ ثابت ہو کہ قمیص کی داہنی جانب کا ہر حصہ قمیص ہے، داہنی طرف کی آستین، بغل گریبان گویا یہ سب قمیص ہیں، اور ان پر قمیص کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جمع تعظیم کے ارادہ سے ہو، خاص طور پر جب کہ اس سے داہنا ہاتھ مراد ہو اور یہی اظہر ہے۔ (مرقات ص ۲۴۵ ج ۸)

## حدیث ۱۱۹۱ ﴿ٹخنوں سے نیچے ازار جہنم میں جانیکا سبب ہے﴾ عالمی حدیث ۴۲۲۱

وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلٰى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيْمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ مَا اَسْفَلَ مِنْ ذَالِكَ فَفِي النَّارِ قَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَايَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۶۶ ج ۲، باب فی قدر موضع الازار، کتاب اللباس، حدیث ۴۰۹۳ ابن ماجہ، ص ۲۵۵ باب موضع الازار، کتاب اللباس، حدیث ۳۵۷۳

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مومن کا لنگی پہننا اس کی نصف پنڈلیوں تک ہے، لیکن اگر اس کے اور ٹخنوں کے درمیان ہے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر اس سے بھی نیچے ہے تو وہ آگ میں ہے، یہ تین مرتبہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن غرور کے ساتھ لنگی گھسیٹنے والے کی طرف نظر نہیں فرمائیں گے۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ لنگی اور پاجامہ وغیرہ نصف پنڈلی تک رکھنا چاہئے، البتہ ٹخنے سے اوپر تک رکھنے کی گنجائش ہے، لیکن ٹخنے سے نیچے رکھنا جائز نہیں ہے، اگر کوئی رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوں گے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ازارۃ المؤمن شلوار پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی ممانعت ہے، یہ مسئلہ کسی قدر تفصیل سے عالمی حدیث ۴۳۱۱ تا ۴۳۱۴ کے تحت بیان ہو چکا ہے۔ یہاں مزید تفصیلات درسِ ترمذی سے نقل کی جارہی ہیں۔ ٹخنوں کے نیچے کپڑا لٹکانا ہر حالت میں ممنوع اور ناجائز ہے یا صرف اس صورت میں ناجائز ہے، جب کوئی شخص تکبر کی نیت سے لٹکائے، علماء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ یہ لٹکانا اس وقت ناجائز ہے، جب کوئی آدمی تکبر کی نیت سے ایسا کرے، لیکن اگر تکبر کے بغیر کوئی شخص اپنا پاجامہ یا شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکالے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، زیادہ سے زیادہ اس کو مکروہ تنزیہی کہیں گے، یہ حضرات اُن احادیث سے استدلال کرتے ہیں، جن میں "من جر ثوبہ" کے ساتھ "خیلاء" کی قید لگی ہوئی ہے اور دوسرے صدیق اکبرؓ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جس میں یہ آیا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے جسم کی ہیئت ایسی تھی کہ ان کا ازار اپنی جگہ پر نہیں رہتا تھا، بلکہ غیر اختیاری طور پر نیچے کو ڈھلک جایا کرتا تھا، اور ٹخنوں سے نیچے ہو جاتا تھا، ایک مرتبہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنا ازار اوپر کو باندھتا ہوں مگر وہ ڈھلک کر نیچے چلا جاتا ہے تو میرے لئے کیا حکم ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا انک لست ممن جر ثوبہ خیلا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ازار کو لٹکائیں، لہٰذا تمہارے لئے اجازت ہے اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے وہ حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ فرمایا تھا کہ تمہارے اندر تکبر نہیں ہے، اس لئے تمہارے لئے جائز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر تکبر نہ ہو تو یہ عمل جائز ہے اور حرمت اسی صورت میں منحصر ہے جب کوئی شخص تکبر کے طور پر ٹخنوں سے نیچے لٹکائے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور دونوں طرف کے دلائل ذکر کئے ہیں۔

## ﴿ٹخنوں سے نیچے لٹکانا تکبر کی علامت ہے﴾

تمام روایات اور تمام متعلقہ بحثوں کو سامنے رکھنے کے بعد جو بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ حقیقتاً نہی خیلاء کے ساتھ اس معنی میں مقید نہیں کہ جب تک آدمی کو تکبر کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک جر ازار کر سکتا ہے، بلکہ صحیح صورتحال یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ممانعت کی اصل وجہ تکبر ہی ہے، لیکن تکبر کا ذریعہ بطور حکمت ہے نہ کہ بطور علت یعنی عام طور پر تکبر ہی کی وجہ سے جر ازار کیا جاتا ہے، گویا کہ اس ممانعت کا اصل مدار تکبر پر تھا لیکن تکبر ایک امر مخفی ہے اس کا پتہ لگانا آسان نہیں کہ فلاں شخص یہ عمل تکبر کی وجہ سے کر رہا ہے اور فلاں شخص تکبر کے بغیر یہ عمل کر رہا ہے، ایسے مواقع پر جہاں امور منضبط نہ ہو سکتے ہوں اور ان کا پتہ آسانی سے نہ چلتا ہو، وہاں شریعت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ حکم کا مدار ایسے امور پر رکھنے کے بجائے کسی منضبط علامت پر اس کا مدار رکھ دیا جاتا ہے کہ جب یہ علامت پائی جائے گی تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ علت پائی گئی اور علت کے پائے جانے کے نتیجے میں حکم پایا گیا، مثلاً سفر میں قصر کرنے کی اصل علت مشقت ہے، لیکن مشقت کا پتہ لگانا کہ کہاں مشقت پائی گئی اور کہاں نہیں پائی گئی آسان نہیں اور نہ ہی اس کو منضبط کیا جا سکتا ہے کہ کتنی مشقت موجب قصر ہے اور کتنی مشقت موجب قصر نہیں اور کس کو مشقت ہوئی اور کس کو نہیں ہوئی، تو چوں کہ مشقت منضبط ہونے والی چیز نہیں تھی، اس لئے اس پر مدار رکھنے کے بجائے علامت پر مدار رکھ دیا گیا اور وہ علامت سفر ہے، لہٰذا جب بھی سفر پایا جائے گا تو یہ سمجھا جائے گا کہ قصر کرنا واجب ہے، اسی طرح یہاں ممانعت کا اصل مدار تکبر پر تھا، لیکن تکبر امر مخفی ہے، اس کا پتہ نہیں چل سکتا کہ تکبر پایا گیا کہ نہیں؟ اور بعض اوقات خود متکبر کو پتہ نہیں لگتا کہ میں تکبر میں مبتلا ہوں، اس لئے اس ممانعت کا مدار اسی کی علامت پر کر دیا گیا ہے اور وہ علامت ٹخنوں سے نیچے ازار کا ہونا ہے، جب یہ علامت پائی جائے گی تو سمجھیں گے کہ تکبر ہے، الا یہ کہ کسی دلیل خارجی

سے اس تکبر کی نفی ہو جائے، مثلاً یہ کہ کسی شخص کا ازار غیر ارادی طور پر ڈھلک جاتا ہو، تو چوں کہ ازار کا ڈھلکنا اس کے اختیار سے نہیں ہوا، بلکہ غیر اختیاری طور پر ہوا ہے، اس لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ تکبر سے نہیں ہوا، اس لئے تکبر اختیاری ہے، چوں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے واقعہ میں جو بات ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ غیر ارادی طور پر ازار ڈھلکتا تھا اور تکبر امر اختیاری ہے، اس لئے آپؐ نے فرمایا لست ممن یجرہ خیلاء لہٰذا اب بھی اگر کسی کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہو کہ غیر ارادی طور پر ازار ڈھلک جاتا ہو اس کو بھی اجازت ہوگی، لیکن جہاں کوئی شخص اپنے اختیار سے ازار نیچے لٹکائے تو وہ ہر حال میں ناجائز اور حرام ہوگا۔

## ﴿کوئی شخص اپنے متکبر ہونے کا اقرار نہیں کرتا﴾

پھر اس سلسلے میں دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں، ایک یہ کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑے سے بڑا متکبر ہو، کیا وہ کبھی اپنی زبان سے یہ اقرار کرے گا میں متکبر ہوں اگر وہ اقرار کرے گا تو وہ متکبر ہی نہیں، تکبر وہی شخص کرتا ہے جس کو تکبر کا اعتراف نہیں ہوتا، پھر تو یہ حکم کہ تکبر ہو تو یہ عمل ناجائز ہے اور تکبر نہ ہو تو یہ عمل جائز ہے، بے معنی اور بے سود ہو جائے گا۔

## ﴿حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل﴾

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے بارے میں تکبر کی نفی کا یقین ہو سکتا ہے تو وہ صرف ایک ذات ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور کسی شخص سے تکبر کی نفی کا یقین نہیں ہو سکتا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدسؐ کے لئے ٹخنوں سے نیچے ازار کرنا جائز ہونا چاہئے تھا، لیکن ازار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنے کی سب سے زیادہ پابندی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، لہٰذا اگر اس ممانعت کا مدار تکبر پر ہوتا اور عدم تکبر کی صورت میں یہ عمل جائز ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ تو بیان جواز کے لئے ایسا کرتے لیکن پوری عمر میں ایک مرتبہ بھی ایسا کرنا آپؐ سے ثابت نہیں، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث میں تکبر کا جو ذکر آیا ہے وہ بطور حکمت کے آیا ہے نا کہ بطور علت کے اور حکم کا دارو مدار علت پر ہوتا ہے حکمت پر نہیں ہوتا۔ (درس ترمذی)

## حدیث ۱۱۹۲ ☆☆☆ عالمی حدیث ۴۳۳۲

## ﴿ٹخنے سے نیچے کسی بھی کپڑے کے لٹکانے کی اجازت نہیں﴾

وَعَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِسْبَالُ فِي الْإِزَارِ وَالْقَمِيْصِ وَالْعِمَامَةِ مَنْ جَرَّ مِنْهَا شَيْئًا خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

**حواله:** ابو داود، ص ٥٦٤ ج٢، باب ما جاء في اسبال الازار، كتاب اللباس، حديث ٤٠٨٥، نسائي، ص ٢٥٤ ج٢، باب اسبال الازار كتاب الزينة، حديث ٥٣٣٤ ابن ماجة، ص ٢٥٦ باب طول القميص، كتاب اللباس، حديث ٣٥٧٦.

**ترجمه:** حضرت سالمؒ نے اپنے والد ماجد سے روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کپڑے کا لٹکانا لنگی میں، کرتے میں اور عمامہ میں ہے، جس نے ان میں سے کوئی چیز تکبر سے لٹکائی، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نہیں دیکھیں گے۔ (ابوداود، ابن ماجہ، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ٹخنے سے نیچے کوئی بھی کپڑا لٹکانا جائز نہیں ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ممانعت کا تعلق لنگی اور پائجامے سے ہے، کرتے، قمیص، عمامہ وغیرہ سے نہیں ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تصور غلط

ہے،اصلاً مردوں کے لئے ہر کپڑا ٹخنے سے نیچے پہننا حرام ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الاسبال فی الازار ''اسبال ازار'' کو احادیث میں ''جرازار'' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، کپڑا خواہ کوئی بھی ہو اس کو اتنا دراز کرنا کہ ٹخنے چھپ جائیں ممنوع ہے، تفصیل کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں نیز عالمی حدیث ۴۳۱۱ تا ۴۳۱۴ دیکھیں۔

## حدیث ۱۱۹۳ ﴿صحابہ کی ٹوپیوں کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۴۳۳۳

وَعَنْ أَبِي كَبْشَةَ قَالَ كَانَ كِمَامُ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُطْحًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۳۰۸ ج ۱، باب کیف کان کمام الصحابة، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۸۲

**حل لغات:** کمام کمة کی جمع ہے، جیسے قباب، قبة کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں گول ٹوپی، بطحا ابطح کی جمع ہے، چپکی ہوئی۔

**ترجمہ:** حضرت ابو کبشہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ٹوپیاں گول سروں سے چپکی ہوتی تھیں، بہت زیادہ اٹھی نہیں ہوتی تھیں۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ ٹوپیاں عموماً استعمال کرتے تھے وہ گول اور سروں سے چپکی ہوتی تھیں، بہت زیادہ اٹھی نہیں ہوتی تھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کمام اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اکثر شارحین نے حدیث کا مطلب بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام جو ٹوپیاں استعمال کرتے تھے، وہ گول اور پھیلی ہوتی تھیں، کہ وہ سروں سے چپکی ہوتی تھیں، بہت زیادہ اٹھی نہیں ہوتی تھیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ اپنے کرتوں میں آستین تنگ نہیں رکھتے تھے، بلکہ ان کے کرتوں کی آستین ایک بالشت کے بقدر چوڑی ہوتی تھیں۔ (تلخیص مظاہر حق)

## ﴿نماز ٹوپی کے ساتھ یا ننگے سر؟﴾

### احادیث کریمہ سے ٹوپی یا عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثبوت

○ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ قَلَنْسُوَةً بَيْضَاءَ. (مجمع الزوائد ۱۲۱/۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے۔

○ قَالَ الْحَسَنُ كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُوْنَ عَلَى الْعَمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِي كُمِّ. (بخاری ۱۵۹/۱) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ پگڑی وٹوپی پہن کر سجدہ کیا کرتے تھے، اور ان کے ہاتھ آستین میں ہوتے تھے۔

○ اَلْقَلَنْسُوَةُ مِنْ لِبَاسِ الْاَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ. (عارضة الاحوذی ۲۴۲/۷) علامہ ابن العربی لکھتے ہیں ٹوپی انبیاء کرام علیہ السلام اور نیک لوگوں کا لباس ہے۔

○ كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِسَتْرِ الرَّأْسِ فِي الصَّلٰوةِ بِالْعَمَامَةِ اَوِ الْقَلَنْسُوَةِ وَيَنْهٰى عَنْ كَشْفِ الرَّأْسِ فِي الصَّلٰوةِ. (كشف الغمة ۸۷/۱) شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں عمامہ یا ٹوپی سے سر ڈھانپنے کا حکم دیتے تھے، اور نماز میں سر کھلا رکھنے سے منع کرتے تھے۔

○ عن انس بن مالكؓ قال: كان رسول الله ﷺ يكثر القناع ۔(شمائل ترمذی ۱۷، باب ماجاء فی ترجّل رسول اللہ ﷺ) حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر اوقات ٹوپی لگاتے تھے۔

○ حدّثنا محمّدبن الحنيفة الواسطیّ، قال: ثنا روح بن قرة اليشكری، قال: ناعبدالله بن خراش، عن العوام بن حوشب، عن ابراهيم التّيمیّ، عن ابن عمرؓ قال: كان رسول الله ﷺ يلبس كمّة بيضاء ۔(معجم الاوسط للطبرانی ۶/۲۰۰، مجمع الزوائد ۵/۱۲۱ حدیث نمبر ۸۵۰۵، کنز العمال ۷/۱۲۱ حدیث نمبر ۱۸۲۸۴، ۱۸۲۸۵ رواہ ابن عساکر عن عائشہؓ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے۔

○ عن ابن عباسؓ قال: كان يلبس القلانس تحت العمائم وبغير العمائم الخ ۔(کنز العمال ۷/۱۲۱ حدیث نمبر ۱۸۲۸۶، مرقاۃ المفاتیح ۸/۲۱۰) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفید ٹوپی عمامہ کے نیچے اور بغیر عمامہ کے بھی پہنا کرتے تھے۔

○ كانت له عمامة تسمّى السّحاب......... وكان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة، وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ۔(زاد المعاد ۱/۱۳۵) رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک عمامہ تھا جس کا نام 'سحاب' تھا......... اسے آپ باندھا کرتے تھے اور اس عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنا کرتے تھے، اور بغیر عمامہ صرف ٹوپی بھی آپ پہنا کرتے تھے۔ (۵) عن ابی كبشةؓ قال: كان كمام اصحاب رسول الله ﷺ بطحاً ۔(مرقاۃ المفاتیح ۸/۲۰۹ حدیث نمبر ۴۳۳۳، ترمذی ۴/۲۱۶ حدیث نمبر ۱۷۸۲) حضرت ابو کبشہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی ٹوپیاں سر سے چپٹی ہوتی تھیں۔

○ عن ركانة عن النبی ﷺ قال: فرق مابيننا وبين المشركين العمائم على القلانس (مرقاۃ المفاتیح ۸/۲۱۵ حدیث نمبر ۴۳۴۰، ابوداود ۴/۳۴۰ حدیث نمبر ۴۰۷۸، ترمذی ۴/۲۱۷ حدیث نمبر ۱۷۸۴) ترجمہ: حضرت رکانہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہے (کہ ہم ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھتے ہیں اور مشرکین بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھتے ہیں)

ان روایات سے صاف طور پر ثابت ہوتا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ ٹوپیاں لگایا کرتے تھے اور اسی حالت میں نماز بھی پڑھا کرتے تھے۔

## ﴿متعصب غیر مقلدین کا مسلک﴾

○ ایک غیر مقلد عالم مولوی رضاء الکریم مدنی بلاضرورت بغیر ٹوپی نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دینے پر چراغ پا ہیں، اور لکھتے ہیں ہمارے یہاں ہندو پاک میں مرض تقلید میں گرفتار بعض مولویوں کو ننگے سر نماز پڑھنے سے الرجی ہے، حالت یہ ہے کہ جہاں انھوں نے کوئی نمازی ننگے سر دیکھا اور بدکے، ان مولویوں کے رویہ سے عوام میں تاثر جم گیا ہے کہ ننگے سر نماز نہیں ہوتی، اس سے زیادہ افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ ڈاڑھی جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کی سنت ہے جس کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیز صحابہ کرامؓ نے کوئی نماز ادا نہیں فرمائی، اس کے لئے ان مولویوں کی زبانیں گنگ ہیں، اس کے لئے نہ نعرے بازی ہے اور نہ اکھاڑے بازی، کیا یہ بات باعث شرم نہیں کہ آدمی ننگے منہ نماز پڑھے تو مولویوں کی رگ حمیت نہ بھڑکے، لیکن اگر کوئی ننگے سر نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے تو ان کی رگ تعصب بھڑکنے لگے اور فوراً یہود و نصاریٰ سے ملانا شروع کر دیں۔ (بارہ مسائل ۲۰ لاکھ انعام کا حقیقت پسندانہ جائزہ صفحہ ۲۰۸)

- بلا کراہت سر کھول کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ (مجموعہ مقالات پر سلفی تحقیق ۱۰۱ مولانا محمد رئیس ندوی)
- ننگے سر نماز سنت رسول ہے، جو ننگے سر نماز نہ پڑھے وہ دشمنِ رسول ہے۔ (تحفۂ اہل حدیث ۳/۲۸، رسائل ۲۰۵)
- ننگے سر نماز مسنون ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ ۱/۹۸)
- نماز میں سر ڈھانپنا ضروری نہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ۴/۱۸۲)
- عمامہ، ٹوپی ہوتے ہوئے برہنہ سر نماز پڑھنے میں کوئی قباحت شرعی نہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ۱/۱۲۳)
- سر ڈھانپنا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے۔ (نماز نبوی ۸۳)

یہ ان حضرات کے اقوال ہیں جو اپنے آپ کو اہلحدیث کہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف ہم لوگ ہی تنہا قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں۔

## فقہاء کی آراء

مندرجہ بالا احادیث وآثار کی روشنی میں حضرات فقہائے کرامؒ نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ ٹوپی یا عمامہ ہوتے ہوئے محض ازراہِ کسل ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ **تکرہ الصّلوٰۃ حاسراً رأسه اذا کان یجد العمامة وقدفعل ذالك تکاسلاً او تهاوناً بالصّلوٰۃ۔**
(فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۰۶)

درمختار میں ہے کہ کسل کے سبب کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور شامی میں ہے، اور علمائے کرام سے منقول ہے کہ گرمی کے سبب بھی کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ **وتکرہ صلوته حاسراً ای کاشفا رأسه للتکاسل (درمختار) عن بعض المشائخ انه لاجل الحرارة والتخفیف مکروہ** (شامی ۱/۶۰۰۔ مکروہات الصلوٰۃ)

نیز فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کاہلی کے سبب کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے، حتیٰ کہ حالتِ نماز میں اگر ٹوپی گر جائے تو عمل کثیر کا ارتکاب کئے بغیر پہننے کا حکم ہے۔ **ولو سقطت قلنسوته فاعادتها افضل الّا اذا احتاجت لتکریر او عمل کثیر۔** (ایضاً ۱/۶۰۰) بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ۵/۱۵۰

## معتدل علمائے غیر مقلدین کے فتاوے

صرف فقہائے احناف ہی نہیں بلکہ انصاف پسند علمائے غیر مقلدین نے بھی صراحتاً لکھا ہے کہ ٹوپی یا عمامہ کے ساتھ ہی نماز پڑھنی چاہئے، اور ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے۔ ملاحظہ فرمایئے! (۱) جماعت اہل حدیث کے بانی شمس العلماء شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین فرماتے ہیں: جمعہ کی نماز ہو یا کوئی اور نماز۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام عمامہ باندھ کر نماز پڑھتے تھے اس شہنشاہ احکم الحاکمین نے اپنے دربار میں حاضر ہونے کی نسبت یہ حکم فرمایا ہے کہ تم لوگ ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے لے لیا کرو۔ یعنی اپنے کپڑے پہن کر نماز پڑھا کرو اور کپڑے میں عمامہ بھی داخل ہے۔ کیونکہ عمامہ ایک مسنون کپڑا ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ۳/۳۷۲)

مزید فرماتے ہیں: یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ۔ اس آیت پاک سے ثابت ہوا کہ ٹوپی اور عمامہ سے نماز پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ لباس زینت ہے اگر ٹوپی اور عمامہ رہتے ہوئے تکاسلاً برہنہ سر نماز پڑھے تو مکروہ ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ۱/۲۴۰)

(۲) جماعت اہل حدیث کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں:

صحیح مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے جو آنحضور ﷺ سے بالدوام ثابت ہوا ہے یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا ہو پگڑی سے یا ٹوپی سے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ۵۲۳، ۱/۵۲۵)

مزید فرماتے ہیں: (ننگے سر) نماز ادا ہو جائے گی مگر سر ڈھانپنا اچھا ہے، آنحضرت ﷺ نماز میں اکثر عمامہ یا ٹوپی رکھتے تھے ......مگر یہ جو بعض کا شیوہ ہے کہ گھر سے پگڑی یا ٹوپی سر پر رکھ کر آتے ہیں اور پگڑی یا ٹوپی قصداً اتار کر ننگے سر نماز پڑھنے کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور پھر اس کو سنت کہتے ہیں بالکل غلط ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ۱/۵۲۳)

(۳) شیخ الحدیث مولانا ابوسعید شرف الدین فرماتے ہیں:

بحکم خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ (ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہنو) رسول اللہ ﷺ کا سر پر عمامہ رکھنے سے عمامہ سنت ہے اور ہمیشہ ننگے سر کو نماز کا شعار بنانا بھی ایجاد بندہ (بدعت) ہے اور خلاف سنت ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ۱/۵۹۲)

(۴) جماعت غیر مقلدین کے ماضی قریب کے اور سب سے بڑے محدث علامہ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں: زیر بحث اس مسئلہ کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (تمام المنۃ ص ۱۶۴)

(۵) نواب وحید الزماں حیدر آبادی فرماتے ہیں: و (کرہ) صلوته حاسراً رأسه من کسل یعنی ننگے سر نماز مکروہ ہے۔
(کنز الحقائق ۲۷)

(۶) غیر مقلدین کے مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی صاحب لکھتے ہیں:

ننگے سر نماز جائز ہے مگر افضل سر ڈھانپنا ہے، عام حالت سلف کی یہی تھی کہ وہ پگڑی اور ٹوپیوں کے ساتھ نماز پڑھتے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ۱/۱۶۰)

(۷) مولانا سید داؤد غزنوی اور مولانا عبدالجبار غزنوی فرماتے ہیں:

ابتداء عہد اسلام کو چھوڑ کر جبکہ کپڑوں کی قلت تھی اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گذری جس میں بصراحت مذکور ہو کہ نبی کریم ﷺ نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو چہ جائے کہ معمول بنالیا ہو۔ اس لئے اس بدرسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہئے، اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ ہوگی اور اگر سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسند عمل ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ۴/۲۹۰)

(۸) شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی فرماتے ہیں:

ننگے سر نماز مکروہ ہے، غرض کسی حدیث میں بھی بلا عذر ننگے سر نماز کی عادت اختیار کرنا ثابت نہیں، محض بے عملی یا بدعملی یا کسل کی وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے، بلکہ جہلا تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں، العیاذ باللہ۔ نیز فرماتے ہیں: کپڑا موجود ہو تو ننگے سر نماز ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلتِ عقل سے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ۲۸۱، ۴/۲۸۸)

(۹) مولانا عبدالمجید سوہدروی فرماتے ہیں: ننگے سر نماز ہو جاتی ہے مگر بطور فیشن لاپرواہی اور تعصب کی بنا پر مستقل یہ عادت بنالینا جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جا رہا ہے ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ نبی علیہ السلام نے خود یہ عمل نہیں کیا۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ۴/۲۸۱)

(۱۰) غیر مقلدین کے شیخ العرب والعجم مولانا سید محب اللہ شاہ راشدی فرماتے ہیں: یہ کہنا کہ سر ڈھانپنے پر پسندیدہ ہونے کا حکم

نہیں لگایا جاسکتا اس سے راقم الحروف کو اختلاف ہے احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر اوقات حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سر پر عمامہ باندھے رہتے یا سر پر ٹوپیاں رکھتے تھے اور راقم الحروف کے علم کی حد تک سوائے حج وعمرہ کے کوئی ایسی صحیح حدیث دیکھنے میں نہیں آئی جس میں یہ ہو حضور ﷺ ننگے سر گھومتے پھرتے تھے یا کبھی سر مبارک پر عمامہ وغیرہ تھا لیکن مسجد میں آ کر عمامہ وغیرہ اتار کر رکھ لیا اور ننگے سر نماز پڑھنی شروع کی کسی محترم دوست کی نظر میں ایسی کوئی حدیث ہو تو ہمیں ضرور مستفید کیا جائے ...... ہم نے بڑے بڑے علماء فضلا کو دیکھا وہ اکثر و بیشتر سر ڈھانپ کر چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے ہیں یہ آج کل نئی نسل خصوصاً اہل حدیث جماعت کے افراد نے معمول بنا رکھا ہے، اسے چلے ہوئے فیشن کا اتباع تو کہا جاسکتا ہے، مسنون نہیں۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور ص ۲ ج ۴۵ شمارہ ۲۷، ۳۰، ۹ جولائی ۱۹۹۳ء، بحوالہ بارہ مسائل ص ۲۶)

مزید فرماتے ہیں: میری تحقیق یہ ہے کہ احرام کی حالت کے علاوہ آپ اپنا سر مبارک ڈھانپا کرتے تھے۔ (فتاویٰ راشدیہ ۵۱۰)

(۱۱) غیر مقلدین کے مشہور عالم مورخ اسلام مولانا محمد اسحٰق بھٹی فرماتے ہیں:

مشاہیر علمائے حدیث ننگے سر نماز پڑھنے کو معیوب قرار دیتے تھے لیکن نئے دور کے اہلحدیث علماء ننگے سر نماز پڑھنے کے حق میں دلائل فراہم کر رہے ہیں۔ (ماہنامہ الرشید لاہور، بحوالہ بارہ مسائل ص ۲۶)

(۱۲) غرباء اہل حدیث کے امام و مفتی مولانا عبدالستار صاحب فرماتے ہیں: ٹوپی یا عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنی اولیٰ وافضل ہے کیونکہ ٹوپی اور عمامہ باعث زیب وزینت ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ ۳/۵۹)

(۱۳) حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں: میرے علم میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے، جس میں یہ صراحت ہو کہ نبیؐ نے حج یا عام حالت میں کبھی ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ (فتاویٰ علمیہ ۱/۳۹۵)

(۱۴) مصنف نماز مسنون تحریر فرماتے ہیں: ننگے سر رہنا اور ننگے سر نماز پڑھنا رسول اللہؐ اور صحابہؓ کرام کے معمولات کے خلاف ہے۔ (نماز مسنون ۱۸)

(۱۵) ایک اور غیر مقلد عالم تحریر کرتے ہیں: غرض یہ کہ ایسی کوئی حدیث نہیں کہ جس میں ننگے سر صلاۃ ادا کرنے کی صراحت ہو اور وہ بھی بغیر عذر کے۔ (صلاۃ المسلمین ۲۷)

## ﴿غیر مقلدین کے مستدلات کا اجمالی جواب﴾

غیر مقلدین بعض روایات کے ذریعہ ننگے سر نماز پڑھنے کا جواز پیش کرتے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ننگے سر نماز پڑھنے کی نفس اباحت اور جواز کا علماء حق نے انکار نہیں کیا ہے، بلکہ بلا ضرورت ننگے سر نماز پڑھ لینے کو عادت بنا لینا مکروہ قرار دیا ہے، اس لئے یہ روایات علماءِ اہل حق کے خلاف دلیل نہیں بن سکتیں۔ خود غیر مقلدین کے ایک عالم مولوی محمد اسماعیل سلفی ننگے سر نماز پڑھنے کے جواز پر پیش کئے جانے والے دلائل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عام ذہن کے لوگوں کو اس قسم کی حدیث سے غلطی لگی ہے کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کی جائے تو سر ننگا رہے گا، حالاں کہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جاسکتا ہے، اس مضمون کی احادیث حضرت ام ہانیؓ وغیرہ سے صحیح بخاری، سنن ابی داود وغیرہ میں موجود ہیں، لیکن کسی میں سر ننگا رکھنے کا ذکر نہیں، خصوصاً جس میں عادت یا کثرت عمل ثابت ہو، پھر احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے (صرف یہ) ظاہر ہوتا ہے کہ (ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی) یہ صورت یا تو صرف اظہار جواز کے لئے ہے یا کپڑوں کی کم یابی کی وجہ سے، لہٰذا اس سے جواز تو ثابت ہوتا ہے، مگر سنت واستحباب ظاہر نہیں ہوتا، غرض کسی بھی

حدیث سے بلاعذر ننگے سر نماز کی عادت اختیار کرنا ثابت نہیں ہے۔ (فتاوی علماء حدیث جلد۴ ص۲۸۶ بحوالہ تجلیات صفدر ج۵ ص۱۰)

## حدیث ۱۱۹٤ ﴿عورتوں کے لباس کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۳۴-۴۳۳۵

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ ذَكَرَ الْإِزَارَ فَالْمَرْأَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُرْخِيْ شِبْرًا فَقَالَتْ إِذًا تَنْكَشِفُ عَنْهَا قَالَ فَذِرَاعًا لَا تَزِيْدُ عَلَيْهِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَتْ إِذًا تَنْكَشِفُ أَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَيُرْخِيْنَ ذِرَاعًا لَا يَزِدْنَ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** موطا امام مالك ص۳٦٧ باب ماجاء في اسبال المرأة ثوبها، كتاب اللباس حديث ١٣، ابوداود ص٥٦٨ ج٢، باب في قدر الذيل كتاب اللباس حديث ٤١١٧، نسائي ص ٢٥٥ ج٢، باب ذيول النساء كتاب الزينة حديث ٥٣٣٧، ابن ماجة ص ٢٥٦ باب ذيل المرأة كتاب اللباس حديث ٣٥٨٠

**ترجمہ:** حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا جب کہ آپؐ نے ازار کا ذکر کیا یا رسول اللہ عورتیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ایک بالشت لٹکالیں، عرض کیا جب اس سے ستر کھلے آپؐ نے فرمایا ایک گز لٹکا سکتی ہے، اور اس پر اضافہ نہ کرے۔ (مالک، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ) نیز ترمذی ونسائی نے حضرت ابن عمرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ جب ان کے قدم کھلیں تو؟ فرمایا ایک گز لٹکالیا کریں، اور اس پر اضافہ نہ کریں۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا جائز ہے، کیوں کہ اس میں ان کے لئے ستر ہے، لیکن اتنا زیادہ بھی نیچے نہ رکھیں کہ بلاوجہ کپڑا لتھڑے اور گندہ ہوئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** قال ترخی شبرا مردوں کے حق میں جو مقدار بیان ہوئی عورتوں کے لئے اس پر ایک بالشت زائد کی اجازت ہے، حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس صورت میں تو عورت کے قدم کھل جائیں گے، تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر ایک زراع بڑھالے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مقدار ازار کے بارے میں مردوں کی دو حالتیں ہیں (۱) حالت جواز، (۲) حالت استحباب، جواز کی حالت لنگی ٹخنوں تک رکھنا ہے، استحباب کی حالت نصف ساق تک لنگی رکھنا ہے، اسی طرح عورتوں کے حق میں بھی دو حالتیں ہیں (۱) حالت جواز، (۲) حالت استحباب، استحباب کی حالت یہ ہے کہ مردوں کے لئے جو جائز مقدار ہے اس پر ایک بالشت کا اضافہ ہو اور جواز کی حالت یہ ہے کہ مردوں کے لئے جو جائز مقدار ہے اس پر ایک زراع کی زیادتی ہو، الکوکب الدری میں حضرت گنگوہیؒ نے بھی عورتوں کے لئے دو حالتیں ذکر کی ہیں، (۱) ایک بالشت کا اضافہ (۲) ایک زراع کا اضافہ، لیکن حضرت نے یہ اضافہ مقدار جواز پر قرار نہیں دیا ہے بلکہ مردوں کی استحباب والی حالت پر یہ اضافہ مراد لیا ہے، یعنی عورتوں کے حق میں نصف ساق پر ایک بالشت کی زیادتی مستحب ہے، اور نصف ساق پر ایک زراع کی زیادتی جائز ہے۔ (تلخیص الدر المنضود)

## حدیث ۱۱۹۵ ﴿آپؐ کے کرتے کے بٹن کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۴۳۳٦

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِنْ مُزَيْنَةَ فَبَايَعُوْهُ وَإِنَّهُ لَمُطْلَقُ الْإِزَارِ فَأَدْخَلْتُ يَدِيْ فِيْ جَيْبِ قَمِيْصِهِ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود ص ٥٦٤ ج٢، باب في حل الازار . كتاب اللباس

**ترجمہ:** حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں مزینہ کے ایک وفد کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوا، انھوں نے آپ ﷺ سے بیعت کی، جب کہ آپ ﷺ کے کرتے کے بٹن کھلے ہوئے تھے، میں نے اپنا ہاتھ آپ کی قمیص کے گریبان میں داخل کیا اور مہر نبوت کو مس کیا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے کرتے کا گریبان سینہ پر تھا، اور یہی سنت ہے آپ کبھی کرتے کے بٹن لگاتے اور کبھی نہ لگاتے، راوی حدیث نے آپ ﷺ سے جس وقت ملاقات کی آپ ﷺ کے بٹن کھلے تھے، لہٰذا انھوں نے موقع غنیمت جان کر حصول برکت کی نیت سے گریبان میں ہاتھ ڈال کر مہر نبوت کو چھوا، اور کمال اتباع کی خاطر ہمیشہ کھلے بٹن رہے، محدث بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت معاویہ بن قرۃؓ کو ہمیشہ بٹن نہ لگی ہوئی قمیص میں پایا چاہے جاڑا ہو یا گرمی۔ (آداب بیہقی)

**کلمات حدیث کی تشریح** وانہ لمطلق الازار آپ ﷺ کے کرتے کے بٹن کھلے ہوئے تھے، اس حدیث کے تحت حضرت عروہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ حضرت معاویہؒ کو اور ان کے بیٹے ایاس بن معاویہؒ کو ہمیشہ اس حال میں دیکھا کہ ان کی قمیص کے بٹن کھلے ہوتے ہیں، اس حدیث میں معاویہؒ اور ان کے بیٹے کا حال مذکور ہے، اسلئے کہ حضرت عروہ نے ان ہی دونوں کو دیکھا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ خصلت معاویہؒ نے اپنے والد قرہ بن ایاس صحابی سے حاصل کی ہے، جنھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا تھا۔ حضرت گنگوہیؒ کی تقریر میں ہے کہ اگرچہ گریبان کھولنا خصوصاً نماز میں خلاف اولیٰ ہے، لیکن ان دونوں نے جو کچھ کیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق اور محبت کی بنا پر کیا، اسلئے یہ ان کے حق میں مکروہ نہ ہوگا۔
(تلخیص الدر المنضود)

## حدیث ۱۱۹۶ ﴿سفید کپڑا پہننے کی ہدایت﴾ عالمی حدیث ٤٣٣٧

وَعَنْ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِلْبَسُوا الثِّيَابَ الْبِيضَ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

**حواله:** احمد ص ۱۳ ج ۵، ترمذی ص ۱۰۸ ج ۲. باب ماجاء فی لبس البیاض. کتاب الادب حدیث ۲۸۱۰ نسائی ص ۲۰۹ ج ۲. باب ای الکفن خیر. کتاب الجنائز. حدیث ۱۸۹٦ ابن ماجة ص ۲۵۵ باب البیاض من الثیاب، کتاب اللباس حدیث ۳۵٦۷.

**ترجمه:** حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو، کیوں کہ یہ زیادہ پاکیزہ اور عمدہ ہوتے ہیں اور اپنے مردوں کو سفید کپڑے ہی میں کفنایا کرو۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سفید رنگ کا لباس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پسند ہے، لہٰذا اس کو زیب تن کرنا چاہئے اس میں تواضع بھی خوب ہے اور نفاست بھی بہت ہے۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ کو سفید لباس میں ملبوس دیکھا۔ بخاری

**کلمات حدیث کی تشریح** فانها اطهر واطیب. سفید کپڑا کو بہت پاک اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ سفید کپڑا چوں کہ جلد میلا ہو جاتا ہے، اس لئے وہ بار بار اور بہت زیادہ دھویا جاتا ہے، اس کے برخلاف رنگین کپڑا چوں کہ میل خورا ہوتا ہے، اس لئے وہ کافی عرصہ کے بعد ہی دھویا جاتا ہے، اسی طرح سفید کپڑے کو عمدہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ سلیم الطبع لوگ سفید ہی کپڑے کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں، البتہ ضرورت کی صورت اس سے خارج ہے، وکفنوا فیها موتاکم مردہ کو سفید

کپڑے ہی کا کفن دینا چاہئے، کیوں کہ اس وقت مردہ گویا فرشتوں کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے، جیسے سفید کپڑا پہننا اس شخص کے لئے افضل ہے جو مجلسوں اور محفلوں میں جانا چاہے، مثلاً جمعہ یا جماعت کے لئے مسجد میں اور علماء اور اولیاء اللہ کی ملاقات کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہو، لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ عید میں وہ کپڑا پہننا افضل ہے جو زیادہ قیمتی ہو، تا کہ خدا کی عطا کی ہوئی نعمت کا زیادہ سے زیادہ اظہار ہو سکے، چنانچہ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں منقول ہے کہ آپؐ عیدین اور جمعہ میں سرخ دھاریوں والی چادر اوڑھتے تھے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۱۹۷ ﴿آپؐ کے عمامے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ۴۳۳۸

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ .

**حوالہ** : ترمذی ص ۳۰۴ ج ۱، باب العمامة السوداء، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۳۶

**حل لغات** اعتم (افتعال) الرجلُ عمامہ سر پر لپیٹنا، سَدَلَ (ن) سَدْلًا چھوڑنا، لٹکانا، عمامة پگڑی (ج) عَمَائِمُ۔

**ترجمہ** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو شملہ دونوں کاندھوں کے درمیان رکھتے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** عمامہ اسلام کی خاص نشانی اور آپؐ کی سنت ہے، آپؐ خود بھی عمامہ باندھتے تھے، اور اس کی ترغیب بھی فرماتے تھے، ترمذی کی روایت ہے کہ حضورؐ فتح مکہ کے بعد جب شہر میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا، ایک روایت میں ہے کہ وہ دو رکعتیں جو عمامہ کے ساتھ پڑھی گئی ہوں بغیر عمامہ کے دو رکعت نفل سے ستر گنا افضل ہے، عمامہ کا شملہ دونوں کاندھوں کے درمیان رکھنا چاہئے، یہی آپؐ کا طریقہ تھا، حضرت عمر بن حریثؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا کہ آپؐ سیاہ عمامہ پہنے تھے اور اس کا کنارہ یعنی شملہ دونوں شانوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔ (مسلم)

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا اعتم سدل عمامته بين كتفيه عمامہ کے شملہ کے حوالے سے آپؐ کے مختلف عمل مذکور ہیں، جس کی مختصر وضاحت اگلی حدیث میں دیکھیں، لیکن افضل اور زیادہ صحیح طریقہ اسی حدیث میں مذکور ہے کہ آپؐ عمامہ کے شملہ کو پیچھے کی جانب دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکا لیتے تھے، حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (بذل) شملہ چار انگل یا ایک بالشت کے بقدر چھوڑنا چاہئے۔

## حدیث ۱۱۹۸ ﴿شملہ لٹکانے کا ذکر﴾ عالمی حدیث ص ۴۳۳۹

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَمَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَدَلَهَا بَيْنَ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ .

**حوالہ** ۔ابو داود ص ۵۶۴ ج ۲، باب فی العمائم کتاب اللباس، حدیث ۴۰۷۹

**ترجمہ** حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر عمامہ باندھا تو شملہ میرے آگے اور پیچھے رکھا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو شملے رکھنا بھی جائز ہے اور ان کو آگے پیچھے لٹکانا بھی درست ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فسدلها بين يدي ومن خلفي آپؐ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے عمامہ باندھا، تو اس میں دو شملے رکھے، ایک کو آگے کی جانب سینے پر اور دوسرے کو پیچھے کی جانب کاندھوں کے درمیان لٹکایا، عون المعبود میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اولیٰ یہ ہے کہ عمامہ کا سرا صرف ایک ہو، جو کہ دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکا ہو، جیسا کہ گذشتہ حدیث میں مذکور ہوا، امام نوویؒ شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ عمامہ کا استعمال شملہ اور بغیر شملہ دونوں طرح درست ہے، اور خصائل میں شملہ کے بارے میں یہ ہے کہ آپ کی عادت شریفہ اس بارے میں مختلف رہی ہے، شملہ چھوڑنے کا معمول اکثر تھا، حتی کہ بعض علماء نے یہاں تک لکھ دیا کہ بغیر شملہ کے عمامہ باندھنا ثابت ہی نہیں ہے، لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ آپؐ بغیر شملہ چھوڑے بھی عمامہ باندھ لیتے تھے، اور شملہ چھوڑنے میں بھی معمول مختلف رہا ہے۔ کبھی آگے دائیں جانب کبھی پیچھے دونوں مونڈھوں کے درمیان اور کبھی عمامہ کے دونوں سرے شملہ کے طریقہ پر چھوڑ لیتے، علامہ مناوی نے لکھا ہے کہ ثابت اگرچہ سب صورتیں ہیں، لیکن ان میں افضل اور زیادہ صحیح دونوں مونڈھوں کے درمیان پچھلی جانب ہے۔ (الدر المنضود)

## حدیث ۱۱۹۹ ﴿عمامہ کے نیچے ٹوپی مسلمانوں کا شعار ہے﴾ عالمی حدیث ۴۳۴۰

وَعَنْ رُكَانَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَرْقُ مَابَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَائِمِ.

**حوالہ**: ترمذی ص ۳۰۸ ج ۱، باب العمائم على القلانس كتاب اللباس، حديث ۱۷۸٤

**حل لغات** العمائم جمع ہے واحد العمامۃ پگڑی، القلانس جمع ہے، واحد القلنسوۃ، ٹوپی۔

**ترجمہ** حضرت رکانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے اور مشرکوں کے درمیان ٹوپیوں پر عمامے باندھنے کا فرق ہے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس کی سند درست نہیں ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان ٹوپی پر عمامہ باندھتے ہیں بغیر ٹوپی کے عمامہ نہیں باندھتے ہیں، جب کہ مشرکین صرف عمامہ باندھتے ہیں، نیچے ٹوپی نہیں پہنتے ہیں، معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ ٹوپی بھی پہنی جائے اور اس کے اوپر عمامہ بھی پہنا جائے۔ نماز میں ٹوپی کے سلسلہ میں وضاحت دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۳۳۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فرق مابيننا وبين المشركين اس جز کے دو مطلب منقول ہیں، مشرکین بغیر ٹوپی پہنے عمامہ باندھتے ہیں، جبکہ مسلمان ٹوپی پہن کر اس پر عمامہ باندھتے ہیں، مشرکین صرف ٹوپی پہنتے ہیں عمامہ نہیں باندھتے ہیں، جب کہ مسلمان دونوں چیزیں پہنتے ہیں۔ (عون المعبود) صاحب مرقات نے پہلے والے مطلب کو طیبی اور ابن الملک وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی مطلب راجح بھی ہے اسناده ليس بقائم یہ حدیث ضعیف ہے امام ترمذی کہتے ہیں لانعرف اباالحسن العسقلاني ولا ابن ركانة اس حدیث کے دو راویوں ابوالحسن عسقلانی اور حضرت رکانہ کے بیٹے محمد کو میں نہیں جانتا ہوں۔

## حدیث ۱۲۰۰ ﴿ریشمی کپڑا عورتوں کیلئے حلال مردوں کیلئے حرام﴾ عالمی حدیث ۴۳۴۱

وَعَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيْرُ لِلْإِنَاثِ مِنْ أُمَّتِيْ وَحُرِّمَ عَلٰى ذُكُوْرِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

**حوالہ**: ترمذی ص ۳۰۲ ج ۱، باب ماجاء في الحرير، كتاب اللباس، حديث ۱۷۲۰، نسائی ص ۲٤۲ ج ۲، باب تحريم الذهب على الرجال، كتاب الزينة، حديث ۵۱٤

**ترجمہ:** حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال کیا گیا ہے، جب کہ امت کے مردوں کے لئے یہ چیزیں حرام رکھی گئیں ہیں، (ترمذی نسائی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

**خلاصۂ حدیث** سونا اور ریشم مردوں کے لئے حرام ہے، چوں کہ یہ دونوں چیزیں طبیعت اور مزاج میں زنانہ پن پیدا کرتی ہیں اور مردوں کے لئے مردانگی مطلوب ہے، البتہ عورتوں کے لئے زنانہ پن مطلوب ہے، اس لئے یہ دونوں چیزیں عورتوں کے لئے حلال کی گئیں ہیں، اور مردوں کے لئے حرام کی گئیں ہیں، اس وجہ کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے کہ گہنوں میں پلنا عورتوں کی شان ہے، او من ینشوا فی الحلیۃ البتہ یہ دونوں چیزیں جنت میں مردوں کے لئے بھی جائز ہوں گی۔ (ملخص تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** وحرم علی ذکورھا مرد کے لفظ میں بچے یعنی لڑکے بھی داخل ہیں، لیکن بچے چوں کہ مکلف نہیں ہیں، اس لئے ان کے حق میں ان چیزوں کی حرمت کا تعلق پہنانے والوں سے ہوگا، اگر کوئی بچہ ریشم یا سونے کا زیور پہنے گا، تو اس کا گناہ اس کے پہنانے والے پر ہوگا، نیز سونے سے مراد سونے کے زیورات ہیں، ورنہ سونے چاندی کے برتن کا استعمال جس طرح مردوں کے لئے حرام ہے، اسی طرح عورتوں کے لئے بھی حرام ہے، اسی طرح چاندی کے زیورات کا حلال ہونا بھی صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے، علاوہ اس مقدار کے جو مردوں کے لئے بھی حلال ہے، یعنی انگوٹھی وغیرہ، (مظاہر حق) مزید کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۱۶ اور ۴۳۳۶۔

## حدیث ۱۲۰۱ ﴿نیا کپڑا پہنتے وقت کی دعا﴾ عالمی حدیث ٤٣٤٢

وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهٖ عِمَامَةً أَوْقَمِيْصًا أَوْ رِدَاءً ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَاصُنِعَ لَهٗ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَاصُنِعَ لَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ.

**حوالہ:** ترمذی ص۳۰٦ ج۱، باب مایقول اذالبس ثوبا، کتاب اللباس، حدیث ۱۷٦۷، ابوداود ص۵۵۸ ج۲، باب کتاب اللباس حدیث ٤٠٢٠

**حل لغات:** استجد (استفعال) الثوبَ، نیا کپڑا پہننا، سمیٰ (تفعیل) فلانًا نام رکھنا، کسوت کَسَا (ن) کَسْوًا کسی کو کپڑا دینا یا پہنانا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے، مثلاً پگڑی، قمیص، یا چادر پھر دعا کرتے، اے اللہ سب تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں جیسے آپ نے مجھ کو یہ کپڑا پہنایا، میں آپ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں، اور اس کی بھلائی جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے اور میں اس کی برائی سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں اور اس کی برائی سے جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے۔ (ترمذی، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے تو جو کپڑا ہوتا اس کا نام لے کر اللہ تعالیٰ سے اس کے حوالے سے ہر طرح کا خیر طلب کرتے اور ہر طرح کے شر سے پناہ مانگتے، معلوم ہوا نیا کپڑا پہننے کے وقت مذکورہ دعا پڑھنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا استجد ثوبا جب آپ نیا کپڑا پہنتے، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نیا کپڑا آپ جمعہ کے دن زیب تن فرماتے تھے، ساہ کپڑے کا جو نام ہوتا اس کی صراحت کرتے عمامۃ ان کپڑوں کا ذکر بطور

مثال ہے کما کسوتنیه یعنی آپ کی تعریف اس لئے ہے کہ آپ نے یہ لباس عطا فرمایا اور اس کو زیب تن کرنے کا موقع فراہم کیا، اسئلك کپڑے کا خیر اس کا باقی رہنا اور اس کا پاک صاف رہنا، اور ضرورت کے وقت اس کا استعمال کرنا ہے، ماصنع له وہ ضروریات مراد ہیں جن کے لئے کپڑا اختیار کیا جاتا ہے، مثلاً گرمی، سردی سے حفاظت، ستر عورت وغیرہ، اعوذبك من شره جس شر سے پناہ مانگی گئی ہے، وہ خیر کے سلسلہ کی مذکورہ شکلوں کے برعکس چیزیں ہیں، مثلاً اس کا حرام و نجس ہونا اور جلد پھٹ جانا وغیرہ شر ماصنع له یہ کپڑا فخر وغرور تکبر وریا کا ذریعہ نہ بنے، اور اس کی وجہ سے جذبۂ قناعت فنا نہ ہو۔ (تلخیص، مرقات ۲۵۲،۲۵۳، ج ۸)

## حدیث ۱۲۰۲ ☆☆☆ عالمی حدیث ۴۳۴۳

## ﴿کپڑا پہنتے وقت دعاء کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں﴾

مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَكَلَ طَعَامًا ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنِيْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ أَبُوْ دَاوُدَ وَمَنْ لَبِسَ ثَوْبًا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ.

**حوالہ:** ترمذی ص ۱۸۴ ج۲، باب مایقول اذا فرغ من الطعام، کتاب الدعوات، حدیث ۴۳۵۸، ابو داود ص۵۵۸ ج۲، باب کتاب اللباس، حدیث ۴۰۲۳

**حل لغات:** رزقنی رَزَقَه اللّٰهُ (ن) ولدًا اللہ نے اس کو بچہ دیا، الحول حرکت، مہارت، دور بینی، جمع اَحْوَالٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ طاقت وقدرت صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔

**ترجمہ:** حضرت معاذ بن انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کھانا کھا کر دعا پڑھے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو یہ کھانا کھلایا اور میری طاقت وقوت کے بغیر مجھے روزی دی، تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ (ترمذی) ابوداود میں یہ بات مزید ہے کہ جو شخص کپڑا پہنے اور دعا پڑھے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو یہ پہنایا ہے اور میری طاقت وقوت کے بغیر مجھے عطا فرمایا ہے تو اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کپڑا پہنتے وقت اور کھانا کھا کر دعا کا اہتمام کرنا چاہئے، اس سے نعمت کا کسی قدر شکر ادا ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل ہوتی ہے، اور پروردگار کی طرف سے گناہوں کی معافی ملتی ہے، ایک مختصر عمل پر اتنا زیادہ اللہ کا کرم امت محمدیہؐ پر اس کی بے انتہا محبت وشفقت کی دلیل ہے، امت کو اس کی قدر کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من اکل طعاما یہاں دو مواقع کی دعائیں مذکور ہیں، ایک کھانے کے بعد کی ہے اور دوسری کپڑا پہنتے وقت کی ہے، ان دونوں کے بارے میں آپؐ فرماتے ہیں کہ ان کے پڑھنے پر گناہ معاف ہوں گے، گناہ سے صغیرہ گناہ ہی مراد ہیں، ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف پچھلے گناہ معاف ہوں گے، اگلے گناہ معاف نہیں ہوں گے، جب کہ ابوداود کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے گناہ بھی معاف ہوں گے، اس کے بارے میں دو باتیں مذکور ہیں، (۱) گناہ باوجود وقوع کے معاف کر دئے جائیں گے (۲) آئندہ کے لئے گناہ سے محفوظ کر دیا جائے گا یعنی گناہ کا صدور ہی نہیں ہوگا، یہ دونوں احتمال شراح نے اہل بدر کے بارے میں جو حدیث آئی ہے اعملو ماشئتم فقد غفرت لکم وہاں پر بھی ذکر کئے ہیں، لہٰذا یہ احتمالات یہاں بھی ہو سکتے ہیں۔ (بذل)

**حدیث ۱۲۰۳ ﴿قابل استعمال کپڑے ضائع کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۳۴۴**

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاعَائِشَةُ إِنْ أَرَدْتِ اللُّحُوقَ بِي فَلْيَكْفِكِ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّاكِبِ وَإِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِي ثَوْبًا حَتّٰى تُرَقِّعِيهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ صَالِحِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ صَالِحُ بْنُ حَسَّانَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ.

**حوالہ:** ترمذی ص ۳۰۷ ج ۲، باب ماجاء فی ترقیع الثوب، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۸۰

**حل لغات:** اللحوق لَحِقَ (س) لُحُوْقًا کسی سے جاملنا، زادتوشہ، زادراہ، (ج) اَزْوِدَةٌ راکب سوار، مسافر، رَكِبَ (س) رُكُوْبًا، سوار ہونا، لا تستخلقی فعل نہی، کپڑے کو پرانا مت قراردو، مصدر اِسْتِخْلَاقٌ (استفعال) کپڑے کو پرانا سمجھنا، ترقعیہ رَقَّعَ (تفعیل) الحدیث کلام میں حذف واضافہ کرنا، الثوبَ، کپڑے میں پیوند لگانا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہؓ اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو سوار کی زادراہ کے مانند دنیا سے تم کو کفایت کرنا چاہئے، اور مالداروں کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے اپنے کو دور رکھنا، اور کپڑے پر جب تک پیوند لگا سکتی ہو اس کو پرانا مت سمجھنا۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، ہم اس کو صرف صالح بن حسان کی سند سے جانتے ہیں، جب کہ محمد بن اسماعیلؒ نے صالح بن حسان کو منکر الحدیث فرمایا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو تین نصیحتیں کی ہیں (۱) دنیا سے مسافر کے توشہ کے بقدر تمہارے لئے کافی ہونا چاہئے، مسافر ضروری سامان ہی ساتھ رکھتا ہے، بے ضرورت سامان نہیں ڈھوتا ہے، اسی طرح مومن کو بھی دنیا میں ضروری ساز وسامان کی فکر کرنی چاہئے، دنیا بھر کا جھمیلا نہیں پالنا چاہئے، حضرت عائشہؓ کو آپؐ نے جو نصیحت فرمائی تھی اس اللہ کی بندی نے اس پر اتنا عمل کیا کہ مسافر کے سامان کے بقدر بھی سامان نہیں رکھا، ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے ایک لاکھ درہم بطور ہدیہ بھیجے، جب مال اونٹوں پر لد کر آیا تو حضرت عائشہؓ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے صحن میں ڈھیر کردو، جب مال اتر گیا تو گھر میں سے کپڑا بھیجا کہ اس پر ڈھانک دو، پھر باندی سے کہا کہ مدینہ میں اعلان کراوجس کو مال کی ضرورت ہو آجائے، لوگ اکٹھا ہو گئے تو آپ تشریف لائیں اور ڈھیر کے پاس بیٹھیں، ایک ایک کو بلاتیں اور پوچھتیں تجھے کتنا چاہیے، جو جتنا بتاتا اس کو اتنا دیتیں، شدہ شدہ لینے والے بھی ختم ہو گئے اور مال بھی برائے نام رہ گیا، پھر آخری شخص سے یہ نہیں پوچھا کہ تجھے کتنا چاہیے، بلکہ اس سے کہا کہ سب لے جاؤ، باندی نے عرض کیا کہ دو درہم بچالیں، آج آپ کا روزہ ہے اور گھر میں افطار کے لئے کچھ نہیں ہے، میں دو درہم کا گوشت لاکر آپ کے لئے پکالوں گی، اس پر آپ نے فرمایا کہ اللہ کی بندی پہلے بتاتیں، اب تو میں دے چکی۔ (۲) آپؐ نے فرمایا مالدار عورتوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ رکھا جائے، یعنی ان کے ساتھ دوستی نہ کی جائے، کیوں کہ آدمی دوستوں جیسا یا ان سے بہتر بننے کی کوشش کرتا ہے، اور اسباب مہیا نہیں ہوتے تو ناشکری کا جذبہ ابھرتا ہے، حضرت ابوہریرہؓ کی ایک دوسری متفق علیہ روایت ہے جس کے الفاظ بخاری میں یہ ہیں کہ اذانظر احدکم الی من فضل علیہ فی المال والخلق فینظر الی من ہو اسفل منہ ممن فضل علیہ یعنی جب تم میں سے کوئی اس شخص کو دیکھے جو اس پر مال اور حلیہ میں برتری بخشا گیا ہے، تو چاہئے کہ وہ اس شخص کی طرف دیکھے جو اس سے نیچے ہے، ان لوگوں میں سے جن پر وہ برتری بخشا گیا ہے۔ (۳) کپڑے کو اس وقت تک پرانا قرار نہ دیا جائے جب تک اس میں پیوند نہ لگ جائے، یہ اقتصاد یعنی خرچ میں میانہ روی کی تعلیم ہے۔ (ملخص تحفۃ الالمعی) پیوند لگے کپڑے کا استعمال سنت ہے، اس کو برا سمجھنا بڑے خطرہ کی

بت ہے، حضرت عائشہؓ اس نصیحت کے بعد بغیر پیوند لگے کپڑے کو ترک نہیں کرتی تھیں۔ کثیر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ میں اپنا پیوند سی لوں، چنانچہ میں ٹھہر گیا اور کہا اے ام المومنین اگر میں باہر جاؤں اور لوگوں کو اطلاع دوں تو لوگ اس بات کو آپؓ کے بخل میں شمار کریں گے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جو تیرے جی میں آئے کر، اسے نئے کپڑے کی کوئی قدر نہیں جس نے پرانا کپڑا نہیں پہنا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا اردت اللحوق بی اگر آخرت میں مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو آگے کی نصیحتوں پر عمل کرو فلیکفك من الدنیا دنیا کے اندر انتہائی اختصار سے کام لو، آسائش کی زندگی گذارنے کی اجازت ہے، لیکن حتی الامکان بقدر حاجت پر اکتفا کرنا چاہئے، تا کہ دنیا میں انہماک نہ ہو سکے و ایاك و مجالسة الاغنیاء مالداروں کی مجالس سے بچو، مالدراوں کی مصاحبت کا نتیجہ اکثر انسان کی دنیا و آخرت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا اتقوا مجالسة الموتی (مردوں کی ہمنشینی سے بچو) پوچھا گیا اے اللہ کے رسولؐ یہ کون ہیں، آپؐ نے فرمایا الاغنیاء مالدار لوگ ولا تستخلقی اس جز کے ذریعہ قناعت پر ابھارا گیا ہے، ایک موقع حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے اور ان کے تہبند میں بارہ پیوند لگے تھے۔ (تلخیص مرقات) حدیث غریب یہ حدیث سند کے اعتبار سے اگرچہ ضعیف ہے، لیکن معنی کے لحاظ سے صحیح ہے، اس حدیث کی ہر بات دوسری احادیث سے ثابت ہے۔

## حدیث ۱۲۰۴ ﴿سادگی ایمان کا حصہ ہے﴾ عالمی حدیث ٤٣٤٥

وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ إِيَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَلَا تَسْمَعُوْنَ أَلَا تَسْمَعُوْنَ أَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيْمَانِ أَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيْمَانِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

**حواله:** ابوداود، ص ۵۷۳ ج ۲، کتاب الترجل، حدیث ٤١٦١

**حل لغات:** البذاذة خستہ حالی، مراد سادگی، بَذَّ (س) بَذَذًا وَبَذَاذَةً حال خراب ہونا، ہیئت بگڑنا۔

**ترجمه:** حضرت ابوامامہ ایاس بن ثعلبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ سنتے نہیں، کیا تم لوگ سنتے نہیں؟ بلاشبہ سادگی ایمان کی پہچان ہے۔ بلاشبہ سادگی ایمان کی پہچان ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ نے تاکید اور تکرار کے ساتھ اس کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ایمان والوں کو سادگی اور تواضع اختیار کرنا چاہئے اور تکلفات سے گریز کرنا چاہئے، کیوں کہ یہ ایمان کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** البذاذة من الایمان مطلب یہ ہے کہ لباس میں تواضع اختیار کرنا اہل ایمان کی خصلت ہے، وہ عورتوں کی طرح بننے اور سنورنے میں اپنے کو مصروف نہیں رکھتے ہیں، اچھا اور عمدہ کپڑا میسر ہے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، لیکن بلا وجہ کا تکلف مؤمن کی شان نہیں ہے۔

## حدیث ۱۲۰۵ ☆☆☆ عالمی حدیث ٤٣٤٦

## ﴿شہرت طلبی کی غرض سے کپڑا پہننے کی ممانعت﴾

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

**حوالہ:** احمد، ص ۱۳۹ ج۲، ابوداود ص ۵۵۸ ج ۲، باب فی لبس الشهرة، کتاب اللباس، حدیث ۴۰۲۹، ابن ماجه، ص ۲۵۷ باب من لبس شهرة، کتاب اللباس، حدیث ۳۶۰۶

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے لئے لباس پہنا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ذلت کا لباس پہنائیں گے۔ (احمد، ابوداود، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بہت عالی شان اور زیب وزینت والا لباس اس غرض سے پہننا کہ لوگوں میں شہرت وچرچا ہو تکبر اور ریا پیدا ہونے کا ذریعہ ہے اور یہ لباس قیامت کے دن رسوائی اور ذلت کا سبب بنے گا۔ لہٰذا اس طرح کا لباس اختیار نہ کرنا چاہئے۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص فخر ومباہات کی غرض سے کپڑا پہنتا ہے کہ لوگوں میں اس کو فوقیت ملے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہیں فرمائیں گے۔ تاوقتیکہ وہ اس کو اتار نہ دے۔ (کنز) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے دو قسم کے لباس سے منع فرمایا ہے۔ (۱) وہ جو خوبی کی وجہ سے شہرت پائے، (۲) بدنمائی کی وجہ سے شہرت پائے۔ (مجمع)

**کلمات حدیث کی تشریح** من لبس ثوب شهرة شہرت کے کپڑے کی مراد میں چند اقوال ہیں (۱) وہ کپڑا جو بہت عمدہ ہو اور فخر وغرور کے اظہار کے لئے پہنا ہو، (۲) انتہائی سادہ لباس تاکہ یہ ظاہر ہو کہ زاہد ہے مقصد دھوکہ دینا ہو، (۳) جاہل ہو لیکن اپنے علم کا رعب جمانے کیلئے علماء کے مخصوص لباس کو پہنا ہو البسه الله ثوب مذلة دنیا میں اس غلیظ عمل کی بنا پر قیامت کے دن ذلت کا لباس ملے گا۔ ملا علی قاریؒ نقل کرتے ہیں کہ اگر کوئی تواضع کی بنا پر کمترین کپڑا پہنے گا تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو عزت کا لباس عطا فرمائیں گے۔ قاضی نے نقل کیا ہے کہ ثوب شہرت سے مراد وہ کپڑا ہے جس کا پہننا حلال نہ ہو۔ (مرقات)

## حدیث ۱۲۰۶ ﴿لباس میں مشابہت اختیار کرنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۴۳۴۷

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ

**حوالہ:** احمد، ص ۵۰ ج ۲، ابوداود، ص ۵۵۹ ج۲، باب فی لبس الشهرة، کتاب اللباس، حدیث ۴۰۳۱

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ ان ہی میں سے ہے۔ (احمد، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص بالقصد وارادہ جس قوم کی اپنے اعمال وافعال اور عادت واطوار میں مشابہت اختیار کرے گا، اس کا انجام اسی کے ساتھ ہوگا، لہٰذا کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے بچنا چاہئے اور اتباع کی غرض سے صلحاء کے انداز کو اختیار کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من تشبه بقوم فهو منهم جو شخص جس قسم کے لوگوں کی مشابہت اختیار کرے گا، اس کا شمار ان ہی میں سے ہوگا، اچھے لوگوں کی مشابہت اختیار کرے گا تو ثواب ملے گا، بروں کی مشابہت سے گناہ ملے گا۔ معلوم ہوا کہ صلحاء کا لباس اختیار کرنے میں بھی فائدہ ہے لیکن اتباع کی نیت ہو، لوگوں کو دھوکہ دینا اور شہرت حاصل کرنا مقصد نہ ہو۔ (الدر المنضود) البتہ تشبہ اور مشابہت میں باریک فرق ہے، اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے، تشبہ کہتے ہیں کہ باقاعدہ قصد واختیار سے آدمی دوسرے کے مشابہ بننے کی کوشش کرے، تاکہ میں اس کے جیسا نظر آؤں، اس سلسلے میں فساق وفجار کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے، اور دوسری چیز نفس مشابہت ہے، وہ یہ ہے کہ کفار یا فساق جیسا بننے کا قصد وارادہ نہیں ہے، لیکن لباس وغیرہ کی بنا پر بلا قصد ان سے مشابہت ہوگئی، یہ مشابہت حرام تو نہیں لیکن مکروہ تنزیہی ہے، اس لئے حتی الامکان مشابہت سے بچنا چاہئے۔ (درس ترمذی)

## حدیث۱۲۰۷☆☆☆عالمی حدیث ۴۳۴۸- ۴۳۴۹

## ﴿تواضع کی بنا پر لباس میں زیب و زینت کو ترک کرنا﴾

وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَبْنَاءِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ تَوَاضُعاً كَسَاهُ اللّٰهُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ وَمَنْ زَوَّجَ لِلّٰهِ تَوَّجَهُ اللّٰهُ تَاجَ الْمُلْكِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ حَدِيْثَ اللِّبَاسِ.

**حوالہ:** ابوداود ص ۶۵۹ ج۲، باب من کظم غیضا، کتاب الادب، حدیث ۴۷۷۸، ترمذی ص ... ج ۲، باب کتاب صفة القیامه، حدیث ۲۴۸۱

**ترجمہ:** حضرت سوید بن وہبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں کسی صحابی کے صاحب زادہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے استطاعت کے باوجود زیب و زینت والا لباس ترک کردیا اور ایک روایت میں ہے کہ تواضع کی وجہ سے ایسا لباس ترک کردیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بزرگی والا جوڑا پہنائیں گے اور جو کوئی اللہ کے لئے نکاح کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بادشاہی کا تاج پہنائیں گے۔ (ابوداود) اور ترمذی نے لباس والی حدیث کو حضرت معاذ بن انسؓ کی سند سے نقل کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اعلیٰ ترین لباس زیب تن کرنے پر قدرت کے باوجود سادہ لباس زیب تن کرنا چاہئے۔ اس کی بنا پر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعزاز و اکرام سے نوازا جائے گا اور اپنی تواضع و انکساری کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اعلیٰ مقام پائے گا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من ترك لبس ثوب جمال مالی اعتبار سے زیب و زینت والا لباس استعمال کرنے پر قدرت ہے، لیکن انکساری اور فکر آخرت کی بنا پر اس کو زیب تن نہیں کرتا، کساه الله ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے اور جنت کا اعلیٰ ترین لباس عنایت فرمائیں گے۔ من تزوج لله رضاء الٰہی کی خاطر اپنے سے کمتر لڑکی سے شادی کرلی، تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت عزت اور بڑا مقام عنایت کریں گے اور جنت میں اس کو بادشاہت کا تاج ملے گا۔

## حدیث۱۲۰۸﴿نعمتوں کا اظہار اللہ کو پسند ہے﴾ عالمی حدیث ۴۳۵۰

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُرَىٰ أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلَىٰ عَبْدِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی ص ۱۰۹ ج ۲. باب ماجاء ان الله تعالیٰ یحب ان یری اثر نعمته علی عبده، کتاب الادب حدیث ۲۸۱۹

**ترجمہ:** حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کے بندہ پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے تو عمدہ لباس اختیار کرنا چاہئے اور جائز حدود میں رہ کر اچھی زندگی گزارنی چاہئے، اللہ کی نعمت کے آثار اس کی حالت سے ظاہر ہونا چاہئے، مال و دولت

فراہم ہونے کے باوجود بدہیئت بنے رہنا اچھی بات نہیں ہے، حضرت ابو حازمؒ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کے پاس ایک شخص پھٹی حالت میں آیا تو آپؐ نے اس سے پوچھا ارے تمہارے پاس مال نہیں ہے؟ ان صاحب نے کہا کہ ہے، اللہ کا دیا سب ہے، اونٹ، گائے، بکری ہے، آپؐ نے فرمایا جس کے پاس مال ہو چاہئے کہ وہ اس کا اثر ظاہر کرے۔ (مجمع)

**کلمات حدیث کی تشریح** ان اللہ یحب ان یری اللہ تعالیٰ بندہ پر جب کوئی انعام کریں تو اس کو شکر ادا کرنا چاہئے۔ اور اس نعمت کا اظہار کرنا چاہئے۔ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ لیکن فخر و غرور پیدا نہ ہونا چاہئے۔ صاحب مال ہے تو کھانے پہننے سے اس کا اظہار ہونا چاہئے اور غریبوں پر سخاوت کے ذریعہ اظہار ہونا چاہئے۔ اسی طرح صاحب علم ہے تو لوگوں کو اپنے علم سے مستفید کر کے اظہار ہونا چاہئے۔

## حدیث ۱۲۰۹ ﴿صاف ستھرے کپڑے پہننے کی ہدایت﴾ عالمی حدیث ۴۳۵۱

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرًا فَرَأٰى رَجُلًا شَعِثًا قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهٗ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهٖ رَأْسَهٗ وَرَأٰى رَجُلًا عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسِخَةٌ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يَغْسِلُ بِهٖ ثَوْبَهٗ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** احمد، ص ۳۵۷، ج ۳، نسائی، ص ۲۴۸ ج۲، باب تسکین الشعر کتاب الزینۃ

**حل لغات:** زائر ملاقاتی، مہمان (ج) زُوَّار، زَارَ (ن) زِيَارَةً ملاقات کرنا، کسی سے ملنے کے لئے آنا یا جانا، شعثا شَعِثَ (س) شَعَثًا پراگندہ حال ہونا، تفرق (تفعل) بکھرنا، وسخۃ میلا وَسِخَ (س) وَسَخًا میلا ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس جائزہ لینے کے لئے تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ ایک شخص کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا اس کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی ہے، جس سے یہ اپنے سر کو درست کر لے۔ پھر آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے کپڑے میلے کچیلے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ کیا اس کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی ہے جس سے یہ اپنے کپڑے دھولے۔ (احمد و نسائی)

**خلاصۂ حدیث** میلے کچیلے رہنا یا گندہ لباس زیب تن کرنا ہرگز تواضع نہیں ہے، اسلام نے صفائی ستھرائی کو بہت اہمیت دی ہے جنکو آپ گندہ دیکھتے یا جن کا لباس گندہ دیکھتے انکو ٹوکتے تھے، اس حدیث میں بھی آپؐ نے سخت تنبیہ فرمائی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما کان یجد ھذا ما یسکن بہ راسہ کیا یہ بکھرے اور پراگندہ بالوں کو درست کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جسم کی درستگی و نفاست اور لباس کی صفائی ستھرائی آپؐ کے نزدیک پسندیدہ تھی اور اس کا برعکس ناپسندیدہ و مکروہ تھا، کیوں کہ یہ چیزیں تہذیب و شائستگی کی علامت بھی ہیں اور اسلام کی روح کی پاکیزگی کے عین مطابق بھی، لہٰذا اس ارشاد گرامی 'البذاذۃ من الایمان' (سادگی ایمان کا حصہ ہے) یعنی لباس کی سادگی اور ترک زینت حسن ایمان کی پہچان ہے۔ اس کی مراد چوں کہ موٹے جھوٹے کپڑے پر قناعت کرنا ہے، اس لئے یہ بات حدیث باب کے منافی نہیں ہے۔ (مرقات، مظاہر حق)

## حدیث ۱۲۱۰ ﴿وسعت ہو تو عمدہ لباس زیب تن کیا جائے﴾ عالمی حدیث: ۴۳۵۲

﴿وَعَنْ﴾ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيَّ ثَوْبٌ دُوْنٌ فَقَالَ لِي أَلَكَ مَالٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مِنْ أَيِّ الْمَالِ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِيَ اللّٰهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ

وَالْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ قَالَ فَإِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَ أَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهٖ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ.

**حواله:** نسائی، ص ۵۱،۲۵۲، باب ذکر ما يستحب من لبس الثياب، كتاب الزينة، حديث ۵۲۹۴، البغوی فی شرح السنة، ص ۴۷-۴۸ ج ۱۲، باب استحباب ان يرىٰ اثر نعمة الله عز و جل، كتاب اللباس، حديث ۳۱۱۸

**ترجمه:** حضرت ابوالاحوص اپنے والد ماجد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معمولی کپڑے پہن کر حاضر ہوا، آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، آپؐ نے فرمایا کہ کس قسم کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اونٹ، گائے، بکری، گھوڑے اور غلام ہر طرح کا مال اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو مال عطا فرمایا ہے تو اس کی نعمت اور بخشش کا اثر تمہارے اوپر ظاہر ہونا چاہئے۔ (نسائی) اور شرح السنۃ میں مصابیح کے لفظوں میں یہ روایت مذکور ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے حیثیت دی ہے تو اچھا اور عمدہ لباس پہننا چاہئے، کیونکہ نعمت کا اثر بندہ کے لباس سے ظاہر ہو، یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہننے سے نعمت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، بشرطیکہ وہ کپڑے اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق ہوں، اور یہ کہ نہ تو اتنے باریک اور مہین ہوں کہ جس کی ممانعت منقول ہے اور نہ اتنے زیادہ نفیس وعمدہ ہوں کہ جس سے بے جا شان وشوکت کا اظہار ہو، اسی طرح وہ کپڑے اوپر تلے یعنی ایک لباس کے اوپر دوسرا لباس نہ پہنا گیا ہو، منقول ہے کہ آپ لباس کے تئیں دونوں شہرتوں سے منع فرماتے تھے، یعنی باریک کپڑے سے بھی اور موٹے کپڑے سے بھی اور سخت کپڑے سے بھی اور لمبے کپڑے سے بھی اور چھوٹے کپڑے سے بھی الا یہ کہ وہ کپڑا درمیانی درجہ کا ہو۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ کپڑے کی کہنگی یعنی کپڑے کا پرانا ہونا اور اس میں پیوند لگا ہونا یہ پسندیدہ ومحمود چیز ہے اور افعال ایمان میں سے ہے، بشرطیکہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہو، اگر حیثیت واستطاعت کے باوجود بخل وخست کی بناپر ہو تو قبیح ومذموم ہے۔ (مرقات، مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** وعلي ثوب دون ایسا لباس پہنا تھا جو میری حیثیت کے لائق نہ تھا، اتاك الله صاحب حیثیت کو عام طور پر ایسا لباس پہننا چاہئے جو اس کی حیثیت کے مطابق ہو، تاکہ لوگوں کو بھی معلوم ہو سکے کہ یہ صاحب حیثیت ہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں، البتہ کبھی کبھار صاف ستھرا پرانا لباس بھی پہننا چاہئے، تاکہ فخر وغرور پیدا نہ ہو اور قناعت وایثار کا جذبہ پروان چڑھے۔

## حدیث ۱۲۱۱ ﴿مردوں کیلئے سرخ لباس پہننے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۳۵۲

﴿وَعَنْ﴾ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ترمذی ص ۱۰۸ ج ۲، باب ما جاء فی كراهية لبس المعصفر، كتاب الادب، حديث ۲۸۰۷، ابوداود، ص ۵۶۳ ج ۲، باب فی الحمرة كتاب اللباس، حدث ۴۰۶۹

**ترجمه:** حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی دو سرخ کپڑے پہنے ہوئے گزرے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپؐ نے انہیں جواب عنایت نہیں فرمایا۔ (ترمذی، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کے لئے سرخ کپڑے پہننا حرام ہے اور جو حرام کی پرواہ نہ کر کے استعمال کرے وہ سلام کے جواب کا مستحق نہیں ہے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان لال رنگ پسند کرتا ہے، خبردار اتم اس سے پرہیز کرو، اسی طرح شہرت والے کپڑے سے، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ لال رنگ کو ناپسند کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری) البتہ عورتیں لال رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہیں۔ (تفصیل کیلئے عالمی حدیث ۴۳۲۷ دیکھیں)

**کلمات حدیث کی تشریح** وعلیہ ثوبان احمران سرخ کپڑے پہننا ممنوع ہے، بعض ائمہ جواز کے قائل ہیں، آپ ﷺ سے سرخ جوڑا پہننا مروی ہے، اس کے متعلق ابن حجرؒ نے کہا کہ وہ حدیث صحیح ہے، اسی سے استدلال کر کے امام شافعیؒ سرخ جوڑے کی حلت کے قائل ہیں، البتہ حافظ عسقلانیؒ نے خود اس کی صراحت فرمائی ہے کہ اس سے مراد سرخ دھاری دار چادر یا کپڑا ہے نہ کہ خالص سرخ کپڑا اور یمنی چادریں سرخ دھاری والی ہوتی تھیں، لہٰذا یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل نہیں بن سکتی ہے، جو مردوں کے لئے لال کپڑے کی اجازت دیتے ہیں۔

## حدیث ۱۲۱۲ ﴿لباس پر خوشبو لگانے کی ھدایت﴾ عالمی حدیث ٤٣٥٤

﴿وَعَنْ﴾ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا أَرْكَبُ الْأُرْجُوَانَ وَلَا أَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ وَلَا أَلْبَسُ الْقَمِيصَ الْمُكَفَّفَ بِالْحَرِيرِ وَقَالَ أَلَا وَطِيبُ الرِّجَالِ رِيحٌ لَا لَوْنَ لَهُ وَطِيبُ النِّسَاءِ لَوْنٌ لَا رِيحَ لَهُ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

**حواله:** ابوداود، ص ٥٦٠ ج٢، باب من كرهه، كتاب اللباس، حديث ٤٠٤٨

**حل لغات:** الارجوان ایک تیز سرخ پھول والا پودا، لال رنگ، ارغوانی رنگ، لال رنگا ہوا کپڑا، المعصفر زرد رنگ سے رنگا ہوا، عَصْفَرَ (فعللة) الثوبَ عصفر سے رنگنا، العصفر ایک زرد رنگ کی بوٹی جس سے رنگائی کی جاتی ہے، المكفف كَفَّفَ (تفعيل) الثوبَ بِالحريرِ کپڑے پر ریشم وغیرہ کی گوٹ لگانا۔

**ترجمه:** حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ارغوانی زین پوش پر سوار نہیں ہوتا اور نہ کسم رنگ میں رنگا ہوا کپڑا پہنتا ہوں اور نہ ایسی قمیص پہنتا ہوں جس میں ریشم کی بیل لگی ہو اور فرمایا کہ مردوں کی خوشبو میں خوشبو ہوتی ہے، رنگ نہیں ہوتا۔ جبکہ عورتوں کی خوشبو میں رنگ ہوتا ہے۔ خوشبو نہیں ہوتی ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں چند باتوں کی وضاحت ہے (۱) مردوں کو سرخ کپڑا استعمال نہ کرنا چاہئے، اسی لئے آپ ﷺ ایسی سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے جس کی زین پر سرخ کپڑا بچھا ہوتا ہے، جب آپ ﷺ نے سرخ کپڑے پر بیٹھنے سے پرہیز کیا تو پہننے سے آپ ﷺ نے اس سے بڑھ کر گریز کیا ہوگا۔ (۲) مردوں کو ریشمی کپڑا نہ پہننا چاہئے، اگرچہ تھوڑی مقدار میں بیل وغیرہ کے طور پر ریشم کا کسی کپڑے میں استعمال ہوا ہو تو اسکا پہننا جائز ہے، لیکن احتیاط زیادہ بہتر ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اس قمیص کو بھی زیب تن نہیں فرمایا جس پر ریشم کی بیل لگی ہوئی تھی۔ (۳) مرد ایسی خوشبو استعمال کرے جس میں رنگ نہ ہو یعنی اس خوشبو لگانے سے کپڑا رنگین نہ ہو اور عورتیں ایسی خوشبو استعمال کریں جس میں بہت زیادہ مہک نہ ہو، خصوصاً تیز خوشبو لگا کر باہر ہرگز نہ نکلیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا ارکب الارجوان 'ارجوان' ایک پھول دار درخت بھی ہوتا ہے، سرخ رنگ کو بھی کہتے ہیں، ایسے ہی سرخ کپڑے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، یہاں سرخ گدی مراد ہے، جس کو زین پر بچھاتے ہیں، آپ ﷺ اس کپڑے پر یا تو اس لئے تشریف نہیں رکھتے تھے کہ وہ سرخ رنگ کا ہوتا تھا، یا پھر اس وجہ سے کہ وہ اکثر ریشمی ہوتا تھا۔

ولا البس المعصفر زرد رنگ کا کپڑا کفار کے مذہبی لوگوں کا شعار رہا ہے، لہٰذا اس رنگ کے کپڑے کو آپ ﷺ نے خود بھی استعمال نہیں کیا اور اس کے پہننے سے منع فرمایا۔ حضرت ابن عمرؓ نے ایک دو معصفر کپڑے پہن رکھے تھے، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ان ھذا من ثیاب الکفار فلا تلبسھما (یہ کفار کے کپڑے ہیں، ان کو مت پہنو) دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۲۷۔ ولا البس القمیص المکفف بالحریر ریشمی بیل والی قمیص آپ ﷺ نہیں پہنتے تھے۔ یہ کمال تقویٰ کی بنا پر تھا۔ ورنہ جائز ہے، بشرطیکہ چار انگشت سے زائد نہ ہو، (ملخص الدر المنضود) تفصیل کیلئے عالمی حدیث ۴۳۱۶ دیکھیں اور ۴۳۳۶ دیکھیں، وطیب النساء مطلب یہ ہے کہ عورت گھر سے باہر نکلتے وقت ایسی خوشبو نہ لگائے جس میں مہک ہو، زعفران وغیرہ لگا سکتی ہے کیوں کہ اس میں رنگ ہے لیکن تیز مہک نہیں ہوتی، البتہ گھر میں عورت مہک والی خوشبو بھی استعمال کر سکتی ہے، یہ حدیث اگرچہ بطرز خبر ہے لیکن امر کے معنی میں ہے۔ (مرقات)

## حدیث۱۲۱۳ ﴿دس امور کی ممانعت کا ذکر﴾ عالمی حدیث ٤٣٥٥

﴿وَعَنْ﴾ أَبِیْ رَیْحَانَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَشْرٍ عَنِ الْوَشْرِ وَالْوَشْمِ وَالنَّتْفِ وَعَنْ مُکَامَعَةِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ بِغَیْرِ شِعَارٍ وَمُکَامَعَةِ الْمَرْأَةِ الْمَرْأَةَ بِغَیْرِ شِعَارٍ وَأَنْ یَّجْعَلَ الرَّجُلُ فِیْ أَسْفَلِ ثِیَابِهٖ حَرِیْرًا مِثْلَ الْاَعَاجِمِ أَوْ یَجْعَلَ عَلٰی مَنْکِبَیْهِ حَرِیْرًا مِثْلَ الْاَعَاجِمِ وَعَنِ النُّهْبٰی وَعَنْ رُکُوْبِ النُّمُوْرِ وَلُبُوْسِ الْخَاتَمِ إِلَّا لِذِیْ سُلْطَانٍ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ.

**حوالہ**: ابوداود ص ٥٦١ ج٢، باب من کرهه، کتاب اللباس حدیث ٤٠٤٩ نسائی، ص ٢٣٧ ج٢، باب النتف، کتاب الزینة، حدیث ٥٠٩١

**حل لغات**: الوشر: باریک کرنا۔ وَشَرَ (ض) وَشْرًا الخَشَبَةَ، لکڑی کو چیرنا، اَلمَرْأةُ اَسْنَانَها، عورت کا اپنے دانت تیز کرنا، باریک کرنا، الوشم گودنا، وَشَمَ (ض) وَشْماً، الجلدَ کھال کو سوئی سے گود کر نیل چھڑکنا، النتف نَتَفَ (ض) نَتْفاً الشِعْرَ، بال اکھاڑنا، مکامعة مصدر ہے (مفاعلت) المرأة حفاظت کے لئے عورت کو خود سے چمٹا لینا۔ شعار بدن سے لگا کپڑا، تحتانی لباس (ج) اَشْعِرَةٌ، وشِعَارَاتٌ، النهبی نَهَبَ (ف) نَهْباً لوٹنا، زبردستی لینا۔ النمور جمع ہے، واحد النَّمِرُ، چیتا۔

**ترجمه**: حضرت ابوریحانہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس کاموں سے منع فرمایا ہے۔ (۱) دانتوں کو تیز کرنے سے (۲) جسم گدوانے سے (۳) سفید بال اکھاڑنے سے (۴) مرد کو مرد کے ساتھ بغیر کپڑوں کے لیٹنے سے (۵) عورتوں کو عورتوں کے ساتھ بغیر کپڑے کے لیٹنے سے، (۶) اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی اپنے کپڑے کے نیچے عجمیوں کی طرح ریشم لگائے، (۷) یا عجمیوں کی طرح مونڈھے پر ریشم ڈالے، (۸) لوٹ مار کرنے سے منع فرمایا (۹) چیتوں پر سوار ہونے سے، (۱۰) اور انگوٹھی پہننے سے سوائے بادشاہ کے۔ (ابوداود، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کے تحت بہت سی باتوں کی ممانعت ہے، ان کو یہاں قدرے وضاحت سے نقل کیا جاتا ہے۔ عرب میں دستور تھا کہ بوڑھی عورتیں جوان عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے کے لئے اپنے دانت کے کناروں کو تیز اور باریک کیا کرتی تھیں، لہٰذا آپ ﷺ نے ان سے منع فرمایا، اسی طرح ایک رواج یہ بھی تھا کہ لوگ اپنے جسم کے بعض حصوں کو سوئی سے گود کر اس میں نیل یا سرمہ بھر دیتے تھے جیسا کہ ہمارے یہاں بھی بعض غیر مسلم اقوام میں یہ دستور ہے کہ جسم کے کسی حصہ، خاص طور سے ہاتھ پر نام وغیرہ گودتے ہیں، آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے، اسی طرح بال اکھاڑنے سے منع فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ آرائش و زینت کی خاطر داڑھی و سر کے سفید بال چننا ممنوع ہے، یا یہ کہ عورتوں کا اپنے چہرے یعنی پیشانی کے بال چننا ممنوع ہے، ان چیزوں کی

ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اول تو ان سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر کرنا لازم آتا ہے، دوسرے یہ چیزیں آرائش وزینت کے لئے بے جا اور برے قسم کے تکلفات کا مرتکب ہونے کا باعث ہیں، اگر چہ زیب وزینت اختیار کرنا عورتوں کے لئے جائز ہے، مگر اس طرح کے مذموم تکلفات، ان کے لئے بھی ممنوع ہیں، بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں بال اکھاڑنے سے مراد یہ ہے کہ کسی حادثہ ومصیبت کے وقت شدت جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے سر اور داڑھی کے بال نوچنا ممنوع ہے، مرد کا مرد کے ساتھ سونے کا مطلب حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق تو یہی ہے کہ دو مرد ایک کپڑے یعنی ایک چادر اور لحاف وغیرہ میں اس طرح نہ سوئیں کہ دونوں بالکل ننگے ہوں، یا ان کے صرف ستر ڈھکے ہوئے ہوں، یا یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ اس ممانعت کا تعلق صرف اس صورت سے ہو جب کہ دونوں کے ستر ڈھکے ہوئے نہ ہوں یہی دونوں احتمال عورتوں کے بارے میں بھی ہیں، اگر دو عورتوں کا باہم اس طرح سونا کسی فتنہ وشر انگیزی کا خوف رکھتا ہو تو اس صورت میں بالکل صاف بات یہ ہے کہ یہ قطعاً ممنوع ہوگا، اور اگر کسی فتنہ وشر انگیزی کا خوف نہ ہو تو تب بھی یہ صورت تہذیب وشائستگی اور ادب واخلاق کے منافی اور بے حیائی وبے شرمی کی غماز تو بہر حال ہوگی ہی، مرد اپنے کپڑے کے نیچے ریشم کا استر لگائے یہ بھی منع ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ریشم کا کپڑا پہننا مرد کے لئے قطعاً حرام ہے، خواہ وہ کپڑا ایسے لباس کی صورت میں کیوں نہ ہو کہ اس کے اوپر کا حصہ سوتی اور اس کا استر ریشمی ہو، یا اس کے اوپر کا حصہ تو ریشمی ہو اور اس کا استر سوتی ہو، چنانچہ صحیح قول یہی ہے، مونڈھوں پر ریشمی کپڑا لٹکانا بھی منع ہے، جبہ وغیرہ کے مونڈھوں پر بطور بیل کے ریشمی کپڑ الگانا، یا ریشم کا کام کرانا ایسی صورت میں جائز ہے جب کہ اس کی مقدار چار انگشت تک ہو، چار انگشت سے زائد کی صورت میں ممانعت ہے، یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ کاندھوں پر دوپٹے کی طرح ازراہ تکبر کپڑا لٹکانا منع ہے، چیتے کی کھال کی زین پر سوار ہونے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ اس میں متکبرین کی مشابہت ہے، بلاضرورت مہر والی انگوٹھی پہننا بھی عام لوگوں کیلئے منع ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ اور دیگر بعد کے خلفاء کے زمانے میں صحابہؓ انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور کوئی منع نہیں کرتا تھا۔ (مرقات، مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح**

عن عشر آپؐ نے دس باتوں سے منع فرمایا۔ الوشر بعض عورتیں دانت باریک کراتی ہیں تا کہ نوعمر نظر آئیں یہ عمل ممنوع ہے، جو عورت دانت باریک کرتی ہے اس کو واشرہ اور جس کے باریک کئے جائیں اس کو موشورہ کہتے ہیں، یہ عمل کرنا اور کرانا دونوں منع ہیں۔ الوشم بدن گود کر نشانات یا پھول وغیرہ بنانا اور اس میں نیل یا سرمہ لگانا بھی منع ہے۔ النتف سفید بال اکھاڑنا بھی منع ہے۔ آپ کا فرمان ہے لاتنتفوا الشیب مامن مسلم یشیب شیبة فی الاسلام الاکانت له نوراً یوم القیامة، سفید بال مت اکھاڑو، جس شخص کا کوئی بال اسلام کی حالت میں سفید ہوا تو وہ بال اس کے لئے قیامت کے دن روشنی کا ذریعہ ہوگا۔ (ابوداود) عن مکامعة الرجل دو مردوں کا ایک بستر میں ننگے لیٹنا بڑی بے حیائی ہے، اسی طرح دو عورتوں کا اس ہیئت پر لیٹنا بھی بڑی بے شرمی ہے، آپؐ نے اس سے منع فرمایا ہے، رکوب النمور چیتے پر سوار ہونا منع ہے۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا لا ترکبوا الخز ولا النمار خز یعنی ریشم پر مت سوار ہو یعنی اس کو زین وغیرہ پر رکھ کر سوار نہ ہو، اور نہ چیتے کی کھال پر سوار ہو، کیونکہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے۔

## حدیث ۱۲۱۴ ﴿مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی حرام ہے﴾ عالمی حدیث ٤٣٥٦

﴿وَعَنْ﴾ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَعَنْ لُبْسِ الْقَسِيِّ وَالْمَيَاثِرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوُدَ قَالَ نَهٰى عَنْ مَيَاثِرِ الْأُرْجُوَانِ.

**حوالہ:** ترمذی ص ۲۰٤ ج۲، باب ماجاء فی کراهیة خاتم الذهب، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۳۷ ابوداود،

ص ۵٦۱ ج۲، باب من کرھه، کتاب اللباس ٤٠٥١ نسائی، ص۲٤٣ ج۲، باب خاتم الذهب، کتاب الزينة، حديث ٥١٦٥، ابن ماجة ص ٢٦٠، باب المياثر الحمر، کتاب اللباس، حديث ٣٦٥٤

**حل لغات:** القسی ریشم کا دھاری دار کپڑا، المیاثر جمع ہے واحد مَیْثَرۃ ریشم کا گدا اس کو سوار اپنے نیچے رکھتا ہے۔

**ترجمہ:** حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے مجھے سونے کی انگوٹھی پہننے، قسی کپڑے پہننے اور سرخ گدوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ) ابوداود کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا سرخ زین پوش سے منع فرمایا ہے۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپؐ نے اس کو پھینک دیا اور فرمایا کہ تم جہنم کی چنگاری چاہے، کہ اس کو ہاتھ میں ڈالتے ہو۔ آپؐ نے مہر لگانے کے لئے شروع میں سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی، لیکن جب حرمت آئی تو اس کو چھوڑ کر چاندی کی انگوٹھی بنوائی، اسی طرح مسلمان مردوں کیلئے ریشم کا کپڑا بھی استعمال کرنا منع ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** عن خاتم الذهب مردوں کے لئے مطلقاً سونا پہننا حرام ہے، لہٰذا سونے کی انگوٹھی بھی استعمال کرنا ممنوع ہے، جس طرح ابتداء اسلام میں ریشم کا استعمال جائز تھا، پھر ممانعت آگئی اسی طرح سونا بھی ابتداً میں پہننا جائز تھا، بعد میں حرمت آگئی، حرمت کے بعد آپؐ نے بھی سونے کی انگوٹھی کا استعمال ترک کردیا اور لوگوں کو بھی اس کے استعمال سے منع فرمادیا، سونے کا کوئی بھی زیور مرد کے لئے استعمال کرنا حرام ہے، البتہ عورتیں استعمال کرسکتی ہیں، مرد حضرات سنہرے رنگ کی اشیاء مثلاً گھڑی وغیرہ استعمال کریں تو حرج نہیں ہے، اسی طرح ضرورت کے وقت سونے کا دانت لگوانا بھی جائز ہے۔ عن لبس القس قس کی طرف منسوب ہے، جو مصر میں ایک جگہ کا نام ہے، اس کپڑے میں ریشم کی آمیزش ہوتی ہے اور ایک قول اس میں یہ ہے کہ قس یہ اصل میں قز تھا۔ زا کو سین سے بدل دیا اور قز کہتے ہیں ریشم کو اور ریشم کا استعمال مردوں کے لئے حرام ہے (دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۱۶) المیاثر سرخ گدی، اس کو زین پر بچھا کر اس پر بیٹھا جاتا ہے، آپؐ نے اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، اور آپ خود بھی نہیں بیٹھتے تھے۔ دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۵۴۔ یا تو اس وجہ سے کہ وہ سرخ ہوتی ہے اور یا اس وجہ سے کہ وہ اکثر ریشم کی ہوتی ہے اور اس میں اسراف بھی ہے (ملخص الدر المنضود)

## حدیث ۱۲۱۵ ﴿چیتے کی کھال پر سوار ہونے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ٤٣٥٧

﴿وَعَنْ﴾ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَرْكَبُوا الْخَزَّ وَلَا النِّمَارَ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** ابو داود ص ٥٧٠ ج۲، باب في جلود النمور، کتاب اللباس، حديث ٤١٢٩

**حل لغات:** الخز ریشمی کپڑا، النمار نَمِرٌ کی جمع ہے چیتا، سرخ دھاری دار کپڑا مراد ہے۔

**ترجمہ:** حضرت معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ریشمی زین پوش اور چیتے کی کھال پر سوار نہ ہوا کرو۔ (ابوداود، نسائی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ریشمی زین پر بیٹھنا، نیز چیتے کی کھال پر بیٹھنا منع ہے، کیوں کہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے، اس سے تکبر بیدار ہونے کا قوی خدشہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لاتركبوا الخز خز کی تفسیر میں کسی قدر اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ خز وہ کپڑا ہے جو ریشم اور اون سے بنایا گیا ہو، یعنی خالص ریشم نہ ہو، ابن العربیؒ کہتے ہیں کہ خز وہ کپڑا ہے جس کا سدی یعنی تانا یا لحمہ یعنی بانا میں سے کوئی ایک ریشم ہو اور دوسرا غیر ریشم ہو، بعض کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اطلاق خالص ریشم پر

بھی ہوتا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ کپڑا جو زخرگوش کے اون سے بنایا گیا ہو، ان سب کا خلاصہ تین قول ہوئے، (۱) ریشم اور غیر ریشم دونوں سے مل کر بنا ہو (۲) خالص ریشم سے بنا ہو (۳) زخرگوش کے اون سے بنا ہو، جس طرح اس لفظ کی تفسیر میں اختلاف ہے اسی طرح اس کے حکم میں بھی اختلاف ہے، اور روایات بھی اس سلسلہ میں مختلف ہیں بعض سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے ابوداود میں روایت ہے کہ سعد بن عثمان کہتے ہیں کہ رائیت رجلا ببخاریٰ علی بغلة بیضاء علیه عمامة خز سوداء الخ. میں نے بخاریٰ میں ایک شخص کو دیکھا جو سفید خچر پر سوار تھا، اس کے سر پر سیاہ رنگ کے خز کا عمامہ تھا، اس شخص نے کہا کہ یہ عمامہ مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطیہ دیا ہے، اس کے برخلاف بعض روایات سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ابوداود میں ابو عامر صحابی کی روایت ہے انه سمع رسول صلی الله علیه وسلم یقول لیکونن من امتی اقوام یستحلون الخز والحریر وذکر کلاما قال یمسخ منهم آخرین قردة وخنازیر الی یوم القیامة آپؐ نے فرمایا کہ میری امت میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہونگے جو خز اور حریر کو حلال قرار دیں گے، ان کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ ان میں سے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ کر دی جائیں گی اور قیامت تک بندر اور خنزیر کی شکل پر رہیں گے، محدثین نے جواز اور عدم جواز والی روایات میں مختلف انداز میں تطبیق دی ہے (۱) ممانعت کا تعلق اس خز سے ہے جو کہ خالص ریشم کا ہو اور جواز کا تعلق اس خز سے ہے جس میں خالص ریشم نہ ہو (۲) نہی محمول ہے اس کپڑے پر جس کا بانا ریشم ہو اور تانا غیر ریشم ہو اور جواز اس کے برعکس صورت میں ہے (۳) اگر خز سے ریشم مراد ہے تب حرام ہے اور اگر زخرگوش کے بال سے تیار ہے تو جائز ہے (بذل، الدر المنضود) ولا النمار چیتے کی کھال کی زین پر سوار ہونے سے منع فرمایا گیا ہے، اس لئے کہ یہ کفار اور متکبرین کا طریقہ ہے، لہٰذا ان کے طریقہ سے بچنا چاہئے۔ پھر درندوں کی کھال پر بیٹھنے سے ان کی بری خصلتیں پیدا ہونے کا بھی احتمال رہتا ہے۔

## حدیث ۱۲۱۶ ﴿سرخ زین پوش پر بیٹھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۳۵۸۔

﴿وَعَنِ﴾ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمِيْثَرَةِ الْحَمْرَاءِ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حواله** :شرح السنة ص ۵۸ ج ۱۲، باب النهی عن خاتم الذهب، کتاب اللباس.

**ترجمه** : حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ رنگ کے ریشمی زین پوش سے منع فرمایا ہے۔ (شرح السنۃ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زین کے اوپر جو گدی بچھائی جاتی ہے اگر وہ سرخ رنگ کی ہے تو اس پر نہ بیٹھنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** عن المیثرة الحمراء ممانعت کی وجہ یا تو سرخ رنگ ہے یا اسراف ہے یا ریشم ہے۔ دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۵۶۔

## حدیث ۱۲۱۷ ﴿آپؐ کے سبز کپڑوں کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۴۳۵۹

﴿وَعَنْ﴾ أَبِيْ رِمْثَةَ التَّيْمِيِّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ وَلَهُ شَعْرٌ قَدْعَلَاهُ الشَّيْبُ وَشَيْبُهُ أَحْمَرُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوُدَ وَهُوَ ذُوْ وَفْرَةٍ وَبِهَا رَدْعٌ مِنْ حِنَّاءٍ.

**حواله** :ترمذی ص ۱۰۸ ج۲، باب ماجاء فی الثوب الاخضر. کتاب الادب، حدیث ۲۸۱۲. ابوداود ص ۵۶۲ ج۲، باب فی الخضرة کتاب اللباس. حدیث ۴۰۶۵

**حل لغات**: ردع زعفران یا زعفران کا اثر، یا خون کا دھبا، رَدَعَ (ف) رَدْعًا زعفران کی طرح زرد ہو جانا۔

**ترجمہ** حضرت ابو رمثہؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر دو سبز کپڑے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال تھے جن پر بوڑھاپا غالب آ گیا تھا اور ان کا بوڑھاپا سرخی والا تھا۔ (ترمذی) ابوداود کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ کے سر کے بال کاندھوں تک تھے، جنھیں مہندی سے رنگا ہوا تھا۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کبھی آپؐ نے سبز کپڑے بھی پہنے ہیں، لہٰذا سبز کپڑے کا استحباب ثابت ہوا، یہ بھی ممکن ہے کہ ان کپڑوں پر سبز دھاریاں رہی ہوں، آپؐ کے سر اور داڑھی کے بال چند ہی سفید تھے، اور جو سفید تھے وہ بالکل سفید نہ تھے بلکہ سرخی مائل تھے، آپؐ نے بسا اوقات اپنے بالوں کو کانوں کی لو تک رکھا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وعليه ثوبان اخضران آپؐ سبز رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنے تھے، بعض علماء نے اس حدیث کی بناء پر یہ لکھا ہے کہ سبز لباس سنت ہے، مگر یہ بات ضعیف ہے، صرف زیب تن فرمانے سے سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ استحباب ثابت ہوتا ہے (تحفۃ الالمعی) وله شعر قد علاه الشيب آپؐ کے کچھ بال سفید ہو گئے تھے، آپؐ کے سفید بالوں کی مقدار کے بارے میں مختلف روایتیں منقول ہیں، چنانچہ ایک روایت میں حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے آپؐ کے سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو گنا تو وہ چودہ سے زیادہ نہ تھے۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ آپؐ پر بوڑھاپے کا اثر تقریباً بیس سفید بالوں سے زیادہ نہیں تھا، اسی طرح ایک روایت میں سترہ کی تعداد آئی ہے وشيبه احمر آپؐ کا بوڑھاپا سرخ تھا، مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے جو چند سفید بال تھے، ان پر آپؐ مہندی کا خضاب کئے ہوئے تھے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ چند بال بھی بالکل سفید نہ تھے، بلکہ مائل بہ سرخ تھے، جیسا کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب بال سفید ہونے لگتے ہیں تو پہلے بھورے ہوتے ہیں، اور پھر سفید ہو جاتے ہیں، وهو ذو فرة آپؐ کے سر کے بال کانوں کی لو تک تھے، ملا علی قاریؒ نے ذکر کیا ہے کہ احادیث میں آپؐ کے بال مبارک کی چھ کیفیتوں کا ذکر ہے (۱) نصف کانوں تک (۲) کانوں کی لو تک (۳) کاندھے اور کانوں کے درمیان (۴) کاندھے تک (۵) کاندھے کے قریب (۶) چوٹیوں کی شکل میں۔ حافظ ابوالفضل عراقیؒ نے ذکر کیا ہے کہ آپؐ کے بالوں کی مقدار کے متعلق احادیث میں تین الفاظ آتے ہیں (۱) وفرۃ (۲) جمہ (۳) لمہ۔ وفرہ وہ بال ہیں جو کانوں کی لو تک ہوں۔ جمہ وہ ہے جو مونڈھوں تک ہوں اور لمہ وہ بال ہیں جو کان کی لو سے نیچے ہو۔ ملا علی قاریؒ نے بیان کیا ہے کہ عموماً بال کاندھوں اور مونڈھوں کے درمیان رہا کرتے تھے اور بالوں کے سلسلہ میں مقدار کا یہ اختلاف احوال اور زمانہ کے اعتبار سے ہے، علامہ نوویؒ نے کہا کہ جب بال تراش لیتے تھے تو کان کی لو تک ہوتے تھے اور جب چھوڑ دیتے تھے تو گردن تک آ جاتے تھے۔ جس نے جیسا دیکھا روایت کیا۔ (شمائل کبریٰ) وبهاردع من حناء آپؐ کے بالوں میں مہندی کا رنگ تھا، محدثین کی رائے ہے کہ آپؐ کے جو چند سفید بال تھے ان پر آپؐ بالقصد خضاب نہیں لگاتے تھے۔ آپؐ سر پر بال صاف کرنے کی نیت سے مہندی ڈال لیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے بال رنگین ہو جاتے تھے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں مظاہر حق)

## حدیث ۱۲۱۸ ﴿قطری چادر پہننے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ٤٣٦٠

﴿وَعَنْ﴾ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ شَاكِيًا فَخَرَجَ يَتَوَكَّأُ عَلٰى أُسَامَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبُ قِطْرٍ قَدْتَوَشَّحَ بِهٖ فَصَلّٰى بِهِمْ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حواله:** البغوى فى شرح السنة ص ٢٢، ج ١٢، باب الثياب المصبوغة. كتاب اللباس. حديث ٣٠٩٢.

**حل لغات:** ثوب قطر یمنی چادروں کی ایک قسم، اس میں سرخ دھاریاں ہوتی ہیں، توشح (تفعل) فلان بثوبه کپڑا پہننا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز تھی، تو آپ حضرت اسامہؓ کا سہارا لے کر تشریف لائے۔ آپؐ کے اوپر قطر کا کپڑا تھا، جس کو آپ نے لپیٹ رکھا تھا۔ پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (شرح السنۃ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے، اس وقت کا ہے جب کہ آپ مرض الوفات میں مبتلا تھے، چنانچہ یہ آپ کی آخری نماز تھی، جو آپ نے صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں ادا کی، روایت میں منقول ہے کہ اس وقت حضرت ابوبکرؓ صحابہ کو نماز پڑھانا شروع کر چکے تھے کہ آپ مرض اور نقاہت کی وجہ سے حضرت اسامہؓ کا سہارا لیتے ہوئے حجرہ مبارک سے نکل کر مسجد نبوی میں تشریف لائے، اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور نماز پڑھائی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وعلیہ ثوب قطر ایک قسم کی چادر جس میں سرخ رنگ کی دھاریاں ہوتی تھیں، اس کا کپڑا کچھ کھردرا ہوتا تھا، بحرین کے علاقہ میں قطریہ نامی ایک گاوں تھا، یہ چادریں وہیں تیار ہوتی تھیں، لہٰذا یہ قطری چادر کہلاتی تھی قد توشح بہ یہ چادر آپ نے کاندھوں پر ڈال رکھی تھی، بعض کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو اپنے داہنے ہاتھ کے نیچے کر کے اس کو بائیں کندھے پر ڈالا تھا، جیسے محرم کرتا ہے۔ (مرقات، مظاہر حق)

## حدیث ۱۲۱۹ ﴿آپ کا موٹا کپڑا پہننا﴾ عالمی حدیث ٤٣٦١

﴿وَعَنْ﴾ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَانِ قِطْرِيَّانِ غَلِيْظَانِ وَكَانَ إِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَيْهِ فَقَدِمَ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ لِفُلَانِ الْيَهُوْدِيِّ فَقُلْتُ لَوْ بَعَثْتَ إِلَيْهِ فَاشْتَرَيْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ إِلَى الْمَيْسَرَةِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ مَاتُرِيْدُ إِنَّمَا تُرِيْدُ أَنْ تَذْهَبَ بِمَا لِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبَ قَدْ عَلِمَ أَنِّيْ مِنْ أَتْقَاهُمْ وَآدَاهُمْ لِلْاَمَانَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ** ترمذی ص ۲۳۰ ج ۱، باب ماجاء فی الرخصۃ فی الشراء الی اجل، کتاب البیوع، حدیث ۱۲۱۳، نسائی ۱۹۷ ص ج ۱، باب البیع الی الاجل المعلوم، کتاب البیوع، حدیث ٤٦٢٨.

**حل لغات:** بز کپڑوں کی ایک قسم، البِزَازَۃُ پارچہ فروشی، المیسرۃ مصدر سہولت، آسانی۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دو موٹے قطری کپڑے پہنے ہوئے تھے، جب آپ بیٹھتے تو پسینہ نکلا، جس کی وجہ سے وہ کپڑے بھاری ہوگئے، فلاں یہودی کے پاس شام سے کچھ کپڑا آیا، تو میں نے عرض کیا کہ آپ اس یہودی کے پاس کسی کو بھیج دیں اور دو کپڑے رقم آنے تک ادھار خرید لیں، آپ نے ایک آدمی کو بھیجا تو اس یہودی نے کہا کہ آپ جو چاہتے ہیں وہ میں جانتا ہوں، آپ چاہتے ہیں کہ میرا مال لے کر چلے جائیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جھوٹ بولتا ہے، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے بہتر امانت ادا کرنے والا ہوں۔ (ترمذی، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ موٹے کپڑوں میں آپ کو تکلیف ہوئی، تو آپ نے ایک یہودی سے سوتی کپڑا خریدنے کا ارادہ کیا اور قیمت کا انتظام ہونے پر ادا کرنے کا وعدہ کیا، اس طرح کی خریداری نقد کے حکم میں ہوتی ہے، لہٰذا بیچنے والا کسی بھی وقت اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے، وہ جب تک چشم پوشی سے کام لے، یہ اس کا احسان ہے، یہودی بدبخت نے انتہائی شقاوت کا مظاہرہ کیا، کپڑا تو دیا نہیں البتہ خیانت کا صریح الزام عائد کر دیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فاشتریت ثوبین الی المیسرۃ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بیع مؤجل جائز ہے، جس میں مشتری مبیع تو ابھی وصول کر لے اور قیمت بعد میں کسی معین وقت پر ادا کرے، اسی وجہ سے امام

ترمذیؒ نے حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے کہ باب ماجاء فی الرخصة فی الشراء الی اجل، البتہ اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بیع مؤجل میں قیمت کی ادائیگی کے لئے وقت متعین ہونا ضروری ہے، مجہول وقت کے ساتھ بیع مؤجل درست نہیں ہے، جب کہ حدیث باب میں حضرت عائشہؓ نے قیمت کی ادائیگی کے وقت کے لئے میسرة کا لفظ استعمال فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ قیمت اس وقت ادا کی جائے گی جب وسعت اور آسانی ہوگی، ظاہر ہے کہ اس میں وقت کی تعین نہیں ہوئی، لہٰذا یہ بیع مؤجل ناجائز ہونی چاہیے، اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضور کو مشورہ دیتے ہوئے میسرة کا لفظ فرمایا، لیکن جب آپؐ نے اس یہودی سے معاملہ کیا ہو، اس وقت آپؐ نے ادائے ثمن کے لئے کوئی وقت متعین فرمادیا ہو، دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور نے بیع مؤجل نہ کی ہو بلکہ بیع حال کی ہو، اس لئے کہ اگر مشتری بائع سے یہ کہہ دے کہ اس وقت میرے پاس پیسے نہیں ہیں، بعد میں ادا کردوں گا تو یہ بیع مؤجل نہیں ہوتی بلکہ بیع حال ہوتی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسی بیع میں بائع کو ہر وقت یہ اختیار رہتا ہے کہ وہ جب چاہے مشتری سے قیمت کا مطالبہ کردے، اور مشتری پر قیمت کی ادائیگی فی الحلال واجب ہوجاتی ہے، لیکن مشتری بائع سے مہلت مانگ لیتا ہے، مثلاً آپ نے دوکان سے کوئی چیز خریدی، لیکن جیب میں پیسہ نہیں تھا، دوکان دار نے آپ سے کہا کوئی بات نہیں بعد میں دے دینا، اب بظاہر تو یہ بیع فاسد ہونا چاہئے، اس لئے کہ قیمت ادا کرنے کا وقت مجہول ہے، لیکن حقیقت میں یہ بیع مؤجل نہیں ہے، بلکہ بیع حال ہے، البتہ مشتری نے قیمت کی ادائیگی کے لئے مہلت مانگ لی ہے یا بائع نے مہلت دے دی ہے، اب اس مہلت کا متعین ہونا شرعاً ضروری نہیں ہے، وہ غیر متعین بھی ہوسکتی ہے، اور اس صورت میں دوکان دار کو ہر وقت قیمت کے مطالبہ کا حق حاصل ہے، بہر حال حدیث باب میں ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حال کی ہو۔ (درس ترمذی)

## حدیث ۱۲۲۰ ﴿کسم رنگ کا کپڑا پہننے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۳۶۲

﴿وَعَنْ﴾ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَآنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيَّ ثَوْبٌ مَصْبُوْغٌ بِعُصْفُرٍ مُوَرَّدًا فَقَالَ مَاهٰذَا فَعَرَفْتُ مَا كَرِهَ فَانْطَلَقْتُ فَاَحْرَقْتُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا صَنَعْتَ بِثَوْبِكَ قُلْتُ اَحْرَقْتُهُ قَالَ اَفَلَا كَسَوْتَهُ بَعْضَ اَهْلِكَ فَاِنَّهُ لَا بَاْسَ بِهِ لِلنِّسَاءِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ** ابو داود ص ۵۶۲ ج۲، باب فی الحمرة، کتاب اللباس، حدیث ۴۰۶۸

**حل لغات:** مصبوغ اسم مفعول، رنگا ہوا، صَبَغَ (ف) صَبْغًا، رنگنا، مورداً گلابی رنگ سے رنگا ہوا، وَرَّدَ (تفعیل) فُلَانٌ الثوبَ گلابی رنگ میں رنگنا، اَلْوَرْدُ گلاب کا پھول، (ج) وُرُوْدٌ واحد وَرْدَةٌ۔

**ترجمہ** حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو کسم رنگ میں رنگا ہوا گلابی کپڑا پہنے دیکھا تو آپؐ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ میں سمجھ گیا کہ آپ کو یہ ناپسند ہے، میں گیا اور اس کو جلا دیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنے کپڑے کا کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو جلا دیا، آپؐ نے فرمایا کہ اپنے گھر کی کسی عورت کو کیوں نہیں پہنا دیا، کیوں کہ عورتوں کے لئے اس کو پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کے لئے گیروے رنگ کا کپڑا پہننا درست نہیں ہے، البتہ عورتوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مصبوغ بعصفر عصفر زرد رنگ کی ایک بوٹی ہے، جس سے رنگائی کی جاتی ہے معصفر رنگا ہوا کپڑا اردو میں اس کو گیروا یعنی گہرے گلابی رنگ میں رنگا ہوا کپڑا کہتے ہیں، اس قسم کے کپڑے سادھوسنت

اور پادری پہنتے ہیں، لہٰذا ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے شریعت نے مردوں کے لئے اس رنگ کو ناپسند کیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث۱۲۲۱ ﴿آپ کا سرخ چادر پہننا﴾ عالمی حدیث ٤٣٦٣

﴿وَعَنْ﴾ هِلَالِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى يَخْطُبُ عَلَى بَغْلَةٍ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ أَحْمَرُ وَعَلِيٌّ أَمَامَهُ يُعَبِّرُ عَنْهُ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

**حوالہ:** ابوداود ص٥٦٣ ج٢، باب في الرخصة في ذالك، كتاب اللباس، حديث ٤٠٧٣

**حل لغات:** بغلة (ج) بِغَالٌ خچر، بُرْدٌ اوڑھنے کی دھاری دھار چادر، يعبر (تفعيل) ترجمانی کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ہلال بن عامر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریمؐ کو منی میں ایک خچر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا، جب کہ آپؐ کے اوپر سرخ چادر تھی، حضرت علیؓ آپ کے سامنے تھے اور آپؐ کے ارشادات لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ منی میں خطبہ دیتے وقت آپ نے سرخ دھاریوں والی چادر پہن رکھی تھی، معلوم ہوا کہ اس طرح کی چادر پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے چوں کہ مجمع زیادہ تھا، اس لئے آپ کے ارشادات بلند آواز سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نقل کر رہے تھے، تاکہ لوگوں تک آپ کی بات پہنچ جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وعليه برد احمر آپ سرخ چادر زیب تن فرماتے، عالمی حدیث ۴۳۵۳ گذری، اس میں یہ بات تھی کہ ایک شخص دو سرخ کپڑے پہنے ہوئے آپؐ کے پاس سے گذرے اور انھوں نے آپ کو سلام کیا، لیکن آپ نے جواب عنایت نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ سرخ کپڑا پہننا منع ہے، پھر آپ نے سرخ چادر کیوں زیب تن فرمائی؟ آپؐ نے جو چادر پہن رکھی تھی اس میں سرخ دھاریاں تھیں پوری چادر سرخ نہیں تھی، اور ممانعت کا تعلق خوب لال کپڑے سے ہے، کیوں کہ یہ بہت شوخ رنگ ہے، جو مردوں کے شایان شان نہیں ہے، حاصل یہ ہے کہ تیز سرخ رنگ مردوں کے لئے ناپسندیدہ یعنی مکروہ تنزیہی ہے، يعبر عنه جس طرح نمازیوں کی کثرت کے وقت مکبر امام کی تکبیرات نقل کرتا ہے، ویسے ہی حضرت علیؓ آپؐ کے ارشادات عالیہ نقل کر رہے تھے۔

## حدیث۱۲۲۲ ﴿سیاہ چادر کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ٤٣٦٤

﴿وَعَنْ﴾ عَائِشَةَ قَالَتْ صُنِعَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُرْدَةٌ سَوْدَاءُ فَلَبِسَهَا فَلَمَّا عَرِقَ فِيهَا وَجَدَ رِيحَ الصُّوفِ فَقَذَفَهَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ.

**حوالہ** ابوداود ص٥٦٣ ج٢، باب في السوداء، كتاب اللباس، حديث ٤٠٧٤

**حل لغات:** عرق (س) عَرَقًا پسینہ آنا، الصوف اون (ج) أَصْوَافٌ۔

**ترجمہ** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سیاہ چادر بنائی گئی، آپ نے اس کو پہنا، جب پسینہ آیا تو اس میں سے اون کی بو آئی، چنانچہ آپ نے اسے اتار پھینکا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سیاہ رنگ کا کپڑا استعمال کرنا جائز ہے، آپؐ نے سیاہ چادر زیب تن فرمائی، یہ الگ بات ہے کہ جب آپ کو اون کی بو محسوس ہوئی تو نظافت طبع کی بنا پر آپؐ نے وہ چادر اتار پھینکی، فتح مکہ کے موقع پر جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔ (ترمذی)

**کلمات حدیث کی تشریح** بردۃ سوداء یہ چادر حضرت عائشہ نے خود تیار کی تھی اور اس کو سیاہ رنگ میں رنگا تھا، وجد ریح الصوف چوں کہ آپ کو خوشبو بہت پسند تھی، لہٰذا اون کی بو آپ کو گوارا نہ ہوئی، اس لئے آپ نے وہ چادر اپنے سے علاحدہ کر دی، سیاہ لباس متفق علیہ جائز ہے۔

## حدیث۱۲۲۳ ﴿آپؐ کا چادر لپیٹ کر بیٹھنا﴾ عالمی حدیث ٤٣٦٥

﴿وَعَنْ﴾ جَابِرٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْتَبٍ بِشَمْلَةٍ قَدْ وَقَعَ هُدْبُهَا عَلٰى قَدَمَيْهِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ** ابوداود ص ۵٦۳ ج۲، باب فی الهدب، کتاب اللباس، حدیث ٤٠٧٥

**حل لغات:** محتب احتبیٰ (افتعال) حبوہ باندھنا، ایک خاص ہیئت پر بیٹھنا، شملة پورے جسم کو ڈھانکنے والی چادر، هدب (ج) أهْدَابٌ کپڑے کا جھالر۔

**ترجمہ** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک چادر میں لپٹے ہوئے تھے، اور چادر کا جھالر آپؐ کے مبارک قدموں پر پڑا تھا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بیٹھنے کی جس کیفیت کا ذکر ہے، اس کو حبوہ بنا کر بیٹھنا یا گوٹ مار کر بیٹھنا کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ سرین زمین پر ٹیک کر دونوں گھٹنے کھڑے کر لئے جاتے ہیں، اور سہارے کے لئے دونوں ہاتھ یا کوئی کپڑا مثلاً چادر یا رومال گھٹنوں کے گرد لپیٹ لیتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وھو متحب بشملة آپ احتباء کی حالت میں تشریف فرما تھے، اور اپنی چادر کو گھٹنوں کے پیچھے ڈال کر اس کے دونوں کناروں کو ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا، تاکہ یہ ایک طرح کسی چیز سے ٹیک لگا کر بیٹھنے کا فائدہ دے، جب ٹیک لگانے کے لئے کوئی چیز میسر نہ آتی تو عرب عموماً اسی طرح بیٹھا کرتے تھے۔

## حدیث۱۲۲٤ ﴿باریک کپڑا پہننے کا ذکر﴾ عالمی حدیث ٤٣٦٦

﴿وَعَنْ﴾ دِحْيَةَ بْنِ خَلِيْفَةَ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبَاطِيَّ فَأَعْطَانِيْ مِنْهَا قُبْطِيَّةً فَقَالَ اصْدَعْهَا صَدْعَيْنِ فَاقْطَعْ أَحَدَهُمَا قَمِيْصًا وَأَعْطِ الْآخَرَ امْرَأَتَكَ تَخْتَمِرُ بِهٖ فَلَمَّا أَدْبَرَ قَالَ وَأْمُرِ امْرَأَتَكَ أَنْ تَجْعَلَ تَحْتَهُ ثَوْبًا لَا يَصِفُهَا رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود ص ۵٦۸ ج۲، باب فی لباس القبطی للنساء کتاب اللباس، حدیث ٤١١٦

**حل لغات:** قباطی قِبْطَةٌ کی جمع ہے، مصر کا سفید باریک کپڑا، اصدعها (افعال) امر حاضر ہے، الشئ پھاڑنا ٹکڑے کرنا، صدعین تثنیہ ہے، واحد صَدْعٌ (ج) صُدُوْعٌ شگاف، پھٹن، تختمر (افتعال) الخمار اوڑھنی اوڑھنا، یصفها وَصَفَ (ض) وَصْفًا بیان کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت دحیہ بن خلیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند قبطی کپڑے لائے گئے، تو آپؐ نے اس میں سے ایک قبطی کپڑا مجھ کو دیا اور آپؐ نے فرمایا کہ اس کے دو حصے کر لینا، ایک ٹکڑے کی اپنی قمیص کٹوا لینا اور دوسرا ٹکڑا اپنی بیوی کو دے دینا، وہ اس کا دوپٹہ بنا لے گی، جب وہ واپسی کے لئے مڑے تو آپ نے فرمایا کہ اپنی بیوی کو حکم دینا کہ اس کے نیچے کوئی اور کپڑا لگا لے، تاکہ جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عورتیں ایسا باریک کپڑا نہ پہنیں جس سے انکے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے، اگر باریک کپڑا پہننا ہے، تو اسکے نیچے دوسرے کپڑے کا استر لگالیا جائے، تاکہ جسم کے اعضاء اچھی طرح ڈھکے رہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** قباطی باریک کپڑے کی ایک قسم ہے، یہ قبط کی طرف نسبت ہے، مصر میں فرعون کی قوم تھی، وامر امراتك ان تجعل تحتہ ثوبا اپنی بیوی کو حکم دینا کہ اس باریک کپڑے کے نیچے دوسرا کپڑا بطور استر لگالے، تاکہ اس کا بدن ظاہر نہ ہو، عورتوں کا لباس موٹا ہونا چاہئے، ایسا باریک لباس جس سے بدن کا رنگ یا بال نظر آئیں پہننا جائز نہیں ہے، عورتوں کے باریک کپڑے پہننے پر آپ نے خفگی ظاہر فرمائی ہے۔دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۷۳۔

## حدیث ۱۲۲۵ ﴿دوپٹہ پہننے کے طریقہ کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ٤٣٦٧

﴿وَعَنْ﴾ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَهِيَ تَخْتَمِرُ فَقَالَ لَيَّةً لَا لَيَّتَيْنِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود ص ٥٦٨ ج ٢، باب الاختمار، کتاب اللباس حدیث ٤١١٥

**حل لغات:** لیۃ ایک دفعہ پیچ (ج) لِوَیٰ۔

**ترجمہ:** حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، حضرت ام سلمہؓ نے اس وقت دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ ایک دفعہ کا موڑنا کافی ہے، دو دفعہ موڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اوڑھنی کو سر پر ویسے ہی نہ رکھ لینا چاہئے، بلکہ سر پر رکھنے کے بعد اس کو ایک بل بھی دینا چاہئے، تاکہ وہ سر سے بار بار سرکے نہیں، لیکن دو بار بل نہ دینا چاہئے، تاکہ عمامہ کی مشابہت پیدا نہ ہو اور اسراف سے بھی بچا جاسکے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لیۃ لا لیتین دوپٹے کا سر پر ایک بار لپیٹنا کافی ہے، دوبار کی ضرورت نہیں ہے، قاضیؒ کہتے ہیں کہ آپ کی ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ دوپٹے کو سر پر رکھ کر اس کو تھوڑی کے نیچے کرلیں، اور یہ صرف ایک پھیرے میں ہونا چاہئے، تھوڑی کے نیچے کرنے کے بعد پھر دوبارہ سر پر نہ لے جایا جائے۔ (مرقات)

## الفصل الثالث

## حدیث ۱۲۲۶ ﴿نصف پنڈلیوں تک لنگی رہنا بہتر ہے﴾ عالمی حدیث ٤٣٦٨

﴿عَنِ﴾ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَرَرْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ إِزَارِيْ اِسْتِرْ خَاءٌ فَقَالَ يَا عَبْدَاللّٰهِ اِرْفَعْ إِزَارَكَ فَرَفَعْتُهُ ثُمَّ قَالَ زِدْ فَزِدْتُ فَمَازِلْتُ أَتَحَرَّاهَا بَعْدُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ إِلَى أَيْنَ قَالَ إِلَى أَنْصَافِ السَّاقَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم ص ١٩٥ ج ٢، باب تحریم جر الثوب خیلاء، کتاب اللباس، حدیث ٢٠٨٦

**حل لغات:** استرخاء (استفعال) نرم ہونا، اعضاء کا ڈھیلا ہونا، اتحرھا، تحریٰ (تفعل) الشیٔ قصد کرنا، چاہنا، طلب کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرا جب کہ میری تہبند کچھ لمبی تھی، آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ اپنی تہبند اونچی کرلو، میں نے اپنی تہبند اونچی کرلی، آپ نے فرمایا کہ اور اوپر کرو، میں نے کچھ اور اوپر اٹھالی، پھر میں ہمیشہ اس کے بعد سے اس حکم پر عمل کرنے کی کوشش میں لگا رہا، کچھ لوگوں نے پوچھا کہاں تک لنگی رکھی جائے، آپ نے فرمایا نصف پنڈلیوں تک۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نصف پنڈلیوں تک لنگی اور پائجامہ رکھنا مسنون ہے، اور ٹخنوں تک رکھنا جائز ہے، اس سے نیچے جائز نہیں ہے ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ مومن کا تہبند نصف پنڈلی تک ہونا چاہیے، پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان بھی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (ابن ماجہ)

**کلمات حدیث کی تشریح** فمازلت اتحراها یعنی اس بات کی پوری کوشش کرتا ہوں کہ میری لنگی آپ کی منشاء کے مطابق رہے، اور آپ کی منشاء یہ تھی کہ لنگی نصف ساق تک رہے، اس مسئلہ کی تفصیلات کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۱۱ تا ۴۳۱۴، ۴۳۳۱، ۴۳۳۲۔

## حدیث ۱۲۲۷ ﴿عذر کی بنا پر لنگی کا ٹخنے سے نیچے ہونا﴾ عالمی حدیث ۴۳۶۹

﴿وَعَنْهُ﴾ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِزَارِيْ يَسْتَرْخِيْ إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَفْعَلُهُ خُيَلَاءَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

**حوالہ** بخاری ص ۵۱۷ ج ۱، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذا خلیلا کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۶۶۵

**حل لغات:** جر (ن) جَرًّا الثوبَ کھینچنا، خیلاء تکبر، اتراہٹ (ج) اَخْيَالٌ و خُيُوْلٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنا کپڑا لٹکائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی طرف نگاہ نہیں ڈالیں گے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری لنگی لٹک جاتی ہے الایہ کہ میں مسلسل اس کا خیال رکھوں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ انمیں سے نہیں ہیں جو تکبر کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ لنگی ٹخنوں کے نیچے نہ رکھنا چاہئے، یہ متکبرین کا طریقہ ہے، ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ نظر کرم نہیں فرمائیں گے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** انك لست ممن يفعله خيلاء اس جز سے معلوم ہوا اگر کوئی شخص نیک ہے اور کسی عذر کی وجہ سے اس کی لنگی ٹخنوں کے نیچے ہو جاتی ہے، تو اس پر کوئی وعید نہیں ہے اور وہ گنہگار بھی نہیں ہے، مزید کے لیے عالمی حدیث ۴۳۳۱ دیکھیں۔

## حدیث ۱۲۲۸ ﴿آپ کے لنگی باندھنے کے طریقہ کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۴۳۷۰

﴿وَعَنْ﴾ عِكْرِمَةَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَأْتَزِرُ فَيَضَعُ حَاشِيَةَ إِزَارِهٖ مِنْ مُقَدَّمِهٖ عَلٰى ظَهْرِ قَدَمِهٖ وَيَرْفَعُ مِنْ مُؤَخَّرِهٖ قُلْتُ لِمَ تَأْتَزِرُ هٰذِهِ الْإِزْرَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتَزِرُهَا رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ** ابوداود ص ۵۶۶ ج ۲، باب قدر موضع الازار، کتاب اللباس، حدیث ۴۰۹۶

**حل لغات:** حاشية کنارہ، گوٹ، (ج) حواشِ، تأتزر اِئْتَزَرَ (افتعال) لنگی یا تہبند باندھنا۔

**ترجمہ** حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو لنگی باندھتے ہوئے دیکھا، وہ اپنی تہبند کے سامنے حصہ کے کنارے کو اپنے قدم کی پشت پر رکھتے تھے، اور پچھلے کنارہ کو اوپر اٹھالیا کرتے تھے، میں نے عرض کیا کہ آپؓ اس طرح تہبند کیوں باندھتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح لنگی باندھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تہبند آگے کی طرف سے ذرا نیچا ہوا اور پیچھے کی طرف سے کچھ اوپر ہو، تو بغیر تکبر کے ایسا کرنا درست ہے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر لنگی یا پائجامہ پیچھے کی طرف سے ٹخنے سے اوپر ہے اور آگے کی طرف سے ٹخنے سے نیچے ہے، تو یہ اسبال نہیں ہے، اور یہ خلاف اولیٰ تو ہوگا، لیکن ناجائز نہیں، آپ نے اس طرح بیان جواز کے لئے پہنا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یاتزرھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت تو نصف پنڈلی تک لنگی باندھنے کی تھی، لیکن کبھی آپ نے بیان جواز کے لئے اس طور پر بھی لنگی باندھی ہے، جس کا ذکر اس حدیث میں ہے، حضرت ابن عباسؓ نے چوں کہ آپ کے اس انداز کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لہٰذا اس طرز کو اپنا لیا۔

## حدیث۱۲۲۹ ﴿عمامہ باندھنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث ۴۳۷۱

﴿وَعَنْ﴾ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْعَمَائِمِ فَإِنَّهَا سِيمَاءُ الْمَلَائِكَةِ وَأَرْخُوْهَا خَلْفَ ظُهُوْرِكُمْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ.

**حوالہ:** بیھقی فی شعب الایمان، ص ۱۷۶ ج۵، باب فی الملابس والا وانی، حدیث ۶۰۹۶

**حل لغات:** سیماء علامت، نشان، ارخوھا، امر حاضر ہے، رَخَا (ن) رَخَاءً الشئَ لٹکانا، نیچے چھوڑنا۔

**ترجمہ** حضرت عبادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ عمامہ باندھا کرو، بلاشبہ فرشتوں کی نشانی ہے اور اس کا شملہ اپنی پیٹھ کے پیچھے لٹکا لیا کرو۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو عمامہ باندھنا چاہئے، عمامہ وقار کا ذریعہ ہے اور اس سے حلم و بردباری میں اضافہ ہوتا ہے، حضرات ملائکہ بھی عمامہ باندھتے ہیں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بدر و حنین میں ہماری اعانت ایسے فرشتوں سے کی جو عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ (کنز)

**کلمات حدیث کی تشریح** علیکم بالعمائم تم لوگ عمامہ باندھا کرو، آپؐ نے خود عمامہ باندھا ہے، اور دوسروں کو عمامہ باندھنے کی ترغیب بھی دی ہے اور بعض لوگوں کے عمامہ باندھ کر عمامہ باندھنا سکھایا بھی ہے، ایک موقع پر آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور عمامہ باندھا اور اس کا شملہ پیچھے چھوڑ دیا، اور فرمایا کہ اس طرح عمامہ باندھا کرو، عمامہ خاص کر اسلام کی نشانی ہے اور یہ مسلمان اور کافروں کے درمیان باعث امتیاز ہے۔ (شمائل کبریٰ) سیماء الملائکۃ عمامہ فرشتوں کی علامت ہے، غزوہ بدر کے موقع پر جب فرشتے اترے تو وہ عمامہ باندھے ہوئے تھے، وارخوھا خلف ظھورکم عمامہ کا شملہ پشت کے پیچھے لٹکانا چاہئے۔ مزید کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۳۸ تا ۴۳۴۰۔

## حدیث۱۲۳۰ ﴿باریک کپڑا پہننے پر آپؐ کا ناراض ہونا﴾ عالمی حدیث ۴۳۷۲

﴿وَعَنْ﴾ عَائِشَةَ أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِيْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ يَا أَسْمَاءُ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَنْ يَصْلُحَ أَنْ يُرٰى مِنْهَا إِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَأَشَارَ إِلٰى وَجْهِهٖ وَكَفَّيْهِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود ص ۵۶۷ ج۲، باب فیما تبدی المراۃ من زینتھا، کتاب اللباس، حدیث ۴۱۰۴

**حل لغات:** رقاق پتلا، باریک واحد رَقَاقَةٌ، رَقَّ (ض) رِقًّا باریک ہونا، المحیض حیض، مراد عورت کا حد بلوغت کو پہنچنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ حاضر ہوئیں اوران کے جسم پرایک باریک کپڑا تھا، آپؐ نے ان سے منہ پھیرلیا، اور فرمایا کہ اے اسماء جب عورت بالغ ہوجائے تو اس کے لئے درست نہیں ہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے، سوائے اس کے اور اس کے اور آپؐ نے اپنے چہرے اور اپنی ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کے لئے ایسا باریک کپڑا پہننا جائز نہیں ہے، جس سے ان کا جسم جھلکے، عورت کو مکمل طور پر مستور رہنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الاهذا وهذا مطلب یہ ہے کہ چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ بدن کے اعضاء کا کھلا ہونا کسی حال میں درست نہیں ہے، نہ گھر کے اندر اور نہ گھر کے باہر، نہ محارم کے سامنے نہ غیر محارم کے سامنے، البتہ چہرہ اور ہتھیلیاں بدن کے ایسے دو حصے ہیں جن کو گھر میں محارم کے سامنے کھلا رکھنا جائز ہے، حدیث کی کچھ تفصیل عالمی حدیث ۴۳۶۶ کے تحت گذر چکی ہے۔

## حدیث ۱۲۳۱ ﴿نیا کپڑا پہننے کی دعاء﴾ عالمی حدیث ٤٣٧٣

﴿وَعَنْ﴾ أَبِیْ مَطَرٍ قَالَ إِنَّ عَلِیًّا اِشْتَرٰی ثَوْبًا بِثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ فَلَمَّا لَبِسَهُ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ مِنَ الرِّيَاشِ مَا أَتَجَمَّلُ بِهِ فِی النَّاسِ وَأُوَارِیْ بِهِ عَوْرَتِیْ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ رَوَاهُ أَحْمَدُ.

**حوالہ** مسند احمد ص ١٥٧ ج ١

**حل لغات:** الرياش شاندار لباس، اتجمل (تفعل) خوبصورت بننا، آراستہ ہونا، اواری وَارَاهُ مُوَارَاةً (مفاعلت) چھپانا، عورة ستر قابل پوشیدگی اعضاء جسم، (ج) عَوْرَاتٌ۔

**ترجمہ** حضرت ابومطرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے تین درہم کا کپڑا خریدا، جب اس کو پہنا دعا پڑھی الحمدلله الخ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے زینت والا ایسا لباس عطا فرمایا جس کے ذریعہ لوگوں میں خوبصورتی حاصل کرتا ہوں، اور اس کے ذریعہ سے میں اپنے ستر کو چھپاتا ہوں، پھر فرمایا کہ اسی طرح میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ نیا کپڑا پہنتے وقت بطور شکر گذاری کے دعا پڑھنا چاہئے، آپ خود بھی دعا پڑھتے تھے اور تاکید بھی کرتے تھے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کپڑا پہنتے وقت دعا پڑھنے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں

**کلمات حدیث کی تشریح** الـريـاش پرندے کا پر اس کے لئے زینت کا ذریعہ اور شاندار لباس ہوتا ہے، اس لئے اس کو بطور استعارہ لباس قرار دیا ہے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۳۴۲ دیکھیں۔

## حدیث ۱۲۳۲ ﴿پرانا کپڑا صدقہ کرنے کا ثواب﴾ عالمی حدیث ٤٣٧٤

﴿وَعَنْ﴾ أَبِیْ أُمَامَةَ قَالَ لَبِسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَا أُوَارِیْ بِهِ عَوْرَتِیْ وَأَتَجَمَّلُ بِهِ فِیْ حَيَاتِیْ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَا أُوَارِیْ بِهِ عَوْرَتِیْ وَأَتَجَمَّلُ بِهِ فِیْ حَيَاتِیْ ثُمَّ عَمَدَ إِلَى الثَّوْبِ الَّذِیْ أَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهِ كَانَ فِیْ كَنَفِ اللّٰهِ وَفِیْ حِفْظِ اللّٰهِ وَفِیْ سَتْرِ اللّٰهِ حَيًّا وَمَيِّتًا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

**حوالہ** احمدص ٤٤ ج ١، ترمذی ص ١٩٦ ج ٢، باب کتاب الدعوات حدیث ٣٥٦٠، ابن ماجہ ص ٢٥٤ باب مایقول الرجل اذا لبس ثوبا جدیدا، کتاب اللباس، حدیث ٣٥٥٧

**حل لغات:** اخلق الثوبُ (افعال) پرانا و بوسیدہ ہونا، کنف سایہ، حفاظت، حمایت کنف اللہ اللہ کی حفاظت میں۔

**ترجمہ** حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے نیا کپڑا پہنا تو دعا پڑھی، الحمدلله الخ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے مجھے ایسا لباس پہنایا جس سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں، اور اپنی زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں، پھر فرمایا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص نیا کپڑا پہنے وہ یہ پڑھے تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں، جس نے مجھے ایسا لباس عطا فرمایا جس سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں، اور اپنی زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں، پھر اسنے پرانے کپڑے لیکر اس کو خیرات کر دیا تو وہ زندگی اور موت کے اندر اللہ کی پناہ اللہ کی حفاظت اور اللہ کے پردہ میں رہے گا۔ (احمد ترمذی ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** لباس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اور کھانے پینے کی طرح انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے، لہٰذا اس نعمت کے استحضار کے ساتھ خدا کی حمد اور اس کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے، اور پہنا ہوا پرانا کپڑا ضائع کرنے کے بجائے صدقہ کر دینا چاہئے، ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اپنی حفاظت میں رکھتے ہیں اور ان کے عیوب پر پردہ ڈالے رہتے ہیں۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** اخلق فتصدق پرانا کپڑا صدقہ کرنا بھی بڑے اجر کا ذریعہ ہے، اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ کی جانب سے حفاظت ونگہبانی حاصل ہوتی ہے، کپڑا پہننے کی دعا سے متعلق کچھ تفصیلات گذشتہ احادیث کے تحت گذر چکی ہیں۔

## حدیث ١٢٣٣ ﴿عورتوں کو موٹا دوپٹہ اوڑھنا چاھئیے﴾ عالمی حدیث ٤٣٧٥

﴿وَعَنْ﴾ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ عَنْ أُمِّهٖ قَالَتْ دَخَلَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَلَى عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا خِمَارٌ رَقِيْقٌ فَشَقَّتْهُ عَائِشَةُ وَكَسَتْهَا خِمَاراً كَثِيْفاً رَوَاهُ مَالِكٌ.

**حوالہ:** موطا امام مالك ص ٣٦٦ باب مایکرہ للنساء من الثیاب، کتاب اللباس حدیث ٦

**ترجمہ:** حضرت علقمہ بن ابوعلقمہ اپنی والدہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، انکے اوپر ایک باریک دوپٹہ تھا، حضرت عائشہؓ نے اس باریک دوپٹہ کو پھاڑ دیا، اور انکو موٹا دوپٹہ اوڑھا دیا۔ (موطا امام مالک)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عورت باریک لباس حتیٰ کہ باریک دوپٹے بھی استعمال نہ کرے، تاکہ اس کے بال تک نظر نہ آئیں بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اولین مہاجرین عورتوں پر رحم فرمائے۔ انھوں نے جب آیت کریمہ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن نازل ہوئی تو اپنی چادروں کو کاٹ کر دوپٹہ بنالیا، معلوم ہوا کہ موٹے کپڑا کا دوپٹہ بنانا چاہئے، آج کل باریک دوپٹے کا فیشن ہے یہ تعلیمات اسلام کے بالکل خلاف ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فشقته حضرت عائشہؓ نے باریک دوپٹے کو پھاڑ دیا، لیکن یہ پھاڑنا اس طور پر نہ تھا کہ کپڑا ضائع ہوجائے، بلکہ تا دیباً اس کے دو ٹکڑے کرکے اس کا مصرف بدل دیا، اور پھر انھیں موٹے کپڑا کا دوپٹہ عنایت بھی کر دیا، تاکہ تنبیہ کے ساتھ دلداری بھی ہوجائے، کچھ تحقیقات ماقبل میں گذر چکی ہیں۔

## حدیث ١٢٣٤ ﴿آپ کے دور میں حضرت عائشہؓ کا لباس﴾ عالمی حدیث ٤٣٧٦

﴿وَعَنْ﴾ عَبْدِالْوَاحِدِ بْنِ أَيْمَنَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا دِرْعٌ قِطْرِيٌّ ثَمَنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ

فَقَالَتْ اِرْفَعْ بَصَرَكَ إِلَى جَارِيَتِي أُنْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهَا تُزْهٰى أَنْ تَلْبَسَهُ فِي الْبَيْتِ وَقَدْ كَانَ لِيْ مِنْهَا دِرْعٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا كَانَتْ اِمْرَأَةٌ تُقَيَّنُ بِالْمَدِيْنَةِ إِلَّا أَرْسَلَتْ إِلَيَّ تَسْتَعِيْرُهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

**حوالہ** بخاری ص۳۵۸ ج۱، باب الاستعارۃ للعروس عندالبناء، کتاب الھبۃ حدیث ۲۶۲۸

**حل لغات:** درع زرہ، عورت کی کرتی قمیص، جمع اَدْرَاعٌ و دُرُوْعٌ، تـزھی، زھا (ن) زَھْوًا اترانا، بڑا بننا۔ تـقین (تفعیل) سجانا، قَيَّنَتِ الماشِطَةُ العروسَ خادمہ نے دلہن کا سنگار کیا اسے سجایا۔

**ترجمہ:** حضرت عبدالواحد بن ایمن اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس وقت ان کے جسم پر ایک قطری قمیص تھی، جس کی قیمت پانچ درہم تھی، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میری باندی کی طرف نگاہ اٹھایئے اور اس کو دیکھئے، یہ اس لباس کو گھر میں بھی پہننا پسند نہیں کرتی ہے، حالاں کہ اس کپڑے کی قمیص میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں بھی تھی، جس لڑکی کو بھی مدینہ منورہ میں دلہن بنایا جاتا وہ قمیص عاریتاً مجھ سے منگوائی جاتی تھی۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ کے دور مبارک میں سادگی بھی بہت تھی، اور تنگی کی وجہ سے عمدہ لباس بھی عموماً میسر نہیں تھا، جس کپڑے کو آپ کے دور میں بطور عاریت کے دلہن کو پہنایا جاتا اور اس لباس میں اس کے لئے زینت سمجھی جاتی، کچھ ہی عرصہ بعد اس لباس کو باندی گھر میں پہننا اپنی شان کے خلاف سمجھتی تھی، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شادی کے موقع پر اگر افلاس کی وجہ سے مناسب کپڑے میسر نہیں ہیں تو دوسروں سے مانگ کر بھی پہنا جاسکتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** قطری عالمی حدیث ۴۳۶۰ دیکھیں تـزھی میں جو قمیص پہنے ہوں یہ جاریہ اس کو اپنے لائق نہیں سمجھتی ہے اور اس کو گھر میں پہننا بھی ناپسند کرتی ہے، ارسـلـت مدینہ منورہ میں جب لڑکی دلہن بنائی جاتی تو حضرت عائشہ سے عاریۃً قمیص مانگی جاتی اور اس سے دلہن کی زینت کی جاتی۔

## حدیث ۱۲۲۵ ﴿آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبا کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ۴۳۷۷

﴿وَعَنْ﴾ جَابِرٍ قَالَ لَبِسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَبَاءَ دِيْبَاجٍ أُهْدِيَ لَهُ ثُمَّ أَوْشَكَ أَنْ نَزَعَهُ فَأَرْسَلَ بِهٖ إِلٰى عُمَرَ فَقِيْلَ قَدْ أَوْشَكَ مَا انْتَزَعْتَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ نَهَانِيْ عَنْهُ جِبْرَئِيْلُ فَجَاءَ عُمَرُ يَبْكِيْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَرِهْتَ أَمْرًا وَأَعْطَيْتَنِيْهِ فَمَالِيْ فَقَالَ إِنِّيْ لَمْ أُعْطِكَهُ تَلْبَسُهُ إِنَّمَا أَعْطَيْتُكَهُ تَبِيْعُهُ فَبَاعَهُ بِأَلْفَيْ دِرْهَمٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

**حوالہ** مسلم ص ۱۹۲ ج۲، باب تحریم استعمال اناء الذھب، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۷۰

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ریشمی قبا پہنی، جو آپ کو تحفے میں دی گئی تھی، پھر جلدی سے اس کو اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا، عرض کیا گیا کہ آپ نے اس کو بہت جلدی اتار دیا، آپ نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ کو اس سے منع کیا ہے، تو حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایک چیز آپ کو ناپسند ہے اور وہ آپ نے مجھ کو عنایت فرمادی، میرا کیا حال ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اس لئے نہیں دیا کہ تم اس کو پہنو، میں نے تمہیں اس لئے دیا ہے تا کہ تم اس کو فروخت کر دو، تو حضرت عمرؓ نے دو ہزار درہم میں اس کو بیچ دیا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ریشمی جوڑا مردوں کے لئے پہننا ممنوع ہے، جیسے ہی آپ کو حرمت کی اطلاع ملی آپ نے اس کو اتار دیا اور حضرت عمرؓ کے پاس اس کو بھیج دیا، لیکن بھیجنے کا منشاء یہ نہیں تھا کہ وہ خود پہنیں، بلکہ

مطلب یہ تھا کہ وہ اس کو کسی عورت کے پہننے کے لئے بیچ دیں، یا کسی عورت کو ہدیہ کے طور پر دے دیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کا مردوں کے لئے پہننا جائز نہیں، اس کی بیع مردوں کے لئے جائز ہے، جب کہ اس کا پہننا عورتوں کے لئے جائز ہو۔ (انعام الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** لبس رسول صلی اللہ علیہ وسلم یوما قباء دیباج جب کہ ایک دن آپ نے ریشمی قبا پہنی، یہ ممانعت سے پہلے کا عمل ہے، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے عالمی حدیث ۴۳۱۶ دیکھیں۔

## حدیث۱۲۳۶ ﴿خالص ریشمی کپڑا پہننا مردوں کیلئے حرام ہے﴾ عالمی حدیث ٤٣٧٨

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّمَا نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الثَّوْبِ الْمُصَمَّتِ مِنَ الْحَرِيْرِ فَأَمَّا الْعَلَمُ وَسَدَى الثَّوْبِ فَلَا بَأْسَ بِهٖ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود ص ٥٦١ ج٢، باب الرخصة فی العلم وخیط الحریر، کتاب اللباس، حدیث ٤٠٥٥

**حل لغات:** المصمت پتھر کی طرح ٹھوس، من الالوان خالص رنگ کا جس میں کوئی آمیزش نہ ہو، مراد خالص ریشمی کپڑا، العلم دھاری نقش (ج) اَعْلَامٌ، سدی من الثوب کپڑے کا تانا واحد سَدَاةٌ (ج) اَسْدِيَةٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خالص ریشمی کپڑا پہننے سے منع فرمایا ہے، بہر حال دھاری یا کپڑے کا تانا ریشم کا ہو اور بانا ریشم نہ ہو تو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر معمولی مقدار میں کپڑے میں ریشم کی آمیزش ہے تو مرد اسکو استعمال کر سکتے ہیں

**کلمات حدیث کی تشریح** عن الثوب المصمت آپؐ نے خالص ریشمی کپڑے سے منع فرمایا ہے، جن احادیث میں ریشمی کپڑے کی ممانعت ہے ان کا تعلق خالص ریشم سے ہے اور جن سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ مخلوط پر محمول ہیں، وسدی الثوب اگر کپڑے میں لحمہ یعنی بانا ریشم کا ہو اور سدی یعنی تانا غیر حریر ہو تو نا جائز ہے اور جواز اس کے برعکس ہے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۳۵۷ دیکھیں۔

## حدیث۱۲۳۷ ﴿ریشمی کام کی چادر پہننے کا ذکر﴾ عالمی حدیث ٤٣٧٩

﴿وَعَنْ﴾ أَبِیْ رَجَاءٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ وَعَلَيْهِ مُطَرَّفٌ مِنْ خَزٍّ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ نِعْمَةً فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُرىٰ أَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ رَوَاهُ أَحْمَدُ.

**حوالہ:** احمد ص ٤٣٨ ج٤

**حل لغات:** مطرف ریشمی دھاری دار چادر، ریشمی چوکور کپڑا، الخز اون اور ریشم کا بنا ہوا کپڑا، خالص ریشم کا کپڑا۔

**ترجمہ:** حضرت ابورجاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصینؓ ہمارے پاس تشریف لائے، جب کہ ان کے اوپر ریشمی نقش ونگار والی چادر تھی، اور انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ کسی نعمت سے نوازے تو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے سے ظاہر ہو۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کو مال ودولت سے نوازے تو اس کو چاہئے کہ اچھا کھائے اور اچھا پہنے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر اس پر نمایاں ہو، لیکن اسراف یا تکبر بہر حال درست نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مطرف من خز ایسی چادر جس کے دونوں کنارے ریشمی کام سے منقش تھے، یہ خالص ریشم کی چادر نہ تھی، بلکہ اون کے ساتھ ریشم کی آمیزش تھی، نہایت اعلیٰ قسم کی چادر تھی۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۳۵۰، ۴۳۵۲ دیکھیں۔

## حدیث۱۲۳۸ ﴿کھانے پہننے میں توسع کی تاکید﴾ عالمی حدیث ۴۳۸۰

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُلْ مَاشِئْتَ وَالْبَسْ مَاشِئْتَ مَا أَخْطَأَتْكَ إِثْنَتَانِ سَرَفٌ وَمَخِيلَةٌ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي تَرْجَمَةِ بَابٍ .

**حوالہ:** بخاری ص ۸۶۰ ج۲، باب قول الله تعالیٰ قل من حرم زینة الله الخ، کتاب اللباس

**حل لغات:** صرف فضول خرچی، اسراف، مخیلة بڑائی، غرور، (ج) مَخَایِلُ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، البتہ دو چیزیں تم سے دور رہیں، (۱) اسراف (۲) تکبر بخاری نے اس کو ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے حیثیت دی ہے تو بہتر سے بہتر کھانا اور پہننا چاہئے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اسراف اور تکبر سے بچنا چاہئے، تکبر اور اسراف نہایت بری خصلتیں ہیں، ان سے بچ کر جائز حدود میں کھانے پہننے میں توسع سے کام لینا محمود ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما اخطأتك اثنتان سرف ومخيلة کھانے پہننے میں دو چیزیں یعنی اسراف اور تکبر تمہیں غلطی میں مبتلا نہ کریں، اسراف بلاضرورت خرچ کرنے اور مخیلة تکبر کرنے کو کہتے ہیں، مزید کیلئے اگلی حدیث دیکھیں

## حدیث۱۲۳۹ ﴿کھانے پہننے میں اسراف کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۳۸۱

﴿وَعَنْ﴾ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَالَمْ يُخَالِطْ إِسْرَافٌ وَلَا مَخِيلَةٌ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

**حوالہ:** احمد ص ۱۸۱ ج۲، نسائی ص ج۱، باب الاختیال فی الصدقة، کتاب الزکاة حدیث ۲۵۵۸، ابن ماجه ۲۵۵، باب البس ماشئت، کتاب اللباس، حدیث ۳۶۰۵

**ترجمہ:** حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھاؤ، پیو، صدقہ کرو، اور پہنو جب تک کہ فضول خرچی اور تکبر کی ملاوٹ نہ ہو۔ (احمد نسائی، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہر مباح چیز کھانے اور پہننے کی اجازت ہے، لیکن اگر ضرورت کے بجائے بے مصرف خرچ کیا جائے یا تکبر کی وجہ سے پہنا اوڑھا جائے، یا شہرت کے حصول کے لئے صدقہ وخیرات کیا جائے، تو اس کی اجازت نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مالم یخالط اسراف کھانے پینے، پہننے اور صدقہ کرنے میں اسراف ممنوع ہے، صدقہ میں اسراف یہ ہے کہ غیر مستحق کو صدقہ دیا جائے، یا اس قدر صدقہ کیا جائے کہ اپنے اہل وعیال کے واجب نفقہ کے لئے کچھ نہ بچے، اس سے کثرت صدقات کی ممانعت مقصود نہیں ہے۔ (تلخیص کشف الباری)

## حدیث ۱۲۴۰ ﴿سفید کپڑے میں کفنانے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ۴۳۸۲

﴿وَعَنْ﴾ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ أَحْسَنَ مَا زُرْتُمُ اللّٰهَ فِيْ قُبُوْرِكُمْ وَمَسَاجِدِكُمْ الْبَيَاضُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ .

**حوالہ:** ابن ماجه ص ۲۵۵ باب البیاض من الثیاب، کتاب اللباس، حدیث ۳۵٦۸

**ترجمہ:** حضرت ابودرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین لباس جس میں تم اپنی مسجدوں اور قبروں میں اللہ سے ملو سفید لباس ہے۔ (ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سفید لباس سب سے عمدہ اور پسندیدہ ہے، لہٰذا نماز پڑھتے وقت اور مردوں کو کفن دینے کے وقت سفید رنگ کا کپڑا ہی استعمال کرنا چاہیے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** في قبورکم و مساجدکم سفید کپڑے کو آپ نے دوسرے رنگوں کے کپڑوں پر ترجیح دی ہے، اور چوں کہ نماز کی حالت میں بندہ رب سے ملاقات کرتا ہے، اسی طرح قبر میں بھی بارگاہ خداوندی میں حاضری کی صورت ہوتی ہے، لہٰذا ان مواقع پر بالخصوص سفید کپڑا ہی زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ سفید کپڑے کے بارے میں آپ کا فرمان ہے فانها اطهر و اطيب یہ زیادہ پاکیزہ اور زیادہ صاف ستھرا ہوتا ہے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۳۳۷ دیکھیں۔

# باب الخاتم

## ﴿انگوٹھی کا بیان﴾

"خاتم" کے معنی انگوٹھی اور مہر ہیں، یعنی وہ آلہ جس سے مہر لگائی جائے، مہر لگانے کو خاتم اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب کسی تحریر کو مکمل کر لیا جاتا ہے، تو آخیر میں مہر لگائی جاتی ہے، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے (صلح حدیبیہ کے بعد) کسریٰ، نجاشی اور قیصر کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا، تو عرض کیا گیا کہ یہ بادشاہ اسی خط کو قبول کرتے ہیں جس پر مہر لگی ہو، چنانچہ آپ ﷺ نے چاندی کے حلقہ والی انگوٹھی بنوائی، جس میں محمد رسول اللہ کندہ کرایا گیا۔ (بخاری ومسلم) اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۲۳؍احادیث نقل کی ہیں، جن میں اس بات کا بیان ہے کہ مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام اور چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، سونے کی انگوٹھی پہننے والے کے بارے میں وعید، مہر نبوی، آپ ﷺ کی انگوٹھی کے نگینے کی کیفیت، آپ ﷺ کا دائیں اور بائیں دونوں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے، عورت کے لئے بجنے والا زیور ممنوع ہے اور اس طرح کے دیگر مضامین پر مشتمل احادیث منقول ہیں۔

## ﴿آپ ﷺ کی انگوٹھی کے کنویں میں گرنے کا واقعہ﴾

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی (ان کی زندگی تک) ان کے ہاتھ میں رہی، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں رہی، حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ میں رہی، حضرت عثمانؓ جب بیر اریس پر بیٹھے تھے، تو انگوٹھی سے کھیل رہے تھے، وہ گر گئی تین دن تک کنویں کا پانی الٹا گیا مگر نہیں ملی۔ (بخاری ص ۸۷۳ ج ۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی حضور ﷺ کے دست مبارک میں رہی، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں رہی، پھر حضرت عمرؓ کے، پھر

حضرت عثمانؓ کے، پھران ہی کے زمانہ میں بیرارلیس میں گر گئی، اس کا نقش محمد رسول اللہ ﷺ تھا۔ (شمائل ص ۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک انگوٹھی چاندی کی بنوائی، جس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رہتا تھا، یہ وہی انگوٹھی تھی جو حضرت معیقیبؓ سے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بیرارلیس میں گر گئی تھی۔ (شمائل ص ۸)

**فائدہ:** حضور پاک ﷺ نے جو انگوٹھی خطوط پر مہر لگانے کے لئے بنوائی تھی، یہ آپ ﷺ کی حیات تک تو آپ ﷺ کے پاس رہی اس کے بعد صدیق اکبرؓ اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس سے حضرت عثمانؓ تک پہنچی، آپ ﷺ کے یہ انگوٹھی ۶ سال تک حضرت عثمانؓ کے پاس رہی، اس کے بعد ارلیس نامی کنویں میں گر گئی، کس سے گری کس طرح گری؟ روایتوں میں تھوڑا اختلاف ہے، بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ بیرارلیس پر بیٹھے تھے، انہوں نے حضرت معیقیبؓ سے انگوٹھی مانگی کہ دستاویز پر مہر لگالوں، کچھ سوچ رہے تھے اسی (غفلت) میں انگوٹھی گر گئی۔ (جمع ۱۴۶)

ایک روایت میں ہے کہ خلافت عثمانی کے چھٹے سال کا واقعہ ہے کہ ہم لوگ ارلیس کنویں پر بیٹھے تھے، حضرت عثمانؓ انگوٹھی ہاتھ سے نکال رہے تھے اور پہن رہے تھے، اس طرح بار بار کر رہے تھے اور کنویں کے کنارے بیٹھے تھے کہ انگوٹھی کنویں میں گر گئی، بہت تلاش کیا مگر نہیں ملی، بعض روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ سے گری، ملا علی قاریؒ اس کی توجیہ میں لکھتے ہیں کہ ایسا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان کوئی چیز کی لینی دینی ہوتی ہے تو دونوں کے درمیان سے ہی گر جاتی ہے، یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہوگا۔

بیرارلیس جس میں انگوٹھی گری، مدینہ میں مسجد قبا کے پاس تھا۔ (جمع ۱۴۶) تین دن تک مسلسل تلاش کی گئی، پانی نکالا گیا مگر نہیں ملی۔

ملا علی قاریؒ نے شرح شمائل میں اور حافظؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ تین دن تلاش کرنے کا صرفہ انگوٹھی کی قیمت سے بڑھ گیا، یہ صرفہ اسلئے برداشت کیا گیا کہ انگوٹھی متبرک تھی اسلاف کی یادگار تھی، اگر یہ پیش نظر نہ ہوتا تو ہرگز محنت اور صرفہ برداشت نہ کیا جاتا۔

ملا علی قاریؒ اور حافظؒ نے لکھا ہے کہ اس انگوٹھی میں لطائف، اسرار اور برکات تھے، جب تک یہ رہی کوئی فتنہ نہ کھڑا ہوا اور نہ چلا۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ کے چھ سال خلافت کے بہت عمدہ چلے جب سے انگوٹھی گری فتنے اٹھ کھڑے ہوئے، خوارج کا فتنہ شروع ہوا یہاں تک کہ اس فتنہ میں حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے۔ (جمع الوسائل ص ۱۴۷)

معیقیبؓ ایک صحابی ہیں جو حضور سرور کائناتؐ کے زمانہ سے انگوٹھی کے محافظ تھے (خصائل ص ۸۳)

اس واقعہ سے ارباب حدیث نے چند فوائد مستنبط کئے ہیں۔ (۱) اسلاف کی یادگار چیزوں کی اہمیت کہ اس کی تلاش میں تین دن تک لگے رہے (۲) گمشدہ اشیاء کی تلاش میں اہتمام اور اس میں مال خرچ کرنا، چنانچہ حضرت عائشہؓ کا ہار جو کہ غزوۂ مریسیع میں گم ہو گیا تھا، آپ ﷺ اس کی تلاش میں رکے رہے، مگر خیال یہ رہے کہ کسی اہم شے کے گم ہونے پر یہ ہے، کسی معمولی چیز کے گم ہونے پر یہ نہیں ہے، چنانچہ ملا علی قاریؒ نے کہا ہے کہ اگر ایک پیسہ دو پیسہ یا ایک دو کھجور یا اس جیسی چیز گر جائے تو اس کی اہمیت نہ ہوگی، نہ اس کی تلاش میں کوشش کی جائے گی، ابن بطالؒ نے فرمایا کسی اہم شے کے گم ہونے پر تین دن تلاش کر لینے کے بعد اگر نہ ملے تو وہ اس کا ضائع کرنے والا نہ ہوگا، یعنی اس سے کم یا معمولی توجہ کرنا گویا اس کو ضائع کرنا ہے۔

## الفصل الاول

### حدیث ۱۲۴۱ ﴿سونے اور چاندی کی انگوٹھی کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۴۳۸۲

﴿عَنْ﴾ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَجَعَلَهُ فِيْ يَدِهِ

الْيُمْنٰى ثُمَّ أَلْقَاهُ ثُمَّ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَقَالَ لَا يَنْقُشَنَّ أَحَدٌ عَلٰى نَقْشِ خَاتَمِي هٰذَا وَكَانَ إِذَا لَبِسَهُ جَعَلَ فَصَّهُ مِمَّا يَلِي بَطْنَ كَفِّهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

**حوالہ:** بخاری ص ۸۷۲ ج ۲، باب خاتم الفضة . کتاب اللباس ،حدیث ۵۸۶۶ مسلم ص ۱۹۶ ج۲، باب لبس النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتما من ورق، کتاب اللباس

**حل لغات:** ورق، چاندی، چاندی کا ڈھلا ہوا سکہ (ج) اَوْرَاقٌ لا ینقش نَقَّشَ (تفعیل) تنقیشًا نقش ونگار کرنا، فص انگوٹھی کا نگینہ (ج) فُصُوص واَفُصٌّ، یلی وَلِيَ (س) ولیًا قریب ہونا ملا ہوا ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں پہنا، پھر اس کو پھینک دیا، اس کے بعد آپؐ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس میں محمد رسول اللہ نقش کروایا، اور فرمایا کوئی میری اس انگوٹھی جیسا نقش نہ کروائے اور جب آپؐ اس کو پہنتے تو اس کے نگینے کو اپنی ہتھیلی کی جانب رکھتے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب سونا مردوں کے لئے حرام نہ تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوا کر پہنی، لیکن جوں ہی مردوں کے لئے سونا پہننا حرام ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اتار کر پھینک دیا اور چاندی کی انگوٹھی بنوا کر پہنی، معلوم ہوا کہ مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، اور آپؐ کے انگوٹھی پہننے کا مقصد مہر لگانا تھا، نہ کہ زیب وزینت مقصود تھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اتخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتما من ذھب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی، حرمت سے پہلے آپؐ سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے، کان رسول صلی اللہ علیہ وسلم یلبس خاتما من ذھب فنبذہ فقال لا البسہ ابدا فنبذ الناس خواتیمھم (بخاری) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے، پھر آپ نے اس کو اتار کر پھینک دیا، اور فرمایا اب کبھی نہیں پہنوں گا، لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں اتار کر ڈال دیں۔

**سوال:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انگوٹھی اتار کر پھینکی وہ سونے کی تھی یا چاندی کی؟ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کی تھی، جب کہ بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگوٹھی چاندی کی تھی، روایت ہے انہ رای فی ید رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتما من ورق یوما واحدا ثم ان الناس اصطنعوا الخواتیم من ورق ولبسوھا فطرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتمہ فطرح الناس خواتیمھم ایک دن آپؐ کے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی دیکھی تو لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھی بنوالی اور اس کو پہنا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگوٹھی اتار کر پھینک دی، اس وقت لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں اتار پھینکیں۔

**جواب:** سونے اور چاندی دونوں طرح کی انگوٹھیاں پھینکی گئی ہیں، سونے کی انگوٹھی نزول حرمت کے بعد اتاری گئی، لوگوں نے بھی اتباع میں اتار دیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی پہنی اور اس میں اپنے نام مبارک کا نقش لگایا، تو لوگوں نے آپؐ کی اتباع میں اس طرح کی منقش انگوٹھیاں چاندی کی بنوائیں، نقش کی اجازت چوں کہ نہیں تھی، اس لئے حضورؐ نے لوگوں کے پاس وہ انگوٹھیاں دیکھیں تو اپنی انگوٹھی اتار دی، لوگوں نے بھی اتار دیں، اس کے بعد آپؐ نے مہر وغیرہ لگانے کی غرض سے پھر چاندی کی انگوٹھی پہنی، اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ سونے کی انگوٹھی بھی آپؐ نے اتاری ہے، سونے کی حرمت کی وجہ سے، اور چاندی کی انگوٹھی بھی اتاری ہے، لوگوں کے پاس موجود چاندی کی منقش انگوٹھیاں اتروانے کے لئے، پہلی روایت میں پہلی بات کا اور دوسری روایت میں دوسرے واقعہ کا ذکر ہے۔ (کشف الباری)

**چاندی کی انگوٹھی کا حکم** ۔ جمہور فقہاء کے نزدیک چاندی کی انگوٹھی کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے، بعض علماء نے اسے عام لوگوں کے لئے مکروہ کہا ہے، البتہ بادشاہ وقاضی وغیرہ کے لئے بلا کراہت جائز ہے، یہ حضرات مسند احمد کی روایت سے استدلال کرتے ہیں **ان رسول صلی الله علیه وسلم نهی عن الخاتم الالذی سلطان** جمہور حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، اور مسند احمد کی روایت کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، اور اگر اسے صحیح بھی تسلیم کیا جائے تو اس میں جو نہی مذکور ہے، اس سے کراہت تنزیہی مراد لی جائے گی، جو کہ جواز کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے، البتہ چاندی کی انگوٹھی ایک مثقال سے کم ہونا چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے **اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالا** چاندی کی انگوٹھی بنالو لیکن یہ ایک مثقال سے کم ہو۔ (ابوداود) **وجعله فی یده الیمنی** انگوٹھی آپؐ نے داہنے ہاتھ میں پہنی۔

**سوال** ۔ کس ہاتھ میں انگوٹھی پہننا زیادہ بہتر ہے؟

**جواب** ۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ انگوٹھی کس ہاتھ میں پہنی جائے، تو علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ احادیث تو دائیں کے بارے میں بھی منقول ہیں اور بائیں ہاتھ میں پہننے کے بارے میں بھی ہیں، لیکن عمل ان ہی احادیث پر ہے جن میں بائیں ہاتھ میں پہننے کا ذکر ہے اور جو احادیث دائیں ہاتھ کے متعلق ہیں ان کو منسوخ قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت عدیؓ وغیرہ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے، پھر بائیں ہاتھ میں پہننے لگے۔ (مرقات ص ۲۶۹ ج ۸)

**سوال** ۔ انگوٹھی کونسی انگلی میں پہنی جائے؟

**جواب** ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنتے تھے، حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ **نهانی رسول صلی الله علیه وسلم عن ان البس خاتمی فی هذه وفی هذه یعنی السبابة والوسطی** . رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی میں انگوٹھی پہننے اور درمیان انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے، چھوٹی انگلی کے ساتھ والی انگلی اور انگوٹھے میں انگوٹھی پہننے کے بارے میں نہ نفی ہے اور نہ اثبات۔

**نقش فیه محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم**: آپؐ نے اپنی انگوٹھی میں اپنا نام محمد رسول اللہ نقش کروایا تھا۔ معلوم ہوا کہ انگوٹھی میں نقش کرانا جائز ہے۔

**سوال**: انگوٹھی پر آپ کا نام کس طور پر یعنی کس ترتیب سے نقش تھا؟

**جواب**: رسول اللہؐ نے محمد رسول اللہ کا جو نقش کروایا تھا وہ تین سطروں میں تھا، ایک سطر میں محمد، دوسری سطر میں رسول اور تیسری سطر میں اللہ تھا، بعض حضرات سے منقول ہے کہ اوپر کی پہلی سطر میں اللہ اور دوسری سطر میں رسول اور آخری تیسری سطر میں محمد نقش تھا، لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ روایت میں مجھے اس طرح کی کوئی تصریح نہیں ملی ہے بلکہ اسماعیلی کی روایت سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں پہلی سطر میں محمد، دوسری سطر میں رسول اور تیسری سطر میں اللہ ہے۔ (فتح الباری ص ۴۰۳-۴۰۴ ج ۱۰، کشف الباری)۔

**سوال**: انگوٹھی میں کوئی ذکر یا اللہ یا رسول اللہ کا نام کندہ کرایا جاسکتا ہے؟

**جواب**: انگوٹھی میں ذکر اللہ ورسول اللہ کا نام وغیرہ نقش کرایا جاسکتا ہے، اور سلف کا معمول بھی رہا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنا نام انگوٹھی پر نقش کرایا تھا، حضرت حذیفہ اور ابو عبیدہؓ نے الحمد للہ نقش کرایا تھا، حضرت علیؓ نے اللہ الملک، حضرت ابراہیم نخعیؒ نے یا اللہ اور حضرت مسروقؒ نے بسم اللہ نقش کروایا تھا۔ (فتح الباری ص ۴۰۲ ج ۱۰) بعض حضرات سے کراہیت کا قول منقول ہے، کیوں کہ اس طرح کا کوئی ذکر یا اللہ کا نام کندہ کرایا جائے تو جنبی اور حائضہ اسے ہاتھ لگائیں گے اور استنجاء کے وقت اس پر نجاست لگنے کا اندیشہ ہے،

لہٰذا اس کو مکروہ کہا گیا ہے، ورنہ فی نفسہ بالاتفاق جائز ہے، اس لئے ان مواقع میں جہاں بے حرمتی کا اندیشہ ہو، انگوٹھی کو اتار لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ (کشف الباری) لاینقش احمد علی نقش خاتمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی انگوٹھی پر اپنا نام نقش کرایا ہے، کوئی اور میرے نقش کی طرح اپنی انگوٹھی پر نقش نہ کرائے، کیوں کہ آپ نے انگوٹھی اور اس پر نقش مہر لگانے کی غرض سے بنوائی تھی، اب اگر کوئی دوسرا بھی اسی طرح نقش بنواتا تو التباس اور اشتباہ پیدا ہوتا، لہٰذا آپ نے دوسروں کو اس طرح کا نقش کندہ کرنے سے منع فرمایا۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۱۳۴ ج ۴) وکان اذا لبسه جعل فصه مما یلی بطن کفه جب آپ انگوٹھی پہنتے تو اس کے نگینے کو اپنی ہتھیلی کی جانب رکھتے تھے، حضورؐ کا معمول یہی تھا، آپ ایسا اس لئے فرماتے تاکہ واضح ہو جائے کہ آپ انگوٹھی مہر لگانے کے لئے پہنتے ہیں، زیب وزینت کے لئے نہیں پہنتے، اگرچہ نگینہ باہر کی طرف رکھنا بھی جائز ہے۔ (عمدۃ القاری)

## حدیث ۱۲۴۲ ﴿ مردوں کیلئے سونے کی انگوٹھی کی ممانعت ﴾ عالمی حدیث ۴۳۸۴

﴿وَعَنْ﴾ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ لُبْسِ الْقَسِيِّ وَالْمُعَصْفَرِ وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ قِرَائَةِ الْقُرْآنِ فِي الرُّكُوْعِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم ص ۱۹۳ ج ۲، باب لبس النبیؐ خاتم من ورق، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۹۲

**حل لغات:** تختم تَخَتَّمَ الخاتَمَ (تفعل) انگوٹھی پہننا، القسی مصر کے ایک شہر کا نام ہے، اس کی طرف منسوب ایک کپڑا۔

**ترجمہ:** حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسی اور کسم رنگ میں رنگا ہوا کپڑا پہننے سے منع فرمایا ہے اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے، نیز رکوع میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپ نے چار چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ (۱) قسی کپڑا پہننے سے، یہ کپڑا مصر کے شہر قس میں تیار ہوتا تھا اور اس میں ایک مخصوص قسم کا ریشم استعمال ہوتا تھا کیونکہ ریشمی کپڑا مردوں کیلئے پہننا حرام ہے، لہٰذا آپ نے اس کی ممانعت فرمائی۔ (۲) کسم رنگ میں رنگا کپڑا پہننے سے یعنی گیروا کپڑا، اس طرح کے کپڑے سادھو سنت استعمال کرتے ہیں، لہٰذا ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے آپ نے اس سے منع فرمایا۔ (۳) سونے کی انگوٹھی پہننے سے، اس امت کے مردوں کے لئے سونا پہننا حرام ہے، لہٰذا آپ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے بھی منع فرمایا، ممانعت سے پہلے سونے کی انگوٹھی پہننے کا رواج تھا۔ (۴) رکوع میں تسبیح پڑھنے کا حکم ہے، لہٰذا رکوع میں قرآن کی تلاوت نہ کرنا چاہئے، آپ نے رکوع میں قرآن کی تلاوت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لبس القسی ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہے۔ دیکھئے عالمی حدیث ص ۴۳۵۶، ریشمی کپڑے کی حرمت سے متعلق تفصیلات کیلئے دیکھئے عالمی حدیث ۴۳۱۶ المعصفر، گیروا کپڑا مردوں کے لئے منع ہے، آپ کا فرمان ہے، ان هذه من ثیاب الکفار فلا تلبسها یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہے اس کو مت پہنو، حنفیہ کے نزدیک مردوں کے لئے مکروہ تحریمی ہے، عورتوں کے لئے استعمال کرنا جائز ہے۔ مزید کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۶۲ وعن تختم الذهب سونے کی انگوٹھی سے آپ نے منع فرمایا، بخاری میں روایت ہے کہ انه نهیٰ عن خاتم الذهب آپ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا، مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی کا استعمال ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے، حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے آپ نے سونے کی انگوٹھی پہنی ہے۔ تفصیل کیلئے گذشتہ حدیث دیکھیں، وعن قراءة القرآن فی الرکوع رکوع میں قرآن پڑھنے سے آپ نے منع فرمایا، جس طرح رکوع میں قرآن پڑھنے کی ممانعت ہے، اسی طرح سجدہ میں بھی قرآن پڑھنے کی ممانعت ہے، کیوں کہ یہ تسبیح کے مواقع ہیں، نہ کہ تلاوت قرآن کے، یہ بھی مطلب ممکن ہے کہ قیام میں تلاوت کا کچھ حصہ رہ گیا

اورنہایت عجلت میں رکوع میں جاکراس کو پورا کیا، یہ صورت ممنوع ہے، اطمینان سے قیام میں تلاوت پوری کر کے رکوع میں جایا جائے۔

## حدیث ۱۲۴۳ ﴿سونے کی انگوٹھی پہننا آگ کی چنگاری لینا ہے﴾ عالمی حدیث ٤٣٨٥

﴿وَعَنْ﴾ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأىٰ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فِيْ يَدِ رَجُلٍ فَنَزَعَهُ فَطَرَحَهُ فَقَالَ يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهٖ فَقِيْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ خَاتَمَكَ اِنْتَفِعْ بِهٖ قَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا آخُذُهُ أَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم ص ۱۹۵ ج ۲، باب تحریم خاتم الذهب، کتاب اللباس حدیث ۲۰۹۰

**حل لغات:** نزع (ض) نَزَعًا لِبَاسَهُ عَنِ الْجِسْمِ کپڑے اتارنا، طرح (ف) طرحًا الشئ ڈالنا پھینکنا، جمرة دہکتا ہوا انگارا (ج) جَمَرَاتٌ۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی، تو آپؐ نے اس کو اتار کر پھینک دیا، پھر آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آگ کی چنگاری کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اس آدمی سے کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی لے لو اور اس سے نفع حاصل کرو، اس نے کہا کہ خدا کی قسم اسے ہرگز نہ لوں گا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا ہو۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا بہت بڑا گناہ ہے، اور اس گناہ کی بدولت جہنم کی آگ کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے، اس حدیث میں صحابہ کی آپؐ سے کمال محبت اور کمال اتباع بھی سمجھ میں آتی ہے، آپؐ نے انگوٹھی پھینک کر صرف پہننے سے منع فرمایا تھا، لیکن صحابی نے پھر اس سے کسی طرح کا نفع حاصل کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فنزعه فطرحه سونے کی انگوٹھی آپؐ نے پہنے دیکھا تو اسے اتار لیا اور پھینک دیا، اگر کسی غلط کام کو روکنے کی قدرت ہے تو اسی انداز کو اپنانا چاہئے، آپ کا ارشاد بھی ہے اذا رای احدکم منکراً فلیغیرہ بیدہ معلوم ہوا کہ اگر قوت ہے تو اپنے ہاتھ سے برائی مٹانا خود آپؐ کے عمل سے بھی ثابت ہے، یعمد احدکم پہلے آپؐ نے اپنی ناراضگی کے اظہار کے لئے اس کو اتار کر پھینکا، پھر بطور تنبیہ بہت سخت بات فرمائی اور سونے کی انگوٹھی پہننے کی بنا پر ہونے والے عذاب سے ڈرایا، خذ خاتمك انتفع به بعض لوگوں نے کہا کہ اس کو اٹھا کر اس سے فائدہ حاصل کرلو، یعنی اس کو بیچ کر اس کی قیمت حاصل کرلو، یا کسی عورت کو دے دو، لا آخذه ابداً اگر چہ آپؐ نے صرف پہننے سے منع فرمایا تھا، لیکن کمال تابعداری کی بنا پر ان صحابی نے اس کو لینے اور کسی بھی قسم کا اس سے فائدہ اٹھانے سے انکار کردیا، ان کے انکار نے دوسرے کے لئے اس کو لے کر اس سے فائدہ اٹھانے کو جائز کردیا۔ (مرقات)

## حدیث ۱۲٤٤ ﴿آپ کے انگوٹھی بنوانے کا مقصد﴾ عالمی حدیث ٤٣٨٦

﴿وَعَنْ﴾ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى كِسْرىٰ وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيْلَ إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ كِتَابًا إِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَةَ فِضَّةٍ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ كَانَ نَقْشُ الْخَاتَمِ ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُوْلٌ سَطْرٌ وَاللّٰهُ سَطْرٌ.

**حوالہ:** بخاری ص ۸۷۳ ج ۲، باب اتخاذ الخاتم، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۷۵، مسلم ص ۱۹۶ ج ۲، باب فی اتخاذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتما، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۹۲

**حل لغات:** صاغ (ن) صوغًا المعدنَ دھات کو پگھلا کر ڈھالنا، حلقة، دائرہ، گھیرا، چھلا، کڑا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا، آپؐ سے عرض کیا گیا کہ وہ لوگ بغیر مہر کے خط کو قبول نہیں کرتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کے حلقہ والی انگوٹھی بنوائی، اور اس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقش کروایا۔ (مسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ انگوٹھی کا نقش تین سطروں میں تھا، ایک سطر میں لفظ محمد دوسری سطر میں رسول اور تیسری سطر میں اللہ تھا۔

**خلاصۂ حدیث** مختلف بادشاہوں کے نام آپؐ نے دعوتی خط بھیجنے کا ارادہ فرمایا، تو آپؐ کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ شاہانِ عالم بغیر مہر والے خطوط قبول نہیں کرتے ہیں، تو آپ نے مہر لگانے کی غرض سے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں اپنا نام نقش کروایا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اراد ان یکتب الیٰ کسریٰ و قیصر والنجاشی 'کسریٰ' فارس کے بادشاہ کا لقب ہے۔ 'قیصر' روم کے بادشاہ کا لقب ہے۔ 'نجاشی' حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہے ۔ ۷ھ یا ۶ھ میں آپؐ نے ان لوگوں کے پاس خطوط بھیجے تھے۔ تفصیلات کیلئے دیکھیں عالمی حدیث.......... فقیل کسی عجمی صحابی نے یا قریشی صحابی نے بتایا کہ یہ بادشاہ اسی وقت خط قبول کرتے ہیں جب خط پر مہر لگی ہو، مہر کی ضرورت کی وجہ سے آپؐ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی، یہاں صرف حلقہ کا ذکر ہے، کیوں کہ انگلی میں حلقہ ہی پہنا جاتا ہے، جہاں تک نگینہ کا سوال ہے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ بھی چاندی ہی کا تھا جب کہ ایک روایت کے مطابق نگینہ حبشی عقیق کا تھا۔ تفصیل آگے عالمی حدیث ۴۳۸۸ کے تحت آرہی ہے، آپؐ کا نام کس ترتیب پر کندہ تھا اور انگوٹھی پر ذکر اللہ نقش کرانا کیسا ہے، ان سوالات کے جواب کے لئے عالمی حدیث ۴۳۸۳ دیکھیں۔

## حدیث ۱۲۴۵ ﴿آپؐ کی انگوٹھی کا نگینہ﴾ عالمی حدیث ۴۳۸۷

﴿وَعَنْهُ﴾ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ خَاتَمُهُ مِنْ فِضَّةٍ وَكَانَ فَصُّهُ مِنْهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

**حوالہ:** بخاری ۸۷۲ ج ۲، باب فص الخاتم، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۷۰

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی چاندی کی انگوٹھی کے حلقہ میں چاندی کا ہی نگینہ تھا، البتہ وہ نگینہ چاندی کا ہونے کے باوجود چمک دار تھا، حضرت انسؓ کہتے ہیں فکانی انظر الی وبیص خاتمہ گویا کہ میں آپ کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وکان فصہ منہ انگوٹھی کا رنگ بھی چاندی کا تھا، یعنی پوری انگوٹھی چاندی کی تھی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انگوٹھی کا نگینہ عقیق پتھر کا تھا۔ تفصیل کے لئے اگلی حدیث دیکھیں۔

## حدیث ۱۲۴۶ ﴿انگوٹھی کا نگینہ عتیق پتھر کا تھا﴾ عالمی حدیث ۴۳۸۸

﴿وَعَنْهُ﴾ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ خَاتَمَ فِضَّةٍ فِي يَمِيْنِهِ فِيْهِ فَصٌّ حَبَشِيٌّ كَانَ يَجْعَلُ فَصَّهُ مِمَّا يَلِيْ كَفَّهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری ص ۸۷۱ ج ۲، باب خواتم الذهب، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۶۵، مسلم ص ۹۷۱ ج ۲، باب فی خاتم الورق، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۹۴

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی پہنی اور اس میں حبشی نگینہ تھا، آپ نگینہ کو اپنی ہتھیلی کی جانب رکھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں تین باتوں کا ذکر ہے۔ (۱) آپؐ نے انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنی ہے (۲) انگوٹھی کا نگینہ حبشی تھا (۳) نگینہ والا حلقہ ہتھیلی کی جانب رہتا تھا، کیونکہ انگوٹھی پہننے کا مقصد مہر لگانا تھا، نہ کہ زیب وزینت اختیار کرنا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فی یمنه انگوٹھی کس ہاتھ میں پہنی جائے اور انگوٹھی کا حلقہ کس طرف رکھا جائے ان سوالات کے جوابات کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۸۳ فیه فص حبشی نگینہ حبشی پتھر کا بنا ہوا تھا، آپؐ کے پاس دو انگوٹھیاں تھیں، ایک کا نگینہ چاندی کا تھا، جیسا کہ گذشتہ روایت سے علم ہوا اور ایک انگوٹھی کا نگینہ حبشی پتھر سے بنا ہوا تھا، جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نگینہ حقیقتاً چاندی ہی کا ہو، لیکن اس کو حبشی نقش ونگار کے مطابق بنایا گیا ہو، یا بنانے والا حبشی ہو، اس وجہ سے اس کو حبشی کہا گیا ہو، ان توجیہات سے تعارض رفع ہو جاتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں بذل المجہود)

## حدیث ۱۲۴۷ ﴿آپ کا چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہننا﴾ عالمی حدیث ۴۳۸۹

﴿وَعَنْهُ﴾ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذِهٖ وَأَشَارَ إِلَى الْخِنْصَرِ مِنْ يَدِهِ الْيُسْرٰى رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم ص ۱۹۷ ج ۲، باب فی لبس الخاتم، کتاب اللباس حدیث ۲۰۹۵

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی اس انگلی میں ہوتی تھی، راوی کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا آپؐ سے ثابت ہے، اسی طرح آپؐ نے چھنگلیاں میں انگوٹھی پہنی ہے، بعض روایات میں داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا مذکور ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من یده الیسری آپؐ نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنی، گذشتہ حدیث میں داہنے ہاتھ میں پہننے کا ذکر ہے، بظاہر تعارض احادیث ہے، جمع بین الروایات کے لئے محدثین نے مختلف توجیہات پیش کی ہیں، شروع میں آپؐ نے انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہنی ہے پھر بائیں ہاتھ میں پہننے لگے، حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے، ان النبی صلی الله علیه وسلم تختم فی یمینه ثم حوله الی یساره آپؐ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، پھر بائیں ہاتھ میں پہننے لگے، یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، حافظؒ کہتے ہیں کہ اگر زینت کی غرض سے ہو تو داہنے ہاتھ میں پہننا افضل ہے، اور اگر مہر وغیرہ لگانے کی ضرورت سے ہو تو بائیں میں پہننا بہتر ہے۔ (ملخص تکملہ فتح الملہم ۱۳۸-۱۳۹ ج ۴)

## حدیث ۱۲۴۸ ☆☆☆ عالمی حدیث ۴۳۹۰

## ﴿شہادت والی انگلی میں انگوٹھی پہننے کی ممانعت﴾

﴿وَعَنْ﴾ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتَخَتَّمَ فِيْ إِصْبَعِيْ هٰذِهٖ أَوْ هٰذِهٖ قَالَ فَأَوْمَأَ إِلَى الْوُسْطٰى وَالَّتِيْ تَلِيْهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حواله:** مسلم ص١٩٧ ج٢، باب النهي عن التختم في الوسطىٰ، كتاب اللباس، حديث ٢٠٧٨

**ترجمه:** حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنی اس انگلی اور اس انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا، راوی کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی درمیانی انگلی اور اس کے قریب والی (شہادت کی انگلی) کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی میں انگوٹھی پہننا بالصراحت ممنوع قرار دیا گیا ہے، اور گذشتہ روایات میں چھوٹی انگلی میں آپؐ کا انگوٹھی پہننا بالصراحت مذکور ہے اور بقیہ انگلیوں میں نہ اثبات ہے اور نہ نفی ہے، معلوم ہوا کہ چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہننا مستحب ہے، اور شہادت والی اور درمیان والی انگلی میں انگوٹھی پہننا مکروہ ہے، جب کہ بقیہ دو انگلیوں میں پہننا مباح ہے، یعنی نہ مکروہ ہے اور نہ مستحب ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نهانی رسول الله صلى الله عليه وسلم آپؐ نے بالصراحت دو انگلیوں میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے، یہ ممانعت مردوں کے لئے ہے، عورتیں جس انگلی میں چاہیں پہنیں، مردوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ سب سے چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنیں، یہ کنارے ہے، لہٰذا دوسرے کاموں میں دشواری بھی نہیں ہوگی اور بہت سی چیزوں میں ملوث ہونے سے محفوظ بھی رہے گی۔ (تکملہ فتح الملہم ص١٤٠ ج٤)

## الفصل الثاني

### حديث ١٢٤٩ ﴿دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ٤٣٩١-٤٣٩٢

﴿عَنْ﴾ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ عَنْ عَلِيٍّ.

**حواله:** ابن ماجه ص٢٥٩ باب التختم باليمين، كتاب اللباس، حديث ٣٦٤٧، ابو داود ص ٥٨٠ ج٢، باب ماجاء في التختم، كتاب اللباس، حديث ٤٢٢٦، نسائي ص٢٤٦ ج٢، باب موضع الخاتم من اليد، كتاب الزينة، حديث ٥٢٠٤

**ترجمه:** حضرت عبداللہ بن جعفرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ (ابن ماجہ) ابوداود، ونسائی میں حضرت علیؓ سے یہ روایت منقول ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے دائیں ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی پہنی ہے، بعض روایات سے بائیں ہاتھ میں بھی پہننا ثابت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** يتختم في يمينه آپؐ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، آپؐ سے دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں پہننا ثابت ہے، اس لئے دونوں ہاتھوں میں سے کسی بھی ہاتھ میں انگوٹھی پہنی جائے درست ہے، البتہ شوافع نے دائیں کو ترجیح دی ہے، جب کہ جمہور اور ائمہ ثلاثہ نے بائیں کو ترجیح دی ہے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ٤٣٨٩ دیکھیں

### حديث ١٢٥٠ ﴿بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر﴾ عالمی حدیث ٤٣٩٣

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَسَارِهِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

**حواله:** ابوداود ص ٥٨٠ ج٢، باب ماجاء في التختم في اليمين او اليسار، كتاب الخاتم، حديث ٤٢٢٧

**ترجمه:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپؐ نے بائیں ہاتھ میں بھی انگوٹھی پہنی ہے، دونوں ہاتھوں میں انگوٹھی الگ الگ اوقات میں پہنی ہے، جس نے جس ہاتھ میں پہنے دیکھا روایت کیا ہے، ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم نہیں ہوتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یتختم فی یسارہ، آپؐ اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، دونوں ہاتھ میں پہننا ثابت ہے، لہٰذا علماء نے دونوں کو اختیار کیا ہے۔ مزید کے لئے گزشتہ حدیث اور عالمی حدیث ۴۳۸۹ دیکھیں

## حدیث ۱۲۵۱ ﴿سونا اور ریشم آپؐ کی امت کے مردوں پر حرام ہے﴾ عالمی حدیث ٤٣٩٤

﴿وَعَنْ﴾ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ حَرِيْراً فَجَعَلَهُ فِيْ يَمِيْنِهِ وَأَخَذَ ذَهَبًا فَجَعَلَهُ فِيْ شِمَالِهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلَى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** احمد ص ٩٦ ج١، ابو داود ص ٥٦١ ج٢، كتاب اللباس، حديث ٤٠٥٧، نسائی ص ٢٤١ ج٢، باب تحريم الذهب، على الرجال، كتاب الزينة، حديث ٥١٥٠

**ترجمہ:** حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کو لیا اور اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں رکھا، پھر آپؐ نے سونا لیا اور اس کو اپنے بائیں ہاتھ میں رکھا، پھر آپؐ نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ (احمد، ابوداود، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** سونا اور ریشم پہلے امت کے مردوں کے لئے استعمال کرنا حلال تھا، بعد میں ممانعت نازل ہوئی، تو آپؐ نے ان دونوں کی حرمت کا اعلان فرمادیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان ھذین حرام سونا اور ریشم مردوں کے لئے حرام ہے، عورتوں کو پہننا حلال ہے۔ تفصیلات کے لئے عالمی حدیث ۴۳۱۶ تا ۴۳۲۶ دیکھیں۔

## حدیث ۱۲۵۲ ﴿قلیل مقدار میں سونے کے استعمال کی اجازت﴾ عالمی حدیث ٤٣٩٥

﴿وَعَنْ﴾ مُعَاوِيَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ رُكُوْبِ النُّمُوْرِ وَعَنْ لُبْسِ الذَّهَبِ إِلَّا مُقَطَّعًا رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** ابوداود ص ٥٨٢ ج٢، باب ماجاء في الذهب، كتاب الخاتم، حديث ٤٢٣٩ نسائی ص ٢٤٢ ج٢، باب تحريم الذهب على الرجال، كتاب الزينة، حديث ٥١٥٠

**حل لغات:** مقطعا ٹکڑا کیا ہوا، قَطَّعَ (تفعیل) تقطیعاً ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیتے کی کھال پر سوار ہونے اور سونا پہننے سے منع فرمایا ہے، مگر یہ کہ نہایت چھوٹے چھوٹے ذروں کی اجازت ہے۔ (ابوداود، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چیتے کی کھال پر سوار ہونا منع ہے، نیز سونا پہننا بھی منع ہے، مگر تھوڑی مقدار میں اجازت ہے، اس حدیث کو اگر عورتوں کے حق میں محمول کیا جائے تو یہ زہد سے متعلق ہوگی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مردوں کے حق میں ہو، اس صورت میں یہ قید برائے جواز ہوگی، کیوں کہ مردوں کے لئے بوقت ضرورت سونے کے استعمال کا جواز ثابت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نھی عن رکوب النمور آپ نے چیتے کی کھال پر سوار ہونے سے منع فرمایا ہے۔ تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۴۳۵۷ دیکھیں۔ تھوڑی مقدار میں سونا مردوں کے لئے جائز ہے، یہ جواز منسوخ

ہو چکا ہے یا پھر اس سے سنہرا کام مراد ہے، یعنی کپڑے پر سنہرے کام کی دھاریاں یا انگوٹھی پر سونے کا ملمع کیا جانا مراد ہے، یا پھر بوقت ضرورت سونے کا استعمال مراد ہے، مثلاً سونے کا دانت، یا سونے کی ناک ضرورت پڑنے پر لگوانا۔ دیکھیں عالمی حدیث ۴۴۰۰

**حدیث ۱۲۵۳ ﴿ لوہے اور پیتل کی انگوٹھی کی ممانعت ﴾ عالمی حدیث ٤٣٩٦**

﴿وَعَنْ﴾ بُرَيْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ عَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ شَبَهٍ مَالِي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ الْأَصْنَامِ فَطَرَحَهُ ثُمَّ جَاءَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِيدٍ فَقَالَ مَالِي أَرٰى عَلَيْكَ حِلْيَةَ أَهْلِ النَّارِ فَطَرَحَهُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ أَتَّخِذُهُ قَالَ مِنْ وَرِقٍ وَلَا تُتِمَّهُ مِثْقَالًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ وَقَدْ صَحَّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي الصُّدَاقِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ.

**حوالہ:** ترمذی ص ۳۰۸ ج ۱، باب ماجاء فی خاتم الحدید، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۸۵، ابو داود ص ۵۸۰ ج ۲، باب ماجاء فی خاتم الحدید، کتاب الخاتم حدیث ۴۲۲۳، نسائی ص ۲۴۵ ج ۲، باب مقدار ما یجعل فی الخاتم، کتاب الزینۃ، حدیث ۵۱۹۵، شرح السنۃ

**حل لغات:** حلیۃ زیور سامان زینت (ج) حِلیً، مثقال وزن کا پیمانہ، ڈیڑھ درہم کے وزن کے برابر (ج) مَثَاقِیْلُ، التمس امر حاضر التمس الشئ (افتعال) چاہنا تلاش کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا، جس نے تانبے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، کیا بات ہے کہ مجھے تمہارے پاس سے بتوں کی بو محسوس ہو رہی ہے، انہوں نے وہ انگوٹھی پھینک دی، پھر وہ لوہے کی انگوٹھی پہن کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے کہ میں تمہارے اوپر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں، انہوں نے وہ انگوٹھی بھی پھینک دی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کس چیز کی انگوٹھی میں بناؤں؟ آپؐ نے فرمایا کہ چاندی کی اور وہ بھی پورے ایک مثقال کی نہ بنانا۔ (ابوداود، ترمذی، نسائی) امام محی السنہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعدؓ کی مہر کے سلسلے میں حدیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ تلاش کرو اگر چہ لوہے کی انگوٹھی ہی ملے۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کے لئے صرف چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت ہے اور وہ بھی ایک مثقال سے کم وزن کی، لوہے اور پیتل یا کسی اور دھات کی انگوٹھی استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، آپؐ نے ایک موقع پر ایک صحابی کو لوہے کی انگوٹھی لانے کو کہا تھا، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم لوہے کی انگوٹھی پہن لو، بلکہ مطلب یہ تھا کہ اپنی بیوی کو صحبت سے قبل کچھ تحفہ دو چاہے ایک لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔

**کلمات حدیث کی تشریح** خاتم من شبہ آپ کی خدمت میں پیتل کی انگوٹھی پہن کر آئے، عورتوں کے لئے چاندی سونے، پیتل گلٹ وغیرہ کا زیور پہننا درست ہے، مگر انگوٹھی سونے اور چاندی کے علاوہ عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں ہے، البتہ کسی اور دھات کی انگوٹھی پر چاندی کا پانی چڑھا دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، ورنہ مکروہ ہے، مردوں کے لئے صرف چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، مالی اجد منك ریح الاصنام بت بسا اوقات پیتل کے بنائے جاتے ہیں اور وہ صاحب پیتل ہی کی انگوٹھی پہنے تھے، لہٰذا آپؐ نے فرمایا کہ مجھے بتوں کی بو محسوس ہو رہی ہے، فطرحہ آپؐ کے اشارہ کو سمجھ کر کمال اتباع کی مثال پیش کرتے ہوئے فوراً انگوٹھی پھینک دی، خاتم من حدید لوہے کی انگوٹھی پہن کر آئے، آپؐ نے اس کو جہنم کے لوگوں کا زیور قرار دیا، کیوں

کہ جہنمیوں کے گلے میں جو طوق وغیرہ ہوگا وہ لوہے کا ہوگا، انہوں نے اس کو بھی پھینک دیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ من ورق چاندی کی انگوٹھی بناؤ، لیکن اس کا وزن پورا ایک مثقال نہ رکھنا، بلکہ اس سے کم رکھنا، ایک مثقال تقریباً سوا درہم یعنی پانچ گرام ہوتا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک ایک مثقال پر اضافہ جائز ہے، امام مالکؒ کے نزدیک دو درہم کے وزن کے بقدر جائز ہے، اس پر اضافہ درست نہیں ہے، حدیث باب حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہے التمس ولو خاتما من حدید تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ملے، اس حدیث سے شوافع نے لوہے کی انگوٹھی پہننے کے جواز پر استدلال کیا ہے، حافظؒ فرماتے ہیں کہ اس سے پہننے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ منفعت صرف پہننے سے وابستہ نہیں، بلکہ قیمت سے بھی نفع اٹھایا جاسکتا ہے، حدیث باب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی ممنوع ہے، آپؐ نے لوہے کی انگوٹھی تلاش کروائی، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ مہر معجّل کچھ نہ کچھ دینا چاہئے خواہ ادنیٰ ترین چیز ہی کیوں نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوہے کی انگوٹھی کا زمانہ حضرت سہل کی مذکورہ روایت کے بعد کا ہو۔

(فتح الباری، بذل المجہود)

## حدیث ۱۲۵٤ ﴿دس بری خصلتوں کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ٤٣٩٧

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ عَشْرَ خِلَالٍ الصُّفْرَةَ يَعْنِي الْخَلُوْقَ وَتَغْيِيْرَ الشَّيْبِ وَجَرَّ الْإِزَارِ وَالتَّخَتُّمَ بِالذَّهَبِ وَالتَّبَرُّجَ بِالزِّيْنَةِ لِغَيْرِ مَحَلِّهَا وَالضَّرْبَ بِالْكِعَابِ وَالرُّقَى بِالْمُعَوِّذَاتِ وَعَقْدَ التَّمَائِمِ وَعَزْلَ الْمَاءِ لِغَيْرِ مَحَلِّهِ وَفَسَادَ الصَّبِيِّ غَيْرَ مُحَرِّمِهِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

**حواله:** ابو داود ص ۵۸۰ ج۲، باب ماجاء فی خاتم الذهب، کتاب الخاتم، حدیث ٤٢٢٢، نسائی ص ۲۳۷ ج۲، باب الخضاب بالصفره، کتاب الزینة، حدیث ۵۰۸۸

**حل لغات:** التبرج (تفعل) تَبَرَّجَتِ الْمَرْأَةُ غیر شوہر کے سامنے زیبائش کرنا، الکعاب، کَعْبٌ کی جمع ہے، نرد کھیل کا نگینہ مہرہ، التمائم اَلتَّمِیْمَۃُ کی جمع ہے، تعویذ، عزل (ض) عزلاً کسی کام سے الگ کرنا۔

**ترجمه:** حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس باتوں کو ناپسند کرتے تھے (۱) زردی یعنی خلوق کا استعمال (۲) بالوں کی سفیدی بدلنا (۳) لنگی گھسیٹنا (۴) سونے کی انگوٹھی پہننا (۵) عورت کا غیر مناسب جگہ پر زینت ظاہر کرنا (۶) چونسر کی گوٹ سے کھیلنا (۷) معوذتین کے علاوہ سے جھاڑ پھونک کرنا (۸) تعویذات باندھنا (۹) منی کو اس کے غیر محل میں گرانا (۱۰) بچے کو خراب کرنا۔ مگر آپؐ اس کو حرام قرار نہیں دیتے۔ (ابوداود، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں دس ان امور کا تذکرہ ہے جن کو آپ مکروہ اور ناپسند سمجھتے تھے (۱) خلوق ایک خاص قسم کی خوشبو جو زعفران وغیرہ سے بنائی جاتی ہے، عورتیں استعمال کرسکتی ہیں مردوں کے لئے ممانعت ہے (۲) کالا خضاب بھی منع ہے۔ (۳) ٹخنوں سے نیچے لنگی پہننے کی بھی ممانعت ہے۔ (۴) سونے کی انگوٹھی مردوں کے لئے پہننا ممنوع ہے، عورتوں کے لئے مباح ہے۔ (۵) شوہر کے علاوہ کے لئے عورت کا بننا سنورنا ممنوع ہے۔ (۶) شطرنج کے مانند کھیل جس کو کسی تختہ وغیرہ پر خانے بنا کر کھیلتے ہیں منع ہے۔ (۷) غیر اسلامی تعویذات ومنتر کی ممانعت ہے۔ (۸) غیر اسلامی تعویذات گلے میں لٹکانا بھی منع ہے۔ (۹) منی کا بے محل ضائع کرنا یعنی وطی فی الدبر حرام ہے۔ (۱۰) دودھ پلانے والی عورت سے صحبت کرنا ناپسندیدہ ضرور ہے لیکن حرام نہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الصفرة یعنی الخلوق یہ تفسیر وتشریح عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمائی ہے، مقصد یہ ہے کہ جس خوشبو میں سرخی یا زردی غالب ہو وہ مردوں کے لئے ممنوع ہے، بعض روایات سے اس کا مباح ہونا معلوم

ہوتا ہے، لیکن ممانعت کی روایات زیادہ ہیں، ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ عورتوں کی خوشبو ہے، اس لئے اس میں رنگ ہوتا ہے اور حدیث گزر چکی کہ مردوں کی خوشبو بلا رنگ ہوتی ہے دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۵۴۔ و تغیر الشیب بالوں میں کالا خضاب لگانا منع ہے۔

## خضاب لگانے کا حکم

مہندی اور سرخ رنگ کا خضاب لگانا بالاتفاق مستحب ہے، البتہ سیاہ رنگ کے خضاب میں اختلاف ہے، حضرات حنفیہ کے نزدیک ضرورت شرعیہ کی وجہ سے سیاہ خضاب لگانا جائز ہے، مثلاً جہاد میں دشمنوں پر رعب ڈالنے کے لئے کوئی بوڑھا مجاہد سیاہ خضاب لگاتا ہے، یا بوڑھا شوہر جوان بیوی کے اطمینان لئے سیاہ خضاب لگاتا ہے تو یہ بلا کراہیت جائز ہے، البتہ عام حالات میں ضرورت شرعیہ کے بغیر سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے، حنفیہ میں سے بعض علماء نے سیاہ خضاب لگانے کو مطلقاً جائز کہا ہے، چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو، شوافع کے یہاں سیاہ خضاب کے متعلق دو قول ہیں (۱) تحریم (۲) کراہت تنزیہی، امام نوویؒ نے تحریم کے قول کو اصح کہا ہے، حاصل یہ ہے کہ جہاد وغیرہ ضرورت شرعیہ کی وجہ سے سیاہ خضاب کا استعمال بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے، اور دھوکہ دینے کے لئے سیاہ خضاب لگانا ممنوع ہے، اور عام زینت کے لئے لگانے میں کراہت ہے، اور بعضوں نے جائز کہا ہے۔

**ممانعت کے دلائل:** مانعین مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ کے والد حضرت ابوقحافہ لائے گئے، ان کے بال بالکل سفید تھے۔ آپؐ نے فرمایا، **غیر واھذا بشئی و اجتنبوا السوداء** اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کی روایت امام ابوداود نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **یکون قوم یخضبون فی آخر الزمان بالسوداء کحواصل الحمام لا یریحون رائحة الجنة** (آخری زمانے میں ایک قوم آئے گی وہ سیاہ خضاب لگایا کرے گی کبوتر کے پوٹوں کی طرح، ایسے لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے) ان روایتوں کی بنیاد پر جمہور سیاہ خضاب کو مکروہ تحریمی یا تنزیہی کہتے ہیں۔

**جواز کے دلائل:** جو حضرات سیاہ خضاب کو جائز کہتے ہیں، وہ صحابہ و تابعین کے آثار سے استدلال کرتے ہیں، علامہ ابن القیمؒ نے زاد المعاد اور ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں ان کے نام لکھے ہیں، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت جریر بن عبداللہؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت محمد بن سیرینؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت محمد حنفیہ وغیرہ سے سیاہ خضاب لگانا منقول ہے، یہ حضرات احادیث نہیں کو خداع اور دھوکے والی صورت پر محمول کرتے ہیں، لیکن نہی کی حدیث چوں کہ مطلق ہیں، اس لئے انہیں مخصوص صورت پر محمول کرنا خلاف ظاہر ہے، مانعین ذکر کردہ آثار کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں سواد سے خالص سیاہ خضاب مراد نہیں ہے، بلکہ سرخ رنگ کی آمیزش بھی اس کے ساتھ تھی، بہر حال یہ تفصیل سیاہ خضاب سے متعلق ہے، مہندی اور سرخ خضاب لگانا مستحب اور مسنون ہے۔ امام ترمذیؒ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ **ان احسن ما غیرتم به الشیب الحناء و الکتم** (بہترین خضاب مہندی اور وسمہ ہے) (کشف الباری)

**وجر الازار** لنگی گھسیٹنا یعنی ٹخنوں کے نیچے لنگی پہننا حرام ہے، جس طرح لنگی ٹخنوں سے نیچے حرام ہے، اسی طرح جبہ وغیرہ بھی نیچے لٹکانا ناجائز ہے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۳۱۳ دیکھیں۔ **والتختم بالذهب** مردوں کیلئے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے۔ تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۴۳۸۷-۴۳۸۸ دیکھیں۔ **والتبرج بالزینة لغیر محلها** عورت غیر محل میں اپنی زینت ظاہر نہ کرے، مطلب یہ ہے کہ عورت کو اپنے خاوند اور اپنے محارم کے علاوہ دوسرے مردوں کے سامنے اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرنا درست نہیں ہے، **والضرب بالکعاب** شطرنج کی قسم کا ایک کھیل ہے، پانسے اور گوٹوں وغیرہ سے کھیلا جاتا ہے، یہ کھیل ناجائز ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر جوا شامل نہ ہو تو جائز ہے۔ **والرقی الا بالمعوذات** جھاڑ پھونک اور منتر کی ممانعت ہے، البتہ اگر معوذات پڑھ کر دم کیا جائے تو حرج نہیں ہے۔

## ﴿جھاڑ پھونک کا حکم﴾

قرآن کریم اور معوذات سے جھاڑ پھونک کرنا بالاتفاق جائز ہے، معوذات سے قرآن کریم کی وہ تمام آیات مراد ہیں جن میں شیطان اور اس کے شر اور آفتوں سے پناہ طلب کی گئی ہے اور یا اس سے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس دونوں سورتیں مراد ہیں، یہ اگرچہ دو سورتیں ہیں اور معوذات جمع کا صیغہ ہے، لیکن جمع کا اطلاق دو پر بھی ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سورتیں تو دو ہیں لیکن ان میں آیات دو سے زیادہ ہیں، لہٰذا جمع کا صیغہ ان کے لئے استعمال ہوسکتا ہے، دم اور جھاڑ پھونک جائز ہے، البتہ اس کے جواز کے لئے دو شرطیں ہیں۔ (۱) دم کے الفاظ میں سے کوئی لفظ شرکیہ یا یا موہم شرک یا مجہول المعنی نہ ہو۔ (۲) اس کو مؤثر بالذات اور سبب حقیقی نہ سمجھا جائے، بعض روایات میں دم کرنے سے حضورؐ نے منع فرمایا، اس سے وہی دم مراد ہے جو الفاظ شرکیہ پر مشتمل ہو، یا اس دم کو لوگ مؤثر حقیقی سمجھنے کا عقیدہ رکھتے ہوں، و عقد التمائم تعویذات لٹکانے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔

## ﴿تعویذات کا حکم﴾

تعویذ کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز نہیں ہے، لیکن جن تعویذات کو آپؐ نے ناجائز کہا ہے وہ شرکیہ کفریہ کلمات پر مشتمل تعویذات ہیں، جمہور علماء کے نزدیک پاک تعویذ لکھنا اور باندھنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ شرکیہ، مہم شرک اور غیر معلوم المعنی الفاظ پر مشتمل نہ ہوں، جن احادیث میں ممانعت ہے ان میں اسی قسم کے تعویذ مراد ہیں، بعض صحابہؓ سے تعویذ کا ثبوت ملتا ہے، حضرت عمرو بن شعیبؒ کے طریق سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے منقول ہے کہ جو شخص خواب میں ڈرتا ہو، حضورؐ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ کلمات پڑھ لیا کرے۔ بسم الله، اعوذ بکلمات الله التامات من غضبه و سوء عقابه و من شر عباده و شر الشياطين و ان يحضرون روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے بچوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے، لیکن جو بچے سیکھنے کے قابل نہ ہوتے تو یہ کلمات لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے۔ (ابوداود) و عزل الماء بغير محله اس سے یا تو عزل مراد ہے یا وطی بالدبر مراد ہے، اور دونوں چیزوں کی احادیث میں ممانعت وارد ہے، عزل کی قدیم صورت یہی تھی کہ منی عورت کی شرم گاہ کے باہر گرانا تاکہ حمل نہ ٹھہرے، اب اس کے لئے کنڈوم اور مانع حمل گولیاں اور دیگر چیزیں رائج ہیں، عزل کے لئے آزاد عورت سے اجازت لینا ضروری ہے، اگر عزل اس لئے ہے کہ زیادہ بچے ہوں گے تو روزی تنگ ہوگی، یا کسی اور غیر اسلامی نظریہ کی بنا پر ہے تو حرام ہے۔ تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۳۱۸۳ دیکھیں۔ وطی بالدبر بھی منی غیر محل میں گرانا ہے، ایسا شخص ملعون ہے، آپؐ کا ارشاد ہے ملعون من اتى امرأته في دبرها (وہ شخص ملعون ہے جس نے اپنی بیوی سے اس کی پچھلی شرمگاہ میں صحبت کی) تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۳۱۹۳ دیکھیں۔ و فساد الصبی آپؐ نے ایام رضاعت میں جماع سے اشارتاً روکا ہے، کیونکہ دودھ پینے والے بچے کی ماں سے اس کا شوہر صحبت کرے گا اور اس کے نتیجے میں عورت حاملہ ہوگی تو حمل کی بنا پر دودھ فاسد ہوگا، پھر اگر یہ عورت بچے کو حمل کی حالت میں دودھ پلائے گی، تو یہ دودھ بچے کے حق میں مضر ہوگا، اور اگر نہیں پلائے گی تو بچہ بھوکا رہے گا، دونوں ہی صورت میں بچہ کا نقصان ہے، اسی بنا پر اس عمل کو بچہ کو برباد کرنے سے تعبیر کیا ہے، غیر محرمہ ایام رضاعت میں جماع سے اشارتاً روکا تو ہے، لیکن یہ حرام نہیں ہے، مزید کے لئے عالمی حدیث ۳۱۹۶۔

### حدیث ۱۲۵۵ ﴿عورتوں کیلئے گھنگرو پہننے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۲۹۸

﴿وَعَنْ﴾ ابْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ مَوْلَاةً لَهُمْ ذَهَبَتْ بِابْنَةِ الزُّبَيْرِ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَفِي رِجْلِهَا أَجْرَاسٌ فَقَطَعَهَا عُمَرُ وَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَعَ كُلِّ جَرَسٍ شَيْطَانٌ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود، ص ۵۸۱ ج ۲، باب ماجاء فی الجلاجل، کتاب الخاتم، حدیث ۴۲۳۱

**حل لغات:** جرس گھنٹی (ج) اَجْرَاسٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ان کی آزاد کی ہوئی باندی حضرت زبیرؓ کی لڑکی کو حضرت عمرؓ بن خطابؓ کے پاس لے گئی، اس لڑکی کے پیروں میں گھنگرو تھے، حضرت عمرؓ نے ان گھنگروں کو کاٹ دیا اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر گھنٹی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ لڑکیوں کو پیروں اور ہاتھوں میں کوئی ایسا زیور نہیں پہننا چاہئے کہ جس میں گھنگرو یا گھنگرو نما کوئی بجنے والی چیز ہو، کیونکہ گھنٹی شیطان کا باجا ہے، لہٰذا شیطان ہر بجنے والی چیز کی طرف لوگوں کو مائل کرتا ہے اور اس آواز کو زیادہ دل کش بنا کر لوگوں کو ورغلاتا اور بہکاتا ہے اور لہو ولعب میں مبتلا کر کے یاد خدا سے غافل کرتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مع کل جرس شیطان ہر گھنٹی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے، آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا کہ الجرس مزامیر الشیطان (گھنٹی شیطان کا باجا ہے) لہٰذا ہر وہ زیور جو بجنے والا ہو، یعنی اس میں ایسے گھنگرو وغیرہ ہوں جو حرکت ہونے سے بجتے ہوں وہ جرس کے حکم میں ہوگا، وہ عورتوں اور چھوٹی بچیوں کے لئے پہننا جائز نہ ہوگا، اور جو زیور گھنگرو والا نہ ہو، البتہ آپس میں ٹکرانے کی وجہ سے آواز پیدا ہوتی ہو وہ ممانعت میں داخل نہیں ہے۔ (بذل)

## حدیث ۱۲۵۶ ﴿گھنگرو پہننے پر اظہار ناراضگی﴾ عالمی حدیث ۴۳۹۹

وَعَنْ بُنَانَةَ مَوْلَاةِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَيَّانَ الْاَنْصَارِيِّ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ اِذْ دُخِلَتْ عَلَيْهَا بِجَارِيَةٍ وَعَلَيْهَا جَلَاجِلُ يُصَوِّتْنَ فَقَالَتْ لَاتُدْخِلْنَهَا عَلَيَّ اِلَّااَنْ تُقَطِّعْنَ جَلَاجِلَهَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاتَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًافِيْهِ جَرَسٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

**حوالہ:** ابو داود، ص ۵۸۱ ج ۲، باب ماجاء فی الجلاجل، کتاب الخاتم، حدیث ۴۲۳۱

**حل لغات:** جلاجل جُلْجُلٌ کی جمع ہے، گھنگرو، چھوٹی گھنٹی۔

**ترجمہ:** حضرت عبدالرحمٰن بن حیان انصاریؓ کی آزاد کی ہوئی لونڈی بنانہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تھیں کہ ایک لڑکی کو ان کی خدمت میں لایا گیا، وہ گھنگرو پہنے ہوئے تھی جو زور زور سے بج رہے تھے، انہوں نے کہا کہ اس کو میرے پاس اس وقت تک ہرگز نہ لانا جب تک کہ اس کے گھنگرو کو تم کاٹ نہ دینا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں گھنٹی ہو۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ لڑکیوں اور عورتوں کو بجنے والے زیور نہیں پہننا چاہئے، اس کی وجہ سے رحمت کے فرشتے گھر میں نہیں آتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لاتدخل الملائکة گھنٹی چونکہ شیطانی آلہ ہے، لہٰذا فرشتوں کو اس سے طبعی نفرت ہے، ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ لاتصحب الملائکة رفقة فیھا جرس (ملائکہ ان مسافروں کے ساتھ نہیں رہتے جن کے پاس گھنٹی ہوتی ہے)

**سوال:** بہت سے مقاصد میں گھنٹی کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

**جواب:** حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ گھنٹی کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت آواز کی قوت ہے اور دوسری تلذذ کی، جہاں احادیث میں نہیں

وارد ہے وہاں تلذذ مراد ہے اور جائز مقاصد میں استعمال کی بنیاد آواز کی قوت ہے، اس میں حرج نہیں ہے۔ (فتح الباری) مزید تحقیق کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

## حدیث ۱۲۵۷ ﴿مردوں کا مجبوری میں سونا استعمال کرنا﴾ عالمی حدیث ٤٤٠٠

﴿وَعَنْ﴾ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ طَرَفَةَ أَنَّ جَدَّهُ عَرْفَجَةَ ابْنَ أَسْعَدَ قُطِعَ أَنْفُهُ يَوْمَ الْكِلَابِ فَاتَّخَذَ أَنْفًا مِنْ وَرِقٍ فَأَنْتَنَ عَلَيْهِ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَّخِذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۸۱ ج۲، باب ماجاء فی ربط الاسنان، کتاب الخاتم، حدیث ٤٢٣٢، نسائی ص۲٤۲،۲٤۳ ج۲، باب ماأصیب انفه، کتاب الزینة، حدیث ۵۱۳۹، ترمذی ص۳۰٦ ج۱، باب فی شد الاسنان، کتاب اللباس حدیث ۱۷۷۰

**حل لغات:** انتن الشئ سڑنا، بدبودار ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت عبدالرحمٰن بن طرفہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا حضرت عرفجہ بن اسعدؓ کی ناک جنگ کلاب میں کٹ گئی تھی، چنانچہ انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی تھی، اس میں سے بوآنے لگی تو آپؐ نے انہیں سونے کی ناک بنوانے کا حکم دیا۔ (ابوداود، نسائی، ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مجبوری کے عالم میں مرد سونے کا استعمال کر سکتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یوم الکلاب ایک مشہور جنگ ہے، اس میں حضرت عرفجہ شریک ہوئے تھے، دشمنوں نے ان کی ناک کاٹ دی تھی، انفامن ذھب مجبوری کی وجہ سے آپؐ نے انہیں سونے کی ناک بنوانے کا حکم دیا، کیوں کہ سونے کی ناک کے سڑنے کا اندیشہ نہیں تھا، یہیں سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت دانتوں کو سونے کے تار سے باندھنا درست ہے، اس لئے کہ جب مستقل عضو سونے کا بنانا جائز ہے تو یہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا، اسی طرح اگر دانت سونے کا لگوایا جائے تو بھی جائز ہوگا۔ (بذل المجہود)

## حدیث ۱۲۵۸ ﴿سونے کے زیورات پہننے پر وعید﴾ عالمی حدیث ٤٤٠١

﴿وَعَنْ﴾ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُحَلِّقَ حَبِيْبَهُ حَلْقَةً مِنْ نَارٍ فَلْيُحَلِّقْهُ حَلْقَةً مِنْ ذَهَبٍ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُطَوِّقَ حَبِيْبَهُ طَوْقًا مِنْ نَارٍ فَلْيُطَوِّقْهُ طَوْقًا مِنْ ذَهَبٍ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُسَوِّرَ حَبِيْبَهُ سِوَارًا مِنْ نَارٍ فَلْيُسَوِّرْهُ سِوَارًا مِنْ ذَهَبٍ وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِالْفِضَّةِ فَالْعَبُوْا بِهَا رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود ص ۵۸۱ ج۲، باب ماجاء فی الذھب للنسائی، کتاب الخاتم، حدیث ٤٧٣٧

**حل لغات:** یطوق (تفعیل) گلے میں طوق یا مالا ڈالنا، الطوق ہار، مالا، پٹا طوق (ج) أطْوَاق، یسور سَوَّرَ المرأة (تفعیل) عورت کو کنگن پہنانا، سوار کنگن (ج) أسْوِرَةٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو پسند کرے کہ اس کے محبوب کو آگ کا کڑا پہنایا جائے، تو وہ اپنے محبوب کو سونے کا کڑا پہنائے، اور جو چاہے کہ اس کے محبوب کو آگ کا طوق پہنایا جائے، تو اس کو چاہئے کہ وہ اسے سونے کا طوق پہنائے اور جو چاہے کہ اس کے محبوب کو آگ کے کنگن پہنائے جائیں، تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے محبوب کو سونے کے کنگن پہنائے، تمہارے لئے چاندی لازمی ہے۔ تم اس سے کھیلو۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کو بہت زیادہ زیورات خصوصاً سونے کے زیورات کے استعمال سے بچنا چاہئے، کیوں کہ عورتوں کے لئے سونے کے زیورات فی نفسہ جائز ہیں، لیکن اگر ان کے ذریعہ فخر وریا کا اظہار ہوگا تو وہ ان کے لئے وبال بن جائیں گے اور عام طور پر سونے کے زیورات میں فخر وریا داخل ہو ہی جاتا ہے، لہٰذا آپؐ نے اس کے انجام بد سے ڈرایا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فليحلقه حلقة من ذهب سونے کا حلقہ پہننے پر آگ کا حلقہ پہنایا جائے گا، یہ جب ہے جب کہ زیور پہنایا جائے اور اس کی زکوٰۃ نہ دی جائے یا پھر یہ حکم شروع میں تھا بعد میں عورتوں کو زیور کے استعمال کی اجازت مل گئی، یا پھر یہ وعید ان عورتوں کے حق میں ہے جو زیورات پہن کر اجنبی مردوں کو مائل کریں، یا پھر یہ وعید ان کے حق میں ہے جو اسراف سے کام لیں۔

**سوال:** حدیث میں چاندی کے زیور کی ترغیب ہے جب کہ مذکورہ وجوہات سے تو چاندی کے زیور کا استعمال کرنا بھی ممنوع ہوگا۔

**جواب:** چونکہ جس مقدار میں سونا پہنا جائے اگر اسی مقدار میں چاندی پہنی جائے تو دونوں کی قیمتوں میں فرق ہوگا، سونے کے زیور زکاۃ کے نصاب کو پہنچ جائیں گے جب کہ چاندی کے نصاب کو نہ پہنچیں گے، اسی طرح سونے کے مقابلے میں چاندی بہت کم قیمت ہونے کی بنا پر عموماً فخر وغرور کا ذریعہ بھی نہیں بنتی ہے، اسی بنا پر سونے پر خصوصیت سے تنبیہ ہے۔ (مرقات ص۲۸۰ ج۸) **ولكن عليكم بالفضة فالعبوا بها** تو چاندی سے کھیلو یعنی چاندی کے زیورات بنوا کر اپنی عورتوں کو پہناؤ، اس کی انگوٹھی بنوا کر خود پہنو، اور اگر اپنے ہتھیار جیسے تلوار وغیرہ کی زینت وآرائش چاہو تو اس مقصد کے لئے بھی چاندی استعمال کر سکتے ہو، لیکن حدیث کے ان الفاظ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا کی زیب وزینت اور دنیا کے زیورات لہو ولعب میں داخل ہیں، اگر چہ حقیقت کے اعتبار سے مباح ہیں یا اس طرف اشارہ ہے کہ زیوردار عورت کے ساتھ تفریح ودلچسپی لینا گویا اس کے زیور کے ساتھ کھیلنا ہے، ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ کسی چیز کے ساتھ کھیلنا اس میں خواہش ومرضی کے مطابق تصرف کرنے کے مترادف ہے، لہٰذا ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی عورتوں کے لئے زیور کے اقسام میں سے جس قسم کا زیور چاہو اس میں چاندی استعمال کرو، لیکن مردوں کو صرف انگوٹھی تلوار اور جنگ کے دوسرے ہتھیاروں کی زینت وآرائش کے لئے چاندی کا استعمال کرنا جائز ہے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۲۵۹ ﴿فخر وغرور کی بنا پر زیور پہننے پر وعید﴾ عالمی حدیث ٤٤٠٢

﴿وَعَنْ﴾ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا اِمْرَأَةٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَةً مِنْ ذَهَبٍ قُلِّدَتْ فِيْ عُنُقِهَا مِثْلُهَا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ جَعَلَتْ فِيْ أُذُنِهَا خُرْصًا مِنْ ذَهَبٍ جَعَلَ اللهُ فِيْ أُذُنِهَا مِثْلَهُ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** ابو داود، ص۵۸۲ ج۲، باب ماجاء في الذهب للنساء، كتاب الخاتم، حديث ٤٢٣٨، نسائی، ص ٢٤١ ج٢، باب الكراهية للنساء في اظهار الحلي، كتاب الزينة، حديث ٥١٣٩

**حل لغات:** قلدت قَلَّدَ (تفعيل) القلادة گلے میں ہار ڈالنا، ہار پہنانا، قِلَادَةٌ جمع قَلَائِدُ ہار، خُرصًا سونے یا چاندی کا کڑا یا انگوٹھی، ایک دانے والی کان کی بالی (ج) اَخْرَاصٌ۔

**ترجمہ:** حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت سونے کا ہار پہنے گی، قیامت کے دن اس کی گردن میں اسی طرح کا آگ کا ہار پہنایا جائے گا اور جو عورت اپنے کانوں میں سونے کی بالیاں پہنے گی تو قیامت

کے دن اس کے کانوں میں ایسے ہی آگ کی بالیاں پہنائی جائیں گی۔ (ابوداود، نسائی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ فی نفسہ عورتوں کے لئے سونے کے زیورات استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر اس میں کوئی غرض فاسد شامل ہے، مثلاً شہرت، فخر وغرور، اسراف وغیرہ تو یہ زیور اس کے لئے قیامت کے دن آگ کا انگارہ ثابت ہوں گے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ایما امراۃ تقلدت عورتوں کے لئے سونا پہننے کی ممانعت سے متعلق کچھ تفصیل گذشتہ حدیث میں گزری ہے، دیکھ لی جائے، عورتوں کے لئے سونے کے ہار کو آگ کا ہار کہنے سے مراد بڑے زیورات پہننے سے روکنا بھی ہے، یعنی سونے کے وہ بہت زیادہ وزنی زیورات جن کو امیر گھرانے کی عورتیں پہنتی ہیں، اس میں کوئی زینت نہیں ہوتی ہے صرف اپنی بڑائی کا اظہار پیش نظر ہوتا ہے۔

## حدیث ۱۲۶۰ ﴿سونے کے زیور کی نمائش پر عذاب﴾ عالمی حدیث ۴۴۰۳

﴿وَعَنْ﴾ أُخْتٍ لِحُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ أَمَالَكُنَّ فِي الْفِضَّةِ مَاتُحَلَّيْنَ بِهِ أَمَا إِنَّهُ لَيْسَ مِنْكُنَّ إِمْرَأَةٌ تَحَلِّيْ ذَهَبًا تُظْهِرُهُ إِلَّاعُذِّبَتْ بِهِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۸۱ ج ۲، باب ماجاء فی الذھب للنساء، کتاب الخاتم، حدیث ۴۲۳۷ نسائی، ص ۲۴۱ ج ۲، باب الکراھیة للنسائی فی اظہار الحلی کتاب الزینة، حدیث ۵۱۳۸

**ترجمہ:** حضرت حذیفہؓ کی بہن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورتوں کی جماعت تم چاندی کے زیورات کیوں نہیں پہنتی ہو؟ یاد رکھو تم میں سے جو عورت دکھانے کے لئے سونے کے زیور پہنے گی تو اس کو اسی زیور کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ (ابوداود، نسائی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زیورات پہننے کا مقصد اظہار فخر وغرور نہ ہو اور اجنبی مردوں کو دکھانا مقصود نہ ہو، چوں کہ سونے کا زیور پہننے سے یہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، لہٰذا آپؐ نے اس سے منع کیا ہے اور چاندی میں عموماً یہ خرابیاں نہیں ہیں، کیوں کہ وہ کم قیمت کی ہے، لہٰذا اس کے پہننے کی ترغیب ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** تحلی ذھبا پہلے سونا پہننے کی ممانعت عورتوں کے لئے بھی تھی، پھر ممانعت ختم ہوگئی، لہٰذا حدیث میں جو ممانعت ہے وہ منسوخ ہے، یا پھر عورت کے لئے سونے کے زیورات فی نفسہ جائز ہیں، لیکن اگر اجنبی مردوں کو دکھانے کے لئے پہنا ہے تو حرام ہے، اسی بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے تظھرہ لائے ہیں۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۴۰۱ دیکھیں۔

# الفصل الثالث

## حدیث ۱۲۶۱ ﴿آخرت میں ریشم اور زیور ملنے کی شرط﴾ عالمی حدیث ۴۴۰۴

﴿وَعَنْ﴾ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْنَعُ أَهْلَ الْحِلْيَةِ وَالْحَرِيْرِ وَيَقُوْلُ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ حِلْيَةَ الْجَنَّةِ وَحَرِيْرَهَا فَلَا تَلْبَسُوْهَا فِي الدُّنْيَا رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** نسائی، ص ۲۴۰ ج ۲، باب الکراھیة للنساء فی اظہار الحلی و اللھب، کتاب الزینة، حدیث ۵۱۳۶

**ترجمہ:** حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ریشم اور زیور والوں کو منع فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر تم جنت کے زیور اور جنت کے ریشم کو چاہتے ہو تو دنیا میں انہیں مت پہنو۔ (نسائی)

**خلاصۂ حدیث** جنت میں مردوں کو ریشم کے کپڑے اور سونے کے زیورات پہنائے جائیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کسی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہوگا اور اس کے پہننے سے ان کے جمال میں اضافہ ہوگا، لیکن جن لوگوں نے حرمت کے باوجود دنیا میں اس کو پہنا ہوگا وہ آخرت میں محروم کردیئے جائیں گے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فلا تلبسوھا فی الدنیا مردوں کے لئے دنیا میں ریشم اور سونا حرام ہے۔ جو اس کو پہنے گا وہ آخرت میں ریشم اور سونے سے محروم ہوگا اور ایک حدیث میں تو یہاں تک ہے کہ وہ آخرت کی تمام نعمتوں سے محروم ہوگا۔ تفصیل کیلئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۲۰۔

## حدیث ۱۲۶۲ ﴿ آپ کا اپنی انگوٹھی اتار پھینکنے کا ذکر ﴾ عالمی حدیث ٤٤٠٥

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ خَاتَمًا فَلَبِسَهُ قَالَ شَغَلَنِيْ هٰذَا عَنْكُمْ مُنْذُ الْيَوْمِ إِلَيْهِ نَظْرَةٌ وَإِلَيْكُمْ نَظْرَةٌ ثُمَّ أَلْقَاهُ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** نسائی، ص ۲۵۱ ج ۲، باب طرح الخاتم، و ترك لبسه، كتاب الزينة، حديث ۵۲۹۳

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوا کر پہنی اور پھر آپؐ نے فرمایا کہ آج اس نے مجھ کو تم سے غافل کردیا، ایک نظر ادھر رہی اور ایک نظر تمہاری طرف رہی، پھر اس کو پھینک دیا۔ (نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں جس انگوٹھی کے پہننے کا ذکر ہے وہ سونے کی انگوٹھی تھی، جب سونے کی حرمت نہیں تھی، تب آپؐ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی بعد میں اس کو اتار کر پھینک دیا تھا، پھر مہر کی ضرورت پڑی تو آپؐ نے چاندی کی انگوٹھی بنوا کر پہنی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ثم القاہ آپؐ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی، صحابہؓ نے بھی آپ کی اتباع میں بنوائی، پھر آپؐ نے اتار پھینکی، تو صحابہؓ نے بھی اتار پھینکی، پھر آپ نے جمال و زینت کی غرض سے نہیں بلکہ ضرورت کی بناپر چاندی کی انگوٹھی بنوا کر پہنی، مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۳۸۳ دیکھیں۔

## حدیث ۱۲۶۳ ﴿ بچوں کو سونا پہنانے کی ممانعت ﴾ عالمی حدیث ٤٤٠٦

﴿وَعَنْ﴾ مَالِكٍ قَالَ أَنَا أَكْرَهُ أَنْ يُلْبَسَ الْغِلْمَانُ شَيْئًا مِنَ الذَّهَبِ لِأَنَّهُ بَلَغَنِيْ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ فَأَنَا أَكْرَهُ لِلرِّجَالِ الْكَبِيْرِ مِنْهُمْ وَالصَّغِيْرِ رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأِ.

**حوالہ:** موطا ص ۳٦٦ باب ماجاء فی لبس الثياب المصبغة، كتاب اللباس، حديث ٤

**ترجمہ:** حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ بچے کسی قدر بھی سونا پہنیں، اس لئے کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا میں مردوں میں سے چھوٹے بڑے سب کے لئے ناپسند کرتا ہوں۔ (موطا امام مالک)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح بالغ مردوں کے لئے سونا پہننا حرام ہے، اسی طرح نابالغ بچوں کے لئے بھی حرام ہے، اگر بچے سونا پہنیں گے تو ان کے سرپرست گنہگار ہوں گے، سونے کی طرح ریشم اور چاندی

بھی ممنوع ہے، البتہ چاندی کی انگوٹھی جس طرح بالغ مردوں کے لئے جائز ہے، نابالغ بچوں کے لئے جائز ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نھی عن التختم بالذھب آپؐ نے مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے سختی سے منع کیا ہے، اور اس کو آگ کی چنگاری فرمایا ہے۔ دیکھیں عالمی حدیث ۴۳۸۴ مردوں کے حکم میں بچے بھی ہیں، لیکن بچے چوں کہ غیر مکلف ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا گناہ پہنانے والے پر ہوگا۔

# باب النعال

## ﴿جوتوں کا بیان﴾

''نعال''، نعل کی جمع ہے، جوتا چپل وغیرہ، جن سے پاؤں کو زمین اور تکلیف دہ چیزوں سے بچایا جاتا ہے، یہ انبیاء کرام اور صلحاء کے پاؤں کا لباس ہے، اس باب میں آپ ﷺ کے نعل مبارک کی ہیئت اور صفات بیان کرنا مقصد ہے اور وہ چوں کہ مختلف اقسام کے ہوتے تھے، اس وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ اس باب میں صاحب کتاب نے گیارہ احادیث ذکر کی ہیں، جن میں آپ ﷺ کے پاپوش مبارک کا ذکر، جوتے کی اہمیت، کھڑے ہوکر جوتا پہننے کی ممانعت، آپ ﷺ کے جوتے کے تسمہ کا ذکر، آپ ﷺ کو نجاشی کی طرف سے پائے تابوں کا ہدیہ وغیرہ سے متعلق مضامین منقول ہیں۔

## ﴿آپ ﷺ کے نعل مبارک کا بیان﴾

آپ ﷺ کا نعل مبارک دو تسمہ والا تھا ''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے نعل مبارک میں دو تسمے تھے (بخاری ص ۸۷۱)

حضرت قتادہؓ نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کا نعل مبارک کیسا تھا؟ فرمایا ہر ایک نعل میں دو تسمے تھے۔ (شمائل ص ۴)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے نعل میں دو دو تسمے تھے، اور بیچ کا تسمہ دہرا تھا۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۸)

**فائدہ:** آپ ﷺ کا نعل مبارک چپل نما تھا، چوں کہ انگوٹھے پر جو تسمہ ہوتا ہے (جیسا کہ ہوائی چپل میں ہوتا ہے) ہند کے متعارف چپل کے مانند نہ تھا، چمڑے کے چپٹے تلے پر دو تسمے لگے ہوئے تھے، عموماً چپل میں ایک ہی تسمہ رائج پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے، جو پیر کے انگوٹھے سے چل کر وسط پیر میں دونوں جانب ختم ہوجاتا ہے، جیسے ہوائی چپل میں، مگر آپ ﷺ کے چپل میں دو تسمے تھے، ایک تسمہ انگوٹھے سے تھا دوسرا بیچ کی انگلی سے تھا، علامہ قسطلانیؒ نے شرح مواہب میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے نعل میں دو تسمے تھے، ایک انگوٹھا اور اس کی بغل والی انگلی سے دوسرا اس کے بغل والی کے درمیان سے۔

ملا علی قاریؒ نے شرح شمائل میں ابن جوزیؒ کے حوالہ سے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے نعل مبارک میں دو فیتے تھے، ایک ابہام انگوٹھا اور اس کی بغل والی انگلی سے تھا، دوسرا فیتہ بیچ والی انگلی اور اس کے بعد والی انگلی سے تھا اور یہ دونوں فیتے وسط پیر کی ایک پٹی میں مل جاتے تھے۔ (جمع الوسائل ص ۱۲۹)

اسی طرح علامہ مناویؒ نے بھی شرح شمائل میں ذکر کیا ہے، مفتی الٰہی بخشؒ کے رسالہ اکمال الشیم مترجم میں بھی اسی توضیح کے ساتھ ہے، اور آپ ﷺ کے نعلین شریفین میں انگلیوں میں پہننے کے دو تسمے تھے، ایک انگوٹھے اور سبابہ کے درمیان ایک وسطی اور پاس والی انگلی کے درمیان، (نشر الطیب ص ۱۸۱)

وہ تسمے ڈال لیتے انگلیوں میں اپنی پیغمبر
انگوٹھے کے پاس بھی ایک بیچ کی انگلی کے بھی اندر

ایک تسمہ کی ابتداء حضرت عثمانؓ سے ہوئی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ کے نعل میں دو تسمے تھے، اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ کے اور عمر فاروقؓ کے چپل میں دو تسمے تھے، سب سے پہلے جس نے ایک تسمہ کی ابتداء کی وہ حضرت عثمانؓ تھے۔

فائدہ: حضرت عثمان غنیؓ کا ایک تسمہ رائج ہو گیا، آج کل بھی اسی طرح کا چپل رائج ہے، دونوں درست ہیں، شرح مواہب میں ہے کہ یہ عادت کی بات ہے، ایک تسمہ میں کوئی کراہت نہیں۔ سہولت اور آسانی کی وجہ سے رائج ہے۔

## ﴿پشت پر کا تسمہ دہرا تھا﴾

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے نعل میں دو تسمے تھے اور بیچ پر کا تسمہ دہرا تھا۔ (ابن ماجہ ص ۲۵۸)

عبداللہ بن الحارثؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے نعل مبارک کے تسمے دو تھے اور بیچ کا تسمہ دہرا تھا۔ (سیرۃ ص ۵۰۲)

**فائدہ:** آپ ﷺ کے تسمے دو ہوتے تھے مگر پشت پر جو ایک پٹی ہوتی ہے، جس سے چپل پیر میں ٹکا رہتا ہے وہ بھی دہری تھی، اس پشت پر کے تسمے کے دوہرے ہونے کی وجہ غالباً اس کا مضبوط ہونا ہوگا۔

انگلی سے آنے والے دونوں تسمے اس میں جڑ گئے تھے، جیسا کہ عموماً چپل میں ہوتا ہے کہ انگلی سے نکلا ہوا فیتہ وسط کی پٹی سے مل جاتا ہے، شرح شمائل میں ملا علی قاریؒ نے ابن جوزیؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں پٹیاں وسط کی پٹی سے مل گئی تھیں۔ (ص ۱۲۹)

تلہ دوہرا تھا اور دوہرے تھے تسمے دوجگہ اس میں
لگی تھیں پشتِ پا پر بیچ میں دو پٹیاں جس میں

## ﴿نعل مبارک کا تلہ دوہرا تھا﴾

حضرت عمر بن حریثؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کو ایسے جوتے میں نماز پڑھتے دیکھا جس میں دو چمڑے سلے ہوئے تھے۔ (نسائی ص ۷)

یزید بن شخیرؒ نے ایک صحابی سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کا چپل سلے چمڑے کا تھا۔ (مسند احمد، سیرۃ ص ۵۰۴)

فائدہ: چپل کا تلہ ذرا موٹا ہوتا ہے، تاکہ تلے کی مضبوطی بھی رہے اور پیر کی بھی حفاظت رہے، چنانچہ آپ ﷺ کے تلے کا چمڑا بھی سل کر دوہرا کر لیا گیا تھا، آج کل چپل میں بجائے سینے کے چپکا دیا جاتا ہے، بہر حال تلے کا مضبوط اور موٹا ہونا بہتر ہے۔

حارث ابن امامہؒ نے بواسطہ حمید ایک صحابی سے نقل کیا ہے کہ میں نے آپ ﷺ کے نعل کو دیکھا ہے جو گائے کے چمڑے سے بنے تھے۔ (سیرۃ الشامی ص ۵۰۳)

علامہ زرقانیؒ نے بھی ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کا نعل مبارک گائے کے چمڑے کا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چمڑے کا چپل سنت ہے

## ﴿چپل مبارک ایڑی نما﴾

حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ حضرت محمد ابن علیؒ نے نبی پاک ﷺ کے نعل مبارک کو دکھلایا جو ایڑی نما تھے، جو حضرمی نعل کی طرح تھے۔ اس میں دو تسمہ تھے۔ (سیرۃ ص ۵۰۲)

اسماعیل ابن علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی پاک ﷺ کے نعل مبارک ایڑی نما بے بالوں والے تھے، جس میں دو تسمے لگے تھے۔

ابن یزیدؒ نے تیمی سے نقل کیا ہے جس نے حضور پاک ﷺ کے نعل مبارک کو دیکھا اس نے کہا کہ آپ ﷺ کے نعل میں دو تسمے اور ایڑی والا نعل تھا۔ (سیرۃ ص ۱۱)

اسی طرح حضرت ابو جعفرؒ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کا نعل ذرا (بیچ سے) باریک ایڑی دار تھا۔ (ابن شیبہ ج ۸ ص ۲۳۱)

**فائدہ** روایتوں میں معقبہ کا لفظ ہے۔ جو عقب ایڑی سے ماخوذ ہے۔ جس کا ترجمہ ایڑی نما یا ایڑی والا کیا گیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایڑی کی جانب کچھ نکلا ہوا تھا تاکہ پیر کا کچھ حصہ باہر نہ رہے۔ جیسا نقشہ سے ایڑی کے حصہ کا نمایاں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (سیرۃ الشامی ص ۵۰۶)

اس کا ایک دوسرا مفہوم علامہ زرقانیؒ نے لکھا ہے جو اس سے واضح ہے وہ یہ ہے کہ ایڑی کی جانب چمڑے کا تسمہ یا پٹی تھی، جس سے آپ ﷺ پیر کو باندھ لیتے تھے۔ جیسا کہ سنڈل نما بعض چپلوں میں پیچھے کے جانب باندھنے کا ہوتا ہے۔

اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ ناپسندیدہ سمجھتے تھے کہ پیر کا حصہ کچھ باہر ہو جائے اس لئے آپ پیچھے ایک فیتہ رکھواتے تھے، تاکہ اس سے پیر کو باندھ لیا جائے۔ (سیرۃ خیر العباد ص ۵۰۴)

علامہ مناویؒ نے بھی شرح شمائل میں لکھا ہے کہ معقبہ کا یہ مطلب ہے کہ ایڑی کی جانب چمڑے کا فیتہ تھا، جسے آپ ﷺ باندھ لیتے تھے، جیسا کہ اکثر چپلوں میں ہوتا ہے۔ (برحاشیہ جمع الوسائل ج ۱ ص ۱۳۰) اسی طرح یزید تیمی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

## ﴿جوتے چپل کے متعلق چند آداب﴾

(۱) جوتے چپل کا استعمال کرنا۔ (۲) اولاً دائیں پیر میں پہننا۔ (۳) چمڑے کا چپل مسنون ہے۔ (۴) ایک جوتا یا چپل پہن کر نہ چلنا۔ (۵) کبھی کبھی ننگے پیر بھی چل لینا۔ (۶) جوتا یا چپل بائیں ہاتھ سے اٹھانا۔ (۷) چپل یا جوتا پہن کر بیٹھنا یا کھانا ممنوع ہے۔ (۸) کبھی تسمہ دار چپل بہتر ہے۔ (۹) کبھی خود سے گانٹھ لینا سنت ہے۔ (۱۰) مجلس اور مسجد میں چپل جوتا اپنے ساتھ رکھنا۔ (۱۱) مسجد میں قبلہ کی جانب نہ رکھنا۔ (۱۲) مسجد میں رکھنے سے قبل گندگی کا جھاڑ لینا۔ (۱۳) ایسے طور پر رکھنا کہ چپل جوتے میں لگی مٹی وغیرہ جھڑے مکروہ ہے، پلاسٹک کی تھیلی میں رکھ کر رکھے تاکہ مسجد آلودہ نہ ہو، یا دہاں بکس ہو جس سے مسجد آلودہ نہ ہو تو یہ بھی درست ہے۔ (۱۴) نکالتے وقت بایاں نکالنا۔ (۱۵) مسجد سے نکلتے وقت ایسی ترتیب اختیار کرنا کہ مسجد سے بایاں پیر نکال کر اپنے چپل پر رکھے پھر دایاں پیر چپل میں ڈالے۔ (شمائل کبریٰ)

## الفصل الاول

### حدیث ۱۲٦٤ ﴿آپ کے مبارک جوتے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ٤٤٠٧

﴿عَنْ﴾ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِيْ لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری ص ۸۷۰ ج ۲، باب النعال السبتية، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۵۱

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے مبارک جوتے پہنے دیکھا جس میں بال نہیں تھے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے جوتے پر بال نہیں تھے، چوں کہ چمڑے سے جوتے بنتے تھے اور چمڑے سے بسا اوقات بال صاف کر کے جوتے بنائے جاتے اور بسا اوقات بغیر بال صاف کئے جوتے بنائے جاتے تھے، دونوں طرح کا رواج تھا، زیادہ بہتر وہ جوتے شمار ہوتے تھے جن میں بال صاف کر دئے جاتے تھے، آپ ﷺ کے جن مبارک جوتوں کا ذکر ہے ان میں بال صاف تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لیس فیھا شعر جن جوتوں میں بال نہ ہوتے وہ عام طور پر مالدار لوگ پہنتے تھے، لہٰذا بعض لوگ اس کی کراہت کے قائل ہیں، لیکن جمہور کے نزدیک ایسے جوتے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے، امام احمدؒ کہتے ہیں کہ قبرستان میں اس طرح کے جوتے پہن کر جانا منع ہے، آپ کا فرمان ہے رای رجلاً یمشی فی نعلین بین القبور فقال یاصاحب السبتیتین القیا (آپؐ نے ایک آدمی کو قبروں کے درمیان جوتوں سمیت چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، اے سبتی جوتوں والے! جوتے اتاردو) سبتی جوتوں سے بے بال کے جوتے مراد ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ قبرستان میں جوتے پہننے کی ممانعت اہل قبور کے اکرام کی وجہ سے ہو، اور یہاں جو سبتیتین کی قید ہے وہ اتفاقی ہو، احترازی نہ ہو، مراد ہر قسم کے جوتے ہوں۔ (فتح الباری ص ۳۸۰ ج ۱۰)

## حدیث ۱۲۶۵ ☆☆☆ عالمی حدیث ٤٤٠٨

## ﴿آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کے تسمے کا ذکر﴾

﴿وَعَنْ﴾ أَنَسٍ قَالَ إِنَّ نَعْلَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ لَهَا قِبَالَانِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

**حوالہ:** بخاری ۸۷۱ ج ۲، باب قبالان فی نعل ومن رای قبالاواحدا واسعا کتاب اللباس، حدیث

**حل لغات:** قبالان تثنیہ واحد قِبَالٌ چپل کا تسمہ۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کے دو تسمے تھے۔ بخاری۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ ایسے جوتے پہنتے تھے جن میں عموماً دو تسمے ہوتے تھے، جس طرح آج کل چپلوں میں دو پٹے ہوتے ہیں، ان تسموں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگلیوں کے درمیان کرلیا کرتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کان لھا قبالان آپ ﷺ کے جوتے میں دو تسمے تھے۔ قبال۔ جوتے کے اس تسمے کو کہتے ہیں جو اوپر سے جاکر پاؤں کے انگوٹھے اور اس سے متصل انگلی کے درمیان نیچے جوتے میں جڑا ہوتا ہے، آپ ﷺ کے جوتوں میں دو تسمے تھے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے بعض لوگ ایک تسمے کو بھی جائز سمجھتے ہیں، اگرچہ حدیث باب میں دو تسمے کا ذکر ہے، ایک کا نہیں ہے، تاہم ایک کا ذکر ایک اور مشہور قاعدہ سے مفہوم ہورہا ہے اور وہ قاعدہ ہے مقابلۃ الشئی بالشئی یفید التوزیع ایک چیز کو دوسرے کے مقابلہ میں ذکر کیا جائے تو توزیع اور تقسیم کا فائدہ دیتی ہے، لہٰذا دو تسموں کو نعل کے مقابلہ میں ذکر کیا تو ہر جوتے کے حصہ میں ایک تسمہ آجاتا ہے اس طرح ایک قبال کا ذکر ضمناً اس حدیث سے مفہوم ہورہا ہے۔ (کشف الباری)

## حدیث ۱۲٦٦ ﴿جوتے پہننے کا فائدہ﴾ عالمی حدیث ٤٤٠٩

﴿وَعَنْ﴾ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا يَقُوْلُ اِسْتَكْثِرُوْا مِنَ النِّعَالِ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَايَزَالُ رَاكِبًا مَاانْتَعَلَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ** ـ مسلم ص ۱۹۷ ج ۲، باب استحباب لبس النعل، کتاب اللباس حدیث ص ۲۰۹٦.

**ترجمہ** ـ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک غزوہ کے موقع پر جس میں جنگ ہوئی، آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جوتے زیادہ ساتھ میں رکھ لو، اس لئے کہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے سوار کے مانند رہتا ہے۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص جوتا پہنے ہوئے ہوتا ہے وہ یقیناً ننگے پیر چلنے والوں کے بنسبت زیادہ تیز چلتا ہے اور اس کے پیر بھی تکلیف اور نقصان سے محفوظ رہتے ہیں، اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے جوتے

پہنے والے کو سوار کی مانند قرار دیا ہے، اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ سفر کے دوران جن چیزوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے ان کو ساتھ رکھنا چاہیے۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** استکثروا من النعال مطلب یہ ہے کہ دوران سفر ایک سے زائد جوتے رکھا کرو، تاکہ ایک ٹوٹ جائے تو دوسرا پہننے کے لئے موجود رہے، فان الرجل لایزال راکبا جس طرح سواری پر سوار ہو کر سفر کرنے میں بہت سی سہولیات ہیں، مثلاً تکان کم ہوتی ہے پیروں میں کانٹے نہیں چبھتے ہیں، راستے کی بہت سی سختیوں اور تکلیفوں سے حفاظت رہتی ہے، اسی طرح جوتا پہننے سے بھی دوران سفر بہت ہی دشواریوں سے حفاظت رہتی ہے، لہٰذا جوتا پہن کر سفر کرنے والا سواری پر سوار ہو کر سفر کرنے والے کے کافی حد تک مماثل ہے، دوران سفر جن چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے، ان کو لینا چاہیے اور امیر کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو اس طرح کی چیزیں ساتھ لینے کی تاکید کردے۔ (تلخیص تکملہ فتح الملہم ص ۱۴۱ ج ۴)

## حدیث ۱۲۶۷ ﴿پہلے دائیں پیر میں جوتا پہننے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ٤٤١٠

﴿وَعَنْ﴾ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُمْنٰى وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْيُمْنٰى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری ص ۸۷۰ ج ۲، باب ینزع نعله الیسری، کتاب اللباس حدیث ۵۸۵۶، مسلم ص ۱۹۷ ج ۲، باب استحباب لبس النعل فی الیمنی، کتاب اللباس، حدیث ۲۰۹۷

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں جانب سے شروع کرے اور جب اتارے تو بائیں جانب سے شروع کرے، تاکہ پہنتے وقت دایاں پیر مقدم رہے اور اتارتے وقت دایاں پیر موخر رہے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** جوتا پہننے اور اتارنے میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ جوتا پہنتے وقت پہلے دائیں پیر میں پہنا جائے، پھر بائیں پیر میں پہنا جائے اور اتارتے وقت اس کے برعکس کیا جائے یعنی بایاں پیر جوتے سے پہلے نکالا جائے پھر دایاں پیر نکالا جائے دائیں کو پہننے میں اور بائیں کو اتارنے میں مقدم رکھا جائے، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی تھا اور اسی کی آپ نے تاکید بھی فرمائی ہے، لہٰذا اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا انتعل احدکم فلیبدأ بالیمنی جوتا پہنتے وقت دایاں پاؤں مقدم ہو اور اتارتے وقت دایاں پاؤں موخر ہو، تاکہ دایاں پیر بائیں پیر کی بنسبت جوتے میں زیادہ دیر تک رہے، یہ گویا دائیں پیر کے احترام اور اعزاز کا طریقہ ہے، ہر جگہ دائیں کی تکریم ہی مقصود ہے کیوں کہ ضابطہ ہے کہ جو کام فضیلت والا ہو اس میں دائیں سے ابتدا کرنا مستحب ہے اور جو عمل ایسا نہ ہو اس میں بائیں سے ابتدا ہونی چاہیے ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ جو شخص جوتا پہلے بائیں پیر میں پہنے گا وہ سنت کی مخالفت کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۱۴۱ ج ۴)

## حدیث ۱۲۶۸ ﴿ایک پیر میں جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ٤٤١١

﴿وَعَنْهُ﴾ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَمْشِيْ أَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا أَوْ لِيُنْعِلْهُمَا جَمِيْعًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری ص ۸۷۰ ج ۲، باب لا یمشی فی نعل واحدة، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۵۵ مسلم ص ۱۹۸ ج ۲، باب استحباب لبس النعل فی الیمنی، کتاب اللباس حدیث ۲۰۹۷

**حل لغات:** لیحف امر غائب ہے، حَفِیَ (س) حَفًا برہنہ پاؤں ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ایک جوتا پہن کر نہ چلے، چاہیئے کہ دونوں کو اتار دے یا دونوں جوتے پہن لے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک پیر میں جوتا ہو اور دوسرے میں نہ ہو اور کوئی اسی طرح چلے تو یہ ناپسندیدہ عمل ہے، کیوں کہ یہ سلیقے سے بہت دور ہے اس میں بے ڈھنگا پن ہے، اس طور کو اختیار کرنے سے لوگ بلا وجہ اس کی طرف متوجہ ہوں گے لہٰذا یہ عمل ممنوع ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لایمشی احدکم فی نعل واحدۃ ایک جوتا پہن کر چلنا ممنوع ہے، جوتا چپل دونوں پیروں میں پہن کر چلا جائے یا پھر دونوں کو اتار کر ننگے پیر چلا جائے، ایک میں پہننا اور ایک میں نہیں پہننا اور پھر اسی حالت میں چلنا پھرنا وقار کے خلاف ہے اور چلنے میں بھی مشقت ہے کیوں کہ دونوں قدموں میں اونچ نیچ ہونے کی وجہ سے چلنے میں مشقت ہوتی ہے، بعض نے کہا ہے کہ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ شیطان کی چال ہے، بعض نے کہا کہ اعتدال سے خارج ہونا ممانعت کا سبب ہے، بعض کہتے ہیں کہ شہرت کی وجہ سے ممانعت ہے، کیوں کہ اس طرز پر چلنے والے کو لوگ نگاہ اٹھا کر دیکھیں گے اور حدیث میں لباس شہرت کی ممانعت ہے۔ (فتح الملہم ص۱۴۲ ج۴)

**تعارض۔** ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ربما مشیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی نعل واحدۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ایک چپل پہن کر چلتے تھے، اس حدیث اور حدیث باب میں بظاہر تعارض ہے۔

**تطبیق** (۱) عمومی احوال میں ممانعت ہے اور خصوصی احوال میں اجازت ہے مثلاً چلتے ہوئے چپل کا تسمہ ٹوٹ گیا تو اس کو اتار کر یا ہاتھ میں لے کر ایک چپل پہنے ہوئے چلا جا سکتا ہے (۲) ایک چپل قریب ہے دوسری کچھ دور ہے تو ایک چپل قریب والی پہن کر جہاں دوسری چپل ہے وہاں تک چلنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۳) پہلی حدیث قولی ہے جو اصل ضابطہ ہے اور دوسری حدیث فعلی ہے جو بیان جواز یا کسی عذر پر محمول ہے۔

## حدیث ۱۲۶۹ ﴿جوتا ٹوٹ جائے تو درست کرے﴾ عالمی حدیث ٤٤١٢

﴿وَعَنْ﴾ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِهِ فَلَا يَمْشِ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ حَتّٰى يُصْلِحَ شِسْعَهُ وَلَا يَمْشِ فِيْ خُفٍّ وَاحِدٍ وَلَا يَأْكُلْ بِشِمَالِهِ وَلَا يَحْتَبِيْ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَا يَلْتَحِفُ الصَّمَّاءَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم ص۱۹۸ ج۲، باب النهي عن اشتمال الصماء، كتاب اللباس حديث ۲۰۹۹

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ ایک جوتا پہن کر نہ چلے، جب تک کہ دوسرے جوتے کا تسمہ درست نہ ہو جائے اور ایک موزہ پہن کر نہ چلے اور بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور ایک ہی کپڑے میں گوٹ مار کر نہ بیٹھے اور ہاتھوں سمیت کپڑا نہ لپیٹ لے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں چند باتوں سے منع کیا گیا ہے، (۱) ایک جوتا پہن کر چلنا ممنوع ہے، کیوں کہ یہ وقار کے خلاف ہے، (۲) ایک موزہ پہن کر چلنا بھی بے تہذیبی اور بے ڈھنگے پن کی علامت ہے، لہٰذا یہ بھی ممنوع ہے (۳) بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے لہٰذا اس ہاتھ سے نہ کھانا پینا چاہئے، (۴) ایک کپڑے میں حبوہ بنانا یعنی گھٹنے کھڑے کر کے چاروں طرف کپڑا لپیٹ کر بیٹھنا جب کہ شرمگاہ پر کوئی مستقل کپڑا نہ ہو ممنوع ہے، کبھی کسی کے دھکا دینے سے آدمی گر پڑتا ہے، یا اونگھتے ہوئے گر

جاتا ہے، تو ننگا پا کھل جائے گا لہٰذا اس طرح کپڑا پہننا منع ہے، (۵) ایک کپڑا بدن پر اس طرح لپیٹ لینا کہ دونوں ہاتھ اندر بند ہو جائیں ممنوع ہے، بعض مرتبہ اچانک ہاتھوں سے کام لینے کی ضرورت پیش آتی ہے مثلاً اس طرح کپڑا لپیٹ کر چل رہا تھا کہ اچانک ٹھوکر لگی تو ہاتھ سے ٹیک لگانے کی ضرورت پیش آئے گی اور ہاتھ جلدی نکل نہ سکیں گے تو گر پڑے گا، غرضیکہ کپڑا پہننے کی ایسی ہیئت ممنوع ہے جس سے بوقت ضرورت ہاتھ نہ نکل سکیں یا ننگا ہو جانے کا احتمال ہو۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** فی نعل واحدۃ ایک جوتا پہن کر نہ چلے یہ نہی تنزیہی ہے، تفصیل کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔ ولا یمشی فی خف واحد ایک پیر میں موزہ پہن کر چلنا ممنوع ہے، پہننے کی ہر چیز معتاد طریقہ پر پہننی چاہئے، ایک پیر میں موزہ ہوگا اور دوسرے میں نہیں تو آدمی خواہ مخواہ کے لئے تماشا بنے گا، البتہ اگر کسی عذر یا عارض کی وجہ سے ایک پیر میں موزہ پہنا جا رہا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے ولا یاکل بشمالہ بائیں سے نہ کھاؤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنے ہاتھ سے کھانے کا حکم دیا ہے اذا اکل احدکم فلیأ کل بیمینہ . جب کھاؤ تو دائیں سے کھاو۔ بائیں ہاتھ سے کھانے پینے سے منع فرمایا ہے ارشاد ہے کہ لایاکلن احدکم بشمالہ ولا یشربن بھا فان الشیطان یاکل بشمالہ ویشرب بھا تم میں سے کوئی شخص اپنے بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ بائیں ہاتھ سے پیئے، بلاشبہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۱۶۲، ۴۱۶۳ دیکھیں ولا یحتبی بالثوب کشف عورت کا اندیشہ ہے، لہٰذا اس ہیئت پر بیٹھنا منع ہے ولا یلتحف الصماء گرنے اور چوٹ لگنے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس طرح نہ بیٹھے، ان اجزاء کی کچھ وضاحت خلاصہ حدیث کے تحت ہے دیکھ لی جائے۔

## الفصل الثانی

### حدیث ۱۲۷۰ ☆☆☆ عالمی حدیث ٤٤١٣

### ﴿ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کے تسموں کی تعداد ﴾

﴿عَنْ﴾ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قِبَالَانِ مُثَنًّى شِرَاكُهُمَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

**حوالہ**۔ ترمذی ص ۳۰۷ ج ۱، باب ماجاء فی نعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللباس، حدیث ۱۷۷۲

**حل لغات**: شراك جوتے کا تسمہ جو پیر کے اوپر ہوتا ہے، (ج) شُرُكٌ واَشْرَاكٌ۔

**ترجمہ**۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے میں دو تسمے تھے اور دونوں تسمے دوہرے کئے ہوئے تھے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** دور نبوی میں لوگ عام طور پر ننگے پاؤں چلتے تھے، مرد بھی اور عورتیں بھی، جوتے چپل بڑے لوگوں کو عموماً میسر تھے پھر عام طور پر لوگ بالوں والے چپل پہنتے تھے، بالوں کو صاف کرنے کا اہتمام نہیں تھا، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر بال والے یعنی عمدہ چپل پہنتے تھے، حضرت ابن عمرؓ بھی ایسے ہی چپل پہنتے تھے، ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی چپل پہنتے تھے۔ حضرت انسؓ نے ایک مرتبہ طلبہ کو آپؐ کے چپل دکھائے وہ بھی بغیر بال والے تھے، ان چپلوں کی ہیئت کے حوالے سے بہت زیادہ تفصیلات روایات میں نہیں ہیں، البتہ یہ بات مروی ہے کہ آپؐ کے ہر چپل میں دو تسمے تھے، حضرت ابوبکرؓ بھی دوہرے تسمے والے چپل پہنتے تھے۔ (ملخص تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** مثنی شراکھما ہر تسمہ دوہرا تھا، تاکہ مضبوطی رہے اور ٹوٹے نہیں، کچھ تفصیل عالمی حدیث ۴۴۰۸ کے تحت گذر چکی ہے۔

## حدیث ۱۲۷۱ ﴿جوتا کھڑے ہوکر پہننا منع ہے﴾ عالمی حدیث ۴۴۱۴، ۴۴۱۵

﴿وَعَنْ﴾ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَّنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِمًا رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ.

**حوالہ** - ترمذی ص ۳۰۷ ج ۱، باب ماجاء فی کراهیة المشی فی النعل الواحدة، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۷۵، ابن ماجه ص ۲۵۸ باب الانتعال قائما، کتاب اللباس، حدیث ص ۳۶۱۸، ابو داود ص ۵۷۱ ج ۲، باب فی الانتعال، کتاب اللباس، حدیث ۴۱۳۵

**ترجمہ** - حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آدمی کھڑے ہوکر جوتا پہنے۔
(ابوداود، ترمذی) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** کھڑے ہوکر جوتا پہننے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس ممانعت کا تعلق شفقت سے ہے، اسلئے کھڑے ہوکر جوتا پہننے میں بسا اوقات گرنے کا اندیشہ رہتا ہے، اور بسا اوقات بعض جوتے کھڑے ہوکر پہننے میں دقت ہوتی ہے، اس سے بچانے کیلئے آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر جوتا پہننے سے منع فرمایا ہے، اگر کھڑے ہوکر جوتا پہننے میں کوئی تکلیف نہ ہوتو کوئی حرج نہیں ہے

**کلمات حدیث کی تشریح** ان ینتعل الرجل قائما آپؐ نے کھڑے ہوکر جوتا پہننے سے منع فرمایا۔ یہ نہی تشریعی نہیں ہے، جو جوتے بغیر کسی تکلف کے کھڑے ہوکر پہنے جاسکتے ہوں ان سے یہ نہی متعلق بھی نہیں ہے، البتہ اگر کسی جوتے کی ہیئت ایسی ہے کہ کھڑے ہوکر اس کو پہننے میں گرنے کا اندیشہ ہوتو بیٹھ کر پہننا اولیٰ ہے۔

## حدیث ۱۲۷۲ ﴿ایک پیر میں جوتا پہن کر چلنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۴۴۱۶

﴿وَعَنْ﴾ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رُبَّمَا مَشَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنَّهَا مَشَتْ بِنَعْلٍ وَاحِدَةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا أَصَحُّ.

**حوالہ**: ترمذی ص ۳۰۷ ج ۱، باب ماجاء من الرخصة فی المشی فی النعل الواحدة کتاب اللباس، حدیث ۱۷۷۷

**ترجمہ** حضرت قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کبھی کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوتا پہن کر بھی چلتے تھے ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ ایک جوتا پہن کر چلی ہیں۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ زیادہ صحیح ہے۔

**خلاصۂ حدیث** یہاں پر دو روایتیں ہیں ایک مرفوع روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ ایک چپل پہن کر چلے ہیں یہ روایت زیادہ صحیح نہیں ہے، دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ ایک چپل پہن کر چلی ہیں، صحابی کا عمل بھی حجت ہوتا ہے، لہٰذا بوقت ضرورت ایک پیر میں جوتا چپل پہن کر چلنا جائز ہے، جن روایات میں ایک پیر میں چپل پہن کر چلنے کی ممانعت ہے وہ عام حالات پر محمول ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مشت بنعل واحدة کسی عذر کی وجہ سے ایک پیر میں چپل پہن کر چلی ہوں گی، عام حالات میں ایک پیر میں چپل پہن کر چلنا ممنوع ہے، یہ وقار کے خلاف اور بے ڈھنگے پن کی علامت ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۴۱۷۔

## حدیث ۱۲۷۳ ﴿جوتے اتار کر بیٹھنے کی ہدایت﴾ عالمی حدیث ۴۴۱۷

﴿وَعَنْ﴾ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ إِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ أَنْ يَّخْلَعَ نَعْلَيْهِ فَيَضَعَهُمَا بِجَنْبِهٖ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

**حوالہ** ۔ابو داود ص ۵۷۱ ج۲، باب فی الانتعال، کتاب اللباس، حدیث ۴۱۳۸

**ترجمہ** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ آدمی بیٹھے تو اپنے جوتے اتار لے اور اس کو اپنے پہلو میں رکھ لے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جوتے پہنے پہنے نہ بیٹھنا چاہئے، یہ آداب مجلس کا تقاضہ بھی ہے اور تہذیب وشائستگی کی علامت بھی، نیز جوتوں کو اپنے بائیں پہلو کی طرف رکھے تاکہ دائیں پہلو کی تکریم برقرار رہے، سامنے کی طرف بھی نہ رکھے، تاکہ اگر مسجد وغیرہ میں ہو تو تعظیم قبلہ برقرار رہے، اور چوری ہو جانے کے خوف سے پیچھے کی طرف بھی نہ رکھے۔ (مرقات ص ۲۸۷ ج ۸، مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** من السنة یہ آپ کا مبارک طریقہ تھا کہ آپؐ بیٹھنے سے پہلے جوتے اتار دیا کرتے تھے، کچھ تفصیل خلاصہ حدیث کے تحت ہے۔

## حدیث ۱۲۷۴ ﴿نجاشی کا آپ ﷺ کو موزہ هدیه کرنا﴾ عالمی حدیث ۴۴۱۸

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا .

**حوالہ** ترمذی ص ۱۰۹ ج۲، باب ماجاء فی الخف الاسود، کتاب الادب، حدیث ۲۸۲۰، ابن ماجة ص ۴۲ باب فی المسح علی الخفین، کتاب الطهارة، حدیث ۵۴۹

**ترجمہ** حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نجاشی بادشاہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو سیاہ سادے موزے تحفہ کے طور پر بھیجے (ابن ماجہ) ترمذی نے ابن بریدة عن ابیہ کی سند سے یہ بات مزید نقل کی ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی چیز کے ظاہر میں نجاست نہیں لگی ہے اور نجاست کا علم بھی نہیں ہے تو اس پر پاکی کا حکم لگے گا، اس میں بلا وجہ کی تحقیق نہیں کی جائے گی، آپؐ نے نجاشی کی طرف سے بھیجے ہوئے موزوں میں یہ سب تحقیقات نہیں کرائیں کہ یہ چمڑا کس جانور کا ہے، دباغت دی تھی کہ نہیں، صرف ظاہر پر عمل کر کے اس کو استعمال فرمایا، حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جس طرح سیاہ لباس استعمال کرنا جائز ہے، اسی طرح سیاہ موزے بھی پہنے جاسکتے ہیں، نیز موزوں پر مسح کا جواز بھی معلوم ہوا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ساذجین وہ موزے سادہ تھے، یعنی ان پر کسی قسم کی نقش نگاری نہیں تھی، فلبسهما چوں کہ بظاہر نجاست کے آثار تھے نہیں، لہٰذا آپ نے انہیں پاک خیال کر کے پہنا، اگر چٹائی، دری چادر وغیرہ میں ظاہر میں کوئی نجاست نہیں لگی ہے، تو ہمیں انھیں پاک سمجھنا چاہیے، الا یہ کہ کسی ذریعہ سے ناپاکی کا علم ہو جائے ومسح علیهما اور آپؐ نے ان موزوں پر مسح کیا موزوں پر مسح کے جواز سے متعلق بہت سی روایات ہیں اور یہ تو تواتر سے ثابت ہے، کہ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بھی مسح کیا ہے لہٰذا مسح بالکل اخیر عمر میں بھی ثابت ہے، اس لئے نسخ کا کوئی امکان نہیں ہے، حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے ہزاروں صحابہ کو مسح علی الخفین کرتے دیکھا ہے، اس کے باوجود روافض اس کا انکار کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ص ۱۳۱، ۴۳۱، ج ۱)

☆☆☆

# باب الترجل

## ﴿کنگھی کرنے کا بیان﴾

''ترجل'' تفعل کا مصدر ہے، کنگھی کے ذریعہ بال کو سیدھا کر کے مزین بنانا، یہ لفظ کنگھی کے لئے عام ہے، سر کے بالوں میں کنگھی ہو یا داڑھی کے بالوں میں کنگھی ہو، لیکن عموماً داڑھی میں کنگھی کے لئے ''تسریح'' کا لفظ اور سر میں کنگھی کے لئے ''ترجل'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ''۶۸'' احادیث نقل کی ہیں، جن میں زائد بالوں کو صاف کرنے کی مدت، انسانی بالوں سے نفع اٹھانے کی حرمت، داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترانے کی ہدایت، آپ ﷺ کے مبارک بالوں کا ذکر، آپ کا سر میں تیل لگانا، آپ کا مانگ نکالنا نیز بالوں کو اچھی طرح رکھنے کا حکم، روزانہ کنگھی کرنے کی ممانعت اور خضاب کرنے کے مسائل وغیرہ پر مشتمل احادیث ہیں۔

## ﴿بالوں کے متعلق چند فقہی مسائل﴾

مسئلہ: کنپٹی کے نیچے داڑھی کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں استرہ لگانا، اور کاٹنا درست نہیں۔

مسئلہ: خشخشی داڑھی جو بمشکل ایک آدھ انچ لمبی ہوتی ہو ہے، جائز نہیں۔ (مالا بد منہ، درمختار ج۲ ص ۱۵۵)

مالا بد میں ہے کہ ایک مشت سے کم داڑھی کا کاٹنا حرام ہے۔ (ص ۱۳۰)

مسئلہ: داڑھی میں گرہ لگانا، داڑھی کے بالوں کو اندر گھسانا درست نہیں۔ (جیسا کہ سکھ کرتے ہیں) (داڑھی اور انبیاء ص ۷۰)

مسئلہ: داڑھی کے اس حصہ میں جہاں بال نہیں بھی آئے ہوں استرہ پھیرنا درست نہیں ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ج۶ ص ۲۵۹)

مسئلہ: داڑھی کے جو بال رخسار کی طرف بڑھ جاتے ہیں، ان کو برابر کر دینے میں یا خط بنوانے میں (مونڈ دینے میں) کوئی حرج نہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ج۶ ص ۲۶۸)

مسئلہ: داڑھی کے بال جو ہاتھ لگانے سے یا کنگھا کرنے سے گر جائیں تو ان کو توڑ دیا جائے۔ (تنویر الشعور)

مسئلہ: رخسار یعنی گال کے ابھرے ہوئے حصہ کے بال لینا جائز ہے، گو بہتر نہیں۔ (فیض الباری ج۴ ص ۳۸۰)

مسئلہ: ریش بچہ کے دائیں بائیں کنارہ کی جانب جو بال ہوتے ہیں ان کا دور کرنا اور مونڈنا درست ہے۔ (تنویر ص ۲۱)

مسئلہ: اگر سر منڈائے تو پورا منڈوائے۔ اور اگر کتروائے تو پورے سر کے بال مساوی برابر برابر کٹائے کمی بیشی جائز نہیں۔

مسئلہ: پورے سر کو مشین سے برابر کاٹنا بھی درست ہے۔

مسئلہ: ناک کے بال اکھاڑنا، اور زیادہ بڑھ جائے تو کاٹ دینا درست ہے۔ (تنویر الشعور ص ۲۶)

آنکھ سے دیکھنے میں پریشانی ہو تو بھوؤں کے بالوں کو تراشنا جائز ہے (تنویر)

مسئلہ: سینہ، پیٹ، پیٹھ، ہاتھوں اور پیروں کے بال مونڈنا خلاف ادب ہے۔ تنویر ص ۲۷

مسئلہ: حلق کے بال مونڈنا بہتر نہیں۔ (شامی ج۶ ص ۴۰۷)

مسئلہ: سر کے بالوں میں تیل کنگھا نہ کرنا، جس سے جٹے پڑ جائیں جیسا کہ ہنود کے سادھوں کرتے ہیں جائز نہیں۔

(نصاب الاحتساب ص ۱۲۷)

**مسئلہ:** کان کے بال کاٹنا تراشنا سب درست ہے۔ (داڑھی اور انبیاء کی سنتیں ص ۱۰۰)

**مسئلہ:** سینہ اور پنڈلی کے بال صاف کرنا درست ہے۔ (۱۰۰)

**مسئلہ:** عورت کو اپنے گرے ہوئے بالوں کو چوٹی میں لگا کر باندھنا درست نہیں۔ (شامی ج ۵ ص ۳۲۸)

**مسئلہ:** عورتوں کا بال کاٹنا اور تراشنا ناجائز ہے۔ (نصاب الاحتساب ص ۱۴۳)

**مسئلہ:** چھوٹی بچی کا سر مونڈنا، اور بال کاٹنا درست ہے۔ (تنویر ص ۱۴)

**مسئلہ:** مردوں کو اس مقدار بال رکھنا کہ چوٹی بندھ جائے درست نہیں۔

**مسئلہ:** مردوں کو چوٹی باندھنا درست نہیں ہے، البتہ اگر مختلف حصے کر کے الگ الگ کر دئے جائیں تو درست ہے۔

**مسئلہ:** عورتوں کو اگر داڑھی کے بال خواہ ایک دو ہی نکل جائیں تو اس کا کاٹنا مستحب ہے۔ مرقات ج ۴ ص ۴۵۷

**مسئلہ:** مردوں اور عورتوں دونوں کو مانگ بیچ سے نکالنا سنت ہے۔ آپ ﷺ ناک کی سیدھ سے مانگ نکالا کرتے تھے۔

**مسئلہ:** ٹیڑھی مانگ خلاف سنت ہے، دائیں بائیں جانب سے مانگ نکالنا اسلامی طریقہ کے خلاف ہے۔ (داڑھی اور انبیاء کی سنتیں ص ۹۴)

**مسئلہ:** چھوٹے بچوں کو اس مقدار بال رکھنا کہ مانگ نکال کر جھاڑنے کی ضرورت پڑ جائے درست نہیں۔ (نصاب ص ۳۹۰)

**مسئلہ:** اسکولی بچے جو بال رکھتے ہیں یہ انگریزی بال ہیں، اس کا رکھنا جائز نہیں، اس کا گناہ والدین کو ہوگا۔

**مسئلہ:** گردن سے نیچے بالوں کا رکھنا خلاف سنت اور ممنوع ہے، جیسا کہ بعض درویش رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کے بال کندھے سے باہر نہیں ہوئے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۷)

**مسئلہ:** حجام اور نائی کو داڑھی مونڈنا جائز نہیں، کہ یہ اعانت علی المعصیۃ ہے۔

**مسئلہ:** سر کے سفید بال نور اور باعث وقار ہیں ان کا چننا توڑنا مکروہ ہے۔ (تنویر الشعور ص ۳۳)

**مسئلہ:** البتہ ایک آدھ بال دور کر دیئے جائیں تو گنجائش ہے۔ (بزازیہ ص ۳۷۱)

**مسئلہ:** بالوں کو چھوڑے رکھنا تیل وغیرہ نہ لگانا مکروہ و خلاف سنت ہے۔ (تنویر الشعور ص ۱۸)

**مسئلہ:** عورتوں کے بال چوٹی کے شکل میں گندھے ہوئے ہوں تو انکا کھولنا ضروری نہیں صرف جڑ میں پانی پہنچا دینا کافی ہے۔ (شامی ج ۱۵۳)

**مسئلہ:** بالوں کو گوند لگانا، چپکانا تاکہ بکھرے نادرست ہے۔ (تنویر الشعور ص ۱۸)

## ﴿بالوں کے متعلق سنن و آداب کا بیان﴾

بالوں کا رکھنا۔ بالوں کا کان کی لو یا کندھے تک رکھنا۔ بالوں کا کندھے تک آنے کے بعد چھوٹا کرا لینا۔ ضرورت کی وجہ سے بالوں کا گوند سے چپکانا۔ مانگ نکالنا۔ ناک کی سیدھ سے مانگ نکالنا یعنی سیدھی نکالنا۔ قینچی سے پورے سر کو ہر جگہ سے برابر تراشنا۔ بالوں میں تیل لگانا۔ کنگھا کرنا۔ سونے سے قبل اور بعد میں پراگندہ بالوں کو سنوارنا۔ کنگھی پاس رکھنا۔ آئینہ دیکھ کر بالوں کو سنوارنا۔ دائیں جانب سے دائیں ہاتھ سے کنگھی کرنا۔ گرے اور جھڑے بالوں کا دفن کرنا۔

## ﴿بالوں کے متعلق خلاف سنت امور کا بیان﴾

بالوں کا کسی مقام سے چھوٹا اور کسی مقام سے بڑا رکھنا۔ بالوں کا کندھے سے آگے بڑھنے دینا۔ کنگھی اور تیل نہ کرنا۔ بالوں کا خشک اور پراگندہ رکھنا۔ ٹیڑھی مانگ مرد یا عورت کا نکالنا۔ بچوں کے سر پر بال رکھنا۔

# الفصل الاول

## حدیث ۱۲۷۵﴿ حضرت عائشہؓ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کنگھی کرنا﴾ عالمی حدیث ٤٤١٩

﴿عَنْ﴾ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا حَائِضٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری ص۸۷۸ ج۲، باب ترجیل الحائض زوجھا، کتاب اللباس، حدیث ۵۹۲۵، مسلم ص۱۹۸ ج۱، باب جواز غسل الحائض راس زوجھا، کتاب الحیض، حدیث ۲۹۷

**حل لغات:** ارجل رَجَّلَهٗ (تفعیل) الشعرَ بالوں کو سنوارنا، کنگھی کرنا، حائض حائضہ عورت (ج) حَوَائِضُ، حَاضَت المرأۃُ (ض) حَيْضًا، حیض آنا، ماہواری کا خون آنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں کنگھی کرتی تھی جب کہ میں حائضہ تھی۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حائضہ عورت کا بدن پاک ہوتا ہے، لہٰذا اس کے کسی چیز کو چھونے سے اس چیز میں ناپاکی نہیں آتی ہے، حائضہ عورت اپنے شوہر کے کنگھی کر سکتی ہے، اسی طرح ہر وہ گھریلو کام بلا تکلف کر سکتی ہے جو غیر حائضہ کر سکتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کنت ارجل راس رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں کنگھی کیا کرتی تھی اور میں حائضہ ہوتی تھی، حیض کی حالت میں حائضہ سے مختلف خدمات لی جا سکتی ہیں اور اس سلسلہ میں شریعت نے کوئی تنگی نہیں کی ہے، قرآن کریم میں جو فاعتزلو النساء فی المحیض فرمایا گیا ہے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حائضہ کے قریب جانے سے بالکل اور بہر صورت ممانعت کر دی گئی ہے، جیسا کہ یہود کا عمل تھا، بلکہ حائضہ اپنے خاوند کے تمام امور کی خدمت انجام دے سکتی ہے، سر دھو سکتی ہے، کنگھا کر سکتی ہے، خاوند کا سر گود میں رکھ کر آرام پہنچا سکتی ہے، بدن کا سہارا دے سکتی ہے۔ (ملخص ایضاح البخاری)

## حدیث ۱۲۷۶﴿ فطرت سے متعلق پانچ امور﴾ عالمی حدیث ٤٤٢٠

﴿وَعَنْ﴾ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْأَظْفَارِ وَنَتْفُ الْإِبْطِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ** بخاری ص۸۷۵ ج۲، باب تقلیم الاظفار، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۹۱، مسلم ص۱۲۸ ج۱، باب خصال الفطرۃ، کتاب الطہارۃ، حدیث ۲۵۷

**حل لغات:** الفطرۃ وہ پیدائشی صفت یا حالت جس پر ہر موجود کا وجود ابتداء سے قائم ہوتا ہے، فطرت سلیمہ، فَطَر (ن) فَطْرًا، الامرَ، آغاز کرنا، الختان خَتَنَ (ض) خِتَانَةَ الصبیَّ، ختنہ کرنا، الاستحداد (استفعال) دھار دار آلہ یعنی استرہ وغیرہ سے شرمگاہ کے بال صاف کرنا، قص (ن) قصًّا کاٹنا، کترنا، الشارب مونچھ (ج) شَوَارِبُ، تقلیم قَلَّمَ (تفعیل) مبالغہ در قلم کاٹنا، قَلَمَ (ض) قَلْمًا کاٹنا، تراشنا، الاظفار ناخن واحد ظُفْرٌ، نتف (ض) نَتْفًا بال اکھاڑنا، بال نوچنا، الابط بغل (ج) آباط تَأَبَّطَ (تفعل) الشیْ بغل میں لینا۔

**ترجمہ** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں فطرت میں داخل ہیں، (۱) ختنہ کرنا، (۲) زیر ناف بال بنانا، (۳) مونچھیں کترنا، (۴) ناخن کاٹنا، (۵) بغلوں کے بال اکھاڑنا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں ان پانچ امور کا تذکرہ ہے جو تمام انبیاء کرام کی سنت رہی ہیں، یہ چیزیں دین میں داخل ہیں، ان پر چلنے اور انھیں اختیار کرنے کی ہمیں تاکید ہے، یہاں پانچ باتوں کا تذکرہ ہے، جب کہ عالمی حدیث ۴۲۷۹ کے تحت دس امور کا ذکر ہے، معلوم ہوا کہ دونوں میں سے کہیں بھی حصر مقصود نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الفطرۃ خمس پانچ امور فطرت ہیں، یعنی قدیم سنت ہیں، جسے تمام انبیاء نے اختیار کیا ہے اور اس پر تمام شرائع متفق ہیں، گویا یہ ایک فطری خصلت ہے، جس پر انھیں پیدا کیا گیا ہے۔ (ارشاد الساری ص ۵۸۵ ج ۱۲) الختان ختنہ کرنا سنت اور شعائر اسلام میں سے ہے، اگر اہل شہر اس کے ترک پر متفق ہوں تو امام المسلمین ان سے جہاد کرے۔

**سوال:** کس عمر میں ختنہ کرایا جائے۔؟

**جواب:** اس کا کوئی خاص وقت متعین نہیں ہے، ایک قول کی رو سے دس سال عمر ہو، دوسرا قول سات سال ہے، جب کہ تیسرا قول یہ ہے کہ جب طاقت ہو، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اس میں عجلت میرے نزدیک پسندیدہ ہے، بچہ کی نابالغی و کم سنی میں ختنہ کرانے کی مصلحت یہ ہے کہ قریب البلوغ ہونے پر اس کی کھال موٹی اور سخت ہو جاتی ہے، جس سے تکلیف ہوتی ہے، اس لئے بہت سے علماء کہتے ہیں کہ بہت کمسنی میں ختنہ کرادیا جائے، عورتوں کا ختنہ اصح قول کے مطابق مسنون نہیں ہے، صرف مردوں کا اکرام ہے، اس سے لذت ہمبستری بڑھ جاتی ہے، ایک قول کے مطابق سنت ہے۔ (فتح الملہم ص ۴۱۸ ج ۱) **والاستحداد** موئے زیر ناف مونڈنا، زیر ناف سے مراد وہ بال ہیں جو مرد اور عورت کی شرمگاہ کے اوپر اور اس کے اردگرد ہوتے ہیں، ان بالوں کے مونڈنے کے لئے استحداد کا لفظ اس لئے استعمال ہوا ہے کہ اس میں لوہے یعنی استرے کا استعمال ہوتا ہے اور یہی عام سنت ہے، افضل بالوں کا مونڈنا ہی ہے، البتہ بال صفا کا استعمال کیا جائے یا بال اکھاڑے جائیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

**سوال:** زیر ناف بال صاف کرنا کتنے دن پر ضروری ہے؟

**جواب:** مستحب یہ ہے کہ ہر جمعہ کو زیر ناف بال صاف کرلئے جائیں، اگر یہ نہ ہو سکے تو پندرہ دن ورنہ چالیس دن آخری حد ہے، چالیس دن گذرنے پر وعید اور گناہ کا استحقاق ہے۔ (مرقات) **وقص الشارب** اوپر والے ہونٹ کے اوپر اگنے والے بالوں کو مونچھ کہتے ہیں، مونچھوں کو اتنا کترا جائے کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہونے لگے، مونچھیں باریک کرنا سنت ہے، لیکن استرے سے جڑ سے صاف کرانا درست نہیں ہے **وتقلیم الاظفار** ناخن کاٹنا بھی سنت ہے، اور یہ بھی فطری امور میں سے ہے ناخنوں میں میل کچیل جمع ہو جاتا ہے اور یہ پاکیزگی کیخلاف ہے، اسی طرح میل کیوجہ سے بسا اوقات پانی جڑوں تک نہیں پہنچ پاتا، لہٰذا ناخن کاٹنے کا اہتمام ہونا چاہئے، ہاتھوں کے ناخن پاؤں کے ناخن سے پہلے کاٹے جائیں ہر ہفتہ ناخن کاٹ لئے جائیں اور چالیس دن کے بعد تو ہرگز نہ چھوڑے جائیں، **ونتف الابط** بغل کے بال اکھاڑنا بھی مسنون ہے، افضل بغل کے بالوں کا اکھاڑنا ہی ہے، البتہ مونڈنے اور بال صفا سے صاف کرنے کی بھی گنجائش ہے، بغل کے بال بھی چالیس دن سے زیادہ قطعاً نہ چھوڑے جائیں، مزید تحقیق کیلئے عالمی حدیث ۴۲۷۹ دیکھیں۔

## حدیث ۱۲۷۷ ﴿داڑھی بڑھانے کا حکم﴾ عالمی حدیث ٤٤٢١

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوْا الْمُشْرِكِيْنَ أَوْفِرُوا اللِّحٰى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَفِیْ رِوَايَةٍ أَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللِّحٰى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ** ـ بخاری ص ۸۷۵ ج ۲، باب اعفاء اللحی، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۹۳، مسلم ص ۱۲۹ ج ۱، باب خصال الفطرۃ، کتاب اللباس، حدیث ۲۵۸

**حل لغات:** اوفروا (افعال) امر حاضر ہے، الشی بڑھانا، زیادہ کرنا وفر (ض) الشیئ وَفرًا کسی چیز کا بکثرت ہونا، اللحی جمع ہے، واحد اللِّحیَۃُ، داڑھی، دونوں رخساروں اور ٹھوڑی کے بال، احفوا امر حاضر ہے، حَفَا (ن) حَفوًا بالوں کو بہت چھوٹا کرنا، انھکوا امر حاضر ہے (انفعال) الشارب، مونچھیں کترنے میں مبالغہ کرو، اعفوا امر حاضر ہے، عَفَا (ن) عَفوًا الشیئ لمبا اور زیادہ کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکوں کی مخالفت کرو یعنی داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں باریک کرو اور ایک روایت میں ہے کہ مونچھیں خوب ہلکی کرو اور داڑھیاں چھوڑ دو۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** مشرکین اور یہود و نصاریٰ عام طور پر داڑھیاں مونڈاتے ہیں اور مونچھیں فیشن کے اعتبار سے کبھی رکھتے ہیں اور کبھی مونڈاتے ہیں، مسلمانوں کو ان کے طریقہ کی مخالفت کرتے ہوئے داڑھی رکھنا چاہئے، اور ایک مشت ہونے سے پہلے اس کو چھوڑے رکھنا چاہئے، ایک مشت سے زائد کا تراشنا درست ہے، اسی طرح مونچھیں کترنا اور باریک رکھنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** واحفوا الشوارب مونچھوں کو خوب باریک کرو، مونچھیں منڈوانا بدعت ہے، واعفوا اللحی چاروں ائمہ کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی تشریعاً تھی، عادتاً نہیں تھی، حلق لحیہ یعنی داڑھی مونڈھنا جملہ مذاہب میں حرام ہے، تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۴۳۷۹ دیکھیں اور ۴۴۳۹ دیکھیں۔

## حدیث ۱۲۷۸ ﴿ زیرناف بال صاف کرنے کاوقت﴾ عالمی حدیث ٤٤٢٢

﴿وَعَنْ﴾ أَنَسٍ قَالَ وُقِّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ وَنَتْفِ الْإِبْطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ أَنْ لَا نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم ص ۱۲۹ ج ۱ باب خصال الفطرة، کتاب الطهارة. حديث ۲۸۵

**حل لغات:** حلق (ض) الشیئ حَلقًا وحِلَاقَۃً چھیلنا، مونڈنا، العانۃ پیٹ کے نیچے شرمگاہ کے اردگرد کے بال (ج) عُوَنٌ۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ مونچھیں کاٹنے، بغلوں کے بال اکھاڑنے اور زیرناف بال مونڈنے کے سلسلہ میں ہمارے لئے وقت مقرر کر دیا گیا ہے کہ ہم چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑے رکھیں۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بہتر ہے کہ ہر ہفتہ ناخن کاٹ لئے جائیں، اور جسم کے زائد بال صاف کر لئے جائیں اگر ہر ہفتہ یہ عمل دشوار ہو تو پندرہ بیس دن پر یہ عمل کیا جائے، چالیس دن سے پہلے بہر صورت صفائی کر لی جائے، کیوں کہ چالیس دن کے بعد بال چھوڑے رکھنا مکروہ اور گناہ کا باعث ہے، ایسے شخص کی نماز بھی مکروہ ہوگی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اکثر من اربعین لیلۃ چالیس دن کی تحدید زیادہ سے زیادہ مدت کے اظہار کی خاطر ہے، اور یہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک صفائی کر لینے کے ضابطہ کے خلاف نہیں ہے، دراصل ضابطہ اس سلسلہ میں احتیاج وضرورت ہے، علامہ نوویؒ ''شرح المہذب'' میں فرماتے ہیں کہ موزوں یہ ہے کہ اس بارے میں حالات واشخاص کے اعتبار سے دنوں کی کمی بیشی میں اختلاف وفرق واقع ہو، اور ضابطہ ان تمام ذکر کردہ خصلتوں میں حاجت ہے۔ درمختار میں ہے کہ افضل اس سلسلہ میں جمعہ کا دن ہے، اور پندرہ دن تک ترک کرنا جائز ہے، اور چالیس دن سے زیادہ ترک کرنا مکروہ ہے۔ (فتح الملہم ص ۴۰ ج ۱، تفہیم المسلم ج ۱) مزید تفصیلات گزشتہ احادیث ۴۴۲۰، ۴۴۲۱ کے تحت دیکھیں۔

## حدیث ۱۲۷۹ ﴿ خضاب لگانا پسندیدہ عمل ہے﴾ عالمی حدیث ٤٤٢٣

﴿وَعَنْ﴾ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارىٰ لَا يَصْبَغُونَ فَخَالِفُوهُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۷۵ ج ۲، باب الخضاب، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۹۹. مسلم ص ۱۹۹ ج ۲، باب مخالفة اليهود، کتاب اللباس، حدیث ۲۱۰۳.

**حل لغات:** یصبغون صَبَغَ (ف) صَبْغًا رنگنا، خضاب کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ خضاب استعمال نہیں کرتے ہیں، لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ داڑھی اور بالوں میں خضاب لگانا امر مستحسن ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خضاب لگایا بھی ہے اور ترغیب بھی دی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان اليهود والنصارىٰ لا يصبغون فخالفوهم 'یہود و نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے ہیں، تم ان کی مخالفت کرو یعنی خضاب لگاؤ۔

**خضاب لگانے کا حکم:** مہندی اور سرخ رنگ کا خضاب لگانا بالاتفاق مستحب ہے، البتہ سیاہ رنگ کے خضاب میں اختلاف ہے۔ حضرات حنفیہ کے نزدیک ضرورت شرعیہ کی وجہ سے سیاہ خضاب لگانا جائز ہے، مثلاً جہاد میں دشمنوں پر رعب ڈالنے کے لئے کوئی بوڑھا مجاہد خضاب لگاتا ہے، یا بوڑھا شوہر جوان بیوی کے اطمینان کے لئے سیاہ خضاب لگاتا ہے تو یہ بلا کراہت جائز ہے، البتہ عام حالات میں ضرورت شرعیہ کے بغیر سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے۔ حنفیہ میں سے بعض علماء نے سیاہ خضاب لگانے کو مطلقا جائز کہا ہے، چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو۔ شافعیہ کے یہاں سیاہ خضاب کے متعلق دو قول ہیں، تحریم کا اور کراہت تنزیہی کا، امام نوویؒ نے تحریم کے قول کو اصح کہا ہے۔ شافعیہ کی طرح حنابلہ کے یہاں بھی دو روایتیں ہیں۔ تحریم اور کراہت کی۔ ان کی مشہور روایت کراہت کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جہاد وغیرہ ضرورت شرعیہ کی وجہ سے سیاہ خضاب کا استعمال بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے اور دھوکہ دینے کی غرض سے سیاہ خضاب لگانا بالاتفاق ممنوع ہے اور عام زینت کے لئے لگانے میں جمہور کے نزدیک کراہت ہے اور بعضوں نے جائز کہا ہے۔

**سیاہ خضاب کی ممانعت کے دلائل:** صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ کے والد ابو قحافہ لائے گئے، ان کے بال بالکل سفید تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'غيروا هذا بشيء واجتنبوا السواد' (بالوں کے رنگ کو بدلو یعنی خضاب کرو، البتہ سیاہ خضاب سے بچو) ابوداود میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ "يكون قوم يخضبون في آخر الزمان بالسواد كحواصل الحمام لا يريحون رائحة الجنة" (عنقریب آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو اس سیاہ رنگ سے خضاب کریں گے جیسے کبوتروں کے پوٹے، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے) ان روایتوں کی بنیاد پر جمہور سیاہ خضاب کو مکروہ تحریمی یا تنزیہی کہتے ہیں۔

**مجوزین کے دلائل:** جو حضرات جائز کہتے ہیں وہ صحابہ اور تابعین کے آثار سے استدلال کرتے ہیں، علامہ ابن القیمؒ نے زادالمعاد اور ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں ان کے نام لکھے ہیں، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، جریر بن عبداللہؓ، عمرو بن عاصؓ، محمد بن سیرینؒ ابراہیم نخعیؒ، سعید بن جبیرؒ، محمد بن حنفیہؒ سے سیاہ خضاب لگانا منقول ہے۔ یہ حضرات احادیث نہی کو خداع اور دھوکہ والی صورت پر محمول کرتے ہیں، لیکن نہی کی احادیث چوں کہ مطلق ہیں، اس لئے انہیں مخصوص صورت پر محمول کرنا خلاف ظاہر ہے، مانعین ذکر کردہ آثار کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں سواد سے سواد خالص مراد نہیں ہے، بلکہ سرخ رنگ کی آمیزش بھی اس کے ساتھ تھی۔ بہر حال یہ تفصیل سیاہ خضاب سے متعلق ہے، مہندی اور سرخ

خضاب لگانا مستحب اور مسنون ہے۔ امام ترمذیؒ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ان احسن ماغیر تم به الشیب الحناء والکتم" یعنی بہترین خضاب مہندی اور وسمہ ہے۔ (کشف الباری، ج:۱۲)

## حدیث ۱۲۸۰ ﴿ سفید داڑھی میں خضاب لگانے کی تاکید ﴾ عالمی حدیث ٤٤٢٤

﴿وَعَنْ﴾ جَابِرٍ قَالَ أُتِيَ بِأَبِيْ قُحَافَةَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَرَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ كَالثُّغَامَةِ بَيَاضًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم ص ۱۹۹ ج۲، باب استحباب خضاب الشیب، کتاب اللباس حدیث ۲۱۰۲

**حل لغات:** الثغامة ایک درخت جو پہاڑ کی چوٹی پر اگتا ہے اور اس کا پھل اور پھول سفید ہوتا ہے اور جب وہ خشک ہو جاتا ہے تو اس کی سفیدی بڑھ جاتی ہے۔ (ج) ثُغَامٌ۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن ابوقحافہ کو لایا گیا، جب کہ ان کا سر اور داڑھی 'ثغامہ' کی طرح سفید تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا رنگ بدل دو، لیکن سیاہ رنگ سے بچنا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوقحافہؓ کے سر اور داڑھی کے بال بہت سفید ہو گئے تھے، وہ فتح مکہ کے دن اسلام قبول کرنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان کے بالوں پر خضاب لگانے کا حکم دیا۔ ساتھ میں سیاہ خضاب لگانے سے منع فرمایا، کیوں کہ عام حالات میں سیاہ خضاب لگانا ممنوع ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اتی بابی قحافة یہ ابوبکر صدیقؓ کے والد ہیں، ان کا نام عثمان بن عامر تیمی ہے، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ ان کو حضرت ابوبکرؓ لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ نے ابوبکرؓ سے فرمایا ان کو گھر میں کیوں نہیں رہنے دیا، میں خود ان کے پاس آ جاتا حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا، یہ آپ کے پاس چل کر آئیں یہ زیادہ بہتر ہے اس سے کہ آپ چل کر ان کے پاس جائیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد کو پیش کیا، آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ پھیر کر فرمایا "اسلم تسلم" اسلام قبول کر لو محفوظ ہو جاؤ گے۔ غیروا هذا بشیء مہندی وغیرہ سر اور داڑھی میں لگا دو، معلوم ہوا خضاب لگانا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے، مسلمانوں کی پہچان اور ان کی علامت ہے۔ جن روایات سے خضاب کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ منسوخ ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے تکملہ فتح الملہم ص ۱۴۸ تا ۱۵۰ ج ۴ دیکھیں۔ سیاہ خضاب سے متعلق کچھ تفصیل گزشتہ حدیث میں مذکور ہے۔

## حدیث ۱۲۸۱ ﴿ بالوں میں مانگ نکالنے کا تذکرہ ﴾ عالمی حدیث: ٤٤٢٥

﴿وَعَنْ﴾ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيْمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيْهِ وَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدُلُوْنَ أَشْعَارَهُمْ وَكَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَفْرُقُوْنَ رُؤُسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيُّ ﷺ نَاصِيَتَهُ ثُمَّ فَرَقَ بَعْدُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری ص ۸۷۷ ج۲، باب الفرق، کتاب اللباس، حدیث ۵۹۱۷ مسلم ص ۲۵۷ ج۲ باب صفة شعره صلی الله علیه وسلم، کتاب الفضائل، حدیث ۲۳۳۶.

**حل لغات:** یسدلون سَدَلَ (ن) سَدْلًا اَلثَّوْبَ، والشَّعْرَ، چھوڑنا، لٹکانا، اشعار واحد الشَّعْر بال، یفرقون فَرَّقَ (تفعیل) الشئ ٹکڑے کرنا، الشعر بالوں میں مانگ نکالنا، ناصیة پیشانی، (ج) نَوَاصِي۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں میں اہل کتاب کی موافقت زیادہ پسند کرتے تھے جن باتوں میں کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تھی، اہل کتاب بالوں کو پیشانی پر لٹکاتے تھے، مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پیشانی پر بالوں کو لٹکانا شروع کیا پھر مانگ نکالنے لگے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** مشرکین کے مقابلہ میں اہل کتاب زیادہ درست راہ پر تھے، لہٰذا جن امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی نہیں آتی، ان میں آپ اہل کتاب کی موافقت کرتے تھے، بعض امور ایسے بھی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں اہل کتاب کی موافقت کی پھر اس کو ترک کر دیا، ان ہی میں سے ایک مانگ نکالنے کا مسئلہ بھی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یحب موافقة اهل الكتاب اہل کتاب کی آپ ان امور میں موافقت کرتے جو امور شریعت محمدیہ کے خلاف نہ ہوتے، اس لئے کہ اہل کتاب اس زمانے میں رسولوں کی شریعتوں میں سے بہت سی باتوں پر عمل پیرا تھے، چنانچہ مشرکین بت پرستوں کی موافقت سے اہل کتاب کی موافقت بہتر تھی، لیکن جب بت پرستوں کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے اہل کتاب کی مخالفت بہتر سمجھی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے اولاً اہل کتاب کی موافقت کی تاکہ ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہوں، لیکن جب دین اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور اہل کتاب کی تالیف کی ضرورت نہ رہی تو آپ نے ان کی مخالفت کا حکم دیا یہی وجہ ہے کہ شروع میں آپ نے اہل کتاب کی موافقت میں مانگ نہیں نکالی، لیکن پھر بعد میں ان کی مخالفت میں مانگ نکالی۔ ثم فرق بعد اسی جز کی بنا پر علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ مانگ نکالنا سنت ہے، بعض دیگر لوگ کہتے ہیں کہ مانگ نکالنا اور بال لٹکانا دونوں جائز ہیں لیکن مانگ نکالنا افضل ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ۱۵۵ ج ۴)

## حدیث ۱۲۸۲ ﴿ قزع کی ممانعت کا تذکرہ ﴾ عالمی حدیث ٤٤٢٦

﴿وَعَنْ﴾ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْهٰى عَنِ الْقَزَعِ قِيْلَ لِنَافِعٍ مَاالْقَزَعُ قَالَ يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكُ الْبَعْضُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَأَلْحَقَ بَعْضُهُمُ التَّفْسِيْرَ بِالْحَدِيْثِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۷۷ ج ۲، باب القزع، کتاب اللباس، حدیث ۵۹۲۰ مسلم، ص ۲۰۳ ج ۲ باب کراهة القزع، کتاب اللباس، حدیث ۲۱۲۰۔

**حل لغات:** القزع واحد قزعة، ہر وہ چیز جو ٹکڑوں میں بکھر گئی ہو، بچے کے سر پر ادھر ادھر چھوڑے ہوئے بال۔

**ترجمہ:** حضرت نافعؒ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "قزع" سے منع فرماتے ہوئے سنا ہے، نافع سے کہا گیا کہ قزع کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ بچے کے سر کے کچھ حصہ کو منڈوا دینا اور کچھ کو چھوڑ دینا "قزع" ہے۔ (بخاری و مسلم) بعض راویوں نے وضاحت کو حدیث کے ساتھ شامل کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سر کے بعض حصے کے بال کو منڈوا دینا اور بعض کو چھوڑ دینا، یا مختلف جگہوں سے سر کے بال منڈوا دینے کو "قزع" کہتے ہیں، امام نوویؒ نے اس کے مکروہ تنزیہی ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور اس میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔ قزع مکروہ ہے، ایک تو یہ بے ڈھنگا پن ہے اور دوسرے یہ یہودیوں کا شعار اور ان کا طریقہ تھا۔ (فتح الباری ۳۴۷ ج ۱۰)

**کلمات حدیث کی تشریح** ینهیٰ عن القزع آپ نے قزع سے منع فرمایا ہے۔ اس جز کی وضاحت بھی حدیث میں موجود ہے۔ "قزع" لغت میں فضا میں بادل کے متفرق ٹکڑوں کو کہتے ہیں، جو دور سے چمکتے ہوئے نظر آتے

ہیں، سر میں جو بال اس طرح چھوڑ دیئے جاتے ہیں، چونکہ وہ بھی اسی طرح محسوس ہوتے ہیں، اس لئے ان کو 'قزع' کہتے ہیں۔ یہ ممانعت صرف بچوں کے ساتھ خاص نہیں، حکم بڑوں کے لئے بھی یہی ہے، ممکن ہے کہ اس زمانے میں بعض لوگ اپنے بچوں ہی کے ساتھ لاڈ پیار کے طور پر ایسا کرتے ہوں۔ (الدرالمنضود ج۶)

## حدیث ۱۲۸۳ ﴿پورے سر کے بال مونڈنے کی ہدایت﴾ عالمی حدیث ٤٤٢٧

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَاٰىٔ صَبِيًّا قَدْ حُلِقَ بَعْضُ رَأْسِهٖ وَتُرِكَ بَعْضُهٗ فَنَهَاهُمْ عَنْ ذٰالِكَ وَقَالَ اِحْلِقُوْا كُلَّهٗ أَوِاتْرُكُوْا كُلَّهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ٢٠٤ ج٢، باب كراهة القزع، كتاب اللباس، حديث ٢١٢٠

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو دیکھا کہ اس کے سر کا کچھ حصہ مونڈا گیا ہے اور کچھ چھوڑ دیا گیا ہے، آپؐ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ سارے سر کو یا تو مونڈ دو یا سارے سر کو چھوڑ دو۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سر کے کچھ بال مونڈنا اور کچھ نہ مونڈنا درست نہیں ہے، مونڈنا ہو تو پورے سر کے بال مونڈے جائیں ورنہ پورے بال نہ مونڈے جائیں، یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حج وعمرہ کے علاوہ بھی سر کے بال مونڈنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ افضل یہی ہے کہ بال نہ مونڈے جائیں، یہی عام صحابہؓ کا عمل بھی تھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فنهاهم جن لوگوں نے بچے کے سر میں سے کچھ بال مونڈے اور کچھ چھوڑے تھے، آپؐ نے ان کو منع فرمایا، اور ان کے واسطے سے کل امت کو منع فرمایا۔ عـــن ذلك کچھ بال مونڈنے اور کچھ چھوڑنے سے منع فرمایا۔ (مزید کے لئے گزشتہ حدیث دیکھیں)

## حدیث ۱۲۸٤ ﴿مخنث پر آپؐ کا لعنت فرمانا﴾ عالمی حدیث ٤٤٢٨

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُخَنَّثِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَقَالَ أَخْرِجُوْهُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ٨٧٤ ج٢، باب اخراج المتشبهين بالنساء. كتاب اللباس، حديث ٥٨٨٦

**حل لغات:** المخنثين ہجڑے، واحد مُخَنَّثٌ خَنَثَةٌ، ہجڑا بنانا، المترجلات واحد مُتَرَجِّلَةٌ مردوں کی طرح بننے والی عورت، تَرَجَّلَ (تفعل) المرأةُ، عورت کا مرد نما بننا، مردوں کے مشابہ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی وضع اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی ہیئت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ انہیں اپنے گھروں سے نکال دو۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ لباس وضع قطع اور بول چال میں مردوں کو عورتوں کی مشابہت اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا منع ہے۔ آپؐ نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کو گھر سے نکال دینے کی ہدایت فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں سے میل جول نہ رکھنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** المخنثين جو شخص بات چیت اور حرکات وسکنات میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے اس کو مخنث اور ہجڑہ کہتے ہیں۔ اگر کسی کی خلقت ہی ایسی ہے تو قابل ملامت نہیں ہے، لیکن اگر کوئی بہ تکلف اس طرح کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو یہ درست نہیں ہے بلکہ قابل ملامت ہے۔ (فتح الباری ۴۱۸ ج۹) مرد عورت بننے کی کوشش کرے

یا عورت مرد بننے کی کوشش کرے دونوں قابل لعنت ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ صورت کو بدلنے کی کوشش کرنا۔ اخرجوهم من بيوتكم ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔ بخاری میں مزید ہے کہ " فاخرج النبي صلى الله عليه وسلم فلانا واخرج عمر فلانا" (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کو نکالا تھا اور حضرت عمرؓ نے فلاں کو نکالا تھا) آپؐ نے جس مخنث کو نکالا تھا اس کا نام 'انجشہ' تھا اور حضرت عمرؓ نے جس مخنث کو نکالا تھا اس کا نام 'مانع' تھا۔ (ارشاد الساری ص۵۸۴ ج ۱۲) معلوم ہوا کہ آپؐ نے مخنث کو گھر سے نکالنے کی ہدایت بھی دی اور اس پر عمل بھی کیا۔

## حديث ۱۲۸۵ ☆☆☆ عالمی حديث ٤٤٢٩

## ﴿ عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے پر لعنت فرمانا ﴾

﴿وَعَنْهُ﴾ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَعَنَ اللّٰهُ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

**حواله:** بخاری، ص ۸۷٤ ج۲، باب المتشبهون بالنساء، كتاب اللباس ، حديث ۵۸۸۵

**ترجمه:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ لباس اور زیب وزینت کی جو چیزیں عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً مہندی لگانا، چوڑی پہننا وغیرہ، مردوں کو چاہئے کہ وہ ایسی چیزوں کو استعمال نہ کریں، تاکہ عورتوں کی مشابہت پیدا نہ ہو، اسی طرح عورتوں کو مردوں کی ہیئت اور لباس وغیرہ اختیار نہ کرنا چاہئے، جو بھی ایسا کرے گا اس پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہوگی، یعنی وہ رحمت خداوندی سے دور ہو جائے گا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لعن الله المتشبهين اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو صنفیں بنائی ہیں۔ (۱) مرد، (۲) عورت، پھر ہر صنف کے لئے کچھ امتیازات رکھے ہیں، اور ہر ایک کے کچھ حقوق ہیں، کچھ فرائض ہیں، شریعت ان امتیازات کو باقی رکھنا چاہتی ہے اور ان حقوق وفرائض کا لحاظ کرتی ہے، اب اگر مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کریں یا عورتیں مردوں کی ہیئت اپنائیں تو یہ ان امتیازات کو رائگاں کرنا ہے، لہٰذا دونوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ الواسعۃ ج ۵) اس وعید میں عورتوں کا سر کے بال چھوٹے کرانا اور مردوں کا داڑھی منڈوانا داخل ہوگا، جس میں لوگوں کی اکثریت مبتلا ہے۔ (الدر المنضود)

## حديث ۱۲۸٦ ﴿ آپؐ کا بالوں کو ملانے والی پر لعنت فرمانا ﴾ عالمی حديث ٤٤٣٠

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

**حواله:** بخاری، ص ۸۷۹ ج ۲، باب وصل الشعر، كتاب اللباس، حديث ۵۹۳۷ مسلم، ص ۲۰٤ ج ۲، باب تحريم فعل الواصلة، كتاب اللباس، حديث ۲۱۲٤.

**حل لغات:** واصلة ملانے والی، وَصَلَ (ض) وَصْلًا الشئ بالشئ ایک شی کو دوسری سے ملانا، جوڑنا، وَصَلَتِ الْمَرْأَةُ شَعْرَهَا بِشَعْرِ غَيْرِهَا، عورت کا اپنے بالوں میں دوسری عورت کا بال لگانا، المستوصلة (استفعال) اسم فاعل مؤنث، اپنے بالوں میں دوسری عورت کے بال لگانے والی عورت، مرد وعورت کے درمیان بدکاری کی دلالی کرنے والی، الواشمة (ج) الواشمات گودنے والی، اسم فاعل مؤنث، وَشَمَ (ض) وَشْمًا کھال کو سوئی سے گود کر نیل چھڑکنا، المستوشمة گدوانے والی، اسم فاعل واحد

مؤنث (ج) المستوشمات اِسْتَوْشَمَ فُلَانًا کسی سے گدائی کرانا۔

**ترجمہ**: حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بالوں کو ملانے والی، گودنے والی اور گدوانے والی پر لعنت فرمائی ہے (بخاری ومسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اپنے بالوں میں دوسروں کے بال ملانا درست نہیں ہے، اسی طرح جسم کے حصوں کو گودنا بھی درست نہیں ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کی مرتکب پر لعنت بھیجی ہے، لہٰذا جمہور اس کو حرام قرار دیتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لعن اللہ الواصلۃ وہ عورت جو اپنے بالوں کو دوسری عورت کے بالوں میں لگائے۔ المستوصلۃ وہ عورت جو دوسرے سے اپنے بالوں میں بال لگوائے، دونوں عورتیں لعنت کی مستحق ہیں، اگر مرد یہ عمل کریں تو وہ بھی مستحق لعنت ہیں۔

**بالوں کے ساتھ دوسرے بال جوڑنے کا حکم**: حضرات فقہاء کے نزدیک بالوں کے ساتھ کوئی چیز جوڑنے کی تفصیل میں اختلاف ہے۔

(۱) بعض نے مطلقاً وصل کو ممنوع قرار دیا ہے، چاہے آدمی کے بال ہوں یا غیر آدمی کے، یا کوئی ریشم اور کپڑے کے دھاگے ہوں، بالوں کے ساتھ اس طرح کی کوئی چیز جوڑنا مطلقاً ممنوع ہے۔ حضرات مالکیہ اور اکثر شوافع نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۲) انسان کے بال جوڑنا تو مطلقاً ممنوع ہے، اسی طرح انسان کے علاوہ کسی اور چیز کے نجس بال جوڑنا بھی جائز نہیں، جیسے مردار جانور کے بال ہوتے ہیں، البتہ انسان کے علاوہ دوسرے پاک بال جوڑنا جائز ہے، یہ حضرات حنفیہ، حنابلہ اور بعض شوافع کا مسلک ہے (کشف الباری)

**والواشمۃ والمستوشمۃ** "وشم" گودنے کو کہتے ہیں، جسم میں سوئی وغیرہ چبھودی جاتی ہے، اور پھر اس جگہ میں رنگ بھر دیا جاتا ہے، اس عمل کو 'وشم' کہتے ہیں، جو عورت یہ عمل کرے وہ 'واشمۃ' اور جس عورت کے ساتھ کرے وہ 'موشومۃ' کہلاتی ہے، اور اس عمل کا مطالبہ کرنے والی کو 'مستوشمۃ' کہتے ہیں، جمہور کے نزدیک یہ عمل حرام ہے۔

**گودنے والے عضو کی طہارت کا حکم**: جسم کے جس حصہ کو گودا گیا، طہارت میں اس کا کیا حکم ہے؟ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ وہ حصہ نجس ہو جاتا ہے، لہٰذا اس میں جو رنگ وغیرہ بھرا گیا اسے صاف کرنا واجب ہے، ہاں اگر عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر زائل کرنا واجب نہیں، یہ شوافع کا مسلک ہے، حضرات حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ جب خون جم گیا اور زخم مندمل ہو گیا اور صرف رنگ کا سبز یا سرخ نشان رہ گیا تو اب اسے زائل کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ اس کے اوپر پانی ڈال دیا جائے، تو طہارت حاصل ہو جائے گی، جس طرح داڑھی میں خضاب لگانے کے بعد پانی ڈال دیا جائے تو طہارت کا حکم حاصل ہو جاتا ہے۔ (کشف الباری)

**حدیث ۱۲۸۷ ﴿اللہ کی تخلیق کردہ صورت میں تبدیلی کرنے پر لعنت کرنا﴾ عالمی حدیث: ٤٤٣١**

﴿وَعَنْ﴾ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ فَجَاءَ تْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنَّهُ بَلَغَنِيْ أَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ فَقَالَ مَالِيْ لَاأَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَنْ هُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَأْتُ مَابَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُ فِيْهِ مَاتَقُوْلُ قَالَ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيْهِ لَقَدْ وَجَدْتِيْهِ أَمَاقَرَأْتِ مَاآتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَإِنَّهُ قَدْنَهٰى عَنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۷۲۵ ج۲ باب وما اتاکم الرسول فخذوه، کتاب التفسیر، حدیث ۴۸۸۶ مسلم، ص ۲۰۵ ج۲، باب تحریم فعل الواصلة، کتاب اللباس حدیث ۲۱۲۵۔

**حل لغات:** الواشمات والمستوشمات گزشتہ حدیث میں دیکھیں، المتنمصات جمع ہے واحد اَلْمُتَنَمِّصَةُ پیشانی کے بال اکھاڑنے والی، تَنَمَّصَتْ (تفعل) المرأۃ دھاگے سے اپنی پیشانی کے بال اکھاڑنا، المتفلجات (جمع ہے) واحد مُتَفَلِّجَةٌ خوبصورتی کے لئے دانت پتلے کرانے والی، فَلَّجَ (تفعیل) المرأۃ اَسْنَانَهَا بغرض زینت کسی تدبیر سے دانتوں کو الگ الگ کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے گودنے والی، گدوانے والی، بال چننے والی، خوبصورتی کے لئے دانت پتلے کرنے والی اور اللہ کی پیدہ کردہ صورت کو بدلنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، تو ایک عورت ان کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپؓ فلاں فلاں قسم کی عورتوں پر لعنت کرتے ہیں، فرمایا میں کیوں نہ اس پر لعنت کروں، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہو، اور وہ اللہ کی کتاب میں ہو، اس عورت نے کہا کہ میں نے پورا قرآن پڑھا ہے، لیکن اس میں وہ بات نہیں ہے جو آپؓ کہتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر تم غور سے پڑھتیں تو اس کو پالیتیں، کیا تو نے یہ نہیں پڑھا کہ 'ما اتاکم الرسول الخ' رسول جو تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ، کہنے لگی کیوں نہیں، فرمایا تو اسی کے ذریعے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے جس طور پر مرد وعورت کو بنایا ہے، اسی طور پر رہنا چاہئے، اپنی خواہش کے مطابق تغیر وتبدل کرنا، درست نہیں، جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی لعنت کا مستحق ہوگا، حدیث باب میں تغیر کی چند صورتیں مذکور ہیں۔ وضاحت ذیل کی سطور میں کی جاتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الواشمات والمستوشمات گزشتہ حدیث میں وضاحت ہو چکی ہے، دیکھ لیا جائے۔ المتنصمات چہرے کے بال اکھاڑنے والی۔ چہرے کے بال مثلاً بھویں اور ابرو وغیرہ کو اکھاڑنا منع ہے، چہرے پر اگر داڑھی یا مونچھیں کسی عورت کے نکل آئیں تو وہ ان بالوں کو اکھاڑ سکتی ہے۔ المتفلجات وہ عورت جو اپنے دانتوں کے درمیان کسی آلہ وغیرہ سے کشادگی پیدا کرے۔ بعض بوڑھی عورتیں اپنے کو جوان اور کم سن ظاہر کرنے کیلئے دانتوں کو رگڑ کر کشادہ کرواتی ہیں، کیوں کہ بڑھاپے میں دانت بڑے ہو کر مل جاتے ہیں۔ یہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ حسن وآرائش کی غرض سے ایسا کیا گیا ہو اور اگر بطور علاج ایسا کیا جائے تو ممانعت نہیں ہے۔ المغیرات خلق اللہ اس کا تعلق ماقبل کے مذکورہ تمام افعال سے ہے، یعنی اس میں ممانعت کی علت کی طرف اشارہ ہے کہ ان امور میں تغیر خلق اللہ پایا جاتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر تغیر حرام ہو، کیوں کہ یہ علت کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ حرمت کی اصل علت تو شارع کی طرف سے منع کیا جانا ہے، معلوم ہوا کہ شارع نے جن تغیرات کو حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہیں اور جن کو مباح قرار دیا ہے وہ مباح ہیں۔ فجاء ته امرأة حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مذکورہ ارشاد بنو اسد کی ایک عورت کو معلوم ہوا جو کہ ام یعقوب کے نام سے مشہور تھی، وہ ابن مسعودؓ کے پاس آئی اور اعتراضا کہا کہ آپؓ نے فلاں فلاں عورتوں پر لعنت بھیجی ہے، ابن مسعودؓ نے جواباً فرمایا کہ میں کیوں نہ لعنت بھیجوں اس عورت پر جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہو اور قرآن نے لعنت بھیجی ہو، عورت نے کہا کہ میں نے تو پورا قرآن پڑھا ہے، لیکن اس طرح کی لعنت اس میں نہیں ہے، اس پر انہوں نے جواب دیا کہ کیا تم نے قرآن میں "وما اتاکم الرسول الخ" نہیں پڑھا، اگر یہ آیات تم نے پڑھی ہوتی تو یہ اعتراض نہ کرتیں، عبداللہ بن مسعودؓ کا مقصد یہ تھا کہ جس چیز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا وہ بھی اسی طرح حرام ہے جیسے

قرآن میں کسی چیز کی حرمت کا ذکر ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول سے ان لوگوں کا رد ہوا جو صرف قرآن مجید کو واجب العمل جانتے ہیں اور حدیث پاک کو واجب العمل نہیں جانتے، ایسے لوگ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اور "ان الذین یفرقون بین اللہ ورسولہ" میں داخل ہیں، حدیث شریف قرآن مجید کی طرح شرعی قانون ہے اور قرآن شریف ہی کی وضاحت ہے، لہٰذا حدیث رسول کا منکر قرآن مجید کا منکر اور کافر ہے۔ (نصر الباری)

## حدیث ۱۲۸۸ ﴿ نظر لگنا ایک سچائی ہے ﴾ عالمی حدیث: ٤٤٣٢

﴿وَعَنْ﴾ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعَيْنُ حَقٌّ وَنَهٰى عَنِ الْوَشْمِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ٨٥٤ ج ٢، باب العین حق، کتاب الطب، حدیث ٥٧٤٠

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر لگنا برحق ہے، اور آپؐ نے گودنے سے منع فرمایا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بدنظری کوئی واہمہ یا خیال نہیں بلکہ ایک سچائی اور حقیقت ہے، جس طرح سحر اور جادو حقیقت ہے اور اس کا اثر انسان پر ظاہر ہوتا ہے، بدنظری کے اثر سے بھی انسان متاثر ہوتا ہے۔ آپؐ نے اس حدیث میں گودنے سے بھی منع فرمایا ہے، اس کی وضاحت گزشتہ دو حدیثوں میں ہو چکی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** العین حق ونھیٰ عن الوشم نظر لگنا برحق ہے اور آپؐ نے گودنے سے منع فرمایا ہے، حدیث کے دونوں جملوں میں بظاہر مناسبت نہیں ہے، علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ ایک ہی مجلس میں کچھ لوگوں نے "عین" کے متعلق اور کچھ نے "وشم" کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے "عین" کو حق قرار دیا اور "وشم" سے منع فرمایا۔ حافظ ابن حجرؒ نے دونوں جملوں کے درمیان چند اور مناسبتیں بیان کی ہیں، مثلاً جس طرح وشم کے ذریعہ اندر اصلی رنگ کے علاوہ ایک مصنوعی رنگ پیدا کر دیا جاتا ہے بد نظر بھی عضو کے اندر غیر اصلی رنگ پیدا کرتی ہے، یہ دونوں غیر اصلی رنگ پیدا کرنے میں شریک ہیں، لہٰذا اس اشتراک کی وجہ سے دونوں میں مناسبت ہے، دوسری مناسبت یہ ہے کہ "وشم" کو بسا اوقات اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ نظر بد سے بچا جائے، وشم سے عضو اپنے اصلی رنگ وخوبصورتی پر برقرار نہیں رہتا بد نظر سے محفوظ رہنے کیلئے بعض اوقات وشم کے ذریعہ اس کی فطری خوبصورتی کو متاثر کیا جاتا ہے، حدیث میں وشم کی ممانعت اور بد نظر کا اثبات کیا گیا ہے، یہ اس طرف اشارہ ہے کہ نظر حق ہے اور جب نظر لگنا مقدر ہوگا تو پھر وشم سے اس کو روکا نہیں جا سکے گا۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں الگ الگ جملے ہیں، جو دو الگ الگ سوالات کے جواب کے طور پر کہے گئے ہیں، ان کے درمیان اس قسم کی مناسبتیں تلاش کرنا تکلفِ محض ہے۔ (کشف الباری) مزید کے لئے دیکھیں عمدۃ القاری ص ۲۶۸ ج ۲۱۔

## حدیث ۱۲۸۹ ﴿ سر کے بال چپکانے کا تذکرہ ﴾ عالمی حدیث: ٤٤٣٣

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلَبِّدًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ٨٧٦ ج ٢، باب التلبید، کتاب اللباس، حدیث ٥٩١٤.

**حل لغات:** ملبدا، لَبَّدَ (تفعیل) الشیء ایک چیز کو دوسری چیز سے چپکانا، لبد شعرہ، بالوں کو نمدہ کی طرح کسی چیز سے چپکانا، ایک دوسرے میں نتھنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بال چپکائے ہوئے دیکھا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ؐ نے اپنے سر کے بالوں کو چپکنے والی چیز لگا کر چپکا لیا تھا، تاکہ جوئیں وغیرہ نہ پڑیں اور گرد و غبار سے حفاظت بھی رہے، ایسا آپ ؐ نے سفر کے دوران یا احرام کی حالت میں کیا تھا، اسی موقع پر حضرت ابن عمرؓ نے دیکھا ہے، جس کو یہاں بیان کیا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** رایت رسول الله صلى الله عليه وسلم ملبدا　احرام کی حالت میں سر پر ٹوپی نہیں ہوتی ہے، لہٰذا بالوں کو انتشار سے اور گرد و غبار سے بچانے کے لئے کسی لیس دار تیل وغیرہ سے بالوں کو جمانا بلا کراہت جائز ہے۔ عام حالات میں بعض لوگوں نے مکروہ قرار دیا ہے۔

## حدیث ۱۲۹۰ ﴿مردوں کو زعفرانی رنگ اختیار کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث:٤٤٢٤

﴿وَعَنْ﴾ أَنَسٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَتَزَعْفَرَ الرَّجُلُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۶۹ ج ۲، باب النهي عن التزعفر للرجال، كتاب اللباس، حدیث ۵۸۴٦ مسلم، ص ۱۹۸ ج ۲ باب نهي الرجل عن التزعفر كتاب اللباس، حدیث ۲۱۰۱

**حل لغات:** يتزعفر، (تفعُّل) زعفران سے رنگا ہوا ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردکو زعفرانی رنگ استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کے لئے زعفرانی خوشبو لگانا اور زعفرانی رنگ کے کپڑے پہننا منع ہے، یہ عورتوں کے لئے خاص ہے، لہٰذا مرد اس کو استعمال نہ کریں، آپ ؐ نے ایک شخص کو زعفران لگائے دیکھا تو فرمایا "اذهب فاغسله ثم اغسله ثم لا تعد" جاؤ اس کو دھو ڈالو، پھر اس کو دھو ڈالو یعنی خوب مبالغہ سے دھو ڈالو، پھر نہ لوٹو، یعنی آئندہ زعفران استعمال نہ کرنا کیوں کہ یہ زنانی خوشبو ہے۔ (ترمذی)

**کلمات حدیث کی تشریح** يتزعفر الرجل　آپ ؐ نے مردوں کو زعفران استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ بعض صحابہؓ نے زعفرانی خوشبو لگائی ہے، ممکن ہے کہ یہ ممانعت سے قبل ہو، یا پھر نہایت معمولی مقدار میں ہو، اسی بناء پر آپ ؐ نے درگزر فرما دیا ہو۔

## حدیث ۱۲۹۱ ﴿رنگ دار خوشبو کا استعمال﴾ عالمی حدیث:٤٤٣٥

﴿وَعَنْ﴾ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ النَّبِيَّ ﷺ بِأَطْيَبِ مَا نَجِدُ حَتَّى أَجِدَ وَبِيصَ الطِّيبِ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۷۷ ج ۲، باب الطيب في الرأس، كتاب اللباس، حدیث ۵۹۲۳ مسلم، ص ۳۷۸ ج ۱ باب الطيب للمحرم، كتاب الحج، حدیث ۱۱۸۹.

**حل لغات:** وبیص چمک، وَبَصَ (ض) وَبْصًا چمکنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین خوشبو لگاتی جو مجھ کو میسر آتی، یہاں تک کہ میں خوشبو کی چمک آپ ؐ کے سر اقدس اور ریش مبارک میں دیکھتی۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** سر اور داڑھی کے بالوں میں عمدہ خوشبو لگانا سنت سے ثابت ہے اور ایسی خوشبو جس میں کچھ چمک ہو لگائی جا سکتی ہے

**کلمات حدیث کی تشریح** حتی اجد وبیص الطیب یہاں تک کہ میں خوشبو کی چمک محسوس کرتی۔ حدیث کے اس جز سے اس حدیث سے تعارض ہوتا ہے جس میں مردوں کو اس خوشبو کے استعمال سے منع کیا گیا ہے جس کا رنگ ظاہر ہو، جواب یہ ہے کہ مرد کو رنگ دار خوشبو سے منع کیا گیا ہے، اس سے مراد وہ رنگ ہے جس کے ظاہر ہونے سے زینت وزیبائش کا انداز نمایاں ہوتا ہو، جیسے سرخ اور زرد رنگ اور جو رنگ ایسا نہ ہو جیسے مشک وعنبر وغیرہ تو وہ جائز ہے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۲۹۲ ﴿خوشبو کی دھونی لینے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٤٣٦

﴿وَعَنْ﴾ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا اسْتَجْمَرَ اِسْتَجْمَرَ بِالْأَلُوَّةِ غَيْرِ مُطَرَّاةٍ وَبِكَافُورٍ يَطْرَحُهُ مَعَ الْأَلُوَّةِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ يَسْتَجْمِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۳۹ ج ۲، باب استعمال المسك، کتاب الادب، حدیث ٢٢٥٤

**حل لغات:** استجمر (استفعال) بشیٔ، دھونی دینا، اُلوۃ اگر بتی، عود، مطراۃ ایک قسم کی خوشبو، طرًّا (تفعیل) الطِّیبَ خوشبو میں آمیزش کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب دھونی لیتے تو وہ لوبان غیر مخلوط کی دھونی لیتے تھے، یا کافور بھی لوبان کے ساتھ ڈالتے تھے، اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دھونی لیا کرتے تھے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کبھی خالی عود وغیرہ کی لکڑی سلگا کر کپڑوں میں دھونی لیتے اور کبھی کوئی خوشبو ملا کر دھونی لیتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** غیر مطراۃ صرف عود کی لکڑی سے دھونی لیتے اس میں مشک اور عنبر جیسی کوئی خوشبو نہیں ملاتے تھے، وبکافور دھونی کی خوشبو میں اضافے کے لئے کبھی کوئی اور خوشبو ملاتے تھے۔ ھٰکذا کان یستجمر یعنی ان دونوں طریقوں سے حضور بھی دھونی دیتے تھے۔ (تلخیص تکملہ فتح الملہم ۴۲۰ ج ۴، مرقات)

# الفصل الثانی

## حدیث ۱۲۹۳ ﴿مونچھیں کترنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث: ٤٤٣٧

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُصُّ أَوْيَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهٖ وَكَانَ إِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ (صَلَوَاتُ الرَّحْمٰنِ عَلَيْهِ) يَفْعَلُهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۵ ج ۲، باب ماجاء فی قص الشارب، کتاب الادب، حدیث ٢٧٦٠

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھوں کو کترتے تھے یا لیتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیمؑ بھی ایسا کرتے تھے (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مونچھیں کترنا فطرت میں داخل ہے اور یہ انبیاء کرام کی سنت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یقص او یاخذ من شاربہ یہ راوی کا شک ہے کہ "یقص" فرمایا یا پھر "یأخذ" فرمایا۔ مونچھوں کے بارے میں حدیثوں میں پانچ لفظ آئے ہیں، (۱) "جذوا الشوارب" مونچھیں کاٹو۔ (۲) قص الشارب "مونچھ کترنا"۔ (۳) "احفوا الشوارب" مونچھیں پست کرو۔ (۴) "انھکوا الشوارب"

مونچھوں کو خوب پست کرو (۵) "اخـذ الشـارب" مونچھ لینا۔ مونڈنے کا ذکر کسی حدیث میں نہیں، اس لئے امام مالکؒ کے نزدیک مونڈنا منع ہے، اور احناف کے یہاں بھی مونڈنے کے بدعت ہونے کا ایک قول ہے۔ (درمختار) اور احناف کے یہاں دوسرا قول مونڈنے کے سنت ہونے کا ہے، لیکن درمختار نے اس کو قیل سے ذکر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اختلاف اقوال کی وجہ یہ ہے کہ مونچھوں کے سلسلہ میں احادیث میں جو پانچ الفاظ آئے ہیں، ان میں سے 'احـفـاء' اور 'انھاء' کی دلالت مبالغہ پر ہے اور کامل مبالغہ مونڈنے میں ہے، اس لئے بعض علماء نے مونڈنے کو سنت کہا ہے، لیکن قابل غور پہلو یہ ہے کہ اگر مونڈنا مطلوب ہوتا تو اس کے لئے عربی میں لفظ 'حلق' موجود تھا، اس کو نہ استعمال کرنا اور اس کی جگہ دوسرے الفاظ استعمال کرنا، اس طرف مشیر ہے کہ مونڈنا پسندیدہ نہیں ہے، لہٰذا احناف کے نزدیک مونڈنے کے سنت ہونے کا قول مرجوح ہے۔ (تلخیص تحفۃ الالمعی)

**سوال:** اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ کا خصوصیت سے تذکرہ کیوں ہے؟

**جواب:** حضرت ابراہیمؑ کی عظمت شان کی وجہ سے ان کا ذکر ہے یا پھر اس سنت کی ابتدا انہیں سے ہوئی اس لئے ان کا ذکر ہے۔

## حدیث ۱۲۹۴ ﴿مونچھیں ھلکی نه کرنے پر وعید﴾ عالمی حدیث :۴۴۳۸

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهٖ فَلَيْسَ مِنَّا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ.

**حواله:** احمد، ص ٣٦٦ ج٤، ترمذی، ص ١٠٥ ج٢، باب ما جاء فی قص الشارب، کتاب الادب، حدیث ٢٧٦١ نسائی، ص ٤ ج١، باب قص الشارب، کتاب الطهارة، حدیث ١٣

**ترجمه:** حضرت زید بن ارقمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنی مونچھیں نہ کترے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(احمد، ترمذی، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا طریقہ اور آپ ﷺ کے متبعین کا طریقہ مونچھیں پست رکھنا ہے، جو شخص اس سے انحراف کرے گا وہ سنت کا تارک ہوگا اور ایسا ممکن ہے کہ اس کا حشر مسلمانوں کے ساتھ نہ ہو۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من لم یأخذ من شاربه فلیس منا یہاں 'من' تبعیضیہ ہے، لہٰذا کچھ نہ کچھ مونچھ ضرور کترنا چاہئے، مونچھ کے لئے عربی میں "شـارب" کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں، پینے والا، زمانہ جاہلیت میں لوگ مونچھیں بڑی بڑی رکھتے تھے، اس لئے جب وہ کوئی چیز پیتے تھے، تو مونچھیں اس میں ڈوبتی تھیں، لہٰذا وہ شارب کہلانے لگیں، اسلام نے مونچھیں کترنے کی ہدایت دی، لہٰذا کم از کم اتنی مونچھیں کترنا ضروری ہے کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے ورنہ غیروں کے ساتھ مشابہت لازم آئے گی۔ (تلخیص تحفۃ الالمعی)

## حدیث ۱۲۹۵ ﴿داڑھی سنوارنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث :۴۴۳۹

﴿وَعَنْ﴾ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهٖ مِنْ عَرْضِهَا وَطُوْلِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

**حواله:** ترمذی، ص ١٠٥ ج٢ باب ماجاء فی الأخذ من اللحیة، کتاب الادب، حدیث ٢٧٦٢

**ترجمه:** حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کے طول و عرض میں سے کچھ کترا کرتے تھے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ؐ داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑے نہیں رکھتے کہ وہ بہت زیادہ بڑھ کر بدنما نظر آنے لگے، بلکہ زائد بالوں کو تراشتے تھے، تا کہ داڑھی خوب صورت نظر آئے، صحابہؓ کا بھی عمل مروی ہے کہ وہ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کو کترواتے تھے، اور ایک مشت سے کم ہونے پر داڑھی کترنا حرام ہے، ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے والے کو واجب ترک کرنے کی بنا پر فاسق قرار دیا گیا ہے۔ (دیکھیں کتاب المفتی)

**کلمات حدیث کی تشریح** کان یاخذ من لحیته من عرضها وطولها آپ ؐ اپنی داڑھی کی لمبائی اور چوڑائی میں سے لیا کرتے تھے، داڑھی ایک مشت رکھنا ضروری ہے اس سے کم کرنا حرام ہے، اور ایک مشت سے بہت زیادہ لمبی داڑھی رکھنا خلاف سنت ہے، امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ داڑھی چھوڑے رکھنا یہاں تک کہ وہ گھنی ہو جائے اور بڑھ جائے یہ داڑھی بڑھانے کا مصداق ہے اور داڑھی کا قصر کرنا سنت ہے اور قصر یہ ہے کہ داڑھی کو مٹھی میں لے اور جو مٹھی سے بڑھ جائے اسکو کاٹ دے، (مگر مٹھی ٹھوڑی کے نیچے سے بھرے، بعض لوگ ٹھوڑی کو بھی مٹھی میں بھر لیتے ہیں، یہ صحیح نہیں) کیونکہ داڑھی زینت ہے اور اسکا بھر پور ہونا کمال زینت ہے، اور غیر معمولی دراز ہونا بھونڈا پن اور خلاف سنت ہے۔ داڑھی کے بارے میں احادیث میں چھ لفظ آئے ہیں:

(۱) "اَعۡفُوۡا" یہ باب افعال سے امر ہے، اس کے معنی ہیں، داڑھی کو بڑھاؤ تا آنکہ بال زیادہ ہو جائیں اور دراز ہو جائیں۔

(۲) "اوفوا" یہ بھی باب افعال سے امر ہے، اس کے معنی ہیں کامل کرنا، تمام کرنا، پورا کرنا، یہ لفظ مسلم شریف کی روایت میں ہے۔

(۳) "اَرۡخُوا" یہ بھی باب افعال سے امر ہے، ارخاء کے معنی ہیں کسی چیز کو وسیع اور لمبا کرنا، چھوڑ دینا اور لٹکانا، یہ لفظ بھی مسلم شریف کی روایت میں ہے۔

(۴) "اَرۡجُوا" یہ بھی باب افعال سے امر ہے، ارجاء کے معنی ہیں مؤخر کرنا، یعنی بالکل نہ لینا، پورا باقی رہنے دینا، چھوڑ دینا۔

(۵) "وَفِّرُوۡا" یہ باب تفعیل سے امر ہے، نیز باب افعال سے "اَوۡفِرُوۡا" بھی آیا ہے، دونوں کے معنی ہیں زیادہ کرنا، پورا کرنا۔

(۶) "دَعُوۡا" یہ باب فتح سے امر ہے، اسکے معنی ہیں چھوڑ دو، ان تمام لفظوں کا حاصل یہ ہے کہ لمبی داڑھی رکھنا مامور بہ ہے، اس لئے واجب ہے، لہٰذا جس طرح داڑھی منڈوانا حرام ہے، کترنا اور خشخشی داڑھی رکھنا بھی حرام ہے، کیوں کہ یہ وجوب کے منافی ہے اور اس سے حکم شرعی کا تقاضہ پورا نہیں ہوتا ہے، اور ان سبھی الفاظ کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ داڑھی جتنی بڑھے بڑھنے دی جائے، اس کو کاٹنا اور ہاتھ لگانا منع ہے، اور یہی رائے غیر مقلدین کی ہے مگر باب کی حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کو طول وعرض سے کترتے تھے، پس فعل مبارک سے قول مبارک کی شرح کی جائے گی اور قولی احادیث کو ایک مشت کے ساتھ خاص کیا جائے گا، اور غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ہے، ضعیف صحیح نہیں ہے، یہ روایت اگر چہ اعلیٰ درجہ کی صحیح نہیں مگر حسن ضرور ہے ،اس لئے قابل استدلال ہے اور اس کے ذریعہ قولی احادیث کو مقید کرنا درست ہے۔ علاوہ ازیں بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جن کا خاص ذوق اتباع سنت تھا، جب حج یا عمرہ کرتے اور احرام کھولتے تو اپنی داڑھی مٹھی میں لیتے اور جو زائد ہوتی اسے کٹوا دیتے اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی یہی عمل نقل کیا ہے، صحابہؓ کے اس عمل سے باب کی مرفوع روایت کی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ امام ترمذیؒ نے حدیث باب کو غریب کہا ہے، یعنی اس کی یہی ایک سند ہے اور اس کے راوی عمر بن ہارون کے بارے میں امام بخاریؒ نے فرمایا کہ وہ "مقارب الحدیث" ہے، یعنی وہ اپنی حدیثوں کو صحیح حدیثوں سے قریب کرنے والا ہے، پس یہ ادنیٰ درجہ کی توثیق ہے، اور امام بخاریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے علم میں اس راوی کی کوئی حدیث بے اصل نہیں ہے، یا فرمایا کہ یہ راوی متفرد نہیں ہے، مگر اس حدیث کے ساتھ کہ آپ ؐ اپنی داڑھی میں سے لیا کرتے تھے اس کی چوڑائی میں اور

اس کی لمبائی میں سے، یہ حدیث ہم صرف عمر بن ہارون کی سند سے پہچانتے ہیں، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ کو دیکھا کہ ان کی رائے عمر بن ہارون کے بارے میں اچھی تھی اور امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے قتیبہ بن سعید کو فرماتے ہوئے سنا کہ عمر بن ہارون صاحب حدیث تھے، یعنی ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔

## حدیث ۱۲۹۶☆☆☆عالمی حدیث: ٤٤٤٠

## ﴿ مردوں کے لئے زعفرانی خوشبو کی ممانعت ہے ﴾

﴿وَعَنْ﴾ يَعْلٰى بْنِ مُرَّةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ رَاٰى عَلَيْهِ خَلُوْقًا فَقَالَ أَلَكَ امْرَأَةٌ قَالَ لَاقَالَ فَاغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ لَاتَعُدْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ.

**حواله:** ترمذی، ص ۱۰۹ ج ۲، باب فی کراهية التزعفر، كتاب الادب، حديث ۲۸۱٦ نسائی، ص ۲۳۹ ج ۲، باب التزعفر، كتاب الزينة، حديث ۵۱۲۱

**حل لغات:** خلوق ایک قسم کی خوشبو جس کا بیشتر حصہ زعفران سے ہوتا ہے۔

**ترجمه:** حضرت یعلی بن مرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جسم پر "خلوق" لگا ہوا دیکھا، تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تمہاری بیوی ہے، عرض کیا نہیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ اس کو دھوڈالو، پھر اس کو دھوڈالو، پھر اس کو دھوڈالو یعنی خوب مبالغہ سے دھوڈال، پھر نہ لوٹ۔ (ترمذی، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کو زعفرانی خوشبو استعمال نہ کرنا چاہئے، اگر کسی کے بدن یا کپڑے پر لگ جائے تو اس کو چاہئے کہ اچھی طرح دھو کر صاف کر لے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** خلوقاً ایک قسم کی خوشبو ہے، اس کا بڑا حصہ زعفرانی ہوتا ہے، امام ترمذیؒ نے امام شعبہؒ سے اس کی جو تشریح نقل کی ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دونوں ہم معنی ہیں، پس زنانی خوشبو جس کا غالب جز زعفران ہوتا ہے، جس کو خلوق کہتے ہیں مردوں کے لئے ممنوع ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

الك امرأة مقصد یہ تھا کہ بیوی کے کپڑے یا پھر بدن سے تمہارے بدن یا کپڑے پر لگی ہے، تب تو تم معذور ہو۔

لا بیوی کی نفی کی تو آپؐ نے اچھی طرح دھونے کا حکم دیا، تا کہ اس کی خوشبو اور رنگ زائل ہو جائے، یہ خوشبو عورتوں کے لئے خاص ہے، مردوں کے لئے ممنوع ہے۔

## حدیث ۱۲۹۷﴿ خلوق لگانے والے کی نماز قبول نهیں هوتی ﴾ عالمی حدیث: ٤٤٤١

﴿وَعَنْ﴾ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ رَجُلٍ فِيْ جَسَدِهٖ شَيْءٌ مِنْ خَلُوْقٍ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ابوداود، ص ۵۷۵ ج ۲، باب فی الخلوق للرجال، کتاب الترجل، حدیث ٤١٧٨.

**ترجمه:** حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتے ہیں جس کے جسم میں تھوڑی سی بھی خلوق لگی ہو۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** مردوں کے لئے خلوق کی ممانعت ہے، کیوں کہ یہ خوشبو عورتوں کے لئے مخصوص ہے، ممانعت کی پرواہ نہ کر کے جو شخص خلوق استعمال کرتا ہے، وہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے، لہٰذا اس کو اس کی نماز کا ثواب نہیں ملتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لایقبل الله صلوة نماز قبول نہیں ہوتی کا مطلب یہ ہے کہ کامل نماز کا ثواب نہیں ملتا ہے، اس میں اس زعفرانی خوشبو "خلوق" کے استعمال پر بڑی تنبیہ اور توبیخ ہے۔ شیء اس سے معلوم ہوا کہ تھوڑی مقدار میں بھی یہ خوشبو لگانے سے گریز کرنا چاہئے۔

## حدیث ۱۲۹۸ ﴿ خلوق لگانے پر آپ کی ناراضگی ﴾ عالمی حدیث:٤٤٤٢

وَعَنْ﴾ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قَدِمْتُ عَلٰى أَهْلِيْ مِنْ سَفَرٍ وَقَدْ تَشَقَّقَتْ يَدَایَ فَخَلَّقُوْنِيْ بِزَعْفَرَانَ فَغَدَوْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ وَقَالَ اِذْهَبْ فَاغْسِلْ هٰذَا عَنْكَ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ابوداود، ص ٥٧٥ ج ٢، باب فی الخلوق للرجال ، كتاب الترجل، حديث ٤١٧٦.

**حل لغات:** تشققت (تفعل) دراڑ پڑجانا، پھٹ جانا، خلقوا خَلَّقَ (تفعیل) زعفران سے بنی ہوئی خوشبو لگانا۔

**ترجمه:** حضرت عمار بن یاسرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں سفر سے اپنے گھر والوں کے پاس لوٹا، اس وقت میرے دونوں ہاتھ پھٹے ہوئے تھے، تو میرے گھر والوں نے زعفران والی خلوق کو میرے ہاتھوں پر مل دیا، اگلے دن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے سلام کیا تو آپ نے مجھ کو جواب نہیں دیا اور آپؐ نے فرمایا کہ اس کو جا کر دھو ڈالو۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ مردوں کے لئے خلوق کا استعمال منع ہے، آپؐ حضرت عمارؓ کو خلوق لگائے ہوئے دیکھا تو اظہار ناراضگی کی بنا پر ان کے سلام کا جواب نہیں دیا، یہ الگ بات ہے کہ حضرت عمارؓ نے بیماری کی وجہ سے بطور دوا کے خلوق کا استعمال کیا تھا، جو اپنی جگہ درست تھا، لیکن آپ کو ان کی بیماری اور بطور علاج خلوق لگانے کا علم نہیں تھا، اگر علم ہوتا تو آپؐ معذوری کی بنا پر رخصت عطا کرتے اور ناراضگی کا اظہار نہیں فرماتے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** تشققت یدای سردی اور محنت کی وجہ سے ہاتھ پھٹ گئے تھے، فخلقونی دوا اور علاج کے طور پر گھر والوں نے خلوق یعنی زعفران والی خوشبو ہاتھوں پر مل دی، فلم یرد علی چونکہ ان کے بدن اور کپڑوں پر زعفرانی رنگ نظر آرہا تھا، اس بنا پر آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جا کر اس کو دھو ڈالو، ابوداؤد میں آگے روایت ہے کہ میں فوراً گیا اور دھو کر آیا، اور سلام کر کے بیٹھنے لگا، اس وقت بھی آپؐ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، کیوں کہ اس خوشبو کا اثر ابھی باقی تھا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ جاؤ اور اس کو دھوؤ، میں گیا اور دھو کر آیا، اس وقت آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب دیا، اور مرحباً فرمایا، اور فرمایا کہ ملائکہ خیر کے ساتھ نہ تو کافر کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں اور نہ زعفران کی خوشبو لگانے والے پر اور نہ جنبی کے پاس آتے ہیں۔

## حدیث ۱۲۹۹ ﴿ مردانه وزنانه خوشبو کا ذکر ﴾ عالمی حدیث:٤٤٤٣

﴿وَعَنْ﴾ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طِيْبُ الرِّجَالِ مَاظَهَرَ رِيْحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَطِيْبُ النِّسَاءِ مَاظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيْحُهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ.

**حواله:** ترمذی، ص ١٠٧ ج ٢، باب ماجاء فی طيب الرجال، كتاب الادب، حديث ٢٧٨٧ نسائی، ص ٢٣٩ ج ٢، باب الفصل بين طيب الرجال، كتاب الزينة حديث ٥١١٧.

**ترجمه:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی بو ظاہر ہو اور رنگ چھپا ہوا ہو جب کہ عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر اور بو چھپی رہے۔ (ترمذی، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** مرد رنگ دار خوشبو نہ لگائیں، کیوں کہ اس میں زینت ورعنائی ہوتی ہے جو کہ مرد کے شایان شان نہیں ہے اور عورت ایسی خوشبو لگائے جس میں رنگ ہو، لیکن خوشبو نہ پھیلے، تا کہ کسی طرح کا فتنہ وجود میں نہ آئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما ظهر ريحه وخفي لونه وہ خوشبو جس کی بو پھیلے اور اس میں رنگ نہ ہو، جیسے عرق گلاب، عطر گلاب، مشک، عنبر اور کافور وغیرہ اور وہ خوشبو جس کا رنگ ظاہر ہو، اور اس کی بو پوشیدہ ہو جیسے زعفران۔ عورت گھر میں جو چاہے خوشبو اپنے شوہر کے لئے لگائے، حدیث میں جو امتیاز کیا گیا ہے وہ خوشبو لگا کر گھر سے نکلنے کی صورت میں ہے۔ (تحفۃ الالمعی) اسی طرح مرد کے حق میں رنگ کی جو ممانعت ہے اس سے وہ رنگ مراد ہے جو زینت ورعنائی کی غمازی کرتا ہو مثلاً سرخ وزرد رنگ۔

## حدیث ۱۳۰۰ ﴿آپ کی خوشبو کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٤٤٤

﴿وَعَنْ﴾ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سُكَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حواله**: ابو داود، ص ۵۷۳ ج ۲، باب ماجاء فی استحباب الطیب، کتاب الترجل، حدیث ٤١٦٢.

**حل لغات**: سكة ایک بہترین خوشبو ہے یہ مشک سے تیار کی جاتی ہے اور بعض لوگوں نے کہا یہ خوشبوؤں کا مرکب ہے، يتطيب (تفعل) خوشبودار ہونا خود خوشبو لگانا۔

**ترجمه**: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے پاس ایک بہترین خوشبو تھی، آپؐ اسی میں سے خوشبو لگاتے تھے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ کے پاس ایک عمدہ اور نفیس خوشبو تھی، آپؐ اسی میں سے استعمال فرماتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** سکة اس لفظ کی تشریح میں دو قول ہیں (۱) مختلف خوشبوؤں کو ملا کر ایک عمدہ خوشبو تیار ہوتی ہے، (۲) عطر دانی، یعنی عطر رکھنے کی شیشی آپؐ کے پاس تھی، اس شیشی میں عطر رہتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی میں سے عطر استعمال کرتے تھے۔ (مرقات)

## حدیث ۱۳۰۱ ﴿آپ کا سر مبارک میں تیل لگانا﴾ عالمی حدیث: ٤٤٤٥

﴿وَعَنْهُ﴾ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكْثِرُ دَهْنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِيْحَ لِحْيَتِهِ وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ كَأَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زَيَّاتٍ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حواله**: البغوی فی شرح السنة، کتاب اللباس، ص ۸۲ ج ۱۲، باب ترجیل الشعر، حدیث ٣١٦٤.

**حل لغات**: تسريح (تفعیل) سَرَّحَ الشعرَ بالوں میں کنگھی کرنا، بالوں کو کنگھی سے سلجھانا، القناع اوڑھنی، دوپٹہ، سرپوش (ج) قُنُعٌ وأَقْنِعَةٌ، زیات تیل فروش، تیلی، زَاتَ (ض) زَيْتًا کھانے یا سالن وغیرہ میں تیل یا روغن ڈالنا۔

**ترجمه**: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے سر مبارک میں تیل لگاتے تھے اور اپنی داڑھی میں کنگھی کرتے تھے، اور آپ اکثر اپنے سر مبارک پر کپڑا رکھتے تھے، جو ایسا لگتا تھا کہ تیلی کا کپڑا ہو۔ (بغوی فی شرح السنة)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سر میں تیل لگانا اور کنگھی کرنا آپ کی سنت ہے، لہٰذا جو شخص بال رکھے اس کو بال سنوارتے رہنا چاہئے، اور بوقت ضرورت تیل کا بھی استعمال کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** يكثر دهن راسه آپ ﷺ سر میں تیل کا استعمال بکثرت فرماتے تھے، وتسريح لحيته آپ ﷺ داڑھی میں کنگھی بھی کثرت سے کرتے تھے۔ یہ بات اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں

بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے روزانہ کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ اول تو یہ نہی تحریمی طور پر نہیں ہے، بلکہ نہی تنزیہی طور پر ہے، دوسرے کثرت سے کنگھی کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ روزانہ کنگھی کرتے تھے، کیوں کہ ''کثرت'' کا اطلاق اس چیز پر بھی ہوتا ہے کہ کسی کام کو اس کی ضرورت کے وقت انجام دیا جائے، گویا جس عمل کی جس وقت ضرورت ہو اس وقت بھی اس کو کرنا کثرت کے حکم میں شامل ہوتا ہے، جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو داڑھی میں کنگھی کرنا سنت ہے، لیکن جو لوگ ہر وضو کے بعد کنگھی کرتے ہیں، اس کی سنت صحیحہ میں کوئی بنیاد نہیں ہے، القناع اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو آپ ﷺ بالوں میں تیل لگانے کے بعد سر پر اس مقصد سے ڈال لیا کرتے تھے کہ عمامہ میلا اور چکنا نہ ہو، چنانچہ وہ کپڑا تیل لگنے کی وجہ سے چوں کہ بہت تیل آلود ہو جاتا تھا، اس لئے اس کو تیلی کے کپڑے سے تشبیہ دی گئی، ورنہ یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ وہ کپڑا بہت گندا رہتا تھا، یا آپ ﷺ کے سارے کپڑے تیلی کے کپڑوں کی طرح رہتے تھے، کیوں کہ یہ مراد اس نظافت و پاکیزگی اور صفائی ستھرائی سے بہت بعید ہے، جو آپ ﷺ کے مزاج کا جز تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ سفید کپڑے کو پسند فرماتے تھے۔

(مظاہر حق، مرقات)

## حدیث ۱۳۰۲ ﴿آپ کے مبارک بالوں کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث: ٤٤٤٦

﴿وَعَنْ﴾ أُمِّ هَانِیٍٔ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلَیْنَا بِمَکَّۃَ قَدْمَۃً وَلَہٗ أَرْبَعُ غَدَائِرَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ.

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۳٤۱ ج ٦، ابوداود، ص ۵۷۷ ج ۲ باب فی الرجل یعقص شعرہ، کتاب الترجل، حدیث ٤۱۹۱ ترمذی، ص ۳۰۸ ج ۱، باب دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۸۱، ابن ماجہ ص ۲۵۹ باب اتخاذ الجمعۃ، کتاب اللباس، حدیث ۳٦۳۱.

**حل لغات:** غرائر واحد اَلْغَرِیْرَۃُ بالوں کا جوڑا یا چٹیا، اِغْتَرَرَ (افتعال) بالوں کا جوڑا بنانا، چوٹی بنانا۔

**ترجمہ:** حضرت ام ہانیؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ایک مرتبہ ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت آپؐ کے بالوں کی چار لٹیں تھیں۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر مرد کے بال لمبے ہوں تو عورتوں کی طرح چوٹیاں بنانا اس کے ساتھ مشابہت کی بنا پر جائز نہیں ہے، لیکن اگر مرد ان کی لٹیں بنالے یعنی چند حصے کر کے ان کو گول کر لے تو یہ درست ہے، آپؐ نے اپنے بالوں کی لٹیں رکھی ہیں، معلوم ہوا کہ یہ امر جائز ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علینا بمکۃ آپؐ ہمارے پاس مکہ تشریف لائے، اس سے آپ کی وہ آمد مراد ہے جو فتح مکہ کے موقع پر ہوئی تھی، مکہ مکرمہ میں ہجرت کے بعد آپ کی چار مرتبہ تشریف آوری ہوئی ہے۔ (۱) عمرۃ القضاء۔ (۲) فتح مکہ۔ (۳) عمرۃ الجعرانہ۔ (۴) حجۃ الوداع۔ ولہ اربع غدائر آپ کی چار زلفیں تھیں "غدائر" ضفائر، ذوابۃ، یہ الفاظ حدیث میں آئے ہیں، سب ہم معنی ہیں، بالوں کا وہ حصہ جس کو بل دیا گیا ہو، آپ کی لٹیں عورتوں کی چوٹیوں کی طرح نہیں تھیں، کیوں کہ عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے کی تو آپؐ نے خود ہی ممانعت فرمائی ہے، پھر اس طرح کی لٹیں رکھنا آپؐ کے معمول میں داخل نہ تھا، بلکہ سفر وغیرہ میں غبار وغیرہ سے بچنے کی خاطر ضرورۃً آپؐ بالوں کو اس طرح کر لیتے تھے۔ (ملخص الدر المنضود)

## حدیث ۱۳۰۳ ﴿آپ کے بالوں کی مانگ نکالنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٤٤٧

﴿وَعَنْ﴾ عَائِشَةَ قَالَتْ إِذَا فَرَقْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ صَدَعْتُ فَرْقَهُ عَنْ يَافُوْخِهِ وَأَرْسَلْتُ نَاصِيَتَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٥٧٦ ج ٢، باب ماجاء فی الفرق، کتاب الترجل، حدیث ٤١٨٩

**حل لغات:** فرقت (ن) الشعر بالوں میں مانگ نکالنا، صدعت صَدَعَ (ف) صَدْعاً الشیٔ پھاڑنا، مانگ نکالنا، یافوخ چندیا، تالو، سر کے کے اوپر کا حصہ (ج) یَوافِیخ۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک میں مانگ نکالتی تھی، تو آپ کے تالو سے آپ کی مانگ کو پھاڑتی تھی، اور آپ کی پیشانی کے بالوں کو آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان چھوڑ دیتی تھی۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے مانگ کی صورت بیان کی ہے کہ اس کا ایک سرا تالو کے نزدیک ہوتا یعنی سر کے درمیانی حصہ میں جہاں تالو ہوتا ہے اور دوسرا سرا دونوں آنکھوں کے درمیانی جگہ کے بالمقابل پیشانی کے نزدیک ہوتا تھا۔ اس طرح پیشانی کے آدھے بال مانگ کی دائیں طرف ہوتے اور آدھے بال مانگ کے بائیں طرف ہوتے۔ (طیبی)

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا فرقت حضرت عائشہؓ آپؐ کے سرِ مبارک کے بیچ سے مانگ چیرتی تھیں، اور اگلے حصہ کے بال دو حصوں میں کر دیتی تھیں، دائیں جانب اور بائیں جانب، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بالوں میں مانگ نکالنا سنت ہے۔ (مزید کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۴۲۵)

## حدیث ۱۳۰٤ ﴿روزانہ کنگھی کرنا منع ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٤٤٨

﴿وَعَنْ﴾ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غِبًّا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ٣٠٥ ج ٢، باب ماجاء فی النهی عن الترجل، کتاب اللباس، حدیث ١٧٥٦، ابوداود ص ٥٧٣ ج ٢، باب، کتاب الترجل حدیث ٤١٥٩ نسائی، ص ٢٣٥ ج ٢، باب الترجل غبا، کتاب الزینة، حدیث ٥٠٥٥۔

**حل لغات:** الترجل (تفعل) شَعْرَهُ بالوں میں کنگھی کرنا، غِبًّا ناغہ کرنا، غَبَّ (ض) غِبًّا العملَ کوئی کام ایک دن چھوڑ کر کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن مغفلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنگھی کرنے سے منع فرمایا مگر ایک روز کا ناغہ کر کے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ روزانہ اہتمام کر کے چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو کنگھی کرنا منع ہے، کیوں کہ یہ زیب و زینت میں مبالغہ ہے جو کہ مردوں کے حق میں ممنوع ہے۔ البتہ روزانہ کنگھی کرنے کی ممانعت بطور تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے، نہی تحریمی نہیں ہے، ایک روز ناغہ کر کے کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** عن الترجل غبا آپؐ نے روزانہ بلا ناغہ کئے کنگھی کرنے اور بالوں کو سنوارنے سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ روزانہ کنگھی کرنے کی حاجت نہیں ہے، البتہ اگر کسی کے بال لمبے ہوں اور اس کو روزانہ کنگھی کرنے کی ضرورت ہے تو روزانہ کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (بذل المجهود) بظاہر اس ممانعت میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں، لیکن اکثر حضرات کے نزدیک ممانعت میں عورت داخل نہیں ہے، کیوں کہ عورتوں کے حق میں زینت و آرائش کرنا

نہیں ہے۔(مرقات)

## حدیث ۱۳۰۵ ﴿بہت زیادہ زینت اختیار کرنا پسندیدہ نہیں﴾ عالمی حدیث:۴۴۴۹

﴿وَعَنْ﴾ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِفَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ مَالِيْ أَرَاكَ شَعِثًا قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَنْهَانَا عَنْ كَثِيْرٍ مِنَ الْإِرْفَاهِ قَالَ مَالِيْ لَاأَرىٰ عَلَيْكَ حِذَاءً قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا أَنْ نَحْتَفِيَ أَحْيَانًا رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ .

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۷۳ ج۲، باب کتاب الترجل ،حدیث ۴۱۶۰

**حل لغات:** شعثاً پراگندہ حال، بکھرے ہوئے میلے بالوں والا ،شَعِثٌ (س) شَعَثًا الشعر بالوں کا بکھرا ہوا اور غبار آلود ہونا، الارفاہ (افعال) أرفَهَ فلان، فلاں کو خورد ونوش میں فراخی حاصل ہے، نحتفی (افتعال) ننگے پیر چلنا، حَفِيَ (س) حَفًا برہنہ پاؤں ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے کہا کہ میں آپؓ کے بال بکھرے ہوئے کیوں دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بہت زیادہ زیب وزینت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، ان صاحب نے عرض کیا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپؓ کے پیروں میں جوتے نہیں ہیں؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرماتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پیر بھی رہا کریں۔(ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بہت زیادہ زیبائش وآرائش میں منہمک نہ رہنا چاہئے، اور اپنے آپ کو آسائش وآرائش کا عادی وخوگر نہ کرنا چاہئے، اچھا کھانا، اچھا پہننا تواضع کے خلاف نہیں ہے، لیکن انسان پر ہر طرح کے حالات آتے رہتے ہیں، لہٰذا ترک لذات بھی کرتے رہنا چاہئے اور فراوانی کے دنوں میں بھی سادہ کھانا، معمولی لباس زیب تن کرتے رہنا چاہئے، تاکہ اگر حالات بدلیں تو پریشانی نہ ہو، اسی مقصد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو ہدایت کی کہ کبھی کبھی ننگے پیر بھی چلو۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مالی اراك شعثا کیا بات ہے کہ میں آپ کو پراگندہ بال دیکھ رہا ہوں، اس وقت حضرت فضالہؓ مصر کے امیر اور قاضی تھے، اور یہ صاحب جنہوں نے حضرت فضالہؓ کو اس حال میں دیکھا مصر ملاقات کے لئے گئے تھے۔ من الا رفاہ آپؐ نے ہمیں بہت زیادہ ناز ونعمت میں زندگی بسر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ بال سنوارنا اور کنگھی کرنا اچھی بات ہے اور آپؐ سے ثابت ہے، لیکن ہمہ وقت بال سنوارنے میں لگے رہنا یہ مومن کی شان نہیں ہے، اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے فضالہؓ نے یہ بات فرمائی کہ کسی وقت بھی بال غیر سنورے نہ رہیں یہ تو اسی کے لئے ممکن ہے جو آرائش وزیبائش کا عادی ہو، ہمیں آپؐ نے اس میں انہماک سے منع فرمایا ہے، لہٰذا کبھی کبھی بال پراگندہ ہوجاتے ہیں۔ لا اری علیك حذاء آپ کے پاؤں میں جوتا کیوں نہیں ہے؟ اس کے جواب میں بھی حضور کی ہدایت نقل فرمائی کہ آپؐ فرماتے تھے کہ کبھی کبھی ہم ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ آپ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس وقت میں ننگے پیر ہوں، آپؐ کی ہدایت اس لئے ہے کہ اگر ایسی ضرورت پڑجائے تو زیادہ گراں نہ گزرے، اور اس دور میں اس طرح کی ضرورت پڑنا عام بات تھی، پھر اس سے کسر نفس بھی پیدا ہوتی ہے جو کہ شی مطلوب ہے۔

## حدیث ۱۳۰۶ ﴿بالوں کو صاف ستھرا رکھنے کی ہدایت﴾ عالمی حدیث: ۴۴۵۰

﴿وَعَنْ﴾ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۷۳ ج۲، باب اصلاح الشعر، کتاب الترجل ،حدیث ۴۱۶۳

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے بال ہوں تو اس کو چاہئے کہ وہ

اپنے بالوں کو اچھی طرح رکھے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کے سر پر لمبے بال ہوں تو ان کو دھلتا رہے، تیل اور کنگھی بھی وقتاً فوقتاً کرتا رہے، تاکہ بال صاف ستھرے سلجھے ہوئے رہیں، بال رکھنے کے بعد ان کو حسب حال چھوڑ نہ دینا چاہئے، کیوں کہ ایسا کرنے سے بال گندے ہونگے اور جوئیں پڑنے کا بھی خطرہ رہے گا اور وہ اپنے لئے اور دوسرں کے لئے پریشانی کا باعث بنے گا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من کان له شعر فلیکرمه جس کے بال ہوں اس کو اپنے بال کا احترام کرنا چاہئے یعنی بالوں کی اصلاح کے جو طریقے ہیں ان کو اختیار کرے، تنظیف، تطہیر، تیل لگانا، کنگھی کرنا سب اصلاح واکرام میں داخل ہیں، لیکن اس میں اتنا مبالغہ بھی نہ ہو کہ اسی کا ہو کر رہ جائے، آرائش وزیبائش میں مبالغہ سے ممانعت گزر چکی ہے۔

## حدیث ۱۳۰۷ ﴿مهندی کے خضاب کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث ٤٤٥١

﴿وَعَنْ﴾ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحْسَنَ مَا غُيِّرَ بِهِ الشَّيْبُ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ .

**حواله:** ترمذی، ص ۳۰۵ ج ۱، باب ماجاء فی الخضاب، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۵۳ ابوداود، ص ۵۷٤ ج ۲، باب فی الخضاب للنساء، کتاب الترجل، حدیث ٤۲۰۵، نسائی ص ۲۳٦ ج ۲، باب الخضاب بالحناء، کتاب الزینة، حدیث ۵۰۷۸

**حل لغات:** الحناء مہندی کے پتے، واحد حِنَّاةٌ، الکتم ایک پودا جس کے بیج سے قدیم زمانے میں روشنائی بنائی جاتی تھی اور بالوں کو خضاب کیا جاتا تھا۔

**ترجمه:** حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن چیزوں سے بڑھاپے کو بدلا جاتا ہے ان میں سب سے بہتر مہندی اور وسمہ ہے۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سر اور داڑھی کے بال سفید ہو جائیں تو خضاب لگانا چاہئے، خضاب لگانا سنت ہے، مرد کے لئے سر اور داڑھی کے بالوں کے علاوہ میں بلا ضرورت خضاب لگانا منع ہے، عورتوں کو اجازت ہے، سیاہ خضاب کے علاوہ ہر خضاب جائز ہے، بہترین خضاب مہندی اور کتم ایک قسم کا پودا ہوتا ہے، اس کے پتے پیس کر خضاب کیا جاتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان احسن ماغیر به الشیب الحناء والکتم بہترین وہ چیز جس سے بڑھاپے کے بال بدلے جائیں مہندی اور کتم ہیں، مہندی کو تو ہر شخص جانتا ہے اور کتم ایک پودا ہے جس کے بیج سے قدیم زمانہ میں روشنائی بنائی جاتی تھی، اور بالوں میں خضاب کیا جاتا تھا، دونوں درختوں کے پتے ملا کر پیسے جائیں تو اس سے سیاہی مائل سرخ خضاب آتا ہے، جو بہترین معلوم ہوتا ہے، اسی طرح "وسمه" یعنی نیل کے پودے سے بھی خضاب کیا جاتا ہے، ان کو بھی مہندی کے پتوں کے ساتھ پیسا جائے تو براؤن رنگ پیدا ہوتا ہے۔ (تحفۃ الالمعی) مزید تفصیلات کے لئے عالمی حدیث ٤٤٢٣-٤٤٢٤ دیکھیں۔

## حدیث ۱۳۰۸ ﴿سیاہ خضاب لگانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ٤٤٥٢

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ قَوْمٌ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ يَخْضِبُوْنَ بِهٰذَا السَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَايَجِدُوْنَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

**حواله:** ابوداود، ص۵۷۸ ج۲، باب ماجاء في خضاب السواد، كتاب الترجل، حديث ٤٢١٢ نسائي، ص۲۳٦ ج۲، باب النهي عن الخضاب بالسواد، كتاب الزينة، حديث ٥٠٧٥

**حل لغات:** يخضبون خَضَبَ (ض) خَضْبًا الشئ رنگنا، خضاب کرنا حواصل جمع ہے واحد حوصلٌ پوٹا جو پرندوں کے لئے انسان کے معدے کی جگہ ہوتا ہے، الحمام کبوتر (ج) حمائم۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ آخر زمانے میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کبوتر کے پوٹے کے مانند اس سیاہ سے خضاب کریں گے، ایسے لوگ جنت کی بو بھی نہیں پائیں گے۔ (ابوداود، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** سیاہ خضاب لگانا منع ہے، کیوں کہ اس میں دھوکہ اور فریب ہے، ممانعت کے باوجود اگر کوئی استعمال کرے تو وہ جنت سے محروم رہے گا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** حواصل الحمام خالص سیاہی مراد ہے، لہٰذا وہ سیاہی جو سرخی مائل ہوتی ہے وہ ممانعت میں داخل نہیں ہے۔ لایجدون رائحة الجنة اس سے مراد جنت میں شروع میں داخل نہ ہونا ہے، لازم بول کر ملزوم کی نفی مراد ہے۔ یا پھر جنت میں تو جائیں گے لیکن وہاں کی خوشبو سے محروم رہیں گے، یا پھر مطلب یہ ہے کہ اہل جنت کو میدان محشر میں جنت سے بہت دور رہتے ہوئے جنت کی خوشبو ملے گی، لیکن یہ لوگ اس سے محروم رہیں گے۔ (بذل المجہود) مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۴۲۳-۴۴۲۴ دیکھیں۔

## حدیث ۱۳۰۹ ﴿زرد خضاب کی اجازت کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٤٥٣

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَيُصَفِّرُ لِحْيَتَهُ بِالْوَرْسِ وَالزَّعْفَرَانِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذَالِكَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ .

**حواله:** نسائي، ص۲٤۸ ج۲، باب تصفير اللحية، كتاب الزينة، حديث ٥٢٤٤

**حل لغات:** السبتية صاف رنگے ہوئے چمڑے کے جوتے، سَبَتَ الشئ کاٹنا، الجلد دباغت سے چمڑے کو نرم کرنا، السِّبْتُ صاف کی ہوئی یا رنگی ہوئی کھال، ورس ایک قسم کا پودا جو رنگائی کے کام میں لایا جاتا ہے اور ہندوستان و عرب اور ملک حبشہ میں پیدا ہوتا ہے، ہندوستانی زعفران۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سبتی جوتے پہنتے تھے، اور اپنی مبارک داڑھی کو ورس اور زعفران سے رنگتے تھے، اور حضرت ابن عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زرد رنگ سے خضاب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کبھی کبھی آپؐ نے بھی خضاب فرمایا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** النعال السبتية کیکر کے ایک درخت کے مشابہ ایک درخت سے دباغت دیا ہوا گائے کا چمڑا، اس سے جوتے بنائے جاتے ہیں، آپؐ نے اس قسم کا جوتا استعمال کیا ہے۔ الورس ایک قسم کا پودا، جس کی پتیاں رنگائی کے کام آتی ہیں، والزعفران ظاہر یہ ہے کہ آپؐ نے ورس اور زعفران ملا کر خضاب کیا، اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے خضاب کیا ہے۔

**تعارض:** مسلم شریف میں روایت ہے کہ "لم يخضب رسول الله صلى الله عليه وسلم" آپؐ نے خضاب نہیں فرمایا۔

**جواب:** آپؐ کے صرف بیس یا بائیس بال سفید تھے، لہٰذا عام حالات میں نہ تو خضاب کی ضرورت تھی اور نہ آپؐ خضاب لگاتے تھے، لیکن خلاف معمول کبھی خضاب لگا بھی لیا ہے، لہٰذا جس نے نفی کی ہے تو عموم کی نفی کی ہے اور جس نے اثبات کیا ہے وہ ایک آدھ بار کا بیان ہے، یا پھر جس نے جس طور پر دیکھا روایت کر دیا ہے۔ (ملخص مرقات) سر کے بالوں میں خضاب نہیں لگایا ہے جب کہ داڑھی میں لگایا ہے، لہٰذا نفی کا تعلق سر کے بالوں سے اور اثبات کا تعلق داڑھی سے ہے، اس سے زرد رنگ کے خضاب کا ثبوت ہوا، اور ممانعت کا تعلق کپڑوں سے ہے، زرد رنگ کے کپڑے مردوں کے لئے جائز نہیں ہیں۔

## حدیث ۱۳۱۰ ﴿خضاب کا استعمال محبوب عمل ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٤٥٤

﴿وَعَنْ﴾ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ قَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ مَا أَحْسَنَ هٰذَا قَالَ فَمَرَّ اٰخَرُ قَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتْمِ فَقَالَ هٰذَا أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا ثُمَّ مَرَّ اٰخَرُ قَدْ خَضَبَ بِالصُّفْرَةِ فَقَالَ هٰذَا أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا كُلِّهِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ .

**حواله:** ابو داود، ص ۵۷۸ ج ۲، باب ماجاء فی خضاب الصفرة، کتاب الترجل، حدیث ٤٢١١

**ترجمه:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک آدمی گزرا، جس نے مہندی کا خضاب کیا ہوا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ یہ کتنا اچھا ہے، پھر دوسرا شخص گزرا جس نے مہندی اور کتم سے خضاب کیا ہوا تھا، فرمایا کہ یہ اس سے بھی اچھا ہے، پھر تیسرا شخص گزرا جس نے زردی سے خضاب کیا ہوا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ یہ ان سب سے اچھا ہے۔ (ابوداود)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ داڑھی اور سر کے بال میں خضاب لگانا مستحسن اور پسندیدہ عمل ہے، خالص مہندی کے مقابل میں مہندی اور کتم ملا ہوا خضاب زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ یہ زیادہ دیرپا اور زیادہ خوبصورت ہوتا ہے اور زرد خضاب چوں کہ ورس اور زعفران ملا کر کیا تھا اور اسی طرح کا خضاب آپؐ نے بھی کیا تھا جیسا کہ گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا، یہ اور زیادہ خوبصورت اور دیرپا ہے، لہٰذا یہ سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** خضب بالحناء انہوں نے سر یا داڑھی کو مہندی سے رنگ رکھا تھا، قد خضب بالحناء والكتم ان صاحب نے مہندی اور کتم سے خضاب لگا رکھا تھا، مہندی اور کتم کے مرکب سے رنگ سرخ سبزی مائل ہوتا ہے، جب کہ خالص مہندی سے سرخ زردی مائل ہوتا ہے۔ الصفرة زرد رنگ کا کپڑا پہننا منع ہے، لیکن اس رنگ کے خضاب کی اجازت ہے۔

## حدیث ۱۳۱۱ ﴿خضاب لگانے کی ہدایت﴾ عالمی حدیث: ٤٤٥٥-٤٤٥٦-٤٤٥٧

﴿وَعَنْ﴾ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَاتَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالزُّبَيْرِ .

**حواله:** ترمذی، ص ۳۰۵ ج ۱، باب ماجاء فی الخضاب، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۵۲، نسائی، ص ۲۳۶ ج ۲، باب الاذن بالخضاب، کتاب الزینة، حدیث ۵۰۷۳.

**حل لغات:** لاتنتفوا مت نوچو، فعل نہی نَتَفَ (ض) نَتْفًا الشَّعرَ بال اکھاڑنا۔

**ترجمه:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھاپے کو بدلو، اور یہود کی مشابہت نہ اختیار کرو۔ (ترمذی) نسائی نے اس کو حضرت ابن عمرؓ اور حضرت زبیرؓ سے روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خضاب لگانا اچھی بات ہے، اسی لئے آپؐ نے تاکید فرمائی ہے، خاص طور پر جو شخص بحالت کفر بوڑھا ہوا پھر مسلمان ہوا تو اس کو چاہئے کہ خضاب لگالے، تاکہ جب خضاب کا اثر ختم ہو اور دوبارہ سفیدی آئے تو اسلام میں سفیدی آئے، ایسی صورت میں یہ ہوگا کہ بڑھاپا اسلام میں آیا، یہ شخص رحمت خداوندی کا خصوصی مستحق قرار پائے گا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** غیروا الشیب بڑھاپے کو خضاب لگا کر زائل کرو، ممکن ہے کہ یہ خطاب مجاہدین کو ہو کہ خضاب لگا کر جوان نظر آؤ گے تو دشمن پر رعب زیادہ پڑے گا۔ مزید کے لئے گزشتہ احادیث اور عالمی احادیث ۴۴۲۳۔۴۴۲۴ دیکھیں۔

## حدیث ۱۳۱۲ ﴿بڑھاپا نورانیت کا سبب ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٤٥٨

﴿وَعَنْ﴾ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَنْتِفُوا الشَّيْبَ فَإِنَّهٗ نُوْرُ الْمُسْلِمِ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا حَسَنَةً وَكَفَّرَعَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَرَفَعَهٗ بِهَا دَرَجَةً رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۷۸ ج ۲، باب نتف الشیب، کتاب الترجل، حدیث ٤٢٠٢

**ترجمہ:** حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفید بال نہ چنو، کیوں کہ وہ مسلمان کا نور ہے، جس کو اسلام میں سفیدی آئی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے نیکیاں لکھے گا اور اس کی وجہ سے اس کی خطائیں معاف کرے گا، اور اس کی بنا پر اس کے درجے بلند کرے گا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سفید بالوں کو چن چن کر توڑنا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ مومن کے لئے نورانیت کا سبب ہے، اس کی بنا پر دنیا میں انسان کے چہرے پر نورانیت آتی ہے اور اس سے وہ حلم اور وقار نصیب ہوتا ہے، جو گناہوں سے بچانے والا ہوتا ہے اور میدان محشر اور عالم آخرت میں بھی بڑھاپا نورانیت اور رحمت کا سبب بنے گا، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم نصیب ہوگا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لاتنتفوا الشیب سفید بال خواہ داڑھی مین ہو یا سر میں ہو اسکومت اکھاڑو، ابن عربیؒ نے کہا کہ بال اکھاڑنے سے منع فرمایا اور خضاب سے منع نہیں فرمایا، کیونکہ بال اکھاڑنے میں تغییر خلقت اصل کے اعتبار سے ہے، جب کہ خضاب میں دیکھنے والے کے اعتبار سے تغییر خلقت ہے، اصل کے اعتبار سے نہیں ہے۔ (مرقات) فـانـه نور المسلم بالوں کی سفیدی یعنی بڑھاپا مسلمانوں کیلئے نورانیت کا سبب ہے، بڑھاپے کو نورانیت کا سبب اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ بڑھاپا اصل میں وقار کا مظہر ہے، یہ وصف انسان میں نورانیت پیدا کرتا ہے، اس کی تفصیل عالمی حدیث ۴۴۸۸ کے تحت آرہی ہے۔

## حدیث ۱۳۱۳ ﴿بڑھاپا باعث رحمت ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٤٥٩

﴿وَعَنْ﴾ كَعْبِ بْنِ مُرَّةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ .

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۹۲-۲۹۳ ج ۲، باب ماجاء فی فضل من شاب شیبة فی سبیل اللہ، کتاب فضل الجهاد، حدیث ١٦٣٤، نسائی، ص ٤٨ ج ٢، باب ثواب من رمی، کتاب الجهاد، حدیث ٣١٤٢

**ترجمہ:** حضرت کعب بن مرۃ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس کو اسلام

کے اندر بڑھاپا آیا اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔ (ترمذی، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اسلام اور ایمان کی حالت میں وقت گزرنا بھی بڑی نعمت اور عبادت ہے، لہٰذا عمر بڑھنا حتی کہ بڑھاپا آنا یہ سعادت کی دلیل ہے، اس کی بنا پر اللہ تعالیٰ کرم کا معاملہ فرمائیں گے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من شاب شيبة جو شخص نیکی کرتا ہوا بوڑھا ہو تو اس کا بڑھاپا اس کے لئے قیامت کے دن نور بنے گا۔ جس کے ذریعہ وہ ہر ظلمت اور ہر تاریکی کا مقابلہ کر سکے گا، یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے بوڑھاپے کی علامت یعنی سفید بالوں کو اکھاڑنے سے منع فرمایا ہے۔

## حدیث ۱۲۱۴ ﴿حضورؐ کے بالوں کی کیفیت کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٤٦٠

﴿وَعَنْ﴾ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُوْنَ الْوَفْرَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حواله:** ترمذی، ص ۳۰۵ ج ۱، باب ماجاء في الجمة، كتاب اللباس، حديث ۱۷۵۵. نسائی، ص ۲۷ ج ۱، باب ذكر اغتسال الرجل والمرأة الخ، كتاب الطهارة، حديث ۲۳۳.

**حل لغات:** الجمة پیشانی کے گھنے بال مونڈھوں تک لٹکی ہوئی زلفیں (ج) جُمَمٌ وَجِمَامٌ، الوفرة سر کے گھنے بال یا کانوں سے ملے ہوئے بال (ج) وِفَارٌ۔

**ترجمه:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے نہایا کرتے تھے، آپؐ کے بال جمہ کے اوپر اور وفرہ کے نیچے ہوتے تھے۔ (ترمذی، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ جس برتن سے عورت نہائے مرد بھی نہا سکتا ہے اور عورت کے پانی استعمال کرنے سے پانی کی طہارت متاثر نہیں ہوتی، لہٰذا نہانے کے بعد جو پانی بچ جائے وہ پاک رہے گا، اس سے مرد غسل کر سکتا ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ عموماً سر کے بال اپنے کاندھوں سے اوپر اور کانوں کی لو کے نیچے رکھتے تھے اس کو "لِمه" کہا جاتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اغتسل انا ورسول الله صلى الله عليه وسلم. میں غسل کرتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرتے تھے۔ ایک ساتھ غسل کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے آگے پیچھے بھی۔

**اشکال:** حضرت عائشہؓ نے اپنے غسل کو مقدم اور حضورؐ کے غسل کو مؤخر کیوں کیا؟

**جواب:** اصل یہی ہے کہ آدمی پہلے اپنے بارے میں خبر دے پھر کسی اور کے بارے میں، اس سے شان اقدس میں توہین کا پہلو قطعاً نہیں نکلتا ہے۔ (مرقات) فوق الجمة "جمة" مونڈھوں تک لٹکی ہوئی زلفوں کو کہتے ہیں، اور جو زلفیں کانوں تک ہوتی ہیں انہیں "وفرة" کہتے ہیں، اور آدھی گردن تک پہنچی ہوئی زلفوں کو "لمه" کہتے ہیں، آپؐ جب بال کٹواتے تھے تو کانوں کی لو تک کٹواتے تھے، پھر وہ بڑھ کر آدھی گردن تک پہنچ جاتے تھے، پھر کندھے تک پہنچ جاتے تو آپؐ دوبارہ کٹوا لیتے تھے، معلوم ہوا کہ عام طور پر "جمة" اور "وفرة" کے درمیان آپؐ کے بال رہتے تھے۔ (تلخیص تحفۃ الالمعی)

## حدیث ۱۲۱۵ ﴿بہت زیادہ لمبے بال رکھنا﴾ عالمی حدیث: ٤٤٦١

﴿وَعَنْ﴾ ابْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ نِعْمَ الرَّجُلُ

خُرَيْمُ الْاَسَدِيُّ لَوْلَا طُوْلُ جُمَّتِهٖ وَاِسْبَالُ اِزَارِهٖ فَبَلَغَ ذَالِكَ خُرَيْمًا فَاَخَذَ شَفْرَةً فَقَطَعَ بِهَا جُمَّتَهٗ اِلٰى اُذُنَيْهِ وَرَفَعَ اِزَارَهٗ اِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۶۵ ج ۲، باب ماجاء فی اسبال الازار، کتاب اللباس، حدیث ۴۰۸۹

**حل لغات:** اسبال (افعال) الشئی چھوڑنا لٹکانا، شفرۃ دھار، استرا، یا کاٹنے کا اوزار (ج) شِفَارٌ۔

**ترجمہ:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص حضرت ابن حنظلیہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خریم اسدیؓ بہت اچھے آدمی ہیں، اگر ان کے بال بہت لمبے نہ ہوں اور ان کی لنگی لٹکتی نہ رہے، یہ بات حضرت خریمؓ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے سر کے بالوں کو چھری سے کاٹ کر اپنے کانوں تک کرلیا اور اپنی لنگی کو نصف پنڈلیوں تک کرلیا۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** حضرت خریمؓ کے بال زیادہ لمبے تھے، اگرچہ لمبے بال رکھنا منع نہیں ہے، لیکن کبھی کبھی ان کی وجہ سے آدمی بے جا تکلفات میں پڑجاتا ہے، اسی طرح کی کوئی بات آپؐ نے حضرت خریمؓ کے بارے میں ملاحظہ کی، تو آپؐ نے غائبانہ طور پر ان کو تنبیہ کی، معلوم ہوا کہ اگر کسی کے عیب کو غائبانہ ذکر کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ وہ سن کر اپنی اصلاح کرلے گا تو اس کی گنجائش ہے۔ جہاں تک ٹخنوں سے نیچے لنگی پہننے کی بات ہے تو وہ حرام ہے۔ بالقصد پہننا گناہ کبیرہ ہے۔ صحابیؓ نے فوراً اپنی بھرپور اصلاح کرلی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نعم الرجل خریم اسدیؓ کتنے اچھے آدمی ہیں اگر ان کے بال درازنہ ہوں اور وہ اسبال ازار میں مبتلا نہ ہوں، یعنی پھر تو ان کی خوبی کا کیا کہنا، اگر یہ چیزیں چھوٹ جائیں بہت ہی بڑھیا آدمی ہوجائیں گے، فاخذ شفرۃ یہ کمال اتباع تھا کہ سنتے ہی بال چھوٹے کرلئے اور لنگی اونچی کرلی۔

## حدیث ۱۳۱۶ ﴿حضرت انسؓ کا لمبے بال رکھنا﴾ عالمی حدیث: ۴۴۶۲

﴿وَعَنْ﴾ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ لِيْ ذُؤَابَةٌ فَقَالَتْ لِيْ اُمِّيْ لَا اَجُزُّهَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَمُدُّهَا وَيَأْخُذُهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۷۷ ج ۲، باب ماجاء فی الرخصۃ، کتاب الترجل، حدیث ۴۱۹۶.

**حل لغات:** ذوابۃ پیشانی کے بال، بالوں کی لٹ، زلف، (ج) ذَوَائِبُ، اَجُزُّ جَزَّ (ن) جَزًّا الشَّعْرَ بالوں کو کاٹنا یمد مَدَّ (ن) مدًا کھینچنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میرے بال لمبے تھے، لیکن میری والدہ مجھ سے کہتی تھیں کہ میں ان بالوں کو کاٹوں گی نہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بالوں کو کھینچتے اور پکڑتے تھے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** چوں کہ حضرت انسؓ بچپن سے آپ کی خدمت میں رہے، تو آپؐ بسا اوقات ازراہ شفقت ان کے بالوں پر اپنے ہاتھ کو پھیرتے تھے، لہٰذا آپؐ کے ہاتھوں سے مس ہونے کی بنا پر، اور آپؐ کے انسؓ کے بالوں کو کھینچنے کی بنا پر حضرت انسؓ کی ماں نے گوارانہ کیا کہ ان کو کاٹا جائے، کیوں کہ نبیؐ سے ان بالوں کو خاص برکت حاصل ہوچکی ہے، اور چونکہ یہ مبارک جذبہ ہے، لہٰذا اس جذبہ سے لمبے بال رکھنا تکلفات میں داخل نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا اجزھا لمبے بال رکھنا جائز ہے، لیکن عورتوں کی طرح چوٹیاں بنانا درست نہیں ہے، حضرت انسؓ کا واقعہ ان کی والدہ کا عمل ہے، جو کہ ایک مبارک جذبہ سے ہے، لہٰذا اس سے حجت اختیار کرنا درست نہیں ہے، البتہ گزشتہ روایت میں جو کانوں سے نیچے لمبے بالوں کو کاٹنے کی بات ہے، وہ اس وقت ہے جب کہ بالوں کی وجہ سے

تکلفات یا اتراہٹ پیدا ہو، اگر اس طرح کی بات نہیں ہے تو کانوں کی لو کے نیچے بال رکھنا ممنوع نہیں ہے۔

## حدیث ۱۳۱۷ ﴿بالوں کی صفائی نہ ہوسکے تو مونڈادینا چاہئے﴾ عالمی حدیث:٤٤٦٣

﴿وَعَنْ﴾ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمْهَلَ آلَ جَعْفَرٍ ثَلَاثًا ثُمَّ أَتَاهُمْ فَقَالَ لَاتَبْكُوْا عَلٰى أَخِيْ بَعْدَ الْيَوْمِ ثُمَّ قَالَ ادْعُوْا لِيْ بَنِيْ أَخِيْ فَجِيْءَ بِنَا كَأَنَّا أَفْرَاخٌ فَقَالَ ادْعُوْا لِيَ الْحَلَّاقَ فَأَمَرَهُ فَحَلَقَ رُؤُسَنَا رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٥٧٧ ج٢، باب فی حلق الرأس، کتاب الترجل، حدیث ٤١٩٢. نسائی، ص ٢٥٤ ج٢، باب حلق رؤس الصبیان، کتاب الزینة، حدیث ٥٢٢٧.

**حل لغات:** امهل، مَهَلَ (ف) مَهْلًا فی عمله کوئی کام اطمینان سے کرنا، جلدی نہ کرنا، افراخ (ج) ہے واحد فَرْخٌ پرندے کا بچہ، چوزہ، الحلاق نائی، حجام، بال کاٹنے کا پیشہ کرنے والا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن جعفرؓ روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آل جعفر کو تین دن کی مہلت دی، پھر ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آج کے بعد میرے بھائی پر کوئی نہ روئے، پھر فرمایا کہ میرے بھتیجوں کو میرے پاس لاؤ، ہمیں لایا گیا، گویا کہ ہم چوزے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ حجام کو بلاؤ، پھر آپؐ نے اس کو حکم دیا تو اس نے ہمارے سر کو مونڈ دیا۔ (ابوداود، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نوحہ اور جزع فزع کے بغیر میت پر رونا، غمگین وافسردہ ہونا اور رنج والم کا اظہار کرنا تین دن تک جائز ہے، تین دن کے بعد نہ تو رونا دھونا اور سوگ کرنا جائز ہے اور نہ تعزیت کرنا روا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حج وعمرہ سے فراغت کے بعد سر منڈانا افضل ہے، لیکن اس کے علاوہ بال رکھنا ہی افضل ہے، اس کے باوجود آپؐ نے حضرت جعفرؓ کے لڑکوں کے سر مونڈنے کا حکم اس لئے دیا کہ ان کی ماں یعنی اسماء بنت عمیسؓ شوہر کی جدائیگی کے سخت ترین صدمہ سے دوچار تھیں، ان کو اپنی اس مصیبت سے اتنی فرصت کہاں ملتی کہ وہ بچوں کے سر کے بالوں کی صفائی ستھرائی اور تیل کنگھے کا خیال رکھتیں، اس صورت میں ان کے سروں میں جوئیں وغیرہ پڑ جانے کا خدشہ تھا، لہٰذا آپؐ نے ان کے بالوں کو منڈوا دینا ہی بہتر سمجھا۔ (مظاہر حق) معلوم ہوا کہ جب صفائی کا اہتمام نہ ہوسکے تو بالوں کو منڈوانا ہی افضل ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** امهل ال جعفر ثلاثا حضرت جعفرؓ بن ابی طالب آپؐ کے چچازاد بھائی ہیں، جنگ موتہ میں وہ شہید ہوگئے تھے، آپؐ نے حضرت جعفرؓ کے ال کو تین دن سوگ کی مہلت دی، کیوں کہ اس سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں ہے۔ کانا افراخ بذل المجہود سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بچے اس وقت بہت چھوٹے تھے، گھر والے ان کو گود میں اٹھا کر لائے، لیکن تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتنے چھوٹے نہیں تھے، چنانچہ عبداللہ بن جعفرؓ جو کہ خود ان کے بیٹے ہیں اور اس واقعہ کو بیان کر رہے ہیں، ان کی عمر آپ کی وفات کے وقت دس سال تھی، لہٰذا دوسرے شراح نے لکھا ہے "کانا افراخ" میں تشبیہ صغر سنی کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ بالوں کے اعتبار سے ہے، کہ ان کے بچوں کے سر پر بال بڑھے ہوئے تھے، اور ایسے لگ رہے تھے جیسے چوزوں کے بدن پر کھڑے کھڑے بال ہوا کرتے ہیں۔ (الدر المنضود)

## حدیث ۱۳۱۸ ﴿عورت کے ختنہ کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث:٤٤٦٤

﴿وَعَنْ﴾ أُمِّ عَطِيَّةَ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تَخْتِنُ بِالْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ لَاتُنْهِكِيْ فَإِنَّ ذٰلِكَ أَحْظٰى لِلْمَرْأَةِ وَأَحَبُّ إِلَى الْبَعْلِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ هٰذَا الْحَدِيْثُ ضَعِيْفٌ وَرَاوِيْهِ مَجْهُوْلٌ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۷۴۱ ج ۲، باب ماجاء فی الختان، کتاب الادب، حدیث ۵۲۷۱.

**حل لغات:** لا تنھکی مبالغہ مت کرو (افعال) الشئ مبالغہ کرنا، کسی کام میں حد سے بڑھنا، احظی اسم تفضیل زیادہ مزیدار، حَظِیَ (س) حَظْوَۃً لوگوں میں مقبول ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ام عطیہ انصاریہؓ بیان کرتی ہیں کہ مدینہ میں ایک عورت ختنہ کیا کرتی تھی، آپؐ نے اس عورت سے فرمایا کہ ختنہ کرنے میں کھال زیادہ مت کاٹو، اس لئے کہ اس میں عورت کے لئے زیادہ لذت ہے اور شوہر کو بھی زیادہ محبوب ہے۔ (ابوداؤد) ابوداؤد نے کہا کہ یہ روایت ضعیف ہے، اس کا ایک راوی مجہول ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا بھی ختنہ ہوسکتا ہے، اس دور میں عرب میں اس کا رواج بھی تھا، عورت کے ختنہ کرنے سے جماع میں لذت بڑھ جاتی ہے، لیکن کھال ہلکی کاٹنا چاہئے، زیادہ کاٹنے کی صورت میں لذت حاصل نہیں ہوتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان امرأۃ کانت تختن　مدینہ میں ایک عورت تھی جو لڑکیوں کا ختنہ کرتی تھی، اس کا نام ام عطیہ تھا عورت کی شرمگاہ پر ایک کھال کا ٹکڑا سا ہوتا ہے، مرغے کی کلغی کی طرح لڑکی کے ختنہ میں اسی کو کاٹا جاتا ہے، اس سے جماع میں لذت بڑھ جاتی ہے۔ لا تنھکی　جو عورت ختنہ کرتی تھیں آپؐ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ اس کھال کے کاٹنے میں مبالغہ نہ کیا کرو، تھوڑا سا حصہ کاٹ دو، باقی رہنے دو، برخلاف لڑکے کے ختنہ کے کہ وہ اچھی طرح ہونا چاہئے، جس سے پورا حشفہ ظاہر ہوجائے۔ (مزید کے لئے دیکھیں الدر المنضود)

## حدیث ۱۳۱۹ ﴿عورت شوہر کی پسند کا خضاب کرے﴾ عالمی حدیث: ٤٤٦٥

﴿وَعَنْ﴾ كَرِيْمَةَ بِنْتِ هَمَّامٍ أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ خِضَابِ الْحِنَّاءِ فَقَالَتْ لَابَأْسَ وَلٰكِنِّيْ أَكْرَهُهُ كَانَ حَبِيْبِيْ يَكْرَهُ رِيْحَهُ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٥٧٤ ج ٢، باب فی الخضاب للنساء، کتاب الترجل، حدیث ٤١٦٤. نسائی، ص ٢٣٧ ج ٢، باب کراهیة ریح الحناء، کتاب الزینة، حدیث ٥٠٩٠.

**ترجمہ:** حضرت کریمہ بنت ہمام سے روایت ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے مہندی کے خضاب کے بارے میں معلوم کیا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے، لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتی ہوں، اس لئے میرے محبوب اس کی بو کو ناپسند کرتے تھےﷺ (ابوداؤد، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مہندی کا خضاب کرنا جائز اور درست ہے، لیکن حضرت عائشہؓ اس کو اپنے لئے پسند نہیں کرتی تھیں، کیوں کہ مہندی کی بو آپ کو طبعاً ناپسند تھی، معلوم ہوا کہ عورت کے لئے بہتر ہے کہ وہ ایسا خضاب سر کے بالوں میں استعمال کرے جو شوہر کی پسند کے موافق ہو۔

**کلمات حدیث کی تشریح** عن خضاب الحناء　پوچھنے والی نے پوچھا تھا کہ عورت سر کے بالوں میں مہندی کا خضاب لگا سکتی ہے کہ نہیں؟ لابـــــاس　حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ لگا سکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حبیبی یکرہ ریحہ　چوں کہ مہندی کی خوشبو آپؐ کے طبع مبارک کے خلاف تھی، لہٰذا ناپسند تھی، جیسے کہ آپ کو بعض چیزوں کا گوشت طبعاً ناپسند تھا، اگرچہ اس کا کھانا جائز ہے، چنانچہ بہت سے صحابہ کھاتے تھے۔

## حدیث ۱۳۲۰ ﴿عورتوں کو ہاتھوں میں مہندی لگانے کی ترغیب﴾ عالمی حدیث:٤٤٦٦

﴿وَعَنْ﴾ عَائِشَةَ أَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَانَبِيَّ اللّٰهِ بَايِعْنِي فَقَالَ لَاأُبَايِعُكِ حَتّٰى تُغَيِّرِيْ كَفَّيْكِ فَكَأَنَّهُمَا كَفَّا سَبُعٍ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ .

**حوالہ:** ابوداود، ص ٥٧٤ ج٢، باب في الخضاب للنساء، كتاب الترجل، حديث ٤١٦٥ .

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ہند بنت عتبہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بیعت فرمالیجئے، آپؐ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ تم اپنے ہاتھوں کی رنگت بدل نہ لو، جو کہ درندوں کے ہاتھوں جیسے ہیں۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو اپنے ہاتھوں پر خضاب لگانا یعنی مہندی وغیرہ سے رنگین کرنا پسندیدہ ہے، مقصد یہ بھی ہے کہ مردوں سے مشابہت نہ رہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا ابایعک آپؐ نے فرمایا میں تمہیں بیعت نہیں کروں گا، یعنی زبان سے بیعت نہیں کروں گا، اس لئے کہ عورتوں سے ہاتھ میں ہاتھ لے کر تو آپؐ یوں بھی بیعت نہیں کرتے تھے۔ آپؐ عورتوں سے بغیر مصافحہ اور بغیر ہاتھ میں ہاتھ لئے ہی بیعت کرتے تھے، لہٰذا اس جز کا قطعاً یہ مطلب نہ سمجھا جائے گا کہ آپؐ کی غرض یہ تھی کہ مہندی لگانے سے پہلے مصافحہ نہیں کروں گا۔ روایت میں آتا ہے کہ "واللہ مامس ید امراۃ قط" آپؐ نے کبھی کسی نامحرم عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔ (بذل) کفا سبع تمہارے ہاتھ درندوں کے ہاتھ جیسے ہیں یہ تشبیہ بطور کراہت ہے، یعنی تمہارے ہاتھ مردوں کے مشابہ ہونے کی وجہ سے درندوں کے پنجوں کی طرح ناگوار ہیں، مردوں کے لئے ہاتھوں میں مہندی لگانے کی ممانعت عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے سے بچنے کی غرض سے ہے، اب اگر عورتیں مہندی ترک کردیں گی تو پھر وہ مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی ہوں گی، لہٰذا عورتوں کے حق میں بلا وجہ مہندی نہ لگانے کا معمول بنانا ناپسندیدہ ہے۔

## حدیث ۱۳۲۱ ﴿عورتوں کا ناخنوں پر مہندی لگانا﴾ عالمی حدیث:٤٤٦٧

﴿وَعَنْهَا﴾ قَالَتْ أَوْمَتْ اِمْرَأَةٌ مِنْ وَرَاءِ سِتْرٍ بِيَدِهَا كِتَابٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَبَضَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهُ فَقَالَ مَاأَدْرِيْ أَيَدُ رَجُلٍ أَمْ يَدُامْرَأَةٍ قَالَتْ بَلْ يَدُامْرَأَةٍ قَالَ لَوْ كُنْتِ امْرَأَةً لَغَيَّرْتِ أَظْفَارَكِ يَعْنِيْ بِالْحِنَّاءِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٥٧٤ ج٢، باب في الخضاب للنساء، كتاب الترجل، حديث ٤١٦٦ . نسائي، ص ٢٣٧ ج٢، باب الخضاب للنساء، كتاب الزينة، حديث ٥٠٨٩ .

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے اشارہ کیا، اس کے ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خط تھا، آپؐ نے اپنے دست مبارک کو کھینچ لیا، اور فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا ہاتھ ہے؟ اس عورت نے عرض کیا کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم عورت ہو تو اپنے ناخنوں کا رنگ مہندی کے ذریعہ سے بدل لو۔ (ابوداؤد، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے ہاتھوں پر مہندی لگانا چاہئے، کم از کم ناخنوں ہی کو مہندی سے رنگ لینا چاہئے، تاکہ معلوم ہوسکے کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے، اور مردوں سے مشابہت ختم ہوجائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لو کنت امرأۃ یعنی اگر تمہیں عورتوں کا طریقہ معلوم ہوتا اور اس کے مطابق عمل کرتیں تو اپنے ناخنوں کو مہندی سے رنگ لیتیں۔

## حدیث ۱۳۲۲ ﴿عذر کی بنا پر گودنا اور گدوانا جائز ہے﴾ عالمی حدیث:۴۴۶۸

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لُعِنَتِ الْوَاصِلَةُ وَالْمُسْتَوْصِلَةُ وَالنَّامِصَةُ وَالْمُتَنَمِّصَةُ وَالْوَاشِمَةُ وَالْمُسْتَوْشِمَةُ مِنْ غَيْرِ دَاءٍ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود، ص ۵۷۴ ج ۲، باب صلة الشعر، کتاب الترجل، حدیث ۴۱۷۰

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ بالوں کو ملانے والی، ملوانے والی، چننے والی، چنوانے والی، گودنے والی، اور بغیر کسی بیماری کے گدوانے والی سب عورتوں پر لعنت کی گئی ہے۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مذکورہ امور ناجائز اور حرام ہیں، لیکن اگر کسی نے کسی بیماری یا عذر کی بنا پر انہیں اختیار کیا تو گناہ نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من غیر داء اگر کسی نے علاج کی غرض سے گدوایا ہے تو جائز ہے، خواہ اس کا اثر باقی رہے، اگر بچی کو یا بچے کو گودا گیا تو اس عمل کو انجام دینے والا اور جس کے حکم سے یہ عمل کیا جائے گا گنہگار ہوں گے، بچے غیر مکلف ہیں لہٰذا وہ گنہگار نہ ہوں گے۔ مزید تفصیلات کے لئے عالمی حدیث ۴۴۳۰، ۴۴۳۱ دیکھیں۔

## حدیث ۱۳۲۳ ﴿عورت مردانہ لباس نہ پہنے﴾ عالمی حدیث:۴۴۶۹

﴿وَعَنْ﴾ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود، ص ۵۶۶ ج ۲، باب فی لباس النساء، کتاب اللباس، حدیث ۴۰۹۸

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں جیسا لباس پہنے۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** مردوں کو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے، اور ایک دوسرے کے لباس کو زیب تن کرنا، یہ مشابہت اختیار کرنا ہی ہے، ایسے لوگوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، یعنی وہ رحمتِ الٰہی سے دور ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یلبس امراۃ عورت لباس اور وضع قطع میں مردوں کی مشابہت اختیار کرے یا مرد عورت کی تو آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، اس وعید میں عورتوں کا سر کے بال چھوٹے کرانا اور مردوں کا داڑھی منڈانا سب داخل ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے عالمی حدیث ۴۴۲۹ دیکھیں۔

## حدیث ۱۳۲۴ ﴿عورت مردانہ جوتے نہ پہنے﴾ عالمی حدیث:۴۴۷۰

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ قِيْلَ لِعَائِشَةَ إِنَّ امْرَأَةً تَلْبَسُ النَّعْلَ قَالَتْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَةَ مِنَ النِّسَاءِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود، ص ۵۶۶ ج ۲، باب فی لباس النساء، کتاب اللباس، حدیث ۴۰۹۹.

**ترجمہ:** حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کہا گیا کہ بے شک ایک عورت مردوں جیسا جوتا پہنتی ہے، آپؓ نے فرمایا کہ مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بھی یہی بات بیان ہوئی ہے کہ عورتوں کو اپنی وضع قطع، اور رہن سہن میں مردوں کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** تلبس النعل ایک عورت ایسی وضع کا جوتا پہنتی تھی جس وضع کا جوتا مردوں کے ساتھ خاص تھا، تذکرہ کا خاص مقصد یہ تھا کہ اس عورت کا کیا حکم ہے؟ الرجلة من النساء جو امور مردوں کے ساتھ خاص ہیں ان کو عورت اختیار کرلے تو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا ہے اور ایسی عورت پر لعنت ہے۔ اور کوئی عورت مردوں کی طرح علم وحکمت اختیار کرتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ تو فضل وکمال کی بات ہے۔

## حدیث ۱۳۲۵ ﴿مردوں کے لئے کنگن پہننا منع ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٤٧١

﴿وَعَنْ﴾ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا سَافَرَ كَانَ آخِرُ عَهْدِهٖ بِإِنْسَانٍ مِنْ أَهْلِهٖ فَاطِمَةَ وَأَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ عَلَيْهَا فَاطِمَةَ فَقَدِمَ مِنْ غَزَاةٍ وَقَدْ عَلَّقَتْ مِسْحًا أَوْ سِتْرًا عَلٰى بَابِهَا وَحَلَّتِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ قُلْبَيْنِ مِنْ فِضَّةٍ فَقَدِمَ فَلَمْ يَدْخُلْ فَظَنَّتْ أَنَّ مَا مَنَعَهٗ أَنْ يَدْخُلَ مَا رَاٰى فَهَتَكَتِ السِّتْرَ وَفَكَّتِ الْقُلْبَيْنِ عَنِ الصَّبِيَّيْنِ وَقَطَعَتْهُ مِنْهُمَا فَانْطَلَقَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَبْكِيَانِ فَأَخَذَهٗ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا ثَوْبَانُ اِذْهَبْ بِهٰذَا إِلٰى اٰلِ فُلَانٍ إِنَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلِيْ أَكْرَهُ أَنْ يَأْكُلُوْا طَيِّبَاتِهِمْ فِيْ حَيَاتِهِمُ الدُّنْيَا يَا ثَوْبَانُ اِشْتَرِ لِفَاطِمَةَ قِلَادَةً مِنْ عَصَبٍ وَسِوَارَيْنِ مِنْ عَاجٍ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوٗدَ.

**حواله:** احمد، ص ۲۷۵، ج ۵ ابوداود، ص ۵۷۹ ج ۲، باب ماجاء فی الانتفاع بالعاج، کتاب الترجل، حدیث ٤٢١٣.

**حل لغات:** ستراً پردہ آڑ (ج) أَسْتَارٌ وَسُتُرٌ، مسحا بالوں کا بنا ہوا کمبل (ج) أَمْسَاحٌ، فهتكت هَتَكَ (ض) هَتْكًا السِّتْرَ، پردہ ہٹانا پردہ چاک کرنا، حلت (ض) المرأة، پہنانا، قلبین، تثنیہ ہے واحد قُلْبٌ (ج) قُلَبٌ ایک لکڑی کا ہاتھ کا زیور، کنگن، فضة چاندی (ج) فِضَضٌ وفِضَاضٌ، فكت (ن) فَكًّا توڑنا، اجزا الگ الگ کرنا، قلادة ہار نیکلس (ج) قَلَائِدُ، عصب ایک جانور کا دانت، سوارین تثنیہ ہے واحد سِوَارٌ (ج) أَسْوِرَةٌ وأَسَاوِرُ ہاتھ کا کنگن، جو عورتیں کلائی میں پہنتی ہیں، عاج واحد عاجة ہاتھی کا دانت۔

**ترجمه:** حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کرتے تو اپنے گھر والوں میں سے سب سے اخیر میں حضرت فاطمہؓ سے ملاقات کرتے اور واپسی پر سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لے جاتے، ایک غزوہ سے آپ لوٹے، تو انہوں نے دروازہ پر ٹاٹ یا پردہ لٹکایا ہوا تھا، نیز حسنؓ اور حسینؓ کو چاندی کے کنگن پہنائے ہوئے تھے، آپ چلے آئے اور اندر داخل نہ ہوئے، وہ جان گئیں کہ اس چیز کے دیکھنے نے آپ کو تشریف لانے سے روکا ہے، لہٰذا پردہ پھاڑ دیا، اور دونوں بچوں کے کنگن اتار دئے اور انہیں توڑ ڈالا، وہ دونوں روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے، آپ نے دونوں سے انہیں لے کر فرمایا اے ثوبان! انہیں لے کر آل فلاں کے پاس جاؤ کہ یہ میرے گھر والے ہیں میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ یہ اپنی پاکیزہ چیزیں دنیا کی زندگی میں کھالیں، اے ثوبان! فاطمہؓ کے لئے عصب کی ہڈی کا ہار اور ہاتھی کے دانت کے دو کنگن خرید لاؤ۔ (احمد، ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں چند باتیں مذکور ہیں (۱) آپ کو حضرت فاطمہؓ سے خصوصی محبت تھی، لہٰذا سفر میں جانے لگتے تو حضرت فاطمہؓ سے ملاقات کر کے جاتے اور آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے ملنے جاتے، (۲) حضرت

فاطمہؓ نے ایک موقع پر آپ کی آمد کے بارے میں سنا تو گھر کی زیبائش کے خاطر پردہ لٹکا دیا، اور حضرات حسنینؓ کو چاندی کے کڑے پہنا دیے، آپ کو یہ چیزیں ناگوار گذریں، لہٰذا آپ حضرت فاطمہؓ سے ملاقات کئے بغیر واپس ہو گئے، حضرت فاطمہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کو بھانپ لیا، لہٰذا پردہ پھاڑ دیا اور بچوں کے کنگن اتار کر توڑ دیے ضرورت کے وقت پردہ لٹکانے کی گنجائش ہے، لیکن چوں کہ یہ بلاضرورت تھا اس لئے آپ ناراض ہوئے تھے، (۳) آپ نے وہ ٹوٹے کنگن ایک ضرورت مند کے گھر بھجوا دیئے اور یہ بھی واضح کر دیا کہ میں اپنے اہل بیت کے لئے دنیا میں عیش وعشرت کے بجائے زہد وقناعت پسند کرتا ہوں، تا کہ آخرت میں ان کو خوب راحت میسر آئے اور غرباء ان کے فقر کو دیکھ کر دل جمعی محسوس کریں۔ (۴) چوں کہ آپ کے پیش نظر حضرت فاطمہؓ کی دل بستگی بھی تھی، لہٰذا آپ نے حضرت فاطمہؓ کے لئے ہار اور ہاتھی کے دانت کے کنگن منگوائے، یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھی کے دانت کے زیور پہنے جا سکتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مسحا او سترا راوی کو شک ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے ٹاٹ لٹکایا تھا یا پردہ لٹکایا تھا۔ یا تو یہ زینت کی غرض سے بلاضرورت تھا، یا پھر اس پر جاندار کی تصویر تھی۔ فلم یدخل آپ کو گھر اور گھر والوں کی کیفیت علم نبوت کی وجہ سے پہلے ہی مل گئی، لہٰذا آپ گھر میں داخل نہیں ہوئے۔

## حدیث ۱۳۲۶ ﴿آپ کے سرمہ لگانے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٤٧٢

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اكْتَحِلُوا بِالْإِثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِي هٰذِهِ وَثَلَاثَةً فِي هٰذِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۳۰۵ ج ۱، باب ماجاء فی الاکتحال، کتاب اللباس، حدیث ۱۷۵۷

**حل لغات:** اکتحلوا سرمہ لگاؤ (افتعال) امر حاضر اِکْتَحَلَ الرجل سرمہ لگانا، کَحَلَ (ف) کَحْلًا العینَ آنکھوں میں سرمہ لگانا، الاثمد سرمہ یا سرمے کا پتھر ثَمَدَ (ف) ثَمْدًا العین سرمہ لگانا، یجلوا جَلًا (ن) جلوا بَصَرَهٗ بِالْکُحْلِ نگاہ کو سرمے سے صاف کرنا، جلا دینا، ینبت اَنْبَتَ اِنْبَاتًا (افعال) اگانا، نَبَتَ (ن) نَبْتًا اگنا، مکحلۃ سرمہ دانی، تداویتم (تفاعل) تداوی دوا لینا، اپنا علاج کرانا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اثمد کا سرمہ لگایا کرو، کیوں کہ وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے، اور بالوں کو اگاتا ہے، ان کا گمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرمہ دانی تھی، جس سے رات میں روزانہ تین سلائی اِس آنکھ میں اور تین سلائی دوسری آنکھ میں لگایا کرتے تھے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ "اثمد" ایک مخصوص اور نفع بخش سرمہ ہے، اس کا استعمال کرنا چاہئے، آپ روزانہ رات میں سرمہ لگاتے تھے، رات میں سرمہ لگانے میں فائدہ زیادہ ہے، کیوں کہ آنکھ میں سرمہ زیادہ عرصہ تک باقی رہتا ہے، رات میں سونے کے بعد منھ وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کلمات حدیث کی تشریح: اکتحلوا آنکھ میں سرمہ ڈالنا مستحب ہے، لہٰذا سرمہ ثواب سمجھ کر لگانا چاہئے، آنکھ جو اللہ کی نعمت ہے، اس کی حفاظت بھی رہے گی اور سنت کا ثواب بھی ملے گا۔ الاثمد ایک خاص قسم کا سرمہ ہے، جو سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے، اب عام طور پر نہیں ملتا ہے، مدینہ منورہ میں جو ملتا ہے، وہ بھی اصلی نہیں ہوتا ہے، پس مذکورہ فوائد کا حامل کوئی بھی سرمہ لگایا جائے تو مقصود حاصل ہو جائے گا۔ اور سرمہ سوتے وقت لگانا زیادہ مفید ہے، تا کہ دیر تک آنکھوں میں اثر باقی رہے، اور مسامات میں سرایت کرے اور آج کل آنکھ میں ڈالنے کے لئے جو قطرات ملتے ہیں وہ بھی سرمہ کے قائم

مقام ہو جائیں گے، اور سلائی کی مقدار کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں، بعض میں دونوں آنکھوں میں تین تین سلائی ڈالنے کا ذکر ہے اور بعض میں دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دو کا ذکر ہے، چوں کہ پہلی سلائی پر کچھ زیادہ سرمہ نہیں لگتا ہے، اس لئے پہلی آنکھ میں تین سلائیاں ڈالتے ہوں گے، پھر جب سلائی تر ہو جاتی ہے تو اس پر اچھی طرح سرمہ لگتا ہے، اس لئے دوسری آنکھ میں دو سلائیاں ڈالتے ہوں گے، مگر علماء نے عام طور پر اس کو ترجیح دی ہے کہ دونوں آنکھوں میں تین تین سلائیاں ڈالے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث ۱۳۲۷ ﴿سونے سے پہلے سرمہ لگانے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٤٧٣

﴿وَعَنْهُ﴾ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ بِالْإِثْمِدِ ثَلَاثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ قَالَ وَقَالَ إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ اللَّدُوْدُ وَالسَّعُوْطُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ وَخَيْرَ مَا اكْتَحَلْتُمْ بِهِ الْإِثْمِدُ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَإِنَّ خَيْرَ مَا تَحْتَجِمُوْنَ فِيْهِ يَوْمُ سَبْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمُ تِسْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمُ إِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ وَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ عُرِجَ بِهِ مَا مَرَّ عَلٰى مَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوْا عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۵ ج۲، باب ماجاء فی السعوط وغیرہ، کتاب الطب، حدیث ۲۰۴۸۔

**حل لغات:** السعوط ناک میں ڈالنے کی دوا، سَعَطَ (ف) سَعْطًا الدواءَ ناک میں دوا چڑھانا، اللدود منہ کے گوشے سے ڈالنے کی دوا (ج) اَلِدَّةٌ، المشی مسہل دوا، تحتجمون (افتعال) اِحْتَجَمَ پچھنے لگوانا، عرج فعل ماضی مجہول ہے، عَرَجَ الشیٔ (ن) عُرُوْجًا اونچا ہونا، بلند ہونا، فی السلم سیڑھی یا زینے پر چڑھنا، بالشیٔ کسی چیز کو لے چڑھنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے ہر آنکھ میں "اثمد" سرمہ تین تین سلائی لگاتے، اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو تم علاج کرتے ہو، ان میں بہترین لیپ کرنا، نسوار کرنا، پچھنا لگوانا اور جلاب لینا ہے، اور جو تم سرمے لگاتے ہو ان میں بہترین اثمد ہے، کیوں کہ وہ بینائی کو روشن کرتا ہے اور بال اگاتا ہے، اور جن میں پچھنا لگواتے ہو، ان میں سترہواں، انیسواں، اور اکیسواں روز بہتر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج ہوئی تو فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے آپ گزرے تو انہوں نے کہا کہ پچھنا لگوانے کو ضرور اختیار کرو۔ (ترمذی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے علاج کے چار اہم طریقے ذکر کیے ہیں، ان طریقوں سے علاج بہت نافع رہتا ہے، اور تھوڑے سے تجربہ سے حاصل بھی ہو جاتا ہے، آپؐ نے اس حدیث میں "اثمد" سرمہ کا بھی ذکر کیا ہے، آنکھ کے لئے یہ نہایت کارگر علاج ہے۔ مزید تفصیلات ذیل میں دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے ہر آنکھ میں تین تین سلائی سرمہ لگاتے تھے، اس کی وضاحت گزشتہ حدیث میں ہو چکی ہے۔

**السعوط** ناک میں دوا ڈالنا۔ دماغی بیماریوں کے لئے ناک میں دوا ڈالنا بہترین علاج ہے، رہی یہ بات کہ کس دماغی بیماری میں کون سی دوا ناک میں ڈالی جائے، یہ بات لوگ جانتے تھے، اس لئے حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں آیا، اور آج بھی بہت سے لوگ جانتے ہیں، یا طب کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے، حکیم اس کے مطابق علاج کرتے ہیں۔

**اللدود** نمونیا وغیرہ میں زبان ایک طرف کر کے دوسری جانب دوا ڈالتے ہیں، اس کا نام لدود ہے، یہ بھی بہترین علاج ہے، نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم جب آخری مرتبہ بیمار ہوئے تو لوگوں کو خیال ہوا کہ آپ کو نمونیا ہو گیا ہے، حالانکہ آپ کو یہ بیماری نہیں تھی، بلکہ اس زہر کا اثر لوٹ آیا تھا جو آپ کو خیبر میں دیا گیا تھا، صحابہؓ اپنے خیال کے مطابق لدود کرنا چاہتے تھے، آپ نے منع فرمایا، پھر آپ کو غشی طاری ہو گئی تو گھر والے بے چین ہو گئے اور انہوں نے لدود کیا، جب آپ ہوش میں آئے تو آپ نے منہ میں دوا کا اثر محسوس کیا۔ آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا مجھے کس نے لدود کیا؟ سب خاموش رہے آپ نے فرمایا گھر میں جتنے لوگ ہیں سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے، چنانچہ سب کے منہ میں دوا ڈالی گئی حضرت میمونہؓ روزے سے تھیں، پھر بھی ان کا لدود کیا گیا، صرف حضرت عباسؓ کو چھوڑ دیا گیا کیونکہ آپ نے ان کو مستثنیٰ کیا تھا اور اس کی وجہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں یہ آئی ہے کہ وہ دوا پلانے میں شریک نہیں تھے، غرض اس طرح آپ نے سب کو لدود کروا کر اپنا انتقام لے لیا، ورنہ اپنے حبیب کا انتقام اللہ تعالیٰ لیتے اور معلوم نہیں کیا سزا ملتی، اب سستے میں چھوٹ گئے۔ الحجامة سینگی لگانا، فساد خون کا بہترین علاج ہے، مگر گرم خشک ممالک ہی میں یہ علاج مفید ہے، بارد اور رطوب خطوں میں یہ علاج مفید نہیں ہے، جب خون میں زیادتی ہوتی ہے تو جسم کے خاص حصوں میں سینگی لگاتے ہیں اور خون چوس کر نکالتے ہیں، اس سے خون کا پریشر کم ہو جاتا ہے اور خون کی بہت سی بیماریوں سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ والمشی مسہل دوا لینا، یعنی کوئی دست آور دوا لینا، یہ بھی بہترین طریقہ علاج ہے، لیکن لوگ اس کی اہمیت سے ناواقف ہیں، حالانکہ مہینہ میں ایک مرتبہ کوئی ہلکا سا مسہل لیا جائے تو پیٹ صاف ہو جائے گا، اور معدہ کی بیماریوں سے حفاظت ہو جائے گی۔ (تحفۃ الالمعی) وخیر ما اکتحلتم به الاثمد "اثمد" ایک مشہور پتھر ہے جس سے سرمہ بنتا ہے، آنکھ میں کوئی تکلیف ہو تو سرمہ اور خاص کر اثمد سرمہ کا استعمال بہت نفع بخش ہے۔ گزشتہ حدیث میں اس جز کی کچھ وضاحت گزری ہے۔ یوم سبع عشرة جسم کے اخلاط میں (خون، سوداء، صفراء، اور بلغم) مہینے کی ابتدا میں ہیجان ہوتا ہے، جبکہ مہینہ کے آخر میں یہ ساکن ہوتے ہیں لہٰذا درمیان کا عرصہ بہتر ہے، کیوں کہ وہ اخلاط کے اعتدال کا زمانہ ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری، ص ۲۴۰ ج ۲۱) لہٰذا حدیث میں مذکور ایام میں سینگی کھچوانا زیادہ بہتر ہے، ویسے جب بھی ضرورت ہو سینگی لگوانے میں کوئی حرج نہیں ہے، امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے "باب ای ساعة یحتجم" (پچھنا کس وقت لگوائے؟) اس کے تحت حدیث ذکر کی ہے۔ "یحتجم النبی صلی الله علیه وسلم وهو صائم" (آپ نے روزے کی حالت میں پچھنا لگوایا) امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ احتجام یعنی پچھنا لگوانے کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے، جب بھی ضرورت ہو بغیر کراہت کے لگوایا جا سکتا ہے۔ (فتح الباری ۱۸۳ ج ۱۰) الا قالوا علیك بالحجامة حضرات ملائکہ نے معراج کے موقع پر آپ کو نہایت مخلصانہ مشورہ دیا کہ آپ پچھنا ضرور لگوائیں، کیوں کہ اس کے بہت سے فوائد ہیں۔

## حدیث ۱۳۲۸ ﴿حمام میں جانے کی اجازت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث: ٤٤٧٤

﴿وَعَنْ﴾ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى الرِّجَالَ وَالنِّسَاءَ عَنْ دُخُولِ الْحَمَّامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ لِلرِّجَالِ أَنْ يَدْخُلُوْا بِالْمَيَازِرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۸ ج ۲، باب ماجاء فی دخول الحمام، کتاب الادب، حدیث ۲۸۰۲. ابو داود، ص ۵۵٦ ج ۲، باب، کتاب الحمام، حدیث ٤۰۰۹.

**حل لغات:** حمامات جمع ہے، واحد حَمَّامٌ غسل خانہ، المیازر جمع ہے، واحد مِئْزَرٌ، ازار، لنگی۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کو حمام میں داخل ہونے سے منع فرمایا تھا، پھر مردوں کو تہبند پہن کر جانے کی اجازت عطا کر دی تھی۔ (ترمذی، ابوداؤد)

**خلاصہ حدیث** جن ملکوں میں پانی کی قلت ہے، وہاں نہانے کے ہوٹل ہوتے ہیں، مرد اور عورتیں وہاں جا کر نہاتے ہیں، اس لئے وہاں بے پردگی بہت ہوتی ہے، لہٰذا عورتوں کو وہاں جانا ہی نہیں چاہئے، وہ اپنے گھروں میں نہائیں اور مرد لنگی باندھ کر جائیں۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** نھی الرجال والنساء عن دخول الحمامات "حمام" سے مراد وہ غسل خانے ہیں جو عوامی ضرورت کے لئے بازاروں میں بنائے جاتے ہیں اور جہاں پر ہر کس و ناکس نہانے کی غرض سے آتا جاتا ہے، بلکہ پہلے زمانوں میں تو اس قسم کے حمام ہوتے تھے جہاں علیحدہ علیحدہ نہانے کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا تھا، بلکہ کئی کئی آدمی ایک ہی جگہ ساتھ ساتھ غسل کرتے تھے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں ستر پوشی ممکن نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے آپ نے مسلمانوں کو حمام میں جانے سے منع کر دیا، البتہ بعد میں مردوں کو اس شرط کے ساتھ جانے کی اجازت دی کہ وہ بغیر تہبند کے جو گھٹنوں تک ہونا ضروری ہے، وہاں غسل نہ کریں۔ مظہر کہتے ہیں کہ آپ نے (تہبند کی شرط کے ساتھ بھی) عورتوں کو حمام میں جانے کی اجازت اس لئے نہیں دی کہ ان کے تمام اعضاء ستر کے حکم میں داخل ہیں کہ ان کے لئے جسم کا کوئی بھی حصہ کھولنا جائز نہیں ہے تاہم واقعی ضرورت و مجبوری کی صورت میں عورتوں کے لئے بھی اجازت ہے، مثلاً شدید سردی کے موسم میں حیض و نفاس سے فراغت کے بعد یا ناپاک ہونے کی صورت میں نہانے کی ضرورت ہو یا کسی علاج کے سلسلہ میں گرم پانی سے نہانا ضروری ہو اور......... گرم پانی کا حمام کے علاوہ اور کہیں انتظام نہ ہو نیز ٹھنڈے پانی سے نہانا ضرر و نقصان کا باعث ہو، تو اس صورت میں عورت کو بھی حمام جانے کی مخصوص اجازت ہوگی۔ یہاں خلجان پیدا ہو سکتا ہے کہ اس وضاحت سے وہ وجہ ظاہر نہیں ہوئی جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس ممانعت میں مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق کیوں کیا گیا ہے؟ کیوں کہ عورتوں کی موجودگی میں عورت کے لئے بلا فرق وہی حکم ہے جو مرد کی موجودگی میں مرد کے لئے ہے۔ (کہ جس طرح مرد کو کسی مرد کے سامنے اپنے جسم کو کھولنا جائز ہے علاوہ اس حصہ جسم کے جو شرعی طور پر ستر کے حکم میں ہے اسی طرح عورت کو کسی عورت کے سامنے اپنے جسم کو کھولنا جائز ہے علاوہ اس حصہ جسم کے جو شرعی طور پر عورت کے لئے ستر کے حکم میں ہے) اس اعتبار سے قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی یہ اجازت ہونی چاہئے کہ وہ زنانہ حمام میں جا سکتی ہیں بشرطیکہ وہ اپنے جسم کے اس حصہ کو ضرور چھپائے رہیں جن کو عورت کے سامنے بھی کھولنا جائز نہیں۔ اس خلجان کو اس توضیح کے ذریعہ رفع کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مذکورہ شرط کے ساتھ حمام میں جانے کی اجازت اس لئے نہیں دی ہوگی کہ عام طور پر عورتیں اپنی ہم جنسوں کے سامنے اپنی ستر پوشی کا کوئی خاص لحاظ نہیں رکھتیں۔ بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو عورتوں کے سامنے حتیٰ کہ اجنبی عورتوں تک کے سامنے اپنے ستر کی عریانیت کو معیوب نہیں سمجھتیں، چہ جائے کہ اپنے اقارب جیسے ماں یا بیٹی یا بہن وغیرہ کے سامنے ستر کھولنے کو کوئی برائی سمجھیں؟ یہاں تک کہ گھر میں بھی غسل وغیرہ کے مواقع پر عورتیں ایک دوسرے کے سامنے اپنے سطر کو چھپانے کا خیال نہیں رکھتیں، چہ جائے کہ حمام میں کہ جہاں ویسے بھی ایک دوسرے کے سامنے ستر پوشی بڑی مشکل سے قائم رکھنی پڑتی ہے بلکہ اکثر عورتیں تو کوئی کپڑا وغیرہ لپیٹنے تک کی روادار نہیں ہوتیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نور نبوت کے ذریعہ عورتوں کی اس حالت کا ادراک کر لیا، اور ان کے لئے اس راستہ ہی کو بند کر دیا۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۳۲۹ ﴿عورتوں کے حمام میں نہانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث: ٤٤٧٥

﴿وَعَنْ﴾ أَبِي الْمَلِيحِ قَالَ قَدِمَ عَلَى عَائِشَةَ نِسْوَةٌ مِنْ أَهْلِ حِمْصَ فَقَالَتْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُنَّ قُلْنَ مِنَ الشَّامِ قَالَتْ فَلَعَلَّكُنَّ مِنَ الْكُورَةِ الَّتِي تَدْخُلُ نِسَاءُهَا الْحَمَّامَاتِ قُلْنَ بَلَى قَالَتْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاتَخْلَعُ امْرَأَةٌ ثِيَابَهَا فِيْ غَيْرِ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّاهَتَكَتِ السِّتْرَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ رَبِّهَا، وَفِيْ رِوَايَةٍ فِيْ غَيْرِ بَيْتِهَا إِلَّاهَتَكَتْ سِتْرَهَا فِيْمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۸ ج ۲، باب ما جاء فی دخول الحمام، کتاب الادب، حدیث ۲۸۰۲، ابو داود، ص ۵۵۶-۵۷ ج ۲، باب کتاب الحمام، حدیث ۴۰۱۰

**حل لغات:** الکورۃ علاقہ، قصبہ (ج) کُوَرٌ، لا تخلع فعل نہی مت اتار، خَلَعَ (ف) خَلْعًا الشیٔ اتارنا، کپڑا یا جوتا وغیرہ نکالنا۔

**ترجمہ:** ابوالملیح بیان کرتے ہیں کہ حمص والوں کی چند عورتیں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آئی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ شام سے، فرمایا کہ تم شاید اس علاقے کی عورتیں ہو، جہاں عورتیں بھی حماموں میں داخل ہوتی ہیں، ان عورتوں نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت اپنے خاوند کے گھر کے سوا کسی دوسرے گھر میں کپڑے اتارے تو اس کے اور اس کے رب کے درمیان جو پردہ ہوتا ہے وہ پردہ پھٹ جاتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اپنے گھر کے سوا میں مگر وہ پردہ پھٹ جاتا ہے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے۔ (ترمذی، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عرب میں حمام کا دستور نہ تھا، لیکن شام وغیرہ کے علاقوں میں حمام تھے، جہاں مرد وعورت غسل کرتے تھے، چوں کہ اس میں بہت بے پردگی ہوتی تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمام میں نہانے سے مطلقاً منع کیا تھا، پھر مردوں کو پردہ اور لنگی کے ساتھ داخل ہونے کی اجازت عطا کی تھی، لیکن عورتوں کے لئے ممانعت بدستور قائم رہی، الا یہ کہ کوئی شدید مجبوری ہو، اس حدیث میں بھی بتایا کہ اگر عورت ممانعت کے باوجود جائے گی تو وہ اس پردہ کو پھاڑ دے گی جو اللہ نے قائم کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ انسان اور معاصی کے درمیان جو پردہ اور رکاوٹ اللہ تعالیٰ نے قائم کی ہے، وہ اس کو توڑنے والی ہوگی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تخلع امرأة ثيابها في غير بيت زوجها عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ پردہ میں رہے اور اس بات سے اپنے آپ کو بچائے کہ کوئی اجنبی اس کو دیکھے، یہاں تک کہ اس کے لئے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند کی موجودگی کے علاوہ خلوت میں اپنا ستر کھولے، لہٰذا جب وہ بلاضرورت شرعی حمام میں گئی اور وہاں اس نے اپنے اعضاء وجسم کو عریاں کر دیا، تو اس نے گویا اس پردہ کو چاک کر دیا جس میں اپنے جسم کو چھپانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۳۳۰ ﴿عذر کے وقت عورت حمام میں غسل کرسکتی ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۴۷۶

﴿وَعَنْ﴾ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ سَتُفْتَحُ لَكُمْ أَرْضُ الْعَجَمِ وَسَتَجِدُوْنَ فِيْهَا بُيُوْتًا يُقَالُ لَهَا الْحَمَّامَاتُ فَلَايَدْخُلَنَّهَا الرِّجَالُ إِلَّا بِالْأُزُرِ وَامْنَعُوْهَا النِّسَاءَ إِلَّامَرِيْضَةً أَوْنُفَسَاءَ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۵۷ ج ۲، باب، کتاب الحمام، حدیث ۴۰۱۱

**حل لغات:** ازر جمع ہے واحد الازار، لنگی تہبند، نفساء زچہ عورت، نفاس والی عورت، نَفِسَتِ المرأةُ نَفَسًا (س) بچہ جننا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تم لوگ عجمی علاقوں کو فتح کرلو گے۔ اور تم ان میں ایسے گھر بھی پاؤ گے جن کو حمام کہا جائے گا، تو مرد ان میں ازار باندھے بغیر داخل نہ ہوں، اور عورتوں کو ان میں داخل کرنے سے منع کرنا مگر یہ کہ کوئی عورت بیمار ہو یا نفاس کی حالت میں ہو۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کے لئے حمام میں کسی صورت میں نہانا جائز نہیں ہے، ہاں اگر شرعی مجبوری ہے تو نہا سکتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وامنعوھا النساء عورتوں کے لئے حمام میں نہانے کی ممانعت عام ہے، خواہ پردہ کے ساتھ ہو یا بغیر پردہ کے ہو۔ الا مریضۃ عورت حمام میں علاج کی غرض سے نہا رہی ہے، مثلاً گرم پانی سے نہانا اس کے لئے مرض سے شفا کا ذریعہ ہے اور گرم پانی حمام کے علاوہ کہیں میسر نہیں ہے، تو حمام میں پردہ کے ساتھ عورت نہائے گی۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۴۷۴ دیکھیں۔

## حدیث ۱۳۳۱ ﴿مرد عورت کو حمام میں داخل ہونے سے روکیں﴾ عالمی حدیث ٤٤٧٧

﴿وَعَنْ﴾ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَدْخُلِ الْحَمَّامَ بِغَيْرِ إِزَارٍ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُدْخِلْ حَلِيْلَتَهُ الْحَمَّامَ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَجْلِسْ عَلٰى مَائِدَةٍ تُدَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص۸-۱۰۷ ج۲، باب ما جاء فی دخول الحمام، کتاب الادب، حدیث ۲۸۰۱، نسائی، ص۴۵ ج۱، باب الرخصۃ فی دخول الحمام، کتاب الغسل، حدیث ۴۰۱

**حل لغات:** حلیلۃ بیوی، پڑوسن (ج) حَلائِل، مائدۃ دسترخوان، تدار (افعال) اِدَارۃ گھمانا چلانا، الخمر (ج) خمور شراب۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں بغیر ازار کے داخل نہ ہو، اور جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنی بیوی کو حمام میں داخل نہ ہونے دے، اور جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چلتا ہو۔ (ترمذی، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں تین باتوں کی ممانعت ہے، مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہئے (۱) حمام میں اگر کوئی مرد جائے تو اس حال میں جائے کہ ستر ڈھکا ہو، ستر کھولنا بڑی بے حیائی اور بے شرمی کی بات ہے۔ (۲) اپنے گھر کی عورتوں کو حمام میں نہانے سے روکنا چاہئے اور گھر ہی میں ان کے نہانے کا مناسب انتظام کرنا چاہئے۔ (۳) جس جگہ شراب پی اور پلائی جاتی ہو مسلمانوں کو وہاں اٹھنا بیٹھنا نہیں چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** بغیر ازار بغیر تہبند کے یعنی بغیر ستر ڈھا کے نہ جائے۔ حلیلتہ الحمام مسلمان ہے تو اپنی بیوی کو حمام میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے، یہی اس کا داخل نہ کرنا ہے، بیوی ہی کی طرح بہن، بیٹی اور دیگر گھر کی عورتوں کو بھی داخل ہونے سے منع کرے۔ و من کان یؤمن علی مائدۃ جس جگہ پر شراب کا دور چل رہا ہو، وہاں مسلمانوں کو جانا منع ہے، اور اگر کوئی ایسی جگہ پہنچ جائے تو اس کے لئے لازم ہے کہ شرابیوں کو شراب پینے سے منع کرے، اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو کم از کم ان سے بے اعتنائی کا اظہار کرے۔

# الفصل الثالث

## حدیث ۱۳۳۲ ﴿آپ کے سر میں سفید بال چند تھے﴾ عالمی حدیث: ٤٤٧٨

﴿عَنْ﴾ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ عَنْ خِضَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَعُدَّ شَمَطَاتٍ كُنَّ فِيْ رَأْسِهٖ فَعَلْتُ قَالَ وَلَمْ يَخْتَضِبْ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ وَقَدِ اخْتَضَبَ أَبُوْبَكْرٍ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ وَاخْتَضَبَ عُمَرُ بِالْحِنَّاءِ بَحْتًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص۸۷۵ ج۲، باب ما یذکر من الشیب، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۹۵، مسلم، ص۲۵۹

ج۲، باب شیبة رسول الله، کتاب الفضائل، حدیث ۲۳٤۱

**حل لغات:** شمطات کالے بالوں میں کچھ سفید بال شمط الشیٔ (س) شمطاً کسی چیز کا دوسری شی سے مل جانا، شعر کا بالوں کا سیاہ و سفید ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ثابتؓ سے روایت ہے کہ حضرت انسؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے بتایا کہ اگر میں حضورؐ کے سر مبارک کے سفید بالوں کو گننا چاہتا تو گن سکتا تھا، انہوں نے فرمایا کہ آپؐ نے خضاب نہیں لگایا، اور ایک روایت میں یہ بات مزید ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے مہندی اور وسم کا خضاب کیا، جب کہ حضرت عمرؓ نے صرف مہندی کا خضاب کیا۔ (بخاری، ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ کے سر مبارک میں چند ہی بال سفید ہونے تھے، لہٰذا خضاب کی ضرورت ہی نہیں تھی، چنانچہ آپؐ نے سر کے بالوں میں خضاب نہیں لگایا، البتہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے سر کے بالوں میں خضاب لگانا ثابت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لو شئت ان اعد آپؐ کے سر مبارک میں سفید بال اتنے کم تھے کہ میں شمار کر سکتا تھا۔ پندرہ، سترہ، انیس، بائیس بالوں کے سفید ہونے کا ذکر آتا ہے۔ (عمدۃ القاری، ص ۴۸، ج ۲۲) بعض نے بائیس کا عدد ذکر کیا ہے۔ و لم یخضب آپؐ نے خضاب نہیں کیا، بعض روایت سے خضاب کرنا ثابت ہے، آپؐ نے داڑھی میں خضاب کیا ہے، جب کہ سر کے بالوں میں نہیں کیا ہے، لہٰذا اثبات کا تعلق داڑھی کے بالوں سے اور نفی کا تعلق سر کے بالوں سے ہوگا۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۴۵۳ دیکھیں۔ بالحناء و الکتم خالص مہندی یا کتم کے ساتھ مہندی وغیرہ کی تفصیلات ماقبل میں گذر چکی ہیں۔

## حدیث ۱۳۲۳ ﴿آپ کا داڑھی میں خضاب فرمانا﴾ عالمی حدیث: ٤٤٧٩

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُصَفِّرُ لِحْيَتَهُ بِالصُّفْرَةِ حَتّٰى يَمْتَلِئَ ثِيَابُهُ مِنَ الصُّفْرَةِ فَقِيلَ لَهُ لِمَ تَصْبَغُ بِالصُّفْرَةِ قَالَ إِنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبَغُ بِهَا وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْهَا وَقَدْ كَانَ يَصْبَغُ بِهَا ثِيَابَهُ كُلَّهَا حَتّٰى عِمَامَتَهُ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵٦۲ ج۲، باب المصبوغ بالصفرة، کتاب اللباس، حدیث ٤٠٦٤، نسائی، ص ۳۳٦-۳۷ ج۲، باب الخضاب بالصفرة، کتاب الزینة، حدیث ۵٠۸۵

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے، یہاں تک کہ ان کے کپڑے بھی زرد آلود ہو جاتے تھے، ان سے عرض کیا گیا کہ آپ زرد رنگ سے کیوں رنگتے ہیں؟ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے رنگتے ہوئے دیکھا ہے، اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہے، اور ابن عمرؓ اپنے تمام کپڑے بھی اس رنگ میں رنگتے تھے، حتیٰ کہ اپنا عمامہ بھی رنگتے تھے۔ (ابوداود، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ اپنی ریش مبارک زرد رنگ سے رنگتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ اتباع نبی کی غرض سے اپنی داڑھی بھی اسی رنگ سے رنگتے تھے، اور اس میں اتنا مبالغہ ہوتا کہ اس کا اثر آپؓ کے کپڑوں پر نمایاں ہوتا، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بالقصد زعفرانی رنگ میں کپڑے رنگ کر پہنتے تھے، کیوں کہ مردوں کے لئے زعفرانی رنگ کے کپڑے پہننا درست نہیں ہے، اس کی آپؐ سے صراحتاً ممانعت ثابت ہے۔ لہٰذا یہ تاویل ضروری ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یصفر بالصفرۃ زرد رنگ سے اپنی داڑھی رنگتے تھے، زعفرانی رنگ سے داڑھی اور سر کا خضاب جائز ہے، البتہ اس رنگ کے کپڑے پہننا درست نہیں ہے، لہٰذا کپڑے کے حوالے سے تاویل کی جائے گی، جیسا کہ گزشتہ سطور میں مذکور ہوا، بذل کے حوالے سے ایک اور توجیہ پڑھ لیجئے جو لون خالص اصفر ہوتا ہے جیسے سرسوں کے پھول اس کو ہمارے یہاں بسنتی رنگ کہتے ہیں اور جو زرد رنگ مائل بسرخی ہو اس کو گیرو کہتے ہیں، جس کو عربی میں مغراء کہتے ہیں، اور جو کپڑا اس رنگ میں رنگا ہوا ہو اس کو گیروا کہتے ہیں، یہ صوفیانہ اور مردانہ رنگ ہے اور خالص اصفر وہ زنانہ رنگ ہے، یہ یہاں مراد نہیں ہے، بذل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر گیروا لباس غیروں کا شعار نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے، خاص طور پر عمامہ کے بارے میں حضرت نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں بعض مذہبی ہندو سادھو ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا سارا لباس اوپر سے نیچے تک گیروا ہوتا ہے، حضرت کا اشارہ اسی طرف ہے۔ (الدر المنضود)

## حدیث ۱۳۳۴ ﴿آپؐ کے سر کے بال کا ذکر﴾ عالمی حدیث ٤٤٨٠

﴿وَعَنْ﴾ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَوْهَبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی أُمِّ سَلَمَةَ فَأَخْرَجَتْ إِلَيْنَا شَعْرًا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ ﷺ مَخْضُوبًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۵۷ ج ۲، باب ما یذکر من الشیب، کتاب اللباس، حدیث ۵۸۹۷

**ترجمہ:** حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بالوں میں سے ایک رنگا ہوا بال ہمارے پاس لائیں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے آپؐ کا جو بال نکال کر دکھایا اس پر خضاب کا اثر تھا، آپؐ سر کے بالوں میں خضاب نہیں کرتے تھے، ہوسکتا ہے کہ کبھی سر درد وغیرہ کی بنا پر آپؐ نے مہندی لگائی ہو، اسی کا اثر اس بال پر رہا ہو۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مخضوبا آپؐ کے سر کے بال چند ہی سفید ہوئے تھے، لہٰذا بوڑھاپے کی غرض سے آپؐ نے سر پر خضاب نہیں لگایا، لہٰذا جن روایات میں سر پر خضاب لگانے کی نفی ہے، وہاں یہی مراد ہے، اور جن روایات سے سر پر خضاب کا ثبوت سمجھ میں آتا ہے ان سے کسی عارض کی بنا پر مہندی وغیرہ لگانا مراد ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ بال سفید ہونے سے پہلے بال سرخ ہوتا ہے، بغیر خضاب کے اسی قسم کا یہ بال رہا ہو اور اس ذاتی سرخی کو رنگا ہوا کہا ہو، یا پھر خوشبو وغیرہ میں رکھنے کی وجہ سے اس بال میں رنگ کا اثر آیا ہو۔

## حدیث ۱۳۳۵ ﴿عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے پر شہر بدر کرنا﴾ عالمی حدیث: ٤٤٨١

﴿وَعَنْ﴾ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمُخَنَّثٍ قَدْ خَضَبَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ هٰذَا قَالُوا يَتَشَبَّهُ بِالنِّسَاءِ فَأَمَرَ بِهٖ فَنُفِيَ إِلَی النَّقِيعِ فَقِيلَ يَارَسُولَ اللّٰهِ أَلَانَقْتُلُهُ فَقَالَ إِنِّي نُهِيتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّينَ رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۶۷۶ ج ۲، باب فی الحکم فی المخنثین، کتاب الادب، حدیث ٤٩٢٨

**حل لغات:** نفی نَفَیَ (ض) نفیًا الشیٔ دور کرنا، ہٹانا، الحاکم فلانًا جلاوطن کرنا یعنی شہر یا ملک سے نکال دینا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مخنث لایا گیا، اس نے اپنے ہاتھوں اور

پیروں کو مہندی سے رنگ رکھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے، چنانچہ آپ نے حکم دیا، تو اس کو "نقیع" کی طرف جلاوطن کر دیا گیا، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم اس کو قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے نمازیوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں اور پیروں میں بلا عذر مہندی مردوں کو لگانے کی اجازت نہیں ہے، جو شخص ہاتھوں اور پیروں کو مہندی لگائے، عورتوں کی مشابہت اختیار کرے، ایسا شخص معاشرہ کے بگاڑ کا سبب ہے، لہٰذا اس کو شہر بدر کر دینا چاہئے، البتہ اگر مسلمان ہے تو اس کا قتل جائز نہیں ہے، اس لئے کہ مسلمان کا قتل بہر حال جائز نہیں ہے الا یہ کہ وہ کوئی ایسا عمل کرے جس کی بنا پر اس کا قتل جائز ہو جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مخنث اس کی وضاحت حدیث ۴۴۲۸ کے تحت گذر چکی ہے، دیکھ لیں۔ یتشبه بالنساء وضع قطع بات چیت اور زیب وزینت میں عورتوں کے طریقے اختیار کرتا ہے۔ فنفی الی النقیع آپ کے حکم سے اس کو شہر بدر کر کے نقیع بھیج دیا گیا، یہ مدینہ کے مضافات میں ایک علاقہ ہے۔ ابوداؤد میں کتاب اللباس میں ایک روایت ہے کہ آپ نے ایک ہیجڑے کو شہر بدر کیا تو وہ بیداء کی طرف چلا گیا، ہفتہ میں ہر جمعہ کو شہر میں آتا اور کھانا مانگتا، ایک روایت میں ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ جنگل میں بھوکا مر جائے گا، آپ اس کو ہفتہ میں دو مرتبہ شہر میں داخل ہونے کی اجازت دیجئے تاکہ سوال کر کے لوٹ جایا کرے گا۔ انی نهیت عن قتل المصلین مجھے نماز پڑھنے والے کے قتل سے منع کیا گیا ہے، نماز پڑھنا یہ مسلمان ہونے کی دلیل ہے، مقصد یہ ہے کہ مسلمان کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔

## حدیث ۱۳۳۶ ﴿چھوٹے لڑکوں کو بھی زعفرانی خوشبو نہ لگائی جائے﴾ عالمی حدیث: ٤٤٨٢

﴿وَعَنِ﴾ الْوَلِيْدِ بْنِ عُقْبَةَ قَالَ لَمَّا فَتَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَكَّةَ جَعَلَ أَهْلُ مَكَّةَ يَأْتُوْنَهُ بِصِبْيَانِهِمْ فَيَدْعُوْلَهُمْ بِالْبَرَكَةِ وَيَمْسَحُ رُؤُوْسَهُمْ فَجِيْءَ بِيْ إِلَيْهِ وَأَنَا مُخَلَّقٌ فَلَمْ يَمَسَّنِيْ مِنْ أَجْلِ الْخَلُوْقِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۵۷ ج ۲، باب الخلوق للرجال، کتاب الترجل، حدیث ٤١٨١

**حل لغات:** مخلق خلوق لگائے ہوا، مفعول ہے، خَلَّقَ (تفعیل) زعفران سے بنی ہوئی خوشبو لگانا۔

**ترجمہ:** حضرت ولید بن عقبہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا تو مکہ والے اپنے بچوں کو آپ کے پاس لانے لگے، آپ ان کے لئے برکت کی دعا فرماتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے، مجھے بھی آپ کی خدمت میں لایا گیا، لیکن چوں کہ اس وقت میرے بدن پر خلوق خوشبو لگی ہوئی تھی، لہٰذا خلوق آلودہ ہونے کی وجہ سے آپ نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** خلوق زعفران سے بنی ہوئی ایک خوشبو ہے، یہ عورتوں کے لئے مخصوص ہے، مردوں کے لئے خلوق کا استعمال جائز نہیں ہے، چوں کہ ولید بن عقبہ کے جسم پر یہ خوشبو لگی ہوئی تھی، لہٰذا آپ نے ان کی طرف التفات نہیں فرمایا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فلم یمسنی من اجل الخلوق چونکہ بچے غیر مکلف ہوتے ہیں، لہٰذا جو گھر والے مذکر بچوں کے زعفرانی خوشبو لگائیں گے وہ گنہگار ہوں گے، آپ کے ولید بن عقبہ کو نہ چھونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کے ہاتھ اس خوشبو سے آلودہ ہونے سے محفوظ رہیں، آپ اگر انہیں چھوتے تو آپ کے ہاتھوں پر بھی اس خوشبو کے اثرات آسکتے تھے۔

## حدیث ۱۳۳۷ ﴿بالوں میں تیل کنگھی کرنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٤٨٣

﴿وَعَنْ﴾ أَبِيْ قَتَادَةَ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ لِيْ جُمَّةً أَفَأُرَجِّلُهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَعَمْ وَأَكْرِمْهَا

قَالَ فَكَانَ أَبُوْقَتَادَةَ رُبَّمَا دَهَنَهَا فِي الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ مِنْ أَجْلِ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَعَمْ وَأَكْرِمْهَا رَوَاهُ مَالِكٌ

**حوالہ:** موطا امام مالك، ص ۳۷۶، باب اصلاح الشعر، كتاب الشعر، حديث ٦

**ترجمہ:** حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے بال کاندھوں تک ہیں، کیا میں ان میں کنگھی کرلوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں اور ان کی عزت کرو، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان "ہاں ان کی عزت کرو" کی بناپر حضرت ابوقتادہؓ بعض مرتبہ دن میں دومرتبہ بالوں میں تیل لگاتے تھے۔ (موطا امام مالک)

**خلاصۂ حدیث** اگر کوئی شخص بال رکھے تو اسکو چاہئے کہ حسب ضرورت بالوں میں تیل بھی لگائے اور کنگھی بھی کرے، پراگندہ بال رکھنا پسندیدہ نہیں ہے، البتہ بال رکھ کر ہمیشہ بناؤسنگھار میں لگے رہنا پسندیدہ نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ربما دهنها في اليوم مرتين بسااوقات دن میں دومرتبہ بالوں میں تیل لگاتے تھے۔ بالوں میں کنگھی کرنے کو کثرت سے اختیار کرنا اس حدیث میں غیر پسندیدہ اور نامحمود ہے، جب کہ اس کا مقصد محض زینت اور آرائش ہو اور اس میں بے جا انہماک واہتمام سے کام لیا جائے، لیکن حضرت ابوقتادہؓ کے بارے میں جو نقل کیا گیا ہے اس کی نوعیت بالکل جداگانہ تھی کہ ان کا یہ عمل یعنی بالوں میں اکثر تیل لگانا اور کنگھی کرنا محض آپؐ کے حکم کی بجاآوری اور منشاء نبوی کی تعمیل کی خاطر تھا، جو کہ یقیناً پسندیدہ و محمود کہلائے گا، جیسا کہ حضرت انسؓ کی والدہ کے بارے میں بیان کیا جاچکا ہے کہ انہوں نے حضرت انسؓ کے گیسو محض اس لئے نہیں کاٹے کہ ان کو آپؐ کھینچا اور پکڑا کرتے تھے۔ دیکھیں حدیث ۴۴۶۲ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۳۳۸ ﴿یہودیوں کی طرح بال رکھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث: ٤٤٨٤

﴿وَعَنِ﴾ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَحَدَّثَتْنِي أُخْتِي الْمُغِيْرَةُ قَالَتْ وَأَنْتَ يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَلَكَ قَرْنَانِ أَوْ قُصَّتَانِ فَمَسَحَ رَأْسَكَ وَبَرَّكَ عَلَيْكَ وَقَالَ احْلِقُوْا هٰذَيْنِ أَوْقُصُّوْهُمَا فَإِنَّ هٰذَا زِيُّ الْيَهُوْدِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٥٧٧ ج ٢، باب ما جاء في الرخصة، كتاب الترجل، حديث ٤١٩٧

**حل لغات:** قرنان تثنیہ ہے واحد القرنُ (ج) قُرُوْنٌ بالوں کی لٹ، عورت کی زلف، قصتان تثنیہ، واحد القُصَّةُ جمع قُصَصٌ وَقِصَاصٌ بالوں کی لٹ گچھا، زِیٌّ ہیئت، شکل بھیس، وضع قطع (ج) أَزْيَاءٌ۔

**ترجمہ:** حضرت حجاج بن حسانؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میری بہن مغیرہؓ نے مجھ سے بیان کرتے ہوئے بتایا کہ تم ان دنوں چھوٹے لڑکے تھے اور تمہارے سر پر گندھے ہوئے بالوں کی دولٹیں تھیں یا دو گچھے تھے، حضرت انسؓ نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور تمہارے حق میں برکت کی دعا کی، اور فرمایا کہ ان دونوں کو منڈوا دو یا ان کو کتروا دو، بے شک یہ یہودیوں کا طور وطریقہ ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سر پر بال رکھنے کی اجازت ہے، لیکن کوئی غیر مسلم طبقہ کسی مخصوص انداز پر بال رکھتا ہے تو مسلمانوں کے لئے اس طرح بال رکھنا درست نہ ہوگا، کیوں کہ غیر مسلموں کی مشابہت اور ان کی وضع قطع اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فحدثتني اختي حضرت انسؓ کے پاس حضرت حسانؒ جس وقت گئے، چھوٹے بچے تھے، لہٰذا انہیں جانا تو یاد رہا، لیکن جانے کی کیفیت یاد نہیں رہی، لہٰذا ان کی بہن نے ان کو بتایا، چنانچہ

انہوں نے اپنی بہن سے سن کر آگے کی بات ذکر کی سزی الیھود اس وقت حضرت حسانؓ کے بال اس کیفیت پر تھے، جس نوعیت کے بال اس دور کے یہود اپنے بچوں کو رکھتے تھے، حضرت انسؓ نے اس طرح کے بال رکھنے سے یوں منع کیا کہ حکم دیا کہ یا تو بالکل منڈوا دو یا کتروا دو۔

## حدیث ۱۳۳۹ ﴿عورت کو سر منڈانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث: ٤٤٨٥

﴿وَعَنْ﴾ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ تَحْلِقَ الْمَرْاَةُ رَاْسَهَا رَوَاهُ النَّسَائِيُّ

**حوالہ:** نسائی، ص ۲۳٤ ج۲، باب ما جاء فی الرخصة، کتاب الترجل، حدیث ٤١٩٧

**ترجمہ:** حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ عورت اپنے سر کے بال منڈائے۔ (نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عورت کے لئے سر کے بال بلا عذر منڈانا جائز نہیں ہے، جس طرح مردوں کے لئے داڑھی منڈانا جائز نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان تحلق المراۃ راسھا عورت کے سر کے بال اس کے حق میں زینت ہیں اور اس کا سر منڈوانا بدہیئتی ہے، لہٰذا اسلام نے جس طرح مردوں کے چہرے کی رونق داڑھی، منڈانے کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح عورت کے جمال بالوں کو منڈوانے کو حرام قرار دیا ہے، یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مردوں کو سر کے بال منڈانے کی اجازت ہے۔

## حدیث ۱۳٤۰ ﴿بدھیئت رھنا اچھی بات نھیں ھے﴾ عالمی حدیث: ٤٤٨٦

﴿وَعَنْ﴾ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرُ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ كَاَنَّهٗ يَاْمُرُهٗ بِاِصْلَاحِ شَعْرِهٖ وَلِحْيَتِهٖ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِنْ اَنْ يَاْتِيَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ ثَائِرُ الرَّأْسِ كَاَنَّهٗ شَيْطَانٌ رَوَاهُ مَالِكٌ.

**حوالہ:** موطا امام مالك، ص۳۷۸، باب اصلاح الشعر، کتاب الشعر، حدیث ٦

**حل لغات:** ثائر بکھرا ہو، ثائر الراس بکھرے بالوں والا۔

**ترجمہ:** حضرت عطا بن یسارؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے، ایک شخص آئے ان کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، گویا آپؐ اس کو اس بات کا حکم کر رہے تھے کہ وہ اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کو درست کرے، چنانچہ وہ صاحب ایسا ہی کر کے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی سر کے بال یوں بکھیرے رہے گویا کہ وہ شیطان ہے۔ (مالک)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سر پر اگر بال ہیں، یا داڑھی کے بال ہیں، تو ان کو اچھی طرح سنوار کر رکھنا چاہئے، پراگندہ اور بدوضع بنے رہنا سادگی نہیں ہے، بدہیئت آدمی ناپسندیدہ شمار ہوتا ہے، لہٰذا انسان کو اپنی وضع قطع مناسب رکھنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یامرہ باصلاح شعرہ و لحیتہ آپؐ خود بھی بالوں میں تیل ڈالتے تھے اور کنگھی کرتے تھے اور آپ کی ہدایت بھی ہے کہ "من کان له شعر فلیکرمه" جو شخص بال رکھے تو اس کو چاہئے کہ ان کا احترام کرے، یعنی تیل ڈالے، کنگھی کرے، پراگندہ بال نہ رکھے۔ اس حدیث میں بھی آپؐ نے اسی بات کو پسند کیا ہے کہ بالوں کی اصلاح کی جائے، بدوضع رہنا اور جناتوں کی طرح نظر آنا پسندیدہ حرکت نہیں ہے۔

## حدیث ۱۳۴۱ ﴿گھر صاف ستھرا رکھنے کی ھدایت﴾ عالمی حدیث: ۴۴۸۷

﴿وَعَنِ﴾ ابْنِ الْمُسَيَّبِ سَمِعَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطِّيْبَ نَظِيْفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيْمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُوْدَ فَنَظِّفُوْا أُرَاهُ قَالَ أَفْنِيَتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ قَالَ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِمُهَاجِرِبْنِ مِسْمَارٍ فَقَالَ حَدَّثَنِيْهِ عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ نَظِّفُوْا أَفْنِيَتَكُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص۱۰۷ ج۲، باب ما جاء فی النظافة، کتاب الادب، حدیث ۲۷۹۹

**ترجمہ:** حضرت ابن مسیبؒ کو فرماتے ہوئے سنا گیا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہیں پاکیزگی کو پسند فرماتے ہیں، نہایت صاف ستھرے ہیں، صفائی ستھرائی کو پسند فرماتے ہیں، مہربان ہیں، مہربانی کرنے کو پسند فرماتے ہیں، سخی ہیں اور سخاوت کو پسند فرماتے ہیں، لہٰذا تم لوگ صاف ستھرے رہو، راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ابن میسبؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اپنے صحنوں کو صاف رکھو اور یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو، راوی کہتے ہیں کہ میں نے مہاجر بن مسمار سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے عامر بن سعیدؒ نے اپنے والد کے واسطے سے حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ارشاد فرمایا، مگر آپؐ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ اپنے صحنوں کو صاف ستھرا رکھو۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اسلام نے طہارت کے ساتھ نظافت کو بھی بڑی اہمیت دی ہے، لہٰذا انسان کو چاہئے کہ خود صاف ستھرا رہے، اپنے کپڑوں، اپنے گھر اور اپنے اردگرد کے ماحول کو صاف ستھرا رکھے، صفائی ستھرائی اللہ کو بہت پسند ہے، اللہ کا محبوب بندہ بننے کے لئے صفائی ستھرائی کو لازم پکڑنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ولا تشبهوا باليهود یہود گھر صاف کر کے آنگن میں کوڑا ڈال دیا کرتے تھے، مسلمانوں کو حکم ہے کہ گھر کی طرح آنگن بھی صاف ستھرا رکھیں، کوڑا کرکٹ آنگن میں ڈھیر نہ کریں۔ الا انه قال نظفوا افنيتكم ابن المسیبؒ کی روایت میں راوی کو شک تھا کہ انہوں نے گھر کے صحن صاف ستھرا رکھنے کی بات کہی کہ نہیں، لیکن عامر بن سعیدؒ کی روایت میں صراحتاً یہ بات موجود ہے کہ اپنے صحنوں کو صاف رکھو، اس سند سے یہ حدیث مرفوع بھی ہوگئی۔

## حدیث ۱۳۴۲ ﴿مونچھیں کترنے کی سنت حضرت ابراھیمؑ سے جاری ھوئی﴾ عالمی حدیث: ۴۴۸۸

﴿وَعَنْ﴾ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ كَانَ إِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ أَوَّلَ النَّاسِ ضَيَّفَ الضَّيْفَ وَأَوَّلَ النَّاسِ اِخْتَتَنَ وَأَوَّلَ النَّاسِ قَصَّ شَارِبَهُ وَأَوَّلَ النَّاسِ رَأَى الشَّيْبَ فَقَالَ يَارَبِّ مَاهٰذَا قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَقَارٌ يَاإِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَبِّ زِدْنِيْ وَقَارًا رَوَاهُ مَالِكٌ.

**حوالہ:** موطا امام مالك، باب ما جاء فی السنة فی الفطرة، کتاب صفة النبی، حدیث ٤

**حل لغات:** ضیف (تفعیل) فلاناً ضیافت کرنا، مہمان بنانا، الضیف مہمان، ملاقاتی (ج) اَضْیَافٌ وَضُیُوْفٌ۔

**ترجمہ:** حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیبؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں میں پہلے فرد ہیں، جنہوں نے مہمان کی ضیافت کی، اور سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے ختنہ کیا، اور سب سے پہلے وہ فرد ہیں جنہوں نے اپنی مونچھیں کتریں، اور سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے سفید بال دیکھا، تو عرض کیا اے میرے پروردگار یہ کیا ہے؟ تو پروردگار بزرگ و برتر نے فرمایا کہ اے ابراہیم علیہ السلام! یہ وقار ہے، کہا اے میرے رب مجھ کو وقار کے اعتبار سے زیادہ کر۔ (موطا امام مالک)

**خلاصۂ حدیث** حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت سی چیزوں کو ابتدا ثابت ہے، ان ہی میں سے چند کا یہاں ذکر ہے، بوڑھاپے کے آثار سفید بالوں کی شکل میں حضرت ابراہیمؑ پر سب سے پہلے ظاہر ہوئے، سفید بال آنے کی وجہ سے آدمی میں بردباری اور تحمل و وقار پیدا ہوتا ہے، اس کی وجہ سے عموماً انسان بہت سے لہو ولعب اور کھیل تماشوں سے بچ جاتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** و اول الناس اختتن حضرت ابراہیمؑ سب سے پہلے ختنہ کرنے والے پیغمبر ہیں، باقی تمام انبیاء مختون پیدا ہوئے، اور عوام کو ختنہ کرنے کا حکم نہ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ختنہ کی سنت جاری ہوئی۔ قص شاربہ باریک لب کترنے کی سنت حضرت ابراہیمؑ سے جاری ہوئی۔ ان سے پہلے یا تو اس کی ضرورت ہی نہ پڑتی ہوگی، یا لوگ حسب ضرورت کترتے ہوں گے، خوب باریک نہ کترتے ہوں گے۔ وقار بالوں کی سفیدی بوڑھاپے کی وجہ سے ہو تو وقار کا سبب بنتی ہے، اس کی وجہ سے بہت سی اچھی خصلتیں خود بخود انسان میں پیدا ہوتی ہیں، اور وہ بہت سی خرافات سے دور ہو جاتا ہے، اور بہت سی چیزیں حضرت ابراہیمؑ سے اولاً ثابت ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے سب سے پہلے سر کے بالوں کی مانگ نکالی، زیر ناف بال صاف کئے، ناخن کاٹے، پاجامہ پہنا، مہندی اور کتم کا خضاب کیا، منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، راہ خدا میں جہاد کیا، جہاد میں لشکر کو میمنہ، میسرہ، مقدمہ اور قلب وغیرہ کے ساتھ مرتب کیا، سب سے پہلے انہوں نے ہی معانقہ کیا اور سب سے پہلے ثرید بنایا۔ (مرقات)

# باب التصاویر

## ﴿تصویر کا بیان﴾

تصاویر، تصویر کی جمع ہے بمعنی صورت بنانا، یہاں جاندار کی تصویریں مراد ہیں، جو پردوں اور چادروں وغیرہ پر بنائی جاتی ہیں، اس باب کے تحت ۱۲۵ احادیث مذکور ہیں، جن میں تصویر بنانے اور رکھنے، آرائشی پردہ لٹکانے، تصویر کشی کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت ہے، قیامت کے دن مصوروں کے عذاب کا ذکر، تصویر بنانے والے کے بارے میں وعیدات اور دیگر تصویر سے متعلق اہم امور کا ذکر ہے۔

تصویر سے متعلق نہایت اہم باتیں درس ترمذی میں جمع ہیں افادے کے لئے یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

## ﴿تصویر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف﴾

امام مالکؒ بتاتے ہیں وہ تصویر رکھنا ناجائز ہے جو تصویر سایہ دار ہو، یعنی مجسد اور مجسم ہو جیسے بت وغیرہ، اس لئے کہ ان کا سایہ زمین پر پڑتا ہے، لہٰذا ایسی تصویر ناجائز اور حرام ہے، لیکن وہ تصویر جو مجسم نہ ہو اور اس کا سایہ زمین پر نہ پڑتا ہو، مثلاً کاغذ پر یا کپڑے پر کوئی تصویر بنادی گئی یا دیوار پر بنادی گئی ایسی تصویر ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ کے نزدیک حرام اور ناجائز نہیں، البتہ مکروہ تنزیہی ہے، بہت سے علماء مالکیہ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے، جمہور فقہاء جن میں ائمہ ثلاثہ داخل ہیں، ان کا مسلک یہ ہے کہ تصویر مجسم اور غیر مجسم میں کوئی فرق نہیں، بلکہ ہر قسم کی تصویر ناجائز ہیں، چاہے وہ کپڑے پر بنی ہوئی ہو یا کاغذ پر یا دیوار پر ہو یا مجسمہ ہو، ہر حالت میں حرام اور ناجائز ہے، امام مالکؒ کی ایک دوسری روایت اس کے مطابق ہے۔

امام مالکؒ اس حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جس میں یہ استثناء موجود ہے "الا ما کان رقما فی ثوب" اس میں اس تصویر کا استثناء کیا گیا ہے جو کسی کپڑے پر نقش ہو، اس سے معلوم ہوا کہ بے سایہ تصویر جائز ہے، جمہور فقہاء کا استدلال اول تو ان احادیث سے ہے جن میں تصویر کا عدم جواز علی الاطلاق بیان کیا گیا ہے، اس میں سایہ دار اور بے سایہ ہونے کی کوئی تفریق نہیں کی گئی

ہے، جیسے اوپر حدیث گزری کہ "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصورة في البيت" اس میں مجسم اور غیر مجسم ہونے کی کوئی تفریق نہیں ہے، اسی طرح ایک حدیث آگے آرہی ہے کہ "من صور صورة عذبه الله" اس میں بھی کوئی تفریق نہیں کی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ اکثر احادیث ایسی ہیں جن میں تصویر کی حرمت علی الاطلاق مذکور ہے، مجسم اور غیر مجسم کی کوئی تفریق اور تفصیل نہیں ہے، اور اس باب میں جمہور کی نہایت صریح دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے کمرے میں ایک پردہ لٹکا دیا تھا جس میں تصویریں نقش تھیں، جب حضور اقدس ﷺ کمرے میں داخل ہوئے اور آپ کی نظر اس پردے پر پڑی تو آپ رک گئے اور آپ نے اس پر نکیر فرمائی، اور بعض روایات میں ہے کہ آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ جب تک اس کو نہیں نکالوگی میں گھر میں نہیں داخل ہوں گا، کیوں کہ اس پر تصویر ہے، دیکھئے اس حدیث میں جس تصویر پر آپ نے نکیر فرمائی وہ کپڑے پر تھی، مجسم نہیں تھی بلکہ نقش فی الثوب تھی، اگر نقش فی الثوب والی تصویر ہر حالت میں جائز ہوتی تو آپ اس پر نکیر نہ فرماتے۔

اب اس حدیث کی روشنی میں "الا ما كان رقما في ثوب" والی حدیث کو پڑھیں گے تو اس عبارت کے یہ معنی نکلیں گے کہ حدیث میں لفظ "رقم" سے مراد ایسا نقش ہے جس میں کسی ذی روح کی تصویر نہ ہو، مثلاً درخت، پودے، پھول، پہاڑ وغیرہ کی تصویر بنی ہوئی ہو، اس لئے کہ عربی زبان میں "رقم" کے معنی ہیں "نقش" لہٰذا کوئی چیز بھی نقش کی جائے وہ سب رقم کے اندر داخل ہے، چاہے وہ ذی روح ہو یا غیر ذی روح ہو، اس حدیث کے ذریعہ غیر ذی روح کا استثناء فرمادیا کہ اگر کپڑے پر غیر ذی روح کے نقش ونگار ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور حدیث باب میں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے انہی غیر ذی روح کے نقش ونگار کے بارے میں فرمایا کہ یہ جائز ہے، لیکن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ مجھے یہ نقش ونگار بھی زیادہ پسند نہیں ہیں، اگر ان کو نکال دیا جائے تو اچھا ہے۔

بہر حال "الا ما كان رقما في ثوب" کی مندرجہ بالا توجیہ ہوسکتی ہے، اور اس صورت میں یہ استثناء منقطع ہوگا، متصل نہیں ہوگا، کیوں کہ پہلے جملے میں ذی روح کی تصاویر کی حرمت بیان کی اور پھر اس سے غیر ذی روح کا استثناء کیا، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی روشنی میں مالکیہ کا استدلال مؤول ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث کے راوی قاسم بن محمد ہیں، اور قاسم بن محمد خود اس بات کے قائل ہیں کہ بے سایہ تصویر جائز ہے، اور حنفیہ کے اصول پر یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ جہاں کوئی راوی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یا تو یہ حدیث مؤول ہے یا منسوخ ہے اور مالکیہ بھی یہاں یہی نکتہ اٹھاتے ہیں کہ خود قاسم بن محمد بے سایہ تصویروں کے جواز کے قائل ہیں، لیکن تصویر کی حرمت پر بے شمار احادیث موجود ہیں اور سب مطلق ہیں ان میں سایہ دار اور بے سایہ ہونے کی کوئی تفریق نہیں کی گئی، اس لئے اس بارے میں جمہور فقہاء کا قول راجح اور محتاط ہے۔

## کیمرے کی تصویر کا حکم

بعد میں کیمرے کی تصویر کا مسئلہ پیدا ہوا، جس زمانے میں تصویر کے بارے میں فقہاء کے درمیان بحثیں چلی تھیں، اس زمانے میں کیمرے کا وجود نہیں تھا، بلکہ ہاتھ سے تصویریں بنائی جاتی تھی، کیمرے کی تصویر کے بارے میں اکثر فقہاء تو یہ کہتے رہے ہیں کہ آلے کے بدل جانے سے حکم نہیں بدلتا، ایک چیز پہلے ہاتھ سے بنائی جاتی تھی اب مشین سے بننے لگی ہے، تو محض آلہ کی تبدیلی سے کسی چیز کی حلت اور حرمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر تصاویر ناجائز ہیں تو پھر چاہے ہاتھ سے بنائی گئی ہوں یا کیمرے سے بنائی گئی ہوں، دونوں ناجائز ہوں گی۔

البتہ مصر کے ایک مفتی علامہ شیخ محمد بخیط رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں جو عرصہ دراز تک مصر کے مفتی رہے ہیں، جو بڑے اور متقی عالم تھے، محض ہوا پرست نہیں تھے، انھوں نے ایک رسالہ "الجواب الشافی فی اباحۃ صورۃ فوتو غرافی" کے نام سے لکھا ہے، اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ کیمرے کے ذریعہ لی جانے والی تصویر جائز ہے، اور دلیل میں فرمایا کہ حدیث میں تصویر کی جو ممانعت کی علت بیان فرمائی ہے وہ ہے "مشابہت بخلق اللہ" اور اللہ کی تخلیق سے مشابہت اسی وقت ہو سکتی ہے جب کوئی شخص اپنے تصور اور تخیل سے اور اپنے ذہن سے اپنے ہاتھ کے ذریعہ کوئی صورت بنائے، اور کیمرے کی تصویر میں اپنے تخیل کو کوئی دخل نہیں ہوتا، بلکہ کیمرے کی تصویر میں یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی ایک مخلوق پہلے سے موجود ہے، اس مخلوق کا عکس لے کر اس کو محفوظ کرلیا، لہٰذا مشابہت بخلق اللہ نہیں پائی گئی بلکہ یہ حبس الظل ہے جو کہ ناجائز نہیں، یہ ان کا موقف تھا، اور مصر اور بلاد عرب کے بہت سے علماء نے اس بارے میں ان کی تائید بھی کی۔

لیکن علماء کی اکثریت نے اس زمانے میں بھی اور بعد میں بھی اور خاص طور پر ہندو پاک کے علماء نے ان کے استدلال کو قبول نہیں کیا اور یہ کہا کہ مشابہت بخلق اللہ ہر صورت میں متحقق ہو جاتی ہے، چاہے آدمی ایسی چیز کی تصویر بنائے جو پہلے سے موجود ہو اور چاہے ایسی چیز کی تصویر بنائے جو پہلے سے موجود نہ ہو اور وہ اپنے تخیل سے وہ صورت بنا رہا ہو، علامہ شیخ محمد بخیط نے یہ جو فرمایا کہ جو چیز پہلے سے موجود ہو اس کی تصویر بنانا جائز ہے تو پھر ہر تصویر جائز ہونی چاہئے چاہے وہ ہاتھ سے بنائی جائے یا کیمرے کے ذریعہ بنائی جائے، حالاں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پردے پر نکیر فرمائی تھی اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کی تصویر بنی ہوئی تھی اور اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تھا، لہٰذا اس کی تصویر کوئی خیالی چیز کی تصویر نہیں تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے اس پر نکیر فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ تفریق کرنا کہ جو چیز پہلے سے موجود ہو اس کی تصویر بنانا جائز ہے، اور جو چیز موجود نہیں اس کی تصویر بنانا ناجائز ہے، قرآن وسنت میں اس تفریق کی کوئی دلیل موجود نہیں، اور جہاں تک آلے کا تعلق ہے، اس کے بارے میں پہلے ہی بتادیا کہ آلے کی تبدیلی سے حکم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، اس لئے جمہور علماء کے نزدیک راجح یہی ہے کہ کیمرے کی تصویر کا بھی وہی حکم ہے جو ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویر کا ہے، لہٰذا اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

## موضع حاجت میں تصویر کا حکم

البتہ اس اختلاف سے ایک بات یہ سامنے آتی ہے کہ اس کا جو جواز اور عدم جواز دو وجہ سے مجتہد فیہ معاملہ بن گیا ہے، ایک یہ کہ اس بارے میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے، دوسرے یہ کہ کیمرے کی تصویر کے بارے میں علامہ بخیطؒ کا فتویٰ موجود ہے، اگرچہ وہ فتویٰ ہمارے نزدیک درست نہیں ہے، لیکن بہر حال ایک جدید شئی کے بارے میں ایک متورع عالم کا قول موجود ہے، اس لئے یہ مسئلہ مجتہد فیہ بن گیا، اور مجتہد فیہ مسئلے میں حاجت عامہ کے وقت گنجائش پیدا ہو جاتی ہے، لہٰذا جہاں کہیں حاجت عامہ ہوگی جیسے پاسپورٹ میں اور شناختی کارڈ میں یا کسی ایسی جگہ میں جہاں انسان کو اپنی شناخت کرانی ہو اور شناخت کے بغیر کام نہ چلتا ہو اور تصویر کے بغیر شناخت نہ ہو سکتی ہو تو ان مواقع پر اس کا استعمال جائز ہو جائے گا، اور مواضع حاجت کے بغیر اس کا استعمال کرنا جائز نہیں، اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

## غیر ذی روح کی تصویر جائز ہے

یہ ساری بحث اور ساری تفصیل ذی روح کی تصویر کے بارے میں ہے، جہاں تک غیر ذی روح کی تصویر کا تعلق ہے وہ بنانا

جائز ہے، چنانچہ مسند احمد کی ایک حدیث میں اس کی تفریق کی گئی ہے کہ ذی روح کی تصویر جائز نہیں ہے اور غیر ذی روح کی تصویر جائز ہے، اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ غیر ذی روح کو وجود میں لانے کے لئے انسان کی کوشش کو کچھ نہ کچھ ظاہری دخل ضرور ہوتا ہے، مثلاً درخت ہے، اس کو وجود میں لانے کے لئے انسان زمین ہموار کرتا ہے، اس کو نرم کرتا ہے، اس میں بیج بوتا ہے، پانی دیتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ بخلاف ذی روح کی تخلیق کے کہ اس میں انسان کے عمل کو دخل نہیں ہے۔

## ﴿ٹیلیویژن رکھنا جائز نہیں﴾

اور اب کیمرے سے بڑھ کر ٹیلیویژن آ گیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ موجودہ حالات میں جس طرح ٹیلیویژن کا استعمال ہو رہا ہے وہ تو منکرات در منکرات کا مجموعہ ہے، اس وجہ سے ہماری طرف سے یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ ٹیلیویژن گھر کے اندر اپنے پاس رکھنا جائز نہیں، اب آگے جو تفصیل عرض کر رہا ہوں وہ ٹیلیویژن کے بارے میں علمی اور نظریاتی بحث ہے، اس کو بھی غور سے سمجھ لینا چاہئے۔

## ﴿ٹیلیویژن کے بارے میں علمی اور نظریاتی تحقیق﴾

ٹیلیویژن پر پیش کئے جانے والے پروگراموں کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) پہلی قسم وہ ہے کہ ٹیلیویژن پر ایسی چیز دکھائی جائے جو پہلے سے تصویر کی شکل میں موجود ہے، اس کو بڑا کر کے ٹی وی کی اسکرین پر دکھایا جا رہا ہے، اس کے تصویر ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، اس لئے اس کو دیکھنا حرام ہے اور اس کا وہی حکم ہوگا جو تصویر کا ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے، جس میں فلم کا واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا، بلکہ براہ راست وہ چیز ٹیلی کاسٹ کی جاتی ہے، مثلاً ایک آدمی ٹی وی اسٹیشن میں بیٹھا ہوا تقریر کر رہا ہے، یا کسی اور جگہ تقریر کر رہا ہے اور ٹی وی کیمرے کے ذریعہ براہ راست اس کی تقریر اور اس کی تصویر ٹی وی اسکرین پر دکھائی جا رہی ہے، درمیان میں فلم اور ریکارڈنگ کا کوئی واسطہ نہیں ہے، اس براہ راست دکھائی جانے والی تصویر کو علماء کی ایک بڑی جماعت تصویر ہی قرار دے کر اس کے استعمال کو حرام قرار دیتی ہے، لیکن اس کو تصویر قرار دینے میں مجھے تامل ہے۔

## ﴿براہ راست ٹیلی کاسٹ کیا جانے والا پروگرام﴾

وجہ اس کی یہ ہے کہ تصویر وہ ہوتی ہے جس کو کسی چیز پر علی صفت الدوام ثابت اور مستقر کر دیا جائے، لہٰذا اگر وہ تصویر علی صفت الدوام کسی چیز پر ثابت اور مستقر نہیں ہے تو پھر وہ تصویر نہیں ہے، بلکہ وہ عکس ہے، لہٰذا براہ راست دکھائے جانے والی تصویر عکس ہے، تصویر نہیں۔ مثلاً کوئی شخص یہاں سے دو میل دور ہے اور اس کے پاس ایک شیشہ ہے اس شیشہ کے ذریعہ وہ یہاں کا منظر دیکھ رہا ہے ظاہر ہے کہ وہ شخص دو میل دور بیٹھ کر شیشے میں یہاں کا عکس دیکھ رہا ہے، وہ تصویر نہیں دیکھ رہا ہے، اس لئے کہ یہ عکس کسی جگہ پر ثابت اور مستقر علی صفت الدوام نہیں ہے، بالکل اسی طرح براہ راست ٹیلی کاسٹ کرنے کی صورت میں برقی ذرات کے ذریعہ انسان کی صورت کے ذرات منتقل کئے جاتے ہیں، پھر ان کو اسکرین کے ذریعہ دکھایا جاتا ہے، لہٰذا یہ تصویر عکس سے زیادہ قریب ہے، تصویر کے مقابلے میں۔

## ﴿ویڈیو کیسٹ کا حکم﴾

تیسری قسم وہ ہے جو ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ دکھائی جاتی ہے، یعنی ایک تقریر اور اس کی تصاویر کے ذرات کو لے کر ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کر لیا، اور پھر ان ذرات کو اسی ترتیب سے چھوڑا تو پھر وہی منظر اور تصویر نظر آنے لگی، میرے نزدیک اس کو بھی تصویر کہنا مشکل

ہے، اس لئے کہ جو چیز ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہوتی ہے، وہ صورت نہیں ہوتی بلکہ وہ برقی ذرات ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر ویڈیو کیسٹ کی ریل کو خوردبین لگا کر بھی دیکھا جائے تو اس میں تصویر نظر نہیں آئے گی، اس لئے میرا رجحان اس طرف ہے کہ یہ دوسری اور تیسری قسم تصویر کے حکم میں نہیں آتیں، لہٰذا اگر کوئی ایسا صحیح پروگرام پیش کیا جارہا ہو جو فی نفسہ جائز ہو، اور ان دو ذریعوں میں سے کسی ایک ذریعے سے پیش کیا جارہا ہو تو اس کو دیکھنا فی نفسہ جائز ہوگا" واللہ سبحانہ اعلم ان کان صوابا فمن اللہ و ان کان خطا فمنی و من الشیطان" یہ باتیں اہل علم کے سمجھنے اور کہنے کی تو ہیں، لیکن ان باتوں کی زیادہ تشہیر کرنے سے ٹی وی کے استعمال کی ہمت افزائی لازم آئے گی، اس لئے یہ باتیں عوام میں بیان کرنے کی نہیں ہیں، عوام کو تو یہی کہنا چاہئے کہ یہ ٹی وی ناجائز ہے، کیوں کہ ایسے ٹی وی کا تصور جس میں ناجائز پروگرام نہ ہوں، موجودہ دور میں ناممکن ہے۔ (درس ترمذی ج ۵)

## الفصل الاول

### حدیث ۱۳۴۲ ﴿گھر میں تصویر رکھنے سے رحمت کے فرشتے نہیں آتے﴾ عالمی حدیث: ۴۴۸۹

عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِکَةُ بَیْتًا فِیْهِ کَلْبٌ وَلَا تَصَاوِیْرُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۸۰ ج ۲، باب التصاویر، کتاب اللباس، حدیث ۵۹۴۹، مسلم، ص ۲۰۰ ج ۲، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان، کتاب اللباس، حدیث ۲۱۰۶

**ترجمہ:** حضرت ابوطلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویریں ہو۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ گھر میں کتے، اور تصویر رکھنے سے بچنا چاہئے، یہ قابل نفرت چیزیں ہیں، ان کے ہوتے ہوئے گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں۔ اور یہ سمجھنے والی بات ہے کہ انتہائی بدنصیب ہے وہ شخص جس کے گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہ ہوتے ہوں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ کلب و لا تصاویر اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔

**سوال:** یہاں کون سے فرشتے مراد ہیں؟

**جواب:** اس سلسلے میں دو قول ہیں (الف) یہاں رحمت کے فرشتے مراد ہیں، وہ فرشتے جو انسان کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں، وہ چند مخصوص اوقات کے علاوہ ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں، تین اوقات میں یہ بھی جدا ہو جاتے ہیں (۱) پاخانے میں (۲) بیوی کے ساتھ صحبت کے وقت (۳) جنابت کے غسل کے وقت (ترمذی) (ب) تمام فرشتے بلا کسی استثنا کے مراد ہیں۔ اور جہاں تک اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں، تو وہ گھر کے باہر رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں باہر رہتے ہوئے گھر کے افراد کے اعمال کی نگرانی کرنے اور ان کے لکھنے کی قدرت عطا فرما دیتے ہیں۔ (فتح الباری، ص ۴۶۶، ج ۱۰) ایک قول یہ بھی ہے کہ حدیث میں مطلقاً دخول کی نفی نہیں ہے، بلکہ مخصوص دخول کی نفی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے، فرشتے اس گھر میں خوشی اور اطمینان کے ساتھ داخل نہیں ہوتے ہیں۔ (فتح الباری، ص ۴۶۷، ج ۱۰)

**سوال:** "بیت" یعنی گھر سے کون سا گھر مراد ہے؟

**جواب:** "بیت" یعنی گھر سے مراد ہر وہ جگہ ہے جہاں انسان رہتے ہیں۔

**سوال:** کتے سے ہر قسم کے کتے مراد ہیں یا کوئی مخصوص کتا رکھنے کی اجازت ہے؟

**جواب:** اس میں دو قول ہیں (۱) امام نوویؒ عموم کے قائل ہیں، ان کے نزدیک گھر میں کسی طرح کے کتا رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ (۲) علامہ خطابیؒ نے ضرورت کی وجہ سے رکھے جانے والے کتے کا استثناء کیا ہے، یعنی اگر شکار یا گھر کی حفاظت کی غرض سے کتا رکھا جا رہا ہے، تو ممانعت نہیں ہے، البتہ احتیاط کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ضرورت کی وجہ سے بھی اگر کتا رکھا جائے تو گھر کے اندر رکھنے کے بجائے گھر کے آس پاس رکھا جائے، تاکہ گھر نجاست سے محفوظ رہے، اور حفاظت و شکار کا مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ (عمدۃ القاری)

**سوال:** تصویروں سے کون سی تصویریں مراد ہیں؟

**جواب:** جمہور علماء کے نزدیک جن تصویروں کے استعمال کی شریعت نے اجازت دی ہے، وہ تصویریں اگر گھر میں ہیں تو ملائکہ رحمت کے دخول سے مانع نہیں ہیں۔ مثلاً بے جان چیزوں کی تصویریں، بہت ہی چھوٹی تصویریں جو کہ انگوٹھی یا بٹن میں بنی ہوں، البتہ تصویریں بنانا ہر طرح کی حرام ہیں سوائے غیر جاندار چیزوں کی۔

**سوال:** تصویر اور کتے کی کیا خصوصیت ہے کہ ان کی وجہ سے ملائکہ رحمت گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں؟

**جواب:** (۱) ان کی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ تصویر میں تخلیق ربانی کی نقالی اور ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت میں شریک ہونے کا دعویٰ پایا جاتا ہے، اور اکثر کتے نجاست کھاتے ہیں اور بعض کتوں کو شیطان بھی کہا گیا ہے، فرشتے صاف ستھرے ہوتے ہیں اور شیطان کی ضد ہیں، لہٰذا اجتماع ضدین محال ہے۔ (۲) محققین فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ حکم کتے اور تصویر کے لئے خاص نہیں ہے، بلکہ فرشتے جن سے نفرت کرتے ہیں اور جن کو منحوس سمجھتے ہیں، وہاں ملائکہ رحمت نہیں جاتے۔ متنفر چیزوں میں کتے اور تصویریں بھی داخل ہیں۔ "بلوغ القصد والمرام ببیان بعض ما تنفر عنه الملائكة الكرام" کتاب میں بہت سی ایسی چیزیں بحوالہ احادیث نقل فرمائی ہیں، جن سے فرشتے نفرت کرتے ہیں، مثلاً جس مکان میں پیشاب کسی برتن میں رکھا ہو وغیرہ۔ (جواہر الفقہ، ایضاح المشکوٰۃ)

**سوال:** ولا تصاویر میں لائے نفی جنس کا اعادہ کس مقصد سے ہے؟

**جواب:** لائے نفی جنس کا اعادہ اس مقصد سے کیا تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں، جس میں کتے اور تصویریں دونوں چیزیں جمع ہوتی ہیں، اگر کوئی ایک چیز ہوگی تو وہ فرشتوں کے دخول سے مانع نہیں ہوگی، کیوں کہ اگر عبارت یوں ہوتی "لاتدخل الملائكة بيتاً فيه كلب و تصاوير" تو واؤ کو جمع کا مان کر مذکورہ وہم ہو سکتا تھا، لہٰذا ولا تصاویر کہہ کر اس وہم کو دور کر دیا، اب مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ فرشتے ایسے گھر میں نہیں جاتے جہاں کتا ہوتا ہے اور نہ ایسے گھر میں جاتے ہیں جہاں تصویر ہوتی ہے۔ (فتح الباری، ص ۴۶۷، ج ۱۰)

**سوال:** حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات "تماثیل"، جس کی تفسیر "تصویروں" سے کی گئی ہے کیوں بناتے تھے؟ ارشاد رب ہے "يعملون له ما يشاء من محاريب و تماثيل" حضرت سلیمان علیہ السلام اس غلط عمل کو کیوں برداشت کرتے تھے؟

**جواب:** (۱) ان کی شریعت میں تصویر سازی کی ممانعت نہیں تھی، امت محمدیہ کے لئے ممانعت ہے۔ (۲) غیر جاندار چیزوں کی تصویر بناتے ہوں گے۔ (عمدۃ القاری، ص ۶۹، ج ۲۲)

## حدیث ١٣٤٤ ﴿کتوں کو قتل کرنے کی ہدایت﴾ عالمی حدیث: ٤٤٩٠

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْبَحَ يَوْمًا وَّاجِمًا وَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ كَانَ

وَعَدَنِیْ اَنْ یَلْقَانِیَ اللَّیْلَۃَ فَلَمْ یَلْقَنِیْ اَمَا وَاللّٰہِ مَا اَخْلَفَنِیْ ثُمَّ وَقَعَ فِیْ نَفْسِہٖ جِرْوُ کَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَہٗ فَاَمَرَ بِہٖ فَاُخْرِجَ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِہٖ مَاءً فَنَضَحَ مَکَانَہٗ فَلَمَّا اَمْسٰی لَقِیَہٗ جِبْرِیْلُ فَقَالَ لَقَدْ کُنْتَ وَعَدْتَنِیْ اَنْ تَلْقَانِی الْبَارِحَۃَ قَالَ اَجَلْ وَلٰکِنَّا لَا نَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَلَا صُوْرَۃٌ فَاَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَئِذٍ فَاَمَرَ بِقَتْلِ الْکِلَابِ حَتّٰی اَنَّہٗ یَاْمُرُ بِقَتْلِ کَلْبِ الْحَائِطِ الصَّغِیْرِ وَیَتْرُکُ کَلْبَ الْحَائِطِ الْکَبِیْرِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

**حوالہ:** مسلم، ص ۱۹۹ ج۲، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان، کتاب اللباس، حدیث ۲۱۰۵

**حل لغات:** واجما غمگین وخاموش، غم سے خاموش، وَجَمَ (ض) وَجْمًا غصہ کی وجہ سے خاموش ہونا، بول نہ پانا، جرو کتے کا پلا (ج) جِرَاءٌ واَجْرٍ، فسطاط اون کا بنایا ہوا خیمہ، ڈیرہ، تمبو (ج) فَسَاطِیْطُ، البارحۃ بَارِحٌ کا مؤنث ہے، گذشتہ رات، الحائط دیوار، باغ (ج) حِیْطَانٌ وَحَوَائِطُ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح غمگین اٹھے، اور فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ سے آج کی رات ملنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ ملنے نہیں آئے، حالاں کہ خدا کی قسم انہوں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی، پھر آپ کو ایک کتے کے بچے کا خیال آیا جو آپؐ کے تخت کے نیچے تھا، آپؐ نے حکم دیا تو اس کو نکالا گیا، پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ میں پانی لے کر اس جگہ پر چھڑکا، جب شام ہوئی تو حضرت جبرئیلؑ ملاقات کے لئے تشریف لائے، آپؐ نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے گزشتہ رات ملنے کا وعدہ کیا تھا؟ جبرئیل نے عرض کیا جی ہاں، لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں جس گھر میں کتا ہوتا ہے یا تصویر ہوتی ہے، اس دن جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مارنے کا حکم فرمایا، یہاں تک کہ آپ چھوٹے باغ کے کتوں کو مارنے کا حکم فرماتے اور بڑے باغ کے کتے چھوڑ دیے جاتے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ کتے جس گھر میں ہوتے ہیں وہاں فرشتے نہیں آتے، حضرت جبرئیلؑ اسی وجہ سے نہیں آئے کہ گھر میں کتا تھا، چوں کہ کتے جہاں رہتے ہیں عموماً وہاں نجاست پیدا ہو جاتی ہے، لہٰذا آپؐ نے پانی چھڑک کر نجاست کا خاتمہ کر دیا اور کتے کو نکلوا دیا، چنانچہ جبرئیلؑ امین اس کے بعد آپ کی خدمت میں تشریف بھی لائے اور سابقہ رات نہ آنے کی وجہ بھی بیان کی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فامر بقتل الکلب آپؐ نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن بڑے باغ کے کتوں کو قتل نہ کرنے کی ہدایت دی، کیوں کہ بڑے باغوں میں باغ کی حفاظت کی خاطر ان کی ضرورت رہتی ہے، چھوٹے باغوں کی حفاظت ان کے بغیر ہو سکتی ہے، لہٰذا وہاں کے کتوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ بلا ضرورت جو کتے تھے آپؐ نے انہیں قتل کرنے کی ہدایت دی۔ بلا ضرورت کتا پالنا ہرگز جائز نہیں ہے، آپ کا فرمان ہے کہ کتا پالنے والے کا ہر روز دو قیراط اجر کم کر دیا جاتا ہے، شروع میں آپؐ نے ہر قسم کے کتوں کے قتل کا عام حکم جاری کیا تھا، پھر فقط خالص سیاہ کتے جو دو نقطوں والے ہوں ان کو قتل کرنے کا حکم دیا، بعد میں یہ بھی منسوخ ہو گیا، لہٰذا اب بلا ضرورت کسی کتے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ کلب عقور کو قتل کرنا بالاجماع جائز ہے۔ (مرقات، ص ۱۲۶، ج ۸) ماقبل میں ایک پورا باب گذرا ہے "باب ذکر الکلب" دیکھیں حدیث ۴۰۹۸ تا حدیث ۴۱۱۳

## حدیث ۱۳۴۵ ﴿تصویر والی چیز کو ضائع کرنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث: ۴۴۹۱

وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکُنْ یَتْرُکُ فِیْ بَیْتِہٖ شَیْئًا فِیْہِ تَصَالِیْبُ اِلَّا نَقَضَہٗ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۸۰ ج۲، باب نقض الصور، کتاب اللباس، حدیث ۵۹۵۲

**حل لغات:** تصالیب تصویریں صَلَّبَ (تفعیل) النصرانیُّ عیسائی کا صلیب بنانا، نقضہ نَقَضَ (ض) نَقْضًا، توڑنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں جس چیز میں بھی تصویر پاتے اس کو چھوڑتے نہیں، بلکہ اس کو توڑ دیتے تھے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ گھر میں جاندار کی تصویر رکھنا بہت غلط عمل ہے، لہٰذا آپؐ جس چیز میں کسی جاندار کی تصویر پاتے تو اس چیز ہی کو توڑ دیتے، تاکہ تصویر کی قباحت لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو جائے اور لوگ گھروں میں نہ تصویریں رکھیں اور نہ ایسے سامان رکھیں جن میں تصویریں بنی ہوں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** تصالیب الانقضہ آپؐ اپنے گھر میں "صلیب" کی صورت بنی ہوئی دیکھ لیتے تو اس کو توڑ دیتے تھے، صلیب اگرچہ غیر ذی روح کی تصویر ہوتی ہے، لیکن چونکہ وہ نصاریٰ کا شعار ہے، اور وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں، لہٰذا یہ مسلمانوں کے گھر میں نہ ہونا چاہئے، اور اگر ہو تو اس کو توڑ دینا چاہئے یا کاٹ دینا چاہئے، صلیب یعنی سولی کے بارے میں نصاریٰ کا یہ گمان ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا تھا، اسی بنا پر وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں، اور بعض مرتبہ اس میں حضرت عیسیٰؑ کی تصویر بھی بناتے ہیں۔ (الدرالمنضود) بعض لوگ کہتے ہیں کہ مطلق جان دار کی تصاویر مراد ہیں۔ علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ ای التصاویر کالصلیب تصالیب سے صلیب کے مانند تصویریں مراد ہیں۔ (کشف الباری)

## حدیث ۱۳۴۶ ☆☆☆ عالمی حدیث ۴۴۹۲

## ﴿تصویر بنانے والوں پر قیامت کے دن عذاب﴾

وَعَنْهَا اَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرَقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَعَرَفَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ مَاذَا اَذْنَبْتُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ هٰذِهِ النُّمْرَقَةِ قَالَتْ قُلْتُ اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَاخَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوْرَةُ لَاتَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۸۱ ج ۲، باب من لم يدخل بيتاً فيه صورة، كتاب اللباس، حديث ۵۹۶۱، مسلم، ص ۲۰۱ ج ۲، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، كتاب اللباس، حديث ۲۱۰۷

**حل لغات:** نمرقۃ چھوٹا تکیہ (ج) نَمَارِقُ، اذنبت (افعال) اَذْنَبَ، گناہ کرنا، جرم کرنا، توسد (تفعل) سر کے نیچے کوئی چیز رکھنا، کسی چیز پر ٹیک لگانا، الوسادۃ، تکیہ (ج) اَلْوِسَادَاتُ۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک غالیچہ خریدا، جس میں تصویریں بنی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ کر دروازے پر کھڑے رہے اور گھر کے اندر تشریف نہیں لائے، حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے آثار پہچان لئے، چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف متوجہ ہوتی ہوں، میں نے کیا غلطی کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ غالیچہ کیسا ہے؟ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس لئے خریدا ہے تاکہ آپؐ اس پر بیٹھیں اور اس پر ٹیک لگائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تصویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو تصویریں بنائی ہیں ان میں روح بھی ڈالو، اور آپؐ نے فرمایا کہ جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں، اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز جس پر جان دار کی تصویر بنی ہو گھر میں نہیں رکھنا چاہئے، جس کے گھر میں جان دار کی تصاویر ہوں اس کے گھر میں جانا بھی نہیں چاہئے، اور جو لوگ تصویر بناتے ہیں ان کو قیامت کے دن سخت عذاب ہوگا، اور ان سے توبیخاً کہا جائے گا کہ ان تصویروں کو زندہ کرو اور چوں کہ وہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں گے، لہٰذا مسلسل عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اشترت نمرقة فیها تصاویر حضرت عائشہؓ نے ایک غالیچہ خریدا، اس میں کچھ تصویریں بنی ہوئی تھیں، اور غالباً اس کو کمرہ کے دروازہ کے سامنے ہی رکھ دیا فلما راٰها ابھی آپؐ نے حجرۂ اقدس میں قدم رکھا بھی نہیں تھا کہ آپ کو وہ تصویروں والا غالیچہ نظر آ گیا، فلم یدخل آپ غصہ کی بنا پر گھر میں داخل نہیں ہوئے۔ جس گھر میں تصاویر ہوں حضرات حنفیہ کے نزدیک اس میں داخل ہونا مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ شافعیہ کے نزدیک اس میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ لتقعد علیها حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے اس کو اس لئے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں۔ ایسی جگہ جہاں آدمی بیٹھتا، چلتا یا لیٹتا ہے، تحقیر کی جگہ ہوتی ہے، اس بنا پر ایسی جگہوں پر تصویر ہونے پر حرمت کی بات نہیں ہے۔ ان اصحاب هذه الصور حضرت عائشہؓ نے جب یہ کہا کہ یہ میں نے آپؐ کے بیٹھنے کے لئے خریدا ہے، تو آپ تصویر کے مسئلہ سے بنانے کے مسئلہ کی طرف منتقل ہو گئے، اس لئے کہ اگر اس موقع پر آپؐ خاموشی اختیار کرتے تو کسی کو وہم ہو سکتا تھا جب یہ تصاویر جائز ہیں تو تصاویر بنانا بھی جائز ہے، لہٰذا اس وہم کے ازالہ کے لئے آپؐ نے تنبیہ فرمائی کہ تحقیر و تذلیل کی جگہوں پر تصاویر اگرچہ جائز ہیں؛ لیکن تصویر بنانا قطعاً کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے اس موقع پر اولاً تصویر کے بارے میں کچھ نہیں کہا، تصویر بنانے والوں کے بارے میں وعید بیان فرمائی اور حدیث کے اخیر میں تصویر کی مذمت کرتے ہوئے ایک حکم بیان کر دیا، لیکن اس میں ذلت و تحقیر والی صورت داخل نہیں ہے۔ (فیض الباری، ص ۳۸۳، ج ۴) لاتدخل الملائكة اس جز کی وضاحت عالمی حدیث ۴۴۸۹ کے تحت گذر چکی ہے دیکھ لیں۔

## حدیث ۱۳۴۷ ﴿تصویر والا پردہ لٹکانا جائز نہیں ہے﴾ عالمی حدیث ۴۴۹۳

وَعَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ قَدِ اتَّخَذَتْ عَلٰى سَهْوَةٍ لَهَا سِتْرًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُقَتَيْنِ فَكَانَتَا فِي الْبَيْتِ يَجْلِسُ عَلَيْهِمَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حواله:** بخاری، ص ۳۳۷ ج ۱، باب هل تكسر الدنان، كتاب المظالم، حديث ۲۴۷۹، مسلم، ص ۲۰۱ ج ۲، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، كتاب اللباس، حديث ۲۱۰۷

**حل لغات:** سهوة سامان کی الماری، یا مچان (ج) سِهَاءٌ، تماثیل جمع ہے واحد تِمْثَالٌ، تصویر جو کاغذ یا کپڑا وغیرہ پر بنی ہو، مجسمہ۔

**ترجمه:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے اپنی ایک الماری پر پردہ لٹکایا، پردہ پر کچھ تصویریں تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردہ کو پھاڑ دیا، تو میں نے اس کے دو تکیہ بنا لئے، وہ دونوں تکیہ گھر میں رکھے رہتے تھے، جن پر آپؐ بیٹھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ محض زیب و زینت کی خاطر پردہ لٹکانا ہی ممنوع ہے، پھر اگر اس میں تصاویر ہوں تو یہ بالکل بھی جائز نہیں، حضرت عائشہؓ نے ایسا ہی پردہ لٹکایا تو آپؐ نے پھاڑ دیا۔ آپؐ کے پھاڑنے سے وہ تصویریں بھی کٹ پٹ گئیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے اس کپڑے کے تکیے بنائے تو آپ اس پر ٹیک لگا کر بیٹھے، اس لئے کہ اب قباحت ختم ہو گئی، ایک تو تصاویر کٹ پٹ گئیں، پھر ٹیک لگا کر بیٹھنا تصویروں کی تحقیر و تذلیل ہے، لہٰذا اس کی گنجائش بھی ہے، گزشتہ حدیث میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

سھوۃ چبوترے، راہ داری، یا گھر کے اسٹور کو کہتے ہیں، مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اس کا ترجمہ طاق سے کیا ہے۔ (کشف الباری بحوالہ فیض الباری) یجلس علیھا چوں کہ تکیہ روندا جاتا ہے اور ٹیک لگا کر استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ تصویروں کو اس طرح پامال کیا جاسکتا ہے۔ (حوالہ بالا) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسی چیز جس پر تصویر ہے اس کو ٹیک لگانے یا روندنے کی حالت میں استعمال کیا جائے تو جائز ہے۔

## حدیث ۱۳۴۸ ﴿زیب و زینت کے لئے پردہ لٹکانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۴۹۴

وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِيْ غَزَاةٍ فَاَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَأَى النَّمَطَ فَجَذَبَهُ حَتّٰى هَتَكَهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَأْمُرْنَا اَنْ نَكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۸۰ ج ۲، باب ما وطئی من التصاویر، کتاب اللباس، حدیث ۵۹۵۴، مسلم، ص ۲۰۰ ج ۲، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان، کتاب اللباس، حدیث ۲۱۰۷

**حل لغات:** نمطا بستر کے اوپر والا کپڑا، ہودہ پر ڈالا جانے والا جھالردار رنگین اونی کپڑا، جذبہ (ض) جَذْبًا الشئ کھینچنا، اپنی جگہ سے ہٹانا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ کے لئے نکلے، میں نے ایک کپڑا حاصل کیا اور میں نے پردہ کے طور پر اس کو دروازہ پر لٹکا دیا، آپؐ نے اس کپڑے کو دیکھا تو اس کو کھینچا اور اس کو پھاڑ دیا، پھر آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پتھروں اور مٹی کو لباس پہنانے کا حکم نہیں دیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث**

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ محض زیب و زینت کی غرض سے گھروں پر پردہ لٹکانا درست نہیں ہے، کیوں کہ اس میں خوامخواہ کا تکلف ہے۔ البتہ ممانعت کا تعلق کراہت تنزیہی سے ہے، حرام نہیں ہے، کیوں کہ حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ گھروں پر پردہ لٹکانے کو اللہ نے واجب نہیں کیا ہے اور نہ مستحب قرار دیا ہے، یہ اسلوب حرمت کا تقاضا نہیں کرتا ہے، اور کوئی ضرورت ہو، مثلاً پردہ اس لئے لٹکایا تاکہ بے پردگی نہ ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

فاخذت نمطا "نمط" ایک عمدہ قسم کے فرش یا بچھونے کو کہتے ہیں جس کے کنارے باریک اور ملائم تانے کے ہوتے ہیں، اس کو ہودج پر بھی ڈالتے ہیں اور اس کا پردہ بھی بناتے ہیں، احتمال ہے کہ یہ لفظ نمد کا معرب ہو۔ حضرت عائشہؓ نے غالباً اس کپڑے کو دروازے پر آرائش کی خاطر لٹکایا ہوگا، ورنہ اگر پردے کے مقصد سے دروازے پر ڈالتیں تو اس پر عتاب ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اس کپڑے پر گھوڑے کی تصویریں تھیں، اس لئے آپؐ نے اس کو ضائع کر دیا اور گویا ان تصویروں کو مٹا ڈالا لیکن یہ قول حدیث کے سیاق کے خلاف معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ حدیث کا ربط مضمون یہ واضح کرتا ہے کہ آپ کا اس کپڑے کو پھاڑنا اور گویا اس کو دروازے پر لٹکانے سے منع کرنا تصویر کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ در و دیوار کو کپڑے سے ڈھانپنے کی کراہت کی بنا پر تھا جیسا کہ آپؐ کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے۔

یحییٰؒ کہتے ہیں کہ در و دیوار کو کپڑے سے ڈھانپنے کی ممانعت نہی تنزیہی ہے کیوں کہ اس چیز کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ ہونا ممانعت پر دلالت نہیں کرتا، رہی یہ بات کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردے پر اس قدر ناگواری کا اظہار کیوں کیا کہ اس کو پھاڑ بھی ڈالا تو اس کی وجہ محض یہ تھی کہ یہ چیز آپؐ کے نزدیک اہل بیت کی شان اور ان کے ورع و تقویٰ کے خلاف تھی، تاہم یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ گھر کی دیواروں وغیرہ کو کپڑے سے ڈھانپنے سے منع کیا جائے، نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر کوئی بری

چیز دیکھی جائے تو اس کو اپنے ہاتھ سے خراب و برباد کر دیا جائے اور اس کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا جائے۔ (مظاہر حق، مرقات)

## حدیث ۱۳۴۹ ﴿تصویر بنانے والا سخت ترین عذاب سے دوچار ہوگا﴾ عالمی حدیث: ٤٤٩٥

وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهِئُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۸۰ ج۲، باب ما وطئی من التصاویر، کتاب اللباس، حدیث ٤٩٥٤، مسلم، ص ۲۰۱ ج۲، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان، کتاب اللباس، حدیث ۲۱۰۷

**حل لغات:** یضاھون (مفاعلت) مشابہ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی تخلیق کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** ہر چیز کے خالق و مالک اللہ ہیں، جو شخص تصویر بناتا ہے وہ مخلوق پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے، چوں کہ یہ جرم عظیم ہے، لہٰذا اس عمل کا ارتکاب کرنے والا سخت ترین عذاب سے دوچار ہوگا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اشد الناس عذابا تصویر بنانے والا بسا اوقات تصویر بنا کر اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ چیز کی مماثلت اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ تصویر سازی کے ذریعہ کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔

**سوال:** کیا سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والے کو ہوگا؟

**جواب:** سخت ترین عذاب کئی لوگوں کو ہوگا۔ قرآن کریم میں آل فرعون کے بارے میں ادخلوا آل فرعون اشد العذاب امام طحاویؒ نے ابن مسعودؓ سے مرفوع روایت نقل کی ہے، ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ رجل قتل نبیا او قتلہ نبی و امام ضلالۃ و ممثل من الممثلین (قیامت کے دن سخت عذاب اس شخص کو ہوگا، جس نے نبی کو قتل کیا یا نبی نے اس کو قتل کیا، اور گمراہی کی قیادت کرنے اور تصویر بنانے والے کو ہوگا۔ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت امام طحاویؒ نے موصولاً نقل کی ہے اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ رجل ھجا رجلا فھجا القبیلۃ باسرھا (قیامت کے دن سخت عذاب اس آدمی کو ہوگا، جس نے ایک آدمی کو گالی دی اور اس کے جواب میں اس نے پورے قبیلہ کو گالی دی) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ شدت عذاب میں یہ سب لوگ مشترک ہیں۔ (فتح الباری، ص ۴۶۹، ج ۱۰) علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اشدیت تمام لوگوں کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ آدمی کو جس گناہ کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا، اس گناہ کے عذاب میں مبتلا دوسرے لوگوں کے اعتبار سے یہ اشدیت بیان کی گئی ہے، چنانچہ جن لوگوں نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے، ان میں فرعون کا عذاب سخت ہوگا، جس نے کفار کی قیادت کی اس کا عذاب اس شخص کے عذاب کے مقابلہ میں سخت ہوگا جس نے فاسقوں کی قیادت کی۔ اسی طرح جس نے جاندار کی تصویریں عبادت کے لئے بنائیں، اس کا عذاب سخت ہوگا اس شخص کے مقابلہ جس نے عبادت کے لئے جان دار کی تصویریں نہیں بنائیں۔ (کشف الباری بحوالہ عمدۃ القاری)

## حدیث ۱۳۵۰ ﴿تصویر بنانے والا بہت بڑا ظالم ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٤٩٦

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِيْ فَلْيَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِيَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْشَعِيْرَةً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۸۰ ج۲، باب نقض الصور، کتاب اللباس، حدیث ۵۹۵۳، مسلم، ص ۲۰۲ ج۲،

باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان، کتاب اللباس، حدیث ۲۱۱۱

**حل لغات:** ذرۃ کسی بھی عنصر کا سب سے چھوٹا جزء، ریزہ خاک کا ذرہ (ج) ذَرَّاتُ الذر چھوٹی چیونٹیاں، واحد ذَرَّۃٌ، حبۃ حَبٌّ کا مفرد ہے، ایک دانہ، ایک عدد، شعیرۃ شَعِیْرٌ کا مفرد ہے، جَو، اناج کی ایک قسم۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اس جیسی صورت بنانے لگے جیسی میں بناتا ہوں، وہ ذرا ایک ذرہ تو پیدا کر کے دکھائے، یا ایک دانہ، یا ایک جو ہی پیدا کر کے دکھائے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جان دار کی تصویر بنانے والا اپنے عمل سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ وہ بھی اللہ کی پیدا کردہ مخلوق کی طرح مخلوق بنانے پر قادر ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک دانہ گیہوں اور ایک دانہ جو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے، جب اتنی معمولی اور بے جان چیزیں پیدا کرنا اس کے بس میں نہیں تو جان دار کو پیدا کرنے کا تو تصور بھی محال ہے، لہٰذا اس کو ایسے عمل سے بچنا چاہئے جس سے اس بات کا شبہ بھی پیدا ہو کہ وہ اللہ کی مخلوق کی طرح مخلوق پیدا کرنے کا مدعی ہے۔ اور تصویر سازی چوں کہ ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ مذکورہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے، لہٰذا اس عمل سے گریز کرنا چاہئے۔
(ملخص تکملہ فتح الملہم، ۱۷۶-۱۷۸، ج۴)

**کلمات حدیث کی تشریح** و من اظلم تصویر بنانے والوں میں سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو تصویر بنا کر یہ گمان کرے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ صورتیں بناتا ہے اسی طرح میں بھی بناتا ہوں یعنی کسی درجہ میں وہ اپنے کو خالق گمان کرے۔ فلیخلقوا ذرۃ ایک ذرہ پیدا کر کے دکھائے، یہ انسان کی حیثیت بیان کرنے کے لئے کہ تم اتنے عاجز ہو کہ ایک ذرہ بھی نہیں پیدا کر سکتے۔

## حدیث ۱۳۵۱ ﴿مصوروں کے لئے عذاب کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٤٩٧

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۸۰ ج۲، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ، کتاب اللباس، حدیث ۵۹۵۰، مسلم، ص ۲۰۱ ج۲، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان، کتاب اللباس، حدیث ۲۱۰۹

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جان دار کی تصویر بنانا بہت بڑا جرم ہے، لہٰذا جن لوگوں کو سخت ترین عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا ان میں مصوروں کا بھی طبقہ ہوگا، ایک طرف یہ تصویر بنا کر اللہ کی تخلیق کی مماثلت کرتے ہیں۔ دوسری طرف بہت سی تصویریں پوجی جاتی ہیں تو یہ کفر و شرک کے ذریعہ ہیں، لہٰذا عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اشد الناس عذاباً جن مصوروں کے بارے میں وعید ہے ان سے وہ مصور مراد ہیں جو جان دار چیزوں کی تصویر بناتے ہیں، غیر جان دار چیزوں کی تصویر بنانے والے کو مصور نہیں نقاش کہیں گے۔ اس کے حق میں یہ وعید نہیں ہے۔ یہ سخت ترین عذاب ان مصوروں کو ہوگا جنہوں نے عبادت کے لئے جان دار کی تصویریں بنائی ہوں گی۔

یا اللہ کی تخلیق میں مماثلت کے مدعی ہو کر کفر میں مبتلا ہوئے ہوں گے۔ مزید کے لئے گزشتہ حدیث اور عالمی حدیث ۴۴۹۵ دیکھیں۔

**حدیث ۱۳۵۲ ﴿ہر جان دار کی تصویر بنانے والا جہنم میں جائے گا﴾ عالمی حدیث: ٤٤٩٨**

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهٗ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا فَيُعَذِّبُهٗ فِيْ جَهَنَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنْ كُنْتَ لَابُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَارُوْحَ فِيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۲۹۶ ج ۱، باب بیع التصاویر، کتاب البیوع، حدیث ۲۲۲۵، مسلم، ص ۲۰۲ ج ۲، باب تحریم تصویر صورة الحیوان، کتاب اللباس، حدیث ۲۱۱۰

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر تصویر بنانے والا جہنم میں جائے گا، ہر اس تصویر کے عوض جو اس نے بنائی ہوگی ایک جان دار پیدا کیا جائے گا، جو تصویر بنانے والے کو عذاب دے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم تصویر بنانا ہی چاہتے ہو تو درخت کی یا غیر جان دار چیزوں کی تصویر بنالو۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصہ حدیث** بخاری شریف میں یہ حدیث طویل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن عباسؓ کے پاس ایک صاحب آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ میں ایک ایسا انسان ہوں کہ میری معیشت میرے ہاتھ سے وابستہ ہے، میں تصویر بنا کر فروخت کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں آپ کو وہی بات بتاؤں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنی ہے، میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کوئی تصویر بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دیں گے، یہاں تک کہ وہ شخص اس میں روح پھونکے اور وہ کبھی روح نہیں پھونک سکے گا، اس شخص نے جب یہ سنا تو اس کی سانس زور سے پھولنے لگی، اور چہرہ پیلا پڑ گیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر تم انکار کرتے ہو یعنی اگر تم کو تصویر بنانا ہی ہے تو درخت وغیرہ کی تصویر بنالیا کرو، اور وہ چیز جس میں روح نہیں اس کی تصویر بنالیا کرو۔ اس سے پتہ چلا کہ ایسی اشیاء جن کے اندر روح نہیں ہے اگر ان کی تصاویر بنائی جائیں تو ان کے بنانے اور بیچنے میں مضائقہ نہیں، البتہ جان دار چیزوں کی تصویر بنانا اور ان کا بیچنا سب حرام ہے۔ (انعام الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** کل مصور، ہر مصور یعنی ہر جان دار کی تصویر بنانے والے جہنم میں جائیں گے، بعض علماء نے لڑکیوں کے لئے گڑیا بنانے کی اجازت دی ہے، اور کچھ علماء کے نزدیک اباحت منسوخ ہے۔ یجعل له جتنی تصویریں بنائے گا اتنے نفوس پیدا ہوں گے اور اللہ مصور کو ان کے ذریعہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا۔

**حدیث ۱۳۵۳ ﴿تصویر بنانے والے سے تصویر میں روح پھونکنے کا مطالبہ﴾ عالمی حدیث: ٤٤٩٩**

وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَّعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَّفْعَلَ وَمَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَّهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ اَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِيْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَكُلِّفَ اَنْ يَّنْفُخَ فِيْهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۱۰۴۲ ج ۲، باب من کذب فی حلمه، کتاب التعبیر، حدیث ۷۰۴۲

**حل لغات:** تحلم (تفعل) خواب گھڑ کر بیان کرنا، الحلم بحالت نیند نظر آنے والی چیز، خواب (ج) اَحْلَامٌ، صب (ض) صَبًّا، الماءَ پانی ڈالنا، انڈیلنا، الانك سیسہ، ینفخ (ن) نَفْخًا منہ سے پھونک مارنا، نَافِخٌ (ج) نَافِخُوْنَ پھونکنے والا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص ایسے خواب کو دیکھنے کا دعویٰ

کرے جواس نے دیکھا نہ ہو تو اس کو مکلف کیا جائے گا کہ وہ جو کے دو دانوں کے درمیان گرہ لگائے اور یہ کام ہرگز نہ کر سکے گا، اور جو کان لگا کر ایسے لوگوں کی بات سنے گا جو اس کو ناپسند کرتے ہوں، یا اس سے بھاگتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے دونوں کانوں میں سیسہ ڈالا جائے گا، اور جو کوئی تصویر بنائے گا تو اس کو عذاب دیا جائے گا اور اس کو مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس تصویر میں روح پھونکے، اور وہ روح نہیں پھونک سکے گا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں تین بدترین جرموں اور ان کی سزاؤں کا ذکر ہے۔ (۱) جھوٹا خواب بیان کرنا جرم ہے، چوں کہ ایک بے بنیاد بات کو خواب کے ساتھ جوڑ کر سچ ثابت کرنے کی کوشش کی، لہٰذا بطور سزا کے اس سے کہا جائے گا کہ اب تم دو جو وں کو جوڑ کر دکھاؤ اور یہ کام نہیں کر پائے گا۔ (۲) فتنہ فساد پھیلانے اور چغلی کرنے کی غرض دوسروں کی بات پر کان لگانا جرم ہے، اس کی سزا میں کان کے اندر پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ (۳) تصویر سازی حرام ہے، جو بنائے گا اس سے زجر و توبیخ کے طور پر کہا جائے گا کہ اب اس میں روح ڈالو، اس کے لئے ممکن نہ ہوگا، چنانچہ اور سخت سزاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من تحلم بحلم لم یرہ خواب میں جو چیز نہیں دیکھی اس کے دیکھنے کا دعویٰ کیا، تو اب اس کی سزا یہ ہوگی کہ دو جووں میں گرہ لگا کر ان کو جوڑ و، ظاہر بات ہے کہ یہ اس کے بس میں نہ ہوگا، لہٰذا کر نہ سکے گا، جس چیز کو نہ کر سکے اس کے مکلف بنائے جانے کا مقصد عذاب میں مبالغہ ہے۔

**اشکال:** جھوٹا خواب بیان کرنا بھی ایک جھوٹ ہے، تو اس جھوٹ کی اتنی سخت سزا کیوں ہے؟

**جواب:** (۱) سچا خواب اجزاء نبوت میں سے ایک جز ہے، لہٰذا خواب کے ذریعہ جھوٹ بولنے والا اللہ پر جھوٹ بولتا ہے۔ (۲) یہ وعید اس کے لئے ہے جو یہ کہے کہ خواب میں مجھے اللہ نے نبی بنایا ہے، یا اللہ نے میری مغفرت کر دی ہے، یا اس کے علاوہ خواب کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول میں سے کسی کی طرف جھوٹی بات منسوب کرے، ظاہر بات ہے کہ یہ ایسا جرم ہے جو عام جھوٹ سے بڑھ کر ہے، لہٰذا اس کی سزا بھی بڑی ہے۔ من استمع بری غرض سے سن رہا ہے تو وعید ہے، اور اگر اچھی غرض سے سن رہا ہے مثلاً وہ لوگ اس کے خلاف سازش کر رہے ہیں تو ان کے شر سے اپنے کو یا دوسروں کو محفوظ رکھنے کی غرض سے سن رہا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ و من صور صورۃ اس جز کی ماقبل کی احادیث میں وضاحت ہو چکی ہے۔

## حدیث ۱۳۵۴ ﴿نرد شیر کھیل کی حرمت کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ۴۵۰۰

وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ شِيْرِ فَكَاَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيْرٍ وَدَمِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۴۰ ج ۲، باب تحریم اللعب بالنردشیر، کتاب الشعر، حدیث ۲۲۶۰

**حل لغات:** النرد چوسر کی طرح ایک کھیل جو دہری بساط پر کھیلا جاتا ہے، ایک ڈبیا میں کنکریاں یا پلاسٹک کی گوٹی ہوتی ہیں، اور دو ڈنگ ہوتے ہیں جن کو ہلا کر جیسا نگ نکل آتا ہے اس کے مطابق کنکریاں یا گوٹے آگے بڑھائی جاتی ہیں۔

**ترجمہ:** حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نردشیر کھیلا تو گویا اس نے اپنے ہاتھ کو سور کے گوشت اور اس کے خون میں رنگا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ "نردشیر" کھیل ممنوع ہے، ممانعت کے باوجود جو کھیلے گا وہ اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہوگا، اور جو شخص اس کھیل میں اپنے ہاتھوں کو استعمال کرتا ہے وہ گویا اپنے ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں آلودہ کرتا ہے، اس کھیل کو اردشیر بن بابک فارس کے بادشاہ نے وضع کیا، لہٰذا اس کے نام پر یہ کھیل ہے، یہ کھیل تمام ائمہ

کے نزدیک حرام ہے۔ (الدر المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** من لعب بالنرد چوسر اور شطرنج کے طرز کا ایک کھیل ہے، اس کھیل کی وجہ سے کھیلنے والا اپنے اوقات کو ضائع کرتا ہے، اور نفس کھیل میں اتنا مگن ہو جاتا ہے کہ کسی کام کا ہوش نہیں رہتا۔ فکانما صبغ یدہ اس بات سے کنایہ ہے کہ جس طرح سور کا گوشت کھانا اور تذکیہ کی خاطر ذبح کرنا حرام ہے، اسی طرح یہ کھیل بھی حرام ہے، خنزیر کا گوشت کھانے کی صورت میں ہاتھ گوشت سے ملوث ہوتے ہیں اور ذبح کرنے میں خون سے آلودہ ہوتے ہیں۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۴۳۳، ج ۴)

## الفصل الثانی

### حدیث ۱۳۵۵ ﴿بچھونے پر تصویر کی گنجائش ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۵۰۱

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اَتَیْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ یَمْنَعْنِیْ اَنْ اَكُوْنَ دَخَلْتُ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ عَلَی الْبَابِ تَمَاثِیْلُ وَكَانَ فِی الْبَیْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِیْهِ تَمَاثِیْلُ وَكَانَ فِی الْبَیْتِ كَلْبٌ فَمُرْ بِرَأْسِ التِّمْثَالِ الَّذِیْ عَلٰی بَابِ الْبَیْتِ فَیُقْطَعُ فَیَصِیْرُ كَهَیْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُرْ بِالسِّتْرِ فَلْیُقْطَعْ فَلْیُجْعَلْ وِسَادَتَیْنِ مَنْبُوْذَتَیْنِ تُوْطَانِ وَمُرْ بِالْكَلْبِ فَلْیُخْرَجْ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ترمذی، ص ۱۰۸ ج ۲، باب ما جاء ان الملائكة لا تدخل بيتا فيه صورة ولا كلب، كتاب الادب، حديث ۲۸۰۶، ابوداود، ص ۵۷۳ ج ۲، باب في الصور، كتاب اللباس، حديث: ۴۱۵۸

**حل لغات:** قِرَامٌ منقش پردہ، مختلف رنگوں کا موٹا اونی کپڑا جس کا پردہ بنایا جاتا ہے اور ہودج میں بچھایا جاتا ہے، (ج) قُرُمٌ، مَنْبُوْذَتَیْنِ تثنیہ واحد مَنْبُوْذَةٌ (ج) منابذ پڑا ہوا، نَبَذَ (ض) نَبْذًا الشیٔ ڈالنا پھینکنا۔

**ترجمه:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ میں گزشتہ رات حاضر ہوا تھا، مجھے اندر داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی، مگر دروازے پر تصویریں تھیں اور گھر کے اندر باریک پردہ تھا، جس میں تصویریں تھیں، اور گھر میں ایک کتا تھا، دروازہ کی تصویروں کے سر کاٹنے کا حکم فرمایئے تاکہ وہ درخت کی طرح رہ جائیں، پردہ کو کاٹنے کا حکم فرمایئے کہ اس کے دو تکیہ بنالئے جائیں جو پھینکتے رہیں اور روندے جائیں اور کتے کو نکال دینے کا حکم فرمایئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ جس گھر میں کتا یا جاندار کی تصویر ہوتی ہے، اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا گھر میں کتا پالنا منع ہے، اسی طرح جان دار کی تصویر گھر میں رکھنا منع ہے، آپؐ کے گھر میں یہ دونوں چیزیں ممانعت سے پہلے تھیں، جبرئیل کے مشورہ پر آپؐ نے عمل کرتے ہوئے ان چیزوں سے چھٹکارا پالیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اتیتك البارحة مسلم شریف کے حوالے سے یہ حدیث ۴۴۹۰ گذر چکی ہے کہ جبرئیل نے آپؐ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن گھر میں کتا تھا اس لئے نہیں آئے تھے، آپؐ نے کتے کو نکلوادیا تو آگئے تھے۔ فمر برأس التمثال دروازوں کی تصویروں کے کاٹنے کا حکم کیجئے تاکہ وہ درخت کی طرح رہ جائیں، غیر جاندار کے مانند تصویر ہو جائے گی تو ممانعت نہیں رہے گی، کیوں کہ ممانعت جان دار تصویر کی ہے۔ ومر بالستر پردہ کو کاٹ کر تکیہ بنالو، تو اب یہ تصویریں پامالی کی جگہ پر ہوں گی، اور پامالی کی جگہ پر تصویر کی گنجائش ہے۔ ومر بالکلب اور کتے کو باہر نکالنے کا حکم کیجئے، بلا ضرورت کتا رکھنا منع

ہے، ضرورت کے وقت اجازت ہے۔ حدیث ۴۴۹۰ گذری اس میں آپ بڑے باغ کے کتے چھوڑ دیتے تھے، کیوں کہ وہاں رکھوالی کی ضرورت تھی، لہٰذا ضرورت کے وقت کتا رکھنے کی اجازت ہے، البتہ گھر کے باہر رکھا جائے تو بہتر ہے۔

## حدیث ۱۳۵۶ ﴿مصور کے لئے مخصوص عذاب کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٠٢

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ عُنُقٌ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهَا عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَاُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَلِسَانٌ يَنْطِقُ يَقُوْلُ اِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلَاثَةٍ بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَّكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَبِالْمُصَوِّرِيْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

**حوالہ:** ترمذی، ص ۸۵ ج ۲، باب ما جاء فی صفة النار، کتاب صفة جهنم، حدیث ۲۵۷٤

**حل لغات:** وکلت (تفعیل) ذمہ دار بنانا، کوئی کام کسی کے سپرد کرنا، جَبَّار سرکش زبردست (ج) جَبَابِرَةٌ، عَنِيْد نافرمان ضدی ہٹ دھرم، جان بوجھ کر حق کا انکار کرنے والا (ج) عُنُدٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جہنم سے ایک گردن نکلے گی، جس کی دو آنکھیں ہوں گی دیکھنے والی، اور دو سننے والے کان ہوں گے، اور ایک بولنے والی زبان ہوگی، وہ گردن کہے گی کہ مجھے تین شخصوں پر مقرر فرمایا گیا ہے، ہر اس شخص پر جو سرکش اور ظالم ہو، ہر اس شخص پر جو خدا کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرے اور تصویریں بنانے والے پر۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ تین لوگ بہت بڑے مجرم ہیں، لہٰذا انہیں مخصوص عذاب سے دوچار کیا جائے گا، جہنم سے نکلنے والی یہ گردن ان تین شخصوں پر اس لئے مسلط کی جائے گی کہ وہ ان کو اٹھا کر جہنم میں پھینک دے، یا اس لئے مسلط کی جائے گی کہ وہ ان تینوں شخصوں کو میدان قیامت میں رسوا کرے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** عنق من النار جہنم سے ایک گردن نکلے گی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ گردن کے مانند آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا۔ وکلت اللہ نے مجھے یہ کام سونپا ہے کہ میں تین طرح کے لوگوں کو جہنم میں داخل کروں اور انہیں سرعام رسوا کروں، جبار عنید، ظالم سرکش، وہ شخص جس پر حق ظاہر ہو چکا ہو، لیکن طبعی عناد کی وجہ سے قبول نہ کرے، اور جان بوجھ کر حق سے انحراف کرے۔ و کل من دعا وہ شخص جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے۔ یہ شرک ہے۔ اور سب سے بڑا ظلم ہے۔ المصورین تصویر سازی بہت بڑا جرم ہے اور اس کی سزا بھی بڑی ہے۔ گزشتہ احادیث میں اس سے متعلق تفصیلات گذر چکی ہیں۔

## حدیث ۱۳۵۷ ﴿شراب و جوا کی حرمت کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٠٣

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوْبَةَ وَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ قِيْلَ الْكُوْبَةُ الطَّبْلُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص، ۲۸۲، ج ٤، باب فی حفظ اللسان، حدیث: ٥١١٦

**حل لغات:** المیسر جوا، تیروں سے کھیلا جانے والا جوا (ج) مَيَاسِرُ، الکوبۃ سارنگی جیسا ایک آلۂ موسیقی (ج) اَكْوَابٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا، اور ڈھول کو حرام قرار دیا ہے، اور آپؐ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے، کہا گیا ہے کہ "کوبۃ" طبلے کو کہتے ہیں۔ بیہقی نے اس کو شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شراب اور جوے کی حرمت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ ارشاد رب ہے اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (شراب، اور جوا، اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے، سو ان سے بچتے رہو، تاکہ تم نجات پاؤ۔) اور کھیل تماشے والے طبلے کی حرمت آپ کی زبان اقدس سے ہوئی ہے۔ لہذا یہ تینوں چیزیں حرام ہیں ان سے دور رہنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الخمر شراب نوشی کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، حرمت کے باوجود شراب پینا بہت بڑا جرم ہے، آپؐ کا فرمان ہے مدمن الخمر ان مات لقی الله تعالیٰ کعابد وثن" شراب کا عادی اگر شرابی ہونے کی حالت میں مر گیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا جیسے بت کی پوجا کرنے والا ہو۔ (ابن ماجہ) "خمر" کہتے ہیں "ما خمر العقل" کو، یعنی شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ لہذا جو مشروبات بھی عقل کو زائل کرنے والے ہیں وہ شرعی اعتبار سے خمر کے حکم میں ہیں۔ المیسر قمار اور جوے کو کہتے ہیں۔ یہ مصدر ہے، اس کے معنی تقسیم کرنے کے ہیں، یاسر تقسیم کرنے والے کو کہا جاتا ہے، جاہلیت عرب میں مختلف قسم کے جوے رائج تھے۔ جن میں ایک قسم یہ بھی تھی کہ اونٹ ذبح کر کے اس کے حصے تقسیم کرنے میں جوا کھیلا جاتا تھا بعض کو ایک حصہ، بعض کو زیادہ حصے ملتے، جب کہ بعض محروم رہ جاتے، محروم رہنے والوں کو پورے اونٹ کی قیمت ادا کرنا پڑتی تھی، گوشت سب فقراء میں تقسیم کیا جاتا، اس کو خود استعمال نہیں کرتے تھے۔ (معارف القرآن) چونکہ جوے کی اس شکل میں تقسیم کا عمل ہوتا ہے اور یہ عرب میں رائج تھا، لہذا جوے کو میسر کہا جانے لگا، لیکن جوا اسی صورت میں خاص نہیں ہے، بلکہ "میسر" میں تمام جوے کی تمام صورتیں داخل ہیں اور سب کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ الکوبة "کوبة" کے سلسلے میں علماء کے تین قول ہیں (۱) نرد (۲) بربط (۳) طبل، یہی معنی مصنف نے حدیث کے کسی راوی سے نقل کئے ہیں، ڈھولک کی طرح طبل بھی ایک دور خایا جاہوتا ہے، حدیث میں وہ طبل مراد ہے جو محض لہو و لعب کے لئے ہو نہ کہ غازیان اسلام کا طبل۔ (مظاہر حق) کل مسکر حرام ہر نشہ آور چیز حرام ہے، مشروب کا تو ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے، شراب کے علاوہ کوئی دوسرا نشہ آور مشروب اتنی مقدار میں پینا جو نشہ لانے والا ہو حرام ہے، لیکن جس چیز کی زیادہ مقدار مثلاً نبیذ نشہ آور ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی نہ پینا چاہئے، اس لئے کہ یہ اگرچہ نشہ آور نہ ہونے کی وجہ سے حرام نہیں ہے، لیکن تھوڑی مقدار کا پینا ہی زیادہ پینے کا سبب بنتا ہے، لہذا احتیاط ضروری ہے۔ شراب سے متعلق پورا باب گذر چکا ہے۔ "باب بیان الخمر و وعید شاربها" عالمی حدیث: ۳۶۳۴ تا ۳۶۶۰ تمام تفصیلات وہاں دیکھ لی جائیں۔

## حدیث ۱۳۵۸ ﴿کچھ حرام چیزوں کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٠٤

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَالْكُوْبَةِ وَالْغُبَيْرَاءِ وَالْغُبَيْرَاءُ شَرَابٌ تَعْمَلُهُ الْحَبَشَةُ مِنَ الذُّرَةِ يُقَالُ لَهُ السُّكُرْكَةُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ .

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۱۹ ج ۲، باب فی النهی عن المسکر، کتاب الاشربة، حدیث ۳۶۸۵

**حل لغات:** الغبیرا مکئی کی شراب، ایک قسم کا پودا، الذرة، مکئی کا ایک دانہ، السکرکة مکئی کی شراب۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب، جوئے، طبلہ اور غبیرا سے منع فرمایا ہے، غبیرا ایک شراب ہے جس کو حبشی لوگ جوار سے بناتے ہیں۔ اس کو "سکرکہ" کہا جاتا ہے۔ (ابوداود)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ شراب جوا، اور کھیل تماشے کی اسلام میں ممانعت ہے، لہذا ان چیزوں سے بچنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یقال له السکر که مکئی سے تیار کی جانے والی شراب کو سکر کہ کہتے ہیں، یہ وضاحت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ کسی راوی کی ہے۔ مزید کلمات کی تشریح گزشتہ حدیث میں گذر چکی ہے دیکھ لی جائے۔

## حدیث ۱۳۵۹ ﴿نرد کھیل کی ممانعت﴾ عالمی حدیث: ٤٥٠٥

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِا لنَّرْدِ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** احمد، ص ٣٤٥، ج٤، ابوداود، ص ٦٧٥ ج٢، باب النهی عن اللعب بالنرد، کتاب الادب، حدیث: ٤٩٣٨

**ترجمہ:** حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نرد کھیل سے کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ (ابوداؤد، احمد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نردشیر کھیل میں حقیقتاً یا صورتاً جوا شامل رہتا ہے، اس کے علاوہ بھی اس میں بہت سی خرابیاں ہیں، اس وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے اس کھیل کی ممانعت ہے، اب ممانعت کے باوجود اگر کوئی کھیلتا ہے، تو کھلے طور پر وہ اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من لعب بالنرد نرد کھیل مطلقاً حرام ہے، خواہ اس میں جوا شامل ہو یا نہ ہو، جوا شامل ہوگا تو دوہرا جرم ہوگا۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۵۰۰ دیکھیں۔

## حدیث ۱۳۶۰ ﴿کبوتربازی کی حرمت کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٠٦

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلًا یَّتْبَعُ حَمَامَةً فَقَالَ شَیْطَانٌ یَتْبَعُ شَیْطَانَةً رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

**حوالہ:** احمد، ص ٣٤٥، ج٢، ابوداود، ص ٥٧٥ ج٢، باب فی اللعب بالحمام، کتاب الادب، حدیث ٤٩٤٠، ابن ماجه، ص ٢٦٧ باب اللعب بالحمام، کتاب الادب، حدیث ٣٧٦٥، بیهقی فی شعب الایمان، ص ٢٤٤، ج٥

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک کبوتر کے پیچھے لگا ہوا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ ایک شیطان ہے جو ایک شیطان کے پیچھے لگا ہے۔ (احمد، ابوداود، ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کھیل تماشے کی نیت سے کبوتر پالنا حرام ہے، یہ شیطانی عمل ہے، جو خرافات کے سوا کچھ نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یتبع حمامة جیسے بہت سے لوگ کبوتر بازی کے چکر میں کبوتر پالتے ہیں، اور ان کے پیچھے لگے رہتے ہیں، ایسے ہی کبوتر بازی میں آپؐ نے ایک شخص کو مشغول دیکھا۔ شیطان آپؐ نے اس شخص کو شیطان اس لئے قرار دیا کہ وہ ذکر اللہ سے غافل ہو کر ایک لایعنی اور شیطانی کام میں مشغول ہوا۔ شیطانة آپؐ نے کبوتر کو شیطان اس لئے فرمایا کہ وہی اس لایعنی کام کا ذریعہ اور سبب بنا، اسی کی وجہ سے ایسے کام میں لگا جس میں دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہے۔

☆☆☆

# الفصل الثالث

## حدیث ۱۳۶۱ ﴿تصویر کی کمائی ناجائز ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۵۰۷

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي الْحَسَنِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اِنِّيْ رَجُلٌ اِنَّمَا مَعِيْشَتِيْ مِنْ صُنْعَةِ يَدِيْ وَاِنِّيْ اَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِيْرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا اُحَدِّثُكَ اِلَّا مَاسَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَاِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهُ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيْهِ الرُّوْحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيْهَا اَبَدًا فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيْدَةً وَاصْفَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ وَيْحَكَ اِنْ اَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ وَكُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيْهِ رُوْحٌ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

**حوالہ:** بخاری، ص ۲۹۶ ج ۱، باب بیع التصاویر، کتاب البیوع، حدیث ۲۲۲۵

**حل لغات:** رَبَا (ن) رَبْوًا الجرح زخم کا پھول جانا، سانس گھٹنے کی بیماری میں مبتلا ہونا، دمے کا مریض ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت سعید بن ابوالحسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس تھا کہ ایک آدمی نے آ کر عرض کیا اے ابن عباسؓ میں ہاتھ سے کام کرنے والا آدمی ہوں، میں یہ تصویریں بناتا ہوں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں تم سے وہی بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ کا فرمان ہے جو شخص تصویر بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دیں گے، یہاں تک کہ وہ اس میں روح پھونکے، اور وہ کبھی بھی اس میں روح نہ پھونک سکے گا، تو اس شخص نے ایک گہری سانس لی اور اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم پر افسوس ہے، اور اگر تم کو قبول نہیں ہے اور تم تصویر ہی بنانا چاہتے ہو تو تم درخت، اور غیر جان دار چیزوں کی تصویریں بناو۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تصویر بنانا، اس کا بیچنا، اور اس سے کمائی کرنا سب کچھ حرام ہے، جو اس پیشہ کو اپنائے گا وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا، اور اگر کوئی شخص مجبوری میں اس پیشہ کو اپنانا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ غیر جان دار چیزوں کی تصویریں بنائے اس کی گنجائش ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ربوۃ شدیدۃ ، سانس پھولنے لگی، فعلیك بھذا الشجر اس سے پتہ چلا کہ ایسی اشیا جن کے اندر روح نہیں ہے، اگر ان کی تصاویر بنائی جائیں اور بیچی جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ جاندار اشیاء کی تصاویر کی خرید و فروخت حرام ہے۔

**سوال:** اخبار، رسائل اور دواؤں کے ڈبے کی تصاویر کا کیا حکم ہے؟

**جواب:** حرمت اس صورت میں ہے جب تصویر کی بیع مقصود ہو، اور اگر مقصود کوئی اور شی ہے لیکن ضمناً اور تبعاً تصویر بھی آ گئی ہے، تو پھر وہ حرام نہیں ہے، جیسے اخبار اور رسائل وغیرہ کہ ان میں تصویر ہوتی ہے، لیکن بیچنے یا خریدنے کا مقصد تصویر نہیں ہوتا، بلکہ مضمون ہوتا ہے، تصویر ضمناً آتی ہے۔ (ملخص انعام الباری) بقیہ کلمات کی تحقیق گزشتہ احادیث کے تحت گذر چکی ہے۔

## حدیث ۱۳۶۲ ﴿تصویریں بنانے والے بدترین لوگ﴾ عالمی حدیث: ۴۵۰۸

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيْسَةً يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَكَانَتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَاُمُّ حَبِيْبَةَ اَتَتَا اَرْضَ الْحَبَشَةِ فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيْرَ فِيْهَا فَرَفَعَ رَاْسَهُ فَقَالَ اُولٰئِكَ اِذَامَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰئِكَ شِرَارُ

خَلْقِ اللّٰہِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ .

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۴۷ ج ۱، باب ھجرۃ الحبشۃ، کتاب مناقب الانصار، حدیث: ۳۸۷۳

**حل لغات:** کنیسۃ یہود ونصاریٰ کا عبادت خانہ (ج) کَنَائِسُ۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی بیویوں میں سے کسی نے ''کنیسہ'' کا ذکر کیا، جس کو ''ماریۃ'' کہا جاتا ہے، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ حبشہ ہو کر آئی تھیں؛ لہٰذا انہوں نے اس کی خوبصورتی اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا، آپؐ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی مرجاتا ہے، تو اس کی قبر پر مسجد بنالیتے ہیں، پھر اس میں یہ تصویریں بنالیتے ہیں، وہ اللہ کی مخلوق میں بدترین لوگ ہیں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حبشہ کے جو لوگ قبروں پر عبادت گاہ بنا کر اور اس کی تصویریں اور مورتیاں رکھ کر کفر وشرک کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں بدترین مخلوق ہیں، ان کے طرز عمل کو اختیار کرنے والے بھی برے لوگ ہیں، لہٰذا ان کا طریقہ برا ہے، اس کو اچھے انداز میں ذکر بھی نہ کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ذکر بعض نسائہ کنیسۃ یقال لھا ماریۃ و کانت ام سلمۃ و ام حبیبۃ اتتا ارض الحبشۃ حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جحش کے ہمراہ اور حضرت ام سلمہؓ نے اپنے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، عبداللہ بن جحش کا حبشہ ہی میں انتقال ہو گیا، تو عدت کے بعد نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کا مہر ادا کر کے ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور آپ کو اس کی اطلاع دے دی، آپؐ نے قبول فرمالیا، حضرت ام سلمہؓ کے شوہر ابوسلمہؓ کا مدینہ طیبہ میں واپسی کے بعد انتقال ہوا، پھر آپؐ نے ان سے نکاح کر لیا، غرض یہ کہ دونوں ازواج مطہرات حبشہ رہ آئی تھیں، انہوں نے مرض الوفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حبشہ کے ایک گرجا گھر کا تذکرہ کیا۔ روایت میں آیا ہے کہ اس گرجا گھر کا نام ماریہ تھا، انہوں نے بتلایا کہ اس گرجا میں تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی مرد صالح وفات پاجاتا تو اس کی قبر پر یہ لوگ مجسمہ قائم کر دیا کرتے تھے، شاید ابتدائی طور پر مقصد یہ رہا ہو کہ متوفی کے متعلقین اور عقیدت مندوں کو اس کو دیکھ کر تسکین حاصل ہو اور وہ اس کے طریق کار پر عمل پیرا رہیں، پھر یہ ہوا کہ مجسمے قائم کرنے والوں کا مقصد بعد میں آنے والے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، اور شیطان کو رہزنی کا موقع مل گیا، اس نے دھوکہ دیا کہ یہ مجسمے تمہارے باپ دادا نے پوجا کے لئے بنائے تھے، چنانچہ ان کی پرستش شروع ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ قیامت کے دن بدترین مخلوق ہوں گے، کہ انہوں نے ایک رسم بد قائم کی، مرض الوفات میں آپ کی جانب سے اس ہدایت کا یہ مفہوم ہے کہ آپ کے بعد آپؐ کے مزار کے ساتھ ایسا نہ کیا جائے، چنانچہ الحمد للہ آپ کی امت اس پر قائم ہے۔ روایت میں قبروں کو سجدہ گاہ بنانے، تصویریں بنانے مجسمے قائم کرنے کی نہایت تاکید کے ساتھ ممانعت آگئی، اور چوں کہ یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندگی کے آخری ایام کا ہے، اس لئے کسی بھی ذی روح کی تصویر کھینچنا یا مجسمے بنانا قطعاً حرام ہے۔ رہا یہ کہ صالحین کے مزار کے قریب مسجد تعمیر کرنے کا حکم کیا ہے؟ تو علامہ عینیؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کسی صالح انسان کی قبر کے قریب مسجد اس طرح تعمیر کر لی جائے کہ قبر مسجد سے بالکل باہر اور علاحدہ ہو، قرب سے مقصود صرف برکت کا حصول ہو، نماز میں صاحب قبر کی تعظیم یا ان کی جانب توجہ پیش نظر نہ ہو تو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ کسی مرد صالح کی قبر کے قریب مندرجہ بالا تفصیل کے ساتھ مسجد تعمیر کرنا وعید میں شامل نہیں ہے۔ (ایضاح البخاری، ص ۱۶۸ تا ۱۷۰، ج ۳)

## حدیث ۱۳۶۳ ﴿سخت ترین عذاب کا سامنا کرنے والوں کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ۴۵۰۹

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَتَلَ نَبِيًّا اَوْ قَتَلَهُ نَبِيٌّ اَوْ قَتَلَ اَحَدَ وَالِدَيْهِ وَالْمُصَوِّرُوْنَ وَعَالِمٌ لَمْ يَنْتَفِعْ بِعِلْمِهٖ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ۱۹۷، ج٦، باب فی بر الوالدین، حدیث ۷۸۸۸

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن اس شخص کو ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو یا اس کو کسی نبی نے قتل کیا ہو، یا وہ شخص جس نے اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کیا ہو، اور تصویر بنانے والے اور وہ عالم جس نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی نبی کا قتل کرنا یا نبی سے قتال کے نتیجہ میں خود قتل ہو جانا، اور والدین کا قتل کرنا، نیز تصویر بنانا، اسی طرح عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا بہت بڑے گناہ ہیں، لہٰذا ان کے جرم کے اعتبار سے قیامت کے دن ان کی سزا بھی بہت سخت ہوگی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان اشد الناس عذاباً سب سے زیادہ سخت عذاب کی نسبت احادیث میں بہت سے لوگوں کی طرف ہے، مختلف لوگوں کی طرف اشدیت کی نسبت مختلف اعتبار سے ہے۔ دیکھیں عالمی حدیث ۴۴۹۵ من قتل نبیا جس نے نبی کو قتل کیا وہ بدترین قاتل ہے، لہٰذا اس شخص کو سخت ترین عذاب ہوگا۔ قتلہ نبی جس کو کسی نبی نے میدان جہاد میں قتل کیا وہ بدترین مقتول ہے، کیوں کہ وہ بھی درحقیقت نبی کے قتل کے درپے تھا، اگر کسی کو نبی نے قصاصاً یا بطور حد قتل کیا تو وہ اس وعید کا مصداق نہ ہوگا۔ وعالم لم ینتفع عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتا ہے تو ایسا ہے کہ وہ اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا ہے۔

## حدیث ۱۳٦٤ ﴿شطرنج کھیلنا گناہ ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۵۱۰

وَعَنْ عَلِيٍّ اِنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ الشِّطْرَنْجُ هُوَ مَيْسِرُ الْاَعَاجِمِ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ۲۴۱، ج۵، باب تحریم الملاعب والملاحی حدیث ٦۵۱۸

**ترجمہ:** حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ شطرنج عجمیوں کا جوا ہے۔ (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شطرنج ایسا کھیل ہے جس میں عموماً جوا لگتا ہے، اور یہ کھیل عرب سے زیادہ عجم میں جوے کے ساتھ متعارف ہے، لہٰذا اس کھیل سے گریز کرنا چاہئے، کبھی بغیر جوا کے بھی یہ کھیل کھیلا جاتا ہے، لیکن اس میں بہت سی خرابیاں ہیں، لہٰذا حقیقتاً جوا ہو یا صورتاً جوا ہو بہر صورت ممانعت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الشطرنج هو میسر الاعاجم غیر مسلم قومیں شطرنج کے ذریعہ جوا کھیلتی ہیں، لہٰذا ان سے مشابہت نہ ہو، اس غرض سے شطرنج سے دور رہنا چاہئے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شطرنج بہر صورت ممنوع ہے، جب کہ امام شافعیؒ نے بعض شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے۔ مزید کے لئے اگلی حدیثیں دیکھیں۔

## حدیث ۱۳٦۵ ﴿شطرنج کھیلنے والا گنہگار ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۵۱۱

وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ اَبَا مُوْسَى الْاَشْعَرِيَّ قَالَ لَا يَلْعَبُ بِالشِّطْرَنْجِ اِلَّا خَاطِئٌ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ۲۴۱، ج۵، باب تحریم الملاعب والملاحی

**ترجمہ:** حضرت ابن شہابؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ شطرنج گنہگار ہی کھیلتا ہے۔ (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ شطرنج کھیلنا گناہ ہے، لہٰذا اس کو وہی شخص کھیلتا ہے جو اپنے کو گناہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الا خاطئی اس جزء سے معلوم ہوتا ہے کہ شطرنج میں جوا ہو یا نہ ہو وہ ممنوع ہے، جن لوگوں نے اجازت دی ہے انہوں نے تین شرطیں لگائی ہیں (۱) جوا نہ شامل ہو (۲) نماز میں تاخیر کا سبب نہ بنے (۳) زبانی فواحش کا ارتکاب نہ ہو۔ اولاً تو یہ کھیل ان خرافات سے محفوظ نہیں ہے اور اگر ابتدا میں ہوتا بھی ہے تو جوں ہی اس کھیل کا آدمی عادی ہوتا ہے اور انہماک بڑھتا ہے تو یہ خرابیاں جگہ خود بنالیتی ہیں۔ لہٰذا ابتدا ہی سے دور رہا جائے تو بہتر ہے۔ بعض لوگوں کا قول نقل ہوا ہے کہ امام شافعیؒ بھی کراہت کے قائل تھے۔ گویا انہوں نے بھی اباحت سے رجوع کرلیا تھا۔

## حدیث ۱۳۶۶ ﴿شطرنج کا کھیل باطل ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٥١٢

وَعَنْهُ اَنَّهُ سُئِلَ عَنْ لَعِبِ الشِّطْرَنْجِ فَقَالَ هِيَ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَايُحِبُّ اللّٰهُ الْبَاطِلَ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

**حوالہ:** بیہقی فی شعب الایمان، ص ۲٤۱، ج ۵، باب تحریم الملاعب و الملاهی

**ترجمہ:** حضرت ابن شہابؒ سے روایت ہے کہ ان سے شطرنج کھیل کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے بتایا کہ یہ باطل میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ باطل کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ بیہقی نے چاروں حدیثیں شعب الایمان میں روایت کی ہیں۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شطرنج کھیلنا حرام ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ناپسند کرتے ہیں، جو شخص اس میں مشغول ہوگا وہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ومحبوب نہ ہوگا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** انه سئل ابن شہابؒ یا حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ میں سے کسی ایک سے پوچھا گیا، هی من الباطل شطرنج کھیل سراپا خرافات ہے، اس میں وقت کا بے حد ضیاع ہے، کھیلنے والا اس کھیل میں مشغولی کی بنا پر ذکر الٰہی سے پورے طور پر غافل ہوجاتا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے جنگی امور میں بصیرت پیدا ہوتی ہے، لیکن یہ صرف ایک خیال اور رائے ہے، نصوص میں اس کی صراحتاً مذمت ہے۔ لہٰذا اس رائے کی بنا پر اس کی قباحت میں کمی واقع نہ ہوگی۔

## حدیث ۱۳۶۷ ﴿بلی پالنے کی ممانعت نہیں ہے﴾ عالمی حدیث ٤٥١٣

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ دَارَقَوْمٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَدُوْنَهُمْ دَارٌ فَشَقَّ ذَالِكَ عَلَیْهِمْ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَاْتِیْ دَارَ فُلَانٍ وَلَا تَاْتِیْ دَارَنَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّ فِیْ دَارِکُمْ کَلْبًا قَالُوْا اِنَّ فِیْ دَارِهِمْ سِنَّوْرًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسِّنَّوْرُ سَبُعٌ رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِیُّ

**حوالہ:** دارقطنی، ص ٦۳، ج ۱، باب الاسار، کتاب الطهارة، حدیث ۵

**حل لغات:** سنور بلا (ج) سَنَانِیْرُ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے گھر تشریف لے جاتے تھے، ان کے گھر کے قریب ایک صاحب کا اور گھر تھا، ان پر یہ گراں گذرتا تھا، انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ فلاں کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور ہمارے غریب خانے پر تشریف نہیں لاتے ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وجہ یہ۔ ہے کہ تمہارے گھر میں کتا ہے، ان صاحب نے عرض کیا کہ ان کے گھر میں بلی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی درندہ ہے۔ (دارقطنی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کتا پالنا منع ہے اور جس گھر میں کتا ہوتا ہے وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں، اسی طرح نبی کے لئے بھی ایسے گھر میں جانا مناسب نہیں ہے، اس کے برعکس بلی پالنے کی ممانعت نہیں ہے۔ بلی بھی اگرچہ کتے کے مانند درندہ ہے، لیکن کتے میں جو شیطنت ہے وہ بلی میں نہیں ہے، لہٰذا جس گھر میں بلی ہوتی ہے، اس میں رحمت کے فرشتوں کے داخل ہونے کے لئے کوئی سبب ممانعت نہیں ہوتا، اسی طرح نبی کے لئے بھی اس گھر میں جانے میں حرج نہیں ہوتا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** السنور سبع مقصد یہ ہے کہ بلی درندہ ہے، لیکن وہ نجس نہیں ہے، ابوداؤد کی ایک روایت میں صاف صراحت ہے کہ آپ نے فرمایا انها ليست بنجس انما هي من الطوافين عليكم بلی نجس جانور نہیں ہے بے شک اسکی تمہارے یہاں آمدورفت رہتی ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رأيت رسول الله ﷺ يتوضا بفضلها آپ کو میں نے بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرتے دیکھا ہے۔ (ابوداؤد، باب سور الہرۃ) جب کہ کتے کے بارے میں آپ کا فرمان ہے کہ اذا ولغ الكلب في الاناء فاغسلوه سبع مرات (مسلم ص ۱۳۷، ج ۱) جس برتن میں کتا منھ ڈال دے اس کو سات مرتبہ دھو۔ جب برتن کا یہ حکم ہے تو اس پانی کی نجاست کا تو خود بخود علم ہو گیا، جس میں کتے نے منھ لگایا ہے کہ وہ بھی نجس ہو گیا۔ تو کتا نجس جانور ہے۔ اور ان کی صورتوں میں شیطان بھی رہتے ہیں اور فرشتے شیطان کی ضد ہیں اور انبیاء کرام بھی فرشتوں کے مانند پاکیزہ طبیعت کے حامل ہوتے ہیں۔ لہٰذا جن گھروں میں کتے ہوتے ہیں یہ داخل نہیں ہوتے ہیں۔ مزید کیلئے دیکھئے عالمی حدیث ۴۴۸۹

# کتاب الطب والرقی

## ﴿طب اور جھاڑ پھونک کا بیان﴾

''طب'' ط کے تینوں حرکات کے ساتھ منقول ہے، بمعنی جسمانی یا روحانی علاج کرانا، آپ کی بعثت کا اصل مقصد طب روحانی ہے، لیکن آپ سے طب جسمانی کے متعلق بھی بہت سی احادیث مروی ہیں، تا کہ آپ کی شریعت اکمل الشریعہ ہو جائے۔ ''رقی'' رُقْيَة کی جمع ہے بمعنی منتر، افسون، تعویز اور جھاڑ پھونک وغیرہ۔ قرآنی آیات ادعیہ ماثورہ اور اسمائے الٰہی وغیرہ کے ذریعہ جھاڑ پھونک کرنا جمہور کے نزدیک جائز ہے، کیوں کہ آپ سے اور صحابہؓ سے صحیح روایت سے یہ ثابت ہے، اور ایسے کلمات جو شریعت کے خلاف ہوں یا جس کے معنی معلوم نہ ہوں اس سے جھاڑ پھونک کرنا ناجائز ہے۔ (ایضاح المشکوٰۃ بحوالہ انوار محمود ص ۴۱۶ ج ۲)

اس باب میں صاحب کتاب نے (۵۹) روایت نقل فرمائی ہیں، جن میں بیماری کا علاج، دوا صرف ظاہری ذریعہ ہے، کلونجی کی خاصیت، داغنے کا ذکر، شہد کی تاثیر، طب نبوی اور مروج طب میں فرق، قسط کے فوائد، بیماری عذرہ کا علاج، ذات الجنب کا علاج، بخار کا علاج، جھاڑ پھونک کی اجازت، نظر بد کا علاج، سرخ بادہ کا علاج، حرام چیزوں کے ذریعہ علاج کی ممانعت، زخم کا علاج، چیونٹی کا منتر، بچھو کاٹنے کا علاج، سحر کا علاج وغیرہ سے متعلق احادیث منقول ہیں۔

## ﴿علاج بدن اس کے اقسام اور انواع کا بیان﴾

**علاج بدن کے قواعد تین ہیں** (۱) حفاظت صحت (۲) مرض سے تحفظ (۳) مواد فاسد کا استفراغ۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان تینوں کا ان مقامات پر تذکرہ فرمایا۔ آیت روزہ میں فرمایا "فمن كان منكم مريضا او على سفر فعدة من ايام اخر،" اس آیت میں مریض کے لئے عذر مرض اور مسافر کے لئے

اپنی صحت اور قوت کی طلب کی خاطر افطار کرنے کی اجازت دے دی تاکہ روزہ سفر میں کثرت حرکت اور موجبات تحلیل کی وجہ سے اور بدل ماتحلیل کے معدوم ہونے کے باعث ضرر رساں نہ بن جائے۔

اور قوت وصحت کی حفاظت کی وجہ سے مسافر کو اجازت افطار مرحمت فرمائی ہے، حج کی آیت میں فرمایا"فمن کان منکم مریضا او به اذی من راسه ففدیة من صیام او صدقة او نسك"

اس آیت میں مریض کو اور اسے جس کے سر میں جوئیں پڑ جائیں یا خارش ہو جائے یا کوئی اور تکلیف ہو جائے۔ اجازت دی کہ وہ حالت احرام میں سر منڈوالے تاکہ فاسد مادوں سے استفراغ حاصل ہو جائے جن کے بالوں کی جڑوں میں سرایت کرنے کی وجہ سے مرض پیدا ہوا ہے، جب سر منڈوائے گا تو مسام کھل جائیں گے، اور یہ فاسد مادے ان مسامات کے کھل جانے کی وجہ سے نکل جائیں گے، اسی استفراغ پر تمام ان استفراغات کو قیاس کیا جاسکتا ہے جن کے رک جانے کے باعث تکلیف وگزند پہنچتا ہے۔

رہا تحفظ مرض تو اللہ تعالیٰ نے وضو کی آیت میں فرمایا"وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا" اس آیت میں مریض کو اجازت دی ہے کہ اپنے جسم کو امراض سے بچانے کے لئے پانی کی بجائے مٹی کے تیمم کی طرف منتقل ہو جائے، تمام داخلی یا خارجی مضرات سے تحفظ کے سلسلہ میں یہ آیت انتباہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو طب کے تین اصولوں پر آگاہی بخشی جو تمام قواعد (حفظان صحت) کے مرکزی اصول ہیں۔

اس سلسلہ ہم اب نبی اکرم ﷺ کی سنت طیبہ کا تذکرہ کرتے ہیں اور ہم اس بات کی وضاحت کریں گے کہ اس معاملہ میں آپ ﷺ کی سنت طیبہ اکمل ہدایت ہے۔

رہی طب قلوب، تو یہ انبیاء ورسل کی جانب مسلم طور پر منسوب ہے اور ان کے بغیر اور ان کے دست کرم سے بے نیاز ہو کر اس کے حصول کا سرے سے امکان ہی نہیں۔

## ﴿علاج اور پرہیز سے متعلق معلومات ضروریہ اور نافعہ﴾

جب مریض کی خواہش ہو اور طبیعت کا میلان ہو، اس وقت اگر اسقدر کھانا کھالے، جس کو ہضم کرنے سے طبیعت عاجز نہ آجائے تو اس میں کوئی ضرر نہ ہوگا بلکہ اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہوگا، کیوں کہ طبیعت اور معدہ اسقدر خوراک کو خواہش سے قبول کرتے ہیں، اس لئے ضرر سے تحفظ ہو جاتا ہے اور گاہے گاہے باوجود طبیعت کی کراہت کے غذا کا کھانا نافع ہوتا ہے، اسی باعث سے نبی اکرمؐ نے حضرت صہیبؓ کو تھوڑی سی کھجوریں کھالینے سے منع نہیں فرمایا، کیوں کہ آپؐ جانتے تھے کہ قلیل مقدار میں کوئی مضرت نہیں۔

اسی طرح حضرت علیؓ کے متعلق مروی ہے کہ نبی اقدسؐ کے پاس حضرت علیؓ آئے انہیں آشوب چشم تھا اور نبی اکرم ﷺ کے سامنے کھجوریں تھیں، جنھیں آپ کھا رہے تھے، آپؐ نے فرمایا اے علی کھاؤ گے، یہ کہہ کر ایک کھجور ان کی طرف پھینکی، پھر دوسری اس طرح سات کھجوریں مرحمت فرمائیں، پھر فرمایا اے علی اسی قدر کافی ہیں۔ نیز اسی طرح ابن ماجہ میں حضرت عکرمہؓ کی حدیث منقول ہے جو انہیں حضرت ابن عباسؓ سے ملی کہ نبی اکرمؐ نے ایک آدمی کی عیادت فرمائی اور اس سے دریافت فرمایا تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کیا میں گندم کی روٹی چاہتا ہوں، ایک روایت کے لفظ یہ ہیں، کہ میں پراٹھا چاہتا ہوں، نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس گندم کی روٹی ہو اسے چاہئے کہ اپنے بھائی کے پاس بھیجے، پھر فرمایا جب مریض کسی چیز کی خواہش کرے تو اسے کھلا دو۔

اس حدیث میں ایک لطیف طبی راز ہے، کیوں کہ مریض طبعی اور سچی بھوک کے ساتھ جو چیز بھی کھائے گا اس کا ضرر بھی نفع میں

بدل جائیگا، اور اگر بغیر اشتہا کے کھائے گا تو اسکا نفع بھی ضرر بن جائیگا، کیونکہ جوع صادق کی وجہ سے طبیعت ضرر کو از خود دور کر دیتی ہے۔
رقیہ کے متعلق تفصیلات احادیث باب کے تحت منقول ہیں۔

## ﴿مفرد اور مرکب ادویہ کے استعمال کے فوائد پر ایک نظر﴾

**علاج بدن کی دو اقسام ہیں**

اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات ناطقہ و بہائم کو انہی دو میں منقسم فرمایا ہے۔ایک قسم ایسی ہے جس کے علاج کے لئے کسی طبیب کی ضرورت نہیں، جیسے بھوک پیاس، سردی تھکاوٹ وغیرہ کا علاج، دوسرے وہ جس میں تامل اور غور وفکر کی ضرورت ہو، جیسے وہ امراض جو مزاج اصل کے اعتدال سے خارج ہو جانے کے باعث پیدا ہو جاتے ہیں، حرارت یا برودت یا رطوبت یا کسی دو کے مرکب ہونے کی صورت میں (بدن) غیر معتدل صورت اختیار کر لیتا ہے۔

ان کے دو انواع ہیں یا مادی ہوتے ہیں یا کیفی، یعنی یا تو کسی مادہ کے انصباب کے باعث یہ امراض پیدا ہوتے ہیں، یا کسی کیفیت کی وجہ سے ان کا ظہور ہوتا ہے۔اور تم دیکھو گے کہ اللہ کے فضل وکرم اور اس کی نصرت سے جناب رسالت مآب ﷺ کی سنت طیبہ میں ان تمام امراض کا شافی اور مکمل علاج ملتا ہے۔

حضور اقدس کی سنت طیبہ یہ تھی کہ آپ اپنا اور اپنے اہل وعیال اور صحابہ کا معالجہ فرمایا کرتے ،لیکن آپ کی سنت طیبہ یہ نہیں کہ مرکب ادویہ کا استعمال فرماتے ، بلکہ آپ کی زیادہ تر ادویہ مفردات پر مشتمل تھیں اور گاہے گاہے مفرد دوا کے ساتھ کسی معاون یا مصلح دوا کا اضافہ فرما دیتے۔اور یہ معاملہ عربوں ترکوں اور تمام اہل دیہات غرض مختلف اقوام میں مختلف ہوتا ہے اور تجربہ کار اطباء جو کثرت کے ساتھ مفردات سے معالجہ کرتے ہیں، وہ اسے خوب سمجھتے ہیں اور ان دونوں طبوں میں فرق بھی ہے، اس کی تحقیق یہ ہے کہ ادویہ بھی غذا کی جنس سے ہوتی ہیں تو ایسی قوم یا جماعت جن کی اغذیہ مفردات پر مشتمل ہوں، ان کے امراض بھی کم ہوتے ہیں اور ان کا معالجہ بھی مفردات سے ہی درست ہوگا، اور شہر والوں پر مرکب غذاؤں کا غلبہ ہوتا ہے، اسی لئے وہ لوگ مرکب دواؤں کے محتاج ہوتے ہیں، اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اہل شہر کے امراض زیادہ تر مرکب ہوتے ہیں، اسی وجہ سے انہیں مرکب دوائیں زیادہ نفع دیتی ہیں، اور اہل دیہات اور صحرائی لوگوں کی اغذیہ مفرد ہوتی ہیں، اس لئے انہیں مفرد دوائیں مفید ہوتی ہیں۔

اس علاج کی نسبت نبی اکرم کی جانب اسی طرح ہے جیسے انبیاء علیہ السلام کے پاس دیگر علوم بذریعہ وحی آتے ہیں، بلکہ یہاں تو وہ ادویہ ملتی ہیں کہ جن کی شفا دہی کی تاثیرات کی جانب بڑے بڑے حکماء کا ذہن نہ جا سکا، اور ان کے علوم وتجارب کی رسائی بھی نہ ہو سکی، ادویہ قلبیہ اور روحانیہ میں قوت قلب، اعتماد علی اللہ توکل علی اللہ اس کی طرف رجوع وانابت اس کے سامنے عجز ونیاز اور تذلل وانکساری، صدقہ، دعا، توبہ واستغفار، مخلوق پر احسان اور مصائب زدہ کی مدد اور نصرت یہ تمام ادویہ ایسی ہیں کہ مختلف ادیان کے حامیوں نے بھی انہیں بارہا آزمایا اور شفاء کاملہ حاصل کی، جس کی طرف ان کے بڑے بڑے دانش وروں کا ذہن نہ جا سکا اور نہ ان کے تجربات اور قیاسات نے ان کی رہنمائی کی ہم نے انہیں بارہا آزمایا اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان سے وہ کام سرانجام پا سکتے ہیں کہ مادی ادویہ سے بھی اس قدر زیادہ فائدہ نہیں ہو سکتا۔

## ﴿پرہیز اور احتیاط﴾

پرہیز کے اقسام اور ان کے اثرات ونتائج، علاج دراصل پرہیز اور حفظ صحت کا نام ہے۔
اور جب کسی طرح کی گڑبڑ ہو جاتی ہے۔تو مناسب استفراغ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، ایسے ہی قواعد پر تمام طب کا مدار ہے۔

**پرہیز کے دو اقسام ہیں** ایک مرض پیدا کرنے والی بات سے پرہیز، اور دوسرے اس بات سے پرہیز جو مرض میں اضافہ کا سبب بن سکتی ہے۔

پہلا پرہیز تندرست لوگوں کے لئے ہے، اور دوسرا مریضوں کے لئے، چنانچہ مریض جب پرہیز شروع کر دیتا ہے، تو اس کا مرض زیادہ بڑھنے سے رک جاتا ہے اور دفع مرض میں طبیعت کو قوت حاصل ہو جاتی ہے، اور پرہیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔"وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط او لا مستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعید ا طیبا" یعنی اور اگر تم مریض یا سفر پر ہو یا آئے تم میں سے کوئی پاخانہ سے یا چھوا تم نے عورتوں کو اور نہ پاؤ پانی تو تیمم کرو پاکیزہ مٹی سے۔اس میں مریض کے لئے پانی کے استعمال سے پرہیز کا حکم ہے، کیوں کہ اس حالت میں پانی اسے ضرر دے گا۔

اور سنن ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت ام منذر بنت قیس انصاریہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی اقدسؐ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا ان کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے اور مرض کی وجہ سے حضرت علیؓ کمزور ہو چکے تھے، ہمارے یہاں دوال سیاہ انگور لٹک رہے تھے، چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ اٹھ کر اس میں سے کھانے لگے اور حضرت علیؓ بھی اٹھے وہ بھی کھانے لگے۔

نبی اقدسؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم کمزور ہو انھوں نے ہاتھ روک لیا، فرماتی ہیں کہ میں نے جو اور شہد کو آمیز کیا میں اسے لے کر حاضر ہوئی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ زیادہ درست ہے، کیوں کہ یہ تمہارے لئے نافع ہوگا۔ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ یہ زیادہ درست ہے یہ تمہارے لئے زیادہ موافق ہوگا۔سنن ابن ماجہ میں حضرت صہیبؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ کے سامنے روٹی اور کھجور تھی، آپؐ نے فرمایا قریب ہو جاؤ اور کھاؤ میں نے کھجور لی اور کھانے لگا، آپؐ نے فرمایا تم کھجور کھاتے ہو حالانکہ تمہیں آشوب (چشم) ہے، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ میں دوسری جانب سے کھا رہا ہوں، جناب رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا۔(یہ مباحث زاد المعاد سے منقول ہیں)

## الفصل الاول

### حدیث ۱۳۶۸ ﴿ہر مرض کا علاج ہے﴾ عالمی حدیث ٤٥١٤

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَہٗ شِفَاءً رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸٤٨ ج ۲، باب ما انزل اللہ داء الا دواء ا، کتاب الطب، حدیث ٥٦٧٨

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مرض بھی اتارا ہے اس کا علاج بھی ضرور اتارا ہے۔(بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی مرض لاعلاج نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ بسا اوقات بعض امراض کا علاج معلوم نہیں ہو پاتا ہے، لہٰذا اس مرض کو لاعلاج سمجھا جاتا ہے، اگر کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفا لکھی ہوتی ہے تو اس کے مرض کا صحیح علاج ہو جاتا ہے اور اگر موت لکھی ہوتی ہے تو کوئی سبب ایسا پیش آجاتا ہے جس کی بنا پر علاج نہیں ہو پاتا ہے یا علاج سے شفا نہیں ملتی ہے۔موت اور بوڑھاپا ایسا مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔لہٰذا یہ حدیث عموم پر نہیں ہے۔

**کلماتِ حدیث کی تشریح** ما انزل اللہ داء الا انزل لہ شفاء اللہ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے تو اس کے لئے شفا بھی پیدا کی ہے، ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے علمہ من علمہ و جھلہ من جھلہ اس دوا کو جو جانتا ہے، جانتا ہے اور جو نہیں جانتا نہیں جانتا، یعنی کوئی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا ہے۔اس حدیث میں علاج کی

ترغیب دی گئی ہے۔اور ترمذی کی روایت میں تو صراحتاً آپؐ نے فرمایا کہ یا عباداللہ تداووا اے اللہ کے بندو! علاج کراؤ۔

**سوال:** قرآن وحدیث میں توکل یعنی اللہ کی ذات پر اعتماد کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور اس حدیث میں علاج کا حکم دیا گیا ہے، بظاہر دونوں باتیں متعارض ہیں، اس کا حل کیا ہے؟

**جواب:** جب یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے تو صحت کے اسباب اختیار کرنا اور مرض کے اسباب سے بچنا ضروری ہے، ورنہ اسباب بے فائدہ ہوں گے، البتہ اسباب تین قسم کے ہیں (۱) ظاہری (۲) خفی (۳) اخفی۔ سبب ظاہر وہ ہے، جس کا سبب ہونا ہر شخص جانتا ہے، اور سبب خفی، سبب ظنی کا نام ہے اور سبب اخفی وہ سبب ہے جس کا سبب ہونا عام طور پر لوگ نہیں جانتے، جیسے روٹی سے آدمی شکم سیر ہوتا ہے اور پانی سے سیراب اور دوا سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ یہ اسباب ظاہرہ ہیں اور جھاڑ پھونک سے بھی فائدہ ہوتا ہے، مگر یہ سبب خفی ہے، اور علویات (ستاروں) کے سفلیات یعنی انسانی حوادث پر اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہ سبب اخفی ہے۔ اس کا ادراک نجومیوں کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا، اور نجومیوں کی باتیں اٹکل پچو ہوتی ہیں، اس لئے شریعت نے سبب اخفی کی قطعاً ممانعت کردی اور اسباب خفیہ کی ممانعت تو نہیں کی مگر ترک اولیٰ ہے۔ مسلم شریف میں حدیث ہے کہ قیامت کے دن ستر ہزار لوگ ایسے ہوں گے جو بے حساب اور بے عذاب جنت میں جائیں گے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ھم الذین لا یرقون ولا یسترقون و لا یتطیرون و علی ربھم یتوکلون یہ وہ لوگ ہیں جو نہ جھاڑتے ہیں اور نہ جھڑواتے ہیں اور نہ بدشگونی لیتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور اسباب ظاہری کو اختیار کرنا مامور بہ ہے، آپؐ نے اس کا حکم دیا ہے۔ مگر سبب ظاہری اختیار کرنے کی حالت میں بھی بھروسہ اللہ پر رکھنا چاہئے، کیوں کہ اسباب محض اسباب ہیں، مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہیں۔ (ملخص تحفۃ الالمعی)

## حدیث ۱۳۶۹ ﴿بیمار کو شفا حکم خدا سے ملتی ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٥١٥

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَإِذَا أُصِيْبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرِءَ بِإِذْنِ اللّٰهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۲۵ ج ۲، باب لکل داء دواء، کتاب السلام، حدیث ٢٢٠٤

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بیماری کے لئے دوا ہے، جب دوا بیماری تک پہنچ جاتی ہے تو اللہ کے حکم سے مریض تندرست ہوجاتا ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب دواء بیماری کے موافق ہوتی ہے تو خدا کی مشیت سے مریض کو شفا ملتی ہے، تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ ہر خطے اور طبقے کے انسانوں میں جس طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، اسی خطے میں اس کی دوائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں، لیکن اطباء کے معالجات کی جتنی صورتیں ہیں، سب کا تعلق ظنیات سے ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اطباء امراض کو نہیں پہچانتے ہیں، چنانچہ ہزار علاج کے بعد بھی شفا نہیں ملتی ہے، اگر مرض پہچاننے کے بعد علاج کیا جائے تو بحکم خدا شفا ضرور ملے گی، طب نبوی کا ماخذ وحی ہے، اس لئے وہ متیقن ہے۔ (ایضاح المشکوۃ)

**کلمات حدیث کی تشریح** برء باذن اللہ مریض کو شفاء اللہ کے حکم سے ملتی ہے، یہ قید اس لئے لگائی تاکہ علاج ومعالجہ کو مستقل بالذات موثر نہ سمجھا جائے، بلکہ دواء اس وقت اثر کرتی ہے، جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

**دوا کا استعمال توکل کے منافی نہیں:** بعض غالی صوفیاء علاج ومعالجہ کے منکر ہیں، اور کہتے ہیں کہ مرض وغیرہ بھی قضا وقدر کے زیر اثر ہیں، اس کا مقابلہ کرکے علاج کرنا، لاحاصل اور توکل وعبدیت کے منافی ہے۔ جب کہ صحابہ کرام اور

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ علاج ومعالجہ کرنا مستحب ہے۔اس حدیث سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ علاج توکل کے خلاف نہیں ہے، جس طرح کھانے کے ذریعہ بھوک کو دور کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً سید المتوکلین تھے، اس کے باوجود آپؐ علاج بھی کراتے تھے اور بیماری کو دور کرنے کے ذرائع بھی اختیار فرماتے تھے، بلکہ شارع کا یہ حکم ہے کہ کسی بیمار کے پاس اگر کوئی ایسی دوا وتدبیر موجود ہے جس کے استعمال سے اس کی جان یقینی طور پر بچ سکتی ہے تو اس کا استعمال کرنا ضروری ہے۔
(مرقات، ص ۲۳۹، ج ۸، ایضاح المشکوٰۃ)

## حدیث ۱۳۷۰ ﴿شفاء تین چیزوں میں ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٥١٦

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلشِّفَاءُ فِیْ ثَلٰثٍ فِیْ شِرْطَۃِ مِحْجَمٍ اَوْ شَرْبَۃِ عَسَلٍ اَوْ کَیَّۃٍ بِنَارٍ وَاَنَا اَنْھٰی اُمَّتِیْ عَنِ الْکَیِّ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ٨٤٨ ج ٢، باب الشفاء في ثلاث، كتاب الطب، حديث ٥٦٨٠

**حل لغات:** شرطۃ نشتر شَرَطَ الْجِلْدَ وَنَحْوَہٗ (ن،ض) شَرْطًا کھال کو ہلکا سا چیرنا، نشتر لگانا، محجم سینگی، پچھنے لگانے کا آلہ (ج) مَحَاجِمُ، حَجَمَ (ن) حَجْمًا المریضَ پچھنا لگانا، شربۃ ایک گھونٹ شَرِبَ (س) شُرْبًا پینا، گھونٹ بھرنا، عسل شہد (ج) اَعْسَالٌ وَعُسُوْلٌ، کیۃ داغ کَوًا (ض) کَیًّا وکَیَّۃً لوہا تپا کر کھال کو داغ دینا، آگ یا لوہے سے جلانا، حسمہ حَسَمَ (ض) حَسْمًا الدَّاءَ دوا سے بیماری دور کرنا، دفع کرنا، العِرْق رگ کو کاٹ کر خون روکنے کے لئے داغ دینا، مشقص چوڑے پھل کا نیزہ (ج) مشاقِصُ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شفا تین چیزوں میں ہے (۱) پچھنا لگانے والے کے نشتر میں (۲) شہد کے گھونٹ میں (۳) آگ سے داغنے میں لیکن میں اپنی امت کو آگ سے داغنے کے علاج سے منع کرتا ہوں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں تمام جسمانی امراض کے علاج کی طرف رہنمائی ہے، کیوں کہ جسمانی امراض دموی یا صفراوی یا بلغمی یا سوادی ہوتے ہیں، دموی امراض کا علاج استرے کے ذریعہ پچھنا لگا کر فاسد خون کو جسم سے نکال دینے میں ہے، اور باقی تینوں کا بہترین علاج اسہال ہوتا ہے، اس کے لئے شہد بہترین اور معتدل دوا کا کام دیتا ہے، اگر اطباء کسی علاج سے عاجز آجائیں تو اس کی شفا کا ذریعہ آگ سے داغنا ہوتا ہے، لیکن جہاں تک ہوسکے اس علاج کو نہ اپنایا جائے تو بہتر ہے، چوں کہ اس میں تکلیف شدید ہے، نیز اس میں آگ کا استعمال ہے، اور آگ سے عذاب دینا منع ہے، لہٰذا جب کوئی اور طریقہ علاج کارگر نہ ہو تب ہی اس کو اپنایا جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وانا انھی امتی عن الکی میں اپنی امت کو داغنے کے علاج سے منع کرتا ہوں، یہ ممانعت تنزیہی ہے۔

**تعارض:** اس حدیث میں آپؐ نے داغنے کو علاج یعنی شفا بھی قرار دیا ہے اور پھر منع بھی فرمایا، اور خود آپؐ نے صراحتاً اجازت بھی دی ہے، آگے حدیث آرہی ہے "ثم اکواہ النبیؐ" ان سب باتوں میں تو تعارض ہے۔

**جواب:** (۱) اہل عرب داغنے کو موثر حقیقی سمجھتے تھے اور یوں وہ شرک میں مبتلا ہوتے تھے، اس سے بچانے کے لئے آپؐ نے منع فرمادیا (۲) حدیث نہی بلا ضرورت پر محمول ہے، اور احادیث اجازت ضرورت شدیدہ پر محمول ہیں (۳) حدیث نہی کی فاحش پر محمول ہے اور احادیث اجازت غیر فاحش پر محمول ہیں۔ (مرقات، ص ۲۸۸، ج ۸، مظاہر حق)

## حدیث ۱۳۷۱ ﴿داغنے کے ذریعے علاج کا ثبوت﴾ عالمی حدیث: ۴۵۱۷

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رُمِیَ اُبَیٌّ یَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلٰی اَکْحَلِهٖ فَکَوَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۲۵ ج ۲، باب الشفاء فی ثلاث، کتاب الطب، حدیث ۲۲۰۷

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابیؓ کی رگ پر غزوۂ احزاب کے موقع پر تیر مارا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں داغ دیا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زخم کو داغ کر علاج کرنا آپؐ سے ثابت ہے، لہٰذا ضرورت شدیدہ کے وقت اس علاج کو اپنانا درست ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فکواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خون بند کرنے کے لئے آپؐ نے خود داغا یا داغنے کا حکم دیا۔ اس حدیث سے داغنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، جب کہ گزشتہ حدیث میں داغنے کے علاج سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ بظاہر تعارض ہے، اس کا جواب گزشتہ حدیث کے تحت نقل ہو چکا ہے۔

## حدیث ۱۳۷۲ ﴿آپؐ نے داغ کر علاج فرمایا﴾ عالمی حدیث: ۴۵۱۸

وَعَنْهُ قَالَ رُمِیَ سَعْدُ ابْنُ مُعَاذٍ فِیْ اَکْحَلِهٖ فَحَسَمَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِهٖ بِمِشْقَصٍ ثُمَّ وَرَمَتْ فَحَسَمَهُ الثَّانِیَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۲۵ ج ۲، باب لکل داء دواء، کتاب السلام، حدیث ۲۲۰۷

**حل لغات:** فحسمہ حسم فلان (ض) حَسْماً، العرق رگ کو کاٹ کر خون روکنے کے لئے داغ دینا۔ مشقص لمبا چوڑا پھل، چوڑے پھل کا نیزہ (ج) مَشَاقِصُ۔

**ترجمہ:** حضرت سعد بن معاذؓ کے رگ میں تیر مارا گیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے نیزہ کے پھل کے ذریعہ داغا، پھر وہ سوج گیا تو آپؐ نے دوبارہ داغ دیا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ داغنے کے ذریعہ علاج کرنا جائز ہے، جہاں تک داغنے کے ذریعہ علاج کے نفس جواز کا تعلق ہے تو اس میں شبہ نہیں ہے، اگرچہ اولیٰ اور بہتر نہیں ہے، چنانچہ جن روایات میں آپؐ نے صحابہ کرام کو اس طریقہ علاج سے منع فرمایا ہے، وہ مشورتاً اور ارشاداً ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فحسمہ، آپؐ نے داغ کر علاج فرمایا، ممکن ہے کہ دوسرے علاجوں سے فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے بدرجہ مجبوری آپؐ نے اس طریقۂ علاج کو اپنایا ہو، کیوں کہ حتی الامکان اس طریقۂ علاج سے گریز ہی بہتر ہے، کیوں کہ اس میں تکلیف شدید یقینی اور شفا موہوم ہے، ہمارے زمانہ میں آپریشن کے ذریعہ علاج بھی داغ کر علاج کرنے کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کو بوقت مجبوری اور ضرورت شدیدہ ہی پر اپنانا چاہئے۔ (الکوکب الدری، درس ترمذی) مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۵۱۶ دیکھیں۔

## حدیث ۱۳۷۳ ﴿داغ کر علاج کرنا﴾ عالمی حدیث ۴۵۱۹

وَعَنْهُ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ طَبِیْبًا فَقَطَعَ مِنْهُ عِرْقًا ثُمَّ کَوَاهُ عَلَیْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۲۵ ج ۲، باب لکل داء دواء کتاب الطب۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ کی طرف ایک طبیب کو بھیجا، تو اس نے ان کی ایک رگ کاٹی اور اس پر داغ دیا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ داغ کر علاج کرنا درست ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ثم کواہ آپؐ کے بھیجے حکیم نے داغ کر علاج کیا۔ داغنے کے سلسلہ میں چار طرح کی احادیث منقول ہیں (۱) بعض احادیث اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں جیسے حدیث باب (۲) بعض نہی کو ثابت کرتی ہیں (۳) بعض احادیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں داغنے کو پسند نہیں کرتا (۴) بعض احادیث میں داغنے کو اختیار نہ کرنے پر مدح وتعریف کی گئی ہے، ان احادیث کے باہمی تعارض کو دور کرنے کے لئے علماء نے لکھا ہے کہ جن احادیث میں آپؐ کا یہ فعل منقول ہے کہ آپؐ نے داغا، تو یہ اصولی طور پر داغنے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں اور جن احادیث میں آپؐ کی عدم پسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے، وہ اس کے جواز کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ عدم پسندیدگی عدم جواز پر دلالت نہیں کرتی، ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کو آپؐ پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن دوسروں کے لئے اس کی ممانعت بھی نہیں فرماتے تھے، اس طرح جن احادیث میں داغنے کو اختیار نہ کرنے پر مدح وتعریف منقول ہے وہ بھی عدم جواز پر دلالت نہیں کرتیں، کیوں کہ مدح وتعریف کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ داغنے کو اختیار نہ کرنا اولیٰ وافضل ہے، البتہ جن احادیث میں داغنے کی ممانعت صراحتاً منقول ہے تو وہ ممانعت دراصل اس صورت پر محمول ہے جب کہ مرض کے دفعیہ کے لئے اس کی واقعی حاجت نہ ہو، بلکہ وہ مرض دوسرے علاج معالجہ سے دفع ہوسکتا ہو۔ (عون الترمذی)

## حدیث ۱۳۷٤ ﴿کلونجی کی افادیت کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث: ٤٥٢٠

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِی الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ اِلَّا السَّامَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ السَّامُ الْمَوْتُ وَالْحَبَّةُ السَّوْدَاءُ الشُّوْنِیْزُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸٤۹ ج۲، باب الحبة السوداء، کتاب الطب، حدیث ٥٦٨٨، مسلم، ص ۲۲۷ ج۲، باب التداوی بالحبة السوداء، کتاب السلام، حدیث ۲۲۱٥

**حل لغات:** السام زہریلا، زہر آلود (ج) سَوَامٌّ، یہاں موت مراد ہے۔ الشونیز کلونجی۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ سیاہ دانے میں موت کے سوا ہر بیماری کی شفا ہے، ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ "سام" سے موت مراد ہے، اور سیاہ دانے سے کلونجی مراد ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کلونجی نہایت مفید دوا ہے، اس سے تمام امراض میں شفا ملتی ہے، اکابر ومشائخ کی ایک جماعت کا معمول تھا کہ وہ اپنے تمام امراض میں کلونجی کو بطور دوا استعمال کرتے تھے، اسی طرح بعض حضرات اپنے تمام امراض میں شہد استعمال کرتے تھے اور ان کے حسن اعتقاد کی برکت سے ان کے امراض دور ہوجایا کرتے تھے۔

(عون الترمذی)

**کلمات حدیث کی تشریح** الحبة السوداء شفاء من كل داء کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری کی شفا ہے۔ کلونجی پیاز کے بیج کے مشابہ سیاہ رنگ کے بیج ہوتے ہیں جن کا مزہ تلخ ہوتا ہے، ان کا مزاج گرم خشک ہے، مسالوں اچاروں اور دواؤں میں عام طور پر مستعمل ہے، کلونجی کثیر المنافع دوا ہے، کبھی اس کو مفرد استعمال کرتے ہیں اور کبھی اس کو دوسری داؤوں کے ساتھ مرکب کر کے استعمال کرتے ہیں، پھر کبھی اس کا سفوف بنا کر کھلاتے ہیں اور کبھی جوشاندہ بنا کر پلاتے ہیں اور اس کا

روغن بھی نکالتے ہیں، نیز سردی زکام میں اس کو سونگھاتے بھی ہیں اور دھونی بھی دیتے ہیں۔ کلونجی میں ہر بیماری سے شفا ہے۔

**سوال:** یہ حدیث عام ہے یا خاص ہے؟

**جواب:** اسمیں اختلاف ہے، خطابی کی رائے یہ ہے کہ یہ ارشاد بظاہر عام مگر خاص ہے، کیونکہ کوئی جڑی بوٹی ایسی نہیں جو ہر بیماری کا علاج ہو، کلونجی بھی صرف بارد اور مرطوب بیماریوں کا علاج ہے۔ اس لئے کہ اس کا مزاج گرم اور خشک ہے اور یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا حدیث میں ہے کہ اگر کسی چیز میں موت کا علاج ہوتا تو وہ سنا میں ہوتا، ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ کثیر المنافع دوائیں ہیں اور دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ ارشاد عام ہے، کلونجی ہر بیماری کی دوا ہے، مگر اس کے استعمال کے طریقے مختلف ہیں، کبھی مفرد استعمال کی جاتی ہے اور کبھی دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر استعمال کی جاتی ہے، نیز مرض کی رعایت اور قواعد طب کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ اس طرح وہ ہر بیماری کی دوا بن جاتی ہے، ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ "الا السام" استثناء ہے، لہٰذا ایک بیماری کو مستثنیٰ کر کے کلونجی ہر بیماری کی دوا ہے، جیسے ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا الخ کا حال ہے۔ مگر صحیح رائے پہلی معلوم ہوتی ہے کہ کلونجی کثیر المنافع دوا ہے، کیوں کہ جب اس کا مزاج گرم خشک ہے تو وہ بارد مرطوب بیماریوں کا ہی علاج ہو سکتی ہے۔ ہر بیماری کا علاج کیسے ہو سکتی ہے، اور جب دوسری دوائیں اس کے ساتھ ملا کر استعمال کریں گے تو سارا فائدہ کلونجی کا کہاں رہا، اس میں دوسری دوائیں بھی شریک ہو گئیں اور آیت کریمہ سے استدلال اس لئے درست نہیں کہ طب نبوی کی روایات تبلیغ رسالت کی قسم سے نہیں ہے، اور جب ان حضرات نے یہ فرمایا کہ مرض کی رعایت اور قواعد طب کا لحاظ بھی ضروری ہے تو انہوں نے حدیث کو خود ہی خاص کر دیا، کیوں کہ اس قید کا مطلب یہ ہے کہ کلونجی صرف ان ہی امراض میں استعمال کی جا سکتی ہے جو بارد اور مرطوب ہیں کیوں کہ کلونجی کا مزاج حار خشک ہے، لہٰذا صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث اگرچہ بظاہر عام ہے، مگر حقیقت میں خاص ہے۔ واللہ اعلم (تحفۃ الالمعی) ابن شہاب یہ ابن شہاب زہری مشہور محدث ہیں۔

## حدیث ۱۳۷۵ ﴿شہد میں شفا ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٥٢١

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَخِی اسْتَطْلَقَ بَطْنُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْقِهِ عَسَلًا فَسَقَاهُ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ سَقَیْتُهٗ فَلَمْ یَزِدْهُ اِلَّا اِسْتِطْلَاقًا فَقَالَ لَهٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَاءَ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اِسْقِهِ عَسَلًا فَقَالَ لَقَدْ سَقَیْتُهٗ فَلَمْ یَزِدْهُ اِلَّا اِسْتِطْلَاقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ اللّٰهُ وَکَذَبَ بَطْنُ اَخِیْكَ فَسَقَاهُ فَبَرِءَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص۸٤۸ ج۲، باب الدواء بالعسل، کتاب الطب، حدیث ٥٦٨٤، مسلم، ص۲۲۷ ج۲، باب التداوی بسقی العسل، کتاب السلام، حدیث ۲۲۱۷

**حل لغات:** استطلق بطنه، پیٹ چلنا، دست آنا، برأ (تفعیل) بیمار کو صحت یاب بنانا۔ (س) صحت یاب ہونا۔

استطلق (استفعال) بَطْنُهٗ پیٹ چلنا، دست آنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ میرے بھائی کا پیٹ چل رہا ہے، یعنی اس کو دست پر دست آ رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو شہد پلاؤ، انہوں نے مریض کو شہد پلایا، پھر وہ صاحب آئے اور عرض کیا کہ میں نے شہد پلایا لیکن دست میں اضافہ ہو گیا، آپؐ نے تین مرتبہ شہد پلانے کی بات فرمائی، پھر وہ صاحب چوتھی مرتبہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض گذار ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ شہد پلاؤ، انہوں نے عرض کیا کہ میں نے شہد پلایا لیکن دست اور زیادہ آنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور تمہارے

بھائی کا پیٹ جھوٹ بولتا ہے، پھر انہوں نے شہد پلایا تو وہ تندرست ہو گئے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** معدے کے اندر تو لیے جیسے روئیں ہوتے ہیں، وہی کھانا ہضم کرتے ہیں، اس میں کبھی سدے بھر جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں پیٹ خراب ہو جاتا ہے، اس حدیث میں ایک صاحب کا ذکر ہے جنہیں دست آرہے تھے، انہیں شہد پلایا گیا اور وہ ہضم نہ ہوا تو دست مزید آنے لگے، پھر پلایا تو دست میں اضافہ ہو گیا، پھر پلایا تو اور بڑھ گئے، اس طرح معدہ اندر سے صاف ہو گیا اور اس کی ہضم کی قوت لوٹ آئی، چنانچہ وہ شفا پا گئے، علامہ ابن القیمؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر دوا کا ایک کورس ہے، جب وہ کورس پورا ہوتا ہے، تب ہی فائدہ ہوتا ہے، دوا کی تھوڑی مقدار استعمال کرنے سے اگر فائدہ ظاہر نہ ہو تو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ ماہر حکیم کی رائے کے مطابق دوا کا استعمال جاری رکھنا چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماہر کون ہو سکتا ہے، ان صاحب نے علاج جاری رکھا تو آخیر میں بامراد ہوئے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** اسقه عسلا دست کے مریض کو آپؐ نے شہد پلانے کا حکم دیا۔

**اعتراض:** یہاں بعض ملحدین نے اعتراض کیا ہے کہ شہد دست لانے والا ہے، لہٰذا دست روکنے کے لئے شہد پلانے کا یہ حکم بظاہر اصول اطباء کے خلاف ہے۔

**جواب:** (۱) یہ اعتراض سراسر جہالت پر مبنی ہے، اطباء اس پر متفق ہیں کہ عمر عادت غذا زمانہ اور قوت طبعیہ کے تفاوت سے ایک ہی مرض کا علاج مختلف ہوا کرتا ہے، لہٰذا اگر فی الحال اصول طب کے خلاف ہو جائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں (۲) شہد پلانے کا حکم اصول طب کے خلاف نہیں بالکل موافق ہے۔ دست آنے کے مختلف اسباب ہوا کرتے ہیں اور اس کی انواع بھی الگ الگ ہیں، پس ہر نوع کا طریقۂ علاج بھی ایک دوسرے سے جدا ہے، چنانچہ قدیم وجدید اطباء اس پر متفق ہیں کہ جو دست بدہضمی اور معدہ کی خرابی کی وجہ سے آیا کرتا ہے، اس میں شہد مفید ہے۔ لہٰذا جو دست معدہ میں جمع ہونے والے فاسد مادہ کی وجہ سے آتے ہیں ان کو بند کرنا اور اس مادہ کو باہر نکالنا ضروری ہوتا ہے اور اس کا بہترین علاج شہد ہے۔ خصوصاً شہد کو گرم پانی میں ملا کر پلانا بہت مفید ہے کہ وہ فاسد مادہ اور جراثیم کو دفع بھی کرتا ہے، اور خارج بھی کر دیتا ہے، پس وہ شخص جو بدہضمی کا شکار تھا اور اس کے معدہ میں فاسد مادہ بھی جمع ہو گیا تھا، اس کے لئے بہترین علاج یہی تھا، کہ شہد پلا کر اس کے معدہ میں جمع ہونے والا فاسد مادہ نکالا جائے، چنانچہ آپؐ اس کو شہد پلانے کا حکم دیتے رہے، یہاں تک کہ اس کا معدہ فاسد مادہ سے بالکل صاف ہو گیا، تو وہ اچھا ہو گیا۔ (۳) بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا تھا کہ شہد پینے میں اس مخصوص شخص کا علاج ہے، بنا بریں اس کا حکم فرمایا۔ (۴) شہد پینے سے شفا حاصل ہونا یہ آپ کا معجزہ تھا، آپ کی دعا کی برکت اور آپؐ کے اعجاز سے شہد اس شخص کے حق میں شفایابی کا ذریعہ بن گیا۔ فلم یزده الا استطلاقا آپؐ کا اس کو بار بار شہد پلانے کا حکم کرنا یہ علاج ہی کا جز تھا۔ اس شخص نے سمجھا کہ مرض اور بڑھ گیا، پس پریشان ہوا، لیکن آپؐ ان کو ہر مرتبہ شہد پلانے کا حکم کرتے رہے، چوں کہ آپؐ کو علم تھا کہ فاسد مادہ نکل کر بالآخر وہ اچھا ہو جائے گا۔ صدق الله ان الفاظ کے ذریعہ آپؐ نے آیت کریمہ فیه شفاء للناس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس واقعہ پر بھی صادق آئے گا، لیکن یہ آیت فیه شفاء للناس اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ شہد ہر مرض کے لئے شفا ہے، چوں کہ "شفاء" نکرہ ہے، آیت کا حاصل یہ ہے کہ بہت سے امراض کے لئے شفا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وحی کے ذریعہ بتا دیا تھا کہ اگر وہ مریض شہد پئے گا تو اس کے پیٹ کو آرام ہو جائے گا اور دست بند ہو جائیں گے، اسی بات کو آپؐ نے اس ارشاد کے ذریعہ بتایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ شہد پینے سے اس کو فائدہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات غیر صحیح نہیں ہو سکتی ہے، لہٰذا مریض کو شہد پلاتے جاؤ اور اس کو یقیناً فائدہ ہوگا۔

کذب بطن اخیك اس جملہ کے ذریعہ آپؐ نے صحت یابی میں تاخیر ہونے کی علت بیان فرمائی ہے کہ مرض کا باقی رہ جانا یہ دوا کا قصور نہیں، بلکہ تیرے بھائی کے پیٹ کا قصور ہے کہ پیٹ میں بہت مادۂ فاسد جمع ہوئے ہیں، اس وجہ سے شہد کی دی ہوئی مقدار کارگر نہیں ہو رہی ہے، مرض کی شدت وخفت کے اعتبار سے دوا کی مقدار میں بھی کم وبیش ہوا کرتا ہے، پس مرض اگر شدید ہو تو قلیل مدت میں دوا کا استعمال مفید نہیں ہوتا ہے، بار بار استعمال کی ضرورت پڑتی ہے، اسی وجہ سے آپؐ نے بار بار شہد پینے کا حکم فرمایا ہے۔

(عون الترمذی، بحوالہ تحفۃ الاحوذی، تکملہ، مظاہر حق)

## حدیث ۱۳۷۶ ﴿بحری قسط کے فوائد﴾ عالمی حدیث: ۴۵۲۲

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَمْثَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ وَالْقُسْطُ الْبَحْرِيُّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۴۹ ج ۲، باب الدواء بالعسل، کتاب الطب، حدیث: ۵۶۸۴، مسلم، ص ۲۲ ج ۲، باب التداوی بسقی العسل، کتاب السلام، حدیث ۲۲۱۷

**حل لغات:** القسط ہندوستان میں پیدا ہونے والی ایک خوشبودار لکڑی جو بطور دوا اور بطور بخور استعمال کی جاتی ہے۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن چیزوں سے تم لوگ علاج کرتے ہو ان سے میں پچھنا لگوانا اور قسط بحری بے مثل علاج ہیں۔ (بخاری، مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں پچھنا لگوانے اور قسط بحری کے ذریعہ علاج کو بہترین علاج بتایا گیا ہے، پچھنا لگوانے سے مخصوص رگوں سے فاسد خون نکل جاتا ہے۔ یہ کام ہر آدمی نہیں کرسکتا ہے بلکہ اس کے لئے ماہر اور تجربہ کار آدمی کی ضرورت ہے۔ قسط بحری ایک جڑی بوٹی ہے، یہ بھی کثیر المنافع ہے، قسط دو طرح کی ہوتی ہے (۱) قسط بحری اس کا رنگ سفید ہوتا ہے (۲) قسط ہندی، اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے، دونوں کی خاصیت گرم وخشک ہے، لیکن بحری قسط، ہندی قسط سے بہتر ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں گرمی کم ہوتی ہے۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** ان امثل مطلب یہ ہے کہ یہ علاج افضل اور بہترین ہے۔ الحجامۃ سینگی کی یہ اہمیت وفضیلت اس بنا پر ہے کہ فساد خون کی وجہ سے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں، جن کو امراض دموی کہتے ہیں، امراض دموی کا سب سے بڑا علاج خون نکلوانا ہے، نیز خون نکلوانے کے دوسرے طریقوں کی بہ نسبت سینگی کو زیادہ پسند اس لئے کیا گیا کہ حجاز کا ملک گرم ہے اور گرم ملک کے باشندوں کے لئے سینگی زیادہ مناسب ہے۔ والقسط البحری یہ ایک لکڑی اور بوٹی ہے جو نبات قسط کی جڑ ہے، اور یہ نبات برصغیر ہند میں پیدا ہوتی ہے، خصوصاً کشمیر میں پائی جاتی ہے، اور یہ دو طرح کی ہوتی ہے ایک کا رنگ سفید ہوتا ہے اور دوسرے کا رنگ سیاہ ہوتا ہے، قدیم زمانہ میں تاجر لوگ ان کو بحری راستے سے جزیرۃ العرب لے جاتے تھے، اس وجہ سے اس کا نام القسط البحری پڑ گیا، جیسا کہ ہندوستان میں پائے جانے کی وجہ سے القسط الهندی، اور العود الهندی کہا جاتا ہے، کبھی سفید رنگ والے کو القسط البحری یا القسط العربی اور سیاہ رنگ والے کو القسط الهندی بولا جاتا ہے اس قسط اور عود کو اردو میں (کوٹ) کہتے ہیں، اطباء نے قسط بحری کے بہت فوائد لکھے ہیں، خصوصاً سینے کے امراض بلغمی امراض اور ریاحی بیماریوں میں یہ بہت مفید ہے۔ (عون الترمذی)

## حدیث ۱۳۷۷ ﴿حلق کی تکلیف کا علاج﴾ عالمی حدیث: ۴۵۲۳

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالْغَمْزِ مِنَ الْعُذْرَةِ وَعَلَيْكُمْ بِالْقُسْطِ

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸٤۹ ج۲، باب الحجامة، كتاب الطب، حديث ٥٦۹٦، مسلم، ص ۲۲ ج۲، باب حل اجرة الحجامة، كتاب المساقاة، حديث ۱٥٧٧

**حل لغات:** الغمز، غَمَزَ (ض) غمزًا الكبش وغیرہ بیدہ دنبے وغیرہ کو ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھنا، دبانا العُذْرَةُ حلق کی تکلیف (ج) عُذَرٌ۔ الغمز دبانا، غَمَزَ (ض) غَمْزًا زِرَّ الجَرسِ گھنٹی کا سوئچ ہاتھ سے دبانا، العذرۃ حلق کی تکلیف (ج) عُذَرٌ۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بچوں کی حلق دبا کران کو تکلیف مت دو، تم پر قسط سے علاج کرنا لازم ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** بچوں کے حلق اور تالو میں ورم وغیرہ آجاتا ہے، تو بسا اوقات عورتیں بچوں کا تالو دباتیں ہیں، جس کی وجہ سے خون نکل آتا ہے، اس عمل سے بچوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ بچوں کو اس انداز سے تکلیف میں مبتلا نہ کرو، بلکہ اس بیماری کا علاج عود ہندی سے کرو۔ مرض بغیر تکلیف کے دور ہوجائے گا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تعذبوا صبيانكم "عذرہ" ایک بیماری ہے جو شیر خوار بچے کو ہوجایا کرتی ہے اور اس کا سبب خون کا ہیجان ہوتا ہے، عام طور پر مائیں یا دائیاں اس کو دفع کرنے کے لئے بچے کے حلق میں انگلی ڈال کر اس کو دباتی ہیں جس میں سے سیاہ خون نکلتا ہے، اور بچے کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقۂ علاج سے منع فرمایا ہے اور دفع مرض کے لئے قسط کو بطور دوا تجویز فرمایا، اس مرض میں قسط کو استعمال کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس کو پانی میں گھول کر کے ناک میں ٹپکایا جائے، یہ محلول ناک کے ذریعہ عذرہ پر پہنچ کر اس کو دور کرے گا، واضح رہے کہ عذرہ کے علاج کے لئے قسط کی تجویز بعض اطباء کے نزدیک حیرانی کا باعث ہے، کیوں کہ ان کے کہنے کے مطابق قسط چوں کہ گرم ہے اور عذرہ بھی گرمی کی وجہ سے ہوتا ہے، خاص طور پر حجاز میں کہ جہاں کی آب وہوا گرم ہے، اس لئے اس بیماری کو قسط سے کیوں کر فائدہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عذرہ کا مادہ اصل میں وہ خون ہوتا ہے جس پر بلغم کا غلبہ ہوتا ہے، گویا عذرہ خون اور بلغم دونوں سے مل کر بنتا ہے، لیکن بلغم زیادہ ہوتا ہے اور خون کم، لہٰذا بلغم کی رطوبت کو قسط کی گرمی جذب کر لیتی ہے، بسا اوقات دوا کا فائدہ بالخاصیت بھی ہوتا ہے، اس اعتبار سے عذرہ میں قسط کا استعمال باعث حیرت نہیں ہونا چاہئے، علاوہ ازیں ایک جواب یہ بھی ہے کہ عذرہ کا علاج قسط کے ذریعہ کرنا اعجاز نبوی کا ایک کرشمہ ہے، جس میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۳۷۸ ﴿ذات الجنب بیماری کا علاج﴾ عالمی حدیث: ٤٥٢٤

وَعَنْ أُمِّ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَا تَدْغَرْنَ أَوْلَادَكُنَّ بِهٰذَا الْعَلَاقِ عَلَيْكُنَّ بِهٰذَا الْعُوْدِ الْهِنْدِيِّ فَإِنَّ فِيهِ سَبْعَةَ أَشْفِيَةٍ مِنْهَا ذَاتُ الْجَنْبِ يُسْعَطُ مِنَ الْعُذْرَةِ وَيُلَدُّ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ:** بخاری، ص ۸٥۱ ج۲، باب اللدود، كتاب الطب، حديث ٥٧۱۳، مسلم، ص ۲۲٧ ج۲، باب التداوى بالعود، كتاب السلام، حديث ۲۲۱٤

**حل لغات:** تدغرن دَغَرَ (ض) دَغْرًا المَرْأةُ الصَّبِيَّ عورت کا بچہ کے حلق میں تالو کو ابھارنے کے لئے انگلی ڈالنا، ایسا حلق میں درد کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ يسعط سَعَطَ (ف) سَعْطًا الدَّواء ناک میں دوا چڑھانا۔ يلد لَدَّہ (ن) لدا المريض بیمار کی زبان ایک طرف کر کے دوسری طرف دوا ڈالنا۔ العلاق عَلِقَ (س) عَلاقًا پکڑنا، چپکنا، العود ہر لکڑی، ایک خوشبودار لکڑی جس سے

دھونی دی جاتی ہے، (ج) اَعْوادٌ وعِیْدَانٌ، ذات الجنب ورم، سینے کی جھلی میں سوزش کی بیماری، جس سے اکثر بخار اور سانس کی دشواری ہوتی ہے، العذرہ حلق کی تکلیف (ج) عُذَرٌ، بلد لَدٌّ (ن) بِاللُّدُوْدِ کسی کے منہ میں زبان کے ایک جانب دواڈالنا۔

**ترجمہ:** حضرت ام قیسؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے بچوں کے یہ گلے کیوں دباتی ہو؟ تم لوگ اس عود ہندی کو استعمال کرو، اس میں سات بیماریوں سے شفا ہے، ان میں سے ذات الجنب کی بیماری بھی ہے، حلق کی تکلیف میں یہ ناک میں ٹپکائی جائے، اورزبان کے ایک کنارے سے دواڈالی جائے ذات الجنب بیماری میں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** ذات الجنب بیماری میں مختلف پریشانیاں پیدا ہوتی ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ ریاح رک جاتی ہے، جس کی وجہ سے پہلو میں درد پیدا ہوتا ہے، اس صورت میں عود ہندی بہت مفید دوا ہے۔ عود ہندی کیا ہے؟ اس کے لئے عالمی حدیث ۴۵۲۲ دیکھیں۔ حلق نہ دبانے کے حوالے سے گزشتہ حدیث دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما تدغرن گزشتہ حدیث دیکھیں، العود الهندی گذشتہ سے پیوستہ حدیث دیکھیں۔ ذات الجنب حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ ذات الجنب کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم ورم کی شکل میں ہوتی ہے، انسان کی پسلیوں کے اندرونی پٹھوں میں ورم آجاتا ہے، جس کی وجہ سے مریض پانچ تکلیفوں میں مبتلا ہوتا ہے، بخار، کھانسی، نخس، (دباؤ) سانس کی تنگی وتکلیف اورنبض منشاری، ذات الجنب کی یہ ایک خطرناک قسم ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا ما كان الله يسلطها علی یعنی اللہ تعالیٰ اس کو مجھ پر مسلط نہ فرمائے۔ ذات الجنب کی دوسری قسم اس درد کی صورت میں ہوتی ہے جو گیس کی وجہ سے آدمی کے پہلو میں اٹھتا ہے، حدیث میں ذات الجنب سے یہی دوسری قسم مراد ہے، اس لئے کہ عود ہندی اسی دوسری قسم کے لئے مفید ہے، کیوں کہ وہ گیس کو دفع کرتا ہے، اور باطنی اعضاء کو تقویت دیتا ہے، البتہ اگر پہلی قسم بلغم کی وجہ سے پیدا ہوتو ایسی صورت میں بھی عود ہندی مفید ہے۔ (فتح الباری، کشف الباری) يسعط من العذرة دواناک میں ٹپکائی جائے حلق کی تکلیف کی وجہ سے۔ سعوط کا کارگر طریقہ یہ ہے کہ مریض اپنی پیٹھ پر لیٹے، پھراس کے دونوں شانوں کے درمیان کوئی چیز رکھی جائے، جس سے وہ اونچا ہوجائے اوراس کا سر نیچا ہوجائے، پھراس کی ناک میں قطرہ قطرہ دوایا تیل ڈالے تاکہ وہ دماغ تک پہنچ جائے اور چھینک کے ساتھ مرض دور ہوجائے۔ ویلد وہ دوا جو مریض کے منھ میں کسی ایک جانب سے ڈالی جاتی ہے۔ (فتح الباری، عون الترمذی)

## حدیث ۱۳۷۹ ﴿بخار کے علاج کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٢٥

وَعَنْ عَائِشَةَ وَرَافِعِ ابْنِ خَدِيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَابْرِدُوْهَا بِالْمَاءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حواله:** بخاری، ص ٤٦٢ ج١، باب صفة النار، كتاب بدء الخلق، حديث ٣٢٦٣، مسلم، ص ٢٢٦ ج٢، باب لكل داء دواء، كتاب السلام، حديث ٢٢١٠

**حل لغات:** الحمی بخار حُمَّ حُمَامًا، بخار میں مبتلا ہوا، فیح گرمی، فَاحَ (ض) فَيْحًا، الحر گرمی کا تیز وسخت ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ اور حضرت رافع بن خدیج روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخار جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے، لہٰذا تم لوگ اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ (بخاری، مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرنے کا حکم ہے، علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اہل حجاز کے ساتھ خاص ہے، یعنی جو ممالک گرم خشک ہیں، اور جہاں دھوپ لگتی ہے، وہاں بخار اتارنے کے لئے پانی میں نہانا

مفید ہے، اور یہ حدیث اگر چہ بظاہر عام ہے، مگر حقیقت میں خاص ہے، جیسے استنجا کرتے وقت آپ ﷺ کا ارشاد شرقوا او غربوا حکم عام نہیں ہے، بلکہ مدینہ اور مدینہ کی جہت والوں کے لئے خاص ہے، اس طرح بخار میں نہانے کا حکم بھی خاص ہے۔ ہمارے ملک کے بعض ڈاکٹر بھی بعض بخاروں میں سر پر اور پاؤں پر برف رکھنے یا کپڑا بھگو کر رکھنے کا علاج بتاتے ہیں، للہذا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ حکم سب بخاروں کے لئے نہیں ہے، خاص بخاروں کے لئے ہے۔ (ملخص تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** الحمی من فیح جھنم بخار جہنم کے جوش سے ہے، بعض علماء نے اس حدیث کو حقیقت پر محمول کیا ہے کہ بخار کی جلن اور بخار کی حرارت دراصل جہنم کی بھانپ کا اثر ہے، جس کو اللہ تعالیٰ اسباب مقتضیہ کے ماتحت ظاہر فرماتے ہیں، تاکہ بندہ اس سے عبرت حاصل کرے، جیسے کہ فرحت ولذت جنت کی نعمت ہیں، دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ظاہر فرمایا تاکہ وہ آخرت کی بے انتہا نعمت پر دلالت کرے۔ بعض حضرات نے اس کو تشبیہ پر محمول کیا ہے کہ ارشاد گرامی کا مقصد بخار کی جلن اور بخار کی حرارت کو دوزخ کی آگ سے تشبیہ دینا ہے کہ بخار دوزخ کی آگ کی تپش کا نمونہ ہے۔ بخار ایک طرح سے گناہ کی سزا ہے، جس کے ذریعہ مومن کو دنیا کی زندگی میں بدلہ دے دیا جاتا ہے، تاکہ وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائے، پس اس اعتبار سے بخار جہنم کے عذاب کا ایک ٹکڑا ہوا۔ حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث سے اس تاویل کی تائید ہوتی ہے، الحمی حظ لکل مومن من النار (بخار جہنم سے مومن کا حصہ ہے) فابردوھا بالماء پانی سے اس کو ٹھنڈا کرو۔ ٹھنڈا کرنے کے لئے پانی استعمال کرنے کے مختلف طریقے ہوسکتے ہیں۔ مثلاً غوطہ لگانا، بدن پر پانی بہانا، پانی چھڑکنا وغیرہ۔ ان میں سے کسی ایک طریقہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین نہیں فرمایا۔ یہ تجربات کے ذریعہ یا ڈاکٹروں سے مشورہ کے ذریعہ متعین کیا جائے۔ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ زمان، مکان، اور عمر کے اختلاف سے ایک ہی مرض کا علاج مختلف ہوا کرتا ہے، فرمان نبوی پانی بخار کے لئے مفید ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن واقعات جزئیہ میں ماہر طبیب کے پاس مراجعت کرنا چاہئے کیوں کہ زمان، مکان اور اشخاص واحوال کے اختلاف سے علاج ومعالج مختلف ہوا کرتا ہے۔ اس حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے کہ فابردوھا بماء زمزم (بخار کو زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرو) پس بعض علماء نے اس مطلق روایت کو مقید روایت پر حمل کیا ہے اور بتایا ہے کہ بخار کا علاج ماء زمزم ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ حافظؒ نے کہا کہ جس حدیث میں ماء زمزم کی قید آئی ہے، وہ خطاب اہل مکہ کے ساتھ خاص ہے، چوں کہ ان کے لئے ماء زمزم بسہولت میسر ہوسکتا ہے، اور اس میں خاص برکت بھی ہے دوسرے پانی میں نہیں ہے۔ اور حدیث باب سب کے لئے عام ہے۔ (تکملہ فتح الملہم، عون الترمذی) صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ پانی کا استعمال جس طرح اغتسال کو شامل ہے اسی طرح پینے کو بھی شامل ہے، اور جس طرح پورے بدن کو شامل ہے اسی طرح بدن کے کسی جزء کو بھی شامل ہے، الہذا کہا جاسکتا ہے کہ حدیث میں سر اور پیشانی پر پانی ڈالنا مراد ہے۔

(مرقات، ص ۳۴۷، ج ۸)

## حدیث ۱۳۸۰ ﴿جھاڑ پھونک کے ذریعہ علاج کی اجازت﴾ عالمی حدیث: ٤٥٢٦

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ وَالْحُمَةِ وَالنَّمْلَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۲۳ ج ۲، باب استحباب الرقیۃ، کتاب الطب، حدیث ۲۱۹۶

**حل لغات:** رخص (تفعیل) اجازت دینا، الرقیۃ تعویذ جس سے بیماری کا علاج کیا جاتا ہے، مؤثر کلام جسے پڑھ کر دم کیا جائے، منتر وغیرہ، (ج) رُقًى، رَقٰى (ض) رَقْيًا ورُقْيَةً المريضَ جھاڑ پھونک کرنا، تعویذ گنڈہ سے علاج کرنا، الحمۃ بچھو وغیرہ کا ڈنک، ڈنک مارنے والے جانور کا زہر، النملۃ چیونٹی (ج) نَمْلٌ ونِمَالٌ۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر بد، ڈنک لگنے، اور پھوڑے پھنسی کے بارے میں جھاڑ پھونک کے ذریعہ علاج کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ (مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امراض میں جھاڑ پھونک کرانا توکل کے منافی نہیں ہے، لہٰذا جن امراض میں جھاڑ پھونک سے شفا ملتی ہے ان میں جھاڑ پھونک کرانا جائز ہے، لیکن جھاڑ پھونک پر بالکلیہ اعتماد بھی نہ کرنا چاہئے کہ جو دعا کی جو کورہ جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** رخص رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الرقية آپؐ نے کفریہ شرکیہ منتروں کی ممانعت فرمائی تھی۔ پھر آپؐ نے قرآنی آیات اور منقول دعاؤں وغیرہ کے ذریعہ جھاڑ پھونک کی اجازت عطا کردی۔ العین نظر بد ایک حقیقت ہے، جس کو بعض حضرات نے زہر سے تعبیر کیا ہے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بچھو کے ڈنک اور سانپ کے منہ میں زہر رکھا ہے، اسی طرح بعض آدمیوں کی آنکھوں میں بھی زہر رکھا ہے، ان کی نظر جس چیز کو لگ جاتی ہے اس کو کھا جاتی ہے، چنانچہ نظر بد کے دفعیہ کے لئے دعا و تعویذ اور جھاڑ پھونک نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کے لئے مختلف دعائیں تعلیم فرمائی ہیں۔ الحمة ڈنک سے مراد زہریلہ ڈنک ہے جیسے بچھو کا ڈنک، سانپ کا ڈسنا بھی اسی حکم میں ہے۔ اگر کسی شخص کو بچھو ڈنک مار دے یا سانپ ڈس لے تو اس کا زہر اتارنے کا بہترین ذریعہ جھاڑ پھونک ہے، اور اس سے مراد وہ جھاڑ پھونک ہے جس میں حصول شفا کے لئے منقول دعائیں اور قرآنی دعائیں پڑھی جاتی ہے۔ النملة "نملہ" اصل میں چیونٹی کو کہتے ہیں لیکن یہاں وہ پھوڑا مراد ہے جو انسان کے پہلو میں ہو جایا کرتا ہے، کبھی یہ پھوڑا چھوٹی چھوٹی پھنسیوں کی صورت میں بھی ہوتا ہے جو پسلی کے اوپر نکلتی ہے، نملہ پھوڑے میں انسان کو ایسا محسوس ہوتا جیسے چیونٹیاں رینگ رہی ہوں اور غالباً اس میں وجہ مناسبت یہ ہوگی کہ وہ پھنسیاں چیونٹیوں کی طرح پھیلی اور بکھری ہوئی ہوتی ہیں۔ واضح رہے کہ جھاڑ پھونک کے ذریعہ ہر مرض کا علاج کرانا جائز ہے۔ اس حدیث میں خاص طور پر ان تین چیزوں کا ذکر محض اس لئے کیا گیا کہ دوسرے امراض کی بہ نسبت ان تینوں میں جھاڑ پھونک کا اثر زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ اس طرح جس روایت میں بطور حصر یہ فرمایا گیا ہے کہ جھاڑ پھونک صرف ان تین چیزوں میں جائز ہے اس کی تاویل بھی یہی ہوگی۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب جن الفاظ و کلمات کے ذریعہ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے ان سے اجتناب کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو جھاڑ پھونک کرنے سے منع فرمادیا تھا پھر ان تین چیزوں میں جھاڑ پھونک کی اہمیت اور لوگوں کو اس سے حاصل ہونے والے فوائد کی بنا پر آپؐ نے ان تینوں چیزوں میں جھاڑ پھونک کرنے کی اجازت دے دی، بشرطیکہ اس منتر میں مشرکانہ الفاظ و کلمات استعمال نہ ہوں۔ یہاں تک کہ بعد میں اس اجازت کو عام کر دیا گیا کہ کسی بھی مرض میں منقول دعاؤں اور قرآنی آیات کے ذریعہ جھاڑ پھونک کی جاسکتی ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپؐ کے پاس آئے اور کہا کہ بسم الله ارقيك من كل داء يؤذيك۔ (مظاہر حق، تکملہ)

## حدیث ۱۳۸۱ ﴿نظر بد کا علاج﴾ عالمی حدیث: ٤٥٢٧

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَرْقِيَ مِنَ الْعَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ٨٥٤ ج ٢، باب رقية العين، كتاب الطب، حديث: ٥٧٣٨، مسلم، ص ٢٢٣ ج ٢، باب استحباب الرقية، كتاب السلام، حديث ٢١٩٥

**حل لغات:** نسترقی (استفعال) اِستَرقیٰ فلانًا کسی سے تعویذ لینا، دم کرنے کو کہنا، العین بدنظری (ج) اَعْیُنٌ و عُیُوْنٌ۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم نظر بد لگ جانے پر دم کرلیا کریں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نظر بد ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، لہٰذا اس کا علاج دم اور جھاڑ پھونک کے ذریعہ کیا جائے، بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے یہاں ایک لڑکی تھی جس کا رنگ زرد تھا، آپؐ نے فرمایا کہ اس کو دم کراؤ، کیوں کہ اس کو نظر بد لگی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نسترقی من العین. نظر بد کا لگ جانا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، بخاری میں روایت ہے کہ العین حق (نظر لگنا برحق ہے) یہ زمانہ جاہلیت کے دوسرے باطل اوہام ونظریات کی طرح کوئی باطل چیز نہیں، بلکہ حق اور ثابت ہے، جس شخص کو نظر لگ جاتی ہے اس کو معیون اور نظر لگانے والے کو عاین کہتے ہیں۔ دیکھنے والا کسی چیز کو پسند کی نگاہ سے دیکھتا ہے، بسا اوقات یہ نگاہ معیون کے حق میں مضر ثابت ہوتی ہے اور اس کے لئے مرض کا ذریعہ بن جاتی ہے، اس میں عموماً دیکھنے والے کا کوئی قصد واختیار نہیں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ والدین کی بھی اپنے بچوں کو نظر لگ جاتی ہے۔

**سوال:** نظر کی وجہ سے فساد اور مرض کیوں پیدا ہوتا ہے؟

**جواب:** دیکھنے والے کی نگاہ سے زہریلی شعائیں نکلتی ہیں وہ جا کر معیون کے جسم میں داخل ہوتی ہیں اور فساد وتخریب کا ذریعہ بنتی ہیں، یہ زہریلی شعائیں بعض میں کم اور بعض میں زیادہ ہوتی ہیں، لیکن بہتر بات یہ ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پیدا کردہ ایک سبب ہے، جس طرح تخریب وفساد اور بگاڑ وخرابی کے دوسرے بہت سارے اسباب ہیں، یہ بھی ان اسباب کی طرح ایک سبب ہے۔

**سوال:** نظر لگنے پر آپؐ نے دم کرانے کا حکم دیا ہے، وہ دم کیا ہے؟

**جواب:** سورہ قلم کی آیت فاجتبٰہ ربہ فجعلہ من الصالحین و ان یکاد الذین کفروا لیذلقونک بابصارھم لما سمعوا الذکر و یقولون انہ لمجنون ۔نظر بد کے لئے بطور دم کے مفید اور مشہور ہے۔ اس کے علاوہ نظر کرنے والا اگر ماشاء اللہ لاحول و لا قوۃ الاباللہ پڑھ لے تو اس کی وجہ سے بھی نظر بد کی تاثیر جاتی رہتی ہے۔ (فتح الباری، کشف الباری)

## حدیث ۱۳۸۲ ﴿جھاڑ پھونک کرانے کی تاکید﴾ عالمی حدیث: ٤٥٢٨

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی فِیْ بَیْتِهَا جَارِیَةً فِیْ وَجْهِهَا سَفْعَةٌ تَعْنِیْ صُفْرَةً فَقَالَ اسْتَرْقُوْا فَاِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ .

**حوالہ:** بخاری، ص ٨٥٤ ج٢، باب رقیة العین، کتاب الطب، حدیث ٥٧٣٩، مسلم، ص ٢٢٣ ج٢، باب استحباب الرقیة منَ العین، کتاب السلام، حدیث ٢١٩٧

**حل لغات:** سفعة زردی سَفِعَ (س) سَفْعًا و سُفْعَةً سرخی مائل سیاہ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک لڑکی کو دیکھا، جس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی، آپؐ نے فرمایا کہ اس کو دم کراؤ، اس لئے کہ اس کو نظر لگی ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہ ہے کہ نظر بد لگنا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، اس کے علاج کے لئے دم اور جھاڑ پھونک کرانا درست ہے۔ البتہ جھاڑ پھونک میں یہ خیال رہے کہ ایسے لوگوں سے کرایا جائے جو قرآن وحدیث یا اللہ کے نام وصفات سے جھاڑ پھونک کرتے ہوں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** جاریۃ اس لڑکی کا کیا نام تھا؟ حافظؒ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ہے، سفعہ زردی اور سیاہی کو کہتے ہیں، آدمی جب کمزور ہو جاتا ہے تو کبھی اسکا رنگ زرد اور کبھی سیاہ ہو جاتا ہے، اصل رنگ باقی نہیں رہتا ہے، اصل رنگ میں واقع ہونیوالی اس زرد یا سیاہ تبدیلی کو سفعہ کہتے ہیں۔ (فتح الباری ص ۲۴۸، ج ۱۰) نظر بد دور کرنیکا ایک طریقہ حدیث میں ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ جسکی نظر لگی ہو وہ اپنے جسم کے بعض حصوں کو دھولے اور اس پانی کو معیون یعنی جس کے نظر لگی ہو اس پر ڈالا جائے، تو نظر بد کا اثر جاتا رہتا ہے، حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کان یؤمر العاین فیتوضأ ثم یغتسل منه المعین، حضرت سہل بن حنفیہ کو حضرت عامر بن ربیعہؓ کی نظر لگ گئی تھی، اور وہ بیمار ہو گئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو انہیں غسل کرنیکا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے اپنا چہرہ ہاتھ، کہنیاں، گھٹنے، پاؤں کے اطراف اور ازار کا اندر کا حصہ ایک ٹب میں دھویا اور وہ پانی حضرت سہل پر ڈالا گیا تو وہ ٹھیک ہو گئے، (کشف الباری)

## حدیث ۱۳۸۳ ﴿بچھو کاٹنے پر دم کرنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٢٩

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرُّقٰى فَجَاءَ آلُ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَانَتْ عِنْدَنَا رُقْيَةٌ نَرْقِيْ بِهَا مِنَ الْعَقْرَبِ وَاَنْتَ نَهَيْتَ عَنِ الرُّقٰى فَعَرَضُوْهَا عَلَيْهِ فَقَالَ مَاۤ اَرٰى بِهَا بَاْسًا مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ٢٢٤ ج ٢، باب استحباب الرقية من العين، كتاب السلام، حديث ٢١٩٩

**حل لغات:** العقرب بچھو (ج) عَقَارِبُ۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دم کرنے سے منع فرمایا، تو آل عمرو بن حزم آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس دم کرنے کے الفاظ ہیں، جن کے ذریعہ ہم بچھو کے کاٹنے پر دم کرتے ہیں، جب کہ آپؐ نے دم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر انہوں نے آپؐ کے سامنے وہ الفاظ پیش کئے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں ان میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، جو شخص تم میں سے اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکے تو وہ فائدہ پہنچائے۔ (احمد، ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** زمانہ جاہلیت میں لوگ کفریہ شرکیہ کلمات کے ذریعہ جھاڑ پھونک کرتے تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا تھا، لیکن آپؐ کے سامنے ایسے کلمات پیش کئے گئے جن کے ذریعہ جھاڑ پھونک کیا جاتا تھا، اور وہ کفریہ کلمات کی آمیزش سے پاک تھے تو آپؐ نے جھاڑ پھونک کی اجازت دے دی۔ معلوم ہوا کہ پہلے ممانعت تھی پھر اجازت مل گئی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرقى پہلے آپؐ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا پھر اجازت دی۔ دم اور جھاڑ پھونک جائز ہے۔ البتہ اس کے جواز کے لئے دو شرطیں ہیں (۱) دم کے الفاظ میں شرکیہ یا موہم شرک، یا مجہول المعنی کوئی لفظ نہ ہو۔ (۲) دم کو مؤثر بالذات اور سبب حقیقی نہ سمجھا جائے۔ جہاں آپؐ نے دم سے منع فرمایا ہے وہاں ان ہی دونوں میں سے کوئی خرابی رہی ہے، یا تو اس دم کے الفاظ شرکیہ رہے ہیں، یا لوگ دم کو موثر حقیقی سمجھتے رہے ہیں۔

**تعویذ کا حکم:** دم اور جھاڑ پھونک تو ذکر کردہ شرائط کے ساتھ بالاتفاق جائز ہے، البتہ تعویز کے سلسلے میں بعض حضرات کہتے ہیں کہ جائز نہیں وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الرقى و التمائم و التولة شرك تمائم تمیمۃ کی جمع ہے تعویذ کو کہتے ہیں۔ جسے اس حدیث میں شرک کہا ہے، لیکن جمہور علماء کے نزدیک تعویذ لکھنا اور باندھنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ شرکیہ موہم شرک اور مہمل غیر معلوم المعنی الفاظ پر مشتمل نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں رقی اور تمائم کو جو شرک کہا ہے اس سے وہی دم اور تعویذ مراد ہیں جو الفاظ شرکیہ پر مشتمل ہوں اور یا اس کو کوئی موثر حقیقی سمجھتا ہو۔ صحابہ کرام میں سے حضرت

عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے تعویذ کا ثبوت ملتا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے عمرو بن شعیب کے طریق سے حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت نقل کی ہے کہ جو شخص خواب میں ڈرتا ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا کہ وہ یہ کلمات پڑھ لیا کرے۔ بسم اللہ اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبه، و سوء عقابه و من شر عباده و من شر الشیاطین و ان یحضرون۔ روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے بچوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے، لیکن جو بچے سیکھنے کے قابل نہ ہوتے تو یہ کلمات لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ دردزہ میں مبتلا عورت کے لئے ان کلمات کو مفید سمجھتے تھے۔ بسم اللہ لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم، سبحان اللہ رب العرش العظیم، الحمدللہ رب العالمین کانهم یوم یرونها لم یلبثوا الا عشیة او ضحها کانهم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعة من نهار بلاغ فهل یهلك الا القوم الفاسقون آگے کی روایت میں ہے کہ ان کلمات کو پکی سیاہ روشنائی سے لکھ کر عورت کو پلایا جائے یا وہ دم کردہ پانی "ماتحت السره" چھڑکا جائے یا تعویذ بنا کر عورت کی ران پر باندھ لیا جائے۔ راوی علی بن الحسن فرماتے ہیں کہ ہمیں اس سے بڑھ کر نافع چیز نہیں ملی۔ تابعین میں سے مجاہد، محمد بن سیرین، عبداللہ بن عمر، ضحاک اور حضرت سعید بن المسیب رحمہم اللہ سے تعویذات کا جواز منقول ہے، علامہ ابن تیمیہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں تعویذات کے جواز کی تصریح فرمائی ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ، ص ۶۴، ج ۱۹)

**عملیات کا حکم:** دم، منتر اور تعویذات ذکر کردہ شرائط کے ساتھ جائز ہیں۔ یہی حکم عام عملیات کا ہے، مختلف کلمات، مختلف وظائف کو لوگ بعض مخصوص تعداد اور مخصوص پابندیوں کے ساتھ پڑھتے ہیں، شرعاً ایسے عملیات کا حکم یہی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی شرکیہ اور مبہم لفظ نہ ہو تو جائز ہے۔ اصل میں لوگوں کے اپنے اپنے تجربات ہوتے ہیں، کسی نے خاص غرض کے لئے کوئی کلمہ ایک لاکھ مرتبہ رات کے وقت پڑھ لیا اور اس کا کام ہو گیا، اس نے پھر تجربہ کیا اور کامیاب رہا، اس طرح وہ شخص اس کو باقاعدہ ایک وظیفے اور ایک عمل کی شکل دے دیتا ہے، اسے کوئی شرعی حکم نہ سمجھنا چاہئے، یہ ٹھیک ہے، اسی طرح ہے کہ جس طرح مختلف جڑی بوٹیوں کی تاثیر لوگوں نے تجربات کرکے معلوم کی ہیں اور مختلف امراض میں ان کا انفراداً یا ترکیباً مفید رہتا ہے، یہی صورت جائز غیر ماثور عملیات کی ہے کہ وہ لوگوں کے اپنے تجربات کا نتیجہ ہوتی ہے، لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ عملیات سے کوئی قطعی حکم ثابت نہیں ہوتا مثلاً بعض لوگ چور معلوم کرنے کے لئے عمل کرتے ہیں، تو صرف اس عمل کی وجہ سے کسی شخص کو واقعتاً چور سمجھ لینا اور اس پر چوری کے احکام لاگو کرنا جائز نہیں۔ (کشف الباری)

## حدیث ۱۳۸۴ ﴿آپ نے منتر سن کر اس کے پڑھنے کی اجازت دی﴾ عالمی حدیث: ٤٥٣٠

وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكِ نِ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا نَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ ذَالِكَ فَقَالَ اعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ٢٢٤ ج ٢، باب استحباب الرقية من العين، كتاب الطب، حديث ٢١٩٩

**ترجمہ:** حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت کے اندر ہم دم کیا کرتے تھے، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے دم کے الفاظ میرے سامنے پیش کرو، اس دم کے الفاظ میں کوئی حرج نہیں ہے، جس میں شرک نہ ہو۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ ان کلمات سے جھاڑ پھونک کرنا جائز ہے جو شرکیہ نہ ہوں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نرقی فی الجاهلیة ہم لوگ زمانہ جاہلیت یعنی کفر کی زندگی میں خوب منتر پڑھ کر جھاڑ پھونک کرتے تھے، اب اسلام میں داخل ہو گئے ہیں تو کیا اسلام میں اس عمل کی گنجائش ہے؟ اعرضوا

علی اپنے منتر مجھ پر پیش کرو، میں اس کو سن کر اور سمجھ کر فیصلہ کروں گا کہ اس کی گنجائش ہے کہ نہیں۔ لا باس بالرقی مالم یکن فیہ شرک سر دست تو ضابطہ یہ ہے کہ جس منتر میں شرکیہ کلمات نہ ہوں اس میں کوئی حرج نہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ منتر جن میں شیاطین سے استعانت ہو وہ حرام ہیں اور جن میں اللہ تعالیٰ کے نام سے یا آیات قرآنیہ سے استعانت ہو وہ جائز ہیں۔ (مزید کے لئے گزشتہ حدیث دیکھیں)

## حدیث ۱۳۸۵ ﴿نظر بد کا اثر ہوتا ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٥٣١

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَيْنُ حَقٌّ فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوْا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

**حوالہ:** مسلم، ص ٢٢٤ ج٢، باب الطب والمرض والرقی، کتاب السلام، حدیث: ٢١٨٨

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر لگنا حقیقت ہے، اگر تقدیر پر کوئی چیز سبقت لے جانے والی ہوتی تو وہ نظر ہوتی، اور جب تم سے اعضاء دھونے کے لئے کہا جائے تو تم دھولیا کرو۔ (مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نظر بد کا اثر ایک زندہ جاوید حقیقت ہے، اور یہ نہایت موثر چیز ہے، اس کے علاج کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس کو نظر لگی ہے وہ اپنے بدن کو ایک برتن میں دھولے پھر وہ پانی مریض پر ڈالا جائے تو اس کو شفا ہوگی۔ بعض لوگ اپنی بدنامی کے ڈر سے بدن دھونے میں شرم محسوس کرتے تھے لہٰذا آپؐ نے حکم دیا کہ نہانے کے لئے کہا جائے تو نہالو۔

**کلمات حدیث کی تشریح** العین حق نظر بد کا اثر سچ ہے، نظر بد کا اثر ایک مسلم حقیقت ہے، جو تقدیر الٰہی سے متعلق ہے، حق تعالیٰ نے سحر و جادو کی طرح بعضوں کی نظر میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ جس چیز کو لگ جاتی ہے اس کی ہلاکت و تباہی اور نقصان کا ذریعہ بن جاتی ہے، جمہور علماء اہل حق کا مسلک یہی ہے، معتزلہ اس کے منکر ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ جس چیز کا وقوع پذیر ہونا مقدر میں لکھ دیا گیا ہو، اس میں اور کسی چیز کا دخل نہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ تقدیر کے لکھے کو کوئی چیز متغیر نہیں کر سکتی، لیکن وہ لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے کہ تقدیر عالم اسباب کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتی چنانچہ نظر میں تاثیر اور سببیت اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اس طرح کی خاصیت رکھ دی ہے کہ وہ ہلاکت و نقصان کا سبب بن جائے، علاوہ ازیں علماء اہل حق کی دلیل یہ ارشاد گرامی العین حق ہے، جب شارع نے واضح کر دیا کہ نظر کی تاثیر حق ہے، تو اس کا اعتقاد رکھنا واجب اور ضروری ہے۔

لو کان شیء سابق القدر مطلب یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا مرکز اور منبع تقدیر الٰہی ہے کوئی چیز بھی تقدیر کے دائرے سے نکلنے کی طاقت نہیں رکھتی، اگر بالفرض کوئی چیز ایسی طاقت رکھ سکتی کہ وہ تقدیر کے دائرے کو توڑ کر نکل جائے تو وہ نظر بد ہوتی کہ وہ تقدیر کو پلٹ دیتی ہے اور اس پر غالب آجاتی ہے، گویا یہ بات نظر بد کی تاثیر اور اس کے سرعت نفوذ کو مبالغہ کے طور پر بیان کرنے کے لئے فرمائی گئی ہے۔

اذا استغسلتم فاغسلوا اس وقت عرب میں یہ دستور تھا کہ جس شخص کو نظر بد لگتی اس کے ہاتھ پاؤں اور زیر ناف کے حصے کو دھو کر وہ پانی اس شخص پر ڈالتے تھے جس کو نظر لگتی تھی، اور اس چیز کو شفاء کا ذریعہ سمجھتے تھے، اس کا سب سے ادنیٰ فائدہ یہ ہوتا تھا کہ اس کے ذریعہ سے مریض واہم دور ہو جاتا تھا، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی اور فرمایا کہ اگر تمہاری نظر کسی کو لگ جائے اور تم سے تمہارے اعضاء دھو کر مریض پر ڈالنے کا مطالبہ کیا جائے تو اس کو منظور کر لو۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ علماء کے نزدیک ایک نظر زدہ کے لئے نظر لگانے والے کے وضو کی صورت یہ ہے کہ جس شخص کے

بارے میں یہ تحقیق ہو کہ اس نے نظر لگائی ہے اس کے سامنے کسی برتن وغیرہ میں پانی لایا جائے اور اس برتن کو زمین پر نہ رکھا جائے پھر نظر لگانے والا اس برتن میں سے ایک چلو پانی لے کر کلی کرے اور اس کلی کو اسی برتن میں ڈال دے، پھر اس میں سے پانی لے کر اپنا منھ دھوئے پھر بائیں ہاتھ میں پانی لے کر دائیں کہنی اور دائیں ہاتھ میں پانی لے کر بائیں کہنی دھوئے اور ہتھیلی اور کہنی کے درمیان جو جگہ ہے اس کو نہ دھوئے پھر داہنا پیر اور پھر اس کے بعد بائیاں پیر دھوئے پھر اسی طرح پہلے داہنا گھٹنا اور بعد میں بایاں گھٹنا دھوئے اور پھر آخر میں تہبند کے اندر زیر ناف جسم کو دھوئے اور ان سب اعضاء کو اسی برتن میں دھویا جائے ان سب کو دھونے کے بعد اس پانی کو نظر زدہ کے اوپر اس کی پشت کی طرف سے سر پر ڈال کر بہادے۔

واضح ہو کہ اس طرح کا علاج اسرار و حکم سے تعلق رکھتا ہے، جو عقل و سمجھ کی رسائی سے باہر کی چیز ہے، لہٰذا اس بارے میں عقلی بحث کرنا لاحاصل ہے۔ ابن قیمؒ نے کہا کہ اس طریقہ کے بارے میں جس کو شک ہو یا جو اس کا مذاق اڑائے اس کے لئے یہ طریقہ فائدہ مند نہیں ہوگا۔ ماذریؒ نے کہا کہ مذکورہ اعضاء جسم کو دھونے کا حکم وجوب کے طور پر ہے، لہٰذا نظر لگانے والے کو اس بات پر مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ نظر زدہ کے لئے مذکورہ وضو کرے، نیز انہوں نے کہا کہ اس حکم کی خلاف ورزی کرنا انسانیت سے بعید ہے خاص طور سے اس صورت میں جب کہ نظر زدہ کے ہلاک ہونے کا خوف ہو، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں جو شخص نظر لگانے کے بارے میں مشہور و معروف ہو جائے تو اس سے اجتناب کرنا اور اس کے سامنے آنے میں احتیاط کرنا لازم ہے اور امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کو لوگوں میں آنے جانے سے روک دے اور اس پر پابندی عائد کردے کہ وہ اپنے گھر ہی میں رہا کرے اور اگر وہ شخص محتاج ہو تو بیت المال سے اس کے لئے بقدر کفایت وظیفہ مقرر کردے، تاکہ وہ گذر اوقات کر سکے۔ (تحفۃ الاحوذی، مظاہر حق)

علامہ ابن قیمؒ نے کہا کہ نظر زدہ کے لئے ہاتھ منھ کا دھونا عقل سلیم کے منافی نہیں ہے، چوں کہ بدنظری ایک آگ ہے، پس آگ کو بجھانے کے لئے غسل مناسب علاج ہے، انہوں نے فرمایا کہ بدنظری میں غسل اس وقت فائدہ مند ہوتا ہے جب کہ بدنظری مستحکم ہو جائے ورنہ اول وہلہ میں کسی کو کوئی چیز پسند آجانے پر ماشاء الله لا قوة الا بالله کہہ دینے سے نظر بد نہیں لگتی۔

علامہ قرطبیؒ نے کہا کہ اگر نظر لگانے والا کسی چیز کو نظر بد کے ذریعہ ہلاک کردے تو اس پر ضمان واجب ہے، اور اگر نظر بد سے کسی شخص کو قتل کردے تو اس پر قصاص یا دیت واجب ہے، جب کہ ایسا کرنا اس شخص کی عادت بن جائے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ شوافع قصاص لینے سے منع کرتے ہیں۔ نوویؒ نے کہا اس صورت میں دیت یا کفارہ کوئی چیز واجب نہیں ہوگی اور یہی قول صحیح ہے، کیوں کہ عاین سے کوئی فعل جنایت صادر نہیں ہوا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے حسد کیا اور زوال نعمت کی تمنا کی، علاوہ ازیں بعض وقت بغیر حسد کے صرف اعجاب و پسندیدگی کے ذریعہ بھی نظر بد لگ جاتی ہے اگرچہ مخلص دوست یا دیندار صالح شخص کی طرف سے ہو، پس اس میں جنایت کا قصد بھی متحقق نہیں ہوا جس پر عقوبات مترتب ہوں۔ واللہ اعلم۔ (تکملہ، فتح الملہم۔ عون الترمذی)

## الفصل الثانی

### حدیث ۱۳۸۶ ﴿بیماری کا علاج کرانے کا حکم﴾ عالمی حدیث: ٤٥٣٢

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَنَتَدَاوٰى قَالَ نَعَمْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ اَلْهَرَمُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ .

**حواله:** احمد، ص۲۷۸، ج٤، ترمذی ص ج۲، باب ماجاء فی الدواء کتاب الطب حدیث ۲۰۳۸، ابو داود ص ج۲، باب فی الرجل یتداوی، کتاب الطب، حدیث ۳۸۵۵

**حل لغات:** الھرم انتہائی بوڑھا جو عمر کی آخری منزل کو پہنچ گیا ہو، ھَرِمَ (س) ھَرَمًا، الرجل بڑھاپے کی آخری منزل کو پہنچنا۔

**ترجمہ:** حضرت اسامہ بن شریکؓ کا بیان ہے کہ لوگ عرض گذار ہوئے اے اللہ کے رسول! کیا ہم علاج کروایا کریں؟ فرمایا ہاں اے اللہ کے بندو! علاج کروایا کرو۔ اس لئے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں رکھی مگر اس کی شفا بھی مقرر فرمائی ہے۔ سوائے بڑھاپے کی بیماری کے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** دنیا دار الاسباب ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا سبب بنایا ہے، پس بیماری کے لئے بھی اسباب پیدا کئے ہیں، اور شفاء کے لئے بھی اسباب بنائے ہیں۔ پھر جو اسباب ظاہری ہیں ان کو اختیار کرنا مامور بہ ہے، لہٰذا بیماری کا علاج کرانا بھی مسنون ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** تداووا آپؐ نے علاج و معالجہ کی تاکید فرمائی، معلوم ہوا کہ مرض کا علاج مسنون ہے، جمہور سلف کا یہی مسلک ہے، بعض غالی صوفیاء علاج کو توکل کے خلاف سمجھتے ہیں، یہ حدیث ان کے نظریہ کی تردید کرتی ہے۔ الھرم یہاں بڑھاپے سے موت مراد ہے۔ بڑھاپا موت کی تمہید ہے، اور موت وہ بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۴۵۱۴-۴۵۱۵ دیکھیں)

## حدیث ۱۳۸۷ ﴿مریض کو زبردستی کھلانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث: ٤٥٣٣

وَعَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيْهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَاحَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ٢٤ ج٢، باب ما جاء لا تکرھوا مرضاکم، کتاب الطب، حدیث: ٢٠٤٠، ابن ماجه، ص٢٤٦ باب لا تکرھوا مرضاکم، کتاب الطب، حدیث ٣٤٤٤

**ترجمہ:** حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مریضوں کو کھانے پر مجبور مت کیا کرو، اس لئے کہ ان کو اللہ کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** مریض کو اللہ تعالیٰ وہ قوت عطا کر دیتا ہے کہ بغیر کھانے کے اس کا گذر ہو سکتا ہے، لہٰذا اس کو زبردستی نہ کھلانا چاہئے، اور انہیں نہ کھلانے سے ضعف لاحق نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کا مداوا کر دیتے ہیں اور اگر شدید ناگواری کی حالت میں زبردستی کھلایا جائے تو اس کی طبیعت کھانے کے نظم و انتظام کی طرف متوجہ ہوگی اور وہ مرض کا دفاع اور مقابلہ نہ کر سکے گا۔ مگر دو کیفیتوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ (۱) مریض کو بھوک تو ہے، مگر کھانے کو جی نہیں چاہتا اس حالت میں اس کو حریرہ دینا چاہئے (۲) مریض بالکل کھانا ہی نہیں چاہتا، کیوں کہ اس کو بھوک ہی نہیں، ایسی حالت میں زبردستی نہیں کھلانا چاہئے۔ (تحفۃ الالمعی، مرقات)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تکرھوا مرضاکم علی الطعام مریض کو زبردستی نہ کھلاؤ پلاؤ، کیوں کہ یہ فائدہ کے بجائے نقصان کا سبب بنتا ہے۔ ان اللہ یطعمھم و یسقیھم اللہ تعالیٰ مریض کو کھلاتے پلاتے ہیں۔ یعنی ایسی چیز سے ان کی مدد فرماتے ہیں جو کھانے پینے کے قائم مقام ہوتی ہے۔ اور بغیر کھائے پئے بھی ان میں زندگی کی حرارت باقی رہتی ہے کیوں کہ زندگی کا انحصار کھانے پینے پر نہیں بلکہ قدرت الٰہی پر موقوف ہے۔ (مرقات)

## حدیث ۱۳۸۸ ﴿سرخ پھنسیوں کا علاج﴾ عالمی حدیث: ٤٥٣٤

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَوٰى اَسْعَدَ بْنَ زُرَارَةَ مِنَ الشَّوْكَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا

حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ .

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۵ ج ۲، باب ما جاء فی الرخصة فی ذلک، کتاب الطب، حدیث ۲۰۵۰

**حل لغات:** الشوکة منہ اور بدن پر نکلنے والی تکلیف دہ سرخ پھنسی، (ج) اَشْوَاکٌ ۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسعد بن زرارہ کو سرخ پھنسی والی بیماری کی وجہ سے داغا۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت اسعدؓ کے جسم کے کسی حصہ کو پھنسی کی مخصوص بیماری کی وجہ سے داغا گیا، معلوم ہوا کہ داغنے کی اگرچہ ممانعت ہے، لیکن مخصوص حالت میں داغنے کی اجازت ہے۔ اگر داغنے کے علاوہ کوئی علاج میسر نہ ہو تو داغنے میں کوئی حرج نہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من الشوکة بدن پر تکلیف دہ سرخ پھنسیاں ہوگئی تھیں، اردو میں اس کو سرخ بادہ کہتے ہیں، اس مرض کا علاج داغنا ہی تھا، لہٰذا آپؐ نے خود داغا یا کسی کو داغنے کا حکم دیا۔ داغنے کا علاج خطرناک ہے۔ لیکن جب کوئی علاج نہ ہو تو اس کو اختیار کیا جائے۔ داغنے کے حوالے سے دیکھیں عالمی حدیث: ۴۵۱۶ تا ۴۵۱۹

## حدیث ۱۳۸۹ ﴿زیتون سے علاج کرنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ۴۵۳۵

وَعَنْ زَيْدِابْنِ اَرْقَمَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَدَاوٰى مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِيِّ وَالزَّيْتِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۸، ج ۲، باب ما جاء فی دواء ذات الجنب، کتاب الطب، حدیث ۲۰۷۹

**ترجمہ:** حضرت زید بن ارقمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم "ذات الجنب" بیماری کا علاج قسط بحری اور زیتون سے کریں۔ (ترمذی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں ذات الجنب بیماری اور اس کے علاج کا ذکر ہے۔ ذات الجنب بیماری میں بسا اوقات سینے پر ورم آجاتا ہے اور کبھی پہلو وغیرہ میں ریاحی تکلیف ہو جاتی ہے، اس کے لئے قسط بحری جو کہ ایک جڑی بوٹی ہے اور زیتون مشہور تیل کا استعمال مفید اور شفا بخش ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** امرنا آپؐ نے دوا علاج کی تاکید کی۔ معلوم ہوا کہ علاج کرانا مسنون ہے، اور یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔ مزید کے لئے دیکھیں ۴۵۱۵ ذات الجنب یہ نمونیا بیماری کہلاتی ہے، اس میں پھیپھڑے کی جھلی میں ورم آجاتا ہے، پھر جھلی اور پھیپھڑے کے درمیان پانی کا ترشح ہونے لگتا ہے، یہ بھی ذات الجنب ہے اور یہی دق ہے پھر پھیپھڑے پر زخم ہو جاتا ہے یہ سل ہے، جس کو ٹی بی کہتے ہیں، ذات الجنب خطرناک بیماری ہے، اس میں پہلو میں سخت درد ہوتا ہے اس لئے اس بیماری میں دوا بھی کھلائی جاتی ہے، اور لیپ بھی کیا جاتا ہے۔ (تحفۃ الالمعی) مزید کے لئے دیکھیں عالمی حدیث: ۴۵۲۲

## حدیث ۱۳۹۰ ﴿ورس سے علاج کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ۴۵۳۶

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْعَتُ الزَّيْتَ وَالْوَرْسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۸ ج ۲، باب ما جاء فی دواء ذات الجنب، کتاب الطب، حدیث ۲۰۷۸

**ترجمہ:** حضرت زید بن ارقمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات الجنب بیماری کے علاج کے لئے زیتون اور ورس کی

تعریف فرماتے تھے۔(ترمذی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ورس جو کہ ایک قسم کی گھاس ہے، اور زیتون کے تیل دونوں کو ملا کر نمونیا کی بیماری میں مبتلا شخص کے منہ میں ڈالا جائے تو اسکو شفا ملے گی، کیونکہ آپؐ نے تعریف کی ہے۔لہٰذا شفا کی امید یقینی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الـــورس، ایک قسم کا پودا ہے، عموماً رنگائی کے کام آتا ہے، خضاب میں مہندی کیساتھ اسکے پتے بھی ملائے جاتے ہیں، ورس کے پتے زیتون کے تیل کیساتھ پیس لئے جائیں، پھر وہ دوا گوشۂ فم میں ڈالی جائے، اور اس جانب سے ڈالی جائے جس طرف درد ہے۔حضرت گنگوہی کی رائے کے مطابق لیپ کرنا مفید ہے۔(تلخیص تحفۃ الالمعی)

## حدیث ۱۲۹۱ ﴿جلاب لینے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٣٧

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهَا بِمَ تَسْتَمْشِيْنَ قَالَتْ بِالشُّبْرُمِ قَالَ حَارٌّ حَارٌّ قَالَتْ ثُمَّ اسْتَمْشَيْتُ بِالسَّنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيْهِ الشِّفَاءُ مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِي السَّنَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ .

**حوالہ:** ترمذی، ص۲۸ ج۲، باب ما جاء فی السناء، کتاب الطب، حدیث ۸۱، ابن ماجه، ص۲۴۷ باب دواء المشی، کتاب الطب، حدیث ۳۴۶۱

**حل لغات:** تستمشین (استفعال) استمشی فلانٌ مسہل ودست آور دوا پینا، جلاب لینا، الشبرم ایک گھاس جو کہ دست آور ہوتی ہے، السنا ایک بوٹی، یہ حجاز میں زیادہ بہتر ہوتی ہے۔

**ترجمہ:** حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کس چیز سے جلاب لیتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ شبرم سے۔آپؐ نے فرمایا کہ گرم ہے گرم ہے، انہوں نے عرض کیا میں سناء سے جلاب لیتی ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی چیز میں موت سے شفا ہوتی تو وہ سنا بوٹی میں ہوتی۔(ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دست لانے کے لئے سناء بہترین دوا ہے، اور اس کے علاوہ بھی اس میں بہت فوائد ہیں۔شبرم بوٹی بھی دست آور ہے، لیکن یہ نہایت گرم ہونے کی وجہ سے ضرر رساں ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ سناء دوا کا استعمال کیا جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** بــمـا تستمشین　کس چیز سے جلاب لیتی ہو؟ معلوم ہوا کہ کبھی کبھی جلاب لیتے رہنا چاہئے، یہ صحت کے لئے مفید ہے۔دیکھیں عالمی حدیث: ۴۵۱۶، الشبرم　چنے کی طرح کا ایک دانہ ہے اس کا مزاج نہایت گرم ہوتا ہے، اس کے نہایت گرم ہونے اور اسہال کے لئے غیر مفید ہونے کو بیان کرنے کے لئے آپ نے تکرار کے ساتھ "حار" کا ذکر کیا۔السناء ایک جڑی بوٹی ہے اس کے پتے مہندی کے پتوں کی طرح اور پھول جنگلی نیل کے مانند ہوتے ہیں۔اس کا مزاج گرم خشک ہے، یہ اسہال کے لئے بہت مفید دوا ہے۔لو ان شیئا کان فیه الشفاء من الموت اگر کوئی ایسی چیز ہوتی جس میں موت کا علاج ہوتا تو وہ سنا ہی میں ہوتا، مقصد یہ ہے کہ سناء میں بہت فوائد ہیں۔موت کا علاج کسی چیز میں نہیں ہے، اگر ہوتا تو اسی میں ہوتا۔اس میں سنا کی آپ نے تعریف فرمائی ہے۔(تحفۃ الاحوذی، مرقات)

## حدیث ۱۲۹۲ ﴿حرام چیزوں سے علاج نہ کرنے کا حکم﴾ عالمی حدیث: ٤٥٣٨

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ

دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۴۱ ج ۲، باب فی الادویة المکروهة، کتاب الطب، حدیث ۳۸۷۰

**ترجمہ:** حضرت ابودرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بیماری اور علاج دونوں کو نازل فرمایا ہے، اور ہر بیماری کا علاج رکھا ہے، لہٰذا تم لوگ علاج کیا کرو، لیکن حرام چیزوں کے ساتھ علاج مت کرو۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جتنے بھی امراض ہیں سب کا علاج اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، جب مرض کے مطابق علاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفا بھی مقدر ہوتی ہے تو شفا مل جاتی ہے، اور اگر شفا مقدر نہیں ہوتی تو یا تو علاج نہیں ہو پاتا یا علاج سے شفا نہیں مل پاتی ہے۔ انسان کو امراض کا علاج کرانا چاہئے یہی مسنون طریقہ ہے، البتہ حرام چیزوں مثلاً شراب، یا خنزیر کے گوشت وغیرہ سے علاج نہ کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان الله انزل الداء و الدواء اللہ تعالیٰ نے مرض کے ساتھ دوا بھی اتاری ہے۔ اس میں دوا علاج کرنے کی ترغیب ہے، کیوں کہ یہ ایک نعمت ہے، لہٰذا اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۵۱۴-۴۵۱۵ دیکھیں۔ و لا تداووا بحرام نجس اور حرام چیزوں سے علاج کرنے سے آپ نے منع فرمایا۔ بخاری میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں شفا نہیں رکھی ہے جنہیں تم پر حرام کیا ہے۔

**شراب دوا نہیں مرض ہے:** صحیح مسلم میں طارق بن سوید جعفیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق دریافت کیا۔ تو انھوں نے اس سے منع فرمایا، یا اس کے بنانے پر کراہت ظاہر فرمائی۔ انھوں نے عرض کیا میں تو دوا کے لئے بناتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا یہ دوا نہیں بلکہ مرض ہے۔ اور سنن میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوائیں ڈالنے کے لئے شراب کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا یہ مرض ہے۔ علاج نہیں۔ یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اور سنن نسائی میں منقول ہے کہ ایک طبیب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں دوا کے لئے مینڈھک کا ذکر کیا۔ تو آپؐ نے اسے ہلاک کرنے سے منع فرمایا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا جس نے شراب سے علاج کیا اسے اللہ شفا نہ دے۔ محرمات سے علاج کرنا عقل وشرع ہر لحاظ سے قبیح فعل ہے۔ شریعت کا خیال تو ہم نے احادیث وغیرہ میں ذکر کر دیا ہے۔ اور عقل کے لحاظ سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ خدائے بزرگ و برتر نے خبث کے باعث انہیں حرام کیا ہے، کیوں کہ اس امت پر سزا کے طور پر کوئی طیب چیز حرام نہیں کی گئی جیسے کہ بنی اسرائیل پر حرام کی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فبظلم من الذین هادوا حرمنا علیهم طیبات احلت لهم یعنی ہم نے ان کے ظلم کی وجہ سے جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کر دیں ان پر پاک (چیزیں) جو حلال کی گئیں ان کے لئے۔

**جو چیزیں حرام ہیں ان کی بنیاد خبث ہے:** اس وقت امت (مسلمہ) پر جو چیز بھی حرام ہے وہ محض خبث کی وجہ سے حرام ہوئی تا کہ اس کے خبث سے پرہیز کر کے (مرض) سے بچاؤ حاصل کیا جائے، اس لئے امراض سے شفا نہیں مل سکتی اور اگر قوت (تیزی) کے اثر سے مرض کا ازالہ بھی کر دے پھر بھی خبث کے باعث قلب میں اس سے بھی زیادہ خطرناک مرض پیدا کرے گی اور ام الخبائث (یعنی شراب) میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ذرہ بھر بھی شفا نہیں رکھتی کیوں کہ یہ دماغ کے لئے شدید ترین ضرر رساں ہے، جو اطباء فقہاء اور متکلمین سب کے نزدیک عقل ودانش کا مرکز ہے۔

**شراب کے بارے میں بقراط کی رائے:** بقراط نے امراض حادہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شراب دماغ کے لئے سخت ترین نقصان دہ ہے۔ کیوں کہ یہ تیزی کے ساتھ اوپری جانب چڑھ جاتی ہے اور اس کے ارتفاع کے ساتھ ساتھ بدنی

(فاسد) اخلاط بھی چڑھ جاتی ہے۔ اس طرح وہ ذہن کے لئے بھی مضر ہے اور صاحب کامل نے لکھا ہے کہ شراب کی خاصیت دماغ اور اعصاب کو ضرر دینا ہے۔

**نوٹ:** حرام چیزوں سے کوئی شبہ نہیں احتیاط کامل اور مکمل پرہیز لازم ہے اور ان سے پرہیز واجتناب ایمان کی علامت ہے، اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اس طرح کے احکام ومسائل سے دو طرح کے اشخاص کو سابقہ پڑتا ہے ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو صاحب عزیمت ہیں، یہ اتنے باعزم اور باحوصلہ ہوتے ہیں کہ ماتھے پر شکن لائے بغیر احکام واوامر الٰہی کی تعمیل ہر حالت میں کرتے ہیں، خواہ جان ہی کیوں نہ چلی جائے، خواہ کیسے ہی مصائب کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو صاحب رخصت ہوتے ہیں یعنی ان کا عزم وحوصلہ کمزور ہوتا ہے، لہٰذا انہیں صاحب عزیمت لوگوں کے مقابلے میں سہولت وآسانی حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً مردار کا کھانا شراب کی طرح حرام ہے، لیکن اگر کئی فاقوں کے بعد آدمی جان بچانے کے لئے کھالے تو جائز ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فمن اضطر غیر باغ ولا عاد یعنی جو شخص سرکشی اور بغاوت کے مرتکب ہوئے بغیر جان بچانے کے لئے ایسا کر گذرے تو اس پر گناہ نہیں یہی صورت شراب کی ہے۔ یعنی جان بچانے کی غرض سے استعمال کرنے میں گناہ نہیں ہے۔ (زاد المعاد)

## حدیث ۱۳۹۳ ﴿ناپاک دوا کی ممانعت﴾ عالمی حدیث: ٤٥٣٩

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِیْثِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ .

**حوالہ:** احمد، ص ۳۰۵، ج۲، ابوداود، ص ٥٤١ ج۲، باب فی الادویة المکروهة، کتاب الطب، حدیث: ۳۸۷۰، ترمذی، ص ۲٤ ج۲، باب ما جاء فی کراهیة التداوی بالمسکر، کتاب الطب، حدیث: ۲۰٤٥، ابن ماجه، ص ۲٤۷ باب النهی عن الدواء الخبیث، کتاب الطب، حدیث ۳٤٥۹

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپاک دوا کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔

(احمد، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس دوا میں ناپاک ونجس چیز ملی ہو اس کو استعمال کرنا منع ہے، کیوں کہ نجاست سے شفا نہیں بیماری پیدا ہوتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الدواء الخبیث آپؐ نے ناپاک ونجس دوا سے منع فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ جس دوا میں شراب یا نشہ آور چیزیں ملی ہوں وہ دوا استعمال کرنا درست نہیں ہے، لیکن اگر شدید مجبوری ہو تو اس دوا کا استعمال کرنا جائز ہے۔ (مزید کیلئے گزشتہ حدیث دیکھیں)

## حدیث ۱۳۹٤ ﴿سر کے درد کا علاج﴾ عالمی حدیث: ٤٥٤٠

وَعَنْ سَلْمٰی خَادِمَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَا کَانَ اَحَدٌ یَشْتَکِیْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَجْعًا فِیْ رَاْسِهٖ اِلَّا قَالَ اِحْتَجِمْ وَلَا وَجْعًا فِیْ رِجْلَیْهِ اِلَّا قَالَ اخْتَضِبْهُمَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ .

**حوالہ:** ابوداود، ص ٥٤٠ ج۲، باب فی الحجامة، کتاب الطب، حدیث ۳۸٥۸

**ترجمہ:** حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ حضرت سلمیٰؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کسی نے سر درد کی شکایت کی، تو آپؐ نے فرمایا کہ پچھنا لگواؤ، اور پیروں میں درد کی جب بھی کسی نے شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ ان پر لیپ

کرد۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** آپ کے زمانہ میں زیادہ تر دردسر غلبہ دم کی وجہ سے ہوتا تھا، لہٰذا آپ علاج کے لئے پچھنا لگوانے کی تاکید فرماتے تھے، کیوں کہ غلبہ دم کی وجہ سے پیدا ہونے والی بیماری کا بہترین علاج پچھنا لگوانا ہے، اور گرمی کی وجہ سے پیروں میں درد ہوتا تھا، لہٰذا آپ مہندی کا لیپ لگانے کا حکم فرماتے تھے، اس سے بہت راحت ملتی ہے۔ معلوم ہوا کہ مرض کی بناء پر پیروں کے تلووں میں مردوں کو مہندی لگانے کی رخصت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما کان احد یشتکی سر میں درد مختلف وجوہات سے ہوتا ہے، لہٰذا اس کا علاج بھی مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، یہاں جو علاج ہے وہ غلبۂ دم کی وجہ سے پیدا ہونے والے سر درد کا ہے، جب حرارت کی زیادتی کی وجہ سے دردسر ہو تو سر میں مہندی لگانا فائدہ مند ہے۔ ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آپ کو جب بھی دردسر ہوتا تو آپ مہندی لگاتے اور فرماتے کہ اللہ کے حکم سے یہ دردسر میں مفید ہے، لیکن یہ بھی ایک جزوی علاج ہے، کلی نہیں، بلکہ صرف ایک نوع کے لئے مفید ہے۔ مزید کے لئے زادالمعاد جلد سوم دیکھیں، حجامت پچھنا لگوانے کی تفصیلات کے لئے عالمی حدیث ۴۵۱۶ دیکھیں۔

## حدیث ۱۳۹۵ ﴿زخم کے علاج کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٤١

وَعَنْهَا قَالَتْ مَا كَانَ يَكُوْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرْحَةٌ وَلَا نَكْبَةٌ اِلَّا اَمَرَنِیْ اَنْ اَضَعَ عَلَيْهَا الْحِنَّاءَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ .

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۵ ج ۲، باب ما جاء فی التداوی بالحناء، کتاب الطب، حدیث ۲۰۵٤

**حل لغات:** قرحۃ پھوڑا یا پھنسی جس میں مواد پیدا ہو گیا ہو، (ج) قَرْحٌ وقُرُوْحٌ، نکبۃ خراش، مصیبت، (ج) نَکَبَاتٌ، نَکَبَ (ن) نُکُوْبًا اَلْحِجَارَۃُ رِجْلَہٗ پیر کو پتھروں کا زخمی کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت سلمیٰؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی زخم آتا یا کوئی خراش وغیرہ لگتی تو آپ مجھ کو اس پر مہندی رکھنے کا حکم فرماتے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زخم اور سوزش کی جگہ پر مہندی کا لیپ لگانا چاہئے، کیوں کہ مہندی کی تاثیر ٹھنڈی ہے، اس سے زخم کی گرمی اور سوزش ختم ہو جائے گی۔ آپ بھی مہندی کو زخم کی جگہ پر لگاتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** قرحۃ ولا نکبۃ آپ نہ زخم اور پھوڑے پھنسی میں مہندی لگواتے تھے، کیوں کہ اس سے سوجن ختم ہوتی ہے اور زخم کی سوزش زائل ہوتی ہے۔ مہندی سر درد اور آگ سے جلنے میں بھی نافع ہے۔ بچوں کو اگر چیچک ظاہر ہو تو اس کو پاؤں کے تلووں میں لگانا بہت فائدہ مند ہے۔ (زادالمعاد)

## حدیث ۱۳۹۶ ﴿پچھنا لگوانے کے مقام کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٤٢

وَعَنْ اَبِیْ كَبْشَةَ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَحْتَجِمُ عَلٰى هَامَتِهٖ وَبَيْنَ كَتِفَيْهِ وَيَقُوْلُ مَنْ اَهْرَاقَ مِنْ هٰذِهِ الدِّمَاءِ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ لَّا يَتَدَاوٰی بِشَیْءٍ لِشَیْءٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ .

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵٤۰ ج ۲، باب فی مواضع الحجامۃ، کتاب الطب، حدیث ۳۸۵۹، ابن ماجہ، ص ۲٤۹ باب موضع الحجامۃ، کتاب الطب، حدیث ۳٤۸٤

**حل لغات:** ہامۃ سر کا بالائی حصہ، اہراق (افعال) بہانا، الدماء دمٌ کی جمع ہے، خون۔

**ترجمہ:** حضرت ابوکبشہ انماریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک اور اپنے دونوں کاندھوں کے درمیان پچھنا لگواتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے ان دونوں جگہوں کا خون بہایا تو اس کو یہ بات نقصان نہیں دے گی کہ کسی بیماری کا کوئی علاج نہ کروائے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** حجامت یعنی پچھنا لگوانا بہترین علاج ہے، اس کی احادیث میں تعریف آئی ہے۔ حدیث المعراج میں آتا ہے کہ آپ کا جس آسمان پر بھی گذر ہوا، وہاں کے فرشتوں نے آپ سے عرض کیا کہ مر امتك بالحجامة اپنی امت کو پچھنا لگوانے کی تلقین کیجئے۔ آپ خود بھی بوقت ضرورت پچھنا لگواتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کان یحتجم علی هامته و بین کتفیه آپ کبھی سر مبارک پر پچھنا لگواتے ہوں گے، اور کبھی دونوں مونڈھوں کے درمیان اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ایک ساتھ دونوں جگہوں پر پچھنا لگواتے ہوں گے۔ من اهراق من هذه الدما ان خونوں میں سے کچھ نکال دیا کرے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ خون سے مراد مذکورہ دونوں عضو کا خون ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ مطلق فاسد خون مراد ہو، یعنی جسم کے جس حصہ میں بھی فاسد خون جمع ہو گیا ہو اس کو نکلوا دینا چاہئے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۳۹۷ ﴿کولھے پر پچھنا لگوانے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٤٣

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ عَلٰى وَرِكِهٖ مِنْ وَثْاءٍ كَانَ بِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٥٤٠ ج٢، باب متی تستحب الحجامة. کتاب الطب، حدیث: ٣٨٦٣

**حل لغات:** ورك انسان کی ران کے اوپر کا حصہ (ج) اوراك، وثء موچ وَثِئَتْ وَثْئًا (س) يَدُ الرجل ہاتھ میں موچ آنا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کولہے پر پچھنا لگوایا، اس موچ کی وجہ سے جو آپ کو ہو گئی تھی۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی جگہ موچ آ جائے اور خون جم جائے تو پچھنا لگانا بھی مفید علاج ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ورکة ران کے اوپر کمر کے نیچے آپ نے کے وقت ضرورت پچھنا لگوایا۔ وثء آپ کے موچ آ گئی تھی، یعنی ہڈی ٹوٹے بغیر درد پیدا ہو گیا تھا۔

## حدیث ۱۳۹۸ ﴿پچھنا لگوانے کی تاکید﴾ عالمی حدیث: ٤٥٤٤

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةِ اُسْرِيَ بِهٖ اَنَّهٗ لَمْ يَمُرَّ عَلٰى مَلَاءٍ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا اَمَرُوْهُ مُرْ اُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ٢٥ ج٢، باب ما جاء فی الحجامة، کتاب الطب، حدیث: ٢٠٥٢، ابن ماجه، ص٢٤٨ باب الحجامة، کتاب الطب، حدیث: ٣٤٧٩

**ترجمہ:** حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جس رات آپ کو معراج کروائی گئی، تو فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گذرے انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ اپنی امت کو پچھنا لگوانے کا حکم کیجئے۔ (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** پچھنا لگانے سے جسم سے فاسد خون نکل جاتا ہے، اور انسان کو بڑی راحت نصیب ہوتی ہے۔ یہ بہترین طریقہ علاج ہے، اگرچہ آج کل انگریزی طرز کے علاج رائج ہونے کی وجہ سے اس کا چلن کم ہوگیا ہے، لیکن چوں کہ یہ نفع بخش علاج ہے، اور فرشتے انسانوں کی ہمدرد مخلوق ہے، لہٰذا انہوں نے موقع ملنے پر آپ ؐ کے ذریعہ سے امت کو اس طریقہ علاج سے نفع اٹھانے کا مشورہ دیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مر امتك بالحجامة اپنی امت کو پچھنا لگوانے کا حکم کیجئے، امت سے مراد وہ اہل عرب ہیں، جو آپ ؐ کے زمانے میں موجود تھے۔ یا آپ ؐ کی قوم و وطن کے لوگ مراد ہو سکتے ہیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں امت سے عام مفہوم مراد ہے یعنی آپ ؐ کی پوری امت میں سے ہر وہ شخص مراد ہے جس کو خون نکلوانے کی ضرورت لاحق ہو۔ پچھنا لگوانے کی اتنی اہمیت اس لئے ہے کہ امراض دموی کا یہ بہترین علاج ہے، فساد خون کی وجہ سے بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، جب فاسد خون نکلوا دیا جائے گا تو بہت سی بیماریاں پیدا ہی نہیں ہوں گی۔ (عون الترمذی)

## حدیث ۱۳۹۹ ﴿دوا میں مینڈک ڈالنے کا حکم﴾ عالمی حدیث: ٤٥٤٥

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ اَنَّ طَبِيْبًا سَئَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضِفْدَعٍ يَجْعَلُهَا فِيْ دَوَاءٍ فَنَهَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ابوداود ص ٥٤١ ج٢ باب في الادوية المكروهة، كتاب الطيب حديث ٣٨٧١

**حل لغات:** ضفدع مینڈک (ج) ضَفَادِعُ۔

**ترجمه:** حضرت عبدالرحمٰن بن عثمانؓ سے روایت ہے کہ ایک طبیب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوا میں مینڈک ڈالنے کے بارے میں دریافت کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مینڈک کے قتل سے منع فرمایا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپ ؐ نے مینڈک کے قتل سے منع فرمایا، اس سے صاف معلوم ہوا کہ دوا میں مینڈک نہ ڈالا جائے، ممانعت کی وجہ یا تو نجاست ہے یا مینڈک کا گھناؤنا ہونا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فنهاه النبي صلى الله عليه وسلم عن قتلها طبیب نے دواء میں مینڈک ڈالنے کے بارے میں معلوم کیا تھا، اور آپ ؐ نے جواب میں مینڈک کو قتل کرنے سے منع فرمایا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دواء میں مینڈک نہ ڈالو۔ یہیں سے حرام چیزوں کو بطور دوا استعمال کرنے کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے۔ جس کی تفصیلات نقل کی جاتی ہیں۔

## تداوی بالمحرم کا مسئله

تداوی بالمحرم یعنی کسی حرام چیز کو بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے یہاں پانچ درجے ہیں۔

(۱) ضرورت واضطرار (۲) حاجت (۳) منفعت (۴) زینت (۵) فضول۔

**(۱) ضرورت و اضطرار:** کی تعریف یہ ہے کہ اگر ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو یہ شخص ہلاک یا قریب الموت ہو جائے گا۔ اس حالت میں حرام و ممنوع چیز کا استعمال چند شرائط کے ساتھ باتفاق امت جائز ہے۔ وہ شرائط یہ ہیں (الف) جان بچانے کے لئے کوئی جائز صورت نہ رہے (ب) جان کا خطرہ کوئی موہوم نہ ہو بلکہ کسی معتمد حکیم کے کہنے کی بنا پر عادۃً یقینی ہو (ج) حرام کے استعمال سے جان بچ جانا بھی کسی معتمد حکیم یا ڈاکٹر کی تجویز سے عادۃً یقینی ہو۔ یہ مسئلہ خود آیت قرآنی فمن اضطر في مخمصة غير متجانف

لاثم فان الله غفور رحیم سے ثابت ہے۔

(۲) **حاجت:** کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو ہلاک نہیں ہوگا مگر مشقت وتکلیف شدید ہوگی۔ یہ صورت اضطرار کی نہیں ہے۔ یعنی جان کا خطرہ نہ ہو بلکہ مرض کو دور کرنے کے لئے تداوی بالمحرمات کی ضرورت ہو۔ قرآن کریم نے اضطراری حالت میں تداوی بالمحرم کی جو اجازت دی ہے اس کے تحت میں یہ صورت نہیں آتی اور روایات حدیث سے اس معاملہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوتا اس لئے فقہاء امت کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

**بیان مذاہب:** مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں تداوی بالمحرم مطلقا ناجائز ہے، شوافع کے نزدیک تداوی بالمحرم جائز ہے، البتہ تداوی بالمسکر جائز نہیں۔ حنفیہ میں سے امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ بھی مطلقا عدم جواز کے قائل ہیں۔ جب کہ امام طحاوی کا مسلک یہ ہے کہ خمر کے علاوہ باقی تمام محرمات سے تداوی جائز ہے۔ امام ابویوسفؒ کا یہ مذہب ہے کہ اگر کوئی طبیب حاذق یہ فیصلہ کرے کہ تداوی بالمحرم کے بغیر چھٹکارا ممکن نہیں، تو اس صورت میں تداوی بالمحرم جائز ہوگا۔ اور اکثر مشائخ احناف نے امام ابویوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

## دلائل من حرم التداوی بالمحرمات مطلقاً

(۱) عن ابی الدرداء قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله انزل الداء و الدواء و جعل لکل داء دواء فتداووا ولا تتداووا بحرام. رواه ابوداؤد فی الطب (۲) عن عبدالرحمان بن عثمان ان طبیباً سئل النبی صلی الله علیه وسلم عن ضفدع یجعلها دواء فنهاه النبی صلی الله علیه وسلم عن قتلها. رواه ابوداود فی الطب (۳) عن ابی هریرة قال نهیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الدواء الخبیث. رواه ابوداؤد ٤) عن وائل بن حجر ذکر طارق بن سوید او مرید بن طارق سئل النبی صلی الله علیه وسلم عن الخمر، فنهاه ثم سئله فنهاه فقال له یا نبی الله! انها دواء قال النبی صلی الله علیه وسلم لا ولکنها داء. ابوداؤد، ابن ماجه (۵) عن ام سلمة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله لم یجعل شفائکم فی حرام. اخرجه ابن حبان فی صحیحه (٦) اخرج الطحاوی قول عبدالله بن مسعود ما کان الله لیجعل فی رجس او فیها حرم شفاء. و فی روایة اخریٰ قال ان الله لم یجعل شفائکم فیما حرم علیکم. هذا الاثر قد ذکره البخاری تعلیقاً فی الاشربة. باب شراب الحلو و العسل. (۷) اخرج الطحاوی ایضاً عن عطا قال قالت عائشة اللهم لا تشف من استشفیٰ بالخمر.

## دلائل من اجاز التداوی بالمحرم عندالحاجة

(۱) جن فقہاء نے عندالحاجۃ تداوی بالمحرم کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے واقعہ اہل عرینہ سے استدلال کیا ہے، مگر اس واقعہ میں احتمال متعدد ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی حالت اضطرار کی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ پیشاب کی اجازت خارجی استعمال کے لئے ہو پینے کا معاملہ نہ ہو۔ ان احتمالات کے ہوتے ہوئے اس روایت سے کوئی قطعی فیصلہ جواز کا نہیں نکالا جاسکتا ہے مگر ایک احتمال ضرور ہے۔

(۲) دوسرا استدلال اس واقعہ سے جو عرفجہ بن اسعد صحابی کو کوفہ اور بصرہ کے درمیان جنگ کلاب میں پیش آیا تھا کہ ان کی ناک کٹ گئی تھی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگائی، مگر اس میں بدبو پیدا ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سونے کی ناک بنوا کر لگانے کا حکم دیا کیوں کہ سونا سڑتا نہیں۔ یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ میں روایت کی گئی ہے اور فقہاء محدثین نے اس کو معتبر تسلیم کیا ہے۔ اس میں سونے کی ناک لگانے کا حکم ہے۔ حالانکہ مردوں کے لئے سونے کا استعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا۔ حضرت عرفجہ کے واقعہ میں ان کے لئے سونے کی ناک لگانے کی اجازت ظاہر ہے کہ علاج ودوا کے درجہ میں ہے اور یہ بھی

ظاہر ہے کہ یہاں کوئی اضطراری حالت نہیں تھی جس میں جان کا خطرہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر اضطراری حالت میں بھی جب تکلیف شدید ہو تو بعض ناجائز چیزوں کے استعمال کی گنجائش ہے، جب کہ اس کے سوا کوئی اور صورت نہ ہو۔ اس حدیث کی بنا پر اکثر مشائخ احناف کا مسلک یہی ہے کہ عند الحاجۃ چند شرائط کے ساتھ تداوی بالمحرمات جائز ہے وہ شرائط یہ ہیں۔

(الف) کوئی حلال دوا نہ ہو یا کارگر نہ ہو، کسی معتمد علیہ ڈاکٹر کے قول سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ ناجائز دوا ہی اس بیماری کا علاج ہے اور کوئی جائز دوا اس کا بدل نہیں ہوسکتی۔

(ب) اس ناجائز دوا کا بیماری کے ازالہ میں موثر اور مفید ہونا بھی فنی طور پر یقینی ہو۔

**جواب:** جن فقہاء نے بوقت حاجت تداوی بالمحرم کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے مذکورہ احادیث کا یوں جواب دیا ہے کہ وہ سب احادیث حالت اختیار پر محمول ہیں یعنی جب مرض کی حلال دوا موجود ہو تب بلا ضرورت حرام علاج سے دوا کرنا ناجائز ہے۔ یہی جواب علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ سہارنپوریؒ اور مولانا یوسف بنوری وغیرہم نے اختیار فرمایا ہے۔

(۳) **منفعت:** یہ ہے کہ کسی چیز کے استعمال کرنے سے اس کے بدن کو فائدہ پہنچے گا لیکن نہ کرنے سے کوئی سخت تکلیف یا ہلاکت کا خطرہ نہیں، جیسے عمدہ قسم کے کھانے اور مقوی غذائیں۔ اس حالت کے لئے کوئی حرام حلال نہیں ہوتا۔

(۴) **زینت:** جس سے بدن کی کوئی خاص تقویت بھی نہیں محض تفریح خواہش ہے، ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے کسی ناجائز چیز کے جائز ہونے کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

(۵) **فضول:** وہ ہے جو زینت ومباح کے دائرے سے بھی آگے، محض ہوس ہو اس کا حکم بھی ظاہر ہے کہ اس کے لئے احکام میں کوئی رعایت ہونے کے بجائے اس فضول کی مخالفت احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ (تکملہ، جواہر الفقہ، عون الترمذی)

## حدیث ۱۴۰۰ ﴿پچھنا لگوانے کی تاریخ کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٤٦

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْاَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَكَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَتِسْعِ عَشْرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حواله:** ابوداود، ص ٥٤٠ ج ٢، باب فى موضع الحجامة، كتاب الطب، حديث: ٣٨٦٠، ترمذى، ص ٢٥ ج ٢، باب ما جاء فى الحجامة. كتاب الطب، حديث ٢٠٥١، ابن ماجه، ص ٢٤٩ باب موضع الحجامة، كتاب الطب، حديث: ٣٤٨٣

**حل لغات:** الاخدعین گردن کی ہر دو جانب دو پوشیدہ رگیں، الکاھل کندھے اور گردن کی جڑ تک کے درمیان کا حصہ، کندھا، (ج) کواھل۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گردن کی دونوں رگوں اور کندھوں کی رگ میں پچھنا لگواتے تھے۔ (ابوداؤد) ترمذی اور ابن ماجہ میں یہ بات مزید ہے کہ آپ سترہ، انیس، یا اکیس تاریخ میں پچھنا لگواتے تھے۔

**خلاصہ حدیث:** اس حدیث سے آپ کا کثرت سے سینگی یعنی پچھنا لگوانا معلوم ہوتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہود نے خیبر میں حضور کو زہر قاتل کھلا دیا تھا، جو نہایت سخت تھا، مقصد یہ تھا کہ حضور اکرمؐ کے وصال سے مخالفت کا یہ قصہ ہی ختم ہو جائے، اگرچہ اس گوشت کو جس میں یہ زہر تھا، آپؐ نے پورا تناول نہیں فرمایا تھا، مگر جس قدر کھایا اس کا اثر یہ تھا کہ وہ سمیت مختلف اوقات میں بالخصوص گرمی کے زمانہ میں بار بار عود کرتی تھی، اور جس جانب مادہ کا زور ہوتا تھا، اسی جانب آپ کو سینگی کے استعمال کی

ضرورت ہوتی تھی اور چوں کہ یہ مادہ خون میں حلول کرتا ہے اور سارے بدن میں سرایت کرتا ہے۔ اس لئے مختلف مقامات پر اس کا زور ہوتا تھا، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حالت احرام میں پشت قدم پر سینگی لگوائی۔ اور مذکورہ تاریخوں میں سینگی لگانا زیادہ مفید ہے، چوں کہ ان دنوں میں خون جوش اور تزاید پر ہوتا ہے، ابن سینا سے نقل کیا گیا ہے کہ سینگی لگانا مہینے کے شروع میں اور ختم میں اچھا نہیں ہے۔ بلکہ مہینے کے وسط میں ہونا چاہئے۔ (خصائل نبوی، تحفۃ الاحوذی، عون الترمذی)

**کلمات حدیث کی تشریح** یحتجم فی الاخدعین والکاهل "اخدعین" گردن کی دونوں جانبوں کی دو رگوں کا نام ہے، اور "کاهل" دونوں کاندھوں کے درمیان کا حصہ ہے، آپ نے ایک موقع پر ان دونوں مقامات پر پچھنا لگوایا، ان کے علاوہ بدن کے دوسرے حصوں میں بھی آپ کا پچھنا لگوانا ثابت ہے۔ ابوداؤد، کتاب الحج میں روایت ہے "احتجم و هو محرم فی راسه من داء کان به" احتجم و هو محرم علی ظهر القدم من وجع کان به، اور ایک روایت گذر چکی احتجم علی ورکه من وثء" پچھنا عموماً بدن کے اس حصہ پر لگایا جاتا ہے جہاں رگیں جمع ہوتی ہیں، اس جگہ کو اولاً نشتر لگا کر زخمی کیا جاتا ہے، اور پھر سینگی لگا کر حجام سانس کے ذریعہ خون کھینچتا ہے۔ و کان یحتجم سبع عشرة پچھنا مذکورہ تاریخوں میں لگوانا چاہئے۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے مہینہ کی سترہ، انیس، اور اکیس تاریخ کو پچھنا لگوایا تو اس کو ہر بیماری سے شفا ملے گی۔ ان تاریخوں میں پچھنا لگوانے کی حکمت خلاصہ میں گذر چکی ہے۔ (بذل المجہود، الدر المنضود)

## حدیث ۱۴۰۱ ﴿پچھنا لگوانے کی پسندیدہ تاریخ﴾ عالمی حدیث: ٤٥٤٧

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَحِبُّ الْحِجَامَةَ لِسَبْعَ عَشَرَةَ وَتِسْعَ عَشَرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حوالہ:** البغوی فی شرح السنة، ص ١٥٠، ج ١٢، باب وقت استحباب الحجامة، کتاب الطب، حدیث: ٣٢٢٥

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سترہ، انیس، اور اکیس تاریخ کو پچھنا لگوانا پسند فرماتے تھے۔ (شرح السنۃ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ وسط مہینے میں پچھنا لگوانا بہتر اور پسندیدہ ہے اس میں پچھنا لگوانے کا مقصد زیادہ بہتر طور پر حاصل ہوتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یستحب الحجامة حدیث کے اس جز سے ایک بات تو معلوم ہوئی کہ سینگی لگوانا آپ کا پسندیدہ طریقۂ علاج ہے اور اس سے بڑا نفع وابستہ ہے۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حدیث مذکور تاریخ میں سینگی لگوانا اچھی بات ہے، کیوں کہ ان دنوں میں خون میں جوش ہوتا ہے اور فاسد خون بہتر طور پر نکل جاتا ہے۔

## حدیث ۱۴۰۲ ﴿پچھنا لگوانا باعث شفا ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٥٤٨

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احْتَجَمَ لِسَبْعَ عَشَرَةَ وَتِسْعَ عَشَرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ كَانَ شِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٥٤٠ ج٢، باب متی تستحب الحجامة، کتاب الطب، حدیث ٣٨٦١

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو سترہ، انیس، یا اکیس تاریخ کو

پچھنا لگوائے اس کو ہر بیماری سے شفا ملے گی۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ پچھنے لگوانے کے لئے مہینے کے درمیانی ایام بہتر ہیں، اس میں ہر بیماری سے شفا کی امید ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یستحب الحجامة آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے مہینہ کی سترہ اور انیس اور اکیس تاریخ میں پچھنے لگوائے تو اس کے لئے اس میں ہر بیماری سے شفا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حکمت اس میں یہ ہے کہ مہینہ کے شروع حصہ میں آدمی کا خون جوش پر رہتا ہے اور آخیر میں بہت ہلکا پڑ جاتا ہے، لہٰذا درمیانی حصہ اس کے لئے زیادہ موزوں ہے، امام بخاریؒ نے بھی کتاب الطب میں حجامت سے متعلق متعدد ابواب قائم کئے ہیں، ایک باب ہے "ای ساعة یحتجم" (پچھنا کس وقت لگوایا جائے) اس باب میں حدیث مرفوع ذکر کی "احتجم النبی صلی الله علیه وسلم و هو صائم" (آپؐ نے روزہ کی حالت میں پچھنا لگوایا) اور ایک روایت تعلیقاً ذکر کی "احتجم ابو موسیٰ لیلاً" (ابوموسیٰ نے رات کے وقت پچھنا لگوایا) بخاری میں تعیین اوقات کی کوئی روایت نہیں ہے، البتہ سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ میں روایات ہیں، فیض الباری میں ہے "لعل البخاری یشیر الی حدیث عند ابی داود فیه تفصیل الایام للاحتجام" (امام بخاریؒ ترجمہ قائم کر کے ابوداود کی حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، جس میں پچھنا لگوانے کی ایام کی وضاحت ہے) الابواب و التراجم، الدر المنضود.

## حدیث ۱۴۰۳ ﴿سہ شنبہ کو پچھنا لگوانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث: ۴۵۴۹

وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَتْ اِنَّ اَبَاهَا كَانَ یَنْهٰی اَهْلَهٗ عَنِ الْحِجَامَةِ یَوْمَ الثُّلَاثَاءِ وَیَزْعَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ یَوْمَ الثُّلَاثَاءِ یَوْمُ الدَّمِ وَفِیْهِ سَاعَةٌ لَا یَرْقَاءُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۴۰ ج۲، باب متیٰ تستحب الحجامة، کتاب الطب، حدیث: ۳۸۶۲

**حل لغات:** یرقاء (ف) رَقْئًا، الدَّمْعُ وَالدَّمُ آنسو یا خون کا بند ہو جانا، خشک ہو جانا۔

**ترجمہ:** حضرت کبشہ بنت ابوبکرہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد اپنے گھر والوں کو منگل کے دن پچھنا لگوانے سے منع فرماتے تھے، اور بتاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ منگل کا دن خون کا دن ہے، اس میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں خون بند نہیں ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ منگل کے دن پچھنا نہیں لگوانا چاہئے، اس لئے کہ اس دن میں خون کا غلبہ ہوتا ہے اور اس دن میں ایک ایسی ساعت بھی ہوتی ہے کہ اگر اتفاقاً اس میں پچھنا لگوالیا تو ہوسکتا ہے کہ خون بند ہی نہ ہو، اور ہلاکت واقع ہو جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کبشۃ ہمارے نسخہ میں "کبشۃ" ہے، جب کہ بعض نسخوں میں "کیسۃ" ہے اور یہی صحیح ہے۔ یوم الدم منگل کے دن جسم کے اندر خون کا غلبہ رہتا ہے، اس حدیث کو ابن الجوزیؒ نے موضوعات میں شمار کیا ہے، سیوطیؒ نے اس پر ان کا تعقب کیا ہے۔ (الدر المنضود)

## حدیث ۱۴۰۴ ﴿پچھنا نہ لگوانے کے ایام کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ۴۵۵۰

وَعَنِ الزُّهْرِیِّ مُرْسَلًا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَجَمَ یَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ اَوْ یَوْمَ السَّبْتِ فَاَصَابَهٗ وَضَحٌ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ فِی الْوَضَحِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ وَقَدْ اُسْنِدَ وَلَایَصِحُّ.

**حوالہ:** مسند احمد اور ابوداود میں روایت نہیں ملی۔

**حل لغات:** وَضَحٌ برص کی بیماری (ج) اَوْضَاحٌ۔

**ترجمہ:** حضرت زہریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بدھ یا ہفتہ کے دن پچھنا لگوائے اور اس کو کوڑھ کی بیماری ہو جائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔ (احمد، ابوداؤد) ابوداؤد نے کہا ہے کہ یہ روایت مسنداً بھی مروی ہے، لیکن اسناد صحیح نہیں ہے۔

**خلاصۂ حدیث:** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بدھ اور شنبہ کے دن پچھنا لگوانے سے گریز کرنا چاہئے، کیوں کہ اس دن اس عمل سے برص کی بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** مرسلاً زہریؒ تابعی ہیں، انہوں نے یہ حدیث آپؐ سے صحابی کے واسطے ہی سے سنی ہوگی، لیکن اس واسطے کو ذکر کئے بغیر آپؐ سے روایت نقل کی ہے، لہٰذا یہ روایت مرسل ہوگئی، احناف کے نزدیک مرسل روایت بھی قابل عمل ہوتی ہے۔ فلایلومن الا نفسه بیماری کے خطرہ کے باوجود کوئی اپنی جہالت یا لاپرواہی کے سبب ان دنوں میں پچھنا لگوا کر اپنے کو مصیبت میں مبتلا کرے تو وہ اپنے ہی کو ملامت کا مستحق سمجھے۔ و قد اسند و لا یصح ایک دوسری روایت میں سند مکمل مذکور ہے، اس میں صحابی کا واسطہ ترک نہیں ہے، لیکن وہ اسناد صحیح نہیں ہے، صحیح روایت زہری سے مرسل ہی ہے، البتہ اس روایت سے اس مرسل روایت کو تقویت ملتی ہے۔

## حدیث ۱۴۰۵ ﴿بدھ کے دن پچھنا لگوانے میں بیماری کا خطرہ ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۵۵۱

وَعَنْهُ مُرْسَلًا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَجَمَ اَوِاطَّلٰى يَوْمَ السَّبْتِ اَوِ الْاَرْبِعَاءِ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ فِي الْوَضَحِ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حوالہ:** البغوی فی شرح السنة، ص ۱۵۱-۱۵۲، ج ۱۲، باب وقت استحباب الحجامة، كتاب الطب والرقی

**حل لغات:** اطلی (افتعال) بکذا کوئی چیز ملنا، پھیرنا، کوئی پالش کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت زہریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے شنبہ، یا بدھ کے دن پچھنا لگوایا یا مالش کی تو وہ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہونے پر صرف اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔ (شرح السنۃ)

**خلاصۂ حدیث:** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ بدھ کے دن اور شنبہ کے دن بدن پر لیپ نہ کرنا چاہئے، اور نہ پچھنا لگوانا چاہئے، کیوں کہ ایسا کرنے کی صورت میں کوڑھ یا سفید داغ کی بیماری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** مرسلاً صحابی کا واسطہ ترک ہے، اس لئے روایت مرسل ہے، فلایلومن الا نفسه چونکہ اس کی جہالت یا لاپرواہی کی وجہ سے مرض پیدا ہوا، لہٰذا یہ خود ملامت کا مستحق ہے۔

## حدیث ۱۴۰۶ ﴿شیطانی منتر کی ممانعت﴾ عالمی حدیث: ۴۵۵۲

وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَاٰى فِيْ عُنُقِيْ خَيْطًا فَقَالَ مَاهٰذَا؟ فَقُلْتُ خَيْطٌ رُقِيَ لِيْ فِيْهِ قَالَتْ فَاَخَذَهُ فَقَطَعَهُ ثُمَّ قَالَ اَنْتُمْ آلُ عَبْدِاللّٰهِ الْاَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ فَقُلْتُ لِمَ تَقُوْلُ هٰكَذَا لَقَدْ كَانَتْ عَيْنِيْ تَقْذِفُ وَكُنْتُ

اَخْتَلِفُ اِلٰی فُلَانِ الْیَهُوْدِیِّ فَاِذَا رَقَاهَا سَکَنَتْ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ اِنَّمَا ذَالِكَ عَمَلُ الشَّیْطَانِ کَانَ یَنْخَسُهَا بِیَدِهِ فَاِذَا رُقِیَ کَفَّ عَنْهَا اِنَّمَا کَانَ یَکْفِیْكِ اَنْ تَقُوْلِیْ کَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَاشِفَاءَ اِلَّاشِفَاءُ كَ شِفَاءً لَایُغَادِرُ سَقْمًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود، ص ۵٤۲ ج۲، باب تعليق التمائم، كتاب الطب، حديث ۳۸۸۳

**حل لغات:** خيط سلائی کا دھاگہ، پتلی ڈوری (ج) خُیُوْطٌ وأخیاطٌ، التمائم جمع ہے، واحد التَّمِیْمَةُ تعویذ، التولة جادو، ٹونکا تَالَ (ن) تَوْلًا، جادو کا علاج کرنا، تقذف قَذَفَ (ض) قَذْفًا پھینکنا، ینخس نَخَسَ (ن) نَخْسًا کچوکے لگانا، بھڑکانا، الباس مصیبت، سخت عذاب (ج) بُؤُوسٌ، یغادر (مفاعلت) چھوڑنا باقی رکھنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ حضرت زینبؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے میری گردن میں دھاگا دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یہ ایک دھاگا ہے، میرے لئے اس میں دم کیا گیا ہے، وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے وہ دھاگا پکڑا اور اس کو کاٹ دیا، پھر فرمایا کہ تم لوگ عبداللہ کے گھر والے ہو، تم شرک سے بہت دور رہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک جھاڑ پھونک، تعویذات اور جادو شرک ہے، میں نے عرض کیا کہ آپؓ یہ بات کیسے کہتے ہیں جب کہ میری آنکھ دکھتی تو میں فلاں یہودی کے پاس جاتی، وہ پڑھ کر دم کر دیتا تو میری تکلیف دور ہو جاتی، حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ یہ شیطان کا کام ہے، وہ اپنا ہاتھ چھوتا اور جب دم کیا جاتا ہے تو ہاتھ ہٹا لیتا، بے شک تمہارے لئے وہ دعا پڑھنا کافی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے، لوگوں کے رب! مشقت کو دور کر دیجئے، شفا عطا کر دیجئے، آپ ہی شفا عطا کرنے والے ہیں، آپ کی شفا کے علاوہ کوئی شفا نہیں ہے، ایسی شفا دیجئے کہ کوئی بیماری باقی نہ رہے۔ (ابوداؤد)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں حاصل یہ ہے کہ منتر جادو ٹونے وغیرہ وہ کام ہیں جو اہل شرک کرتے ہیں، اور یہ چیزیں شرک جلی یا شرک خفی میں آتی ہیں، البتہ بعض شرائط کی رعایت کی جائے تو جھاڑ پھونک اور تعویذ جائز ہے اور شرک کے دائرہ سے باہر ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان الرقى و التمائم و التولة شرك. دم، تعویذ اور جادو شرک ہے، جو رقیہ شریعت کے موافق ہو اسکو دم کرنا کہتے ہیں، اور جو خلاف شریعت ہو اسکو منتر کہتے ہیں، اور "تمیمہ" وہ کاغذ کا ٹکڑا جس پر کچھ لکھا ہو اور اس کو گلے میں پہنا جائے، اس کو تعویذ کہتے ہیں۔ اور "تولة" یہ ایک خاص قسم کا منتر یا سحر ہے، زوجین میں محبت پیدا کرنے کے لئے، حدیث میں ان سب کو شرک فرمایا گیا ہے، کیوں کہ یہ مشرکوں کے اعمال تھے، ان ہی کے یہاں اس کا بہت زور تھا۔ تعویذ وغیرہ میں اگر شرک نہ ہو تو ممانعت نہیں ہے۔ شرک ہونے کی دو صورتیں ہیں (۱) تعویذ کا مضمون صراحتاً شرکیہ ہو، مثلاً شیطان وغیرہ سے مدد طلب کی گئی ہو تو یہ شرک اکبر ہے (۲) مضمون قابل اعتراض نہ ہو مگر تکلیف دور کرنے کے لئے اس پر کامل اعتماد ہو تو یہ شرک خفی ہوگا، یہ خلاف توکل ہونے کی بنا پر ناپسندیدہ ہوگا، جس طرح حدیث میں "ریاء" کو شرک قرار دیا گیا ہے جو کہ اخلاص کے منافی ہونے کی بنا پر ناپسندیدہ ہے، یہ ایمان کے منافی نہیں ہے۔ کان ینخسها شیطان عقیدہ فاسد کرنے کی وجہ سے یہ عمل کرتا تھا کہ آنکھ میں کچوکا مارتا اور جب یہودی جھاڑ پھونک کرتا تو کچوکا مارنے سے رک جاتا، دعاء تعویذ کے جواز و عدم جواز سے متعلق تفصیل کے لئے حدیث ۴۵۵۴ دیکھیں۔

## حدیث ۱٤۰۷ ﴿سحر کی ایک قسم کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٥٣

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّشْرَةِ فَقَالَ هُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵٤۰ ج۲، باب فی النشرۃ، کتاب الطب، حدیث: ۳۸٦۸

**حل لغات:** النشرۃ بیمار یا آسیب زدہ کا تعویذ۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "نشرہ" نامی عمل کے بارے میں معلوم کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ شیطانی کاموں میں سے ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں منتر یا جادو کی ایک قسم "نشرہ" کا ذکر ہے، یہ عمل شیطان کے ناموں پر مشتمل ہے اس لئے آپؐ نے اس کو شیطانی کام قرار دے کر اس کی ممانعت فرمادی ہے۔ (بذل المجہود)

**کلمات حدیث کی تشریح** عن النشرۃ فقال ھو من عمل الشیطان "نشرہ" ایک قسم کا سفلی عمل ہے جو آسیب کے دفعیہ کے لئے کیا جاتا ہے اور قاموس میں ہے کہ "نشرہ" ایک رقیہ یعنی منتر ہے جس کے ذریعہ مجنون مریض کا علاج کیا جاتا ہے، حاصل یہ ہے کہ نشرہ کے معنی منتر یا تعویذ کے ہیں، لہٰذا جس نشرہ کو شیطان کا کام فرمایا گیا ہے، اس سے مراد وہ منتر ہے جو اسمائے الٰہی اور قرآنی آیات اور منقول دعاؤں پر مشتمل نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ زمانۂ جاہلیت کے ان عملیات میں سے ایک عمل تھا جو بتوں اور شیاطین کے اسماء اور ان سے اعانت پر مشتمل ہوتے تھے، یا اس منتر کے الفاظ عبرانی زبان کے ہوں گے کہ جن کے معنی معلوم نہ ہوں گے۔ (مظاہر حق جدید)

## حدیث ۱٤۰۸ ﴿گلے میں تعویذ لٹکانے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٥٤

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُبَالِيْ مَا اَتَيْتُ اِنْ اَنَا شَرِبْتُ تِرْيَاقًا اَوْ تَعَلَّقْتُ تَمِيْمَةً اَوْقُلْتُ الشِّعْرَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِي رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵٤۰ ج۲، باب فی التریاق، کتاب الطب، حدیث ۳۸٦۹

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے یہ عمل کرنا مناسب نہیں لگتا کہ میں تریاق پیوں، یا تعویذ لٹکاؤں یا اپنی طرف سے شعر کہوں۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں تریاق، شعر گوئی، اور تعویذ لٹکانے کی مذمت ہے، اور یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر آپؐ سے یہ افعال صادر ہوں تو یہ ایسے ہوگا کہ آپ کو جائز و ناجائز کی پرواہ نہیں، حاصل یہ ہے کہ یہ امور آپؐ کے لئے قطعاً جائز نہیں ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما ابالی ان اتیت میں ہر عمل سے لاپرواہ ہوں اگر تریاق پیوں، یا گلے میں تعویذ لٹکاؤں، یا خود اشعار بناؤں یعنی ان چیزوں کو اختیار کرنے والا شریعت کے بارے میں لاپرواہ ہوتے ہیں۔

**تریاق پینے کا حکم:** زہر کی دوا کو تریاق کہتے ہیں، زہر کے علاوہ دیگر امراض میں بھی مفید ہے، اس کو سانپ کے گوشت اور شراب وغیرہ سے بنایا جاتا ہے، لہٰذا یہ حرام ہے، اگر کوئی تریاق ایسا ہو جو حرام چیزوں سے نہ بنا ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ آپؐ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ میرے لئے تریاق کا پینا مطلقاً حرام ہے، اور امت کے حق میں وہ تریاق پینا مباح ہے جس میں حرام چیزیں شامل نہ ہوں۔

**تعویذ لٹکانے کا حکم:** وہ تعویذ جو کفریہ شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں وہ تو بالاتفاق حرام ہیں، اور جو تعویذات آیات قرآنیہ اور اسمائے الٰہیہ پر مشتمل ہوں ان کے لٹکانے میں بھی اختلاف ہے۔

**قائلین جواز کے دلائل:** (۱) حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سوتے سوتے ڈر جائے، تو وہ مندرجہ ذیل دعا پڑھ لیا کرے، "بسم اللہ اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ و سوء عقابہ و من شر عبادہ و من شر الشیاطین و ان یحضرون" چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اپنے بچوں میں سے بالغین کو یہ سکھایا کرتے تھے اور نابالغین کی گردنوں میں لکھ کر ڈال دیا کرتے تھے۔ اس روایت میں تعویذ لکھنا اور گردن میں لٹکانا جائز معلوم ہوتا ہے، ورنہ صحابی رسول قطعاً نہ لکھتے اور نہ گردن میں پہناتے۔ (۲) سعید بن جبیر یکتب التعویذ لمن اتاہ حضرت سعید بن جبیرؒ آنے والے پریشان حال لوگوں کو تعویذ لکھ کر دیتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ) (۳) عن یونس بن جناب قال سالت ابا جعفر عن التعویذ یعلق علی الصبیان فرخص فیہ" یونس بن جناب فرماتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر سے بچوں کو تعویذ پہنانے کے بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے اجازت دی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ) اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) تعویذ لکھنا جائز ہے (۲) بچوں کو پہنانا بھی جائز ہے۔

**قائلین عدم جواز کے دلائل:** (۱) حدیث باب (۲) یدخل الجنۃ من امتی سبعون الفا بغیر حساب الذین لا یسترقون و لا یستطیرون و علی ربھم یتوکلون فذالک اغفال منھم" (بخاری) میری امت کے ستر ہزار لوگ بلا حساب و کتاب جنت میں جائیں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے ہیں اور نہ بدشگونی لیتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

**جواب:** (۱) حدیث باب کا جواب ابن ملکؒ نے دیا ہے کہ آپؐ نے اپنے لئے فرمایا کہ تعویذ لٹکانا میرے لئے حرام ہے، امت کے حق میں حرام نہیں، بشرطیکہ غیر مشروع عملیات سے تعلق نہ ہو۔ (۲) دوسری دلیل کے بارے میں صاحب تحفۃ الاحوذی فرماتے ہیں کہ واما الحدیث الآخر فی صفۃ اھل الجنۃ الخ یعنی وہ حدیث پاک ان اہل جنت کی حالت کے بیان میں ہے جو جنت میں بلا حساب و کتاب داخل ہوں گے کہ جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے اور نہ ہی زخم پر داغ لگواتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں تو یہ ان اولیاء اللہ کا حال ہے جو اسباب دنیا سے لاتعلق ہوتے ہیں اور ان پر نگاہ غلط ڈالنا بھی گوارہ نہیں کرتے تو یہ خواص کا درجہ ہے، جہاں ہر کسی کی رسائی نہیں، اب جہاں تک عامۃ الناس کا معاملہ ہے تو ان کے لئے دوا علاج کی رخصت ہے، جو شخص بلا پر صبر کرتا ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے دعا کے ذریعہ کشادگی اور راحت کا منتظر رہتا ہے وہ من جملہ اہل خواص کے ہے اور جو حالات و مشکلات پر صبر کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے لئے جھاڑ و پھونک، دوا و علاج کی رخصت ہے۔ (تحفۃ الاحوذی، ص ۲۱۸، ج ۲)

**تعویذ کے شرائط:** امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ تعویذ کا جواز علماء کے نزدیک تین شرطوں کے ساتھ ہے: (۱) تعویذ اللہ کے کلام یعنی قرآن یا اس کے اسماء اور صفات سے ہو (۲) عربی زبان میں ہو اور ان کلمات تعویذ کے معنی معلوم و مفہوم ہوتے ہوں (۳) یہ اعتقاد و یقین ہو کہ تعویذات ذاتی طور پر غیر موثر ہوتے ہیں، جو کچھ نفع و نقصان ہوتا ہے تقدیر الٰہی سے ہوتا ہے۔ مزید تفصیلات اور فریقین کے دلائل وغیرہ سے متعلق مباحث کے لئے دیکھیں (تعویذ و استرقاء، شریعت کی روشنی میں)

**شعر گوئی کا حکم:** حضورؐ کا اپنی جانب سے بالقصد شعر بنانا مذموم ہے اور یہ آپ کے لئے ممنوع تھا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وما علمناہ الشعر و ما ینبغی لہ" اور اگر بلا قصد آپ کی زبان مبارک سے کوئی کلام موزوں ہو کر نکل آئے تو وہ شعر گوئی میں داخل نہیں ہے، اور یہ مذموم و ممنوع بھی نہیں ہے۔ اور یہ بات مذکورہ آیت کے خلاف بھی نہیں ہے، اور نہ حدیث باب کے خلاف ہے۔ اسی طرح کسی دوسرے شاعر کا شعر پڑھنا بھی آپؐ کے لئے ممنوع نہ تھا، چنانچہ آپؐ سے لبید کا یہ شعر پڑھنا ثابت ہے

الا کل شیء ما خلا اللہ باطل ☆ و کل نعیم لا محالۃ زائل

امت کے افراد کے لئے شعر گوئی جائز ہے، لیکن اگر لغو کلام ہے یا خلاف شرع مضامین ہیں تو درست نہیں۔ (بذل)

تفصیل باب البیان والشعر میں آرہی ہے۔

## حدیث ۱۴۰۹ ﴿جھاڑ پھونک توکل کے خلاف ہونے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٥٥

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اكْتَوٰى اَوِ اسْتَرْقٰى فَقَدْ بَرِئَ مِنَ التَّوَكُّلِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

**حوالہ:** احمد، ص ۲۴۹، ج ٤، ترمذی، ص ۲۵ ج ۲، باب ما جاء فی کراهیة الرقیة، کتاب الطب، حدیث ۲۰۵۵، ابن ماجہ، ص ۲۴۹ باب الکی، کتاب الطب، حدیث: ۳٤۸۹

**ترجمہ:** حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے داغ لگوایا، یادم کرایا تو وہ توکل سے الگ ہوگیا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دوا علاج، اور جھاڑ پھونک کرنا اور داغ لگوانا، اعلیٰ توکل کے منافی ہے، جو کہ اولیاء اللہ کا مقام ہے، نفس توکل کے منافی نہیں ہے، لہٰذا عام لوگوں کے لئے اجازت ہے، احادیث سے جھاڑ پھونک کا جواز ثابت ہے، اس سلسلہ میں دوطرح کی احادیث وارد ہوئی ہیں، کچھ سے ممانعت معلوم ہوتی ہے اور کچھ سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ دونوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ ممانعت کی احادیث جاہلیت کی جھاڑ پھونک سے متعلق ہیں، یعنی جس منتر میں جن وشیطان کے اسماء اور ان سے مدد حاصل کی گئی ہو اور اس میں کلمۂ کفر وشرک ہو وہ ممنوع اور حرام ہے، اور جواز کی احادیث اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات، قرآنی آیات ومنقول دعاؤں سے جھاڑ پھونک کرنے پر محمول ہیں۔ (عون الترمذی) مزید تفصیل کے لئے گزشتہ حدیث دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من اکتوی مقصد یہ ہے کہ جو شخص صحت کے حصول کے لئے بہت مبالغہ سے کام لے، یہاں تک کہ بلا کسی خاص ضرورت کے بدن میں داغ لگوائے یا جھاڑ پھونک کے چکر میں ضرورت سے زائد پڑے تو وہ توکل کے اعلیٰ درجہ سے گرجائے گا، کیوں کہ یہ امور اگرچہ بعض اوقات جائز ہیں، لیکن اعلیٰ توکل کے بہر حال خلاف ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و علی اللہ فلیتوکل المومنون مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے، لہٰذا اسباب وذرائع پر ضرورت سے زائد انحصار خالق کائنات سے غفلت کی دلیل ہے، امام غزالیؒ نے فرمایا کہ جس نے اپنے دروازہ کو بند کیا اور پھر اس میں تالا بھی لگادیا اس کے باوجود پڑوسی سے اس کی حفاظت کے لئے کہا تو وہ متوکلین کی جماعت سے خارج ہوگیا۔ (مرقات)

## حدیث ۱۴۱۰ ﴿تعویذ پر انحصار کرنے والا تائید رب سے محروم ہوتا ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٥٥٦

وَعَنْ عِيْسَى بْنِ حَمْزَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُكَيْمٍ وَبِهٖ حُمْرَةٌ فَقُلْتُ اَلَا تُعَلِّقُ تَمِيْمَةً فَقَالَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ اِلَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ .

**حوالہ:** ابوداود میں روایت نہیں ملی۔

**ترجمہ:** حضرت عیسیٰ بن حمزہ سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن حکیم کے پاس آیا، اس وقت انہیں جسم میں سرخی کی بیماری تھی، میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کوئی تعویذ کیوں نہیں پہنتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اس عمل سے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کوئی چیز لٹکائی تو وہ اسی کے سپرد کردیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تعویذ پہننا اعلیٰ درجہ کے توکل کے خلاف ہے، اور کوئی ضرورت سے زائد تعویذ پر اعتماد کرتا ہے تو وہ تائید رب سے محروم ہوکر اسی سبب کے حوالہ کردیا جاتا ہے، جس پر وہ انحصار کرتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** و بہ حمرۃ سرخی کی بیماری جس سے جسم اور چہرہ متاثر ہو کر سرخ ہو جاتا ہے، الا تعلق تمیۃ فی نفسہ تعویذ پہننا مباح ہے اس لئے اس کے پہننے کا مشورہ دیا۔ نعوذ باللہ طیبیؒ کے قول کے مطابق بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ نے تعویذ باندھنے کی خدا کی پناہ چاہی تھی، کیوں کہ وہ مقام توکل و رضا پر فائز تھے، اور انہوں نے تعویذ باندھنے کو مرتبہ توکل کے منافی سمجھا، اگرچہ دوسروں کے لئے یہ جائز ہے۔ من تعلق شیئا آپؐ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص تعویذ باندھتا ہے، یا گنڈہ ڈالتا ہے اور جھاڑ پھونک وغیرہ جیسے عملیات کا سہارا لیتا ہے، اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ چیز فائدہ مند ہے اور ضرر کو دفع کرتی ہے، تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے، اور انہی چیزوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے، یعنی اس کو حق تعالیٰ کی مدد و اعانت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور وہ شفا نہیں پاتا، کیوں کہ ذات حق تعالیٰ کے علاوہ نہ کوئی چیز فائدہ دیتی ہے اور نہ نقصان پہنچاتی ہے، گویا اس ارشاد گرامی کا مقصد تفویض و توکل کی طرف راغب کرنا ہے۔ (مرقات، مظاہر حق)

## حدیث ۱٤١١ ﴿جھاڑ پھونک کے فائدہ کا بیان﴾ عالمی حدیث: ٤٥٥٧-٤٥٥٨

وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا رُقْيَةَ اِلَّا مِنْ عَيْنٍ اَوْ حُمَةٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ بُرَيْدَةَ.

**حوالہ:** احمد، ص ٤٣٦، ج ٤، ابوداود، ص ٥٤٢ ج ٢، باب فی تعلیق التمائم، کتاب الطب، حدیث ٣٨٨٤، ترمذی، ص ٢٦ ج ٢، باب ما جاء فی الرخصة فی ذلک، کتاب الطب، حدیث ٢٠٥٧، ابن ماجه، ص ٢٥١ باب رخص فیه من الرقاء، کتاب الطب، حدیث: ٣٥١٣

**ترجمہ:** حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھاڑ پھونک کا اثر صرف نظر لگنے یا زہریلے جانور کے ڈنک مارنے میں ہے، (احمد، ابوداود، ترمذی) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت بریدہؓ سے نقل کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں خاص طور پر دو چیزوں کے علاج میں جھاڑ پھونک کو موثر بتایا گیا ہے، کیوں کہ ان چیزوں میں جھاڑ پھونک کا اثر بہت تیزی سے ہوتا ہے، اس کے علاوہ دیگر امراض میں بھی جھاڑ پھونک موثر ہے، اور یہ علاج جائز ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا رقیۃ الا من عین او حمۃ جھاڑ پھونک نہیں ہوتی مگر نظر بد کے اثر کو دور کرنے کے لئے یا زہریلے جانور کے ڈسنے سے شفا پانے کے لئے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں دم کرنا دوا علاج سے زیادہ موثر ہے۔ عین، بدنظری ایک حقیقت ہے، جس کو بعض حضرات نے زہر سے تعبیر کیا ہے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بچھو کے ڈنک میں اور سانپ کے منہ میں زہر رکھا ہے، اسی طرح بعض آدمیوں کی آنکھوں میں بھی زہر رکھا ہے کہ ان کی نظر جس چیز کو بھی لگ جاتی ہے اس کو کھا جاتی ہے، چنانچہ بدنظری کے دفعیہ کے لئے دعا و تعویذ اور جھاڑ پھونک نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ آپؐ نے اس مقصد کے لئے بہت سی دعائیں تعلیم فرمائی ہیں۔ حمۃ: ڈنک سے مراد زہریلا ڈنک ہے، جیسے بچھو کا ڈنک، سانپ کا ڈسنا بھی اسی حکم میں ہے، اگر کسی شخص کو بچھو ڈنک مار دے یا سانپ ڈس لے تو اس کے زہر اتارنے کا بہترین ذریعہ جھاڑ پھونک ہے، اور اس سے مراد وہ جھاڑ پھونک ہے جس میں حصول شفا کے لئے منقول دعائیں اور قرآنی دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔

## حدیث ۱٤١٢ ﴿جھاڑ پھونک کی تاثیر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٥٩

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا رُقْيَةَ اِلَّا مِنْ عَيْنٍ اَوْ حُمَةٍ اَوْ دَمٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۴۳ ج ۲، باب ما جاء فی الرقی، کتاب الطب، حدیث: ۳۸۸۹

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھاڑ پھونک موثر نہیں ہے، مگر نظر لگنے یا زہریلے جانور کے ڈسنے یا نکسیر پھوٹنے میں۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** جھاڑ پھونک اور عملیات کے ذریعہ علاج معالجہ کرنا دردسر، دانتوں کے درد جیسی تقریباً ہر بیماری کے لئے فائدہ مند ہے۔ جس کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے، نیز بخاری ومسلم کی روایت میں منقول ہے کہ جب آپؐ بیمار تھے، تو حضرت جبرئیل آپ کے پاس آئے اور کہا کہ "بسم الله ارقیك من كل داء یوذیك" لہٰذا مذکورہ بالا حدیثوں میں جھاڑ پھونک کے اثر کو محض تین چیزوں میں منحصر کرنا دراصل مبالغہ کے طور پر ہے اور مراد یہ ہے کہ دوسری چیزوں کی بہ نسبت ان تین چیزوں میں جھاڑ پھونک زیادہ فائدہ منداور زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ عام طور پر لوگ انہی چیزوں میں عملیات کا زیادہ سہارا لیتے ہیں۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** او دم ''رعاف'' یعنی نکسیر مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ نکسیر کے لئے جب جھاڑ پھونک کی جاتی ہے تو خون رک جاتا ہے، اور شفا مل جاتی ہے۔ بقیہ کے لئے گزشتہ حدیثیں دیکھیں۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ مصنف کے لئے بہتر تھا کہ اس روایت کو گزشتہ روایت کے ساتھ ذکر کرتے اور فرماتے ''و زاد ابو داؤد او دم فی روایة عن انس'' (ابوداود نے حضرت انسؓ کی روایت سے او دم یعنی نکسیر کا اضافہ نقل کیا ہے)

## حدیث ۱۴۱۳ ﴿بدنظری کا علاج جھاڑ پھونک﴾ عالمی حدیث: ۴۵۶۰

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ يَسْرَعُ اِلَيْهِمُ الْعَيْنُ اَفَاسْتَرْقِيْ لَهُمْ قَالَ نَعَمْ فَاِنَّهُ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدْرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ .

**حوالہ:** احمد، ص ۴۳۸، ج ۶، ترمذی، ص ۲۶ ج ۲، باب ما جاء فی الرقیة من العین، کتاب الطب، حدیث: ۲۰۵۹، ابن ماجه، ص ۵۱-۲۵۰ باب من استرق من العین، کتاب الطب، حدیث: ۳۸۸۷

**ترجمہ:** حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک جعفرؓ کے لڑکوں کو نظر بہت جلد لگ جاتی ہے، کیا میں ان پر دم کروالیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس لئے کہ اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاتی ہے تو وہ نظر ہوتی ہے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نظر کا اثر ہونا یقینی اور قطعی بات ہے، لہٰذا اس کے لئے جھاڑ پھونک کرانا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے، نظر کی تاثیر اتنی شدید ہوتی ہے کہ اگر بالفرض تقدیر پر کوئی چیز سبقت کر سکتی تو یہی نظر ہوتی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** سابق القدر: مطلب یہ ہے کہ تقدیر سے آگے کوئی چیز نہیں جاسکتی، جو کچھ مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا، اگر بالفرض کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی ہے تو وہ نظر بد ہوتی، لہٰذا اگر نظر لگ جائے تو جھاڑ پھونک کے ذریعہ اس کو دفع کرنا چاہئے۔ (مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۵۵۶ دیکھیں)

## حدیث ۱۴۱۴ ﴿چیونٹی کے منتر کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ۴۵۶۱

وَعَنِ الشِّفَاءِ بِنْتِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ فَقَالَ اَلَا تُعَلِّمِيْنَ هٰذِهٖ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيْهَا الْكِتَابَةَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ .

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۴۲ ج ۲، باب ما جاء فی الرقی، کتاب الطب، حدیث: ۳۸۸۷

**ترجمہ:** حضرت شفاء بنت عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک دن ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر فرمایا کیا تم ان کو چیونٹی کا منتر نہیں سکھا سکتیں جس طرح کہ تم نے انہیں لکھنا سکھایا ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پھنسیوں کی بیماری جس میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بدن پر چونٹیاں رینگ رہی ہیں کے علاج کے لئے منتر پڑھنا اور سیکھنا درست ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الشفاء بنت عبدالله عبداللہ بن شمس کی بیٹی عدوی ہیں، ان کا اصل نام لیلیٰ تھا، اور شفاء لقب تھا جو کہ اتنا مشہور ہوا کہ اصل نام پر غالب آ گیا، انہوں نے ہجرت سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا، اونچے درجے کی عاقلہ فاضلہ عورتوں میں سے تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو قیلولہ کے لئے ان کے یہاں جاتے تھے اور وہاں آرام فرماتے تھے، انہوں نے آپؐ کے لئے بستر اور لنگی کا انتظام کر رکھا تھا، تاکہ آرام کے وقت یہ دونوں چیزیں آپ کی خدمت میں آئیں۔

رقية النملة نملہ سے مراد وہ پھنسیاں ہیں جو پسلیوں پر نکلتی ہیں اور بہت تکلیف پہنچاتی ہیں، جو شخص ان پھنسیوں میں مبتلا ہوتا ہے، اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے ان پھنسیوں کی جگہ چونٹیاں رینگ رہی ہوں اور غالباً اسی مناسبت سے ان پھنسیوں کو (نملہ) کہا جاتا ہے۔

حضرت شفاء مکہ میں اس نملہ کے دفعیہ کے لئے ایک منتر پڑھ کر جھاڑ پھونک کرتی تھیں، جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور آپؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے اور یہ بھی وہاں پہنچیں، تو انہوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے زمانہ جاہلیت میں نملہ کے دفعیہ کے لئے ایک منتر پڑھا کرتی تھی، اب چاہتی ہوں کہ وہ منتر آپ کو پڑھ کر سناؤں (تاکہ آپ اس کے بارے میں حکم دیں کہ اس کا پڑھنا جائز ہے کہ نہیں) چنانچہ آپ نے اس منتر کو سن کر اس کے ذریعہ جھاڑ پھونک کرنے کی اجازت دے دی اور پھر فرمایا کہ یہ منتر حضرت حفصہؓ کو بھی سکھا دو۔ "رقية نملة" سے مراد وہ چند کلمات ہیں جو عرب کی عورتوں میں مشہور تھے، جن کو وہ رقیہ نملہ کہتی تھیں، ورنہ نملہ کا جو حقیقی منتر تھا، وہ تو دراصل خرافات کا مجموعہ تھا، جس کو پڑھنے سے آپ نے منع فرما دیا تھا، ظاہر ہے کہ آپؐ اس منتر کے سکھانے کا حکم کیوں فرماتے؟ وہ مشہور کلمات جن کو عرب کی عورتیں رقیہ نملہ کہتی تھیں، یہ ہیں 'العروس تحتفل و تختضب و تكتحل و كل شيء تفتعل غير انها لا تعصي الرجل (دلہن مانگ، خضاب و سرمہ وغیرہ لگا کر اپنے کو سجا سنوار سکتی ہے، اور سب کچھ کر سکتی ہے، لیکن شوہر کی نافرمانی نہیں کر سکتی) بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آپ کا شفاء سے یہ فرمانا کہ حفصہؓ کو نملہ کا منتر سکھا دو، حقیقت میں تعریض کے طور پر تھا، اس کا ایک خاص پس منظر تھا اور وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت حفصہؓ کو ایک راز کی بات بتا دی تھی، لیکن حفصہؓ نے اس کو فاش کر دیا، اس کا ذکر قرآن کریم کی سورۂ تحریم میں بھی کیا گیا ہے، چنانچہ آپ نے شفاء سے مذکورہ ارشاد فرما کر گویا حضرت حفصہؓ کو نصیحت کی اور ان کو متنبہ کیا کہ تم نے میرے بتائے ہوئے راز کو ظاہر کر کے، شوہر کی نافرمانی کی ہے، جو کہ نہ صرف تمہارے مقام و مرتبہ کے منافی بات ہے، بلکہ وفا شعار عورت کی اس خصوصیت کے بھی منافی ہے کہ وہ شوہر کی نافرمانی کرنا گوارہ نہیں کرتی، جس راز کے افشاء پر یہ تنبیہ ہے وہ مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ جب اپنے والد حضرت عمرؓ کے یہاں گئی تھیں، آپؐ نے ان کے حجرہ میں حضرت ماریہ قبطیہ والدۂ حضرت ابراہیمؓ سے اختلاط فرمایا تھا، اتفاقاً حضرت حفصہؓ نے آپؐ اور حضرت ماریہؓ کو اپنے کمرہ میں دیکھ لیا، اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے اس راز کا ذکر کر دیا، بخاری و مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنبیہ اس واقعہ سے متعلق ہے کہ آپ نے حضرت زینبؓ کے پاس جا کر شہد پی لیا، کچھ ازواج مطہرات کو یہ بات طبعاً اچھی نہیں لگی، اس پر آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا، میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا، لیکن تم اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا، حضرت حفصہؓ نے اس راز کو بھی فاش کر دیا تھا۔

كما علمتها الكتابة حضرت شفاء نے حضرت حفصہؓ کو لکھنا سکھایا تھا، حدیث کے اس جزء سے عورتوں کو لکھنا سکھانا جائز معلوم ہوتا

ہے۔(مظاہر حق، مرقات)

**تعارض:** حدیث باب ایک دوسری روایت "لا تعلموهن الكتابة" (یعنی عورتوں کولکھنا مت سکھاؤ) کے معارض ہے۔

**جواب:** (۱) دونوں میں تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ جواز عام حالت میں ہے، اور ممانعت کا تعلق فتنہ وفساد سے ہے، یعنی اگر عورت لکھنا سیکھ کر فتنہ برپا کرتی ہے تو دیگر عورتوں کو اس وقت لکھنا نہ سکھایا جائے۔ یعنی فتنہ کے اندیشہ کے وقت عورت کو لکھنے کی تعلیم نہ دی جائے۔(۲) اجازت پہلے کی ہے اور ممانعت کا تعلق بعد کا ہے، یعنی اجازت منسوخ ہے۔(۳) اجازت کا تعلق ازواج مطہرات سے ہے اور ممانعت عام عورتوں کے لئے ہے۔(مرقات، بذل)

## حدیث ۱٤۱٥ ﴿نظر بد کے علاج کے طریقہ کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٦٢

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ رَأَى عَامِرُ بْنَ رَبِيْعَةَ سَهْلَ بْنِ حُنَيْفٍ يَغْتَسِلُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ وَلَا جِلْدَ مُخَبَّاةٍ قَالَ فَلُبِطَ سَهْلٌ فَأُتِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِيْ سَهْلِ ابْنِ حُنَيْفٍ وَاللّٰهِ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَقَالَ هَلْ تَتَّهِمُوْنَ لَهُ اَحَدًا فَقَالُوْا نَتَّهِمُ عَامِرَ بْنَ رَبِيْعَةَ قَالَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامِرًا فَتَغَلَّظَ عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَامَ يَقْتُلُ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ اِلَّا بَرَّكْتَ اِغْتَسِلْ لَهُ فَغَسَلَ لَهُ عَامِرٌ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَمِرْفَقَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَاَطْرَافَ رِجْلَيْهِ وَدَاخِلَةَ اِزَارِهٖ فِيْ قَدَحٍ ثُمَّ صُبَّ عَلَيْهِ فَرَاحَ مَعَ النَّاسِ لَيْسَ لَهُ بَأْسٌ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَاهُ مَالِكٌ فِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ اِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ تَوَضَّأْ لَهُ فَتَوَضَّأَ لَهُ .

**حواله:** مؤطا امام مالك، ص ۳۷۳-۳۷٤ باب الوضوء من العين، كتاب العين، البغوى فى شرح السنة، باب ما رخص فيه من الرقى، كتاب الطب والرقى

**حل لغات:** جلد (ج) جُلُوْدٌ، کھال، مخبأة پوشیدہ چھپایا ہوا، خَبَّأَهُ تفعیل چھپادینا، لبط لَبْطًا بفلان کھڑے ہوئے کا زمین پر گر جانا (مجہول ہے) لبط (ض) لَبْطًا فلانًا زمین پر پٹخنا، تغلظ (تفعل) على احدٍ غصہ کرنا، سخت بات کہنا، علام (على ما) کس بات پر کس وجہ سے برکت (تفعیل) برکت کی دعا کرنا، یا دعا دینا، قدح پانی یا نبیذ پینے کا پیالہ، غلے کا ایک پیالہ (ج) اَقْدَاحٌ۔

**ترجمه:** حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیفؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عامر بن ربیعہؓ نے سہل بن حنیفؓ کو نہاتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ خدا کی قسم نہ میں نے آج کی طرح دن دیکھا اور نہ ایسی خوبصورت کھال دیکھی۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت سہل گر پڑے، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے، آپؐ سے کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو سہل بن حنیف سے کچھ تعلق ہے؟ اللہ کی قسم وہ تو اپنا سر بھی اٹھا نہیں پا رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ ان کی اس حالت کے بارے میں کسی پر الزام لگاتے ہو؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم عامر بن ربیعہ پر الزام لگاتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کو بلوایا اور انہیں ڈانٹا، اور آپ نے فرمایا کہ کیوں قتل کرتا ہے تم میں کا کوئی شخص اپنے بھائی کو، تم نے برکت کی دعا کیوں نہیں کی؟ تم ان کے لئے دھو، چنانچہ عامر نے سہل کے لئے اپنے چہرے، اپنے دونوں ہاتھوں، ہاتھوں کی دونوں کہنیوں اور دونوں گھٹنوں اور پیروں کی انگلیوں اور اپنی تہبند کے اندر کے اعضاء کو ایک پیالے میں دھویا، پھر وہ پانی سہل پر ڈالا گیا، چنانچہ سہل وہاں سے لوگوں کے ساتھ اس طرح چل کر گئے کہ انہیں کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ (شرح السنۃ) اس روایت کو امام مالکؒ نے بھی نقل کیا ہے، لیکن ان کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ نظر لگنا برحق ہے، تم نظر زدہ کے لئے وضو کرو، چنانچہ انہوں نے ان کے لئے وضو کیا۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نظر بد ایک حقیقت ہے، لہٰذا اگر کسی کو نظر لگ گئی اور جس کی نظر لگ گئی ہے وہ متعین ہے، تو نظر لگانے والے کو مذکورہ اعضا کو دھل کر نظر زدہ پر ڈالا جائے اس سے نظر بد کا اثر ختم ہو جائے گا، کوئی چیز اچھی لگے تو ماشاء اللہ کہنے اور برکت کی دعا دینے سے نظر نہیں لگتی ہے۔ لہٰذا اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فلبط سھل، عامر کی نظر لگنے کیوجہ سے سہل گر پڑے، امام نوویؒ کہتے ہیں کہ علماء کے نزدیک نظر زدہ کیلئے نظر لگانیوالے کے ''وضو'' کی صورت یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں تحقیق ہو کہ اسنے نظر لگائی ہے اسکے سامنے کسی برتن یعنی پیالے وغیرہ میں پانی لایا جائے، اس برتن کو زمین پر نہ رکھا جائے، پھر نظر لگانے والا اس برتن میں سے ایک چلو پانی لیکر کلی کرے اور اس کلی کو اسی برتن میں ڈالے، پھر اسمیں سے پانی لیکر اپنا منہ دھوئے، پھر بائیں ہاتھ میں پانی لیکر دائیں کہنی اور دائیں ہاتھ میں پانی لیکر بائیں کہنی دھلے اور ہتھیلی و کہنی کے درمیان جو جگہ ہے اسکو نہ دھوئے، پھر داہنا پیر اور اسکے بعد بایاں پیر دھوئے، پھر اسی طرح پہلے داہنا گھٹنا اور بعد میں بایاں گھٹنا دھوئے، دھونے کے بعد اس پانی کو نظر زدہ کے اوپر اسکی پشت کی طرف سے سر پر ڈال کر بہادے، واضح رہے کہ اس طرح کا علاج اسرار وحکم سے تعلق رکھتا ہے، جو عقل و سمجھ کی رسائی سے باہر کی چیز ہے، لہٰذا اس بارے میں عقلی بحث کرنا لاحاصل ہے، (یہ جو طریقہ نوویؒ نے بیان کیا ہے علماء کے تجربہ سے تعلق رکھتا ہے، حدیث میں اس ترتیب پر کوئی اشارہ نہیں ہے۔ ابن علی) علامہ مارزیؒ کہتے ہیں کہ مذکورہ جسم کے اعضاء کو دھونے کا حکم وجوب کے طور پر ہے، لہٰذا نظر لگانے والے کو اس بات پر طاقت کے ذریعہ مجبور کیا جاسکتا ہے کہ نظر زدہ کیلئے مذکورہ وضوء کرے، نیز انہوں نے کہا ہے کہ اس حکم کی خلاف ورزی کرنا انسانیت سے بعید ہے، خاص طور پر اس صورت میں جب کہ نظر زدہ کے ہلاک ہو جانے کا خوف ہو، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص نظر لگانے کے بارے میں مشہور ہو جائے، تو اس سے اجتناب کرنا اور اسکے سامنے آنے سے احتیاط کرنا لازم ہے، اور حاکم کیلئے مناسب ہے کہ وہ ایسے شخص کو لوگوں میں آنے جانے سے روکے، اگر وہ محتاج ہو تو اس کیلئے بیت المال سے گذر اوقات کا وظیفہ جاری کردے۔ ایسے شخص کا ضرر جذامی کے ضرر سے زیادہ شدید ہے، لہٰذا اس بارے میں ممکنہ احتیاط لازم ہے۔ امام نوویؒ نے اس قول کی تائید کی ہے اور کہا کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے بالکل صحیح اور ناقابل تردید ہے، کیونکہ اسکے متعلق علماء میں سے کسی کا بھی کوئی اختلاف ہمارے علم میں نہیں ہے۔ (مرقات، ص۳۲۹، ج۸،)

## حدیث ۱۴۱۶ ﴿بد نظر سے پناہ مانگنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٦٣

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ وَعَیْنِ الْاِنْسَانِ حَتّٰی نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ فَلَمَّا نَزَلَتْ اَخَذَ بِهِمَا وَتَرَكَ مَا سِوَاهُمَا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ .

**حواله:** ترمذی، ص ٢٦ ج ٢، باب ما جاء فی الرقیة بالمعوذتین، کتاب الطب حدیث ٢٠٥٨، ابن ماجه، ص ٢٥١ باب من استرقی من العین، کتاب الطب، حدیث: ٣٥١١

**ترجمه:** حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات اور انسان کی پناہ مانگتے تھے، یہاں تک کہ سورہ فلق اور سورہ ناس نازل ہوئیں، جب یہ نازل ہوئیں تو انہیں اختیار کیا، اور ان دونوں کے ماسوا کو چھوڑ دیا۔ (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب حسن ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ سورہ قل اعوذ برب الفلق، اور سورہ قل اعوذ برب الناس، نازل ہونے سے پہلے یوں دعا فرمایا کرتے تھے اعوذ باللہ من الجان و عین الانسان، پھر جب یہ سورتیں

نازل ہوئیں، تو آپ ان سورتوں کے ذریعہ دعا مانگنے لگے، چوں کہ یہ سورتیں قرآن کریم میں ہیں اور تمام مکروہ وناپسندیدہ چیزوں سے پناہ طلب کرنے پر مشتمل ہیں اس لئے آپؐ نے انہی کو اختیار فرمایا۔ (عون الترمذی)

**کلمات حدیث کی تشریح** یتعوذ من الجان و عین الانسان ۔اس حدیث کی شرح میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ آپ آسیب کو اور نظر بد کو مختلف دعاؤں سے جھاڑا کرتے تھے، یہاں تک کہ سورہ فلق اور سورہ ناس نازل ہوئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو لے لیا، یعنی ان سے جھاڑنا شروع کیا، اور ان کے علاوہ جھاڑوں کو چھوڑ دیا، مگر بالکلیہ نہیں چھوڑا، دیگر جھاڑوں سے بھی آپ جھاڑتے تھے، حدیثوں میں ان کا ذکر بھی ہے، لہٰذا اس حدیث کو اکثری احوال پر محمول کریں گے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث ۱۴۱۷ ﴿جنات سے پناہ چاهنا﴾ عالمی حدیث: ٤٥٦٤-٤٥٦٥

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلْ رُئِیَ فِیْكُمُ الْمُغَرَّبُوْنَ قُلْتُ وَمَا الْمُغَرَّبُوْنَ قَالَ الَّذِیْنَ یَشْتَرِكُ فِیْهِمُ الْجِنُّ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَذُكِرَ حَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ خَیْرُ مَا تَدَاوَیْتُمْ فِیْ بَابِ التَّرَجُّلِ .

**حواله:** ابوداود، ص ٦٩٦ ج٢، باب فی الصبی یولد، کتاب الادب، حدیث: ٥١٠٧

**حل لغات:** المغربون مُغَرَّبٌ کی جمع ہے، یہاں مراد وہ لوگ جن میں جناتوں کی شرکت ہوتی ہے، غَرَّبَ فِی الْاَرْضِ سفر کرتے ہوئے دور چلے جانا۔

**ترجمه:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے اندر مغربون دکھائی دیتے ہیں؟ میں نے عرض کیا "مغربون" کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مغربون وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ جنات شریک ہوتے ہیں۔ (ابوداود) حضرت جابرؓ کی روایت "خیر ما تداویتم" باب الترجل میں نقل ہو چکی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں شیاطین کی شرکت ہوتی ہے، یعنی ان کے وجود اور پیدائش میں شیطان شریک ہوتا ہے، اور شرکت سے جماع میں شرکت مراد ہے، حاصل یہ ہے کہ جس جماع کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے، یعنی یہ بغیر بسم اللہ کی اولاد ہوتے ہیں، ان کو مغرب کہا جاتا ہے، اور ان کو مغرب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایک عرق غریب داخل ہو گئی ہے، یعنی غیر جنس کا نسب اس میں شامل ہو گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ "مغربین" سے مراد اولاد زنا ہیں اور جنات کی شرکت سے مراد شیطان کا آدمی کو زنا پر ابھارنا اور ترغیب دینا ہے۔ (الدر المنضود) اس حدیث میں انسان کو اس بات پر تنبیہ ہے کہ جماع کے وقت اور دیگر اوقات میں بھی اپنے کو استعاذہ وغیرہ کے ذریعہ شیاطین سے دور رکھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** هل رای فیکم المغربون حدیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کرتے وقت خدا کا ذکر نہ کرے، یعنی یہ دعا نہ پڑھے "بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان و جنب الشیطان ما رزقتنا" تو اس پر شیطان اثر انداز ہوتا ہے، بایں طور کہ شیطان اس کے جسم سے اپنا جسم اور اس کے ستر سے اپنا ستر ملا لیتا ہے، اور اس کے ساتھ عورت سے جماع کرتا ہے، اس طرح شیطان اس شخص کے نطفہ اور اس کی ہونے والی اولاد میں شریک ہو جاتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ذکر فرمایا گیا ہے کہ "وشارکھم فی الاموال و الاولاد" اس سے معلوم ہوا کہ "مغربون" کے معنی ہی وہ لوگ جو

جماع کے وقت ذکر خداوندی سے روگردانی کرتے ہیں اور اپنے نفس کو ذکر حق سے دور کردیتے ہیں، یا وہ جماع کے وقت ذکر خداوندی سے غفلت اختیار کر کے اور وظیفۂ زوجیت میں شیطان کو اپنا شریک بنا کر اپنی پیدا ہونے والی اولاد کو اپنی جنس سے دور کردیتے ہیں اور اپنے نسب میں گویا اجنبی خون کو شامل کرتے ہیں، لہٰذا جماع کا وقت چوں کہ سرشاری وغفلت کا وقت ہوتا ہے، اس لئے اس موقع پر احتیاط و ہوشیاری اختیار کر کے ذکر خداوندی یعنی مذکورہ دعا پڑھنے سے چوکنا نہیں چاہئے، تاکہ اس بلا وفتنہ سے محفوظ رہے۔ (مظاہر حق، مرقات)

## حدیث ۱٤۱۸ ﴿صحت کا مدار معدہ پر ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٥٦٦

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمِعْدَةُ حَوْضُ الْبَدَنِ وَالْعُرُوْقُ اِلَیْهَا وَارِدَةٌ فَاِذَا صَحَّتِ الْمِعْدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالصِّحَةِ وَاِذَا فَسَدَتِ الْمِعْدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالسَّقَمِ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ٦٦، ج ٥، باب فی المطاعم و المشارب، حدیث: ٥٧٩٦

**حل لغات:** المعدة معدہ جمع مِعِدٌ، العروق عِرْق کی جمع رگ جس سے بدن میں خون دوڑتا ہے، واردةٌ آنے والی، وَرَدَ (ض) وُرُوْدًا آنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ جسم کا حوض ہے اور رگیں اس کی طرف آنے والی ہوتی ہیں، چنانچہ جب معدہ صحت بخش ہوتا ہے تو رگیں بھی تندرستی کے ساتھ لوٹتی ہیں اور جب معدہ خراب ہوتا ہے تو رگیں بیماری کے ساتھ لوٹتی ہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو اس بات کی فکر کرنا چاہئے کہ اس کا معدہ تندرست رہے، معدہ کی صحت پر جسم کے دیگر اعضاء کی تندرستی کا مدار ہے، معدہ کی خرابی سے دیگر اعضاء بھی متاثر ہوتے ہیں، اس طرح اپنے رزق کو پاک وطیب رکھنا چاہئے، حرام روزی کا اثر بھی جسم کے اعضا پر پڑتا ہے، چنانچہ ناجائز روزی معدہ میں پہنچتی ہے تو پھر برے اعمال کا صدور بھی ہوتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** المعدة حوض البدن انسان کے بدن اور اس کے معدہ کے درمیان وہی نسبت ہے جو پانی کے تالاب اور درخت کے درمیان ہے کہ جس طرح کسی تالاب کے کنارے یا پانی میں کھڑا ہو کر درخت اپنے رگ وریشے کے ذریعہ پانی سے حیات بخش رطوبات حاصل کرتا ہے، اسی طرح جسم انسانی مختلف رگوں کے ذریعہ اپنے معدہ سے صحت وطاقت کی رطوبات حاصل کرتا ہے، چنانچہ اگر پانی صاف وشیریں ہوتا ہے تو وہ درخت کی تر وتازگی اور نشو ونما کا سبب بنتا ہے اور اگر پانی گدلا اور کھارا ہوتا ہے تو وہ درخت کی پژمردگی وخشکی کا باعث بن جاتا ہے، زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حدیث کو طب نبوی پر محمول کیا جائے، اس صورت میں مذکورہ بالا ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہوگا کہ انسان کے اقوال وافعال، کردار وعادات اس غذا اور خوراک کے مطابق ہوتے ہیں، کہ اگر کسی شخص کے پیٹ میں حرام غذا داخل ہوتی ہے تو اس کے اعضاء جسم سے حرام افعال واقوال صادر ہوتے ہیں، اسی طرح اگر کسی شخص کے پیٹ میں کھانے پینے کی فضول وغیر مناسب چیزیں جاتی ہیں تو اس کے جسم کے ہر بڑے چھوٹے عضو سے فضول وغیر مناسب افعال وغیرہ صادر ہوتے ہیں، اس کے برخلاف جس شخص کے پیٹ میں حلال وپاک غذائیں جاتی ہیں اس کے اعضاء وجسم سے صالح وپاکیزہ اعمال صادر ہوتے ہیں۔ (مظاہر حق، مرقات)

## حدیث ۱٤۱۹ ﴿بچھو کے ڈسنے کا علاج﴾ عالمی حدیث: ٤٥٦٧

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ بَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ یُصَلِّیْ فَوَضَعَ یَدَهٗ عَلَی الْاَرْضِ فَلَدَغَتْهُ

عَقْرَبٌ فَنَاوَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَعْلِهٖ فَقَتَلَهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْعَقْرَبَ مَا تَدَعُ مُصَلِّيًا وَلَا غَيْرَهٗ اَوْ نَبِيًّا وَغَيْرَهٗ ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَمَاءٍ فَجَعَلَهٗ فِيْ اِنَاءٍ ثُمَّ جَعَلَ يَصُبُّهٗ عَلٰى اِصْبَعِهٖ حَيْثُ لَدَغَتْهُ وَيَمْسَحُهَا وَيُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

**حوالہ:** بیھقی فی شعب الایمان، ص ۵۱۸، ج ۵، باب فی تعظیم القرآن، حدیث ۲۵۷۵

**حل لغات:** لدغتہ لَدَغَ (ف) لَدْغًا الحَيَّةُ سانپ کا ڈسنا، ڈنک مارنا، عقرب (ج) عَقَارِبُ بچھو، ناول (مفاعلت) الشئ دینا، تدع وَدَعَ (ف) وَدْعًا الشئ چھوڑنا۔

**ترجمہ:** حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے اپنا دست مبارک زمین پر رکھا، تو ایک بچھو نے ڈس لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتے سے مار کر اس کو قتل کر دیا، جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ بچھو پر اللہ کی لعنت ہو وہ نمازی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نمازی کو، یا آپ نے فرمایا کہ نہ وہ نبی کو چھوڑتا ہے اور نہ غیر نبی کو، پھر آپ نے نمک اور پانی منگوایا، پھر ان کو ایک برتن میں ڈالا پھر اس کو اپنی انگلی پر اس جگہ ڈالنے لگے، جس جگہ بچھو نے ڈسا تھا، اور اس کو سہلاتے رہے، اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر دم کرتے رہے، دونوں روایتیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بچھو اور اس جیسے ضرر رساں حشرات الارض جس طرح عام انسانوں کو باذن خداوندی ڈس کر تکلیف پہنچاتے ہیں، اسی طرح نبی کی ذات کو بھی باذن خداوندی تکلیف پہنچا سکتے ہیں، معلوم ہوا کہ نبی بھی انسان ہوتے ہیں اور انہیں بھی تکلیف لاحق ہوتی ہے۔ بچھو کے ڈسنے کا علاج بھی حدیث میں ہے کہ نمک پانی ڈالا جائے اور معوذتین پڑھ کر دم کیا جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فناولھا آپ نے جوتے سے دبا کر دوران نماز عمل قلیل کے ذریعہ بچھو کو مار دیا۔ او نبیاً راوی کو شک ہے کہ آپ نے نمازی اور غیر نمازی فرمایا تھا، یا نبی اور غیر نبی کے الفاظ فرمائے تھے۔ یعنی یہ مقام و مرتبہ کی رعایت نہیں کرتا اور یہی اس کے لعنت کے مستحق ہونے کی علت ہے۔ فجعلہ واحد کی ضمیر "کل" کی طرف راجع ہے، یعنی نمک اور پانی میں سے ہر ایک کو آپ نے برتن میں ڈالا۔ (مرقات)

## حدیث ۱۴۲۰ (آپؐ کے بال مبارک کے ذریعہ شفا ملنے کا ذکر) عالمی حدیث: ۴۵۶۸

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ اَرْسَلَنِيْ اَهْلِيْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ وَكَانَ اِذَا اَصَابَ الْاِنْسَانَ عَيْنٌ اَوْ شَيْءٌ بَعَثَ اِلَيْهَا مِخْضَبَهٗ فَاَخْرَجَتْ مِنْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ تُمْسِكُهٗ فِيْ جُلْجُلٍ مِنْ فِضَّةٍ فَخَضْخَضَتْهُ لَهٗ فَشَرِبَ مِنْهُ قَالَ فَاطَّلَعْتُ فِي الْجُلْجُلِ فَرَاَيْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرَاءَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۷۵ ج ۲، باب ما یذکر فی الشیب، کتاب اللباس، حدیث: ۵۸۹۶

**حل لغات:** مخضبۃ لگن، کپڑے دھونے، اور رنگنے کا برتن، جمع مَخَاضِبُ، جلجل گھنگھرو، چھوٹی گھنٹی (ج) جَلَاجِلُ، یہاں مراد چھوٹی ڈبیا ہے، خضخضت (فعللۃ) خَضْخَضَ الشئ ہلانا، حرکت دینا، شعرات شَعْرَۃٌ کی جمع ہے بال۔

**ترجمہ:** حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہبؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے پانی کا پیالہ دے کر حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا، کیوں کہ جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی ہے یا کوئی اور تکلیف پہنچ جاتی تو ایک بڑا پیالہ دے کر ان کے پاس بھیجا جاتا، چنانچہ حضرت ام

سلمہؓ نے رسول اللہ کے موئے مبارک نکالے جو کہ ان کے پاس چاندی کے ایک ڈبیہ میں رکھے ہوئے تھے، وہ ان بالوں کو پانی میں ڈال کر ہلاتیں، پھر مریض اس پانی میں سے پیتا، راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس ڈبیہ میں جھانک کر دیکھا تو مجھے چند سرخ بال نظر آئے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کے بال مبارک پانی میں مل جاتے تو پانی میں برکت اور شفا پیدا ہو جاتی، مریض اس کو پی کر صحت یاب ہو جاتے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ چاندی کے برتن میں کوئی چیز حفاظت کی غرض سے رکھنا جائز ہے۔ اس حدیث میں آپ کے بالوں کا سرخ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ خضاب لگاتے تھے، جب کہ بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ آپؐ خضاب لگاتے تھے؟ جواب دیا کہ آپؐ کے بال بہت کم سفید ہوئے تھے، یعنی آپ کو خضاب کی ضرورت نہیں پڑی، ممکن ہے کہ بالوں کی سرخی وہ ہو جو سفیدی سے قبل آتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** و کانت تمسکه فی جلجل من فضة طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس موقع پر چاندی کا استعمال موئے مبارک کی تعظیم و توقیر کے پیش نظر تھا، جیسا کہ کعبہ مکرمہ پر ریشمی کپڑے کا پردہ ڈالا جاتا ہے، جہاں تک بالوں کی سرخی کا تعلق ہے تو ہو سکتا ہے کہ موئے مبارک خلقی طور پر سرخ ہی تھے، یا تھے تو بھورے، مگر دیکھنے میں سرخ معلوم ہوتے تھے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان پر مہندی کا خضاب لگا ہوگا جس کی وجہ سے وہ سرخ تھے، یا چوں کہ ان کو خوشبوؤں میں رکھا جاتا تھا، اس لئے ان خوشبوؤں کی وجہ سے ان کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور وہ سرخ نظر آنے لگے تھے۔

## حدیث ۱۴۲۱ ﴿چندھاپن کا علاج﴾ عالمی حدیث: ٤٥٦٩

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ نَاسًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَمْاَةُ جُدَرِيُّ الْاَرْضِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَمْاَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاءُ هَاشِفَاءٌ لِلْعَيْنِ وَالْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهِيَ شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَاَخَذْتُ ثَلٰثَةَ اَكْمُؤٍ اَوْ خَمْسًا اَوْسَبْعًا فَعَصَرْتُهُنَّ وَجَعَلْتُ مَاءَ هُنَّ فِیْ قَارُوْرَةٍ وَكَحَلْتُ بِهٖ جَارِيَةً لِیْ عَمْشَاءَ فَبَرَأَتْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۷ ج ۲، باب ما جاء فی الکماۃ و العجوۃ، کتاب الطب، حدیث: ۲۰۶۸

**حل لغات:** الکماۃ واحد ہے جمع اَکْمُؤ کھمبی، جدری چیچک، السم زہر، زہریلا مادہ، جمع سُمُوْمٌ، عصرت، عَصَرَ (ض) عَصْرًا الشیئ عرق یا رس یا تیل وغیرہ نکالنا، قارورۃ، جمع قواریر شیشی، عمشاء اَعْمَشُ کا مؤنث ہے، چوندھیا کمزور نگاہ۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ نے کہا کہ "کھمبی" زمین کی چیچک ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کھمبی" من کی قسم کی چیز ہے، اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا کا باعث ہے، اور عجوہ کھجور جنت سے ہے، اس میں زہر سے شفا ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے تین یا پانچ یا سات کھمبیاں لیں، انہیں نچوڑا، اور ان کا پانی ایک شیشی میں رکھ لیا، اور اس پانی کو اپنی ایک باندی کی آنکھ میں ڈالا جو کہ چندھیا تھی تو وہ شفایاب ہوگئی۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں کھمبی جو کہ ایک خودرو گھاس ہے، اس کی فضیلت اور اہمیت کا ذکر ہے، اسی طرح عجوہ کھجور کی بھی اہمیت اور فضیلت کا بیان ہے، ان میں امراض سے شفا ہے، لہٰذا انہیں استعمال کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الکماۃ من المن کھمبی من سے ہے، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) اگر یہ تمثیل ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کھمبی مفت حاصل ہونے والی نعمت ہے، جیسے من بنی اسرائیل کو مفت ملتا تھا

(۲) اور اگر یہ بیان واقعہ ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر جو من اترا تھا، اس کا اثر زمین میں باقی رہ گیا ہے، جو کبھی کبھی کھمبی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ وماء ھا شفاء للعین کھمبی کا پانی آنکھوں کے لئے باعث شفاء ہے۔ (تفصیل میں نے عالمی حدیث ۴۱۱۴ کے تحت نقل کی ہے دیکھ لی جائے) و العجوۃ من الجنۃ۔ عجوہ جنتی پھل ہے اور اس میں زہر کی دوا ہے۔ جنتی پھل ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) اگر یہ تمثیل ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عجوہ بابرکت اور نہایت مفید پھل ہے، صحیحین کی روایت ہے کہ جو شخص نہار منہ روزانہ عجوہ کے سات دانے کھائے وہ سحر اور زہر سے متاثر نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ بھی عجوہ میں بہت سے فوائد ہیں۔ (۲) اگر بیان حقیقت ہے تو اس کا مطلب وہ ہے جو بزار اور طبرانی کی روایت میں آیا ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تو ان کو جنت کے پھلوں کا توشہ دیا اور ان کو ہر صنعت سکھلائی، پس تمہارے یہ پھل جنت کے پھلوں میں سے ہیں، البتہ ان پھلوں میں تبدیلی آگئی ہے، اور جنت کے پھل بدستور ہیں۔ (عجوہ کی مزید فضیلت وغیرہ دیکھنے کے لئے عالمی حدیث ۴۱۹۰۔۴۱۹۱ دیکھیں) و کحلت به جاریة حضرت ابو ہریرہؓ نے آپؐ کے فرمان کے مطابق تجربہ کیا، چنانچہ انھوں نے کھمبی کا پانی اپنی باندی کی آنکھ میں ڈالا، جس سے اس کو شفا مل گئی۔ (مستفاد تحفۃ الالمعی)

## حدیث ۱۴۲۲ ﴿شہد کے نفع کا ذکر﴾ عالمی حدیث ٤٥٧٠

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَعِقَ الْعَسَلَ ثَلٰثَ غَدَوَاتٍ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ لَمْ يُصِبْهُ عَظِيْمٌ مِنَ الْبَلَاءِ.

**حواله:** ابن ماجه، ص ٢٤٦ باب العسل، كتاب الطب، حديث ٣٤٥١، بيهقى فى شعب الايمان، باب فى المطاعم، حديث ٣٤٥٠

**حل لغات:** لعق (س) لَعْقًا العَسَلَ شہد چاٹنا۔

**ترجمه:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر مہینے میں تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لیا کرے اس کو کوئی بڑی بیماری نہیں پہنچے گی۔ (ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصۂ حدیث** شہد نہایت ہی مفید اور نفع بخش غذا اور دوا ہے، سیکڑوں فوائد کا حامل ہے، خارجی، اور داخلی دونوں طرح استعمال مفید ہے، نومولود سے لے کر بوڑھوں تک کے لئے مفید اور صحت بخش ہے، قرآن کریم میں اس کو شفا فرمایا گیا ہے، اس کے منافع و فوائد پر بے شمار طبی رسائل ہیں، جنت میں شہد کی نہریں ہوں گی، حافظؒ نے اس کے متعدد فوائد شمار کرائے ہیں، رگوں اور معدے کے لئے مفید ہے، رطوبات کا محلل ہے، بلغمی امراض میں نافع ہے، غذا اور دوا دونوں کی شان ہے، اس کا پانی کتے کے کاٹنے میں مفید ہے، اس کا سرمہ آنکھوں کے لئے مقوی، دانتوں کے لئے مصقل، صفراء والوں کا تریاق ہے۔ (فتح الباری، شمائل کبریٰ)

**کلمات حدیث کی تشریح** من لعق العسل شروع مہینے کی تین صبحوں میں شہد چاٹنا چاہئے، شہد کی برکت سے بڑی مصیبت دور ہو جاتی ہے۔ خواہ بیماری کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں، جب بڑی مصیبت کے لئے شہد نافع ہے تو چھوٹی کے لئے تو بدرجہ اولیٰ نافع ہے۔

## حدیث ۱۴۲۳ ﴿شہد اور قرآن میں شفاء ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٥٧١

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالشِّفَاءَيْنِ الْعَسَلِ وَالْقُرْاٰنِ رَوَاهُمَا ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ اَنَّ الْخَبَرَ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ.

**حوالہ:** ابن ماجہ، ص ۲٤٦ باب العسل، کتاب الطب، حدیث: ۳٤٥۲، بیھقی فی شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن، حدیث: ۲٥۸۱

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شفا دینے والی دو چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرلو (۱) شہد (۲) قرآن۔ ان دونوں روایتوں کو ابن ماجہ نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔ بیہقی کا کہنا ہے کہ میری روایت مرفوع نہیں ہے، بلکہ ابن مسعودؓ پر موقوف ہے۔

**خلاصۂ حدیث** شہد کا شفا ہونا خود قرآن سے ثابت ہے، ارشاد رب ہے "فیہ شفاء للناس" (اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے) اور قرآن کریم بھی باعث شفا ہے۔ ارشاد رب ہے "ھدی و شفاء لما فی الصدور" (قرآن کریم دلوں کی بیماری کے لئے ہدایت اور شفا ہے) دونوں میں فرق یہ ہے کہ شہد تو محض ظاہری جسمانی بیماریوں کے لئے شفا ہے، جب کہ قرآن کریم ظاہر و باطن یعنی جسم و روح دونوں کی بیماریوں کے لئے شفا ہے، اس لئے قرآن کے حق میں ھدی و شفاء فرمایا گیا ہے۔ (مرقات، مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** علیکم بالشفاء ین۔ دو شفا دینے والی چیزوں کو لازم پکڑو۔ ان میں سے ایک شہد حسی طور پر شفا ہے اور قرآن حسی و معنوی دونوں انداز میں باعث شفا ہے۔ و الصحیح ان الاخیر موقوف ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ غالباً بیہقی کے نزدیک اس حدیث کی دو سندیں ہیں، ایک میں یہ حدیث مرفوع ہے اور ایک میں موقوف ہے۔ اور ان کے نزدیک موقوف والی سند زیادہ صحیح ہے۔ (مرقات)

## حدیث ١٤٢٤ ﴿بلاضرورت پچھنا لگوانا مضر ھے﴾ عالمی حدیث: ٤٥٧٢

وَعَنْ اَبِی کَبْشَةَ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ عَلٰی ھَامَتِہٖ مِنَ الشَّاۃِ الْمَسْمُوْمَةِ قَالَ مَعْمَرٌ فَاحْتَجَمْتُ اَنَا مِنْ غَیْرِ سَمٍّ کَذٰلِکَ فِیْ یَافُوْخِیْ فَذَھَبَ حُسْنُ الْحِفْظِ عَنِّیْ حَتّٰی کُنْتُ اُلَقَّنُ فَاتِحَةَ الْکِتَابِ فِی الصَّلٰوۃِ رَوَاہُ رَزِیْنٌ .

**حوالہ:** رزین

**حل لغات:** یافوخ چندیا، تالو سر کے اوپر کا حصہ جمع یَوَافِیْخ۔

**ترجمہ:** حضرت ابو کبشہ انماریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زہریلی بکری کے باعث سر مبارک پر پچھنے لگوائے، معمرؒ کہتے ہیں کہ میں نے زہر کے بغیر اسی طرح اپنے سر میں پچھنے لگوا لئے تو میرا حافظہ جاتا رہا، یہاں تک کہ مجھے نماز میں سورہ فاتحہ کے اندر بھی لقمہ دیا جاتا۔ (رزین)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض امراض میں سر میں سے خون نکلوانا فائدہ مند ہوتا ہے، لیکن بلاضرورت خون نکلوانے سے بسا اوقات بیماری لاحق ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی تو حافظہ ہی چلا جاتا ہے، جیسے کہ معمرؒ کے ساتھ ہوا کہ ان کی یادداشت جاتی رہی تھی۔ اور قوت حافظہ پر اثر پڑا تھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من الشاۃ المسمومۃ: ایک یہودیہ عورت نے زہر سے آلودہ بکری آپ کو ہدیۃً دی تھی، آپ نے اس کو تناول فرمالیا تھا، اس زہر کے دفعیہ کے لئے آپ نے سر میں پچھنے لگوائے تھے، لیکن پوری طرح شفاء نہیں ملی تھی، یہی وجہ ہے کہ اس زہر کا اثر وقتاً فوقتاً آپ پر ظاہر ہوتا تھا۔ فذھب حسن الحفظ عنی حضرت معمرؒ نے بغیر کسی مرض کے سر میں پچھنا لگوایا تو ان کے حافظہ میں خلل پڑ گیا۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کیفیت کچھ دنوں تک رہی بعد میں حافظہ درست ہو گیا تھا۔

## حدیث ۱۴۲۵ ﴿نہار منہ پچھنا لگوانے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ۴۵۷۳

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ يَا نَافِعُ يَنْبَغُ بِيَ الدَّمُ فَأْتِنِي بِحَجَّامٍ وَاجْعَلْهُ شَابًّا وَلَا تَجْعَلْهُ شَيْخًا وَلَا صَبِيًّا قَالَ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحِجَامَةُ عَلَى الرِّيْقِ اَمْثَلُ وَهِيَ تَزِيْدُ فِي الْعَقْلِ وَتَزِيْدُ فِي الْحِفْظِ وَتَزِيْدُ الْحَافِظَ حِفْظًا فَمَنْ كَانَ مُحْتَجِمًا فَيَوْمَ الْخَمِيْسِ عَلَى اِسْمِ اللّٰهِ وَاجْتَنِبُوا الْحِجَامَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْاَحَدِ وَاحْتَجِمُوْا يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الثُّلَثَاءِ وَاجْتَنِبُوا الْحِجَامَةَ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ فَاِنَّهُ الْيَوْمُ الَّذِىْ اُصِيْبَ بِهِ اَيُّوْبُ فِي الْبَلَاءِ وَمَا يَبْدُوْا جُذَامٌ وَلَا بَرَصٌ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْاَرْبِعَاءِ اَوْ لَيْلَةِ الْاَرْبِعَاءِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

**حوالہ:** ابن ماجه، ص ۲۴۹ باب في الايام يحتجم، كتاب الطب، حديث ۳۴۸۷

**حل لغات:** ينبع نَبَعَ (ن) نَبْعًا الماءُ زمین سے پانی نکلنا، چشمہ پھوٹنا، الدم خون کا جوش مارنا، الريق نہار منہ، جذام کوڑھ، ایسی بیماری جس سے اعضاء جسم گل سڑ کر الگ ہونے لگتے ہیں، برص ایک بیماری جس سے بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں۔

**ترجمہ:** حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اے نافع میرا خون جوش مار رہا ہے، لہٰذا کسی حجام کو میرے پاس لاؤ جو کہ جوان ہو، کسی بوڑھے یا بچے کو مت بلانا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ نہار منہ پچھنے لگوانا بہتر ہے یہ عقل اور حفظ میں اضافہ کرتا ہے، اور حافظ کے حافظے کو بڑھاتا ہے، لہٰذا جو شخص پچھنے لگوائے تو وہ اللہ کا نام لے کر جمعرات کو لگوائے، اور جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو پچھنے لگوانے سے پرہیز کرے، پیر یا منگل کے دن پچھنے لگواؤ، لیکن بدھ کے دن پچھنا لگوانے سے بچو، کیوں کہ اسی روز حضرت ایوب علیہ السلام بیماری میں مبتلا ہوئے تھے، نیز کوڑھ اور برص کی بیماری بھی بدھ کے دن یا رات میں ہی شروع ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** سینگی اور پچھنے لگانے کے وقت کے سلسلہ میں کئی احادیث ہیں، چند ماقبل میں بھی گذر چکی ہیں، ان احادیث میں دن اور تاریخ دونوں کا ذکر ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ سترہ انیس اور اکیس تاریخ کو پچھنے لگوانا زیادہ بہتر ہے، اسی طرح جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اتوار، دوشنبہ کے دنوں میں لگوانا چاہئے، بدھ اور ایک روایت میں منگل کے دن کی ممانعت آئی ہے۔ بعض روایات میں جیسا کہ حدیث باب میں بھی جمعہ شنبہ اور اتوار کی بھی ممانعت ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں عمدۃ القاری، ص ۲۴۰، ج ۲۱)

**کلمات حدیث کی تشریح** واجتنبوا الحجامة يوم الاربعاء بدھ کے دن پچھنا لگوانے سے گریز کرو، کیوں کہ یہی وہ دن ہے جس دن حضرت ایوب علیہ السلام مصیبت میں مبتلا ہوئے، یہاں سے بظاہر سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا مصیبت میں مبتلا ہونا بدھ کے دن سینگی کھنچوانے کے سبب ہوا تھا، جہاں تک مفسرین نے ان کے آزمائش میں مبتلا ہونے کے دیگر اسباب بیان کئے ہیں تو اس میں کوئی تضاد نہیں، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ ان اسباب کے ساتھ ایک سبب یہ بھی ہو۔ یوم الثلثاء اس حدیث میں منگل کے دن پچھنا لگوانے کی اجازت ہے۔ جب کہ عالمی حدیث نمبر ۴۵۶۹ میں ہے کہ منگل کے دن سینگی کھنچوانا ٹھیک نہیں ہے، کیوں کہ اس میں ایک ساعت ایسی بھی ہوتی ہے کہ خون بند ہی نہیں ہوتا۔ بظاہر دونوں روایتوں میں تضاد ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں منگل سے مراد وہ منگل ہے جو چاند کی سترہویں تاریخ کو واقع ہو جیسا کہ اگلی روایت میں اس کی وضاحت بھی ہے۔ وما یبدوا جذام یہاں جو بیان ہوا کہ جذام اور کوڑھ کی بیماریاں صرف بدھ کے دن یا بدھ کی رات ہی میں پیدا ہوتی ہیں، تو یہ حصر اکثر کے اعتبار سے اور بطور مبالغہ کے ہے۔ (مرقات، مظاہر حق)

## حدیث ۱۴۲۶ ﴿منگل کے دن پچھنا لگوانا﴾ عالمی حدیث ۴۵۷۴-۴۵۷۵

وَعَنْ مَعْقِلِ ابْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحِجَامَةُ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ لِسَبْعِ عَشْرَةَ مِنَ الشَّهْرِ دَوَاءٌ لِدَاءِ السَّنَةِ رَوَاهُ حَرْبُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ الْكِرْمَانِيُّ صَاحِبُ اَحْمَدَ وَلَيْسَ اِسْنَادُهُ بِذٰلِكَ هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى وَرَوٰى رَزِيْنٌ نَحْوَهُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ.

**حوالہ:** نیل الاوطار، شرح منتقی الاخبار، رزین

**ترجمہ:** حضرت معقل بن یسارؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منگل کے دن سترہویں تاریخ کو پچھنا لگوانا سال بھر کی بیماریوں کا علاج ہے، اس روایت کو حرب ابن اسماعیل کرمانی نے نقل کیا ہے، جو امام احمد بن حنبلؒ کے مصاحب ہیں، اور روایت کی سند ایسی نہیں ہے کہ اس پر اعتماد کیا جاسکے۔ منتقی میں بھی اسی طرح منقول ہے، نیز اس طرح کی روایت رزین نے بھی حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے۔

**خلاصۂ حدیث:** پچھنا لگوانے سے بہت سی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے اور خاص طور پر سترہ تاریخ کو جو کہ درمیان ماہ ہے، اس میں خون زیادہ جوش پر ہوتا ہے، اگر اس میں پچھنا لگوایا جائے تو سال بھر تک بہت سی بیماریوں سے حفاظت رہے گی۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** یوم الثلاثاء منگل کے دن پچھنا لگوانے اور نہ لگوانے دونوں طرح کی روایات ہیں، لہٰذا منگل کے دن پچھنا نہ لگوانا ہی بہتر ہے۔ اگر مہینے کی سترہ تاریخ کو منگل پڑ رہا ہے تو پچھنا لگوایا جاسکتا ہے۔ لیکن احتیاط زیادہ بہتر ہے۔

# باب الفال والطیرۃ

## ﴿فال اور طیرہ کا بیان﴾

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے (۱۶) حدیثیں ذکر کی ہیں۔

"فال" اصل میں مطلق شگون کو کہتے ہیں، لیکن عام طور پر اس لفظ کا استعمال نیک شگون یا اچھی فال کے معنی میں ہوتا ہے، نیک شگون یا اچھی فال کا مطلب ہے کہ کسی اچھی بات کو سننا یا کسی اچھی چیز کو دیکھنا، جس سے اپنی مراد حاصل ہونے کی توقع پیدا ہو، مثلاً کوئی شخص بیمار ہو اور اس بات کے تردد و اندیشہ میں ہو کہ صحت پاؤں گا یا نہیں اور اس حالت میں وہ سنے کہ کوئی کہہ رہا ہے یا سالم یا کوئی شخص میدان جنگ جارہا تھا کہ ایک شخص سے ملاقات ہوگئی، جس کا نام ظفر خاں یا فتح علی تھا، یا مثلاً کوئی شخص کسی چیز کا طالب ہو یا اس کی کوئی چیز گم ہوگئی ہو، اور وہ اس کو تلاش کر رہا ہو اور اسی اثناء میں اس کے کان میں یا واجد کی آواز آئے، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ کبھی لفظ "فال" برائی کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز کا واقع ہونا بری فال ہے یا زبان سے بری بات نکالنا بدفالی ہے۔

**طیرۃ، تطیر:** یعنی بدفالی لینا کا مصدر ہے جیسا کہ خیرہ، تخیر کا مصدر ہے ان دونوں لفظوں کے سوا اور کسی لفظ کا مصدر اس وزن پر نہیں آتا، طیرا کا استعمال صرف بدفالی کے مفہوم میں ہوتا ہے، لیکن بعض مواقع پر مطلق فال یعنی شگون کے معنی میں بھی ہوتا ہے، خواہ وہ فال اچھی ہو یا بری۔

تطیر کی اصل اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب عام طور پر اس طرح شگون لیتے تھے کہ جب وہ کوئی کام کرتے یا کسی سفر پر جانے کا ارادہ کرتے تو کسی پرندے یا ہرن کو چھچکار دیتے اگر وہ داہنی سمت میں اڑ جاتا یا دائیں طرف کو بھاگتا تو اس کو مبارک جانتے اور نیک فال لیتے اور پھر اس کام کو شروع کرتے یا سفر پر روانہ ہوتے اور اگر وہ پرندہ یا ہرن بائیں سمت میں اڑتا یا

بائیں طرف کو بھاگتا تو اس کام کو نحس جانتے اور اس کام سے باز رہتے۔

واضح رہے کہ شکار کے اس جانور کو سنوح یا سانح کہتے ہیں جو سامنے سے نمودار ہو کر بائیں طرف سے دائیں طرف کو جارہا ہو اور شکار کا جو جانور دائیں طرف سے بائیں طرف کو جارہا ہو اس کو بروح یا بارح کہتے ہیں، عرب کے لوگ سنوح کو مبارک اور بروح کو منحوس سمجھتے تھے، چنانچہ بعض مواقع پر سنوح اور بروح اور ان کے ذریعہ شگون لینے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کے یہی معنی ہیں۔

یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ نیک فال لینا محمود و مستحسن بلکہ مستحب ہے، جب کہ تطیر یعنی بری فال لینا مذموم و ممنوع ہے، چنانچہ نبی کریم کثرت کے ساتھ خاص طور پر لوگوں کے ناموں اور جگہوں کے ذریعہ اچھی فال لیتے تھے، ان دونوں میں یہ فرق و امتیاز اس بنا پر ہے کہ نیک فال میں اول تو دل کو اطمینان اور خوشی حاصل ہوتی ہے، اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اچھائی و بھلائی کی امید پیدا ہوتی ہے، اور یہ خیال ہر حالت میں بندے کے لئے بہتر ہے، گو اس کی مراد پوری نہ ہو اور بدفالی اس لئے ممنوع و مذموم ہے کہ اس میں خواہ مخواہ رنج اور تردد پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے قطع امید ہوتی ہے اور ناامیدی و نامرادی کا احساس اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا کر دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں شرعاً مذموم و ممنوع بھی ہیں اور عقل و دانش کے منافی بھی ہیں، جب کہ بہر صورت ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے۔

بہر حال اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جو فال وطیرہ سے متعلق ہیں اور جن کی تحقیق اوپر بیان کی گئی، نیز مؤلف مشکوٰۃ نے اس باب میں وہ احادیث بھی نقل کی ہیں، جن میں عدوی، ہامہ اور ان جیسی دوسری اور چیزوں کا ذکر ہے اور یہ سب بھی تطیر یعنی بدفالی کے مفہوم کی حامل اور اسی کے حکم میں داخل ہیں۔ (مظاہر حق جلد ۴)

## ﴿نیک فالی اور بدفالی کی حقیقت﴾

جب ملأ اعلیٰ میں کسی امر کا فیصلہ ہوتا ہے، تو وہ چیزیں جن میں سرعت سے اثر پذیری کی صلاحیت ہوتی ہے، اس فیصلہ سے رنگین ہوتی ہیں، ملأ اعلیٰ کے فیصلوں کا ان پر سایہ پڑتا ہے، اور وہ بہت جلد ان کا اثر قبول کر لیتی ہیں، ایسی چیزیں درج ذیل ہیں۔

(۱) ''خیالات'' لوگوں کے تصورات عالم بالا کے فیصلوں سے جلد متاثر ہوتے ہیں۔ جنگ بدر شروع ہونے سے پہلے کفار لڑنے کے لئے بے تاب تھے، مگر جونہی جنگ شروع ہوئی وہ بھاگنے کی راہیں ڈھونڈھنے لگے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ (سورۃ الانفال آیت ۱۲) اور استخارہ میں جو کسی طرف دل مائل ہوتا ہے وہ بھی عالم بالا کے فیصلہ کا اثر ہوتا ہے، اسی طرح کوئی کام کرنے یا نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہوتا ہے اور ایک دم رائے بدل جاتی ہے یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

(۲) کبھی کسی بزرگ آدمی کے منہ سے ایسے ارادہ کے بغیر جو قابل لحاظ ہو یعنی بے ساختہ کوئی بات نکلتی ہے، جو درحقیقت مخفی خیال کا پیکر محسوس ہوتی ہے، یعنی دل میں جو بات وارد ہوتی ہے منہ سے نکلی ہوئی بات اس وارد قلبی کی ترجمانی کرتی ہے، اور ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ان کے منہ سے نکلا ہے، حدیث میں ہے کہ تبوک میں نبی ﷺ ایک کھجور کا سترہ بنا کر نماز پڑھ رہے تھے ایک صاحب گدھے پر بیٹھ کر سامنے سے گزرے، آپ ﷺ کی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا ''قطع صلاتنا قطع اللہ اثرہ'' وہ صاحب فوراً پاپج ہوگئے، ظاہر ہے کہ آپ ﷺ رحمت عالم تھے، بددعا دینا آپ کی شان نہیں تھی، مگر نماز خراب ہونے سے جو تکلیف پہنچی، اس پر یہ بات زبان مبارک سے نکل گئی، اور ویسا ہی ہو کر رہا۔ (ابوداود حدیث ۷۰۵۔۷۰۷)

(۳) فضائی واقعات۔ جیسے کسی علاقہ میں بارش کا برسنا، ہوا آندھی کا چلنا وغیرہ ان واقعات کے اسباب بھی فطری طور پر اکثر

ضعیف ہوتے ہیں، کسی خاص صورت کے ساتھ ان کی تخصیص دو وجہ سے ہوتی ہے، ایک فلکی اسباب کی وجہ سے دوم ملأ اعلیٰ کے فیصلہ کی وجہ سے یعنی بادل کا کسی جگہ پر برسنا علوی اسباب کی بنا پر ہوتا ہے یا نماز استقاء کے نتیجہ میں ملأ اعلیٰ سے بارش برسنے کا فیصلہ ہوتا ہے، تو بادل اس کا اثر قبول کرتے ہیں اور برس پڑتے ہیں، نیک فالی اور بدفالی کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ صلح حدیبیہ کی حدیث میں ہے کہ جب مکہ والوں کی کئی سفارتیں واپس گئیں تو آخر میں سہیل بن عمرو آیا، نبی ﷺ نے اس کو آتا دیکھ کر صحابہؓ سے فرمایا یہ سہیل ہے، تمہارا کام تمہارے لئے آسان کر دیا گیا، یعنی اب صلح ہو جائے گی، سہیل کا آخر میں آنا محض اتفاق نہیں تھا، ملأ اعلیٰ کے فیصلے کا مقتضیٰ تھا، چنانچہ آپ نے اس کے آنے سے نیک فالی لیا، اور بدفالی نیک فالی کی ضد ہے اور ضدین کا معاملہ یکساں ہوتا ہے۔ آپ نے چھوت کی بیماری کی نفی کی ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قوت مدافعت قوی ہو جاتی ہے، اور وہ اس سبب کی تاثیر کو روک دیتی ہے علم کلام کی اصطلاح میں یہ بات اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ یہ اسباب عادی ہیں، عقلی نہیں یعنی سنت الٰہیہ یہی جاری ہے کہ مریض کے ساتھ اختلاط سبب مرض ہوتا ہے، مگر عقلاً ایسا ہونا ضروری نہیں۔

کھوپڑی کا پرندہ اور ہامہ یعنی کھوپڑی کا پرندہ محض بے اصل بات ہے، زمانہ جاہلیت میں عربوں کا خیال تھا کہ اگر مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی کھوپڑی سے ایک پرندہ نکلتا ہے، جو مجھے سیراب کرو مجھے سیراب کرو چلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ بدلہ لیا جائے، ورنہ وہ پرندہ نقصان پہنچاتا ہے۔ شریعت نے اس کی ممانعت کی کیوں کہ اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے نافع وضار صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔

غول بیابانی، چھلاوہ یعنی بھوت پریت بھی کوئی چیز نہیں، لوگوں کا خیال ہے کہ بیابان میں بھوت بھوتنیاں اور چڑیلیں ہوتی ہیں، جو مسافروں کو ڈراتی اور راہ سے بھٹکا دیتی ہیں، اور چمپت ہو جاتی ہیں۔

## ﴿کیا یہ سب بے اصل باتیں ہیں؟﴾

ایسا نہیں ہے کہ ان چیزوں کی قطعاً کچھ حقیقت نہ ہو، بلکہ ان کی اصلیت ہے۔ اور اس کی دو دلیلیں ہیں۔

پہلی دلیل، بہت سی روایات ہیں، جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں جو جنات کے ثبوت اور ان کے دنیا میں گھومنے پر دلالت کرتی ہیں، اور عدوی کی اصل کوڑھی سے دور رہنے کی روایت، اور عورت، گھوڑے اور گھر میں نحوست کی روایت ہے پس یہ چیزیں بے اصل کیسے ہو سکتی ہیں؟ رہی ان چیزوں کی نفی تو وہ دو اعتبار سے کی گئی ہے، (۱) ان چیزوں میں مشغول ہونا جائز نہیں یعنی شرعاً یہ ناپسندیدہ امور ہیں۔ (۲) ان چیزوں کی بنیاد پر کوئی دعویٰ درست نہیں۔ مثلاً کوئی شخص دعویٰ کرے کہ میرے چنگے اونٹوں کو فلاں کے بیمار اونٹوں نے مار دیا یا بیمار کر دیا تو یہ دعویٰ مسموع نہیں ہوگا۔ (رحمۃ اللہ واسعہ جلد ۵)

## الفصل الاول

### حدیث ۱۴۲۷ ﴿بدشگونی بے حقیقت چیز ہے﴾ عالمی: ۴۵۷۶

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا طِیَرَةَ وَخَیْرُهَا الْفَالُ قَالُوْا وَمَا الْفَالُ؟ قَالَ الْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ یَسْمَعُهَا اَحَدُكُمْ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

**حواله:** بخاری، ص ۸۵۶ ج ۲، باب الطیرة، کتاب الطب، حدیث ۵۷۵۴، مسلم، ص ۲۳۱ ج ۲، باب الطیرة و الفال، کتاب السلام، حدیث: ۲۲۲۳

**حل لغات:** طیرة نحوست، فال، شگون، تَطَیَّرَ (تفعیل) اچھا شگون لینا، پرامید ہونا، اصل میں پرندہ سے نیک شگون لینے کے معنی

ہیں، پھر ہر اچھے اور برے شگون کے لئے استعمال کیا جانے لگا، بہ ومنہ، براشگون لینا، الفال فال نیک، خوش خبری، اچھی توقع، (ج) افؤل وفؤول۔

**ترجمہ**: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس سے بہتر نیک فال لینا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ نیک فال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ اچھی بات جو تم میں سے کوئی سنتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصہ حدیث** زمانہ جاہلیت میں لوگ جب کام کے لیے صبح نکلتے تو وہ "طیـــر" یعنی پرندہ پر اعتماد کرتے، بیٹھے ہوئے پرندہ کو اڑاتے، اگر پرندہ دائیں جانب اڑتا تو اسے نیک شگون سمجھتے اور کام پر چلے جاتے اور اگر پرندہ بائیں جانب اڑتا تو اس کو بدشگونی سمجھ کر کام پر جانے سے رک جاتے، لوگ دائیں طرف اڑ کر جانے والے پرندہ کو "مســـاغ" اور بائیں جانب جانے والے کو "بارح" کہا کرتے، اسلام نے آکر اس خیال اور وہم کو باطل قرار دیا کہ پرندہ کے دائیں بائیں اڑنے سے کسی کام کے ہونے نہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت نقل کی ہے کہ اگر کسی کے دل میں اس طرح بدشگونی کا خیال آئے تو وہ یہ دعا پڑھے۔ اللھم لا طیر لا طیرك و لا خیر الا خیرك لوگ جب اس طرح کا اعتقاد کرنے لگتے ہیں تو ان کے ظن اور اعتقاد کے مطابق بسا اوقات واقعات بھی پیش آجاتے ہیں، یہ درحقیقت ان کے باطل گمان کی سزا ہوتی ہے۔ (فتح الباری، ص۲۶۴، ج۱۰، کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** لاطیـــرۃ بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہاں نفی نہی کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ بدشگونی مت لو، کیوں کہ اس کو دفع مضرت اور جلب منفعت میں کوئی دخل نہیں ہوگا، وہی جو رب چاہے گا، لہٰذا بدشگونی لے کر اپنے کو پریشان کرنا بے کار بات ہے۔ و خیرھا الـفال نیک فال لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فال کا استعمال خیر و شر دونوں میں ہوتا ہے لیکن اکثر اس کا استعمال خیر میں ہوتا ہے۔ جب کہ طیرۃ کا استعمال اکثر شر میں ہوتا ہے، نیک فال لینا اچھی بات ہے، جب کہ بدشگونی لینا بری بات ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتفاء ل و لا یتطیر و کان یحب الاسم الحسن، آپ نیک فال لیا کرتے تھے اور بد فال نہیں لیتے تھے، اور اچھے نام کے ذریعہ فال لینے کو پسند فرماتے تھے۔ (اس کی تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۴۵۸۲ دیکھیں)

**اشکال**: خیر اسم تفضیل کا صیغہ ہے، معلوم ہوا کہ بدشگونی لینے سے بہتر نیک فال لینا ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ بدشگونی بھی کسی درجہ میں درست ہے۔

**جواب**: (۱) لفظ خیر یہاں اصلی معنی یعنی زیادہ اچھے اور بہتر کے معنی میں مستعمل نہیں ہے بلکہ صفت مشبہ یعنی صرف اچھا ہونے کے معنی میں مستعمل ہے، جیسے کہ ارشاد رب ہے و اصحـاب الجنة یومئذ خیر مستقرا یہاں اسم تفضیل اپنے اصلی معنی میں مستعمل نہیں ہے، ورنہ دوزخیوں کے لئے بھی کچھ نہ خیر ہونا لازم آئے گا۔ (۲) یہ ارشاد اہل عرب کے اعتقاد پر مبنی ہے کہ وہ بدفالی کو بھی پسندیدہ چیز دیکھتے تھے۔ انکے اعتبار سے اسم تفضیل کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ (۳) اگر بدشگونی بالفرض اچھی چیز ہوتی تو نیک فالی اس سے بہتر چیز ہوتی۔ (مرقات، ص۲، ج۹، الیضاح المشکوۃ)

و مـا الفـال عرف عام میں فال عام چیز ہے جس میں بدشگونی اور نیک فالی دونوں داخل ہیں، آپ نے بدشگونی کی ممانعت کے ساتھ فال کی اجازت دی، لہٰذا سوال ہوا کہ فال سے کیا مراد ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ فال عرف عام سے خارج ایک فرد خاص کا

نام ہے اور وہ نیک کلمہ ہے۔

## حدیث ۱۴۲۸ ﴿بیماری کا ایک دوسرے کو لگنا بے حقیقت ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۵۷۷

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى، وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ، وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۵۰ ج ۲، باب الجذام، کتاب الطب، حدیث ۵۷۰۷

**حل لغات:** لاعدوی چھوت چھات، مرض کا تعدیہ، بیمار سے بیماری تندرست آدمی کی طرف منتقل ہونا، بیماری لگنا، اَعْدیٰ فلانًا (افعال) من مرضہٖ کسی کو اپنی بیماری لگانا، ھامۃ سر، کھوپڑی، الو، زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے اعتقاد کے مطابق مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکل کر "اسقونی، اسقونی" (مجھے سیراب کرو) کہتا اور جب تک مقتول کا بدلہ نہ لے لیا جائے وہ یہ کہتا رہتا، (ج) ھام، صفر بھوک پیٹ کے کیڑے، یرقان کی بیماری، پیلیا جس سے چہرہ زرد ہو جاتا ہے، المجذوم کوڑھی، جَذِمَ (س) جَذَمًا (یدہ) ہاتھ کٹ جانا، جُذِمَ الرَّجُلُ، کوڑھی ہونا، تفر فَرَّ (ض) فِرَارًا بھاگنا، الاسد شیر (ج) اُسُدٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیماری کا ایک سے دوسرے کو لگنا، بدشگونی لینا، الو کو منحوس سمجھنا، ماہ صفر کو منحوس سمجھنا بے حقیقت بات ہے البتہ جذام کے مرض میں مبتلا شخص سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** عرب میں یہ اعتقاد تھا کہ اگر کوئی شخص مریض کے ساتھ بیٹھے یا کھائے تو مرض اس کے اندر سرایت کر کے اس کو بھی مریض بنا دیتا ہے۔ دور حاضر کے اطباء بھی کہتے ہیں کہ سات قسم کی بیماریاں ایسی ہیں جو ایک دوسرے کو لگتی ہیں (۱) جذام (۲) خارش (۳) چیچک (۴) گندہ دہنی (۵) آبلے (٦) رمد، آشوب چشم (۷) وبائی امراض۔ آپؐ نے اس اعتقاد جاہلی کو باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ چھوت چھات اور تعدیہ امراض کا نظریہ باطل اور بے حقیقت ہے۔ ہر شخص کے اندر مرض پیدا کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔ اسی طرح بعض دیگر جاہلی تصورات کی آپ نے اس حدیث میں نفی فرمائی ہے۔ تفصیل ذیل میں ملاحظہ کریں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا عدویٰ، عدوی عداءً کا اسم ہے ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف منتقل کرنا، یہاں عدویٰ سے ایک بیماری کا دوسرے شخص کی طرف منتقل ہونا مراد ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعدیہ امراض کی نفی فرمائی ہے کہ ایک مریض کا مرض دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں، کیوں کہ مرض میں یہ تاثیر نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی طرف سبب حقیقی کے طور پر منتقل ہو جائے۔

**ولا طیرۃ طیرۃ:** بدشگونی کو کہتے ہیں، مختلف پرندوں اور چیزوں سے بدشگونی لینے کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے، تفصیل کے لئے گذشتہ حدیثیں دیکھیں۔

**ولا ھامۃ: ھامہ:** اصل میں کھوپڑی اور سر کو کہتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا خیال تھا کہ اگر کسی شخص کو قتل کیا جائے تو میت کے استخوان سے ایک جانور پیدا ہو کر اڑتا ہے، اور ہر وقت یہ فریاد کرتا رہتا ہے اسقونی اسقونی جب قاتل مر جاتا ہے تب وہ جانور اڑ کر غائب ہو جاتا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ "ھامہ" الو کو کہتے ہیں، لوگوں کا خیال تھا کہ جب وہ کسی گھر پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ گھر ویران ہو جاتا ہے اس کا کوئی فرد مر جاتا ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ اس عقیدے کو بے حقیقت قرار دیا۔

**ولا صفر:** اس لفظ کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں۔ اور دو قول مشہور ہیں (۱) بعض لوگ ماہ صفر کے متعلق مختلف قسم کے خیالات اور اوہام رکھتے تھے اس مہینہ کو منحوس سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ اس میں آفات اور حوادث و مصائب کا نزول ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس جملے میں اس کی نفی فرمائی ہے کہ اس اعتقاد کی کوئی حقیقت نہیں ہے (۲) اس کی دوسری تشریح یہ کی گئی ہے کہ لوگوں کا زمانہ جاہلیت میں خیال تھا کہ آدمی کے پیٹ میں سانپ ہوتا ہے جو بھوک کے وقت اسے کاٹتا رہتا ہے، اس سانپ کو صفراء کہا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لاصفر فرما کر اس کو بے حقیقت قرار دیا۔

**و فر من المجذوم کما تفر من الاسد:** مجذوم سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔ جذام ایک بیماری ہے جو پورے جسم میں سوداء کے پھیل جانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، یہ اعضاء کے نظام کو بگاڑ دیتی ہے، جذام کے معنی کاٹنے کے آتے ہیں، یہ بیماری چونکہ انگلیوں کو کاٹ ڈالتی ہے اسلئے اس کو جذام کہتے ہیں، تعدیہ امراض ہوتا ہے یا نہیں؟ اسمیں احادیث مختلف ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امراض کا تعدیہ نہیں ہوتا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ امراض سے تعدیہ ہوتا ہے، جن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امراض میں تعدیہ نہیں ہوتا ان میں سے چند یہ ہیں (۱) ایک تو حدیث باب ہے جس میں لا عدویٰ فرمایا گیا ہے (۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کے ساتھ یہ کہتے ہوئے کھانا تناول فرمایا ثقة باللہ و توکلا علیہ (۳) صحیح مسلم میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدویٰ کی نفی فرمائی تو ایک اعرابی نے کہا کہ ایک خارش زدہ اونٹ تندرست اونٹوں کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کی خارش صحیح اونٹوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فمن اعدیٰ الاول پہلے اونٹ کو یہ بیماری کس نے لگائی یہ روایت یہاں آگے بھی آرہی ہے۔ اس کے برعکس بعض روایات سے تعدیہ امراض کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ حدیث باب کے آخر میں ہے و فر من المجذوم کما تفر من الاسد اسی طرح سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے لا تدیموا النظر الی المجذومین ایک حدیث میں ہے لا یورد ممرض علی مصح مریض کو تندرست آدمی کے پاس نہ لایا جائے، ایک اور حدیث میں طاعون کے متعلق ہے من سمع بہ بارض فلا یقدم علیہ یعنی جہاں طاعون کی وبا پھیلی ہو وہاں جانے سے گریز کیا جائے۔

**حل تعارض کی توضیحات:** یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ جب ایک مسئلہ کے متعلق احادیث میں تعارض آجائے تو محدثین کے یہاں حل تعارض کے عموماً تین طریقے ہوتے ہیں (۱) نسخ (۲) ترجیح (۳) اور تطبیق ان احادیث میں بھی علماء نے یہ تینوں طریقے اختیار کئے ہیں (۱) چنانچہ علماء کی ایک جماعت نے کہا مجذوم سے فرار ہونے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے حضرات مالکیہ میں سے عیسیٰ بن دینارؒ نے یہ قول اختیار کیا ہے (۲) بعض علماء نے ترجیح کا طریقہ اختیار کیا ہے اس میں پھر دو فریق ہیں بعض نے تعدیہ امراض کی نفی کرنے والی روایت کو ترجیح دی ہے اور بعض نے اس کے برعکس ثبوت والی روایات کو ترجیح دی ہے (۳) لیکن اکثر حضرات نے ان دونوں قسموں کی احادیث میں تطبیق دی ہے اور اس تطبیق کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں (الف) جن روایات میں اجتناب اور فرار من المجذوم کا حکم دیا گیا ہے وہ استحباب اور احتیاط پر محمول ہیں اور جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ کھایا ہے وہ بیان جواز پر محمول ہیں۔

(ب) ابن الصلاح اور امام بیہقیؒ وغیرہ علماء نے دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ جن احادیث میں تعدیہ امراض کی نفی ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ کسی بیماری اور مرض میں بذات خود یہ تاثیر نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جائے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہی خیال تھا کہ امراض میں دوسرے کی طرف منتقل ہونے کی ذاتی تاثیر اور صلاحیت ہوتی ہے وہ امراض کو بذات خود متعدی سمجھتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی فرمائی اور جن احادیث سے تعدیہ امراض کا ثبوت معلوم ہوتا ہے وہ ظاہری سبب کے اعتبار سے ہے کہ اللہ جل شانہ نے ظاہری سبب کے طور پر بعض امراض میں تعدیہ کا وصف فرمایا کہ وہ دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں، لیکن سبب حقیقی اور موثر اصلی کے طور پر یہ وصف ان میں نہیں ہے لہٰذا نفی سبب حقیقی کی ہے اور اثبات سبب ظاہری کا ہے اس لئے دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔ جمہور علماء نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔ (ج) حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں تطبیق

کے جس قول کو راجح قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ لا عدویٰ تو اپنی اصل اور عموم پر ہے، اور حقیقت یہی ہے کہ کوئی مرض اور کوئی بیماری کسی شخص کی طرف منتقل نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود لوگ کمزور عقیدے کے ہیں انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مجذوم وغیرہ کے قریب نہ رہیں، کیوں کہ ممکن ہے کہ انہیں وہ بیماری تعدیہ کے سبب سے نہیں بلکہ ویسے ہی لگ جائے اور وہ سمجھنے لگیں کہ یہ بیماری تعدیہ کی وجہ سے لگی ہے، تو اس طرح ان کا عقیدہ بگڑ جائے گا، اس لئے ان کے عقیدے کی حفاظت اور غلط عقیدے کے سد باب کے لئے احتیاطاً انہیں مجذوم سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (فتح الباری، ص ۱۹۷، ج ۱۰، کشف الباری)

## حدیث ۱۴۲۹ ﴿چھوت لگنا کوئی چیز نہیں ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٥٧٨

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَلَا هَامَةَ وَلَاصَفَرَ فَقَالَ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَمَا بَالُ الْاِبِلِ تَكُوْنُ فِي الرَّمَلِ لَكَاَنَّهَا الظِّبَاءُ فَيُخَالِطُهَا الْبَعِيْرُ الْاَجْرَبُ فَيُجْرِبُهَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ اَعْدَى الْاَوَّلَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۷۹ ج ۲، باب لا هامة، کتاب الطب، حدیث ۵۷۷۰

**حل لغات:** الرمل ریت، پتھر کا چورا، (ج) اَرْمَالٌ، الظباء جمع ہے، واحد الظَّبْیُ ہرن، یخالط (مفاعلت) مل جل کر رہنا ساتھ رہنا، خالطه الدَّاءَ بیماری کا لاحق ہونا، اثر جمالینا، الاجرب خارش زدہ ہونا، (ج) جُرُبٌ، يُجْرِبُ (افعال) خارش کے مرض میں مبتلاء کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیماری کے متعدی ہونے کی کوئی حقیقت نہیں ہے، الّو کی نحوست کوئی چیز نہیں ہے، اور نہ صفر کی نحوست کوئی چیز ہے، ایک اعرابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! اونٹوں کا حال کیا ہے، جب کہ وہ ریگستان میں ہرن کے مانند ہوتے ہیں، لیکن ان سے ایک خارش زدہ اونٹ ملتا ہے تو اس کی وجہ سے سب کو خارش ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے کو بیماری کس نے لگائی۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ چھوت چھات اور تعدیہ امراض کا نظریہ بے بنیاد ہے۔ اسی طرح الو کو منحوس پرندہ سمجھنا، یا ماہ صفر کو منحوس مہینہ قرار دینا بھی بے اصل و بے حقیقت ہے، اسلام میں اس نظریہ کی گنجائش نہیں ہے، کسی بیماری کے پیدا ہونے کے لئے دوسرے سے آنا ضروری نہیں ہے، جس طرح پہلے کو بیماری تقدیر الٰہی کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے، اسی طرح بعد والوں کو بھی باذن خداوندی بیماری لاحق ہوتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لاعدویٰ لا هامة و لاصفر: ان کلمات کی وضاحت گزشتہ حدیث میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔ فما بال الابل فی الرمل: آپؐ نے بتایا کہ مرض کا ایک سے دوسرے کو لگنا کوئی چیز نہیں ہے، تو ایک اعرابی نے عرض کیا کہ اونٹ صحراء میں ہرن کی طرح صاف شفاف، خوبصورت وصحت مند ہوتے ہیں۔ اونٹوں کو ہرن سے تشبیہ دینے کا مقصد ان کے جسموں کی خوبصورتی بیان کرنا ہے۔ پھر ان کے پاس ایک خارش زدہ اونٹ آ کر ان سب کو خارش زدہ بنا دیتا ہے، اگر تعدیہ امراض کا ثبوت نہیں ہے تو پھر دوسرے اونٹوں کو اس اونٹ کی وجہ سے خارش کیوں کر ہو جاتی ہے؟ فمن اعدی الاول اس کے جواب میں آپؐ نے خود سوال فرمایا کہ پہلے والے اونٹ کو خارش کیسے ہوئی؟ اس سے سوال کرنے والے اعرابی کو آپؐ نے سمجھا دیا کہ مرض پیدا ہونے کا اصل سبب اللہ کا حکم ہے۔ اس کے بغیر کوئی بیماری کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی ہے۔ تفصیل کے لئے گزشتہ حدیث دیکھیں۔

## حدیث ۱۴۳۰ ﴿ستاروں کی تاثیر بے اصل ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۵۷۹

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاعَدْوٰى وَلَاهَامَةَ وَلَانَوْءَ وَلَاصَفَرَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ**، مسلم، ص ۲۳۱ ج۲، باب لاهامة، كتاب الطب

**حل لغات:** نوء، ڈوبنے کے قریب ستارہ (ج) اَنْوَاءٌ، نَاءَ النَّجْمُ (ن) نَوْءً ا مشرق میں ستارہ طلوع ہوتے ہی مغرب میں مقابل ستارہ کا غائب ہو جانا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیماری کا ایک سے دوسرے کو لگنا بے حقیقت ہے، الو کو منحوس سمجھنا بے بنیاد ہے، ستاروں کی تاثیر کوئی چیز نہیں ہے، ماہ صفر میں کوئی نحوست نہیں ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بھی آپؐ نے اہل عرب کے بعض باطل نظریات اور غلط تصورات کی نفی فرمائی ہے۔ تین امور سے متعلق تفصیلات حدیث ۴۵۷۷ کے تحت گزر چکی ہے۔ اہل عرب کا نظریہ یہ بھی تھا کہ بارش کے ہونے یا نہ ہونے میں اور دیگر بہت سے معاملات میں ستاروں کی چال اثر انداز ہوتی ہے۔ آپؐ نے اس فرسودہ نظریہ کی بھی نفی فرمائی کہ ایسا کچھ نہیں، سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ ستاروں کی چال اور اس کی اثر اندازی کا نظریہ بے بنیاد ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا عدوىٰ و لا هامة، عالمی حدیث ۴۵۷۷ دیکھیں، ولا نوء اس کے معنی متضاد ہیں، یعنی طلوع اور غروب، آسمان پر ۲۸ ستارے ہیں، جو پورے سال میں مخصوص اوقات اور مخصوص مقامات میں ڈوبتے اور نکلتے ہیں، ہر تیرہویں رات میں مغرب میں طلوع صبح صادق کے ساتھ ایک ستارہ ڈوبتا ہے، اور اسی وقت مشرق میں دوسرا طلوع ہوتا ہے، طلوع و غروب کے وقت بارش ہو جانے پر مشرکین مکہ بارش کو غروب ہونے والے ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے، اصمعیؒ کا خیال ہے کہ طلوع ہونے والے ستارہ کی طرف منسوب کرتے تھے، زجاج نے لکھا ہے کہ غروب ہونے والے ستارہ کو انواء اور طلوع ہونے والے ستارہ کو بوارج کہتے ہیں۔ مسلم شریف کتاب الایمان میں روایت ہے کہ "اما من قال مطرنا بنوء كذا و كذا فذلك كافر بي مومن بالكوكب (جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستاروں کی وجہ سے پانی برسا وہ ہمارا منکر ہوا، اور ستاروں پر ایمان لایا) اس حدیث میں ستاروں کو بارش کے لئے موثر بالذات سمجھنے کی غلط بات کو باطل کرنا مقصود ہے۔ اس کی تفسیر یہ ہے کہ انسان کی کمزور طبیعت کا لحاظ کرتے ہوئے قدرت نے عالم اسباب میں مسببات کو اسباب کے ساتھ جوڑ رکھا ہے۔ اسباب محض ایک واسطہ ہے، جو انسان کی تسلی کے لئے مسبب کو اس سے وابستہ کر رکھا ہے، موثر حقیقی اللہ ہی کی ذات ہے۔ (تکملہ فتح الملہم، ج ۴، ص ۳۷۶، نفع المسلم)

## حدیث ۱۴۳۱ ﴿بھوت کا لوگوں کو ہلاک کرنا بے حقیقت ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۵۸۰

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاعَدْوٰى وَلَاصَفَرَ وَلَاغُوْلَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۳۱ ج۲، باب لا عدوىٰ، كتاب السلام، حديث ۲۲۲۲

**حل لغات:** غول آفتِ ناگہانی، حادثہ، مصیبت، جن، بھوت، (ج) اَغْوَالٌ غَالَهٗ (ن) غَوْلًا آسیب زدہ ہو کر بھٹک جانا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک سے دوسرے کو بیماری کا لگنا بے حقیقت ہے، ماہ صفر کا منحوس ہونا بے بنیاد ہے، اور غول کے نظریہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں چھوت چھات، اور ماہ صفر کو منحوس سمجھنے کے نظریہ کی نفی ہے۔ تفصیل عالمی حدیث ۴۵۷۷ کے تحت گزر چکی ہے۔ اس حدیث میں غول کے نظریہ کی بھی نفی ہے۔ اہل عرب کا نظریہ تھا کہ جنگلات میں بھوت

پریت مختلف صورتوں اور شکلوں میں لوگوں کو نظر آتے ہیں اور ان کو راستہ بھلا دیتے ہیں اور ہلاک کر ڈالتے ہیں، چنانچہ آپ نے اس خیال کو باطل قرار دیا اور فرمایا کہ غول کوئی چیز نہیں ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی سے غول کے وجود کی نفی مراد نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا اور لوگوں کو گمراہ و ہلاک کر دینا ایک بے حقیقت بات ہے، یعنی ان کو اتنی قدرت و طاقت حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مسافروں کو راستہ بھلا دیں اور ان کو ہلاک کر ڈالیں۔
(فتح الملہم، ص۳۷۶-۳۷۷، ج۴)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا عدوی ولا صفر عالمی حدیث: ۴۵۷۷ دیکھیں۔ ولا غول عین غول کی نفی مراد نہیں ہے۔ اور ان کے وجود سے انکار نہیں ہے۔ بلکہ اس میں عرب کے اس عقیدہ کا ابطال ہے کہ وہ مختلف صورتوں میں نمودار ہو کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، لہٰذا غول کی نفی سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی کو بھٹکانے پر قادر نہیں ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا اذا تغولت الغیلان فبادروا بالاذان۔ یعنی ان کے شر کو اذان کے ذریعہ دفع کرو۔ معلوم ہوا کہ بھوتوں کا وجود ہے۔ (مرقات)

## حدیث ۱۴۲۲ ﴿جذام کے مرض میں مبتلا شخص سے احتیاط برتنا﴾ عالمی حدیث: ٤٥٨١

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ، عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ فِيْ وَفْدِ ثَقِيْفٍ رَجُلٌ مَجْذُوْمٌ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ فَارْجِعْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۳۳ ج۲، باب اجتناب المجذوم، کتاب السلام، حدیث ۲۲۳۱

**ترجمہ:** حضرت عمرو بن شریدؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ثقیف کے وفد میں ایک کوڑھ میں مبتلا شخص بھی تھے، ان کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلایا کہ بے شک ہم نے تم کو بیعت کرلیا ہے۔ لہٰذا اب تم لوٹ جاؤ۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** کسی مرض میں بالذات تعدیہ نہیں ہے یہ حقیقت اپنی جگہ ہے، لیکن کوڑھ میں مبتلا شخص کے ساتھ صحبت واختلاط نہ رکھنا چاہئے، اس لئے کہ اگر یہ مرض صحبت رکھنے والے کے اندر پیدا ہوا تو اصلاً یہ اللہ کے مقدر فرمانے سے ہوگا، لیکن یہ غلط عقیدہ قائم ہوسکتا ہے کہ کوڑھی کی ہم نشینی کی وجہ سے ہوا، لہٰذا عقیدہ میں فساد پیدا نہ ہو اس لئے صحبت سے ہی بچنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** بایعناك　آپ نے بیعت فرمائی مصافحہ کے بغیر اور یہ بخاری کی حدیث ''فر من المجذوم کما تفر من الاسد'' (کوڑھی سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو) کے موافق ہے۔ اور یہ حدیث لا عدوی (مرض میں تعدیہ نہیں ہے) کے مخالف نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ کوڑھی سے دور رہنے کا حکم احتیاط کی وجہ سے ہے اور یہ اسباب اختیار کرنے کے درجہ میں ہے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس تعدیہ کو مانا جا رہا ہے جس کی حدیث میں نفی ہے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۵۷۷ دیکھیں۔

# الفصل الثانی

## حدیث ۱۴۲۳ ﴿آپ نیک فال لیتے تھے﴾ عالمی حدیث: ٤٥٨٢

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَفَاءَلُ وَلَا يَتَطَيَّرُ وَكَانَ يُحِبُّ الْاِسْمَ الْحَسَنَ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حوالہ:** البغوی فی شرح السنة، ص ۱۷۵، ج ۱۲، باب ما یکره من الطیرة و استحباب الفال، کتاب الطب والرقی، حدیث ۳۲۵٤

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال لیا کرتے تھے، اور بدشگونی نہیں لیتے تھے، اور آپ اچھے نام پسند فرماتے تھے۔ (شرح السنۃ)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نیک فال لینا بہتر اور مستحب ہے، اور آپ سے ثابت ہے، لیکن بدفالی اور بدشگونی اچھی چیز نہیں ہے۔ آپ کو اچھے نام پسند تھے، اور آپ اچھے ناموں سے نیک فال لیا کرتے تھے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ برے نام سے براشگون لیتے تھے، اس لئے کہ اس کی وضاحت تو پہلے ہی ہوگئی ہے کہ آپ بدشگونی نہیں لیتے تھے، نہ آپ برے نام سے بدشگونی لیتے تھے اور نہ کسی اور انداز سے بدشگونی لیتے تھے، البتہ آپ برے نام کو تبدیل کردیتے تھے۔ (مرقات)

**کلمات حدیث کی تشریح** یتفاءل آپ نیک فال لیا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ نیک فال لینا مندوب ہے، مثلاً ایک آدمی بیمار ہے اور وہ اس حالت میں کسی کو "یاسالم" کہتے ہوئے سنے، کوئی جنگ کرنے جارہا ہے اور وہ ظفر علی خاں کا نام سن لے، کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی اور وہ "یاواجد" کہتے ہوئے کسی کو سن لے اور ان ناموں سے وہ تندرستی، فتح اور گمشدہ چیز کے پانے پر نیک فال لے تو یہ مستحب ہے۔ اور آپ سے ثابت ہے۔ (فتح الباری، ص ۲۶۴، ج ۱۰، کشف الباری)

ابی نے شرح مسلم میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت بریدہ اسلمیؓ ستر سواروں کے ساتھ رات کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے آئے، آپ نے پوچھا کون؟ انہوں نے جواب دیا کہ بریدہ۔ آپ صدیق اکبرؓ کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے، برد امرنا و صلح ہمارا جنگ کا معاملہ ٹھنڈا ہوگیا اور صلح ہوگئی۔ پھر آپ نے پوچھا من کس قبیلہ سے تعلق ہے؟ انہوں نے جواب دیا "ممن اسلم" آپ نے فرمایا سلمنا ہم محفوظ ہوگئے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ ممن یعنی اسلم میں سے کس شاخ سے تعلق ہے؟ انہوں نے جواب دیا "من بنی سھم" آپ نے فرمایا خرج سھمنا ہمارا حصہ نکل آیا، اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کی طرف سے مختلف لوگ آپ سے مذاکرات کے لئے آرہے تھے جب سہیل بن عمرو آئے تو آپ نے ان کے نام سے نیک فال لیتے ہوئے ارشاد فرمایا الآن سھل اللہ لکم امر کم (اللہ تعالیٰ نے اب تمہارے لئے تمہارے معاملے کو آسان کردیا ہے) آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب کسی کام کے موقع پر اچھا نام سنتے تو مسرت کے آثار آپ کے چہرہ انور پر نمایاں ہوجاتے۔ چنانچہ امام ابوداؤدؒ نے سند حسن کے ساتھ حضرت بریدہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یتطیر من شیء و کان اذا بعث عاملاً یسأل عن اسمه فاذا اعجبه فرح به و ان کره اسمه روی کراهة ذالك وجهه (بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگون نہیں لیتے تھے، آپ جب کسی عامل کو روانہ فرماتے تو اس سے اس کا نام دریافت کرتے، اگر آپ کو نام پسند آتا تو مسرت کا اظہار فرماتے اور اگر نام پسند نہ آتا تو آپ کے چہرہ انور پر ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہوتے) لیکن ایسا بدفالی کی وجہ سے نہ ہوتا، بلکہ اس وجہ سے کہ آپ کو برے نام پسند نہیں تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے بعض مواقع پر چند صحابہؓ کے نام تبدیل فرمائے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ام المومنین حضرت میمونہ اور ام المومنین حضرت جویریہ کے نام ان دونوں سے نکاح کے وقت تبدیل فرمائے تھے۔ ان دونوں کے پہلے نام بالترتیب برة بنت الحارث الهلالية اور برة بنت الحارث المصطلقية تھے۔ (الاصابہ، کشف الباری)

## حدیث ۱٤۲٤ ﴿بدشگونی لینا شیطانی کام ھے﴾ عالمی حدیث: ٤٥٨٣

وَعَنْ قَطَنِ بْنِ قَبِيصَةَ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْعِيَافَةُ وَالطَّرْقُ وَالطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ،** ابوداود، ص ٥٤٥ ج ٢، باب فی الخط، کتاب الکهانة والتطیر حدیث: ۳۹۰۷

**حل لغات:** العیافة پرندوں کو اکسا کر ان کو آوازوں اور گذرگاہوں سے اچھا یا براشگون لینے کا پیشہ، گمان، اندازہ، عَافَتِ الطیر

(ض) عِیَافَةٌ، نیک یا بدفال لینے کے لئے پرندے کو آواز دے کر اڑانا، الطرق پیش گوئی کے لئے کنکریاں پھینکنا، پھندا، جال، (ج) طُرُوْقٌ، الجبت بت، خدا کے سوا معبود، کاہن، جادوگر۔

**ترجمہ:** حضرت قطن بن قبیصہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیافہ، طرق اور بدشگونی یہ سب شیطان کے کام ہیں۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شگون بدلینا، پرندوں کی آواز یا ان کے گزرنے کے ذریعہ یا کنکریاں مار کر فال لینا، اسی طرح رمل وزائچہ وغیرہ کھینچ کر آئندہ کے حالات بتلانا سحر و کہانت کے حکم میں داخل ہے، یہ سب شرکیہ کام ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سب شیطانی کام ہیں۔ (مرقات، مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** العیافۃ، یہ بھی پرندوں کے ذریعہ فال لینے کی ایک صورت ہے، اس میں پرندہ کو خاص طور پر اڑا کر، یا اس کے خود بخود اڑنے اور اس کی آواز کے ذریعہ نیک فالی یا بدفالی لی جاتی ہے، پہلے زمانے کے عربوں میں اس کا بہت رواج تھا اور ''عیافہ دانی'' باقاعدہ ایک فن سمجھا جاتا تھا، اس میں عام طور پر پرندوں کے نام کا اعتبار کیا جاتا تھا، مثلاً عقاب کے ذریعہ عقوبت، غراب (کوے) کے ذریعہ غربت اور ''ہدہد'' کے ذریعہ ہلاکت کی فال لی جاتی۔ طیرہ اور عافہ میں فرق یہ ہے کہ طیرہ کے مفہوم میں عمومیت ہے کہ خواہ کسی پرندہ کے ذریعہ شگون بدلیا جائے یا کسی اور جانور کے ذریعہ، جبکہ عیافہ کا استعمال خاص طور پر کسی پرندہ کی آواز کے ذریعہ نیک یا بدفالی لینے کے مفہوم میں ہوتا ہے۔ نہایہ میں لکھا ہے کہ عیافہ کے معنی ہیں ڈلے مار کر یا ہشکا کر کسی پرندہ کو اڑانا اور اس کے نام اس کی آواز اور اس کے اڑنے وگزرنے کے ذریعہ فال لینا۔ والطرق کنکریاں مارنے کو کہتے ہیں، فال لینے کی یہ بھی ایک صورت تھی، چنانچہ پہلے زمانہ میں خاص طور پر عرب عورتیں فال لیتے وقت کنکریاں مارتی تھیں، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ریت پر خطوط اور لکیریں کھینچے کو طرق کہتے ہیں، جیسے کہ رمل جاننے والے ریت پر مختلف طرح کے ہندسے اور خطوط وغیرہ کھینچتے ہیں، اور ان کے ذریعہ غیب کی باتیں دریافت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ الجبت سحر و کہانت کے معنی میں ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جبت کے معنی ہیں ہر وہ چیز جس میں بھلائی نہ ہو، یا وہ چیز جو اللہ کے سوا پوجی جائے، یعنی شرک اور بعض حضرات کے نزدیک جبت شیطان کے کام کو کہتے ہیں۔ (مرقات، مظاہر حق)

## حدیث ۱۴۳۵ ﴿بدشگونی شرک ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۵۸۴

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ قَالَهُ ثَلٰثًا، وَمَا مِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ، قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِيْلَ يَقُوْلُ كَانَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ يَقُوْلُ فِي هٰذَا الْحَدِيْثِ وَمَا مِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ هٰذَا عِنْدِيْ قَوْلُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۵۴۶ ج ۲، باب فی الطیرة، کتاب الکهانة و التطیر، حدیث ۳۹۱۰ ترمذی، ص ۲۹۰ ج ۱، باب ما جاء فی الطیرة، کتاب السیر، حدیث ۱۶۱۴

**ترجمہ** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ بدشگونی لینا شرک ہے، آپ نے ان سے تین مرتبہ یہ بات فرمائی، اور ہم میں سے کوئی نہیں (جس کے دل میں ایسا خیال نہ آیا ہو) مگر اللہ توکل کی وجہ سے اس کو زائل کر دیتے ہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی) ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل کو فرماتے ہوئے سنا کہ سلیمان بن حرب کہتے تھے کہ اس حدیث میں وما منا الا ولکن اللہ یذھبہ بالتوکل یہ ٹکڑا میرے نزدیک ابن مسعودؓ کا قول ہے (فرمان رسول نہیں ہے)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بدشگونی لینا مشرکین کا طور طریقہ ہے، صحابہ مشرکانہ ماحول سے نکل کر آئے تھے، اس لئے اس کے اثرات رفتہ رفتہ زائل ہوئے۔ اسی کو ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہم میں سے ہر شخص کے دل میں بدشگونی آجاتی ہے، لیکن اللہ کی ذات پر کامل اعتماد سے وہ زائل ہوجاتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الطیرۃ شرك بدشگونی شرک ہے، یعنی شرک خفی ہے، البتہ اگر کوئی بدشگونی پر کامل اعتقاد اپنائے اور اسی پر انحصار کرے تو شرک جلی ہوگا۔ قالہ ثلاثاً آپ نے بدشگونی کی قباحت کی وجہ سے اس کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا تاکہ لوگ اس سے اجتناب کریں، اہمیت کی وجہ سے آپ نے اس کو تین بار بیان فرمایا۔ و ما منا الا ہر ایک کے دل میں کسی نہ کسی مقدار میں بدفالی کا خیال آہی جاتا ہے، لیکن مومن کو اللہ کی ذات پر کامل توکل ہوتا ہے، لہٰذا اس کا توکل بدشگونی کے خیال کو مٹادیتا ہے، اور وہ بدشگونی کو عمل میں نہیں لاتا ہے۔ (رواہ ابوداود) ابوداود اور ترمذی کے نزدیک پوری حدیث مرفوع ہے، جب کہ امام بخاری کے نزدیک الطیرۃ شرك مرفوع ہے باقی و ما منا الا ولکن اللہ یذھبہ بالتوکل عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے یعنی یہ جز موقوف ہے، ملاعلی قاریؒ نے امام بخاریؒ کے قول کے لئے بعض دیگر روایات سے تائید بھی پیش کی ہے۔

## حدیث ۱۴۳۶ ﴿مجذوم کے ساتھ آپ کا کھانا تناول فرمانا﴾ عالمی حدیث: ٤٥٨٥

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ بِيَدِ مَجْذُوْمٍ فَوَضَعَهَا مَعَهُ فِي الْقَصْعَةِ وَقَالَ كُلْ ثِقَةً بِاللّٰهِ وَتَوَكُّلًا عَلَيْهِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ .

**حوالہ**: ابن ماجہ، ص ۲۵۳ باب الجذام، کتاب الطب، حدیث: ۳۵۴۲

**حل لغات**: القصعۃ بادیہ، بڑا پیالہ، (ج) قِصَعٌ قَصَعَاتٌ۔

**ترجمہ**: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑھ والے کا ہاتھ پکڑا اور اس کو اپنے ساتھ پیالے میں شریک کیا، اور آپ نے فرمایا کہ اللہ کے بھروسے اور اس کے اعتماد پر کھاؤ۔ (ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی مرض میں تعدیہ کی صلاحیت نہیں ہے، لہٰذا کوڑھ کے مریض کے ساتھ کھانا کھانے سے کوڑھ پیدا نہیں ہوتا ہے۔ آپ نے کوڑھی کے ساتھ کھانا کھا کر اس کا عملی ثبوت بھی پیش کردیا، لیکن یہ عمل وہی لوگ کریں جو توکل کے اعلا مقام پر ہوں، عام لوگ تو کوڑھی سے مخالطت اختیار نہ کریں، اس لئے کہ فساد عقیدہ کا اندیشہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** خذ بید مجذوم جس کو کامل توکل حاصل ہو وہ جذامی کے ساتھ کھائے پیئے، تو کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ نے کوڑھ کے مریض سے بھاگنے کا حکم اس لئے نہیں دیا کہ مرض کے اندر تعدیہ ہے، بلکہ فساد عقیدہ سے بچانے کے لئے دیا ہے، اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص بتقدیر الٰہی جذام میں مبتلا ہوجائے اور وہ یہ سمجھے کہ میں چونکہ مجذوم کے قریب گیا تھا اس لئے مجھے بیماری لگ گئی۔ کل ثقۃ باللہ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر کھاؤ۔ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ توکل کا حکم آپ نے اس مجذوم کو کیوں فرمایا، اس لئے کہ اگر اس میں احتیاط کی ضرورت تھی تو آپ کی تھی نہ کہ اس مجذوم کو؟ جواب یہ ہے کہ آپ کو تو یقین کامل تھا کہ اس کے میرے ساتھ کھانے کی وجہ سے مجھے کوئی نقصان نہ ہوگا، لیکن اس کھانے والے مجذوم کو تردد ہوسکتا تھا کہ کہیں میرے ساتھ کھانے سے آپ کو ضرر لاحق نہ ہوجائے، اس لئے آپ نے اس کو توکل کی ہدایت فرمائی۔ (الکوکب الدری، الدر المنضود)

## حدیث ۱۴۳۷ ﴿بدشگونی ہوتی تو تین چیزوں میں ہوتی﴾ عالمی حدیث: ٤٥٨٦

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاهَامَةَ وَلَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَاِنْ تَكُنْ

الطِّيَرَةُ فِي شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود، ص ۵۴۶ ج ۲، باب فی الطیرۃ، کتاب الکھانۃ والتطیر، حدیث: ۳۹۲۱

**ترجمہ:** حضرت سعد بن مالکؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الو میں کوئی نحوست نہیں ہے، مرض میں تعدیہ نہیں ہے، اور نہ بدشگونی کوئی چیز ہے، اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو گھر میں ہوتی، گھوڑے میں ہوتی اور عورت میں ہوتی۔ (ابوداؤد)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ الو کی نحوست کا خیال غلط ہے، مرض کے متعدی ہونے کا نظریہ بھی بے بنیاد ہے، اور بدشگونی بے حقیقت چیز ہے۔ یہ مضمون گزشتہ احادیث میں نقل ہو چکا ہے، (دیکھیں عالمی حدیث: ۴۵۷۷) ماقبل میں حدیث گزری ہے کہ اگر تقدیر پر کوئی چیز بالفرض سبقت کرتی تو وہ نظر بد ہوتی، لیکن تقدیر پر کسی چیز کا سبقت کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی طرح یہاں بھی بتایا گیا کہ اگر بالفرض بدشگونی کا وجود ہوتا تو وہ تنگ گھر، سرکش گھوڑے اور بے حیا عورت میں ہوتا، لیکن سرے سے بدشگونی کا وجود ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ان میں بھی نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ولا طیرۃ اولاً مطلقاً نحوست کی نفی کی، پھر تعلیق کے ساتھ تین چیزوں، گھر، گھوڑے، اور عورت کا استثنیٰ ہے۔ بخاری میں روایت ہے، جس میں بغیر تعلیق کے ان تین چیزوں کی طرف نحوست کی نسبت ہے، فرمان نبوی ہے الشوم ثلاثۃ تین چیزوں میں نحوست ہے، بظاہر یہ تعارض ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہی دیا گیا ہے کہ جہاں پر تعلیق نہیں ہے وہاں بھی یہ حکم بطور تعلیق ہی کے ہے، یعنی اگر بدفالی کسی چیز میں ہوتی تو وہ ان تین چیزوں میں ہوتی، مگر چونکہ اسلام میں بدفالی کسی چیز میں بھی نہیں، لہٰذا ان تینوں میں بھی نہیں اور قرطبیؒ کی رائے یہ ہے کہ تعلیق والی روایت مقدم ہے، اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اشیائے ثلاثہ میں تحقیق شوم کا علم نہیں ہوا تھا، پھر آپ کو بعد میں جب اس کا علم ہو گیا کہ ان تین میں ہوتا ہے، تو پھر آپ نے بالجزم فرمادیا الشوم فی ثلاثۃ (تین چیزوں میں بدفالی ہوتی ہے)

اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ان تکن الطیرۃ سے مقصود اظہار تردد وشک نہیں ہے، بلکہ اس سے مقصود بھی اثبات ہی ہے، علی وجہ المبالغہ، جیسے یوں کہیں اگر میرا دنیا میں کوئی دوست ہے تو زید ہے، اسی طرح یہاں اس حدیث میں مقصود یہ ہے کہ ان تین میں طیرہ بالضرور و بالیقین ہے، یہ تو جواب ہوا ان دو مختلف روایتوں کا، لیکن دوسرا اختلاف ابھی باقی ہے کہ لا عدویٰ ولا طیرۃ میں شوم کی علی الاطلاق نفی ہے، اور اس حدیث میں ان اشیاء ثلاثہ میں شوم کا اثبات ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تین اس عموم نفی سے مستثنیٰ ہیں، لیکن اہل جاہلیت کے مسلک کے موافق نہیں کہ ان تین میں تاثیر مانی جائے فی حد ذاتہا، بلکہ اہل اسلام کے مسلک کے طریق پر کہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے، وہی بعض اشیا میں نفع اور ضرر کی تاثیر پیدا کرتا ہے، تو اسی نے ان تین میں بھی تاثیر ضرر کو پیدا فرمایا (الدر المنضود) اس مسئلہ میں مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کہتے ہیں کہ نحوست کے مسئلہ میں لا شوم کی روایت بھی ہے اور الشوم فی ثلاثۃ کی بھی اور ایک تیسری روایت بین بین ہے۔ یعنی ان کان شوم فی شئی پہلی روایت سے نحوست کی نفی ہوتی ہے اور دوسری روایت سے اثبات ہوتا ہے اور تیسری روایت سے احتمال پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کسی چیز میں فی نفسہٖ نحوست نہیں مانتا، مگر موافق ناموافق آنے کے اعتبار سے بعض چیزوں میں خوبی اور خرابی ہوتی ہے، اسی لیے فرمایا کہ نحوست تین چیزوں میں ہے، عورت میں گھر میں اور چوپائے (یعنی گھوڑے) میں، یہ تین چیزیں بطور مثال ذکر کی ہیں، چونکہ یہ تین چیزیں انسان سے قریبی تعلق رکھتی ہیں، اس لئے کہ اگر یہ تین چیزیں موافق آئیں تو زہے نصیب اور اگر ناموافق ہوئیں تو پریشانی کی کوئی حد نہیں رہے گی، اور دوسری حدیث میں ہے اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو عورت چوپائے اور گھر میں ہوتی یعنی جن چیزوں کے ساتھ مزاولت دقتی ہوتی ہے، ان میں موافقت ناموافقت کا

بہت زیادہ خیال کرنا ضروری نہیں، مگر جن چیزوں سے ہمیشہ کا ساتھ ہوتا ہے ان میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے اور تیسری حدیث میں ہے لا شوم نحوست کا عقیدہ غلط ہے، و قد یکون الیمن فی الدار و المراۃ و الفرس البتہ کبھی گھر عورت اور گھوڑے میں برکت ہوتی ہے، یعنی یہ چیزیں کبھی موافق آتی ہیں، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ یہ چیزیں کبھی ناموافق بھی ہوتی ہیں، پس حدیث میں دونوں باتوں کا ایک ساتھ اثبات ہے۔ اول اسلام کسی چیز میں نحوست کا قائل نہیں، دوم موافق و ناموافق ہونے کے اعتبار سے برکت و نحوست ہوسکتی ہے، اور ہر چیز میں ہوسکتی ہے، مگر جن چیزوں کے ساتھ بکثرت مزاولت رہتی ہے، ان میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے، اگر گھر، عورت، اور گھوڑا ناموافق ثابت ہو تو ان کو بدل دینا چاہئے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث ۱۴۳۸ ﴿اچھے ناموں سے نیک فال لینا پسند فرمانا﴾ عالمی حدیث: ۴۵۸۷

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُعْجِبُہٗ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَۃٍ اَنْ یَّسْمَعَ یَا رَاشِدُ، یَانَجِیْحُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ.

**حوالہ:** ترمذی. ص ۹۱ ج ۱، باب ما جاء فی الطیرۃ، کتاب السیر، حدیث: ۱۶۱۶

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی ضرورت کے لئے تشریف لے جاتے تو یاراشد یا نجیح سننا پسند فرماتے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** آپ کو نیک فال لینا پسند تھا، اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے، آپ کسی غرض سے تشریف لے جاتے تو جاتے وقت ایسے نام سننا جن میں مقصد میں کامیابی اور حاجت کے پورے ہونے کے معنی ہوتے، وہ آپ کو خوش اور مسرور کرتے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یاراشدا سکے معنی ہیں اے ہدایت پانے والے، یا نجیح اے مراد پانے والے، کسی غرض سے جاتے وقت ان کلمات کو آپ سنتے تو انسے اچھا شگون لیتے اور خوش ہوتے کہ مقصد میں انشاء اللہ کامیابی ملیگی

## حدیث ۱۴۳۹ ﴿اچھا نام سن کر آپ کا خوش ہونا﴾ عالمی حدیث: ۴۵۸۸

وَعَنْ بُرَیْدَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَایَتَطَیَّرُ مِنْ شَیْءٍ فَاِذَا بَعَثَ عَامِلًا سَأَلَ عَنْ اِسْمِہٖ فَاِذَا اَعْجَبَہٗ اِسْمُہٗ فَرِحَ بِہٖ وَرُئِیَ بِشْرُ ذٰلِکَ فِی وَجْھِہٖ وَاِنْ کَرِہَ اِسْمَہٗ رُئِیَ کَرَاھِیَۃُ ذٰلِکَ فِی وَجْھِہٖ وَاِذَا دَخَلَ قَرْیَۃً سَأَلَ عَنْ اِسْمِھَا فَاِنْ اَعْجَبَہٗ اِسْمُھَا فَرِحَ بِذٰلِکَ وَرُئِیَ بِشْرُ ذٰلِکَ فِی وَجْھِہٖ وَاِنْ کَرِہَ اِسْمَھَا رُئِیَ کَرَاھِیَۃُ ذٰلِکَ فِی وَجْھِہٖ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابرداود، ص ۵۴۷ ج ۲، باب فی الطیرۃ، کتاب الطب، حدیث: ۳۹۲۰

**ترجمہ:** حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے تھے، جب آپ کسی عامل کو روانہ کرتے تو ان سے ان کا نام دریافت فرماتے، اگر ان کا نام آپ کو پسند آتا تو آپ اس پر خوشی کا اظہار فرماتے اور یہ خوشی آپ کے چہرے پر نظر آتی، اور اگر ان کا نام آپ کو برا لگتا تو آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آتے۔ جب آپ کسی بستی میں تشریف لے جاتے تو اس کا نام دریافت کرتے، اگر اس کا نام آپ کو پسند آتا تو آپ اس پر خوش ہوجاتے اور اس کی خوشی آپ کے چہرہ پر نظر آتی، اور اگر اس کا نام آپ کو برا لگتا تو آپ کے چہرے پر ناگواری نظر آتی۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ اچھے ناموں سے اچھا شگون لیتے تھے، لہٰذا اچھے نام سن کر آپ کو مسرت ہوتی تھی، برے نام آپ کو ناگوار ضرور ہوتے تھے اسی وجہ سے آپ برے نام تبدیل بھی کر دیا کرتے تھے، لیکن آپ

برے ناموں سے براشگون نہیں لیتے تھے، اس لئے کہ بدشگونی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور آپ نے بہت سے مواقع پر اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ بدشگونی سے اللہ تعالیٰ سے بدگمانی قائم ہوتی ہے اور یہ چیز بسا اوقات کفر کا ذریعہ بنتی ہے، جب کہ نیک فال سے امید بنتی ہے اور یہ چیز عزم وحوصلہ میں اضافہ کرتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کان لا یتطیر من شیء آپ بدشگونی نہیں لیتے تھے، ایسا نہ ہوتا کہ آپ کسی بستی کا برا نام سن کر وہاں داخل نہ ہوتے۔ فرح بھا اچھا نام سن کر آپ خوش ہوتے۔ آدمی کو چاہئے کہ اپنے بچوں کا اچھا نام رکھے۔ اس حدیث کی مزید وضاحت کے لئے عالمی حدیث ۴۵۸۲ دیکھیں۔

## حدیث ۱۴۴۰ ﴿مکان میں نحوست کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٥٨٩

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا فِيْ دَارٍ كَثُرَ فِيْهَا عَدَدُنَا وَاَمْوَالُنَا فَتَحَوَّلْنَا اِلٰى دَارٍ قَلَّ فِيْهَا عَدَدُنَا وَاَمْوَالُنَا، فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَرُوْهَا ذَمِيْمَةً رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٥٤٧ ج٢، باب فی الطیرة، کتاب الکهانة والتطیر، حدیث ٣٩٢٤

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم ایک گھر میں رہتے تھے، وہاں ہماری جانوں اور مالوں میں اضافے ہو رہے تھے، پھر ہم ایک دوسرے گھر میں منتقل ہو گئے، یہاں ہماری جانوں اور مالوں میں کمی آگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس برے کو چھوڑ دو۔ (ابوداود)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی چیز میں بالذات نحوست تو نہیں ہوتی، لیکن ایسا ہوتا ہے کہ بسا اوقات کوئی چیز کسی کو راس نہیں آتی، چنانچہ یہ مکان بھی ان صاحب کو موافق اور راس نہیں آرہا تھا، لہٰذا آپ نے تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ یہ برا نظریہ بھی ان کا نہ بنے کہ اس مکان نے ہمارا جانی ومالی نقصان کیا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ذروھا ذمیمة، برے کو چھوڑ دو، یعنی جو مکان تمہیں راس نہیں آرہا ہے، اس کو چھوڑ دو، بعض مکان ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ یہ تاثیر پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں دیکھتے نہیں ہو کہ کتنے گھر ایسے ہیں کہ ان میں بہت سے آکر ٹھہرے، لیکن ان کا ناس ہو گیا اور اجڑ گئے۔ پھر دوسرے لوگ آکر ان میں رہے ان کا بھی یہی حال ہوا، یعنی بعض مکان اس طرح کے بے برکت ثابت ہوتے ہیں۔ (الدر المنضود) مکان کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ہیں جن میں سبب کے درجہ میں بسا اوقات بے برکتی رکھی جاتی ہے۔ تفصیل کے لئے عالمی حدیث: ۴۵۸۶ دیکھیں۔

## حدیث ۱۴۴۱ ﴿خراب آب وہوا کو چھوڑنے کا حکم﴾ عالمی حدیث: ٤٥٩٠

وَعَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بَحِيْرٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَنْ سَمِعَ فَرْوَةَ بْنَ مُسَيْكٍ يَقُوْلُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدَنَا اَرْضٌ يُقَالُ لَهَا اَبْيَنُ وَهِيَ اَرْضُ رِيْفِنَا وَمِيْرَتِنَا وَاِنَّ وَبَاءَ هَا شَدِيْدٌ فَقَالَ دَعْهَا عَنْكَ فَاِنَّ مِنَ الْقَرَفِ التَّلَفَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ،** ابوداود، ص ٥٤٧ ج٢، باب فی الطیرة، کتاب الکهانة والتطیر، حدیث: ٣٩٢٣

**حل لغات:** ریف سرسبز زمین، زراعتی زمین، (ج) اَرْيَاف، ورُيُوف، المیرة سفر وغیرہ کے لئے جمع کی ہوئی کھانے کی چیزیں، القرف آلودگی، چھوت، تعدیہ مرض، وباء، (ج) قِرَاف، التلف تَلَفَ (ض) تَلَفًا ضائع ہونا، ہلاک ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت یحییٰ بن عبداللہ بن بحیرؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بتایا جس نے فروہ بن مسیکؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں

نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس ایک زمین ہے، جس کو "ابین" کہا جاتا ہے، وہ ہماری باغات اور غلے کی زمین ہے۔ لیکن وہاں کی وبا بڑی سخت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سے دور کردو، اس لئے کہ وبائی جگہ میں جانا اپنے کو ہلاک کرنا ہے۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ناموافق آب و ہوا والی جگہوں پر جانے سے گریز کرنا چاہئے، کیوں کہ ایسی جگہ میں جانا اصول طب کے خلاف ہے اور صحت کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے، آپ کا یہ فرمان چھوت چھات اور تعدیہ امراض کی بنا پر نہیں ہے بلکہ سبب کو اختیار کرنے کے درجہ میں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** دعها عنك فـان القرف التلف اس جگہ آنے سے گریز کرو، جہاں مرض پھیلا ہو وہاں جانا مرض سے اپنے کو قریب کرنا ہے۔ اور اپنے کو ہلاکت کے سپرد کرنا ہے۔ ہوا کا ناموافق ہونا یہ مرض کا سبب ہے اور گندی اور کثیف ہوا بیماری کا سبب ہے، اسباب کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ توکل کے خلاف بھی نہیں ہے۔

# الفصل الثالث

## حدیث ۱٤٤٢ ﴿بدشگونی لینا مومن کا شیوہ نہیں﴾ عالمی حدیث: ٤٥٩١

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنُهَا الْفَالُ وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَإِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ لَا يَاْتِي بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا يَرْفَعُ السَّيِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ مُرْسَلًا.

**حوالہ:** ابوداود ص ٥٤٧ ج ٢، باب فی الطیرة، کتاب الکهانة والتطیر، حدیث ۳۹۱۹

**ترجمہ:** حضرت عروہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بدشگونی کا ذکر ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ اس کی بہترین صورت نیک فال لینا ہے، بدشگونی کسی مسلمان کو کسی کام سے روکتی نہیں ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی شخص جب کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو یہ دعا پڑھے۔ اللهم لا یاتی الخ اے اللہ! نیکیوں کو آپ ہی لاتے ہیں اور برائیوں کو آپ ہی دور کرتے ہیں، کوئی قوت اور کوئی طاقت نہیں ہے مگر اللہ کے ساتھ ہی ہے۔ یہ روایت ابوداود نے مرسلاً نقل کی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مومن کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ کسی کام کا ارادہ کرے پھر کوئی چیز پیش آئے تو اس سے بدشگونی لے کر اس کام سے رک جائے، مومن کو تو سمجھنا چاہئے کہ کام بنانے اور بگاڑنے والی ذات تو اللہ کی ہے، لہٰذا اللہ کے بھروسہ پر کام کرنا چاہئے، کوئی وسوسہ یا بدشگونی کا خیال آئے تو حدیث میں مذکور دعا پڑھنا چاہئے، اس سے اعتماد میں پختگی پیدا ہوگی۔ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نیک فال لینا اچھی اور پسندیدہ بات ہے اور یہ آپ کا طریقہ بھی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ذکرت الطیرة بدشگونی کا ذکر ہوا۔ طیرۃ، اصلاً جنس کے درجہ میں ہے، مطلق فال نکالنے کو کہتے ہیں، اچھی ہو یا بری، (لیکن عموماً بری فال اور بدشگونی کے لئے مستعمل ہے) جب آپ کے سامنے طیرة کا ذکر ہوا تو آپ نے اچھی فال کی تحسین فرمائی، کہ وہ اچھی چیز ہے، اسلام اس کو پسند کرتا ہے، بدفالی کو اسلام پسند نہیں کرتا ہے۔ (وضاحت دیکھیں حدیث: ۴۵۷۶ میں) و لا ترد مسلما کسی مسلمان کو فال بد کی وجہ سے اپنے کسی کام سے رکنا نہیں چاہئے، اولاً فال بد لینی ہی نہیں چاہئے اور اگر بے اختیار اس کا خیال دل میں آجائے تو پھر وہ اس کام سے مانع نہیں ہونی چاہئے۔ جو کہ پیش نظر ہے۔ (الدر المنضود)

☆☆☆

# باب الكهانة

## کہانت کا بیان

کہانت کے معنی غیب کی باتیں بتانا، کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبر دے اور علم غیب اور معرفت اسرار کا دعویٰ کرے، اس میں شیطانوں کی مدد لی جاتی ہے اور ستاروں کی اثر اندازی سے احوال کی تعبیر کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اس لئے یہاں کہانت کے ساتھ ستاروں کی تاثیر کے سلسلہ میں بھی قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

شریعت نے کہانت سے سختی سے روکا ہے، کہانت جنات سے باتیں لے کر بیان کرنے کا نام ہے، آپؐ نے اس شخص سے بے تعلقی ظاہر کی ہے جو کاہنوں کے پاس جاتا ہے، مگر جب آپؐ سے کاہنوں کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا فرشتے بادلوں میں اترتے ہیں اور آسمانوں میں جو امر طے پایا ہے اس کا چرچا کرتے ہیں، شیاطین وہاں سے کوئی بات چرالاتے ہیں، اور جس کاہن کے وہ تابع ہوتے ہیں اس کو وہ ادھوری بات پہنچا دیتے ہیں، کاہن اس میں سو جھوٹ ملا کر بات پوری کرتا ہے اور پھر اس کی پیشین گوئی کرتا ہے، یعنی جب کوئی معاملہ ملاءِ اعلیٰ میں قرار پاتا ہے، تو وہاں سے ملاء سافل پر جن میں الہام قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے، چند قطرات مترشح ہوتے ہیں، اور ان کو اس امرِ مقدر کا علم ہو جاتا ہے، پھر کبھی ملاءِ سافل سے بعض ہوشیار جن کچھ باتیں لے لیتے ہیں، پھر کاہن ان سے اپنی فطری یا اکتسابی مناسبت کی وجہ سے لیتا ہے، اور اس میں جھوٹ ملا کر بات مکمل کر کے چلتی کر دیتا ہے، اس روایت سے کہانت کی نفی کے باوجود اس کی حقیقت جنات سے باتیں لینا ثابت ہوئی، پس آپؐ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ مذکور چیزوں کی ممانعت کی وجہ ان کا بے اصل ہونا اور خارج میں ان کا وجود نہ ہونا ہے، بلکہ ممانعت کی تین وجوہ ہیں، ایک ان میں غلطی کا احتمال ہے، دوم وہ شرک کا مظنہ ہیں، سوم وہ فساد کی جڑ ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ جس چیز میں خرابیاں زیادہ ہوں، اس کو ممنوع قرار دیا جاتا ہے ارشاد پاک ہے آپ ﷺ بتا دیں کہ شراب اور جوے میں بڑی خرابی اور لوگوں کے لئے کچھ فوائد ہیں، اور ان کی خرابی ان کے نفع سے بڑھی ہوئی ہے، چنانچہ ان کو آخر میں حرام کر دیا۔

## پچھتر اور نجوم

چاند اور ستاروں کی منازل کو،، انواء،، کہا جاتا ہے۔ عربوں نے ان کو جو، ریاح اور امطار کے احوال کے ساتھ جوڑ دیا تھا، علم نجوم والے ستاروں اور ان کی شکلوں (جدی، عقرب، دلو، حوت وغیرہ) میں تاثیرات کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک علویات سفلیات پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ان کی یہ بات مبنی بر حقیقت ہے یا تاریکی کا تیر ہے؟ اگر اس کی کچھ حقیقت ہے تو دو سوال پیدا ہوتے ہیں، ایک یہ کہ وہ کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟ دوم یہ کہ شریعت نے علم نجوم سیکھنے سے کیوں روکا ہے؟ شاہ صاحب قدس سرہ دونوں باتوں سے بحث کرتے ہیں۔

اس میں کچھ بھی استبعاد نہیں کہ پچھتروں اور نجوم کیلئے کچھ حقیقت ہو، شریعت نے علم نجوم میں مشغولیت ہی کی ممانعت کی ہے، اس کی حقیقت کی بالکل نفی نہیں کی، اور اسلاف سے بطور توارث جو بات منقول ہے، وہ یہ ہے کہ علم نجوم کو استعمال نہ کیا جائے، اس میں مشغولیت بری بات ہے، اور ان کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا درست نہیں، اسلاف سرے سے اس کے عدم کے قائل نہیں تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ثریا کی اب کتنی منزلیں باقی رہ گئی ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ سات دن باقی ہیں۔ (لغات الحدیث)

اور کواکب کی بعض تاثیرات تو بدیہی ہیں۔ جیسے سورج کے احوال کے اختلاف نے سردی گرمی کے موسموں کا بدلنا، اور رات دن کا چھوٹا بڑا ہونا، اور چاند کی کشش کی وجہ سے سمندر میں جوار بھاٹا اٹھنا وغیرہ، اور بعض تاثیرات حس، زیرکی تجربہ اور رصد (ستاروں کی گردش دیکھنے کی جگہ) سے معلوم ہوتی ہیں، جیسے سونٹھ کی حرارت اور کافور کی برودت، انہی ذرائع سے جانی جاتی ہے۔ پس جب یہ مسلم ہیں تو وہ بھی ثابت ہیں۔

## کواکب کی تاثیر کی دو صورتیں

اور اس میں کچھ استبعاد نہیں کہ کواکب کی تاثیر دو طریقوں سے ہو۔

**پہلا طریقہ:** کواکب کی تاثیر طبائع (ماہیات) کی تاثیر کی طرح ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کے لئے ایسی طبائع بنائی ہیں، جو اس کے ساتھ مختص ہیں، مثلاً کوئی چیز حار ہے تو کوئی بارد۔ کسی چیز میں یبوست ہے تو کسی میں رطوبت۔ اور انہی طبائع سے اطباء کام لیتے ہیں، اور علاج تجویز کرتے ہیں، پس افلاک وکواکب کے لئے بھی طبیعتیں اور خاصیتیں ہیں۔ جیسے سورج گرم ہے اور چاند مرطوب، اس لئے جب کوئی ستارہ اس کی معین جگہ میں آتا ہے، تو اس کی قوت وصلاحیت زمین میں ظاہر ہوتی ہے۔

**مثال:** عورتوں میں نسوانی عادتیں اور زنانے خصائل ہوتے ہیں، اور اس کی وجہ زنانی فطرت ہے، جس کا ادراک دشوار ہے، اسی طرح مردوں میں بہادری اور بلند آہنگی ہوتی ہے، اور اس کی وجہ بھی مردانہ مزاج ہے، لہٰذا اس بات کا انکار نہیں کرنا چاہئے کہ زہرہ اور مریخ وغیرہ ستاروں کی صلاحیتیں جب زمین تک پہنچیں، تو ان کے مخفی طبائع کے آثار ظاہر ہوں۔

**دوسرا طریقہ:** کواکب کی تاثیر روحانی اور طبعی صلاحیتوں کا آمیزہ ہوتی ہے، جنین (پیٹ کے بچہ) پر ماں اور باپ دونوں کے اثرات پڑتے ہیں۔ مثلاً مرد کا مادہ قوی ہوتا ہے تو بچہ ددھیال کے مشابہ، اور ماں کا مادہ قوی ہوتا ہے تو ننھیال کے مشابہ ہوتا ہے (بخاری حدیث ۳۹۳۸) اور موالید ثلاثہ اور آسمانوں اور زمینوں میں ایسا ہی تعلق ہے، جیسا جنین اور اس کے ماں باپ کے درمیان ہوتا ہے پس آسمان وزمین کی صلاحیتیں ہی حیوانات اور انسانوں کے وجود کا سبب ہیں۔

اور موالید میں ان قوی کے حلول کے لئے اتصالات فلکیہ کے اعتبار سے انواع ہیں، اور ہر نوع کے لئے خواص ہیں، یعنی وہ قوی ایک مادہ میں حلول کرتے ہیں تو چاندی، اور دوسرے مادہ میں حلول کرتے ہیں تو سونا وجو میں آتا ہے۔ اسی طرح اتصالات کے اختلاف سے مختلف حیوانات اور انسان وجو میں آتے ہیں، یہی اتصال روحانی صلاحیت ہے، پس کچھ لوگوں نے اس علم میں غور کیا تو علم نجوم وجود میں آیا۔ نجومی اس علم کے ذریعہ آئندہ پیش آنے والے واقعات جان لیتے ہیں، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ جب فیصلہ خداوندی اس کے خلاف منعقد ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ستاروں کی صلاحتیوں میں تبدیلی کر دیتے ہیں، اور ان کی تاثیرات کسی ایسی صورت میں منقلب ہو جاتی ہے جو پہلی صورت سے قریب ہی ہوتی ہے، اس طرح اللہ کا فیصلہ پورا ہو کر رہتا ہے، اور ستاروں کے خواص کے نظام میں کوئی خلل بھی واقع نہیں ہوتا، یہ اللہ کی صفت تدبیر کی کارفرمائی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں (رحمۃ اللہ الواسعۃ ج ۱ ص ۱۷۹) اور علم کلام میں یہ مضمون اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ستاروں کے خواص بطریق جری عادت ہیں ''لزوم عقلی نہیں''۔

اور ستاروں کے یہ خواص محض علامات وامارات کے درجہ کی چیز ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی حیثیت نہیں، مگر لوگ اس علم میں بہت زیادہ گھستے چلے گئے، یہاں تک کہ یہ علم اللہ کے انکار اور بے ایمانی کی احتمالی جگہ بن گیا، چنانچہ بارش ہونے پر کوئی نجومی صمیم قلب سے نہیں کہتا کہ اللہ کے فضل اور ان کی مہربانی سے بارش ہوئی، بلکہ یہ کہتا ہے کہ فلاں نچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی، پس اس میں وہ پختہ ایمان کہاں رہا جس پر نجات کا مدار ہے؟

اور علم نجوم کا نہ جاننا کچھ مضر نہیں، کیونکہ اللہ تعالی اپنی حکمت کے موافق عالم کا نظم کر رہے ہیں، خواہ کوئی جانے یا نہ جانے! اس لئے شریعت نے اس علم کو بے نام ونشان کر دیا، اور اس کے سیکھنے کی ممانعت کی، اور ببانگ دہل اعلان کر دیا کہ "جس نے نجوم کا کچھ علم سیکھا اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا، زیادہ حاصل کیا اس نے جادو، جتنا زیادہ حاصل کیا اس نے علم نجوم! (مشکوۃ حدیث ۴۵۹۸)

**مثال:** علم نجوم کا حال تورات وانجیل کے علم کی طرح ہے، جس نے ان کتابوں کو دیکھنا چاہا تھا اس پر نبی ﷺ نے نہایت سختی کی تھی (مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۷) کیوں کہ وہ دونوں محرف کتابیں ہیں، معلوم نہیں ان میں کون سی بات صحیح ہے، اور کون سی تحریف شدہ، پس تصدیق بھی مشکل ہے، اور تکذیب بھی۔ دوسری وجہ سختی کرنے کی یہ ہے کہ ان کتابوں میں لگنے والا ممکن ہے کہ قرآن کریم کی تابعداری نہ کرے۔ اور ان کتابوں کی باتوں کی زیادہ اہمیت دینے لگے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ)

## الفصل الاول

### حدیث ۱۴۴۳ ﴿کھانت ناجائز ھے﴾ عالمی حدیث: ۴۵۹۲

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ قُلْتُ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ اَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهِ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ خَطًّا قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَاكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حواله:** مسلم، ص ۲۳۲ ج ۲، باب تحريم الكهانة، كتاب السلام، حديث: ۲۲۲۷

**حل لغات:** الکہان جمع ہے، واحد الکاھن غیب دانی کا مدعی، نجومی، پیشین گوئی کرنے والا۔

**ترجمه:** حضرت معاویہ بن حکمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم زمانہ جاہلیت میں کچھ کام کیا کرتے تھے، یعنی ہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے، آپ نے فرمایا کہ کاہنوں کے پاس نہ جایا کرو، میں نے عرض کیا کہ ہم بدشگونی لیا کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ یہ ایسی چیز ہے جو محض تمہارے دل کا خیال ہے، لہٰذا وہ تمہیں نہ روکے، میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی خط کھینچا کرتے تھے، لہٰذا جس کا خط ان کے موافق ہو وہ درست ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ نو مسلم لوگ جاہلیت سے نکل کر اور کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے تو بعض ان امور کا ذکر کیا جن کو وہ زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے، آپ نے ان سے منع فرمایا۔ اس حدیث میں تین ایسے امور کا تذکرہ ہے (۱) کہانت ہم میں سے کچھ لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں اور ان سے آئندہ پیش آنے والی باتیں معلوم کرتے ہیں، آپ نے کاہنوں کے پاس جانے اور ان کی تصدیق کرنے سے منع فرمایا ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا جو شخص کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے، تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی شریعت کا انکار کرنے والا ہے۔ کاہن وہ شخص ہے جو آئندہ پیش آنے والے امور کے علم کا دعویٰ کرے اور رازہائے سربستہ کی معرفت کا مدعی ہو۔ کاہنوں کے پاس ان کی تصدیق کی نیت سے جانا حرام ہے، اسی طرح ان کو اجرت دینا بھی حرام ہے۔

(۲) بدشگونی لینا۔ چونکہ یہ نو مسلم لوگ بدشگونی کے عادی تھے، لہٰذا آپ نے فرمایا کہ ان کے دلوں میں اگر اس کے خیالات آئیں تو یہ غیر اختیاری بات ہونے کی وجہ سے قابل مواخذہ نہیں ہے، لیکن بدشگونی کے مقتضی پر عمل نہ کیا جائے اور بدشگونی کی وجہ سے کسی ایسے کام

سے جس کا ارادہ کر رکھا ہو کر نہ جائے۔ یہ مضمون گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے۔

(۳) خط کھینچنا۔ اس سے علم رمل مراد ہے، کیوں کہ اس کے اندر زمین پر کچھ نشان اور خط کھینچتے ہیں۔ یہ ایک مشہور و معروف علم ہے۔ اس پر مستقل تصانیف بھی لکھی گئی ہیں۔ اس کی مخصوص اصطلاحات بھی ہیں۔ اس کے ذریعہ سے مخفی امور کا استخراج کرتے ہیں اور بسا اوقات وہ بات درست نکلتی ہے، اس علم رمل کا سیکھنا سکھانا بتصریح علماء حرام ہے، مگر چونکہ بعض انبیاء کے پاس یہ علم تھا جیسا کہ حدیث میں ہے اور وہ اس علم کے مطابق کچھ کام کرتے تھے، لہٰذا آپ نے ان کی رعایت میں مطلقاً اس علم کا ابطال نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ جس کا علم رمل اس نبی کے علم رمل کے موافق ہو وہ معتبر ہے ورنہ نہیں، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس کا علم ممکن نہیں کہ کس کا علم رمل نبی کے علم رمل کے موافق ہے اور کس کا نہیں ہے۔ لہٰذا سب کا حاصل یہی نکلا کہ اس علم کا سیکھنا منع ہے۔ (بذل المجہود، الدر المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** کنا ناتی الکھان کاہن کی جمع کہان ہے، کاہن وہ شخص جو پوشیدہ باتوں کے جاننے کا مدعی ہو، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ کاہن اور عراف کے درمیان فرق یہ ہے کہ کاہن آئندہ پیش آنے والے واقعات کی اطلاع دیتا ہے، اور عراف گم شدہ اور چوری ہوئی اشیاء کی اطلاع فراہم کرتا ہے۔

کہانت دور جاہلیت میں عام تھی، خاص طور پر اہل عرب میں اس کا بہت چلن تھا، کیوں کہ زمانۂ دراز سے عرب میں کوئی نبی نہیں ہوا تھا۔ فلا تاتو الکھان آپ نے کاہنوں کے پاس جانے سے منع فرمایا۔ کیوں کہ وہ جھوٹے ہوتے ہیں اور عقیدہ فاسد کر دیتے ہیں، لہٰذا ان کے پاس جانے والا اور ان کی تصدیق کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

**نتطیر:** مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ پرندوں سے شگون لیتے ہیں، جاہلیت میں لوگ پرندوں پر اعتماد کرتے تھے، اگر کوئی شخص کسی کام کے لئے نکلتا اور دیکھتا کہ پرندہ اس کی دائیں جانب سے نکلا ہے تو اس کو اپنے حق میں مبارک خیال کرتا اور یہ سمجھتا کہ اب کام ہو جائے گا چنانچہ جس کام سے جا رہا ہوتا ہے اس کی تکمیل کرتا ہے، اور اگر دیکھتا ہے کہ پرندہ بائیں جانب سے نکلا ہے تو اس کو اپنے حق میں نحوست سمجھتا اور کام سے رک جاتا، اسلام نے اس تصور اور نظریہ کی نفی کی ہے۔ دیکھیں عالمی حدیث: ۴۵۷۶

ذالک شیء یجدہ احدکم، آپ نے فرمایا کہ پرندہ کو دائیں بائیں اڑتا دیکھ کر اچھا اور برا گمان دل میں آنا یہ صرف وہم ہے، نفع اور نقصان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، لہٰذا اگر صرف ذہن میں ایسی بات آ جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن اس کے مقتضی پر عمل نہ کرنا چاہئے۔ نبی من الانبیاء یہ نبی حضرت دانیال علیہ السلام یا حضرت ادریس علیہ السلام تھے، نبی کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا تھا چنانچہ وہ اپنی فراست سے سمجھ لیتے تھے اور وہ خطوط میں متوسط خط کو پہچان لیتے تھے، فذاک نبی کے خط کے موافق اگر خط ہے تو درست ہے، یہ تعلیق بالمحال ہے، لہٰذا دوسروں کے لئے اس علم کا حصول ممنوع ہے۔ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا من وافق خطہ فرمانا زجر کے طور پر ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کا خط نبی کے خط سے موافق نہیں ہو سکتا، کیوں کہ نبی کا یہ علم ان کا معجزہ تھا، ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ نبی کا خط ان کی نبوت کا علم تھا اور کوئی چیز جب کسی ممنوع امر پر معلق کی جائے تو وہ خود ممنوع ہوتی ہے۔ (فتح الملہم، ۱۳۵-۱۳۶، ج۲، تفہیم المسلم، ج۳)

## حدیث ۱٤٤٤ ﴿کاہن جھوٹ بولتے ہیں﴾ عالمی حدیث: ٤٥٩٣

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلَ اُنَاسٌ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُمْ لَيْسُوْا بِشَيْءٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهُمْ يُحَدِّثُوْنَ اَحْيَانًا بِالشَّيْءِ يَكُوْنُ حَقًّا فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيَقُرُّهَا فِيْ اُذُنِ وَلِيِّهِ قَرَّ الدَّجَاجَةِ فَيَخْلِطُوْنَ فِيْهَا اَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كِذْبَةٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۱۷ ج ۲، باب قول الرجل للشیء، کتاب الادب، حدیث ۶۲۱۳، مسلم، ص ۲۳۳ ج ۲، باب تحریم اتیان الکھانۃ، کتاب السلام، حدیث ۲۲۲۸

**حل لغات:** یَخْطِفُ خَطَفَ (ض) خَطْفًا اچک لینا۔ یقر قَرَّ (ن) قُرُورًا علیہ الماءَ پانی ڈالنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے، انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! وہ لوگ کبھی کبھی ایسی بات بتاتے ہیں جو بالکل درست ہوتی ہے، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سچی بات ہوتی ہے جس کو کوئی جن اچک لیتا ہے، پھر وہ اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے، مرغی کی طرح ٹکڑوں کر کے، پھر یہ کاہن اس ایک سچ میں سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کاہنوں کی بتائی ہوئی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، انہیں اگر جناتوں وغیرہ کے ذریعہ مستقبل کی کوئی بات معلوم بھی ہو جاتی ہے تو وہ اس میں اپنی جانب سے بکثرت جھوٹ ملا کر بتاتے ہیں، لہٰذا کاہنوں کی بات کا اعتبار نہ کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لیسوا بشیء کاہن کوئی چیز نہیں ہوتے۔ بسا اوقات کوئی چیز معیاری نہیں ہوتی، یا حق نہیں ہوتی تو اس کے لئے عربی زبان اور اسی طرح دوسری زبانوں میں بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ لیس بشیء وہ کچھ بھی نہیں، اس کا مطلب ہے کہ وہ حق پر نہیں یا درست نہیں، اردو زبان میں بھی عموماً کسی کے بارے میں کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ تو کچھ بھی نہیں، اس طرح کے کلام سے اس کے وجود اور شی ہونے کی نفی مقصود نہیں ہوتی، بلکہ اس کے معیاری ہونے حق ہونے اور درست ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ یہاں بھی مقصد یہی ہے کہ کاہنوں کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ تلک الکلمة من الحق وہ کلمہ جو سچا ہوتا ہے حق کی جانب سے ہوتا ہے۔ حق سے اللہ تعالیٰ بھی مراد ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور حق بمعنی سچ و ثابت بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا یہ کلمہ درست اور صحیح ہوتا ہے، باقی سب کچھ باطل ہوتا ہے۔ یخطفها الجنی وہ کلمہ جنات آسمان سے فرشتے کی زبانی سن لیتا ہے، پھر اس کو کاہن کے کان میں وہ بات ڈال دیتا ہے، قر الدجاجة یعنی جس طرح کوئی دوسرے مرغ کو دانا لینے کے لئے بلاتا ہے اسی طرح جنات اپنے کاہن کے کام میں وہ بات ڈالتا ہے، یہ بھی معنی بیان ہوئے ہیں کہ جس طرح مرغ اپنی مرغی سے جفتی کے وقت منی اس طور پر ڈال دیتا ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہو پاتی، اسی طرح جن اپنے دوست کے کان میں آسمانی بات اس طور پر ڈالتا ہے کہ اس کے علاوہ دوسروں کو اس کا علم نہیں ہو پاتا ہے، فیکذبون پھر کاہن اس میں سو جھوٹ شامل کرتے ہیں، مئة کذبة یہاں عدد مراد نہیں ہے بلکہ کثرت مراد ہے۔ یعنی سو کا عدد مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ کاہن حضرات اس حق بات کے ساتھ بکثرت جھوٹ ملاتے ہیں۔

امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند انصار صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے، اتنے میں شہاب ثاقب نظر آیا، آپ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ زمانہ جاہلیت میں اس کو دیکھ کر تم لوگ کیا کرتے تھے؟ صحابہؓ نے کہا کہ ہم کہتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا یا کوئی بڑا آدمی مرا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ستارہ اس وجہ سے نہیں ٹوٹتا ہے کہ کوئی مرا ہے یا کوئی پیدا ہوا ہے، بلکہ ہمارا رب جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش فرشتے سبحان اللہ کہتے ہیں، پھر جو ان کے قریب آسمان کے فرشتے ہوتے ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں، حتیٰ کہ ان کی تسبیح آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے، پھر حاملین عرش کے قریب والے فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ تو وہ ان کو اللہ نے جو کچھ فرمایا ہوتا ہے اس کی خبر دیتے ہیں، پھر آسمانوں کے دوسرے فرشتے بھی ایک دوسرے سے وہ خبر معلوم کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ خبر آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے تو جن اس

سنی ہوئی بات میں سے کچھ اچک لیتے ہیں اور اسے اپنے کاہن دوستوں کے پاس پہنچا دیتے ہیں، اب اگر کاہن اس طرح وہ بات بتلائیں جس طرح انہوں نے سنی تو وہ سچ ہوتی ہے، لیکن وہ اسمیں جھوٹ کا اضافہ کرتے ہیں۔ (مسلم ملخص مرقات، کشف الباری، عمدة، ج۲۱ ص۳۷۷)

## حدیث ۱۴۴۵ ﴿شیطان فرشتوں سے سن کر کاہنوں کو بتاتے ہیں﴾ عالمی حدیث: ٤٥٩٤

وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَنْزِلُ فِي الْعَنَانِ وَهُوَ السَّحَابُ فَتَذْكُرُ الْأَمْرَ قُضِيَ فِي السَّمَاءِ فَتَسْتَرِقُ الشَّيَاطِيْنُ السَّمْعَ فَتَسْمَعُهُ فَتُوْحِيْهِ إِلَى الْكُهَّانِ فَيَكْذِبُوْنَ مَعَهَا مِائَةَ كِذْبَةٍ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حواله:** بخاری، ص ٤٥٦ ج ۱، باب ذکر الملائكة، کتاب بدء الخلق، حدیث: ۳۲۱۰

**حل لغات:** العنان آسمان جو سامنے نظر آئے، بادل، تسترق (افتعال) السمعَ چوری سے سننا۔

**ترجمه:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک فرشتے عنان یعنی بادل سے اترتے ہیں اور اس کام کا ذکر کرتے ہیں جس کا آسمان میں فیصلہ ہوتا ہے، شیاطین اس کو سننے کی کوشش کرتے ہیں، تو جو کچھ سن لیتے ہیں اس کو کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں، چنانچہ کاہن لوگ اس میں سو جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر بیان کرتے ہیں۔ (بخاری)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کاہن جو باتیں بیان کرتے ہیں ان میں وہ بات بھی ہوتی ہے جو ان کو شیطان کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے اور وہ شیاطین اس بات کو فرشتوں سے چوری چھپے سن لیتے ہیں اور چوں کہ وہ بات بہر صورت وقوع پذیر ہوتی ہے لہٰذا کاہنوں کی بعض باتیں حقیقت کے مطابق ہو جاتی ہیں، لیکن یہ چیز بہر حال ملحوظ رہے کہ کاہن حضرات اس بات میں اپنی طرف سے سیکڑوں جھوٹی باتیں بھی ملا دیتے ہیں اور ان کی بتائی ہوئی چیزوں پر جھوٹ غالب رہتا ہے، اس لئے شریعت نے ان کاہنوں سے استفادہ کرنے اور ان کی باتوں پر دھیان دینے سے سرے سے روک دیا اور فرمایا ان کی باتیں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** و هو السحاب، عنان کی تفسیر سحاب سے ادراج راوی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ یہاں عنان سے مراد آسمان ہو اور یہی دوسری روایات کے مطابق ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود راوی کے نزدیک سحاب سے مراد آسمان ہو جیسے آسمان بول کر سحاب مراد لیا جاتا ہے، قرآن پاک میں ہے و انزلنا من السماء ماء (ہم نے آسمان یعنی بادل سے پانی برسایا) ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ آیت میں حقیقت سے مجاز کی وجہ موجود ہے، جب کہ حدیث میں حقیقت سے مجاز کی طرف جانے کی وجہ نہیں ہے، لہٰذا سحاب سے بادل ہی مراد ہے آسمان نہیں۔ فتسترق الشیاطین فرشتوں کی گفتگو شیاطین چھپ کر سنتے اور ظاہر بات ہے کہ انتہائی بے اطمینانی کیفیت رہتی ہوگی لہٰذا بات ادھوری اور ناقص بھی رہتی ہوگی، بہر حال جو کچھ بھی سنتے اور سمجھتے اس کو کاہنوں کو چپکے سے بتا دیتے۔ مزید تفصیلات گزشتہ حدیث کے تحت دیکھیں۔

## حدیث ۱۴۴٦ ﴿غیب دانی کے دعویدار کے پاس جانے کا وبال﴾ عالمی حدیث: ٤٥٩٥

وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً رَوَاهُ مُسْلِمٌ

**حواله:** مسلم، ص ۲۳۳ ج ۲، باب تحريم الكهانة، كتاب السلام، حدیث: ۲۲۳۰

**ترجمه:** حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی نجومی کے پاس آئے اور اس سے کوئی چیز

دریافت کرے تو اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ غیب دانی کے دعویدار کے پاس جاکر اس سے غیب کی باتیں دریافت کرنا بہت بڑا جرم ہے، ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں اور چالیس دن اس کی نماز قبول نہیں کرتے۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اس کی دیگر عبادتیں بھی غیر مقبول رہتی ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من اتی عرافا جو شخص کسی نجومی کے پاس آئے، عراف اس شخص کو کہتے ہیں جو گمشدہ اور چوری شدہ چیزوں کی اطلاع دیتا ہے، یہ بھی غیب دانی کا دعویدار ہوتا ہے، اور یہ ستاروں اور رمل وغیرہ کے ذریعہ اپنا کام انجام دیتا ہے، اس کو اسی لئے نجومی بھی کہتے ہیں۔ محض ان کے پاس چلے جانے پر وعید نہیں ہے، بلکہ جاکر غیب کی بات دریافت کرنے پر وعید ہے، کیوں کہ اس سے دریافت کرنا گویا اس کے جھوٹے دعوؤں کی تصدیق کرنا ہے۔ لم تقبل له صلاته اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، قبولیت سے مراد یہ ہے کہ ثواب نہیں ملتا، اگرچہ اصل فریضہ ساقط ہو جاتا ہے، اربعین لیلة چالیس رات کا ذکر ہے، مگر رات و دن دونوں مراد ہیں، اہل عرب کا اسلوب ایسا ہی ہوتا ہے، چالیس کی تخصیص کی حکمت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، البتہ حکمانے یہ نقل کیا ہے کہ چالیس ایام کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقلی میں بڑا دخل ہے۔ (تکملہ فتح الملہم، ج ۴، ص ۳۸۹)

## حدیث ۱۴۴۷ ﴿ستاروں کو بارش کا سبب قرار دینا کفر ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۵۹٦

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِنِ الْجُهَنِيِّ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى أَثَرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟ قَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ كَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا فَذَالِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حواله:** بخاری، ص۱۱۷ ج۱، باب يستقبل الامام الناس اذا سلم، كتاب الايمان، حديث: ۸۴٦، مسلم، ص۵۹ ج۱، باب بيان كفر من قال مطرنا، كتاب الاذان، حديث: ۷۱

**ترجمه:** حضرت زید بن خالد جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں بارش کے بعد جو رات میں ہوئی تھی فجر کی نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے، تو لوگوں کی طرف آپ نے رخ کیا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار عزوجل نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ اچھا جاننے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ آج صبح میرے بندوں میں سے کچھ بندے مجھ پر ایمان لانے والے ہوئے اور کچھ کافر ہوئے، جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی تو وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے، اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہم پر فلاں ستارے کے ایسی اور ایسی جگہ پہنچنے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ میرا انکار کرنے والے اور ستاروں پر ایمان لانے والے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** بارش اللہ کے حکم اور اس کی قضا و تقدیر سے نازل ہوتی ہے، اس کے نزول میں کسی اور چیز کو موثر حقیقی اور تاثیر میں مستقل جاننا اللہ کی تقدیر کا انکار اور کفر ہے۔ جیسا کہ جاہلیت میں بارش کے نزول میں ستاروں کو موثر حقیقی سمجھا جاتا تھا، امام بخاریؒ نے بتایا کہ یہ ان لوگوں کا کام ہے جنہوں نے جھوٹ کو اپنی غذا بنالیا ہے کہ رحمت کی بارش تو خدا نازل فرمائے اور وہ اس کو ستاروں کی طرف منسوب کریں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** صلاۃ الصبح بالحدیبیة. آپ نے حدیبیہ میں فجر کی نماز پڑھائی، حدیبیہ حدباء کی تصغیر ہے، حدباء ایک درخت کا نام ہے یہ وہ مقام ہے جہاں مشرکین نے سنہ ۶ ہجری میں آپ کو روک دیا تھا، اسی مقام پر حدباء کے ایک درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی، رات کو بارش ہوئی صبح آپ نے فجر کی نماز پڑھائی، فلما انصرف اقبل علی الناس نماز سے فارغ ہو کر آپ نے لوگوں کی طرف رخ کیا، معلوم ہوا کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کو قوم کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہئے۔ اس کی ایک مصلحت یہ ہے کہ امام کو قوم کی طرف پشت کرنے کی اجازت محض امامت کی بنیاد پر دی گئی تھی، امامت ختم ہوگئی تو اب رخ قوم کی طرف کر لینا مناسب ہے، یہ بات تو قوم کے لئے تکلیف دہ ہے کہ ان کا کوئی فرد ان سے منہ پھیر لے۔ فقال آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کچھ لوگ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں، اور کچھ لوگ کفر اختیار کرنے والے ہیں، یعنی جو لوگ اس بارش کو خدا کی رحمت سمجھتے ہیں اور اس کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں، خدا کہتا ہے کہ وہ لوگ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں، اور جو اسے ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بارش کے نزول میں انہی کو موثر حقیقی جانتے ہیں وہ میرے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ مطرنا بنوء، یہ علم نجوم کا مسئلہ ہے، اہل نجوم نے سال کے ۳۶۵ دن کو اس طرح تقسیم کیا ہے کہ چاند کی اٹھائیس منزلیں فرض کی ہیں ان کے خیال کے مطابق چاند ہر منزل میں ۱۳ر دن اور ایک منزل میں ۱۴ر دن رہتا ہے، اس طرح ۳۶۵ دن ہو گئے، چاند جب کسی منزل میں پہنچتا ہے تو ایک ستارہ غروب ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل دوسرا ستارہ طلوع ہوتا ہے، اسی طلوع یا غروب ہونے والے ستارے کو "نوء" کہتے ہیں۔

**سوال:** ستاروں کو مؤثر ماننے کا حکم کیا ہے؟

**جواب:** اہل نجوم کی طرح جاہلیت میں یہ عقیدہ تھا کہ منازل قمر میں ایک ستارے کا غروب اور دوسرے ستارے کا طلوع کائنات پر اثر انداز ہوتا ہے، اور مثلاً بارش کا ہونا یا طوفانی ہواؤں کا چلنا یا سردی اور گرمی وغیرہ اسی کی تاثیر ہے، اب اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ تدبیر و تصرف میں یہی ستارے مستقل بالتاثیر ہیں تو وہ یقیناً مشرک ہے اور اگر وہ ان کو درحقیقت موثر نہیں مانتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے تصرف کی علامات سمجھتا ہے تو مشرک نہیں ہے، لیکن یہ سمجھنا بھی مذموم اور قابل احتراز بات ہے۔ شیخ محمد اشرف علی تھانویؒ نے کشاف اصلاحات الفنون میں شرک کی چار قسمیں بیان کی ہیں، الوہیت میں شرک، واجب الوجود ماننے میں شرک، تدبیر و تصرف میں شرک اور عبادت میں شرک، ستاروں کی مستقل اور حقیقی تاثیر کا عقیدہ شرک کی تیسری قسم ہے۔ اور کفر ہے، البتہ اگر ان ستاروں کو مستقل بالتاثیر نہ سمجھا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کی رفتار اور ان کے احوال و اوضاع سے اپنی عادت کے مطابق کچھ تاثیرات متعلق کر دی ہیں اور یہ اس کی صرف علامت ہیں تو یہ عقیدہ گو شرک اور کفر نہیں ہے، مگر اس سے بچنا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ مسلم شریف کی حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اصبح من الناس شاکر و منهم کافر فرمایا گیا ہے، اس روایت میں کافر کا تقابل مومن سے نہیں شاکر سے کیا گیا ہے، یعنی کفر کو ایمان کے مقابل نہیں بلکہ شکر کے مقابل استعمال کیا گیا ہے۔ گویا جو ستاروں کی تاثیر میں مستقل یا موثر حقیقی نہیں مان رہا ہے وہ بھی کسی درجے میں ان کی تاثیر کا قائل ہو کر خدا کا شکر ادا نہ کر کے کفران نعمت کر رہا ہے، نعمت تو نازل کر رہا ہے صرف پروردگار عالم اور یہ انسان غیر اللہ کو بھی اسی میں کسی درجہ میں دخیل مان رہا ہے۔ العیاذ باللہ۔

**کفران نعمت بھی کیوں؟** یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب اللہ نے کائنات میں اپنی مقرر کردہ عادت کے مطابق مثلاً ستاروں کی حرکت اور وضع سے کچھ تاثیرات متعلق کر دی ہیں، تو پھر تو اسے کفران نعمت بھی نہیں کہنا چاہئے، اس بات کو سمجھنے کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے کہ واقعتاً اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سبب اور مسبب کا سلسلہ قائم فرمایا ہے یعنی بعض چیزوں کو بعض چیزوں کا سبب بنایا ہے، یقین کے درجہ میں، جیسے آگ کا سبب احراق ہونا، یا ظن کے درجہ میں جیسے دوا کا دافع مرض ہونا جانتے ہیں تو ان اسباب کی

طرف نسبت کرنا کفر یا کفران نعمت نہیں ہے، لیکن جو اسباب محض وہم کے درجہ میں ہیں یعنی شرعی، یا عقلی طور پر ان کے سبب ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، تو ان کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے، ستاروں کی تاثیر توہمات کے قبیل سے ہے کہ ان کے موثر ہونے پر نہ شرعی دلیل قائم ہے نہ عقلی، اس لئے اگر کوئی انسان بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کرتا ہے تو اگر وہ ان کو مستقل بالتاثیر بھی نہیں مانتا تب بھی وہ غلطی کر رہا ہے، اور کفران نعمت کا مرتکب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسباب عادیہ، یقینی ہوں یا ظنی کی طرف کسی کام کی نسبت کفر یا کفران نعمت نہیں ہے، اور اسباب وہمیہ کی طرف نسبت میں یہ تفصیل ہے کہ ان کو مستقل بالتاثیر سمجھنا شرک اور کفر اور کسی بھی درجہ میں موثر سمجھنا کفران نعمت ہے۔

**ستاروں کی تاثیر کا نظریہ:** خیال اور توہم سے زیادہ نہیں ہے اور اس لیے علم نجوم میں اشتغال سے منع کیا جاتا ہے کہ اس کو جاننے کا کوئی معتبر ذریعہ انسان کے پاس نہیں ہے اور اس کے حصول کی جدوجہد، اپنا قیمتی وقت کو ضائع کرنے کے مرادف ہے، پھر یہ کہ ستاروں کی تاثیر کا نظریہ نقصان دہ ہونا واضح اور ثابت ہو چکا ہے کہ فلاسفہ اور یہود و نصاریٰ کا ایک طبقہ ان کو مستقل بالتاثیر سمجھ کر گمراہ ہوا پھر کیا بعید ہے کہ کمزور عقیدے کے مسلمان کی نظر بھی انہیں کی تاثیر پر ٹھہر جائے اور وہ خیر و شر کو ستاروں کی طرف منسوب کر کے اپنے ایمان کی سب سے قیمتی متاع یعنی عقیدہ توحید سے محروم ہو جائے۔ اعاذنا الله من ذالك (ایضاح البخاری)

**حدیث ۱۴۴۸ ﴿ستاروں کو بارش کا سبب قرار دینا کفر ہے﴾ عالمی حدیث:۴۵۹۷**

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاأَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيْقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِيْنَ يُنْزِلُ اللّٰهُ الْغَيْثَ فَيَقُوْلُوْنَ بِكَوْكَبِ كَذَا وَكَذَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۵۹ ج ۱، باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب بھی اللہ تعالیٰ آسمان سے کوئی برکت نازل کرتے ہیں تو انسانوں کی ایک جماعت ضرور اس کے ذریعہ کفر میں مبتلا ہو جاتی ہے، بارش اللہ تبارک وتعالیٰ نازل فرماتے ہیں، لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں اور فلاں ستارہ کے اثر سے بارش ہوئی ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بارش نازل کرنے والی ذات اللہ کی ہے، لہٰذا اللہ کے اس خاص فضل وکرم کو دوسرے اسباب وذرائع کے طرف منسوب کرنا کفر ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فريق من الناس بها كافرين ۔ اس سے کفر بھی مراد ہو سکتا ہے، اور ناشکری بھی۔ اگر ستاروں کو بارش کے نزول کا مدبر مان رہا ہے، تو کفر ہے اور اگر بارش کا سبب وعلامت مان رہا ہے تو ناشکری ہے۔ یہ کفر یا ناشکری اس لئے ہے کہ بارش اللہ تعالیٰ برسا رہا ہے، تو بجائے اس کا فضل قرار دینے کے اس کی نسبت کسی بھی درجہ میں ستاروں کی طرف کر دی یہی ان کا کفر ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے گزشتہ حدیث دیکھیں۔

## الفصل الثانی

**حدیث ۱۴۴۹ ﴿علم نجوم سیکھنا سحر سیکھنے کے مانند ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۵۹۸**

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِنَ النُّجُوْمِ اِقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

**حوالہ،** مسند احمد، ص ۳۱۱، ج ۱، ابوداود، ص ۵۴۵ ج ۲، باب في النجوم، كتاب الطب، حدیث:

۳۹۰۵، ابن ماجه، ص ٢٦٤ باب تعليم النجوم، كتاب الادب، حديث: ٣٧٢٦

**حل لغات:** اقتبس (افتعال) منه علمًا کسی سے علم حاصل کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے علم نجوم میں سے کچھ علم سیکھا تو اس نے جادوگری کا ایک حصہ سیکھا، اور جتنا زیادہ نجوم کا علم سیکھا گویا اتنا ہی زیادہ جادوگری سیکھی۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں علم نجوم کو سحر سے تشبیہ دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ علم نجوم سیکھنا ایسا ہے جیسے جادو کا علم سیکھا جائے، اس مشابہت کی علم نجوم کی برائی کا اظہار ہے، اس اعتبار سے علم نجوم پر عمل کرنے والا گویا جادوگروں اور کاہنوں کا ایک فرد ہے، جو خلاف شریعت امور کو اختیار کرتے ہیں اور غیب کی باتیں بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من اقتبس علما من النجوم جس شخص نے علم نجوم کا کچھ حصہ حاصل کیا تو اس نے سحر کا ایک حصہ حاصل کیا اب وہ علم نجوم کی تحصیل میں جتنی زیادتی کرے گا وہ گویا علم سحر ہی میں زیادتی ہوگی اور یہ ظاہر ہے کہ تعلیم سحر اور عمل بالسحر دونوں حرام ہیں، پس ایسے ہی تعلیم نجوم بھی حرام ہوا۔ اس علم نجوم سے مراد جس پر وعید ہے، وہ ہے، جس کی وجہ سے آدمی حوادث کے علم کا دعویٰ کرتا ہے، جو کہ اب تک واقع نہیں ہوئے اور آئندہ ہونے والے ہیں، ہواؤں کا چلنا، یا بارش کی اطلاع اور اشیاء کے نرخ میں کمی و زیادتی وغیرہ اور جیسا کہ یہ اہل نجوم دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ان چیزوں کو کواکب کی سیر سے جان جاتے ہیں، حالانکہ آئندہ ہونے والے امور کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے، اور اس طرح کا علم نجوم جس سے اوقات کا علم ہو جائے، زوال کا نیز جہت قبلہ معلوم ہو جائے یہ اس میں داخل نہیں۔ (بذل، الدر المنضود)

## حديث ١٤٥٠ ﴿كاهنوں كى تصديق كرنے والا كافر هے﴾ عالمى حديث: ٤٥٩٩

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ اَوْ اَتٰى اِمْرَاَتَهُ حَائِضًا اَوْ اَتٰى اِمْرَاَتَهُ فِيْ دُبُرِهَا فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** احمد، ص ٤٠٨، ج ٢، ابوداود، ص ٥٤٥ ج ٢، باب في الكاهن، كتاب الادب، حديث: ٣٩٠٤

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کاہن کے پاس آئے، اور اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کرے، یا اپنی بیوی سے حالت حیض میں صحبت کرے، یا اپنی بیوی سے اس کے پچھلے مقام میں صحبت کرے تو وہ اس چیز سے لاتعلق ہو گیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی گئی ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں تین انتہائی قبیح اور بڑے گناہوں کا ذکر ہے (۱) کاہن کے پاس جانا اور اس کی باتوں کی تصدیق کرنا (۲) حالت حیض میں بیوی سے جماع کرنا (۳) بیوی سے بدفعلی کرنا۔ یہ تین گناہ اگر حلال سمجھ کر انجام دینے لگے تو کفر کے قول میں کوئی شبہ نہیں اور اگر حرام سمجھ کر بھی انجام دیا تو بھی شدید ترین جرم اختیار کیا لہٰذا اس کو متنبہ ہو جانا چاہئے کہ اس کا رشتہ شریعت محمدی سے کٹ رہا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من اتی کاهنا کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو اخبار مستقبل کو بیان کرے اور معرفت اسرار کون کا مدعی ہو، کہانت کی دو قسمیں ہیں: (۱) کسبی (۲) طبعی۔ ابن خلدون نے فرمایا کہ اہل عرب میں عموماً کہانت طبعیہ پائی جاتی تھی، فقہاء کے نزدیک دونوں قسمیں حرام ہیں، کاہن کے پاس جانے سے مراد جو وہ غیب کی باتیں بتاتے ہیں، اس کی تصدیق کرنا ہے، صرف جانا مراد نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص کسی ضرورت سے اس کے پاس جائے یا اس کی تکذیب کی غرض سے

جائے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ او اتی امراتہ حائضاً حالت حیض میں بیوی سے جماع کرنا بالاتفاق امت حرام ہے۔ امام نوویؒ نے اس کو حلال جاننے پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ صاحب بحر نے فرمایا کہ فقہاء احناف کا اس کے کفر میں اختلاف ہے۔ حالت حیض میں فوق الازار بیوی سے استمتاع جائز ہے۔ جماع کے علاوہ ازار کے نیچے سے حالت حیض میں بیوی سے استمتاع جمہور کے نزدیک ناجائز ہے۔ جب کہ امام محمدؒ وامام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔ او اتیٰ امراتہ فی دبرھا بیوی سے پچھلے مقام پر صحبت کی حرمت پر اجماع ہے۔ **فقد کفر بما انزل علی محمد** اگر مذکورہ چیزیں حلال سمجھ کر انجام دی جارہی ہیں تو کفر ظاہر ہے۔ اگرچہ بعض میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ وطی حائض میں گزرا اور بغیر استحلال یہ تغلیظ وتشدید پر محمول ہے۔ (بذل، الدرالمنضود، درس ترمذی) بیوی سے بدفعلی کی تفصیلات کے لئے عالمی حدیث ۳۱۹۱ تا ۳۱۹۵، ج: ششم، ص ۱۱۶ تا ۱۱۸ دیکھیں)

## الفصل الثالث

### حدیث ۱٤٥١ ﴿کاہن کے غیب کی بات جاننے کا ذریعہ﴾ عالمی حدیث: ٤٦٠٠

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَضَی اللّٰهُ الْاَمْرَ فِی السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِکَةُ بِاَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهٖ کَاَنَّهٗ سِلْسِلَةٌ عَلٰی صَفْوَانٍ فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْ قَالَ الْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ فَیَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُوا السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُوا السَّمْعِ هٰکَذَا بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ وَوَصَفَ سُفْیَانُ بِکَفِّهٖ فَحَرَّفَهَا وَبَدَّدَ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ فَیَسْمَعُ الْکَلِمَةَ فَیُلْقِیْهَا اِلٰی مَنْ تَحْتَهٗ ثُمَّ یُلْقِیْهَا الْاٰخَرُ اِلٰی مَنْ تَحْتَهٗ حَتّٰی یُلْقِیَهَا عَلٰی لِسَانِ السَّاحِرِ اَوِ الْکَاهِنِ فَرُبَّمَا اَدْرَکَ الشِّهَابُ قَبْلَ اَنْ یُلْقِیَهَا وَرُبَّمَا اَلْقَاهَا قَبْلَ اَنْ یُّدْرِکَهٗ فَیَکْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ کِذْبَةٍ فَیُقَالُ اَلَیْسَ قَدْ قَالَ لَنَا یَوْمَ کَذَا وَکَذَا فَیُصَدَّقُ بِتِلْکَ الْکَلِمَةِ الَّتِیْ سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۷۰۸ ج ۲، باب حتیٰ اذا فزع عن قلوبھم، کتاب التفسیر، حدیث ٤٨٠٠

**حل لغات:** اجنحۃ جمع ہے، واحد جَنَاحٌ، بازو، پر، خضعانا خَضَعَ (ف) فروتن ہونا، عاجزی کرنا، تواضع کرنا، صفوان چکنا پتھر، چکنی چٹان، فزع (ف) فَزْعًا عَنْهُ خوف اور گھبراہٹ دور کرنا، حَرَّفَهَا (الشئ) ٹیڑھا کرنا، وبدد (تفعیل) بکھیرنا، منتشر کرنا، الشھاب (ج) شُهُبٌ دہکتا ہوا آگ کا انگارہ، حملۃ (ض) حملاً اٹھانا، یقرفون قرف (ض) قَرْفًا، جھوٹ بولنا، جھوٹ سچ ملانا، گڑبڑ کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آسمان پر اللہ تعالیٰ کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے آگے عاجزی سے اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں، ان کے پیروں کو مارنے سے آواز اس طرح سنائی دیتی ہے، جیسے چکنے پتھر پر زنجیر چلانے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ جب ان کی گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے، تو وہ آپس میں پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ فرمایا وہ حق ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے، بات چرانے والے شیطان جو کہ اوپر نیچے ہو کر وہاں جاتے ہیں، ایک دوسرے سے سن کر اس بات کو اڑا لیتے ہیں، سفیانؒ نے اپنی ہتھیلی کو موڑ کر انگلیاں الگ الگ کر کے بتایا کہ اس طرح شیطان ایک کے اوپر ایک رہتے ہیں، اوپر والا شیطان نیچے والے کو، وہ اپنے نیچے والے کو سناتا ہے، اس طرح جادوگر یا کاہن تک بات پہنچتی ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتے آگ کا کوڑا مارتے ہیں، شیطان کو کچھ بات چوری کرنے سے پہلے لگتا ہے اور کبھی کوڑا لگنے سے پہلے وہ اپنے نیچے والے شیطان کو بات سنا چکا ہوتا ہے، چنانچہ یہ ساحر یا کاہن ایک بات میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بتاتا ہے، لوگ کہتے

ہیں کہ دیکھو اس کاہن نے ہم سے فلاں دن یہ کہا، فلاں دن یہ، فلاں دن یہ، اسی ایک سچی بات کی وجہ سے جو شیطان نے آسمان پر سنی تھی، لوگ کاہن اور ساحر کو سچا کہنے لگتے ہیں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں شیطان کے آسمان کی طرف جانے اور وہاں سے غیبی خبریں چرا کر کاہنوں تک پہنچانے اور کاہنوں کے سیکڑوں جھوٹ ملا کر لوگوں کو اس غیبی بات سے مطلع کرنے کا ذکر ہے، اسی طرح شہاب ثاقب کے ذریعہ شیطانوں کو مار بھگانے کا بھی ذکر ہے۔ آسمانوں پر شیاطین کا کچھ عمل دخل نہیں چلتا، بلکہ بعثت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے تو ان کا گذر بھی وہاں نہیں ہوسکتا۔ اب انتہائی کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ ایک شیطانی سلسلہ قائم کر کے آسمان کے قریب پہنچیں اور عالم ملکوت سے نزدیک ہو کر اخبار غیبیہ کی اطلاعات حاصل کریں، اس پر بھی فرشتوں کے پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں کہ جب شیاطین ایسی کوشش کریں تو اوپر سے آتش بازی کی جائے، نصوص قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکوینی امور کے متعلق آسمان پر جب کسی فیصلے کا اعلان ہوتا ہے اور خداوند قدوس اس سلسلہ میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے، تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر سے نیچے کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے، آخری آسمان یعنی سماء دنیا پر اور بخاری کی ایک روایت کے مطابق "عنان" یعنی بادل میں فرشتے اس کا مذاکرہ کرتے ہیں، شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق غیبی معلومات حاصل کریں، اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعہ وائرلیس، ٹیلی فون جا رہا ہو، اسے بعض لوگ راستے میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں، ناگہاں اوپر سے بم کا گولہ یعنی شہاب ثاقب پھینکتا ہے، اور ان غیبی پیغامات کی چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔ اسی دوا دوش اور ہنگامہ دار و گیر میں جو ایک آدھ بات شیطان کو ہاتھ لگ جاتی ہے، وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی عجلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، کاہن لوگ اس ادھوری سے بات میں سیکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر عوام کو غیبی خبر بتاتے ہیں، جب وہ ایک آدھ سماوی بات سچی نکلتی ہے تو ان کے معتقدین اسے ان کی سچائی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں، جو سیکڑوں بنائی ہوئی خبریں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں، ان سے اغماض وتغافل برتا جاتا ہے، قرآن وحدیث نے یہ واقعات بیان کر کے تنبیہ کر دیا کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹی سے چھوٹی سچائی کا سرچشمہ بھی وہی عالم ملکوت ہے، شیاطین الجن والانس کے خزانے میں بجز کذب وافترا کے کوئی چیز نہیں، نیز یہ کہ آسمانی نظامات اس قدر مکمل ہیں کہ کسی شیطان کی مجال نہیں کہ وہاں قدم رکھ سکے، یا باوجود انتہائی جدوجہد کے وہاں کے انتظامات اور فیصلوں پر معتد بہ دسترس حاصل کرلیں، باقی جو ایک آدھ جملہ ادھر ادھر کا فرشتوں سے سن بھاگتا ہے، حق تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ اس کی قطعاً بندش کر دی جائے، وہ چاہتا تو اس سے بھی روک دیتا مگر یہ بات اس کی حکمت کے موافق نہیں تھی، اخیر شیطان کو جن کی بات اس کو معلوم ہے کہ کبھی اغوا واضلال سے باز نہ آئیں گے اتنی طویل مہلت اور لغویانہ اسباب وسائل پر دسترس دینے میں کچھ نہ کچھ حکمت تو سب کو ماننی پڑے گی، اسی طرح حکمت یہاں بھی سمجھ لو۔ شیاطین ہمیشہ شہابوں کے ذریعہ مرتے رہتے ہیں، مگر جس طرح قطب جنوبی اور ہمالیہ کی بلند تر چوٹی کی تحقیق کرنے والے مرتے رہتے ہیں اور دوسرے ان کا انجام دیکھ کر مہم کو ترک نہیں کرتے، اس پر شیاطین کی مسلسل جدوجہد کو قیاس کرلو۔ یہ واضح رہے کہ قرآن وحدیث نے یہ نہیں بتایا کہ شہاب کا وجود صرف رجم شیاطین کے لئے ہوتا ہے، ممکن ہے کہ ان کے وجود سے اور بہت سے مصالح وابستہ ہوں اور حسب ضرورت یہ کام بھی لیا جاتا ہو۔ (تفسیر عثمانی، کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** ماذا قال ربکم، جب فرشتوں کے قلوب سے خوف کی وہ کیفیت ختم ہوجاتی ہے تو وہ مقرب فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ تو مقرب فرشتے اس چیز کے بارے میں بتاتے ہیں جو اللہ نے فرمائی ہے، الحق کہ اللہ نے حق فرمایا ہے۔ وھو العلی الکبیر وہ بزرگ وبلند ہیں، چونکہ اس کا تذکرہ ملائکہ

میں ہوتا ہے تو چوری چھپے سننے والے شیاطین اس کو سن لیتے ہیں۔ وصف سفیان بیدہ چوری چھپے سننے والے شیاطین اس طرح رہتے ہیں، ایک کے اوپر دوسرا، پھر تیسرا، سفیان نے (سمجھانے کی غرض سے) اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں کھول کر بعض کو بعض پر رکھ کر اس کی کیفیت بیان کی۔ (کشف الباری)

## حدیث ۱٤٥۲ ﴿شہاب ثاقب کی وضاحت﴾ عالمی حدیث: ٤٦٠١

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّھُمْ بَیْنَھُمْ جُلُوْسٌ لَیْلَۃً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُمِیَ بِنَجْمٍ وَاسْتَنَارَ فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اِذَا رُمِیَ بِمِثْلِ ھٰذَا قَالُوْا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ کُنَّا نَقُوْلُ وُلِدَ اللَّیْلَۃَ رَجُلٌ عَظِیْمٌ وَمَاتَ رَجُلٌ عَظِیْمٌ فقال رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّھَا لَا یُرْمٰی بِھَا لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیٰوتِہٖ وَلٰکِنْ رَبُّنَا تَبَارَکَ اسْمُہٗ اِذَا قَضٰی اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَۃُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَھْلُ السَّمَاءِ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ التَّسْبِیْحُ اَھْلَ ھٰذِہِ السَّمَاءِ الدُّنْیَا ثُمَّ قَالَ الَّذِیْنَ یَلُوْنَ حَمَلَۃَ الْعَرْشِ لِحَمَلَۃِ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ فَیُخْبِرُوْنَھُمْ مَا قَالَ فَیَسْتَخْبِرُ بَعْضُ اَھْلِ السَّمٰوٰتِ بَعْضًا حَتّٰی یَبْلُغَ ھٰذِہِ السَّمَاءَ الدُّنْیَا فَیَخْطَفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَیَقْذِفُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَائِھِمْ وَیَرْمُوْنَ فَمَا جَاءُوْا بِہٖ عَلٰی وَجْھِہٖ فَھُوَ حَقٌّ وَلٰکِنَّھُمْ یَقْذِفُوْنَ فِیْہِ وَیَزِیْدُوْنَ رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص۲۳۳ ج۲، باب تحریم الکھانۃ. کتاب السلام، حدیث: ۲۲۲۹

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاری صحابہؓ میں سے ایک صحابی نے مجھ سے بیان کیا، ایک رات کچھ صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک ستارہ ٹوٹا اور اس کی تیز روشنی پھیل گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ زمانہ جاہلیت میں اس طرح ستارہ ٹوٹتا دیکھ کر تم لوگ کیا کہتے تھے؟ صحابہ نے کہا کہ ہم کہتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا یا کوئی بڑا آدمی مرا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ستارہ اس وجہ سے نہیں ٹوٹتا ہے کہ کوئی مرا ہے یا کوئی پیدا ہوا ہے، بلکہ ہمارا رب جب کسی معاملہ کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش فرشتے سبحان اللہ کہتے ہیں، پھر جو ان کے قریب آسمان کے فرشتے ہوتے ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں، یہاں تک کہ ان کی تسبیح آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے، پھر حاملین عرش کے قریب والے فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ تو وہ ان کو اللہ نے جو کچھ فرمایا ہوتا ہے اسکی خبر دیتے ہیں، پھر آسمانوں کے دوسرے فرشتے بھی ایک دوسرے سے وہ خبر معلوم کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ خبر آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے، تو جن اس سنی ہوئی بات میں سے کچھ اچک لیتے ہیں، اور اس کو اپنے کاہن دوستوں کے پاس پہنچا دیتے ہیں، ان جناتوں کو مارنے کے لئے ستارے پھینکے جاتے ہیں، اب اگر کاہن اسی طرح وہ بات بتلائیں جس طرح انہوں نے سنی تو وہ سچ ہوتی ہے، لیکن وہ اس میں جھوٹ گڑھتے ہیں، اور بہت سی باتیں شامل کر کے بتا دیتے ہیں۔ (مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی معاملہ کا فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتے تسبیح میں اتنے منہمک ہو جاتے ہیں کہ وحی الٰہی کا اور فیصلہ خداوندی کا پوری طرح ادراک نہیں کر پاتے، لہٰذا اوپر والے فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں، فرشتوں کی بات کچھ نہ کچھ جنات سن لیتے ہیں اور اس کو کاہنوں کو بتاتے ہیں، ان شیطانوں کو مارنے کے لئے فرشتے ستارے پھینکتے ہیں، وہ ستارے شہاب ثاقب کہلاتے ہیں۔ تفصیل کے لئے گزشتہ حدیث بھی دیکھ سکتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما کنتم تقولون فی الجاهلية. آپ کے سوال کا مقصد جاننا نہیں تھا، آپ کو جاہلیت کے عقیدہ کا علم تھا، آپ ان کی زبانوں سے اقرار کرا کے اس بات کا استحضار کرنا اور اس کی تردید کرنا چاہتے تھے، اور اسلامی نظریہ ان کے سامنے بیان کرنا چاہتے تھے۔ مزید تفصیلات کے لئے گزشتہ حدیث اور ۴۵۹۳-۴۵۹۴ دیکھیں۔

## حدیث ۱۴۵۳ ﴿ستاروں کی تخلیق کا مقصد﴾ عالمی حدیث: ۴۶۰۲-۴۶۰۳

وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلَاثٍ جَعَلَهَا زِيْنَةً لِلسَّمَاءِ وَرُجُوْمًا لِلشَّيَاطِيْنِ وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدٰى بِهَا وَمَنْ تَأَوَّلَ فِيْهَا لِغَيْرِ ذٰلِكَ اَخْطَأَ وَاَضَاعَ نَصِيْبَهُ وَتَكَلَّفَ مَا لَا يَعْلَمُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا وَفِيْ رِوَايَةِ رَزِيْنٍ وَتَكَلَّفَ مَالَا يَعْنِيْهِ وَمَالَا عِلْمَ لَهُ بِهِ وَمَا عَجَزَ عَنْ عِلْمِهِ الْاَنْبِيَاءُ وَالْمَلَائِكَةُ وَعَنِ الرَّبِيْعِ مِثْلُهُ وَزَادَ وَاللّٰهِ مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِيْ نَجْمٍ حَيٰوةَ اَحَدٍ وَلَا رِزْقَهُ وَلَا مَوْتَهُ وَاِنَّمَا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَيَتَعَلَّلُوْنَ بِالنُّجُوْمِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ٤٥٤ ج ١، باب فی النجوم، کتاب بدء الخلق، حدیث:

**حل لغات:** رجوما رَجَمَ (ن) رَجْمًا وَرُجُوْمًا پتھر مارنا، سنگسار کرنا، لعنت بھیجنا، تاول (تفعل) الکلامَ مطلب بیان کرنا، تکلف (تفعل) غیر متعلق کام کرنا، کسی کام کی تکلیف اٹھانا، یفترون فتر فلانٌ فترا (ن) تنگ حال ہونا، علی احدِ الکذبَ کسی پر جھوٹ گڑھنا، یتعللون (تفعل) الرجل دلیل وحجت بیان کرنا، کسی بات کا بہانا کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین باتوں کے لئے پیدا کیا ہے، کچھ ستاروں کو آسمان کی زینت کے لئے بنایا ہے، کچھ دوسرے ستارے ہیں جن کو شیاطین کو مارنے کے لئے پیدا کیا ہے، اور تیسری قسم کے ستارے بطور علامت اور نشانی ہے جن سے راہ معلوم کی جاتی ہے، جس نے ان تینوں کے علاوہ کوئی اور وجہ بتائی اس نے غلطی کی۔ اپنا حصہ ضائع کیا اور ایسی بات کا تکلف کیا جو وہ نہیں جانتا۔ اس کو بخاری نے تعلیقا روایت کیا ہے۔ اور رزین کی ایک روایت میں ہے کہ ایسی بات کا تکلف کیا جو مفید نہیں اور جس کا اسے علم نہیں اور جس کے علم سے انبیاء کرام اور فرشتے بھی عاجز ہیں، ربیع سے اسی کے مانند نقل ہوا ہے نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی ستارے میں کسی کی زندگی، رزق، اور موت نہیں رکھی، جب کہ وہ (کاہن) اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ستاروں کا بہانہ بناتے ہیں۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ علم نجوم کا حصول اور اس کے ذریعہ غیب دانی کا دعویٰ، سوائے خرافات کے کچھ نہیں ہے، اس میں وقت کا ضیاع ہے، اور فساد عقیدہ کی بنا پر دنیا و آخرت کا خسارہ ہے، لہٰذا اس کام میں قطعاً اشتغال نہ رکھنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فمن تاول ستاروں کے ذریعہ غیب کی باتیں جاننا ناممکن ہے اب جو کوئی غیر ممکن کو ممکن کرنا چاہتا ہے وہ وقت ضائع کرتا ہے، اور اپنے کو خسارے میں مبتلا کرتا ہے۔ ماجعل اللہ ستاروں میں زندگی، موت اور رزق دینے کی قدرت نہیں ہے، اس طرح کی باتیں کرنے والے جھوٹے ہیں۔ مزید کے لئے دیکھیں عالمی حدیث: ۴۵۹۶

## حدیث ۱۴۵۴ ﴿نجومی ساحر ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٦٠٤

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ بَابًا مِنْ عِلْمِ النُّجُوْمِ لِغَيْرِ مَا ذَكَرَ اللّٰهُ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ اَلْمُنَجِّمُ كَاهِنٌ وَالْكَاهِنُ سَاحِرٌ وَالسَّاحِرُ كَافِرٌ رَوَاهُ رَزِيْنٌ.

**حوالہ:** رزین

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے علم نجوم میں سے ایسا حصہ سیکھا جو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کردہ کے علاوہ ہے تو بلاشبہ اس نے جادو میں کا ایک حصہ سیکھا۔ نجومی کاہن ہے اور کاہن جادوگر ہے اور جادوگر کافر

ہے۔(رزین)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ علم نجوم، کہانت، اور جادوگری یہ سب ایک طرح کی چیزیں ہیں اور ان سب کا ایک ہی حکم ہے۔ اور یہ سب کافروں، شیطان کے دوستوں اور بے دین لوگوں کے کام ہیں۔ لہٰذا ان سے اپنے کو دور رکھنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من اقتبس باباً من علم النجوم: علم نجوم کی مختلف انواع واقسام ہیں، ان میں سے کوئی بھی نوع سیکھی، بغیر ذکر الله وہ سیکھی ہوئی نوع اللہ کے ذکر کردہ انواع کے علاوہ ہو۔ حضرت قتادہؓ کی حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ انواع بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے پہلی زینة اللسماء اور دوسری رجوماً للشیاطین یہ وہ اغراض ہیں جن کے لئے کوئی انسان علم نجوم سیکھ ہی نہیں سکتا، البتہ تیسری نوع کا علم یعنی ہدایت اور راہ پانے کی علامتیں جاننے کا علم اگر کوئی سیکھتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ المنجم کاهن ۔ نجومی بھی کاہن کی طرح غیب جاننے کا مدعی ہوتا ہے اور غیب کی جھوٹی خبریں لوگوں کو دیتا ہے۔ اور کاہن ساحر کے حکم میں ہے، کیوں کہ کاہن بھی بری باتوں کا ارتکاب کرتا ہے، شیطانی عمل کرتا ہے، اور شیاطین سے معاونت طلب کرتا ہے۔ اور ساحر کی طرح لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے، ساحر اپنی بداعتقادی کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔ یہی حال نجومی اور کاہن کا بھی ہوتا ہے۔

## حدیث ۱٤٥٥ ﴿چاند کی منزل کو بارش کا سبب بتانا کفر ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٦٠٥

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَمْسَكَ اللّٰهُ الْقَطْرَ عَنْ عِبَادِهٖ خَمْسَ سِنِیْنَ ثُمَّ اَرْسَلَهٗ لَاَ صْبَحَتْ طَائِفَةٌ مِنَ النَّاسِ کَافِرِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سُقِیْنَا بِنَوْءِ الْمِجْدَحِ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ

**حوالہ:** نسائی، ص ۱۷۲ ج۲، باب کراهية الاستمطار بالکواکب، کتاب الاستسقاء، حدیث: ۱۵۲۶

**حل لغات:** المجدح ایک ستارے کا نام، جمع مجادیح۔

**ترجمہ:** حضرت ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ پانچ سال اپنے بندوں سے بارش کو روکے رکھے اور پھر بھیجے، تب بھی لوگوں کا ایک گروہ کافر ہو جائے گا، اور وہ کہیں گے کہ ہم پر ''مجدع'' ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔(نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اہل عرب کے نزدیک چاند کی منازل میں سے ایک منزل کا نام مجدع تھا، وہ اپنے غلط عقیدہ کی بنیاد پر، بارش کے نزول کے لئے اسی کو سبب قرار دیتے تھے، حالاں کہ بارش محض اللہ کے فضل سے ہوتی ہے، اس میں کسی ستارے کے طلوع اور غروب یا چاند کی کسی منزل کو کوئی دخل نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لو امسك المطر. بارش پانچ سال تک نہ ہو، یا لمبی مدت تک نہ ہو، پھر اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بارش نازل کرے تو سب کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ بارش کا نزول ستاروں یا چاند کی منازل سے نہیں ہے، اس لئے کہ اگر ان سے ہوتا تو متعینہ وقت پر بارش ہوتی، لیکن ایک گروہ اس کھلی حقیقت سے بھی اعراض کر کے جاہلانہ عقیدہ کی بنیاد پر بارش کو ستاروں کے طلوع وغروب کا اثر قرار دے کر کفر اختیار کرے گا۔ مزید کے لئے دیکھیں عالمی حدیث: ۴۵۹۶

# کتاب الرؤیا

## ﴿خواب کا بیان﴾

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۲۰ احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ جن میں اس بات کا بیان ہے کہ مسلمان کا خواب حق ہے اچھے خواب کی فضیلت، برے خواب دیکھے تو کیا کرے۔ چند خوابوں کی تعبیر، آپؐ کے عالم برزخ سے متعلق خواب کا ذکر، آپ کا جھوٹا خواب بیان کرنے کی ممانعت، اس کے علاوہ خواب سے متعلق دیگر اہم باتیں مذکور ہیں، رؤیا، مصدر ہے، بمعنی خواب میں دیکھنا۔

## ﴿حقیقت رؤیا کے متعلق اختلاف﴾

(۱) رؤیا کو فلاسفہ اور متکلمین کی ایک جماعت تخیلات پر محمول کرتی ہے وہ کہتے ہیں کہ نیند آنے کے بعد جب حس مشترک قوت خیالیہ، قوت وہمیہ اور قوت حافظہ بیکار ہو جاتی ہے، تب قوت متصرفہ جوڑنے توڑنے تحلیل وترکیب دغیرہ امور شروع کر دیتی ہے، چنانچہ سر کو تن سے اور تن کو سر سے جدا کر کے دوسری چیزوں کے ساتھ ترکیب دے کر ایک عجیب وغریب صورت پیدا کرتی ہے اور اس کی حقیقت متصلہ کچھ بھی نہیں ہے، بلکہ یہ امور انتزاعیہ میں سے ہیں۔ (۲) جمہور فقہاء ومحدثین اور صوفیاء کرام فراتے ہیں کہ رؤیا کی حقیقت کبھی خیر کبھی شر، کبھی مبشرہ اور کبھی منذرہ ہوتی ہے۔

## ﴿خواب اور تعبیر﴾

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"الرؤیا ثلاث فالرؤیا الصالحة بشری من الله، والرؤیا من تحزین الشیطان والرؤیا مما یحدث بها الرجل نفسه"خواب کی تین قسمیں ہیں (۱) نیک خواب جو اللہ کی طرف سے خوشخبری ہوتا ہے (۲) وہ خواب جو شیطان کا پریشان کرنا ہے (۳) وہ خواب جس میں آدمی اپنے دل سے باتیں کرتا ہے، یعنی خیالات۔ (ترمذی ج ۲ ص ۵۱ ابوب الرؤیا)

شاہ صاحب قدس سرہ نے ان تین قسموں کی پانچ قسمیں بنائی ہیں۔ رؤیا صالحہ کی دو قسمیں کی ہیں بشری من اللہ اور رؤیا ملکی، یعنی نیک آدمی کا خواب۔ اسی طرح خیالات کی بھی دو قسمیں کی ہیں ایک وہ خیالات جو عادت کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ خیالات جو کسی خلط کی زیادتی اور جسمانی تکلیف کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔ غرض اصل اقسام تین ہیں۔ ان کو پھیلا کر پانچ قسمیں کی ہیں۔

پھر تین خوابوں کی تفصیل کی ہے، بشارتی خواب، ملکوتی خواب اور شیطانی خواب کی حقیقت بیان کی ہے۔ اور شیطانی خواب کا اثر زائل کرنے کی تدبیر بتلائی ہے۔ اور آخر میں یہ بیان کیا ہے کہ تعبیر صرف بشارتی اور ملکوتی خوابوں کی ہوتی ہے۔ خیالات والے خوابوں کی کچھ تعبیر نہیں ہوتی۔ یہ بحث کا خلاصہ ہے۔ اب تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

## ﴿خواب کی پانچ قسمیں ہیں﴾

اول وہ خواب ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے خوش خبری ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبوت میں سے صرف خوش کن باتیں باقی رہی ہیں، صحابہؓ نے دریافت کیا خوش کن باتیں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا نیک خواب اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے"جس کو کوئی مسلمان دیکھے، یا اس کے لئے دیکھا جائے"۔ (مشکوۃ حدیث ۴۶۰۶) جیسے حضرت ام العلاء انصاریہؓ نے خواب دیکھا کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کے لئے ایک چشمہ جاری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چشمہ ان کا عمل ہے، جو ان کے لئے بہ رہا ہے! (مشکوۃ حدیث ۴۶۲۰) یہ حضرت عثمانؓ کے لئے بعد از وفات بشارت ہے۔ اور جیسے حضرت خدیجہؓ نے ورقہ بن نوفل کا حال دریافت کیا تو

آپؐ نے فرمایا میں نے ان کو خواب میں سفید کپڑوں میں دیکھا ہے، اگر وہ دوزخی ہوتے تو ان پر کوئی اور لباس ہوتا۔ (مشکوۃ حدیث ۴۶۲۳) یہ ورقہ کے لئے بشارت ہے۔ اس قسم کے خوابوں کی بس اتنی ہی تعبیر ہوتی ہے۔ اور اس قسم کے خوابوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر حقائق و معارف بھی واشگاف کرتے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

دوم ملکوتی خواب: یعنی نیک آدمی کا خواب، یہ خواب آدمی کی خوبیوں اور خرابیوں کا نورانی تمثل (تصویر سامنے آنا) ہوتا ہے اگر خوبی متمثل ہوتی ہے تو وہ محض بشارت ہوتی ہے، اور خرابی متمثل ہوتی ہے تو وہ تنبیہ ہوتی ہے، جو نتیجہ کے اعتبار سے بشارت ہے، اور وہ خوبیاں اور خرابیاں ملکی طریقہ پر نفس میں شامل ہونے والی ہوتی ہیں (ہلانکہ طاعات بجالاتے ہیں، اور برائیوں سے ان کو مس نہیں، پس جو شخص طاعات کا اہتمام کرتا ہے، اور برائیوں سے دور رہتا ہے، اس کی خوبیاں اور خرابیاں نفس میں ملکی طریقہ پر شامل ہوتی ہیں، طاعات مثبت پہلو سے، اور سیئات منفی پہلو سے۔ اور ایسا ہی شخص نیک آدمی ہوتا ہے)

سوم۔ شیطان کا ڈراوا، اور اس کا پریشان کرنا، اس خواب کی تفصیل اور اس کا علاج آگے آرہا ہے۔

چہارم۔ وہ خواب جو خیالات ہوتے ہیں، جو ایسی عادت کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں جس کا نفس بیداری میں خوگر ہو چکا ہوتا ہے، اور وہ عادت قوتِ خیالیہ میں محفوظ ہوتی ہے، اور جو چیز خیال میں ہوتی ہے وہ حس مشترک میں ظاہر ہوتی ہے، یعنی اس کے تصورات آتے ہیں۔ جیسے شراب کا چسکہ، خواب میں بھی اس کے خیالات آتے ہیں، اسی کو "بلی کے خواب میں چھیچھڑے" کہتے ہیں۔

پنجم۔ وہ خواب جو خیالات ہوتے ہیں، اور وہ خیالات فطری طور پر کسی خلط کے غلبہ اور بدن میں اسکی تکلیف کے احساس کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، جیسے بیمار آدمی خواب دیکھتا ہے کہ اسکے آپریشن کی تیاری ہورہی ہے، ان آخری دو خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

## ﴿بشارتی خواب کی حقیقت﴾

بشارتی خواب کی حقیقت یہ ہے کہ کبھی نفس ناطقہ کو بدن کے حجابات سے فرصت مل جاتی ہے یعنی اضطراری موت سے پہلے ہی وہ اختیاری موت مرجاتا ہے، اور یہ بات ایسے دقیق اسباب کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے جو کافی غور و خوض کے بعد سمجھے جاسکتے ہیں، پس نفس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے علمی کمال کے فیضان کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے، چنانچہ نفس کی استعداد کے مطابق اس پر فیضان کیا جاتا ہے، جس کا مادہ اس کے پاس مجتمع علوم ہوتے ہیں، مثلاً اسرار دین کا کافی علم ہوتا ہے، تو اس سلسلہ کا کوئی نکتہ بیداری یا خواب میں کھولا جاتا ہے اور وہ اس کے لئے عظیم بشارت ہوتا ہے، منقول ہے کہ رات میں جب کوئی اہم مسئلہ حل ہوتا تھا تو امام محمدؒ فرماتے شاہزادوں کو امین اور مامون کو یہ دولت کہاں نصیب اور اس قسم کے خوابوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ مثلاً

(۱) نبی ﷺ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا فرشتے کس امر میں بحث کررہے ہیں الیٰ آخرہ۔ اس حدیث میں درجات اور کفارات کا بیان ہے یعنی کن اعمال سے مرتبے بلند ہوتے ہیں، اور کن اعمال سے گناہ معاف ہوتے ہیں، یہ حدیث تفصیل سے ترمذی (ج ۲ ص ۱۵۵) میں سورۃ ص کی تفسیر میں ہے۔ (۲) حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے نبی ﷺ کا ایک طویل خواب مروی ہے کہ آپ کو دو شخص لے چلے اور مختلف مناظر دکھائے مثلاً آپ ﷺ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا کھڑا ہوا تھا، جس کے ہاتھ میں آنکڑا تھا، جس کو وہ بیٹھے ہوئے کی باچھ میں داخل کرتا تھا اور اس کو گدی تک چیر دیتا تھا الیٰ آخرہ، اس منامی معراج میں نبی ﷺ کو مردوں کے احوال سے واقف کیا گیا ہے۔ یہ حدیث تفصیل سے مشکوۃ حدیث (۴۶۲۱ و ۴۶۲۵) میں ہے (۳) متعدد خوابوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آئندہ پیش آنے والے واقعات سے واقف کیا ہے۔ مثلاً حضرت عائشہ صدیقہ

ے شادی کا معاملہ آپ ﷺ کو خواب میں دکھلایا گیا تھا (بخاری حدیث ۷۰۱۲) جنگ احد میں پہلے شکست پھر کامیابی خواب میں دکھائی گئی تھی، اسی طرح آپ ﷺ کو ہجرت کا مقام خواب میں دکھلایا گیا تھا۔

## ﴿ملکوتی خواب کی حقیقت﴾

ملکی خواب کی حقیقت یہ ہے کہ انسان میں اچھے برے دونوں طرح کے ملکات (صلاحیتیں) ہوتے ہیں، مگر ملکات کی خوبی خرابی آدمی اسی وقت جان سکتا ہے جب وہ ملکی صورت کے لئے فارغ ہو جائے، یعنی بہیمیت کی میا مر جائے، اور ملکیت کا راج قائم ہو جائے، پس جب آدمی ملکیت کے لئے فارغ ہو جاتا ہے، تو اس کی نیکیاں اور برائیاں مثالی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں، جیسے حضرت ابن عمرؓ نے خواب دیکھا کہ دو فرشتے ان کو پکڑ کر آگ پر لے گئے، انھوں نے کہا پناہ بخدا پھر ایک اور فرشتہ آیا، اس نے کہا گھبراؤ نہیں! ابن عمرؓ نے یہ خواب اپنی بہن ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے بیان کیا، انھوں نے آنحضرت ﷺ سے بیان کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا "نعم الرجل عبد الله لو كان يصلي من الليل" عبداللہؓ بہت اچھا آدمی ہے! کاش وہ تہجد پڑھتا! (بخاری حدیث ۱۱۲۱ و ۱۱۲۲) اس خواب میں حضرت ابن عمرؓ کی خوبی اور کمی دونوں مثالی صورت میں ظاہر ہوئی ہیں، پس اس شان کا آدمی (الف) خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتا ہے، اور اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہوتی ہے، یعنی جو شخص کامل فرماں بردار ہوتا ہے اس کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔

(ب) اور نبی ﷺ کو خواب میں دیکھتا ہے، اور اس کی بنیاد نبی ﷺ کی فرماں برداری یعنی محبت ہوتی ہے جو اس کے سینہ میں مرکوز ہوتی ہے۔

(ج) اور انوار و تجلیات کو خواب میں دیکھتا ہے، اور اس کی بنیاد وہ طاعتیں ہوتی ہیں جو دل اور اعضا سے کی جاتی ہیں، وہ طاعتیں انوار و طیبات کی صورت میں جیسے شہد گھی اور دودھ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔

پس جس نے اللہ تعالیٰ کو یا نبی ﷺ کو یا فرشتوں کو بری صورت میں یا غصہ کی حالت میں خواب میں دیکھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عقیدہ میں خلل یا کمزوری ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ اس کا نفس کامل نہیں ہوا، اسی طرح جو انوار طہارت کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں وہ سورج اور چاند کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

## ﴿شیطان کا ڈراوا اور اس کا علاج﴾

خواب میں شیطان کے پریشان کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ملعون جانور جیسے بندر، ہاتھی، کتے اور سیاہ فام انسان نظر آتے ہیں، جن سے آدمی ڈر جاتا ہے، اور دل میں وحشت اور خوف پیدا ہوتا ہے، اگر ایسی صورت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، اعوذ باللہ کہہ لے اور اپنی بائیں جانب تین بار تھتکار دے، اور کروٹ بدل کر سو جائے۔ (مشکوۃ حدیث ۴۶۱۳)

## ﴿مبشرات کی تعبیر﴾

پہلی اور دوسری قسم کے خوابوں کی جو مبشرات ہیں تعبیر ہوتی ہے، اور تعبیر جاننے کا عمدہ طریقہ خواب میں آنے والے خیال کی معرفت ہے یعنی یہ جاننا کہ کس خیال کا کیا مطلب ہے؟ کیوں کہ (ا) کبھی مسمّی سے اسم مراد ہوتا ہے، جیسے نبیؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ حضرت عقبہ بن رافع انصاریؓ کے گھر میں جلوہ افروز ہیں، آپ کی خدمت میں ابن طاب نامی تازہ کھجوریں پیش کی گئیں، آپ

نے اس کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ رافع سے رفعت مراد ہے، یعنی ہمارے لئے دنیا میں رفعت و بلندی ہے، اور عقبہ (اچھا انجام) سے مراد آخرت کا اچھا انجام ہے، اور طاب سے مراد دین کی عمدگی ہے۔ (مشکوۃ حدیث ۴۶۱۷)

(۲) اور کبھی لازم سے ملزوم مراد ہوتا ہے جیسے تلوار سے جنگ مراد ہوتی ہے، نبی ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپؐ کے دست مبارک میں ذوالفقار نامی تلوار ہے، آپؐ نے اس کو ہلایا تو اس کا بالائی حصہ ٹوٹ گیا، پھر ہلایا تو پہلے سے زیادہ شاندار ہوگئی، اس کی تعبیر یہ تھی کہ جنگ احد میں پہلے ہزیمت ہوگی، پھر اللہ فتح نصیب فرمائیں گے۔ (مشکوۃ حدیث ۴۶۱۸)

(۳) اور کبھی صفت سے موصوف مراد ہوتا ہے، جیسے آپ نے خواب دیکھا کہ سونے کی دو چوڑیاں آپ ﷺ کے ہاتھ میں رکھی گئیں، آپ کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی تو وحی آئی کہ انکو پھینک دیجئے، چنانچہ آپؐ نے پھونک ماری تو دونوں غائب! اسکی تعبیر دو جھوٹے نبوت کے دعویدار اسود عنسی اور مسلیمہ کذاب تھے، چونکہ دونوں پر مال کی محبت غالب تھی اسلئے وہ سونے کی شکل میں دکھائے گئے۔ (مشکوۃ حدیث ۴۶۱۹)

حاصل کلام: یہ کہ خواب میں نظر آنے والی چیز سے کیا مراد ہے؟ اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، اور اس کے لئے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں، یہ بات تعبیر دینے والے کی ذہانت پر موقوف ہے، اور مبشرات نبوت کا ایک حصہ ہیں یعنی یہی کمالات نبوت میں شامل ہیں، کیوں کہ وہ بھی غیبی فیضان اور اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف تجلی کی ایک صورت ہیں، اور یہی مبشرات نبوت کی بنیاد ہیں، چنانچہ نبی ﷺ کو نبوت سے چھ ماہ قبل ہی سے سچے خواب آنے شروع ہو گئے تھے، رہی خواب کی دیگر انواع تو ان کے لئے کوئی تعبیر نہیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ)

## ﴿خواب کے سلسلے میں چند آداب کا بیان﴾

(۱) اچھے خوابوں کو پسند کرنا اور اس سے خوش ہونا۔ (۲) بڑوں کا چھوٹے سے خواب معلوم کرنا۔ (۳) مسجد میں خواب معلوم کرنا (۴) مسجد میں خواب کی تعبیر دینا۔ (۵) تعبیر دیتے وقت دعاء ماثورہ کا پڑھنا۔ (۶) فجر کے بعد خواب کی تعبیر دینا۔ (۷) خواب کی تعبیر کسی صالح صائب الرائے اہل تعبیر سے تعبیر لینا۔ (۸) خواب صالح یا اہل محبت سے ذکر کرنا۔ (۹) اچھے خواب پر الحمد للہ کہنا۔ (۱۰) برے خواب پر تعوذ پڑھنا۔ (۱۱) پریشان کن خواب پر نماز پڑھنا۔ (۱۲) پریشان کن اور برے خواب کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ (شمائل کبریٰ)

## الفصل الاول

### حدیث ۱۴۵۶ ﴿اچھے خواب کی فضیلت کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ۴۶۰۶-۴۶۰۷

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَزَادَ مَالِكٌ بِرِوَايَةِ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ يَرَاهَا الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰى لَهٗ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۱۰۳۵ ج ۲، باب المبشرات، کتاب التعبیر، حدیث: ۶۹۹۰

**حل لغات:** مبشرات مُبَشِّرَۃٌ کی جمع ہے خوشخبری دینے والی، بارش کی خبریں دینے والی ہوائیں، یہاں مراد سچے خواب ہیں۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت میں سے بشارات کے سوا کچھ نہیں بچا، لوگوں نے عرض کیا کہ بشارتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اچھے خواب۔ (بخاری)، امام مالکؒ نے عطا ابن یسارؒ سے روایت کرتے ہوئے یہ بھی کہا جس کو کوئی مسلمان دیکھے، یا اس کے لئے کسی کو دکھایا جائے۔

**خلاصۂ حدیث:** آپ کی وفات سے نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا اور وحی کا آنا بند ہوگیا، وحی کے بند ہونے سے آئندہ پیش آنے والے امور کے علم کا ذریعہ بھی منقطع ہوگیا، البتہ سچے خواب سے آگے کی باتوں کا علم ہوسکتا ہے، یہ ذریعہ ابھی باقی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اچھے خواب مومن کے حق میں بشارت ہیں، حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی پاک سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کا قول لهم البشرىٰ في الحياة الدنيا ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بشارت ہے کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ اچھے خواب ہیں، جن کو مومن دیکھتا ہے یا دکھایا جاتا ہے۔(ابن ماجہ)

**کلمات حدیث کی تشریح** لم يبق من النبوة نبوت میں سے کچھ باقی نہیں، نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا، ترمذی میں روایت ہے کہ ان الرسالة و النبوة قد انقطعت نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم ہوگیا، الاالمبشرات مبشرات یعنی اچھے خواب ابھی باقی ہیں۔ان کے ذریعہ مومنوں کوغیب کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

**اعتراض:** انبیاء کرام کی صفت ''انذار'' بھی ہےاور ''تبشیر'' یعنی وہ خوشخبری بھی دیتے ہیں اور ڈراتے بھی ہیں۔اس لحاظ سے خواب صالح کی دوقسمیں ہونی چاہئیں (۱) مبشرات (۲) منذرات۔ پھر صرف مبشرات کا بیان کیوں ہے؟

**جواب:** رویائے صالحہ کا اکثر حصہ مبشرات پر مشتمل ہوتا ہے، اس وجہ سے رویائے صالحہ کی تفسیر میں مبشرات کا لفظ فرمایا گیا ہے، سچے خواب رنج وغم سے متعلق بھی ہوسکتے ہیں، مگر رویائے صالحہ میں یہ حصہ نہایت مغلوب ہوتا ہے اور بشارت کا حصہ غالب رہتا ہے، اس کے برعکس جھوٹے خواب جو کہ شیطانی ہوتے ہیں ان میں زیادہ تر خوف وہراس ہوتا ہے، مسرت وخوشی نادر ہوتی ہے، کیوں کہ شیطان کا مقصد مومن کو رنج میں مبتلا کرنا ہوتا ہے۔(مرقات)

## حدیث ۱٤٥٧ ﴿اچھا خواب نبوت کا ایک جز ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٦٠٨

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۱۰۳۵ ج۲، باب الرویا الصالحة الخ، کتاب التعبیر، حدیث: ٦٩٨٨، مسلم، ص ٢٤٢ ج٢، کتاب الرؤيا، حدیث: ٢٢٦٣

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک خواب نبوت کے چھیالیس جزؤں میں سے ایک جزء ہے۔(بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی، اب نہ کوئی نیا رسول آئے گا اور نہ نبی، صحابہ کو تشویش ہوئی، نبوت کے ذریعہ لوگوں کو خیر کی باتیں معلوم ہوتی ہیں، اب لوگ اس سے محروم ہوں گے، تو آپ نے فرمایا کہ خوش کن باتیں ابھی باقی ہیں، ان کا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا، اوراس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو خیر کی باتیں بتائیں گے۔گزشتہ حدیث میں نقل ہوا کہ صحابہؓ نے پوچھا کہ خوش کن باتیں کیا ہیں آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا خواب جو کمال نبوت میں سے ایک کمال ہے، اور نبوت کا ایک جزء ہے۔صحابہ کو اطمینان ہوگیا کہ الحمد للہ ابھی خیر کا دروازہ پوری طرح بند نہیں ہوا۔ایک صورت باقی ہے، (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** الرؤيا الصالحة نیک خواب سے سچا خواب مراد ہے۔اور یہ نبوت کا جزء ہے۔

**اشکال:** یہاں سے ایک اشکال واقع ہوتا ہے کہ رویا نبوت کا جز کیسے ہوسکتا ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے سے نبوت ختم ہوچکی۔اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

**جواب:** (۱) اگر رویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تو یہ حقیقتاً اجزاء نبوت میں سے ہے یعنی بعض علما کہتے ہیں کہ جو خواب نبوت کا چھیالیسواں جز ہے وہ ہر شخص کا خواب نہیں بلکہ خود نبی کا خواب ہے۔مگر یہ جواب مخدوش ہے، اگر غیر نبی کا ہے تو علی سبیل المجاز جز نبوت

کہا گیا ہے۔(۲) رویائے صالحہ علم نبوت کے اجزا میں سے ایک جز ہے، ظاہر ہے کہ علم نبوت باقی ہے اگرچہ نبوت باقی نہیں ہے۔
(۳) نبوت انباء سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اعلام مطلب یہ ہوگا کہ رویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر صادق ہے، جیسا کہ نبوت کے معنی ہیں اللہ کی طرف سے سچی خبر، پس رویا صادق خبر میں نبوت کا مشابہ ہوا۔(۴) نبوت معانی کثیرہ کا متضمن ہے، ان میں سے ایک اخبار بالغیب مستقبل اور ماضی کی خبر ہے، جو بطریق علم جزئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے، مومن کا رویا صادقہ کبھی اس جز کا متضمن ہوتا ہے۔رویائے صالحہ میں فی الجملہ غیب کی آگاہی ہوتی ہے، پس اس اعتبار سے رویا کو جزء نبوت کہا گیا ہے۔لیکن اس سے رائی کا نبی ہونا اور رویا کا نبوت ہونا لازم نہیں آتا، جیسا کہ قادیانیوں کا زعم ہے، چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت جمیع انواع اور تمام صورتوں کے ساتھ ختم ہو چکی ہے اور شی کے کسی جز کے حاصل ہونے سے کل شی کا حصول لازم نہیں آتا بلکہ جزء ہمیشہ اپنے کل کے مغائر ہوتا ہے، اگر کسی کو نمک ہاتھ آجائے جو پکایا ہوا کھانے کا ایک جزء ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کو کھانا حاصل ہو گیا، ایک دوسری حدیث میں بعض بلند اخلاق کو جزء نبوت قرار دیا گیا ہے **التودۃ و الاقتصاد و حسن السمت من ستة و عشرين جزء من النبوة** ظاہر ہے کہ ان اخلاق کی وجہ سے کسی کو نبی نہیں کہا جا سکتا۔

**عدد چھیالیس کی وجہ تخصیص:** اس عدد کی وجہ تخصیص کے بارے میں بعض علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھ مہینے تک خواب میں وحی بھیجی پھر بیداری کی حالت میں تئیس سال تک وحی بھیجی، پس جو کچھ آپ نے خواب میں دیکھا (رویا صالحہ) وہ چھیالیسواں جز ہوا یعنی چھ ماہ تئیس سال کی نسبت سے چھیالیسواں جز ہوا۔لیکن علامہ خطابیؒ نے کہا یہ صرف ایک تخمینی بات ہے، نیز اگر چھ مہینے کی مدت کو اجزائے نبوت میں شمار کیا جائے تو اس میں ان اوقات کو بھی لاحق کرنا پڑے گا جن میں آپ کی مدت نبوت میں بحالت نوم آپ کے پاس وحی آئی، پس اگر ان اوقات کو بھی چھ ماہ کے ساتھ اضافہ کیا جائے تو ضرور مذکورہ حساب اور تاویل منقوض ہو جائے گی۔حافظؒ نے فتح الباری میں اس کا یوں جواب دیا ہے کہ اس کی تاویل وحی میں منام سے لگاتار وحی منام مراد ہے۔وحی یقظہ کے زمانہ میں جو وحی نیند کی حالت میں آئی وہ وحی یقظہ کی نسبت سے بہت کم ہے پس اس مدت کی وحیِ منام وحیِ یقظہ میں مضموم ہوگی اس مدت کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ خطابی کے اعتراض کا دوسرے طریقہ پر بھی جواب دیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں رویائے صالحہ (جو جزء نبوت ہے) سے وہ رویا مراد ہے جو نبوت کاملہ کی مدت میں واقع نہ ہوا ہو یعنی قبل بعثت واقع ہوا ہو، البتہ جو کچھ آپ نے بعثت کے بعد خواب میں دیکھا اس کو اس حساب میں شمار نہیں کیا جائے گا جو بعثت سے پہلے دیکھا تھا، چونکہ جو کچھ آپ نے بعثت کے بعد دیکھا وہ نبوت کاملہ کی حالت میں دیکھا پس یہ مدت **مانحن فيه** کے حساب میں شمار نہ ہوگا، ہاں علامہ خطابی نے جو فرمایا کہ مذکورہ تاویل ظنی اور تخمینی ہے یہ بالکل مسلّم ہے لیکن صرف احتمال کے درجہ میں ایسی تاویل کو ذکر کرنے سے کوئی مانع بھی نہیں ہے۔

**و هو الموقف الاسلام في مثل هذه الامور لأن النصوص ساكتة عن تفسيرها.**

(۲) یہاں عدد سے تحدید مراد نہیں تکثیر مراد ہے (۳) محققین علماء نے چھیالیس کی وجہ تعیین کے بارے میں توقف کیا ہے۔

**قال المازري لا يلزم العالم ان يعرف كل شيء جملة و تفصيلاً فقد جعل الله للعالم حدا يقف عنده فمنه ما يعلم المراد به جملة و تفصيلا و منه ما يعلمه جملة لا تفصيلاً و هذا من هذا القبيل.** (اعداد مختلفہ کے درمیان تطبیق) اکثر روایت میں ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں جز ہے۔مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے کہ **خمس و اربعين جزء**[1] مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ **جزء من سبعين جزء**۔طبرانی کی ایک روایت میں ہے **من ستة و سبعين** لیکن اس کی سند ضعیف

ہے و اخرجه ابن عبدالبر من طريق عبدالعزيز بن المختار عن ثابت عن انس مرفوعاً جزء من ستة و عشرين و اخرج احمد و ابويعلىٰ حديثاً فى هذا الباب و فيه قال ابن عباس انى سمعت عباس بن عبدالمطلب يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الرؤيا الصالحة من المومن جزء من خمسين جزء من النبوة و اخرجه الترمذى و الطبرى من حديث ابى رزين العقيلى جزء من اربعين و اخرجه الطبرى من وجه آخر عن ابن عباس اربعين و اخرجه الطبرى ايضاً من حديث عبادة جزء من اربعة و اربعين و اخرج ايضاً احمد من حديث عبدالله بن عمروبن العاص جزء من تسعة و اربعين و ذكر القرطبى فى المفهم بلفظ سبعة. خلاصہ یہ کہ کل دس عدد ہوئے ٤٦، ٤٥، ٧٠، ٧٦، ٢٦، ٥٠، ٤٠، ٤٤، ٤٩، ٤٧ ، وقع فى شرح النووى و رواية عبادة اربعة و عشرون و فى رواية ابن عمر ستةو عشرون و قيل جاء فيه اثنان و عشرون و اثنان و اربعون و سبعة و عشرون و خمسة و عشرون. یعنی ۲۴،۲۶،۲۷،۲۷،۲۵/ان روایات کونقل کرنے کے بعد عینی نے کہا کہ کل سولہ عدد ہوئے حافظؒ نے فتح الباری میں فرمایا کل پندرہ عدد ہیں، اور یہی اصح ہے، شاید علامہ عینی نے ۲۶ کے عدد کو دو مرتبہ شمار کیا ہے۔ ان روایات میں وجہ تطبیق یہ ہے: (۱) علامہ طبری نے کہا کہ یہ اختلاف خواب دیکھنے والوں پر محمول ہے اگر نیکوکار ہوں تو اس کا خواب چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہوگا اور اگر بدکار ہو تو ستر اجزا میں سے ایک جز ہوگا۔ (۲) یہ اختلاف فی العدد اس وقت کے اعتبار سے ہوا جس میں آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی گویا کہ سلسلہ وحی شروع ہونے کے بعد جب نبوت کے تیرہ سال گذر چکے تو آپ نے فرمایا ان الرؤيا جزء من ستة وعشرين جب نبوت کے بیس سال پورے ہوئے تو فرمایا کہ چالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے، جب بائیس سال پورے ہوئے تو فرمایا کہ ''رؤیا'' چوالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے، فرمایا کہ ۴۵/اجزاء میں سے ایک جز ہے پھر بالکل اخیر میں فرمایا کہ ۴۶/ اجزاء میں سے ایک جزء ہے، اربعین کے بعد ان روایات کے سوا باقی روایات ضعیف ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ خمسین کی روایت کسر کے لئے ہو اور سبعین کی روایت مبالغہ کے لئے ہو۔ اس کے علاوہ مابقیہ روایات سنداً ثابت نہیں، احادیث مختلفہ کی نسبت سے یہ وجہ تطبیق محتمل و ممکن ہے، لیکن حدیث واحد میں جو اختلاف واقع ہوا جیسا کہ مسلم شریف کتاب الرؤیا کی حدیث ابو ہریرہ میں اس حدیث کو ایوب سختیانی سے عبدالوہاب ثقفی نے بلفظ خمس واربعین کے نقل کیا، معمر نے بلفظ ستة واربعین روایت کی اس میں مذکورہ تطبیق بعید ہے، چونکہ حدیث ایک ہی ہے ضرور یہ اختلاف رواۃ کے اختلاف سے پیدا ہوا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں کسی راوی کو وہم ہوا ہے ستة واربعين کی روایت راجح ہے چونکہ یہ روایت دوسری بہت سی روایات سے موید ہے اور روایات کا ایسا وہم اصل حدیث کی صحت میں خلل پیدا نہیں کرسکتا (۳) حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ان اعداد مختلفہ کو لوگوں کے مختلف احوال پر حمل کیا جائے گا یعنی چونکہ اخلاص اور صدق نیت کے اعتبار سے لوگوں کے احوال متفاوت ہوتے ہیں اس لئے اعداد میں بھی متفاوت وارد ہوئے، اخلاص جتنا زیادہ ہوگا رویا علم نبوت سے اتنا ہی اقرب ہوگا۔ (تکملہ، الکوک الدری) رویائے صالحہ خواب کی ایک قسم ہے جس کو منجانب اللہ بشارت کہا گیا ہے۔ جس میں رائی یا مری لہ کے لئے بشارت ہوتی ہے خواب کی یہی وہ قسم ہے جو لائق اعتبار اور قابل تعبیر ہے۔ اور جس کی فضیلت وتعریف احادیث میں بیان کی گئی ہے، خواب کی دوسری ایک قسم تحزین الشیطان یا ڈراؤنا خواب ہے، یہ خواب شیطانی اثرات کا پرتو ہوتا ہے، وہ انسان کو خواب میں پریشان کرنے اور ڈرانے کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کرتا ہے کبھی تو وہ کسی ڈراونی شکل وصورت میں نظر آتا ہے جس سے خواب دیکھنے والا انتہائی خوف زدہ ہوتا ہے، کبھی اس طرح کے خواب دکھلاتا ہے جس میں سونے والے کو اپنی زندگی جاتی نظر آتی ہے، جیسے وہ دکھاتا ہے کہ تیرا سر قلم ہوگیا وغیرہ وغیرہ اس طرح خواب میں احتلام ہونا جس کی وجہ سے کبھی نماز فوت ہوجاتی

ہے اس شیطانی اثرات کا کرشمہ ہوتا ہے۔ یہ خواب بے اعتبار ونا قابل تعبیر ہوتا ہے، خواب کی اور ایک قسم ہے حدیث النفس انسان دن بھر جن امور میں مشغول رہتا ہے اور اس کے دل و دماغ پر جو باتیں چھائی رہتی ہیں، وہی رات میں بصورت خواب مشکل ہو کر نظر آتی ہے اس خواب کا کوئی اعتبار نہیں۔ (عون الترمذی مرقات، تحفۃ الاحوذی، الکوکب الدری، تکملہ)

## حدیث ۱٤٥٨ ﴿آپ کو خواب میں دیکھنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث: ٤٦٠٩

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۲۱ ج ۱، باب اثم من کذب علی النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب العلم، ص حدیث ۱۱۰، مسلم، ص ۲٤۲ ج ۲، باب قول النبی صلی الله علیه وسلم من رآنی فی المنام الخ، کتاب الرؤیا، حدیث ۲۲۲٦

**حل لغات:** یتمثل (تفعل) تَمَثَّلَ الشئَ تصور کرنا، له الشئُ کسی کے سامنے کوئی چیز آنا، کسی چیز کی تصویر یا نقشہ سامنے آنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھ کو دیکھا تو بلاشبہ اس نے مجھ ہی کو دیکھا، کیوں کہ شیطان میری صورت نہیں اپنا سکتا۔ (بخاری، مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے خواب میں آپ کی زیارت کی ہے تو واقعۃً آپ ہی کی زیارت کرنے والا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ قدرت نہیں دی ہے کہ آپ کا نام لے کر یا آپ کی صورت اختیار کر کے دوسروں کو گمراہ کر سکے، آپ ہدایت کے مظہر ہیں، اور شیطان گمراہی کا مظہر ہے، دونوں میں کامل بعد ہے، لہٰذا جس طرح جادوگر کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ پیغمبری کا دعویٰ کر کے جادو چلا سکے، اسی طرح شیطان کو بھی یہ قدرت نہیں ہے کہ اپنے اوپر نبی کا لیبل لگا کر خواب میں کسی کو بہکا سکے۔ اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر کسی نے خواب میں حضور کو نہیں دیکھا اور وہ دیکھنے کا دعویدار ہے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ جھوٹ تو بہر صورت بڑا گناہ ہے، لیکن جھوٹ کا تعلق آپ کی ذات اقدس سے کیا تو اس کی شناعت میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جھوٹے خواب بیان کرنے والے کے سامنے قیامت میں جو ڈالے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اس میں گرہ لگاؤ، چونکہ وہ دنیا میں بے حقیقت باتوں کا دعویٰ کر کے ہواؤں میں گرہ لگاتا تھا، اس لئے عذاب بھی اسی قبیل سے دیا جائے گا۔ (ایضاح البخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** من رآنی فی المنام فقد رآنی جس نے خواب میں مجھے دیکھا تو اس کا یہ دیکھنا حقیقت ہے۔ اور یہ اضغاث احلام میں سے نہیں ہے۔

**سوال:** آپ کو خواب میں دیکھنا آپ کی تصریح کے مطابق آپ ہی کو دیکھنا ہے، لیکن کیا مذکورہ حدیث کا مصداق بننے کے لئے آپ کو آپ کے اصل حلیہ میں دیکھنا ضروری ہے؟

**جواب:** اس سلسلہ میں تفصیل ہے۔ امام بخاری نے کتاب التعبیر میں امام محمد بن سیرینؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے "اذا رآہ فی صورتہ" (جب آپ کو آپ کی اصل شکل وصورت اور حلیہ میں دیکھا ہو تو آپ کو دیکھا ہے)۔ چنانچہ ابن سیرینؒ کے پاس آ کر کوئی شخص اگر یہ کہتا ہے کہ میں نے خواب میں حضور اکرم کو دیکھا ہے تو وہ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حلیہ پوچھتے جو خواب میں دیکھا، اگر خلاف معہود حلیہ بتاتا تو کہتے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے اثر سے بھی

ہوتی ہے۔ عاصم بن کلیب کہتے ہیں کہ حدثنی ابی قال قلت لابن عباس رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام قال صفہ لی قال ذکرت الحسن بن علی فشبہتہ بہ قال قد رأیتہ یعنی میں نے ابن عباس سے کہا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، انھوں نے فرمایا کس حلیہ میں دیکھا ہے بیان کرو۔ مجھے حضرت حسن بن علیؓ یاد آئے، میں نے ان کے ساتھ تشبیہ دی فرمایا کہ ہاں تم نے دیکھا ہے، جب کہ امام نوویؒ اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ دیکھنے والے نے جس شکل میں دیکھا ہے، حضور ہی کو دیکھا ہے البتہ اگر آپ کی اس شکل میں دیکھا ہے جو احادیث میں وارد ہوئی ہے، تو آپ کی ذات کو دیکھا ہے اور کسی اور شکل میں دیکھا تو یہ شکل تمثیل ہوگی۔ اگر اچھی شکل میں دیکھا ہے تو دیکھنے والے کے دین کی خوبی کی طرف اشارہ ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دین کے آئینہ ہیں۔ آپ کے آئینے میں دین نظر آتا ہے اور اگر کسی ناپسندیدہ صورت میں دیکھا ہے تو دیکھنے والے کے نقص کی علامت ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

**سوال:** خواب کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حجت شرعیہ ہے یا نہیں؟

**جواب:** ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو کہ آپ کسی چیز کی خبر دے رہے ہیں یا کسی چیز سے منع فرما رہے ہیں یا کسی چیز کا حکم دے رہے ہیں تو آیا ایسے ارشادات منامیہ شرعی حجت ہیں یا نہیں؟ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خواب میں آپ کے ارشادات شرعی حجت نہیں ہیں، البتہ وہ ارشاد اگر کسی حکم شرعی سے متصادم نہ ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت ذاتیہ یا صورت مثالیہ کے ساتھ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، چنانچہ ایسے حکم پر عمل کرنا مستحسن ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جب خواب دیکھنے والے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے اور آپ کا دیکھنا برحق بھی ہے، تو آپ کے ارشادات مبارکہ بھی برحق اور حجت ہونا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ جو حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت برحق ہونے کے لئے حقیقی حلیہ مبارکہ کے ساتھ لازمی قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک تو خواب کی حالت میں ارشادات کا حجت نہ ہونا ظاہر ہے کیوں کہ کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ جزمائیہ بات کہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصل حلیہ میں دیکھا ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے میں شبہ پیدا ہوگیا تو خواب کے حجت ہونے کا کیا سوال ہے؟ اور جو حضرات کہتے ہیں کہ آپ کو اپنے اصل حلیہ میں دیکھنا ضروری نہیں ان کے نزدیک خواب کی عدم حجیت اس بنیاد پر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص خواب میں مجھے دیکھے اس نے واقعی مجھے دیکھا ہے، کیوں کہ شیطان تصرف کر کے میری صورت نہیں بنا سکتا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ خواب میں میرا ارشاد بھی برحق ہوگا اور اس کی نسبت میری طرف کی جا سکے گی ظاہر ہے کہ رؤیا کے برحق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز خواب میں دکھائی دے رہی ہے یا سنائی دے رہی ہے حقیقت میں بھی واقع ہو، بلکہ اتنی بات ثابت ہے کہ یہ خواب اضغاث میں سے نہیں ہے، اس کی کوئی تعبیر ہے اس تعبیر کی نسبت سے یہ خواب برحق ہے نہ کہ مرئی اور مسموع کی نسبت سے، پھر یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے اندر شیطان کے تصرفات کا کوئی دخل نہیں ہوتا، تاہم دیکھنے والے کی قوت متخیلہ بعض اوقات اثر انداز ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی معروف ہیئت کے بجائے کسی اور ہیئت میں دکھائی دیتے ہیں، اس لئے عین ممکن ہے کہ دیکھنے والے کے خیال میں ایسا کوئی کلام واقع ہو جائے جس کا تکلم آپ نے نہیں فرمایا، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ خواب دیکھنے والے نے خواب میں جو کچھ دیکھا وہ تو بھول چکا، تاہم جاگنے کے بعد اسے ایسی باتوں کا خیال آیا جو خواب میں پیش ہی نہیں آئیں، لہٰذا ان شبہات کے ہوتے ہوئے ہم ان احکام کو نہیں چھوڑ سکتے جو ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت یقظہ میں حاصل ہوئے، نیز اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حالت رؤیا اور حالت یقظہ میں اگر تعارض ہو جائے تو حالت یقظہ کو ترجیح حاصل ہوگی، کیوں کہ یہ بھی تو معلوم ہے

کہ مغفل کی روایت معتبر نہیں، جب بیداری میں غفلت کی وجہ سے روایت قبول نہیں کی جاتی تو نوم کی غفلت تو بیداری کی غفلت سے بدر جہا زائد ہے، پھر اس نائم مغفل کی روایت کو کیسے قبول کیا جائے؟ علامہ شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ ابن رشدؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی قاضی کے سامنے دو عادل اور ثقہ گواہوں نے کسی معاملہ کی گواہی دی پھر جب قاضی سویا تو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس شہادت کے مطابق فیصلہ نہ کرو یہ شہادت باطل ہے، آیا حاکم رویا کے مطابق فیصلہ کرے گا یا شہادت کے مطابق فیصلہ دے گا۔ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قاضی کے لئے رؤیا کے مطابق فیصلہ دینا درست نہیں، اس رؤیا کی وجہ سے شہادت کو ترک کرنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ اس طرح خواب کو حجت قرار دیں گے تو اس سے ابطال شریعت لازم آئے گا۔ اور یہ درست نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کے خواب کو وحی کی حیثیت حاصل ہے، جب کہ ان کے سوا باقی کسی اور کا خواب وحی نہیں ہے اور بذریعہ خواب کسی غیب کا علم نہیں ہوسکتا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں نے شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ مغرب کے فقراء میں سے ایک فقیر نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس کو شراب پینے کا حکم دے رہے ہیں۔ اس نے اپنے وقت کے علماء سے پوچھا ہر شخص نے کوئی نہ کوئی محمل بتایا اور کوئی نہ کوئی تاویل کی، اس وقت ایک عالم مدینہ منورہ میں محمد بن عراقی تھے، جو نہایت متبع سنت بزرگ تھے، ان کے سامنے جب یہ واقعہ بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس شخص کی قوت سامعہ کو کچھ خلل تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ **لا تشرب الخمر** اس نے **لا تشرب** کو **اشرب** سمجھ لیا۔ حضرت کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے اپنے سر پر انگریزی ٹوپی اوڑھ رکھی ہے، اس خواب کی وجہ سے اس شخص کو وحشت ہوئی، اس نے گنگوہیؒ سے استفسار کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کے دین پر نصرانیت کے غلبہ کی طرف اشارہ ہے۔

**سوال:** کیا خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والا صحابی ہوگا؟

**جواب:** علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ وہ صحابی نہیں ہوگا، اس لئے کہ صحابی کی تعریف یہ ہے کہ وہ صاحب ایمان شخص ہو جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو اس دیکھنے سے مراد معہود اور معتاد رویت ہے، منامی رویت معتاد نہیں، اسی طرح یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس رویت سے مراد آپ کی دنیوی حیات میں زیارت ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

**سوال:** حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیداری میں زیارت ممکن ہے یا نہیں؟

**جواب:** پہلے یہ سمجھو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر خواب میں کسی نے دیکھا تب تو آپ ہی کو دیکھا لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا تو کیا اس کی بات معتبر ہوگی۔ اور آپ کو بیداری میں دیکھنا ممکن ہے یا نہیں۔ بعض حضرات نے اس کی نفی کی ہے۔ اور کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رویت منامی تو ثابت ہے بلکہ علامہ سیوطیؒ کے بقول یہ متواتر ہے جب کہ رویت فی الیقظہ کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں ہے، البتہ **من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظ** کے احتمالات میں سے ایک احتمال کے طور پر اشارہ ملتا ہے۔ اسی طرح حضرات صحابہ و تابعین میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے شدت تعلق کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم کو بیداری کے عالم میں دیکھا ہو، حتیٰ کہ حضرت فاطمہؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فراق کی وجہ سے جو صدمہ لاحق ہوا تھا وہ صدمہ ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے صرف چھ ماہ کے بعد ہی ان کا انتقال ہوگیا تھا، ان کا گھر روضہ مبارک سے ملا ہوا تھا تاہم ان سے بھی منقول نہیں ہے کہ اس پورے عرصہ میں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم بیداری میں دیکھا ہو۔ اس کے مقابلہ میں بہت سے محققین نے اس کا اثبات کیا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے تو اس کے اثبات کے لئے ایک مستقل رسالہ **تنویر الحلك فی امکان رویة النبی و الملك** لکھا ہے علامہ

بارزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب توثیق عدی الاسلام میں علامہ ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھجۃ النفوس میں، عفیت یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روض الریاحین میں اور شیخ صفی الدین ابی المنصو ررحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں سلف صالحین سے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں۔ علامہ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلف وخلف کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے پھر بمصداق حدیث من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظۃ انہوں نے آپ کو بیداری کی حالت میں بھی دیکھا آپ سے ان حضرات نے اپنی بعض مشکلات ومسائل کا حل بھی پوچھا آپ نے ان کا حل بتایا۔ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات کا منکر یا تو کرامات اولیاء کا ماننے والا ہوگا یا نہیں ہوگا اگر وہ کرامات اولیاء کا منکر ہے، تو ہماری اس سے بحث ہی نہیں ہے، کیوں کہ اس نے ایسی چیز کا انکار کیا ہے جو سنت سے واضح دلائل کے ساتھ ثابت ہے اور اگر وہ کرامات اولیاء کو برحق سمجھتا ہے تو یہاں بھی وہ تسلیم کرلے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت یقظہ بطور کرامت ہے، صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال کے بعد بیداری کی حالت میں نہ دیکھنے اور بعد والوں کے دیکھنے میں توجیہ کی ضرورت ہے، جس سے اطمینان ہوسکے، یہ کہنا بھی ممکن نہیں ہے کہ جن حضرات صالحین سے دیکھنا منقول ہے یہ سب جھوٹ اور بے اصل ہے، کیوں کہ اس کے ناقلین بھی زیادہ ہیں۔ اور یہ دعویٰ کرنے والے بڑے جلیل القدر اللہ والے لوگ ہیں، اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ان حضرات نے دیکھا تو واقعی ہے لیکن یہ رویت منامی ہے بیداری کے عالم میں نہیں، کیوں کہ اس محمل پر حمل کرنا ایک تو بعید ہے، دوسرے بعض واقعات کو منام پر محمول کیا ہی نہیں جاسکتا البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ از قبیل خوارق عادت ہے۔ جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کی کرامتیں، جہاں تک صدر اول میں نہ دیکھنے کا تعلق ہے سو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت یقظہ میں دیکھنا خارق عادت کے طور پر ہے، اور صدر اول میں یعنی صحابہ کرام کے زمانہ میں خوارق کا صدور بہت کم ظاہر ہوا، اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو آسمان رسالت کے آفتاب ہیں آپ کا زمانہ بہت قریب ہے ظاہر ہے کہ آفتاب کی روشنی میں ستارے دیکھائی نہیں دیتے، لہٰذا عین ممکن ہے کہ ان حضرات کے دور میں بعض حضرات نے آپ کو عالم بیداری میں دیکھا ہو لیکن انہوں نے خلاف مصلحت سمجھ کر اس کو ظاہر نہ کیا، ان حضرات کے نہ دیکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق سے ان کی ابتلاء وآزمائش مقصود ہو یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت اگر کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم بیداری میں دیکھ لیتا تو دوسروں کے لئے فتنہ وآزمائش کا دروازہ کھل جاتا، ایک مصلحت یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت چونکہ بہت سے حضرات ایسے تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعینہٖ عکس تھے، اس لئے آپ کو کسی نے یقظۃً نہیں دیکھا، نیز اس کا بھی قوی امکان ہے کہ آپ کو بیداری میں کثرت سے دیکھتے تو آپ سے اس موقع پر براہ راست استفادہ کیا جاتا، اسی طرح کتاب وسنت میں اجتہاد کا دروازہ نہ کھلتا۔ اب جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں اور نہ ہی عالم بیداری میں کوئی آپ کو دیکھ رہا تھا اس لئے اجتہاد کا دروازہ کھل گیا اس طرح امت کے لئے آسانی پیدا ہوگئی۔ جہاں تک منکرین کا یہ کہنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی صحت کی ضمانت دی ہے بیداری میں نہیں۔ لہٰذا بیداری میں ممکن ہے کہ جنات وشیاطین متمثل ہو کر اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں اور رائی کو دھوکے میں ڈال دیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ بیداری کی حالت خواب کی حالت سے اقویٰ ہے، جب حالت خواب میں تمثیل شیطانی نہیں ہوسکتا، تو بیداری میں بھی نہیں ہوسکتا، ممکن ہے کہ منکرین یہ کہیں کہ فان الشیطان لا یتمثل بی کا تعلق خواب سے ہے بیداری سے نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ فان الشیطان لا یتمثل بی کا تعلق خواب سے ہے۔ تاہم اس کی علت میں غور کریں کہ کس علت کی بنا پر آپ نے یہ فرمایا، وہ علت یہ ہے

کہ آپ ہدایت محض ہیں اور شیطان ضلال محض، ضلالِ محض ہدایتِ محض کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ حالت بیداری میں شیطان متمثل ہو کر دھوکے میں ڈال دے۔ واللہ اعلم۔

**سوال:** کیا شیطان خواب میں اللہ تعالیٰ کی صورت میں متشکل ہو کر آ سکتا ہے؟ کیا شیطان خواب میں آ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ ہوں؟

**جواب:** حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان اس طرح کہہ سکتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مظہر ہدایت ہے اسی طرح مظہر ضلالت بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے فیضل اللہ من یشاء و یھدی من یشاء. واللہ اعلم بالصواب. (کشف الباری، بحوالہ تکملۃ فتح الملہم ص ۴۵۲، ج ۴، فیض الباری، ج ۱، ص ۲۰۳-۲۰۴، عمدۃ القاری، ص ۱۵۶، ج ۲)

## حدیث ۱۴۵۹ ﴿جس نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے سچا خواب دیکھا﴾ عالمی حدیث: ۴۶۱۰

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

**حوالہ:** بخاری ص ۱۰۳۶ ج ۲ باب الرؤیا الصالحۃ، کتاب التعبیر، حدیث: ۶۹۹۶، مسلم، ص ۲۴۲ ج ۲، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من رأنی فی المنام، کتاب الرؤیا، حدیث ۲۲۶۷

**ترجمہ:** حضرت ابوقتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھ کو (خواب میں) دیکھا تو اس نے واقعی مجھ کو دیکھا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس نے خواب میں آپ کو دیکھا اس نے حقیقتاً آپ ہی کو دیکھا ہے، یعنی اس کا خواب سچا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** رای الحق حق سے یہاں صدق مراد ہے، جو کذب کی ضد ہے، یعنی اس کا خواب سچا ہے، مزید تفصیل کے لئے گزشتہ حدیث دیکھیں۔

## حدیث ۱۴۶۰ ﴿خواب میں آپ کی زیارت کرنے والے کو بشارت﴾ عالمی حدیث: ۴۶۱۱

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۱۰۳۵ ج ۲، باب من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام، کتاب التعبیر، حدیث ۶۹۹۳، مسلم، ص ۲۴۲ ج ۲، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام، کتاب الرؤیا، حدیث ۲۲۶۶.

**حل لغات:** الیقظۃ، بیداری یقظ (س) یَقْظًا مِنْ نَوْمِہٖ بیدار ہونا، جاگنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھ کو دیکھا وہ عنقریب بیداری میں بھی مجھ کو دیکھے گا، اور شیطان میری صورت نہیں اختیار کر سکتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہے کہ جو شخص خواب میں آپ کو دیکھتا تھا، اس کو اللہ تعالیٰ یہ توفیق عطا فرما دیتے تھے کہ وہ عالم بیداری میں آپ کے دیدار سے مشرف ہوتا، یعنی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اسلام قبول کرتا، یا اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مجھ کو خواب میں دیکھنے والا شخص آخرت میں عالم بیداری میں مجھ کو دیکھے گا، بہر حال آپ کی خواب میں زیارت ایمان والے کے لئے خوش خبری اور بشارت ہے کہ اس کو بیداری میں بھی آپ کی زیارت نصیب ہوگی۔ (مرقات، مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** من رآنی فی المنام، جسنے مجھ کو خواب میں دیکھا وہ مجھ کو بیداری میں دیکھے گا، اسکی کچھ وضاحت تو خلاصہ حدیث میں ہوگئی ہے، اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ کلام تشبیہ پر مبنی ہے کہ جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو گویا اسنے مجھ کو بیداری میں دیکھا جیسا کہ ابوداود کی روایت میں ہے کہ او لکانما رآنی فی الیقظۃ اور اگر قیامت میں دیکھنا مراد ہے تو مقصد پھر خواب دیکھنے والے کے حسن خاتمہ کی طرف اشارہ ہے، ورنہ قیامت میں زیارت تو انہیں بھی نصیب ہوگی جنہوں نے آپ کو خواب میں نہ دیکھا ہوگا۔ آپ کو خواب میں دیکھنے والا صحابی ہے کہ نہیں اور دیگر مباحث کیلئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۶۰۹۔ و لا یتمثل الشیطان بی اس جزء سے پہلے والے جزء کی تائید ہورہی ہے۔ یعنی جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو اسنے واقعتاً مجھ ہی کو دیکھا، اسلئے کہ شیطان کسی کے خواب میں میری صورت میں نہیں آسکتا، یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص خواب میں آپ کے علاوہ کسی اور شخص کو دیکھے اور وہ خواب میں یہ سمجھے کہ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں، گزشتہ حدیث میں بھی یہی بات ہے کہ جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو اسکا خواب سچا ہے۔ (بذل، الدر المنضود)

## حدیث ۱۴۶۱ ﴿اچھا خواب الله کی طرف سے ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۶۱۲

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ مَا يُحِبُّ فَلَا يُحَدِّثْ بِهٖ اِلَّا مَنْ يُحِبُّ وَاِذَا رَاٰى مَا يَكْرَهُ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَلْيَتْفُلْ ثَلٰثًا وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا اَحَدًا فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

**حواله:** بخاری، ص ۴٦٥ ج۱، باب صفة ابلیس و جنوده، کتاب بدء الخلق، حدیث ۳۲۹۲، مسلم، ص۲٤۱ ج۲، باب من رآنی فی المنام، کتاب للرؤیا، حدیث ۲۲٦٦

**حل لغات:** ولیتفل تَفَلَ (ض) تَفْلًا تھوکنا، یبصق بَصَقَ (ن) بَصْقًا تھوکنا، ولیتحول امر غائب ہے، تَحَوَّلَ (تفعل) منتقل ہونا، ایک جگہ سے دوسری جگہ یا ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانا۔

**ترجمه:** حضرت ابوقتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، جب تم میں سے کوئی شخص ایسی چیز دیکھے جس کو پسند کرتا ہے، تو اس کا ذکر نہ کرے، مگر اس شخص سے جس کو دوست سمجھتا ہے، اور جب ایسی چیز دیکھے جس کو ناپسند کرتا ہو تو اس کی برائی اور شیطان کی برائی سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔ اور تین مرتبہ تھوتھو کرے، اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے۔ وہ خواب اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں تین باتوں کا خصوصیت سے ذکر ہے (۱) اچھا خواب اللہ کی طرف سے بندہ کے لئے خوش خبری ہوتا ہے، اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اگرچہ دونوں قسموں کے خوابوں کا خالق اللہ جل شانہ ہے لیکن اچھے خواب کی نسبت اللہ کی طرف تکریم و تعظیم کی غرض کی گئی ہے، اور برے خواب کی نسبت شیطان کی طرف اس لئے کردی گئی ہے کہ شیطان اس پر خوش اور راضی ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری، ص ۲۷۰، ج ۲۱) (۲) اچھا خواب اپنے ہمدرد سے بتایا جائے اور برے خواب کا کسی سے ذکر نہ کیا جائے (۳) برے خواب سے بچنے اور اس کے شر سے محفوظ رہنے کا آپ نے طریقہ بتایا ہے کہ جاگنے کے بعد بائیں جانب "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھ کر تین مرتبہ تھتکار دے اور اس کے شر سے پناہ طلب کرے، انشاء اللہ خواب نقصان دہ نہیں ہوگا۔ تھتکارنے میں شیطان سے نفرت اور اس کی تحقیر و تذلیل کی طرف اشارہ ہے۔ کیوں کہ شیطان برے خواب کے وقت حاضر ہوتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ (ارشاد الباری، ص ۳٦۷، ج ۱۲، کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** الرؤیا الصالحة من الله اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے، یعنی یہ اللہ کی طرف سے بشارت ہے، ترمذی کی روایت میں صراحت ہے کہ "فالرؤیا الصالحة بشری من الله" اچھے خواب میں دیکھنے والے کے لئے یا جس کے لئے دیکھا گیا ہے خوش خبری ہوتی ہے، خواب کی یہی قسم قابل اعتبار ہے، اور اسی کی احادیث میں تعریف آئی ہے۔ والحلم من الشیطان ۔خواب کی دوسری قسم وہ ہے جن میں انسان ڈرتا ہے، یہ خواب شیطانی اثرات سے ہوتے ہیں، شیطان ڈراونی شکل وصورت میں نظر آتا ہے، جس سے خواب دیکھنے والا ڈر جاتا ہے۔ یہ خواب بے حقیقت اور نا قابل تعبیر ہوتا ہے۔ فاذا رای احدکم ما یحب پسندیدہ خواب کا اپنے خیر خواہ کے سامنے ہی ذکر کرنا چاہئے، تاکہ حسد وجلن سے حفاظت رہے اور اچھا خواب دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی حمد وثنا کی جائے۔ و اذا رای ما یکرہ اگر خواب میں ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اللہ کی پناہ طلب کرے۔ برے خواب نظر آنے پر درج ذیل امور اختیار کرنا چاہئے (۱) اللہ تعالیٰ کی برے خواب کے شر سے پناہ طلب کرے (۲) شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی اعوذ باللہ الخ پڑھ کر پناہ طلب کرے (۳) تین مرتبہ بائیں طرف تھوک دے (۴) برے خواب کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے (۵) برا خواب دیکھنے کے بعد کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھ لے۔ (۶) خواب دیکھنے کی حالت میں جس پہلو پر تھا اس سے پھر جائے۔ یہ چھ امور مختلف احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ ان سب کو اختیار کیا جائے، تاکہ سب روایات پر عمل ہو جائے، لیکن اگر کسی نے بعض پر عمل کیا تو بھی انشاء اللہ ضرر سے محفوظ رہے گا۔ ولا یحدث به احداً برے خواب کو کسی سے بیان نہ کرنے کی حکمت یہ ہے کہ جب اس طرح کا خواب بے اعتبار ہے اور اس کی کوئی تعبیر نہیں، تو اس کو کسی کے سامنے بیان کرنا لا حاصل ہے۔ نیز جب اس قسم کے خواب کو کسی کے سامنے بیان کیا جائے گا اور سننے والا خواب کی ظاہری حالت کے پیش نظر اس کی خراب تعبیر دے گا تو اس کی وجہ سے فاسد وہم میں مبتلا ہونا اور بدشگونی لینا لازم آئے گا۔ نیز دل ودماغ مختلف قسموں کے اندیشوں اور وسوسوں سے پریشان ہوگا۔ (الکوکب الدری، مرقات، عون الترمذی)

## حدیث ۱٤٦۲ ﴿برے خواب سے حفاظت کا طریقه﴾ عالمی حدیث: ٤٦١٣

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَاٰى اَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلٰثًا وَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ثَلٰثًا وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

**حواله:** مسلم، ص ۲٤۱ ج۲، باب قول النبی صلی الله علیه وسلم من رآنی فی المنام، کتاب الرؤیا، حدیث: ۲۲٦۲

**حل لغات:** جنب پہلو جمع جُنُوْبٌ وَاَجْنَابٌ۔

**ترجمه:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے، اور تین مرتبہ شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔ اور اس کروٹ کو جس پر لیٹا تھا بدل دے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بھی برے خواب دیکھنے والوں کے لئے تین ہدایات کا ذکر ہے (۱) بائیں جانب تین بار تھتکار دے (۲) تین بار اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے (۳) کروٹ بدل دے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فلیبصق گزشتہ حدیث میں "تفل" کا لفظ آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں پھونکنا جس کے ساتھ ہلکا سا تھوک بھی ہو، "بصق" کے معنی ہیں منہ کے اندر سے تھوک نکالنا، اس طرح کہ کچھ حلق سے بھی

نکلے۔اس سے معلوم ہوا کہ پہلا درجہ بصق ہے اس کے بعد تفل ہے، تفل کے بعد نفث ہے جس کے معنی ہیں بغیر تھوک کے ہلکا پھونک مارنا۔اس کے بعد نفخ ہے یعنی زور سے پھونک مارنا۔ مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ فلینفث کا لفظ آیا ہے۔ بعض نے کہا کہ اصل فلینفث ہے یعنی بغیر تھوک کے صرف ہلکا پھونک مارے، باقی تفل، اور بصق مجازاً اسی پر محمول ہوگا۔ حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ فلینفث کو اصل قرار دے کر تفل اور بصق کو اس پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے، چونکہ یہاں مقصد ہے شیطان کو دھتکارنا اور اس کی حقارت ظاہر کرنا، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس بارے میں تمام روایات کو تفل پر محمول کیا جائے۔ جس کے معنی ہیں پھونک مارنا جس کے ساتھ ہلکا سا تھوک بھی نکلے۔ لہٰذا پھونک کی طرف نظر کرتے ہوئے اس کو نفث کہا گیا ہے اور تھوک کی طرف نظر کرتے ہوئے اس کو بصاق کہا گیا ہے (تکملہ مرقات، نووی، عون الترمذی) و لیتحول عن جنبہ خواب دیکھنے کے وقت جس کروٹ پر تھا، بیدار ہو کر اس کو تبدیل کردے، خواب کے اثرات کی تبدیلی کے لئے کروٹ بدلنا بہت موثر چیز ہے۔ مزید کے لئے گزشتہ حدیث دیکھیں۔

## حدیث ۱۴۶۳ ﴿خواب کی تعبیر کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۴۶۱۴-۴۶۱۵

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ يَكَدْ يَكْذِبُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ وَمَا كَانَ مِنَ النُّبُوَّةِ فَإِنَّهُ لَا يَكْذِبُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ وَأَنَا أَقُولُ الرُّؤْيَا ثَلٰثٌ حَدِيثُ النَّفْسِ وَتَخْوِيفُ الشَّيْطٰنِ وَبُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ فَمَنْ رَأٰى شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلَا يَقُصُّهُ عَلٰى أَحَدٍ وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُ الْغُلَّ فِي النَّوْمِ وَيُعْجِبُهُمُ الْقَيْدُ وَيُقَالُ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

قَالَ الْبُخَارِيُّ رَوَاهُ قَتَادَةُ وَيُونُسُ وَهُشَيْمٌ وَأَبُو هِلَالٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَقَالَ يُونُسُ لَا أَحْسِبُهُ إِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَيْدِ وَقَالَ مُسْلِمٌ لَا أَدْرِي هُوَ فِي الْحَدِيثِ أَمْ قَالَهُ ابْنُ سِيرِينَ وَفِي رِوَايَةٍ نَحْوَهُ وَأَدْرَجَ فِي الْحَدِيثِ قَوْلَهُ وَأَكْرَهُ الْغُلَّ إِلٰى تَمَامِ الْكَلَامِ .

**حوالہ:** بخاری، ص ۱۰۳۹ ج۲، باب القید فی المنام، کتاب التعبیر، حدیث: ۷۰۱۷، مسلم، ص ۲۴۱ ج۲، باب من رآنی فی المنام، کتاب الرؤیا، حدیث: ۲۲۶۲

**حل لغات:** الغل قیدی یا مجرم کے ہاتھ کی بیڑی یا گلے میں پڑا ہوا لوہے کا طوق۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب زمانہ قریب ہوگا تو مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوا کرے گا۔ اور مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ اور جو چیز نبوت سے ہوگی وہ جھوٹی نہیں ہوگی۔ محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں (۱) ذہنی خیالات (۲) شیطان کا خوف دلانا (۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں۔ تم میں سے جو شخص خواب میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اس کو بیان نہ کرے۔ اور اس کو چاہئے کہ اٹھ کر نماز پڑھے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ خواب کے اندر گردن میں طوق کو دیکھنا برا سمجھتے تھے، اور پاؤں میں بیڑی دیکھنے کو پسند کرتے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ پاؤں میں بیڑی دین میں ثابت قدمی کی علامت ہے۔ (بخاری و مسلم) بخاریؒ کہتے ہیں کہ اس روایت کو قتادہؒ، یونسؒ، ہشیمؒ اور ابو ہلالؒ نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے۔ اور محمد بن سیرینؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ یونسؒ کہتے ہیں کہ قید یعنی بیڑی کی تعبیر میرے خیال سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ مسلمؒ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ جزء حدیث نبوی ہے یا ابن سیرین کا قول ہے۔ ایک دوسری روایت میں بھی اسی طرح ہے اور حدیث میں داخل کردیا ہے اپنے قول و اکرہ الفعل

سے آخر کلام تک۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں چند اہم باتیں مذکور ہیں (۱) قیامت کے قریب مسلمانوں کے خواب سچے ہوں گے (۲) مومن کا خواب نبوت کے اجزاء اور اس کے آثار میں سے ہے، اس کے ذریعہ بعض آئندہ پیش آنے والے امور کا علم ہوتا ہے اور کچھ امور میں رہنمائی حاصل ہو کر تسلی ملتی ہے (۳) خواب تین طرح کے ہوتے ہیں۔ (الف) سچے خواب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مردمؤمن کے لئے بشارت ہوتے ہیں اور یہی قابلِ اعتبار ہوتے ہیں۔ (ب) بعض خواب وہ ہوتے ہیں جن میں شیطان آدمی کو رنج وغم میں مبتلا کرتا ہے۔ (ج) جس طرح کی باتیں آدمی کے ذہن میں بیداری کی حالت میں گھومتی رہتی ہیں بعض مرتبہ خواب میں وہی دیکھتا ہے۔ آخر کی دونوں قسمیں قابل اعتبار نہیں ہیں۔ (۴) جو شخص ناگوار خواب دیکھے اور آنکھ کھل جائے تو اس کو چاہئے کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اس خواب کا کسی سے ذکر نہ کرے (۵) خواب میں اگر کسی نے گردن میں طوق پڑا ہوا دیکھا تو یہ اچھی بات نہیں ہے، کیوں کہ یہ جہنمیوں کی صفت ہے۔ (۶) پاؤں میں بیڑیاں دیکھا تو اچھی بات ہے، کیوں کہ یہ دین میں پختگی اور ثبات قدمی کی علامت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا اقترب الزمان شراح نے اس کے مختلف معنی بیان کیے ہیں (۱) اس سے وہ ایام مراد ہیں جن میں دن و رات برابر ہوتے ہیں وہ موسم بہار کا زمانہ ہے، ان میں انسانی مزاج اعتدال پر ہوتا ہے (۲) زمانہ کے قریب ہونے سے مراد آخری زمانہ اور قرب قیامت ہے، جب قیامت قریب ہوگی اہل علم دنیا سے اٹھالیے جائیں گے، شعائر دین مٹ چکے ہوں گے، فتنہ کا دور دورہ ہوگا۔ زمانہ فترۃ وحی کے زمانہ جیسا ہوگا، لیکن چونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، ان کے بعد کوئی اور نیا نبی نہیں آئے گا، لہٰذا اس زمانہ میں امت محمدیہ کو سچے خوابوں سے نوازا جائے گا۔ اور اس کے ذریعہ ان کو 'انذار وتبشیر' کی جائے گی۔ (۳) تقارب زمانہ سے مراد زمانہ کا سرعت مرور ہے، یعنی وہ زمانہ ہے جب سال مہینہ کی طرح اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح اور دن ساعت کی طرح گذرنے لگیں، اور ایسا زمانہ قرب قیامت میں ہوگا۔ بعض نے کہا کہ زمانہ مذکورہ سے امام مہدیؑ کا زمانہ مراد ہے، حضرت مہدی کے عدل وانصاف اور رعایا پروری کی وجہ سے سب ہی لوگ آسودگی اور بے فکری کے دن گذاریں گے، اور ظاہر ہے کہ آسودگی اور بے فکری کے دن بڑی سرعت کے ساتھ گذرتے معلوم ہوتے ہیں، اس زمانے میں خواب بھی صحیح اور درست ہوں گے، کیوں کہ وہ راستی کا زمانہ ہوگا (۴) بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں خواب تعبیر کا محتاج نہیں ہوگا، اور خواب میں جھوٹ دخل انداز نہیں ہوسکے گا۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اس زمانہ میں مومن بے یارومددگار ہوں گے، لہٰذا اس وقت اللہ تعالیٰ مومن کو رؤیائے صالحہ کے ذریعہ معزز ومکرم فرمائیں گے۔ لم یکد یکذب رؤیا المومن ایسے وقت میں مومن کا خواب زیادہ تر سچا ہی ہوگا۔ یہ تو اس وقت کی بات ہے، عموماً جیسا ہوتا ہے اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ جو جتنا راست باز ہوتا ہے۔ اس کا خواب اتنا ہی سچا ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے اندر صداقت زیادہ ہوتی ہے اس کا قلب منور رہتا ہے اور ادراک مضبوط ہوتا ہے، لہٰذا اس کے قلب میں معانی صحیح طور پر منقش ہوتے ہیں، اسی طرح بیداری کی حالت میں جس کا غالب احوال سچائی کا ہو تو نیند کی حالت میں بھی سچائی اس کے ساتھ رہے گی۔ تو وہ خواب بھی سچا ہی دیکھے گا۔ برخلاف جھوٹے کے، چونکہ جھوٹ قلب کو فاسد اور تاریک کردیتا ہے، لہٰذا وہ جھوٹی باتیں دیکھے گا، اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ البتہ کبھی کبھار صادق غیر صحیح دیکھتا ہے اور کاذب صحیح دیکھ لیتا ہے۔

رؤیا المومن جزء من ستة و اربعین جزءً من النبوة۔ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ خواب نبوت کا جزء کیسے ہے؟ اور چھیالیسویں جزء سے کیا مراد ہے؟ ان باتوں کی تفصیلات اور ان پر وارد ہونے والے اعتراضات وجوابات کے لئے عالمی حدیث ۴۶۰۸ دیکھیں۔ الرؤیا ثلاث خواب کی تین قسمیں ہیں، ان تینوں قسموں کی وضاحت بھی عالمی حدیث ۴۶۰۸ میں کی گئی

۲۔ فلا یقصہ برا خواب کسی سے بیان نہ کرنا چاہئے۔ اس جزء کی وضاحت اور برے خواب نظر آنے پر کیا کیا جائے، اس کی صراحت عالمی حدیث ۴۶۱۲ میں کی گئی ہے۔ وکان یکرہ الغل کسی شخص کا خواب میں دیکھنا کہ گلے میں طوق ڈالا گیا ہے، یہ اچھا نہیں ہے، کیوں کہ طوق کا محل گردن ہے، اور یہ ناپسندیدہ امر ہے۔ کیوں کہ گلے میں طوق ڈالا جانا جہنمیوں کی صفت ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ اذا الاغلال فی اعناقھم قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے کہ گلے میں طوق دیکھنا حکمرانی پر بھی دلالت کرتا ہے، اگر اس کے ساتھ قرائن ہوں، کیوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ کل وال یحشر مغلولاً حتیٰ یطلقہ عدلہ اگر طوق ہاتھوں میں ہو تو یہ اہل تعبیر کے نزدیک اچھا ہے، یہ شرور سے اپنے ہاتھوں کو باز رکھنے کی طرف دلالت کرتا ہے البتہ یہ کبھی بخل پر بھی دلالت کرتا ہے۔ و یعجبھم القید خوابوں میں پاؤں میں بیڑی دیکھنا اچھی بات ہے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ علماء نے فرمایا ہے کہ قید بیڑی کا محل پاؤں ہے اور اس سے اشارہ کیا جاتا ہے گناہوں سے باز رہنے کی طرف۔ خواب میں قید دیکھنا اس لئے اچھا ہے کہ یہ دراصل برے امور سے باز رہنے اور طاعات پر ثابت قدم رہنے کی علامت ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ تعبیر اس شخص کے حق میں ہے جو دینی زندگی کا حامل ہوگا۔ خواب کے ماہرین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی بیمار یا قیدی یا مسافر یا کوئی مصیبت زدہ شخص خواب میں دیکھے کہ میرے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں تو اس سے اس کے حق میں خواب کی تعبیر یہ ہوگی کہ وہ اپنے حال پر قائم رہے گا۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۴۴۳-۴۴۷، ج ۴، مرقات، الکوکب الدری، نووی، عون الترمذی)

ابن سیرین نے کہا حضرت ابو ہریرہؓ ناپسند کرتے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ آپ ناپسند کرتے تھے، یعنی یکرہ کی ضمیر ابو ہریرہ کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے، اور آپ کی طرف بھی۔ ویعجبھم "ھم" کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے لئے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور دیگر صحابہؓ کے لئے ہو۔ قال البخاری رواہ قتادۃ بخاریؒ نے جن لوگوں کا نام گنایا ہے ان سب نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ عن ابن سیرین عن ابی ھریرۃ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ روایت کا شروع حصہ اس سند سے مرفوع ہے اور آخری حصہ مرفوع نہیں ہے۔ و قال یونس یہ ابن سیرین سے روایت کرنے والے راویوں میں سے ایک ہے۔ لا احسبہ میرے گمان کے مطابق القید وغیرہ کا حصہ بھی مرفوع یعنی آپ کا فرمان ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اس کی تردید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یقال کے ذریعہ سے تعبیر کرنا بتا رہا ہے کہ یہ روایت موقوف بھی نہیں ہے، مرفوع کیسے ہو سکتی ہے۔ و قال مسلم لا ادری امام مسلم بھی یونس راوی کی بات اور ان کے گمان سے متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ اخیر جزء کے فرمان نبی ہونے سے اپنی لاعلمی ظاہر فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں توقف ہے۔ ملا علی قاریؒ نے تو بہت وثوق سے یہ بات کہی ہے کہ یہ ابن سیرین کا قول ہے۔ وفی روایۃ نحوہ شیخین کی یا صرف مسلم کی ایک روایت حدیث مذکور کے ہم معنی اور ہے، و ادرج محدثین کی اصطلاح میں مدرج وہ حدیث ہے جس کے متن میں راوی کی طرف سے کوئی لفظ ایسا بڑھا دیا جائے کہ اس کو سننے والا حدیث مرفوع سمجھ کر اس کو نقل کرے۔ معلوم ہوا کہ اس روایت میں بھی "و کان یکرہ الغل" سے آخیر تک فرمان رسول نہیں بلکہ راوی کا قول ہے اور اس کو روایت کے ساتھ اس طور پر شامل کر دیا ہے کہ اس کو پڑھنے والا حدیث ہی سمجھتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ابن سیرین کا کلام ہے۔ (مرقات)

## حدیث ۱۴٦٤ ﴿ڈراونا خواب بیان کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث: ٤٦١٦

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَاَنَّ رَاْسِيْ قُطِعَ قَالَ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِذَا لَعِبَ الشَّيْطَانُ بِاَحَدِكُمْ فِي مَنَامِهٖ فَلَايُحَدِّثْ بِهِ النَّاسَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

**حوالہ:** مسلم، ص ۲٤۳ ج ۲، باب لا یخبر بتلعب الشیطان بہ، کتاب الرؤیا، حدیث: ۲۲٦۸

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انہوںؓ نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر کاٹ دیا گیا ہے، راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے ساتھ اس کے خواب میں شیطان کھیلے تو اس کو وہ لوگوں سے بیان نہ کرے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** خواب کی ایک قسم "تخویف الشیطان" ہے، اس میں شیطان خواب میں انسان کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ خواب بے اعتبار اور ناقابل تعبیر ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کو کسی کے سامنے ذکر نہ کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فضحك النبی صلی الله علیه وسلم آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوگیا کہ اس خواب کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اور یہ "اضغاث احلام" پریشان کن خیالات اور شیطان کا مذاق ہے، لہٰذا آپ نے اس کو ناقابل تعبیر قرار دے کر کسی کے سامنے بیان کرنے سے منع فرمایا۔ اہل تعبیر سر کٹنے کی تعبیر یوں دیتے ہیں کہ یہ خواب دیکھنے والے کو حاصل شدہ نعمتوں سے زوال کی علامت ہے۔ اور تمام امور میں تغیر وتبدیل کی پہچان ہے۔ اگر بادشاہ ہے تو سلطنت کے زوال کا اشارہ ہے۔ غلام ہے تو آزادی ملنے کی توقع ہے۔ مریض ہے تو شفاء کی۔ مقروض ہے تو ادائیگی قرض کی، خوف زدہ ہے تو امن کی امید ہے۔ (ملخص تکملہ فتح الملہم، ص ۴۵۵، ج ۴) براخواب نظر آئے تو آنکھ کھلنے پر کیا کیا جائے، اس کے لئے عالمی حدیث: ۴۶۱۲ دیکھیں۔

## حدیث ۱٤٦٥ ﴿آپ کے خواب کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٦١٧

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ كَاَنَّا فِيْ دَارِ عُقْبَةَ بْنِ رَافِعٍ فَاُتِيْنَا بِرُطَبٍ مِنْ رُطَبِ ابْنِ طَابٍ فَاَوَّلْتُ اَنَّ الرِّفْعَةَ لَنَا فِي الدُّنْيَا وَالْعَاقِبَةَ فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ دِيْنَنَا قَدْ طَابَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ٢٤٤ ج٢، باب فی رؤیا النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب الرؤیا، حدیث: ٢٢٧٠

**حل لغات:** رطب پکی ہوئی تازہ کھجور (ج) اَرْطَابٌ وَرِطَابٌ، اولت اَوَّلَ (تفعیل) تَأوِیْلًا الرؤیا خواب کی تعبیر بتانا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک رات میں نے خواب دیکھا جیسے سونے والا دیکھتا ہے گویا میں عقبہ بن رافع کے گھر میں ہوں، ہمارے سامنے ابن طاب کی تر کھجوریں پیش کی گئیں، میں نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہمارے لئے دنیا میں رفعت اور آخرت میں عافیت ہے اور ہمارا دین پاکیزہ ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** آپ کو خواب میں عقبہ بن رافع کے گھر میں ابن طاب" کھجور کی ایک نوع حاصل ہوئی۔ تو آپ نے اس کی یہ تعبیر نکالی کہ آپ کے لئے اور جو آپ کے طریقہ پر ہوتا ہے، اس کے لئے دنیا میں سربلندی اور آخرت میں اچھا انجام ہوگا اور دین اسلام نہایت پاکیزہ اور خوشگوار دین ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** رایت ذات لیلة آپ نے خواب دیکھا اور اس کی اچھی تعبیر بھی لی، آپ نے مذکورہ تعبیر میں ناموں کے الفاظ کو بنیاد بنا دیا۔ بایں طور کہ رفعت کی تعبیر تو آپ نے رافع سے لی، عاقبت کی تعبیر عقبہ سے لی اور طاب یعنی اچھا ہے، ابن طاب سے لیا، یہ کھجور کی ایک قسم ہے، یہی اس کا نام ہے۔ چنانچہ آپ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ ناموں کے الفاظ کے ذریعہ بطریق نیک فالی حصول مقصد کا مفہوم حاصل کرتے تھے، اور یہ بات محض تعبیر خواب کے ساتھ مخصوص نہیں تھی، بلکہ عالم بیداری اور روزمرہ کی زندگی میں بھی ان کے ذریعہ نیک فال لیتے تھے۔ جیسا کہ منقول ہے جب آپ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک شخص بریدہ اسلمیؓ کو چند سواروں کے ساتھ دیکھا، جس کو قریش مکہ نے آپ کو پکڑ کر مکہ واپس

لانے پر معمور کیا تھا، اور اسکے لئے بطور انعام سو اونٹ مقرر کئے تھے۔ آپ نے اس کو دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ بریدہ، آپ نے یہ سنا تو لفظ بریدہ سے نیک فال لیتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ قد برد امرنا یعنی ہمارا معاملہ ٹھنڈا ہوگیا، کہ دشمن کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑے گا۔ (مظاہر حق) آپ کے اس طرح تعبیر لینے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواب میں ہمیشہ نام سے اس کا مخصوص مسمی ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ کبھی معنی بھی مراد ہوتے ہیں۔ (الدر المنضود)

## حدیث ١٤٦٦ ﴿ہجرت کے بارے میں آپ کا خواب﴾ عالمی حدیث: ٤٦١٨

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَیْتُ فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ اِلٰی اَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهْلِیْ اِلٰی اَنَّهَا الْیَمَامَةُ اَوْ هَجَرٌ فَاِذَاهِیَ الْمَدِیْنَةُ یَثْرِبُ وَرَاَیْتُ فِیْ رُؤْیَایَ هٰذِهٖ اَنِّیْ هَزَزْتُ سَیْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهٗ فَاِذَا هُوَ مَا اُصِیْبَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ اُحُدٍ ثُمَّ هَزَزْتُهٗ اُخْرٰی فَعَادَ اَحْسَنَ مَا كَانَ فَاِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِیْنَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ٥١١ ج ١، باب علامات النبوة، كتاب المناقب، حدیث ٣٦٢٢، مسلم، ص ٢٤٤ ج ٢، باب رؤیا النبی صلی الله علیه وسلم، كتاب الرؤیا، حدیث ٢٢٧٢

**حل لغات:** وهلی میرا گمان وَهِلَ (س) وَهْلًا گھبرانا، ڈرنا، هززت هَزّیَ الشیٔ جھنجھوڑنا، ہلا کر رکھ دینا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوموسیٰؓ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ سے کھجوروں والی سرزمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں، میرا ذہن اس طرف گیا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہے۔ حالانکہ وہ مدینہ منورہ ہے، جس کا نام یثرب بھی ہے، میں نے اسی خواب میں دیکھا کہ میں تلوار کو حرکت دے رہا ہوں تو وہ اوپر سے ٹوٹ گئی، یہ وہ نقصان ہے جو اہل ایمان کو احد کے دن پہنچا۔ پھر میں نے دوبارہ اس کو حرکت دی تو وہ پہلے سے بہتر ہوگئی۔ یہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فتح اور ایمان والوں کے اجتماع سے نوازا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپ کے دو خواب مذکور ہیں۔ (۱) پہلے خواب میں آپ نے اپنی ہجرت کا مقام دیکھا اور آپ نے اور صحابہؓ نے اس کی طرف ہجرت فرمائی۔ (۲) دوسرے خواب میں آپ نے تلوار کو حرکت دی تو اس کا بالائی حصہ ٹوٹ گیا، یہ خواب آپ نے جنگ احد سے پہلے دیکھا تھا۔ تلوار کا ٹوٹ جانا وہ شکست تھی جو جنگ احد میں پیش آئی۔ دوسری مرتبہ تلوار کو حرکت دی تو وہ شاندار ہوگئی، یہ وہ کامیابی تھی جو جنگ احد میں بعد میں حاصل ہوئی اور مسلمان منتشر ہو جانے کے بعد اکٹھا ہوئے۔ (تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** انی اهاجر من مكة آپ نے مکہ سے کھجوروں والی سرزمین کی طرف ہجرت کرنے کا خواب دیکھا تو آپ کو خیال ہوا کہ وہ سرزمین یمامہ یا ہجر ہوگی۔ لیکن وحی کے ذریعہ مدینہ منورہ کی تعیین ہوئی۔ جزیرہ نمائے عرب (نجد و حجاز) کا وہ علاقہ جو جبل طویق کے جنوب مشرق میں پھیلا ہوا ہے اور اب نجد کے علاقے میں شامل ہے۔ یمامہ کہلاتا ہے۔ یہ بڑا سرسبز و شاداب علاقہ تھا، اس میں کھجوروں کی بڑی پیداوار تھی، موجودہ زمانہ میں یمامہ ایک چھوٹی سی بستی کی صورت میں سعودی عرب کے دارالسلطنت ریاض کے قریب ہے۔ ہجر بھی یمامہ سے متصل مشرق میں ایک بستی تھی یہاں بھی کھجور بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ یثرب زمانہ جاہلیت میں مدینہ منورہ کا نام یثرب تھا۔ جب آپ مکہ سے ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائے تو اس کا نام مدینہ طابہ اور طیبہ رکھا، لیکن زیادہ مشہور مدینہ ہی ہوا، آپ نے اس مقدس شہر کو یثرب کہنے سے منع فرما دیا تھا، کیوں کہ یثرب کے مفہوم میں فتنہ و فساد کے معنی داخل ہیں۔ آپ نے کبھی کبھار یثرب فرمایا تو یہ ممانعت سے پہلے کی بات ہے یا پھر بیان جواز کے طور پر تاکہ معلوم

ہو کہ ممانعت تنزیہی ہے اور یا یہ کہ ابتدائے ہجرت میں عام طور پر لوگ اس نئے نام سے واقف نہیں تھے، لہٰذا آپ شرعی نام مدینہ سے واقف کرانے کے لئے قدیم نام یثرب کا بھی ذکر فرماتے۔ اور یہی آخری احتمال زیادہ صحیح ہے۔ نیز قرآن کریم میں جو فرمایا "یا اهل یثرب لا مقام لکم الخ" تو یہ منافقین کی بات نقل ہوئی ہے۔ لہٰذا اس بارے میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۴۶۷ ﴿آپ کے خواب کی تعبیر کا ذکر﴾ عالمی حدیث ۴۶۱۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِیْتُ بِخَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَ فِیْ کَفِّیْ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَکَبُرَا عَلَیَّ فَاُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ اَنْفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَذَهَبَ فَاَوَّلْتُهُمَا الْکَذَّابَیْنِ اللَّذَیْنِ اَنَا بَیْنَهُمَا صَاحِبُ صَنْعَاءَ وَصَاحِبُ الْیَمَامَةِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ یُقَالُ اَحَدُهُمَا مُسَیْلَمَةُ صَاحِبُ الْیَمَامَةِ وَالْعَنْسِیُّ صَاحِبُ صَنْعَاءَ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَایَةَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَذَکَرَهَا صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِیِّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ج۲، باب وفد بنی حنیفة، کتاب المغازی، حدیث ۴۳۷۵، مسلم، ص ۲۴۴ ج۲، باب رؤیا النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب الرؤیا، حدیث ۲۲۷۴

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا کہ میری خدمت میں زمین کے خزانے پیش ہوئے۔ پھر سونے کے دو کنگن میری ہتھیلی پر رکھ دیئے گئے۔ یہ چیز مجھے ناگوار ہوئی۔ میری طرف وحی بھیجی گئی کہ میں ان پر پھونک ماروں، میں نے ان پر پھونک ماری تو وہ چلے گئے، میں نے ان سے دو جھوٹے مراد لئے جن کے درمیان میں ہوں۔ ایک صنعا والا اور دوسرا یمامہ والا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے ایک مسیلمہ تھا یمامہ والا اور دوسرا عنسی تھا صنعا والا، یہ روایت مجھ کو بخاری و مسلم میں نہیں ملی، صاحب جامع نے ترمذی کے حوالے سے اس کو بیان کیا۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خواب میں آپ نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے تو بے چین ہوئے، کیوں کہ یہ عورتوں کا زیور ہے۔ اس سے آپ نے یہ تعبیر لی کہ دو لوگ جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والے ہوں گے، اور یہ مسیلمہ اور اسود ہوئے۔ مزید کے لئے تشریح کلمات دیکھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فوضع سواران من ذهب آپ نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے تو بے چین ہوئے۔

**سوال:** ہاتھوں میں کنگن دیکھ کر آپ کی تشویش کیوں ہوئی؟

**جواب:** سونے کے کنگن دنیاداری ہے اور دنیاداری سے آپ کا کیا واسطہ آپ نے فرمایا: مالی و ما للدنیا لہٰذا اپنے ہاتھ میں سونا دیکھ کر آپ کو تشویش ہوئی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ یہ عورتوں کا زیور ہے مردوں کے استعمال کی چیز نہیں اس لئے آپ کو تشویش ہوئی۔ (فتح الباری، ص ۴۲۲، ج ۱۲) فنفختهما جب آپ نے ان کنگنوں پر پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح بے وزن اور بے حقیقت چیز ذرا سی پھونک اور توجہ سے ختم اور زائل ہو جاتی ہے، اسی طرح آپ ان دونوں جھوٹے نبیوں کی سرکوبی کی طرف ذرا سی توجہ فرمائیں گے تو یہ دونوں ختم ہو جائیں گے۔ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ سونے کے کنگنوں میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جھوٹی نبوت کے فتنے ہمیشہ مال کے بل بوتے پر چلتے ہیں، مگر جب جب قوت بازو سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو دم توڑ دیتے ہیں۔ قادیانی فتنہ اس لئے ختم نہیں ہوا کہ انگریزی حکومت کی وجہ سے کسی نے قوت بازو سے اس کا مقابلہ نہیں کیا، شاہ کابل نے اس کو لکھا تھا کہ "ایں جا بیا" مگر وہ نہیں گیا، چلا جاتا تو کام تمام ہو جاتا۔

فاولتھما کاذبین میں نے ان سے دو جھوٹے مراد لئے۔
**سوال:** آپ نے سونے کے کنگن سے دو جھوٹے پیغمبر کس وجہ سے مراد لئے؟
**جواب:** (۱) جب آپ نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے، جب کہ یہ عورتوں کا زیور ہے تو آپ نے اس سے یہ سمجھا کہ عنقریب کوئی شخص ظاہر ہوگا، جو ایسی چیز کا دعویٰ کرے گا جس کا اس کو حق نہیں، نیز یہ دونوں کنگن سونے کا ہونا بھی کذب کی دلیل ہے، کیوں کہ سونا مردوں پر حرام ہے (۲) حضرت گنگوہیؒ نے دو کنگن کی تعبیر دو کذابوں سے کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ دو کنگن نے آپ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ رکھا ہے اور آدمی اکثر کام ہاتھوں سے انجام دیتا ہے، تو گویا ان دونوں نے آپ کو اشاعت دین سے روکا ہے، اس سے آپ نے سمجھا کہ ان دونوں کی تعبیر دو کذاب ہیں۔ (مرقات، تکملہ فتح الملہم، الکوکب الدری) **صاحب صنعاء و صاحب الیمامه** ایک صنعاء والا اور ایک یمامہ والا ہے۔ صنعاء والے سے اسود عنسی جب کہ یمامہ والے سے مسیلمہ کذاب مراد ہے۔

**اسود عنسی کے حالات:** اس شخص کا اصل نام عیھلة، یا عبھلة تھا۔ ذوالخمار اس کا لقب تھا، بڑا شعبدہ باز یعنی کرتب دکھانے والا تھا، یمن کے قبیلہ مذحج سے اس کا تعلق تھا، جب یمن کے لوگ مسلمان ہوئے تو اس نے بھی اسلام قبول کرلیا، اور اپنی قوم کو کرتب دکھا کر گرویدہ بنالیا، اس کا پورا قبیلہ اس کے تابع ہوگیا، علاوہ ازیں نجران اور صنعاء پر بھی اس نے قبضہ کرلیا، اس کے پاس فوج اگر چہ سات سو کی تعداد میں تھی، مگر اس کا فتنہ جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گیا، نبی پاکؐ نے یمن کے مسلمانوں کو لکھا کہ اس کے فتنہ سے کس طرح نمٹا جائے، چنانچہ حضرت فیروز دیلمی نے ۱۰ ہجری میں نبی پاک کی وفات سے ایک ماہ پہلے قتل کردیا اور اس کا فتنہ ختم ہوگیا۔

**مسیلمہ کے حالات:** ''مسیلمہ'' کا اصل نام مسلمہ ہے، آپ نے اس کے خط کے جواب میں بطور تحقیر مسیلمہ (مصغر) لکھا تھا، اس لئے اس کی اسی نام سے شہرت ہوگئی، یہ قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک شخص تھا، جس کا مسکن یمامہ تھا، فتح مکہ کے بعد جب اس قبیلہ کا وفد آیا تو مسیلمہ بھی اس کے ساتھ تھا، مگر وہ خدمت نبوی میں حاضر نہیں ہوا۔ سامان کی حفاظت کے بہانے پیچھے رہ گیا، اس کی قوم حاضر ہوئی اور ایمان لائی۔ جب یہ وفد واپس ہوگیا تو مسیلمہ نے نبی کو خط لکھا ''**من مسلمة رسول الله الى محمد رسول الله سلام عليك اما بعد! فاني قد اشركت في الامر معك و ان لنا نصف الارض و لقريش نصفها و لكن قريشاً قوم يعتدون.** آپ کے ساتھ مجھے بھی رسول بنایا گیا ہے، اور عرب کی سرزمین قریش کی، اور ہماری آدھی آدھی ہے، مگر قریش حد سے بڑھنے والے لوگ ہیں، یعنی وہ ساری زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے اس خط کے جواب میں لکھا **بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله الى مسيلمة الكذاب السلام على من اتبع الهدى، اما بعد! فإن الارض لله يورثها من يشاء من عباده و العاقبة للمتقين** ۔ اللہ تعالیٰ نہایت مہربان بڑا رحم والے کے نام سے شروع کرتا ہوں، یہ خط اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بہت بڑے جھوٹے مسیلمہ کے نام ہے، سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، حمد و صلاۃ کے بعد، زمین اللہ کی ہے، وہ اس کا وارث بناتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ یہ واقعہ ۱۰ ہجری کا ہے، اس وقت اس کا فتنہ پورے طور پر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ آپ کی وفات ہوگئی آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ اس کا سخت معرکہ پیش آیا، اس میں بارہ سو مسلمان شہید ہوئے جس میں چار سو پچاس صحابہؓ تھے، بالآخر حضرت خالدؓ کامیاب ہوئے۔ حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں مسیلمہ مارا گیا اور اس کا فتنہ ختم ہوا۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث ۱۴۶۸ ﴿نبی کا خواب کی تعبیر بتانا﴾ عالمی حدیث: ۴۶۲۰

وَعَنْ اُمِّ الْعَلَاءِ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ رَاَيْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ فِي النَّوْمِ عَيْنًا تَجْرِي فَقَصَصْتُهَا عَلٰى رَسُوْلِ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذٰلِکَ عَمَلُہُ یُجْرٰی لَہُ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۱۰۳۹ ج۲، باب العین الجاریۃ، کتاب التعبیر، حدیث ۷۰۱۸

**ترجمہ:** حضرت ام العلاء انصاریہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت عثمان بن مظعون کے لئے ایک چشمہ بہتے ہوئے دیکھا، میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ ان کا عمل ہے، جس کو ان کے لئے جاری کر دیا گیا ہے۔ (بخاری)

**خلاصہ حدیث** حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک جلیل القدر اور قدیم الاسلام صحابی ہیں، مہاجرین میں بڑی فضیلت کے حامل تھے، میدان کارزار میں جاں باز مجاہد کی حیثیت رکھتے تھے، ان کی ایک بڑی فضیلت یہ تھی کہ آپ نے ان کو مرابط یعنی میدان جہاد میں اسلامی لشکر و سرحد کا پاسبان مقرر کیا تھا، شریعت میں مرابط کے بہت زیادہ فضائل منقول ہیں۔ ان میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ مرابط جب انتقال کر جاتا ہے تو اس کا عمل صالح قیامت تک بڑھتا رہتا ہے، چنانچہ آپ نے مذکورہ خواب کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ وہ چشمہ دراصل ان کا عمل صالح ہے اور جس طرح وہ چشمہ جاری ہے، اسی طرح ان کے عمل صالح کا ثواب برابر جاری ہے، جو قیامت تک ان کو پہنچتا رہے گا۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** عملہ یجری لہ یہ اسلامی فوج کے پہریدار تھے، اور پہرا دیتے ہوئے ان کا انتقال ہوا، لہٰذا ان کے ثواب کا سلسلہ بہنے والے پانی کی طرح جاری ہے، اور قیامت تک ان کو ثواب ملتا رہے گا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ کل میت یختم عملہ الا الذی مات مرابطاً فی سبیل اللہ فإنہ ینمو لہ الی یوم القیامۃ (بخاری)

## حدیث ۱۴۶۹ ﴿عالم برزخ کے بارے میں آپ کا خواب﴾ عالمی حدیث: ۴۶۲۱

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْھِہٖ فَقَالَ مَنْ رَاٰی مِنْکُمُ اللَّیْلَةَ رُؤْیَا قَالَ فَاِنْ رَاٰی اَحَدٌ قَصَّھَا فَیَقُوْلُ مَا شَاءَ اللّٰہُ فَسَاَلَنَا یَوْمًا فَقَالَ ھَلْ رَاٰی مِنْکُمْ اَحَدٌ رُؤْیَا قُلْنَا لَا قَالَ لٰکِنِّیْ رَاَیْتُ اللَّیْلَةَ رَجُلَیْنِ اَتَیَانِیْ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَاَخْرَجَانِیْ اِلٰی اَرْضٍ مُقَدَّسَةٍ فَاِذَا رَجُلٌ جَالِسٌ وَرَجُلٌ قَائِمٌ بِیَدِہٖ کَلُوْبٌ مِنْ حَدِیْدٍ یُدْخِلُہُ فِیْ شِدْقِہٖ فَیَشُقُّہُ حَتّٰی یَبْلُغَ قَفَاہُ ثُمَّ یَفْعَلُ بِشِدْقِہِ الْاٰخَرِ مِثْلَ ذٰلِکَ وَیَلْتَئِمُ شِدْقُہُ ھٰذَا فَیَعُوْدُ فَیَصْنَعُ مِثْلَہُ قُلْتُ مَا ھٰذَا قَالَ اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا عَلٰی رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ عَلٰی قَفَاہُ وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰی رَاْسِہٖ بِفِھْرٍ اَوْ صَخْرَةٍ یَشْدَخُ بِہٖ رَاْسَہُ فَاِذَا ضَرَبَہُ تَدَھْدَہَ الْحَجَرُ فَانْطَلَقَ اِلَیْہِ لِیَاْخُذَہُ فَلَا یَرْجِعُ اِلٰی ھٰذَا حَتّٰی یَلْتَئِمَ رَاْسُہُ وَعَادَ رَاْسُہُ کَمَا کَانَ فَعَادَ اِلَیْہِ فَضَرَبَہُ فَقُلْتُ مَا ھٰذَا قَالَا اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا اِلٰی ثَقْبٍ مِثْلِ التَّنُّوْرِ اَعْلَاہُ ضَیِّقٌ وَاَسْفَلُہُ وَاسِعٌ تَتَوَقَّدُ تَحْتَہُ نَارٌ فَاِذَا اِرْتَفَعَتْ اِرْتَفَعُوْا حَتّٰی کَادُوْا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَا وَاِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوْا فِیْھَا وَفِیْھَا رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ فَقُلْتُ مَا ھٰذَا قَالَا اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا عَلٰی نَھْرٍ مِنْ دَمٍ فِیْہِ رَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰی وَسْطِ النَّھْرِ وَعَلٰی شَطِّ النَّھْرِ رَجُلٌ بَیْنَ یَدَیْہِ حِجَارَةٌ فَاَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِیْ فِی النَّھْرِ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّخْرُجَ رَمَی الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِیْ فِیْہِ فَرَدَّہُ حَیْثُ کَانَ فَجَعَلَ کُلَّمَا جَاءَ لِیَخْرُجَ رَمٰی فِیْ فِیْہِ بِحَجَرٍ فَیَرْجِعُ کَمَا کَانَ. فَقُلْتُ مَا ھٰذَا قَالَا اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰی انْتَھَیْنَا اِلٰی رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ فِیْھَا شَجَرَةٌ عَظِیْمَةٌ وَفِیْ اَصْلِھَا شَیْخٌ وَصِبْیَانٌ وَاِذَا رَجُلٌ قَرِیْبٌ مِنَ الشَّجَرَةِ بَیْنَ یَدَیْہِ نَارٌ یُوْقِدُھَا فَصَعِدَا بِیَ الشَّجَرَةَ فَاَدْخَلَانِیْ دَارًا وَسْطَ الشَّجَرَةِ لَمْ اَرَ قَطُّ اَحْسَنَ مِنْھَا فِیْھَا رِجَالٌ شُیُوْخٌ وَشَبَابٌ وَنِسَاءٌ وَصِبْیَانٌ ثُمَّ اَخْرَجَانِیْ مِنْھَا فَصَعِدَا بِیَ الشَّجَرَةَ فَاَدْخَلَانِیْ دَارًا

هِیَ اَحْسَنُ وَاَفْضَلُ مِنْهَا فِیْهَا شُیُوْخٌ وَشَبَابٌ فَقُلْتُ لَهُمَا اِنَّكُمَا قَدْ طَوَّفْتُمَا بِیَ اللَّیْلَةَ فَاَخْبِرَانِیْ عَمَّا رَاَیْتُ قَالَا نَعَمْ اَمَّا الرَّجُلُ الَّذِیْ رَاَیْتَهٗ یُشَقُّ شِدْقُهٗ فَكَذَّابٌ یُحَدِّثُ بِالْكَذْبَةِ فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتّٰی تَبْلُغَ الْاٰفَاقَ فَیُصْنَعُ بِهٖ مَا تَرٰی اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَالَّذِیْ رَاَیْتَهٗ یُشْدَخُ رَاْسُهٗ فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّیْلِ وَلَمْ یَعْمَلْ بِمَا فِیْهِ بِالنَّهَارِ یُفْعَلُ بِهٖ مَا رَاَیْتَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَالَّذِیْ رَاَیْتَهٗ فِی الثَّقْبِ فَهُمُ الزُّنَاةُ وَالَّذِیْ رَاَیْتَهٗ فِی النَّهْرِ اٰكِلُ الرِّبٰوا وَالشَّیْخُ الَّذِیْ رَاَیْتَهٗ فِیْ اَصْلِ الشَّجَرَةِ اِبْرَاهِیْمُ وَالصِّبْیَانُ حَوْلَهٗ فَاَوْلَادُ النَّاسِ وَالَّذِیْ یُوْقِدُ النَّارَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ وَالدَّارُ الْاُوْلٰی الَّتِیْ دَخَلْتَ دَارُ عَامَّةِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَمَّا هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَاءِ وَاَنَا جِبْرَئِیْلُ وَهٰذَا مِیْكَائِیْلُ فَارْفَعْ رَاْسَكَ فَرَفَعْتُ رَاْسِیْ فَاِذَا فَوْقِیْ مِثْلُ السَّحَابِ وَفِیْ رِوَایَةٍ مِثْلُ الرَّبَابَةِ الْبَیْضَاءِ قَالَا ذٰلِكَ مَنْزِلُكَ قُلْتُ دَعَانِیْ اَدْخُلْ مَنْزِلِیْ قَالَا اِنَّهٗ بَقِیَ لَكَ عُمْرٌ لَمْ تَسْتَكْمِلْهُ فَاِذَا اسْتَكْمَلْتَهٗ اَتَیْتَ بِمَنْزِلِكَ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَذُكِرَ حَدِیْثُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِیْ رُؤْیَا النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَدِیْنَةِ فِیْ بَابِ حَرَمِ الْمَدِیْنَةِ.

**حواله:** بخاری ص ٤٤-١٠٤٣ ج٢، باب تعبیر الرؤیا بعد صلاة الصبح، کتاب التعبیر، حدیث ٧٠٤٧

**حل لغات:** کلوب آنکڑا، آنکس شدق گوشۂ دہن، یشق شَقَّ (ن) شَقًّا پھاڑنا، قفا گدی گردن کا پچھلا حصہ (ج) اَقْفَاءٌ، ویلتئم التئم افتعال، الشیُٔ جڑنا ٹھیک ہونا، مضطجع چت لیٹنے والا (افتعال)، فهر پتھر، (ج) اَفْهَارٌ وفُهُوْرٌ، صخرة (ج) صُخُوْرٌ چٹان، دهده الٹ پلٹ کرنا، ٹوٹ کر ڈھیر لگ جانا، یشدخ شَدَخَ (ف) الشیُٔ توڑنا، ثقب (ج) ثُقُوْبٌ، سوراخ، التور تنور، روٹی پکانے کی بھٹی (ج) تنانیر، نتوقد (تفعل) النار آگ جلانا آگ سلگانا، خمدت (س) خُمُوْدًا اَلنَّار آگ یا شعلہ کا ختم ہو جانا، عراة عار کی جمع ننگے، شط دریا کا کنارہ (ج) شطوط، روضة شاداب زمین (ج) رُوُوْضٌ ورياض، صعد (س) صُعُوْدًا چڑھنا، الافاق آسمان کا کنارہ، الربابة بادل جمع رَبَابٌ سفید بادل۔

**ترجمہ:** حضرت سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نماز پڑھاتے تھے، اپنے چہرے کے ذریعہ ہماری طرف متوجہ ہوتے تھے، (یعنی لوگوں کی طرف گھوم کر بیٹھتے تھے) پھر فرماتے آج رات تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ بیان کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جو اللہ چاہے، (یعنی خواب بشارت ہوتا تو بشارت سناتے اور شیطان کا ڈراوا ہوتا تو اس کا علاج بتاتے) پس آپؐ نے ایک دن ہم سے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا لیکن میں نے آج رات دیکھا دو شخص میرے پاس آئے، پس انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے پاکیزہ سرزمین کی طرف لے چلے، پس اچانک ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا ہے۔ (لوہے کا آنکڑا جیسا بوریا اٹھانے والوں کے پاس ہوتا ہے) وہ اس آنکڑے کو اس کے جبڑے میں گھساتا ہے (جہاں دونوں ہونٹ ملتے ہیں اس کو شرف کہتے ہیں) یہاں تک کہ وہ گدی تک پہنچ جاتا ہے (یعنی گدی تک جبڑا چیر دیتا ہے) پھر وہ دوسرے جبڑے کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتا ہے اور اس کا یہ جبڑا مل جاتا ہے، یعنی جتنی دیر میں دوسرا جبڑا چیرتا ہے پہلا جبڑا درست ہو جاتا ہے پھر وہ لوٹتا ہے اور اسی طرح کرتا ہے (دوبارہ پہلا جبڑا چیرتا ہے یعنی اتنی دیر میں دوسرا جبڑا درست ہو جاتا ہے پھر وہ اس کو چیرتا ہے اور یہ عمل برابر جاری رہتا ہے) میں نے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے، دونوں نے کہا آگے چلئے، پس ہم چلے یہاں تک کہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو گدی کے بل یعنی چت لیٹا ہوا ہے اور دوسرا شخص اسکے پاس پتھر یا چٹان لیکر کھڑا ہے، اس پتھر سے اسکا سر کچلتا ہے جب وہ اسکو پتھر مارتا ہے تو لڑھک کر دور چلا جاتا ہے، پھر وہ اس

پتھر کو اٹھانے کیلئے جاتا ہے ابھی وہ پتھر اٹھا کر واپس نہیں آتا کہ اسکا سر جڑ جاتا ہے اور اسکا سر پہلے کی طرح ہو جاتا ہے، پس وہ لوٹتا ہے اور اسکو مارتا ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ دونوں نے کہا کہ آگے چلئے پس ہم چلے یہاں تک کہ ایک تندور جیسے سوراخ پر پہنچے جو اوپر سے تنگ نیچے سے کشادہ تھا، اسکے نیچے آگ جل رہی تھی، پس جب آگ بلند ہوتی تو وہ لوگ اوپر اٹھتے، یہاں تک کہ نکلنے کے قریب ہو جاتے پھر جب آگ دھیمی پڑتی، تو وہ لوگ اس میں لوٹ جاتے، یعنی تہ میں بیٹھ جاتے اور اسمیں ننگے مرد اور عورتیں تھیں، میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا آگے چلئے، پس ہم چلے یہاں تک کہ خون کی ایک نہر پر پہنچے، اسمیں ایک شخص کھڑا تھا نہر کے بیچ میں اور نہر کے ساحل پر ایک شخص کھڑا تھا اسکے سامنے پتھر تھے پس وہ شخص جو نہر کے اندر تھا آگے بڑھا تو جب اسنے نکلنے کا ارادہ کیا تو اس شخص نے جو ساحل پر تھا اس کے منہ پر ایک پتھر دے مارا اور وہ جہاں تھا وہیں لوٹا دیا پھر جب بھی وہ چاہتا کہ نہر سے نکلیں تو وہ اسکے منہ پر پتھر مارتا تھا اور وہ لوٹ کر اپنی جگہ پہنچ جاتا تھا، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ آگے چلئے پس ہم چلے یہاں تک کہ ایک ہرے بھرے باغ میں پہنچے، اس باغ میں ایک بڑا درخت تھا اور اس درخت کی جڑ میں ایک بڑے میاں اور بچے تھے، اور اچانک ایک آدمی درخت کے قریب آگ سلگا رہا ہے پس وہ دونوں مجھے درخت پر لیکر چڑھے، اور درخت کے درمیان ایک ایسے گھر میں داخل کیا کہ میں نے اس سے اچھا اور عمدہ گھر کبھی نہیں دیکھا، اس گھر میں بوڑھے مرد جوان عورتیں اور بچے تھے، پھر وہ دونوں مجھے گھر سے باہر لائے اور مجھے لیکر ایک دوسرے درخت پر چڑھے پس مجھے ایک دوسرے گھر میں لے گئے جو درخت کے درمیان تھا اور جو پہلے گھر سے بھی اچھا اور عمدہ تھا اور اسمیں بھی بوڑھے اور جوان تھے، میں نے پوچھا آپ دونوں نے مجھے رات بھر گھمایا پس مجھے بتلاؤ وہ جو میں نے دیکھا انہوں نے کہا ہاں (۱) رہا وہ جسکو آپ نے دیکھا کہ اسکا جبڑا چیرا جا رہا ہے وہ جھوٹا ہے، جھوٹی بات بیان کرتا ہے پس وہ اس سے اٹھائی جاتی ہے یہاں تک کہ دنیا کے کناروں میں پہنچ جاتی ہے پس قیامت تک اس کیساتھ یہی معاملہ کیا جائیگا (۲) اور وہ جسکو آپ نے دیکھا کہ اسکا سر پھوڑا جا رہا ہے وہ وہ شخص ہے جس کو اللہ نے قرآن کا علم دیا، لیکن وہ رات میں سوتا رہا اور دن میں اس پر عمل نہیں کیا اسکو قیامت تک یہی سزا ملتی رہیگی (۳) اور وہ جنکو آپنے سوراخ میں دیکھا وہ زناکار مرد و زن ہیں (۴) اور وہ جسکو آپنے نہر میں دیکھا وہ سود خور ہے (۵) اور وہ بوڑھے آدمی جو درخت کے جڑ میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے اردگرد جو بچے ہیں وہ انسانوں کے بچے ہیں، جو آگ سلگا رہا ہے وہ جہنم کا داروغہ مالک ہے، اور پہلا گھر جس میں آپ گئے وہ عام مسلمانوں کا گھر ہے اور رہا یہ گھر پس یہ شہداء کا گھر ہے، اور میں جبرئیل ہوں اور یہ میکائیل ہیں، اب آپ اپنا سر مبارک اٹھائیے پس میں نے اپنا سر اٹھایا تو اچانک میرے اوپر بادل کی طرح کچھ ہے (اور ایک روایت میں ہے کہ تہ بہ تہ سفید بادل) دونوں نے کہا یہ آپ کا گھر ہے میں نے کہا مجھے موقع دو کہ میں اپنے گھر جاؤں انہوں نے کہا ابھی آپ کی وہ عمر باقی ہے، جو آپ نے پوری نہیں کی، پس جب آپ اپنی عمر پوری کرلیں گے تو آپ اپنے گھر میں پہنچ جائیں گے (بخاری) اور حدیث عبداللہ بن عمر جس میں آپکا خواب ہے جو مدینہ منورہ کے متعلق دیکھا باب حرم المدینۃ میں مذکور ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپ کے ایک خواب کا ذکر ہے، درحقیقت بڑی جسمانی معراج کے علاوہ پانچ منامی معراجیں بھی آپ کو ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک معراج کا واقعہ اس حدیث میں ہے، آپ جس ہرے بھرے باغ میں تشریف لے گئے وہ جنت تھی، پھر جس مکان میں گئے تھے وہ جنت کا مکان تھا، اور دونوں جگہ جو بچے دیکھے وہ انسانوں کے بچے تھے، مسلمان تھے اس کی صراحت نہیں ہے، معلوم ہوا کہ بچے خواہ مسلمانوں کے ہوں یا مشرکین کے جنت میں جائیں گے۔ (ملخص تحفۃ القاری)

**کلمات حدیث کی تشریح** **صلاۃ** مراد نماز فجر ہے۔ **فسالنا:** لام کے فتحہ کے ساتھ۔ **أرض مقدسة:** اس سے مطلقاً کوئی بھی زمین مراد ہوسکتی ہے، اور ممکن ہے خاص بیت المقدس کی زمین مراد ہو۔ (حاشیہ بخاری)

**کلوب:** بروزن زَقُّوم جس کے ذریعہ ہانڈی وغیرہ سے گوشت نکالا جاتا ہے۔ **من حدید:** یہ مَن بیانیہ ہے، جیسے خاتم من فضۃ میں۔ (عمدۃ القاری) **شدق:** شی کے کسرہ کے ساتھ، منھ کا کنارہ جہاں دونوں ہونٹ ملتے ہیں۔ **مثل ذلک:** یعنی جیسا شدق اول کو گدی تک چیر دیا ایسا ہی شدق ثانی کے ساتھ کرتا ہے۔ (عمدہ) **بفھر:** فاء کے کسرہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ، اتنا بڑا پتھر جو ہتھیلی کو پُر کردے، اور مطلق پتھر کو بھی کہتے ہیں۔ **فیشدخ:** (فتح) من الشدخ کسی کھوکھلی چیز کو توڑنے کے معنی میں آتا ہے، یہاں مراد سر توڑنا ہے۔ **من ھذا:** یہاں علامہ عینیؒ نے ایک اشکال نقل کرکے اس کا جواب دیا، اشکال یہ ہے کہ اس سے پہلے جن معذبین کا ذکر ہے ان کے متعلق ما سے سوال اور مشدوخ کے بارے میں من سے دریافت کیا اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب (۱) ما سے حالت کے بابت سوال ہے اور من سے شخصیت کے متعلق۔ (۲) یا اس وجہ سے کہ یہ شخص عالم بالقرآن تھا اس لئے اس کو من سے ذکر کیا جو کہ ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس لئے کہ علم فی نفسہ اگر چہ عمل سے خالی ہو فضیلت کی چیز ہے، برخلاف اس کے غیر کے گویا کہ وہ غیر ذوی العقول میں سے ہیں۔ **وسط النھر:** سین کے فتحہ یا سکون کے ساتھ بمعنی درمیان نہر، اور دوسری روایت جریر بن حازمؒ کی ہے اس میں **شط النھر** بمعنی ساحل نہر کے الفاظ ہیں۔ **وأما الذی رأیتہ:** سوال: خواب کے تمام اجزا کی تعبیر سے مناسبت ظاہر ہے، سوائے زانیوں کے، کہ زانی کو اس کی سزا سے کیا مناسبت ہے؟ اس کے مابین مناسبت یہ ہے کہ زنا ایک طرح کی رسوائی ہے، لہٰذا اس کی سزا ننگا کرکے دی گئی، کیوں کہ یہ بھی باعث فضیحت ہے، پھر زانی خلوت کی تلاش میں رہتا ہے اسی لئے اس کو تنور میں ڈالا گیا، اور زانی ہمہ وقت خائف رہتا ہے، پس گویا کہ وہ آگ کے سائے میں ہے۔ **دار الشھداء:** اس میں صرف بوڑھے اور جوان تھے، بچے اور عورتیں نہیں تھیں، اس لئے کہ شہید زیادہ تر یہی دونوں ہوتے ہیں نہ کہ بچے اور عورتیں۔ **فی أصلھا شیخ:** یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ تو شہدا سے بالاتر ہے، اور پھر حضرت ابراہیمؑ تو خلیل اللہ اور ابو الانبیاء ہیں، پھر ان کے درخت کے نیچے ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جواب: اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام ملل کی اصل ہیں، اور ان کے بعد تمام توحید پرست ان کے تابع ہیں اور ان کے پاس سے ہی گذر کر لوگ اسلام کے درخت پر چڑھیں گے، اور جنت میں داخل ہوں گے۔ (عمدۃ القاری)

اس حدیث سے خواب کا مہتم بالشان ہونا اور اس کے متعلق سوال کا استحباب معلوم ہوتا ہے، اور اس حدیث میں کذب بیانی اور غلط بات نقل کرنے سے بچایا گیا ہے، اور اسی طرح قرآن کے نہ پڑھنے اور عمل نہ کرنے پر وعید کا بیان ہے، اور زانیوں کے لئے دردناک اور سخت عذاب کا تذکرہ ہے۔

اور ان مذکورہ امور میں حصر کی وجہ یہ ہے کہ حالت دو ہیں (۱) ثواب (۲) عقاب پھر عذاب آیا فعل پر ہوگا یا قول پر، اور جو عذاب قول کی بنا پر ہوتا ہے وہ یا تو کسی غیر مناسب بات کے کہنے پر ہوگا یا کسی مناسب بات کے نہ کہنے پر ہوگا اور جو عذاب فعل کی بنا پر ہوتا ہے، وہ آیا بدنی ہوتا ہے اور وہ زنا وغیرہ ہے، یا مالی ہوگا اور وہ ربا وغیرہ ہے۔

اور ثواب آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوگا اور آپ ﷺ کا درجہ تمام درجات سے بالاتر ہے مثل بادل کے، اور یا ثواب امت کے لئے ہوگا اور اس کے تین درجے ہیں (۱) ادنی یہ بچوں کے لئے (۲) اوسط یہ عوام کے لئے (۳) اعلی یہ درجہ شہدا کے لئے ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ اس روایت سے خواب کے تعبیر کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، اور اس میں بتلانا ہے کہ جو آج کوئی بھلائی کرے گا کل قیامت میں اس کو پائے گا، اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے، اور اس میں تعلیم ملتی ہے کہ معبر کو خواب کی تعبیر دن کے شروع میں ہی بتا دینی چاہئے، اس سے پہلے کہ ذہن دنیاوی فکر معاش میں مشغول ہو، اور ان مبادیات کا فائدہ یہ بھی ہے کہ خواب دیکھنے والے کے خواب دیکھنے کا زمانہ قریب ہوتا ہے، اور وہ اپنے خواب کے سلسلہ میں کسی طرح

کی تشویش کا شکار نہیں ہوتا، نیز کبھی خواب میں کوئی ایسا امر ہوتا ہے جس کی طرف سبقت کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً کسی بھلائی پر ابھارنا، اور کسی برائی سے بچانا، اور اس روایت سے علم کے سلسلہ میں مسجد میں گفتگو کی اباحت اور تعلیم وغیرہ کی غرض سے قبلہ کی جانب پشت کر کے بیٹھنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔

اس روایت میں ایک اہم بحث حکم اولاد المشرکین واؤلاد المسلمین سے متعلق ہے، حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاریؒ کا مسلک الناس کے عموم کی وجہ سے مطلقاً نجات کا ذکر کیا ہے، اس لئے خواہ کافر ہو یا مسلمان لوگوں کی اولادیں جو ابراہیم کے گرد ہیں وہ سب ناجی ہیں۔

## الفصل الثانی

## حدیث ۱٤٧٠ ﴿اپنا خواب اپنے دوست ھی کو بتایا جائے﴾ عالمی حدیث: ٤٦٢٢

عَنْ اَبِي رَزِيْنِ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ وَهِيَ عَلٰى رِجْلِ طَائِرٍ مَالَمْ يُحَدِّثْ بِهَا فَاِذَا حَدَّثَ بِهَا وَقَعَتْ وَاَحْسِبُهُ قَالَ لَا تُحَدِّثْ اِلَّا حَبِيْبًا اَوْ لَبِيْبًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ قَالَ الرُّؤْيَا عَلٰى رِجْلِ طَائِرٍ مَالَمْ تُعَبَّرْ فَاِذَا عُبِّرَتْ وَقَعَتْ وَاَحْسِبُهُ قَالَ لَا تَقُصَّهَا اِلَّا عَلٰى وَادٍّ اَوْ ذِيْ رَأْيٍ.

**حوالہ:** ترمذی، ص۵۳ ج۲، باب ما جاء فی تعبیر الرؤیا، کتاب الرؤیا، حدیث ۲۲۷۸، ابوداود، ص۶۸۵، ج۲، باب ما جاء فی الرؤیا، کتاب الادب، حدیث ۵۰۲۰

**حل لغات:** رجل پیر ٹانگ (ج) اَرْجُلٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابورزین عقیلیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے، اور خواب جب تک بیان نہ کیا جائے پرندہ کے پیر پر رہتا ہے۔ اور جب اس کو بیان کردیا جاتا ہے تو وہ اسی طرح واقع ہوجاتا ہے۔ اور میں گمان کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب کو نہ بیان کرو مگر دوست یا عقلمند سے۔ (ترمذی) اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب پرندہ کے پیر پر ہوتا ہے جب تک کہ اس کی تعبیر بیان نہ کی جائے۔ جب تعبیر بیان کردی گئی تو واقع ہوتی ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ آپ نے فرمایا کہ خواب بیان مت کرو مگر دوست یا کسی سمجھدار شخص سے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں دو اہم باتیں مذکور ہیں (۱) مومن کا خواب نبوت کا جزء ہے، اس کے ذریعہ سے اللہ امت کو خیر کی باتیں بتائیں گے۔ (۲) خواب پرندہ کے پیر پر ہے، یہ ایک محاورہ ہے، پرندہ جب پیروں میں کوئی چیز لے کر اڑتا ہے تو وہ چیز گر بھی سکتی ہے اور پرندہ اس کو لے کر منزل تک پہنچ بھی جاتا ہے۔ یہی حال خواب کا ہے، جب تک اس کو کسی سے بیان نہ کیا جائے اس کی تعبیر واقع نہیں ہوتی، وہ خواب کے ساتھ رہتی ہے۔ مگر جب اس کو کسی سے بیان کیا جائے اور وہ تعبیر دے دے تو وہ تعبیر واقع ہوجاتی ہے، لہٰذا ہدایت دی گئی کہ خواب دوست سے یا کسی عقلمند سے ہی بیان کیا جائے۔ عقلمند بے سوچے سمجھے تعبیر نہیں دے گا، اور اچھی تعبیر دے گا، اور دوست بھی یا تو اچھی تعبیر دے گا یا خاموش رہے گا، غرض تعبیر سے خواب کا تحقق ہوتا ہے، جب تک اس کی تعبیر نہ نکالی جائے اس کا تحقق نہیں ہوتا، اور اگر خواب دیکھنے والا خود تعبیر کے فن سے واقف ہے تو جب تک اس کے ذہن میں کوئی تعبیر نہ آئے خواب واقع نہیں ہوتا، ہاں جب اس کے ذہن میں کوئی تعبیر آجائے تو اس کا تحقق ہوگا۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** رؤیا المومن جزء من ستۃ اس جزء کی تفصیلات کے لئے عالمی حدیث ۴۶۰۸ دیکھیں۔ وھی علی رجل طائر جب تک خواب کی تعبیر نہ کی جائے وہ پرندہ کے پاؤں پر ہوتا ہے۔ علامہ طیبیؒ نے

مطلب بیان کیا ہے کہ خواب اسی تعبیر پر برقرار رہتا ہے جو تقدیر میں ہے، اگر اس خواب کا خارج میں واقع ہونا ہے تو اس کو صحیح معبر مل جاتا ہے، جو تقدیر کے موافق تعبیر کرتا ہے پس ویسا ہی واقع ہو جاتا ہے، اگر خارج میں واقع نہیں ہوتا ہے تو اس کو معبر نہیں ملتا اور یہ تشبیہ تمثیل ہے۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ خواب دیکھنے والا جب تک اپنے خواب کی تعبیر نہ لے تذبذب اور تردد میں رہتا ہے، کبھی اس خواب کا مفہوم ذہن میں کچھ آتا ہے اور کبھی کچھ، کسی ایک معنی پر اس کی رائے کا استقرار نہیں ہوتا۔ جیسے پرندہ کے پاؤں پر کوئی چیز ہو اس کا استقرار نہیں ہوتا اور جب خواب دیکھنے والا اپنا خواب کسی سے بیان کر کے اس کی تعبیر حاصل کر لیتا ہے تو اس کا تردد ختم ہو جاتا ہے اور ایک معنی خواب کے متعین ہو جاتے ہیں۔ لا تحدث الا حبیباً او لبیباً خواب سمجھدار آدمی یا ہمدرد سے بیان کرنا چاہئے۔ اگر خواب میں دو پہلو ہیں ایک خیر کا ایک شر کا تو جو ہمدرد یا سمجھدار ہوگا وہ خیر والے پہلو کو اختیار کرے گا اور پھر اللہ کے حکم سے وہی واقع ہوگا، اور اگر معبر خواب دیکھنے والے کا مخالف ہوگا تو وہ خواب کے شر والے پہلو کو سامنے رکھ کر تعبیر دے گا۔ اسی وجہ سے ہر کسی سے تعبیر لینے سے منع کیا گیا ہے، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ معبر کی دی ہوئی تعبیر کے واقع ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جو تعبیر وہ دے رہا ہے اس تعبیر کی گنجائش ہو، اگر کوئی گنجائش نہیں ہے اور محض ہمدردی میں موافق دی جا رہی ہے، یا محض بغض سے مخالف تعبیر دی جا رہی ہے، تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ (الکوکب الدری، الدر المنضود، عون الترمذی)

## حدیث ۱۴۷۱ ﴿ورقہ بن نوفل کے بارے میں آپؐ کا خواب﴾ عالمی حدیث: ۴۶۲۲

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَّرَقَةَ فَقَالَتْ لَهُ خَدِيْجَةُ اِنَّهُ كَانَ قَدْ صَدَّقَكَ وَلٰكِنْ مَّاتَ قَبْلَ اَنْ تَظْهَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْتُهُ فِي الْمَنَامِ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ بِيْضٌ وَلَوْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَكَانَ عَلَيْهِ لِبَاسٌ غَيْرُ ذٰلِكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۵٤ ج۲، باب ما جاء فی رؤیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الرؤیا، حدیث ۲۲۸۸، احمد، ص ٦٥، ج٦

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ کے متعلق پوچھا گیا تو حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتایا کہ بے شک انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تھی، لیکن وہ آپ کے اعلان نبوت سے پہلے انتقال کر گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے تھے اور ان کے اوپر سفید کپڑے تھے، اگر وہ جہنمی ہوتے تو ان کے اوپر کوئی اور لباس ہوتا۔ (احمد، ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے آپ کی تصدیق کی اور اس کی وفات ہوگئی تو وہ مومن اور جنتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** عن ورقة بن نوفل: ورقہ بن نوفل ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے، انہوں نے ایام جاہلیت میں بت پرستی سے بیزار ہو کر دین نصرانیت قبول کر لیا تھا اور عبرانی زبان میں مہارت حاصل کی تھی، چنانچہ وہ انجیل کو عربی اور کبھی عبرانی میں لکھتے تھے اور ترجمہ کر کے لوگوں کو سناتے تھے، مشہور تو یہ ہے کہ انجیل سریانی اور توریت عبرانی زبان میں ہے۔ لیکن علامہ کشمیریؒ کی تحقیق یہ ہے کہ دونوں عبرانی میں ہیں۔ سریانی میں کوئی کتاب نہیں ہے۔ بہرحال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیا گیا، اس وقت ورقہ بن نوفل کافی معمر اور نابینا ہو چکے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ورقہ کے پاس گئیں، انہوں نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی لیکن اظہار نبوت اور اعلان دعوت سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا۔ حدیث باب میں نیز بخاری شریف کی حدیث الوحی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ورقہ مومن تھے، لیکن تحقیقی قول کے مطابق ان کو صحابی میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔ علامہ عسقلانیؒ نے کہا کہ ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی، لیکن دعوت الی الاسلام سے پہلے زمانہ فترت وحی میں ان کا انتقال ہو چکا تھا، اس لئے ان کا حال بحیرہ راہب جیسا ہوگا اور ان کو صحابی کہنے میں اعتراض ہے، ابن اسحٰق نے زیادات مغازی میں نقل کیا ہے کہ ورقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ **ابشر ثم ابشر فانا أشهدانك الذى بشربه ابن مريم و أنك نبى مرسل** اس روایت کا آخری حصہ یہ ہے **فلما توفى قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقد رأيت القبس** (ورقہ مراد ہے) **فى الجنة عليه ثياب الحرير لأنه آمن بى و صدقنى** بیہقی نے بھی دلائل میں اس کی تخریج کی ہے اور اسے منقطع کہا ہے، بلقینی اور عراقی نے اسی روایت کو سامنے رکھ کر کہا کہ ایسی صورت میں ورقہ تمام مسلمان مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہیں، اور ابن مندہ نے تو ورقہ کا شمار بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کیا ہے، مستدرک حاکم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ **ان النبى صلى الله عليه وسلم قال لا تسبوا ورقة فإنه كان له جنة او جنتان** پھر حاکم نے کہا کہ **هذا حديث صحيح على شرطهما**۔

بعض علماء نے ورقہ کو اس امت کے مومن میں بھی شمار نہیں کیا، انہوں نے مدار اس پر رکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مامور بالتبلیغ ہونے اور عام طور پر دعوت اسلام دینے کے بعد جو لوگ ایمان لائے وہ اس امت کے مومنوں میں شمار ہوں گے۔ اور قول راجح کی بنا پر ورقہ کا انتقال فترۃ الوحی کے زمانے میں ہوگیا، لہٰذا اس کو اس امت کے مومن میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ حافظ ابن عبدالبر، ابن الاثیر، حافظ بن حجر عسقلانی وغیرہ نے ورقہ کو اس امت کے مومن میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے مدار اس پر رکھا کہ نفس بعثت کے بعد تو انہوں نے تصدیق کی۔ فیض الباری میں ہے کہ ورقہ کا مومن ہونا متفق علیہ ہے۔ بعض یعنی ابن مندہ نے ان کو صحابہ میں بھی شمار کیا ہے، ہاں ان کا اس امت میں ہونا محل تردد میں ہے، چونکہ ظہور دعوت سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا، بہر حال حضرت خدیجہؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ پر ان کو مقدم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان کا مقام ان دونوں کے بعد ہے، چونکہ یہ دونوں بالیقین ظہور دعوت کے بعد زمانہ رسالت میں ایمان لائے ہیں۔ برخلاف ورقہ کے وہ ظہور دعوت سے پہلے اول نبوت میں ایمان لائے۔

**فقالت له خديجة** یعنی ورقہ نے آپ کے زمانۂ دعوت کو نہیں پایا، بلکہ اظہار نبوت اور اعلان نبوت سے پہلے انتقال کر گئے، اس لئے آپ کی شریعت پر عمل نہ کر سکے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ بن نوفل کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کے جواب دینے سے پہلے اپنے چچازاد بھائی کی حالت کو بیان کیا۔ لیکن اسلوب کلام ایسا اختیار کیا کہ ورقہ کی حقیقت بھی واضح ہو جائے۔ اور مرتبہ نبوت کا ادب بھی ملحوظ رہے، ایک طرف حضرت خدیجہؓ نے **انه كان صدقك** سے ان کے ایمان کو ثابت کرنا چاہا، دوسری طرف **وانه مات قبل ان تظهر،** کہہ کر شک بھی ظاہر کر دیا، شاید سائل کے سوال اور آپ کے جواب کے درمیان حضرت خدیجہ کا یہ کچھ کہنا ان کے اس احساس کی بنا پر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کوئی جواب نہ دیں، جو اپنے چچازاد بھائی کے بارے میں سننے میں ان کو ناگوار گذرے، یا ورقہ کے احوال کی یاد دہانی مقصد تھا۔ بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد گرامی "**ارنيه فى المنام**" کے ذریعہ ثابت کر دیا کہ وہ مومن تھے، آپ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ میرے پاس وحی جلی تو نہیں آئی، لیکن خواب میں ورقہ کو میں نے اچھی حالت میں دیکھا اور نبی کا خواب وحی کے درجہ میں ہے۔ **وعليه ثياب بيض** اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان خواب میں کسی مسلمان میت پر سفید کپڑے دیکھے تو یہ میت کے جنتی ہونے کی دلیل ہے۔

(تحفۃ الاحوذی، فیض الباری، مرقات، عون الترمذی)

## حدیث ۱۴۷۲ ﴿خواب میں آپ کی پیشانی پر سجدہ کرنا﴾ عالمی حدیث ۴۶۲۴

وَعَنِ ابْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَمِّهِ اَبِيْ خُزَيْمَةَ اَنَّهُ رَاٰى فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ اَنَّهُ سَجَدَ عَلٰى جَبْهَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَاضْطَجَعَ لَهُ وَقَالَ صَدِّقْ رُؤْيَاكَ فَسَجَدَ عَلٰى جَبْهَتِهِ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ بَكْرٍ كَاَنَّ مِيْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فِيْ بَابِ مَنَاقِبِ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

**حوالہ:** البغوی فی شرح السنة، ص ۲۲۵، ج۱۲، باب اقسام تاويل الرؤيا، حديث: ۳۲۸۵

**ترجمہ:** حضرت ابن خزیمہ بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ ان کے چچا ابوخزیمہؓ نے خواب دیکھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک پیشانی پر سجدہ کررہے ہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ لیٹ گئے اور فرمایا اپنا خواب سچا کرلو، چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر سجدہ کیا، اور حضرت ابوبکرؓ کی حدیث "کان میزانا نزل من السماء" ہم عنقریب مناقب ابوبکر وعمر میں ذکر یں گے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر خواب کا تعلق طاعات وعبادات سے ہے، تو عالم بیداری میں اس پر عمل کرنا مستحب ہے، مثلاً اگر کسی شخص نے خواب دیکھا کہ اس نے روزہ رکھا ہے، یا نماز پڑھی ہے، یا صدقہ کیا ہے یا کسی بزرگ کی زیارت کی ہے، تو اس کو خواب کے مطابق عالم بیداری میں نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، صدقہ خیرات کرنا، یا اس بزرگ کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ (مرقات) اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع وانکساری اور صحابہؓ کی دلداری ودل جوئی بھی خوب سمجھ میں آرہی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** صدق رؤیاك خواب کے مطابق عمل کرلو یعنی میری پیشانی پر سجدہ کرلو۔ کان میزانا اس روایت میں خواب اور اس کی تعبیر کا ذکر ہے، لہٰذا اس روایت کا یہاں ذکر کرنا چاہئے، لیکن مصنف نے ذکر نہیں کیا اس لئے اظہار معذرت کررہے ہیں اور بتارہے ہیں کہ اس میں حضرات شیخین کی تعریف ہے۔ لہٰذا ان کے مناقب سے متعلق باب میں روایت کو ذکر کریں گے۔

# الفصل الثالث

## حدیث ۱۴۷۳ ﴿عالم برزخ کے خواب کی مزید تفصیلات﴾ عالمی حدیث ۴۶۲۵

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يُكْثِرُ اَنْ يَقُوْلَ لِاَصْحَابِهِ هَلْ رَاٰى اَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْ رُؤْيَا فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُصَّ وَاِنَّهُ قَالَ لَنَا ذَاتَ غَدَاةٍ اِنَّهُ اَتَانِي اللَّيْلَةَ اٰتِيَانِ وَاِنَّهُمَا اِبْتَعَثَانِيْ وَاِنَّهُمَا قَالَا لِيْ اِنْطَلِقْ وَاِنِّيْ اِنْطَلَقْتُ مَعَهُمَا وَذَكَرَ مِثْلَ الْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ فِي الْفَصْلِ الْاَوَّلِ بِطُوْلِهِ وَفِيْهِ زِيَادَةٌ لَيْسَتْ فِي الْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ وَهِيَ قَوْلُهُ فَاَتَيْنَا عَلٰى رَوْضَةٍ مُعْتَمَّةٍ فِيْهَا مِنْ كُلِّ نُوْرِ الرَّبِيْعِ وَاِذَا بَيْنَ ظَهْرَيِ الرَّوْضَةِ رَجُلٌ طَوِيْلٌ لَا اَكَادُ اَرٰى رَاْسَهُ طُوْلًا فِي السَّمَاءِ وَاِذَا حَوْلَ الرَّجُلِ مِنْ اَكْثَرِ وِلْدَانٍ رَاَيْتُهُمْ قَطُّ قُلْتُ لَهُمَا مَا هٰذَا مَا هٰؤُلَاءِ قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى رَوْضَةٍ عَظِيْمَةٍ لَمْ اَرَ رَوْضَةً قَطُّ اَعْظَمَ مِنْهَا وَلَا اَحْسَنَ قَالَ قَالَا لِيْ اِرْقَ فِيْهَا قَالَ فَارْتَقَيْنَا فِيْهَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى مَدِيْنَةٍ مَبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَلَبِنِ فِضَّةٍ فَاَتَيْنَا بَابَ الْمَدِيْنَةِ فَاسْتَفْتَحْنَا فَفُتِحَ لَنَا فَدَخَلْنَاهَا فَتَلَقَّانَا فِيْهَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِنْ خَلْقِهِمْ كَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَاءٍ وَشَطْرٌ مِنْهُمْ كَاَقْبَحِ مَا اَنْتَ رَاءٍ قَالَ قَالَا لَهُمُ اذْهَبُوْا فَقَعُوْا فِيْ

ذٰلِكَ النَّهرِ قَالَ فَاِذَا نَهرٌ مُعتَرِضٌ يَجرِیْ كَاَنَّ مَاءَهُ الْمَحْضُ فِی الْبَيَاضِ فَذَهَبُوْا فَوَقَعُوْا فِيهِ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذٰلِكَ السُّوْءُ عَنْهُمْ فَصَارُوْا فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ وَذَكَرَ فِی تَفْسِيرِ هٰذِهِ الزِّيَادَةِ وَاَمَّا الرَّجُلُ الطَّوِيْلُ الَّذِیْ فِی الرَّوْضَةِ فَاِنَّهُ اِبْرَاهِيمُ وَاَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِيْنَ حَوْلَهُ فَكُلُّ مَوْلُوْدٍ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ قَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَمَّا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَانُوْا شَطْرٌ مِنْهُمْ حَسَنٌ وَشَطْرٌ مِنْهُمْ قَبِيْحٌ فَاِنَّهُمْ قَوْمٌ قَدْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص۱۰۴۳-۱۰۴۴ ج۲ باب تعبیر الرؤیا بعد الصبح، کتاب التعبیر، حدیث ۷۰۴۷

**حل لغات:** معتمة تاریک عَتَمَ (ض) عَتْمًا اللیل رات کا تاریک ہوجانا، النور کلی سفید پھول (ج) اَنْوَارٌ، ارق امر حاضر ہے، چڑھئے رقی (ض) رَقْيًا الی القِمَّةِ چوٹی پر چڑھنا، شطر (ج) اَشْطُرٌ نصف آدھا قبیح برا قَبُحَ (ك) قُبْحًا برا ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت سمرہؓ بن جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا وہ اپنا خواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتا۔ ایک دن صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ گزشتہ رات میرے پاس دو آنے والے آئے، ان دونوں نے مجھ کو اٹھایا اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ چلئے، چنانچہ میں ان دونوں کے ساتھ چل دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ اسی کے مثل جو فصل اول کی روایت میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ اور یہ چند باتیں مزید مذکور ہیں جو کہ اس حدیث میں نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ایک گھنے باغیچے میں پہنچے، جس میں موسم بہار کے سب پھول تھے، اور دیکھا کہ اس باغ کے بیچ میں ایک بہت لمبا شخص ہے، آسمان تک لمبائی کے باعث مجھے اس کا سر نظر نہیں آیا، اور اس شخص کے اردگرد اتنے کثیر بچے تھے کہ اتنے کبھی نہیں دیکھے۔ میں نے ان دونوں سے کہا کہ یہ شخص کون ہے اور یہ بچے کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ چلئے، چنانچہ ہم چلے یہاں تک کہ ایک بہت بڑے باغ میں پہنچے۔ میں نے اتنا بڑا باغ اور اتنا خوبصورت باغ کبھی نہیں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دونوں نے مجھ سے کہا کہ اس پر چڑھئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ پھر ہم اس پر چڑھ گئے، اور ایک شہر میں ہم پہنچے جو اس طرح بنایا گیا تھا کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی تھی اور ایک اینٹ چاندی کی، پھر ہم شہر کے دروازے پر آئے اور ہم نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا، چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا، اور ہم لوگ اس میں داخل ہوئے تو اس میں ہمیں کچھ ایسے آدمی ملے کہ ان کے جسم کا نصف حصہ اس سے بہت خوبصورت تھا جتنا خوبصورت تم نے دیکھا ہو اور نصف حصہ اس سے بہت بدصورت تھا جتنا بدصورت تم نے دیکھا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دونوں نے ان لوگوں سے کہا کہ جاؤ اور اس نہر میں کود جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سامنے ایک نہر تھی جو بہہ رہی تھی۔ اس کا پانی خالص سفید تھا، چنانچہ وہ لوگ گئے، اور اس نہر میں کود گئے۔ پھر وہ ہمارے پاس لوٹ کر آئے، تو ان کی بدصورتی جاتی رہی تھی اور وہ لوگ نہایت خوبصورت ہو گئے تھے۔ اس اضافے کی شرح بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ دراز قد شخص جو باغ میں نظر آرہے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے اردگرد وہ بچے تھے جنہوں نے فطرت پر وفات پائی۔ بعض مسلمانوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مشرکوں کی اولاد کا کیا حال ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکوں کے بچے بھی۔ اور وہ لوگ جن کا آدھا بدن خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اچھے کام بھی کئے اور برے بھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔ (بخاری)

**خلاصہ حدیث** اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خواب کا ذکر ہے۔ یہ درحقیقت منامی معراج ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کیا اور بہت سے گنہگاروں کو سزا پاتے دیکھا، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین کے بچے بھی جنت میں جائیں گے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ذات غداۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت سورج نکلنے سے پہلے یہ خواب بیان فرمایا تھا۔ یہ روایت تفصیل سے ماقبل میں گذر چکی ہے۔

## حدیث ۱٤٧٤ ﴿خواب گڑھنے کی مذمت﴾ عالمی حدیث: ٤٦٢٦

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ اَفْرَى الْفِرٰى اَنْ يُّرِىَ الرَّجُلُ عَيْنَيْهِ مَالَمْ تَرَيَا رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۱۰٤۳ ج ۲، باب من کذب فی حلمه، کتاب التعبیر، حدیث: ۷۰٤۳

**حل لغات:** افری (اسم تفضیل) سب سے بڑا جھوٹ فِرىٰ (ض) فَرْيًا الکذبَ جھوٹ گڑھنا تہمت لگانا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ آدمی کسی چیز کو دیکھنے کا دعویٰ کرے اور اس نے وہ چیز دیکھی نہ ہو۔ (بخاری)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں جھوٹے خواب یعنی خواب دیکھے بغیر گڑھ کر خواب بیان کرنے کو بہتان قرار دے کر اس عمل کی مذمت کی گئی ہے، خواب نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز ہونے کے ناطے وحی کے قائم مقام ہے۔ اور یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، لہٰذا بے بنیاد خواب بیان کرنا حق تعالیٰ پر بہتان باندھنے کے مانند ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من افتری الفری خواب دیکھا نہیں اور دیکھنے کا دعویٰ کرے تو یہ سب سے بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ خواب کے فرشتے کو بندہ کے پاس خواب دکھانے کے لئے بھیجتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا نہیں اور یہ فرشتے کے آنے کا دعویٰ کر رہا ہے اس اعتبار سے یہ اللہ پر بہتان باندھ رہا ہے۔ (مرقات)

## حدیث ۱٤٧٥ ﴿سچا خواب کس وقت ہوتا ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٦٢٧

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْاَسْحَارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَالدَّارِمِىُّ

**حوالہ:** ترمذی، ص ٥٤ ج ۲، باب قوله تعالیٰ لهم البشری، کتاب الرؤیا، حدیث: ۲۲۷٤، دارمی، ص ۱٦۹، ج ۲، باب اصدق الرؤیا بالاسحار، کتاب الرؤیا، حدیث: ٤١٤٦

**حل لغات:** اسحار (ج) واحد السَّحَرُ، رات کا اخیر اور فجر سے کچھ پہلے کا وقت، تڑکا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ پچھلے پہر کا خواب سب سے زیادہ سچا ہوتا ہے۔ (ترمذی، دارمی)

**خلاصہ حدیث** پچھلے پہر سکون کا وقت ہوتا ہے، اور یہی وقت نزول ملائکہ کا بھی ہوتا ہے، لہٰذا اس وقت جو خواب دیکھا جاتا ہے وہ زیادہ تر سچا ہوتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اصدق الرؤیا بالاسحار صبح کے وقت کے خواب زیادہ سچے ہوتے ہیں، سحر سے رات کا آخری چھٹا حصہ مراد ہے۔ اس وقت بالعموم نیند پوری ہوجاتی ہے اور معدہ خالی ہوجاتا ہے، اور نفس کے

تقاضے تھم جاتے ہیں، لہٰذا اس وقت ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور ایمان والوں کو سچے اور خوش کن خواب دکھاتے ہیں۔

# کتاب الاداب

## ﴿ آداب کی کتاب ﴾

''آداب'' ادب کی جمع ہے۔''ادب'' کے معنی ہیں تہذیب وشائستگی "ما يحمد فعله ولا يذم تركه" (جس کا کرنا پسندیدہ ہو اور چھوڑنا برانہ ہو) افرادِ انسانی میں حاجتوں کا پیش آنا اور ان حاجتوں میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانا ایسے چند آداب کا تقاضہ کرتے ہیں جن کو لوگ باہم برتیں اور زندگی کو خوشگوار بنائیں، ان آداب میں سے بیشتر ایسے امور ہیں جن کے اصول پر عرب وعجم کا اتفاق ہے، اگرچہ صورتوں اور شکلوں میں اختلاف ہے، ان آداب سے بحث کرنا اور صالح وفاسد کے درمیان امتیاز کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کے مقاصد میں سے اہم مقصد ہے، اس لئے یہ آداب حدیثوں میں آئے ہیں۔(تحفۃ الالمعی) علامہ قسطلانیؒ نے ادب کے معنی لکھے ہیں بڑے کی عزت کی جائے اور چھوٹے کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا جائے، ادب اپنے وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے چوں کہ انسانی زندگی اور معاشرت کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے اس عنوان کے تحت مختلف ابواب آئیں گے، پہلا باب سلام سے متعلق ہے۔

# باب السلام

## ﴿سلام کا بیان ﴾

اس بات کے تحت ۳۹/احادیث مذکور ہیں، جن میں فرشتوں کا حضرت آدمؑ کو سلام کرنا، سلام بہترین عمل ہے، محبت کے قیام کا بہترین ذریعہ سلام ہے، کون کس کو سلام کرے۔ غیر مسلم کو سلام کرنے کا مسئلہ۔ سلام کے سلسلہ میں یہودیوں کی شرارت، مجلس میں سلام کرنے کا طریقہ، سلام میں پہل کرنے کی فضیلت، اشارہ سے سلام کرنا، زمانہ جاہلیت کا سلام اور اس طرح کے دیگر مسائل مذکور ہیں۔

سلام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور یہ تسلیم سے اسم مصدر بھی ہے بمعنی نقائص وعیوب سے پاک اور محفوظ رہنا، اسلام مسلمان کا دوسرے مسلمان کو السلام علیکم کہہ کر اسلامی تہذیب ومعاشرت کا ایک خاص رکن ادا کرتا ہے، اور یہ دعا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت ونگہبانی میں رہے، تجھ کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کے رنج وغم اور آفات ومصیبات سے محفوظ رکھے۔

## ﴿سلام کی ضرورت ﴾

لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ آپس میں خوشی کا اظہار کریں، ایک دوسرے پر لطف ومہربانی کریں، چھوٹا بڑے کی برتری پہچانے، بڑا چھوٹے پر مہربانی کرے، اور ہم زمانہ لوگوں میں بھائی چارہ قائم ہو، اگر یہ باتیں نہیں ہوں گی تو رفاقت کچھ سودمند نہیں ہوگی، اور اس کا خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

پھر ضروری ہے کہ جذبۂ خیر سگالی وخیر اندیشی کے اظہار کے لئے اور مخاطب کو مانوس ومسرور کرنے کے لئے کوئی خاص لفظ متعین کیا جائے، ورنہ جذبہ ایک مخفی چیز ہوگا، جس کو قرائن ہی سے پہچانا جا سکے گا، اول وہلہ میں اس کا پتہ نہیں چلے گا، چنانچہ دنیا کی تمام متمدن اقوام نے اپنی صوابدید کے مطابق تحیہ کا طریقہ متعین کیا ہے، جو بعد میں ان کی ملت کا شعار بن گیا، اور اہل ملت کی اس سے پہچان ہونے لگی، مثلاً زمانہ جاہلیت میں عرب بوقتِ ملاقات کہتے تھے: "أنعم الله بك عينا" اللہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرے،

اور"انعم صباحا"صبح بخیر!(ابوداود حدیث ۵۲۲۷) اور مجوسی کہا کرتے تھے: ہزار سال بزی: ہزار سال جیؤ!

اور قانونِ اسلام کا تقاضا یہ تھا کہ اس سلسلہ میں انبیاء اور فرشتوں کی سنت اپنائی جائے، اور کوئی ایسا کلمہ متعین کیا جائے جو ذکر اور دعا ہو، اور وہ دنیوی زندگی پر مطمئن کرنے والا نہ ہو یعنی اس میں درازئ عمر اور دولت کی فراوانی کی دعا نہ ہو، نہ کوئی ایسا طریقہ ہو جس میں تعظیم میں اتنا مبالغہ ہو کہ اس کی حدود شرک سے مل جائیں، مثلاً سجدہ کرنا یا زمین چومنا، ایسا تحیہ سلام ہی ہے، درج ذیل احادیث میں اس کا بیان ہے۔ (رحمۃ اللہ واسعہ)

## الفصل الاول

### حدیث ۱٤٧٦ ﴿سلام کی ابتداء کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٦٢٨

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ طُوْلُہٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَہٗ قَالَ اذْھَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی اُولٰٓئِکَ النَّفَرِ وَھُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلَآئِکَۃِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَا یُحَیُّوْنَکَ فَاِنَّھَا تَحِیَّتُکَ وَتَحِیَّۃُ ذُرِّیَّتِکَ فَذَھَبَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ فَقَالُوْا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ قَالَ فَزَادُوْہُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ قَالَ فَکُلُّ مَنْ یَّدْخُلِ الْجَنَّۃَ عَلٰی صُوْرَۃِ اٰدَمَ وَطُوْلُہٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمْ یَزَلِ الْخَلْقُ یَنْقُصُ بَعْدَہٗ حَتَّی الْاٰنَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

**حواله:** بخاری، ص ۹۱۹ ج ۲، باب بدء السلام، کتاب الاستئذان، حدیث ٦٢٢٧، مسلم، ص ٣٨٠ ج ٢، باب یدخل الجنة اقوام، کتاب الجنة، حدیث ٢٨٤١

**حل لغات:** النفر آدمیوں کی تین سے دس تک کی تعداد لوگوں کی جماعت (ج) اَنْفَارٌ۔

**ترجمه:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی پسند کی صورت پر پیدا فرمایا، ان کا قد ساٹھ گز کا تھا، جب ان کو پیدا فرمایا تو ان سے کہا کہ جاؤ اور اس جماعت کو سلام کرو، اور وہ جماعت فرشتوں کی تھی، جو کہ بیٹھے ہوئے تھے، غور سے سنا کہ وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں، کیوں کہ وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام گئے اور انہوں نے کہا کہ السلام علیکم فرشتوں نے کہا کہ السلام علیک ورحمۃ اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ فرشتوں نے و رحمۃ اللہ کا اضافہ کیا، آپ فرماتے ہیں کہ جو بھی جنت میں داخل ہوگا وہ آدم کی صورت پر ہوگا۔ اور اس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ ہوگی، اس وقت سے اب تک قد مسلسل کم ہی ہو رہا ہے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مکمل انسان بنا کر یکبارگی پیدا کیا۔ ان کی پیدائش مرحلہ وار نہیں ہوئی اور وہ بچے سے جوان نہیں ہوئے، اس حدیث میں سلام اور جواب سلام اور اس کے الفاظ بھی مذکور ہیں، نیز حضرت آدم علیہ السلام کے قد وقامت کا ذکر ہے، اور اس بات کا بھی ذکر ہے کہ جنت میں جانے کے وقت سب کے قد یکساں ہوں گے اور طویل ہوں گے۔ مزید تفصیلات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** خلق اللہ آدم علی صورتہ، اس جملے کی تشریح میں حضرات محدثین کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ علی صورتہ میں ضمیر لفظ آدم کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ابتدائے آفرینش ہی سے ان ہی کی صورت میں اور شکل پر بنایا اور دوسرے انسانوں کی طرح ان کی تخلیق ان تدریجی مراحل پر نہیں ہوئی کہ جن میں ایک انسان پہلے نطفہ، پھر مضغہ، پھر جنین پھر طفل پھر صبی اور پھر جوان ہو کر خلقت کے مراحل طے

کرتا ہے بلکہ وہ ابتدا میں ہی تمام اعضاء و جوارح اور کامل شکل وصورت کے ساتھ ساٹھ گز قد کے پورے انسان بنائے گئے تھے۔ شارح بخاری علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں دہریہ کے عقیدے پر رد ہے کہ انسان کی خلقت روز اول ہی سے نطفہ، مضغہ کے تدریجی مراحل طے کرتی ہے، انسان نطفہ، اور نطفہ انسان کی پیداوار ہے، اس حدیث میں صراحت آگئی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت نطفے سے نہیں ہوئی بلکہ وہ مٹی سے ابتداء ہی میں اپنی اصل صورت پر پیدا کئے گئے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ علیٰ صورتہ میں ضمیر لفظ اللہ کی طرف راجع ہے اور صورت سے صفت مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفت پر پیدا کیا یعنی ان کو ان صفات کے ساتھ موصوف کیا جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو اور جھلک ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حی، عالم، قادر، مرید، متکلم، سمیع اور بصیر بنایا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ضمیر لفظ اللہ کی طرف راجع ہے، اور صورت سے صفت مراد نہیں ہے، بلکہ صورت و ہیئت ہی مراد ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی اضافت تشریف و تکریم کے لئے ہے، جیسا روح اللہ اور بیت اللہ میں روح اور بیت کی اضافت شرف اور عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے، اس صورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی شکل وصورت کی وجاہت و لطافت اور خوبصورتی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس لطیف و جمیل صورت پر پیدا کیا جو اسرار و لطائف پر مشتمل ہے اور جس کو اس نے اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ اپنے پاس سے عطا کیا۔

**فاسمع ما یحیونك فانها تحیتك و تحیة ذریتك** یعنی آپ سلام کرنے کے بعد سنئے کہ وہ کس طرح جواب میں تحیہ پیش کرتے ہیں، وہی آپ کا اور آپ کے امت کا تحیہ ہوگا۔ ابوذرؓ کی راویت میں یجیبو نك ہے، یعنی وہ کیسے جواب دیتے ہیں۔ **طوله ستون ذراعا** یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی لمبائی ان کی تخلیق کے وقت ساٹھ ذراع تھی۔ ذراع سے کیا مراد ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام کا ذراع یا موجودہ لوگوں کا ذراع؟ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ موجودہ لوگوں کا ذراع مراد ہے۔ حضرت آدمؑ کا ذراع مراد نہیں اور مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قد لمبائی میں آج کے دور کے لوگوں کے ساٹھ ذراع کے بقدر تھا یعنی ساٹھ گز تھا، کیوں کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کا ذراع مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا ذراع ان کے قد کے صرف ساٹھویں حصے کے برابر تھا جو ان کے قد کے لمبائی اور تناسب اعضاء کے اعتبار سے بالکل بے جوڑ معلوم ہوتا ہوگا، کیوں کہ ذراع عموماً ربع اور چوتھائی حصے کے برابر ہوتا ہے اور مناسب اور خوبصورت بھی اسی وقت لگتا ہے جب وہ اس کے ربع کے بقدر ہو۔ ساٹھ گز لمبے انسان کے صرف ایک گز کے ہاتھ ٹھیک اسی طرح بے جوڑ معلوم ہوں گے جیسے آج کے دور کے چھ فٹ کے انسان کا چار انچ کا ہاتھ نامناسب معلوم ہوگا۔ اس لئے ذراع سے اس دور کے عام لوگوں کا ذراع مراد ہے۔ **فقال السلام علیکم** حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کا سلام کیا۔

**سوال** کیا سلام امت محمدیہ کی خصوصیت ہے؟

**جواب:** ذریۃ سے حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت مراد نہیں، بلکہ صرف امت محمدیہ مراد ہے، وجہ یہ ہے کہ دوسری کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام کی مشروعیت امت محمدیہ کی خصوصیت ہے، چنانچہ امام بخاریؒ الادب المفرد میں اور ابن ماجہ نے سنن میں حضرت عائشہؓ سے مرفوع روایت نقل کی ہے **ماحسدتکم الیھود علی شیء ماحسدوکم علی السلام و التامین** یعنی یہودی جس طرح سلام اور آمین کہنے پر تم سے حسد کرتے ہیں کسی اور چیز پر اس طرح حسد نہیں کرتے، اسی طرح حضرت ابوذر غفاریؓ کی ایک طویل مرفوع روایت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے، اس میں ہے **فکنت اول من جاء بتحیۃ الاسلام** یعنی سب سے پہلے مجھے سلام کا تحفہ دیا گیا۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوامامہؓ سے مرفوع روایت نقل کی، اس میں ہے **جعل اللہ السلام تحیۃ لامتنا، و اماناً لاھل ذمتنا.** یعنی سلام ہماری امت کے لئے تحفہ اور اہل ذمہ کے لئے امان ہے۔ سنن ابی داود میں حضرت عمرو بن

حصینؒ کی ایک روایت میں ہے کنا نقول فی الجاھلیة انعم بك عیناً، و انعم صباحاً، فلما جاء الاسلام نهینا عن ذلك یعنی ہم زمانہ جاہلیت میں انعم بك عینا تمہارے ذریعہ آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اور انعم صباحا تمہاری صبح اچھی ہو (صبح خیر) کے الفاظ کہا کرتے تھے، اسلام کے آنے کے بعد ہمیں اس سے روکا گیا۔ مقاتل بن حیان کی روایت میں ہے کہ کانوا فی الجاھلیة یقولون حییت مساءً حییت صباحاً فغیر الله ذلك بالسلام یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ حییت مساءً اور حییت صباحاً کے الفاظ بطور تحیہ کہا کرتے تھے جس کے معنی ہیں تم صبح وشام زندہ آباد رہو، اللہ نے اسے سلام سے بدل دیا۔ فقال: السلام علیکم حضرت آدم علیہ السلام سے سلّم کہا گیا تھا السلام علیکم، کے الفاظ یا تو انہوں نے امر کے صیغے سے ازخود سمجھ لیا اور یا اللہ جل شانہ نے بذریعہ الہام یہ الفاظ انہیں سکھادیئے۔ السلام علیکم الف لام کے ساتھ بہتر اور افضل ہے اگر کوئی بغیر الف لام کے سلام علیکم کہے تو بھی صحیح ہے قرآن میں ہے فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسه الرحمة اور ایک آیت میں ہے سلام علی نوح فی العالمین ان دونوں آیات میں سلام بغیر الف لام کے ہے۔

**علیکم السلام کہنے کا حکم:** اگر کوئی شخص علیکم السلام کہے تو راجح قول کے مطابق یہ بھی سلام کا صیغہ ہے اور اس سے سلام ادا ہو جائے گا البتہ قاضی عیاض اور امام غزالی نے اس کو مکروہ کہا ہے، لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا و المختار لا یکره، ویجب الجواب لأنه سلام یعنی قول مختار یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے اس لئے کہ یہ سلام ہے، سنن ابی داود اور سنن ترمذی میں ابو جری جابر بن سلیم سے روایت ہے کہ أتیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلت: علیکم السلام، یا رسول الله! قال: لا تقل علیك السلام فان علیك السلام تحیة الموتی ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیک السلام مت کہو، کیوں کہ علیک السلام مردوں کا تحیہ ہے، اس روایت سے علیک السلام کی کراہت معلوم ہوتی ہے۔

فقالوا السلام علیکم و رحمة الله فزادوه و رحمة الله یعنی فرشتوں نے جواب میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا، یہ اضافہ بالاتفاق مستحب ہے۔ اگر سلام کرنے والے نے ورحمۃ اللہ کہا تو جواب میں برکاتہ کا اضافہ مستحب ہے۔

**ومغفرته و رضوانه کے اضافے کا حکم:** و برکاته کے بعد سلام اور اس کے جواب میں و مغفرته و رضوانه کا اضافہ مشروع ہے، یا نہیں اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔

امام مالک نے موطا میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے اس میں ہے انتهی السلام الی البرکة یعنی و برکاته پر سلام مکمل ہو جاتا ہے، لیکن حضرت انسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ سے ایسی روایات منقول ہیں جن میں و برکاته کے بعد اضافہ منقول ہے۔ یہ روایات اگر چہ ضعیف ہیں، تاہم سب کو ملانے سے، و برکاتہٗ کے بعد اضافہ کی مشروعیت ثابت ہو جاتی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں و هذه الاحادیث الضعیفة اذا انضمت قوی ماجتمعت علیه من مشروعیة الزیادة علی "وبرکاته"

یہاں روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے السلام علیکم کہا، اور فرشتوں نے جواب میں "السلام علیك" کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سلام کے جواب میں وہی صیغہ استعمال کرتے ہیں جو سلام کے لئے خاص ہے ایک روایت میں و علیك السلام ہے، جواب میں اگر کسی نے صرف وعلیکم کہہ دیا تو بھی کافی ہے، البتہ علیکم بغیر واؤ کے کہا تو جواب کے لئے کافی نہیں۔

**سلام اور اس کے جواب سے متعلق مزید احکام:** سلام کرنا مسنون اور جواب دینا واجب علی الکفایہ ہے، جماعت میں سے کسی ایک نے جواب دے دیا تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ سلام کرنے اور اس کا جواب دینے میں

ضروری ہے کہ اس قدر آواز کے ساتھ ہو کہ ساتھ والا سن سکے، اس سے آہستہ اگر کہا ہے تو وہ شرعاً کافی نہیں ہے، سلام کا جواب فوراً دینا واجب ہے، اگر اس میں تاخیر کردی گئی تو گناہ گار ہوگا۔ غائب کا سلام اگر کوئی پہنچا رہا ہو تو اس کے جواب میں **وعلیکم وعلیہ السلام** کے الفاظ کہنے چاہئے۔

**فلم یزل الخلق ینقص حتی الآن:** یہاں حتیٰ بمعنی الی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ساٹھ ذراع سے انسان کی قامت آہستہ آہستہ پست ہوتی گئی اور تقریباً چھ فٹ تک آ کر رہ گئی، نقص اور کمی کا یہ سلسلہ ہر صدی میں جاری رہا یہاں تک کہ رسول اللہ کے زمانے پر آ کر رک گیا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے اس مقام پر ایک اشکال ہے، جس کا صحیح جواب اب تک مجھ سے نہیں بنا، وہ یہ کہ نقص کا یہ سلسلہ جو ہر صدی میں تھا، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قوم ثمود تک، اس میں کوئی خاص کمی نہیں ہوئی، اس لئے کہ قوم ثمود کے جو آثار ملے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کمی نہایت کم ہوئی ہے، وہ لوگ نہایت بلند قد و قامت کے مالک تھے اور قوم ثمود کے بعد آج تک انسانی قامت میں جو کمی آئی ہے وہ بہت زیادہ ہے کیوں کہ قوم ثمود اور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں بہت فاصلہ ہے جب کہ قوم ثمود سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک فاصلہ نسبتاً کم ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں **و یشکل علی هذا ما یوجد الآن من آثار الأمم السالفة دیار ثمود فان مساکنهم تدل علی ان قاماتهم لم تکن مفرطة الطول علی حسب ما یقتضیه الترتیب السابق، و لا شك ان عهدهم قدیم و ان الزمان الذی بینهم و بین آدم دون الزمان الذی بینهم و بین اول هذه الامة.**

**ولم یظهرلی الی الآن ما یزیل هذا الاشکال:** اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث میں نقص کا ذکر مطلق ہے، زمانے کے کسی مخصوص مقدار اور کسی خاص تناسب سے نقص کا ذکر نہیں، لہٰذا اگر قوم ثمود تک نقص زیادہ نہیں بعد میں زیادہ ہو تو اس میں اشکال کی بات نہیں۔

(میں نے یہ مباحث کشف الباری سے نقل کیے ہیں وہاں ہر بات کا حوالہ اہم کتب سے درج ہے)

## حدیث ۱۴۷۷ ﴿ہر ایک کو سلام کرنا بہت عمدہ خصلت ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٦٢٩

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حواله:** بخاری، ص ۹۲۱ ج ۲، باب السلام للمعرفة و غیر المعرفة، کتاب الاستئذان، حدیث ٦٢٣٦، مسلم، ص ٤٨ ج ۱، باب بیان تفاضل الاسلام، کتاب الایمان، حدیث ۳۹.

**ترجمه:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا اسلام سب سے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کھانا کھلاؤ اور یہ کہ تم سلام کرو اس کو جس کو جانتے ہو اور اس کو بھی جسے تم نہیں جانتے ہو۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی کو کھانا کھلانا بڑے اجر کا کام ہے، خاص طور پر بھوکے اور ضرورت مند کو کھانا کھلانا بڑی نیکی ہے۔ اپنا ہو یا پرایا حتیٰ کہ جانور کو کھلانا بھی اجر کثیر کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح ہر مسلمان کو سلام کرنا بہت عمدہ خصلت اور بڑی نیکی ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ سلام کا تعلق شناسائی سے نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کو سلام کرنا چاہئے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

ان رجــلا حافظ ابن حجر اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ان کا نام معلوم نہ ہو سکا، البتہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ رجل سے مراد حضرت ابوذر ہیں۔ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ابن حبان کی روایت میں ہے کہ وہ قاضی شریح کے والد ماجد ہانی بن مرثد ہیں۔

**ای الاسلام خیر:** ضابطہ یہ ہے کہ ای کی اضافت متعدد چیز کی طرف کی جاتی ہے، مفرد کی طرف نہیں اس لئے تقدیر عبارت یہ ہوگی ای خصــال الاسلام خیر یعنی اسلامی امور میں سے کون سا امر سب سے عمدہ و بہتر ہے۔ امام مسلمؒ اس روایت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلامی امور تو بہت سارے ہیں، لیکن سب ایک طرح کے نہیں بلکہ بعض امور کو بعض پر فوقیت حاصل ہے، بعض اعلیٰ اور بعض اس سے کمتر ہیں اور جب اسلامی امور میں فرق مراتب ہے تو اس سے خود بخود نتیجہ نکل آتا ہے کہ مومنوں میں بھی فرق مراتب ہے گو انسان ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہیں، لیکن باہمی فرق مراتب ایمانی اوصاف کے لحاظ سے ہے ان اکرمکم عندالله اتقاکم کا یہی مطلب ہے۔

**افضل اعمال کون ہیں؟:** اس روایت میں بلکہ اکثر روایات میں سوال ایک ہے کہ اسلامی امور میں افضل و بہتر عمل کون ہے؟ لیکن آپ نے اسی ایک سوال کے مختلف جوابات عطا فرمائے ہیں، کسی نے جب ای الاســلام خیــر کا سوال کیا، تو اس کے بعد جواب میں اطعام الطعام اور اقراء السلام فرمایا کہیں ای الـمسلمین خیر کے جواب میں من سـلم المسلمون من لسانه و يده ارشاد فرمایا، حضرت ابوہریرہؓ کے روایت میں قـال سـئـل رسـول الـلـه صلی الله علیه وسلم: ای الاعمال افضـل؟ قـال: ایمان بالله. قیل: ثم ماذا قال الجهادفی سبیل الله، قیل ثم ماذا قال حج مبرور. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے قـال: سـألت رسول الله صلی الله علیه وسلم ای الاعمال افضل و فی روایةای الاعمال احب الی الله؟ قال الصلوٰة لوقتها، قال ثم ای قال بر الوالدین قلت ثم ای؟ قال الجهاد فی سبیل الله. وارد ہے۔
غرض سوال ایک ہی ہے، مگر جوابات مختلف ہیں۔ حالانکہ خیر اسم تفضیل ہے تو سب سے عمدہ ایک ہی چیز ہو سکتی ہے، متعدد چیزوں پر خیر یا افضل، یا احب کا اطلاق کیسے درست ہو سکتا ہے، اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں

(۱) سائل کے احوال کے مختلف ہونے کی بنا پر جوابات مختلف ہیں، یعنی اگر سائل میں اطعام الطعام اور افشاء السلام کی صفت میں کمی محسوس کی تو وہاں انہیں دو باتوں پر زور دیا، کہیں سائل میں حقوق والدین کی کمی محسوس کی تو وہاں حقوق والدین پر ہی زور دیا، کسی سائل میں وقت پر نماز ادا کرنے کی کوتاہی محسوس کی تو مناسب حال وقت پر نماز ادا کرنے کی ترغیب دلائی، غرض جن کے مناسب حال جو صفت معلوم ہوئی وہ آپ نے ارشاد فرمائی۔ (۲) جواب کا اختلاف زمانہ کے اختلاف پر مبنی ہے، کہ جس زمانہ میں جس بات کی زیادہ ضرورت تھی اس پر زور دیا، جنگ کے زمانہ میں جہاد فی سبیل اللہ، مسلمانوں کے غربت اور افلاس کے زمانہ میں جود و سخا، انتشار و افتراق کے زمانہ میں کثرت سلام پر ابھارا، گویا تقاضاء وقت کا لحاظ کرتے ہوئے جواب عنایت فرمایا۔ (۳) ایمان باللہ جہاد فی سبیل اللہ یا اطعام الطعام افشاء السلام وغیرہ ان چیزوں پر احبیت اور خیریت کا حکم لگا کر در حقیقت افضلیت کے مختلف وجوہات کی طرف رہنمائی کرنی ہے کہ فضیلت کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں، کسی وجہ سے بعض کو افضل کہا جائیگا، تو دوسری وجہ سے دوسرے کو افضل کیا جائیگا، مثلاً بعض جہت سے ایمان افضل ہے تو کسی جہت سے جہاد، اور کسی اور جہت سے اطعام طعام وغیرہ (۴) طعام و سلام کو افضل کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سب کے نزدیک یہ امور ہیں، خواہ مسلمان ہو یا کافر نیکو کار ہو یا فاسق اس کی اچھائی فطری ہے، اس کے برتنے سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے، دشمنی اور عداوت، دور ہوتی ہے، جیسے مجرم کو عفو و درگذر کرنا سب سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا، بیکسوں کے ساتھ رواداری اور غم خواری کرنا بھوکوں کو کھانا کھلانا اور ہر شخص کو سلام کرنا یہ وہ امور ہیں کہ اس کو ہر طبقہ کے لوگ عمدہ اور اچھا سمجھتے ہیں، اور اگر اس جہت

سے دیکھا جائے کہ سب سے زیادہ اجر وثواب ایمان باللہ میں ہے اس لئے کہ ایمان باللہ ابتداء اسلام میں سب سے دشوار گذار تھا اور جو کام جتنا مشقت آمیز ہوگا اس میں اتنا ہی اجر وثواب ہوگا، اس کے بعد جہاد کا درجہ ہے، کیوں کہ اپنی جان ومال کو قربان کردینا اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے دشمنوں کے تلوار کے سامنے آنا بہت بڑا ایثار اور بہت بڑی قربانی ہے، اس کے بعد حج مبرور کا نمبر ہے کہ سفر کی مشقت وطن بال بچوں کو چھوڑ کر مال خرچ کر کے جانا یہ امر مشکل ہے، پھر یہ کہ تخلیق انسانی کا مقصد عبادت ہے اور عبادت میں نماز غایت درجہ تواضع و انکساری کا مظہر ہے، اس لئے وقت پر نماز کی ادائیگی کو افضل کہا جائے گا، پھر چونکہ اس دنیا میں انسان کے وجود کا سبب ظاہری والدین ہیں اس لئے ان کے احسان کے صلہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا یہ افضل قرار پایا ہے۔ غرض ہر قوم کی جہت سے افضل کام اطعام طعام اور افشاء السلام، دشواری کے لحاظ سے ایمان اس کے بعد جہاد پھر حج مبرور ہے اور انسان کی افضلیت کے لحاظ سے وقت پر نماز افضل ہے، یہ جواب سب سے عمدہ ہے۔

**لفظ خیر افضل اور احب میں فرق:** افشاء السلام کی فضیلت کے لئے لفظ خیر استعمال کیا، کیوں کہ خیر کے مقابلے میں شر آتا ہے، چونکہ یہ چیز ہر قوم میں عمدہ ہے، اس لئے اس میں شر وفتنہ کا احتمال نہیں، اور دوسری قسم یعنی ایمان باللہ جہاد فی سبیل اللہ اور حج مبرور کی افضلیت کو افضل سے تعبیر کیا گیا، کیوں کہ افضل فضل سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی زیادہ کے ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں نقص آتا ہے چونکہ یہ امور مشقت ومحنت سے حاصل ہوتے ہیں اس لئے اس میں اجر وثواب بھی زیادہ ملتا ہے، اور تیسری قسم یعنی الصلوٰۃ لوقتها کی فضیلت کو احب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ احب کے مقابلہ میں البغض آتا ہے، چوں کہ نماز میں بندہ اپنی انتہائی انکساری اور خاکساری کا اظہار کرتا ہے۔ اور یہ چیز خدا کو بہت پسندیدہ ہے اس کے مقابل کبر اور سرکشی خدا کو حد درجہ ناپسندیدہ ہے۔

**تطعم الطعام** یہاں ایک اشکال تو یہ ہے کہ اسلام کا کونسا عمل افضل وبہتر ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ کھانا کھلاؤ تو اس صورت میں بظاہر سوال وجواب میں مطابقت معلوم نہیں ہوتی، جواب یہ ہے کہ یہاں اَنْ مصدر یہ مقدر ہے، اس لئے تطعم الطعام بمعنی اطعام طعام ہے لہذا کوئی اشکال نہیں، تاہم فعل مضارع کا صیغہ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ تاکہ استمرار پر دلالت کرے اور اشارہ ہو کہ اس عمل خیر کی عادت ڈالو۔

دوسری بات یہ ہے کہ تطعم دو مفعول کو چاہتا ہے لیکن یہاں ایک مفعول محذوف ہے تاکہ تعمیم کی طرف اشارہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اس لفظ میں اتنی وسعت ہے کہ نہ کسی وقت کی قید ہے نہ مسلمان اور کافر کا فرق، یہاں تک کہ انسان وحیوان میں بھی امتیاز نہیں ہے، صحابہ کرام نے اس ارشاد کی تعمیل اس گرم جوشی کے ساتھ کہ اپنے پاس اپنے بچوں کی صرف ایک وقت کی خوراک رکھتے، خود کو بھوکا رکھنا اور دوسروں کو کھلا دینا پسند کیا۔ **یوثرون علی انفسهم و لو کان بهم خصاصة۔**

**و تقرأ السلام علی من عرفت الخ** سلام میں جان پہچان کی تخصیص نہ کرنا اخلاص کی دلیل ہے، علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ **علی من عرفت و من لم تعرف** اشارہ ہے کہ تمہارا اسلام اسلامی سلام ہونا چاہئے جو خالصاً لوجہ اللہ ہو، تصنع اور حظ نفس سے خالی ہو، لہذا صرف پہچان والے سے سلام کرنے میں حظ نفس، دنیوی غرض کا احتمال وتشابہ رہتا ہے اس لئے ہر کس وناکس کو سلام کرنا چاہئے، بیہقی نے روایت نقل کی ہے کہ قیامت کی علامت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ صرف پہچان والوں کو ہی سلام کیا جائے، اسی لئے افشاء سلام اس امت کا شعار ہے۔ گزشتہ حدیث میں یہ صراحت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد خدا نے فرمایا کہ جاکر فرشتوں کو سلام کریں، اور سنیں کہ کیا جواب دیتے ہیں وہی آپ کی اولاد کا سلام ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام تشریف لے گئے اور فرمایا **السلام علیکم**، تو فرشتوں نے جواباً کہا **و علیك السلام و رحمة الله** اس سے معلوم ہوا کہ سلام آدمیت کا تحفہ ہے۔

**سلام کے چند اہم مسائل:** سلام میں پہل کرنا سنت موکدہ ہے، مخاطب اگر تنہا ہو تو اس پر جواب دینا واجب ہے، اگر مخاطب جماعت ہے تو ایک فرد کے جواب دینے سے وجوب ساقط ہو جائے گا۔ سلام میں مسلمان کی تخصیص ہے غیر مسلموں کو سلام کرنا جائز نہیں۔ علامہ شامیؒ نے تفصیل سے لکھا ہے کہ کن لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس کو اصولی انداز میں بیان فرمایا ہے:

(۱) ہر وہ شخص جو کسی معصیت میں مبتلا ہو جیسے شطرنج کے کھیل وغیرہ میں (۲) نجاست کی حالت میں مشغول ہو جیسے پیشاب و پاخانہ کی حالت میں ہو۔ (۳) طبعی حاجت میں مشغول ہو جیسے کھانا کھاتے وقت یا پانی پیتے وقت میں (۴) طاعت میں مشغول ہو جیسے تلاوت، اذان، اقامت، نماز، درس درمیان خطبہ، فقہی بحث وتحقیق وغیرہ ان حالات میں سلام کرنا مکروہ ہے۔ تاہم اگر کسی نے سلام کر لیا تو مخاطب پر جواب دینا واجب نہیں، ہاں تلاوت کرنے والے کے بارے میں صاحب بزازیہ کا کہنا ہے کہ اس کو جواب دینا چاہئے۔

**افشاء سلام کا حکم کس ماحول میں دیا گیا:** عرب کی زندگی قتل وغارت گری سے ایسی خوف زدہ ہو گئی تھی، کہ جب کوئی اجنبی شخص کسی شخص سے ملتا تو وہ اس کو موت کا فرشتہ نظر آتا، اور جب تک اس کی جانب سے اطمینان نہیں ہو جاتا خوف زدہ ہی رہتا، اسلام نے آکر یہ تعلیم دی، کہ خوف وہراس کا دور ختم ہوا سلامتی وامن کا دور آچکا ہے، اور اس کے اعلان کے لئے سب سے پہلے لفظ سلام مقرر کیا، تاکہ پہلی ہی ملاقات میں یہ بات صاف ہو جائے کہ اب تم میری طرف سے کسی قسم کا خطرہ محسوس نہ کرو، کیوں کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، اس لفظ کو چلتے پھرتے اس کثرت سے استعمال کرنے کا حکم دیا کہ ہر طرف سے خوف دور ہو اور سلامتی کی برکتیں پورے عالم میں انسان کو میسر ہوں۔ (یہ مباحث نفع المسلم سے منقول ہیں، وہاں معتبر کتب کے حوالے درج ہیں)

## حدیث ۱۴۷۸ ☆☆☆ عالمی حدیث ۴۶۳۰

## ﴿ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے کچھ حقوق کا ذکر﴾

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ يَعُوْدُهُ إِذَا مَرِضَ وَيَشْهَدُهُ إِذَا مَاتَ وَيُجِيْبُهُ إِذَا دَعَاهُ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ وَيَنْصَحُ لَهُ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ لَمْ أَجِدْهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ النَّسَائِيِّ.

**حوالہ:** نسائی، ج ۲، باب ما جاء فی تشمیت العاطس، کتاب الادب، حدیث: ۲۷۳۷

**حل لغات:** خصالٍ (ج) ہے واحد خصلةٌ، يَشْهَدُ شَهِدَ (س) شُهُوْدًا المجلس مجلس میں آنا شریک ہونا، الحادث جائے واردات پر موجود ہونا، یجیب أَجَابَ افعال اجابةً کسی بات کا جواب دینا، یشمت شَمَّتَ (تفعیل) العاطس چھینکنے والے کو یرحمك الله وغیرہ کہہ کر دعا دینا، عَطَسَ (ض) عَطْسًا چھینک آنا، چھینکنا، نَصَحَ (ف) نَصْحًا له کسی کے ساتھ ہمدردی کرنا، ایسی بات بتانا جس میں اس کا مفاد ہو۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے چھ حق ہیں: (۱) جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے (۲) جب انتقال ہو تو جنازہ میں شرکت کرے (۳) جب دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے (۴) جب اس سے ملاقات ہو تو سلام کرے (۵) جب چھینکے تو اس کو جواب دے (۶) اور اس کی خیر خواہی کرے، خواہ وہ موجود ہو یا موجود نہ ہو۔ میں نے اس روایت کو بخاری ومسلم میں نہیں پایا۔ اور نہ حمیدی کی کتاب میں ملی۔ لیکن صاحب جوامع نے اس کو نسائی کی روایت سے بیان کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** مسلمانوں کو ایک دوسرے کا ہمدرد اور خیر خواہ ہونا چاہئے آپ ﷺ نے مسلم معاشرہ کو متحد و متفق بنانے کے لئے کچھ امور کی تعلیم دی ہے اس حدیث میں بھی جن باتوں کی تعلیم دی گئی ہے اور جن کو ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق بتایا گیا ہے، وہ باتیں ہیں جن پر عمل کرنے سے باہمی محبت و الفت پروان چڑھتی ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ان حقوق کی ادائیگی ضرور کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ستّ خصال چھ حق ہیں، عالمی حدیث ۱۵۲۵ گذری، اس میں اس کی صراحت ہے کہ حق المسلم علی المسلم ست مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ یعوده اذا مرض ایک مسلمان بیمار ہے تو دوسرے مسلمان کو عیادت کرنا چاہئے، مریض کی عیادت پر بڑا اجر ہے۔ آپ کا فرمان ہے ان المسلم اذا عاد اخاه المسلم لم یزل فی خرفة الجنة (بلاشبہ ایک مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرنے جاتا ہے تو جب تک وہ واپس نہیں آجاتا ہے، جنت کی میوہ خوری میں رہتا ہے۔ (مسلم) پورا باب گذرا ہے "باب عيادة المريض" (بیماری کی عیادت کا بیان) اس باب کے تحت تقریباً ۴۷ حدیثیں ہیں، ان کو پڑھا جائے۔ دیکھیں فیض المشکوٰۃ، ج سوم، ویشهده اذا مات مسلمان مرجائے تو نماز جنازہ میں شرکت کرے، نماز جنازہ پڑھنے اور میت کے پیچھے چلنا بھی بڑا اجر کا ذریعہ ہے اس سلسلہ میں بھی کتاب الجنائز میں پورا باب ہے۔ باب المشي بالجنازة و الصلوٰة عليها" (جنازہ کے ساتھ چلنے اور نماز جنازہ کا تذکرہ) اس باب کے تحت تقریباً چوالیس احادیث مذکور ہیں، تفصیلات کے لئے فیض المشکوٰۃ، ج سوم دیکھیں۔ و یسلم علیه اذا لقیه ملاقات ہونے پر سلام کرنا چاہئے۔ سلام سے متعلق تفصیل گزشتہ حدیث میں اور اس سے پہلے والی حدیث میں کافی تفصیل سے ذکر کی گئی ہے۔ و یجیبه اذا دعاه مسلمان دعوت دے تو قبول کرنا چاہئے۔ اگر کوئی مسلمان اپنی مدد کے لئے دوسرے مسلمان کو پکار رہا ہے تو حتی الامکان اس کی مدد لازم ہے، بعض لوگوں نے دعوت سے ضیافت مراد لیا ہے، یعنی اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو مہمان بنا رہا ہے تو اس کی دعوت قبول کرنا چاہئے، لیکن یہ جب ہے کہ جب اس میں گناہ نہ ہو۔ و یشمته اذا عطس چھینکنے والے کو "یرحمك الله" کہہ کر دعا دینا چاہئے۔ جب کسی کو چھینک آئے تو اس کو "الحمدلله" کہنا چاہئے، اس کے جواب میں اس کا مسلمان بھائی یرحمك الله کہے، پھر چھینکنے والا "یهدیکم الله و یصلح بالکم" کہے کیوں کہ چھینک آنا ایک قسم کی شفا ہے اس کے ذریعہ ایسی رطوبت دماغ سے نکلتی ہے کہ اگر وہ نہ نکلے تو کسی تکلیف یا بیماری کا اندیشہ پیدا ہو جائے، تو صحت کی حالت میں چھینک آنا اللہ کا فضل ہے، اور اس پر حمد ضروری ہے نیز چھینک آنے پر حمد کرنا حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے اور اسلامی شعار ہے، حمد کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ چھینکنے والا ملت انبیاء کا تابع دار ہے اور ان کی سنتوں پر عمل کرنے کا پختہ عزم رکھتا ہے، اور حمد کے جواب میں یرحمك الله کہنا اس وجہ سے مشروع کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تحمید کے جواب میں "یرحمك الله" فرمایا تھا، نیز تحمید کرنے والے کے دین پر اور سنن انبیاء پر استقامت کا یہ حق ہے کہ اس کو یہ دعا دی جائے، اسی وجہ سے جواب دینے کو حقوق اسلام میں شمار کیا گیا ہے۔ پھر "یهدکم الله" کا جواب اس لئے مشروع کیا گیا ہے کہ وہ نیکی کا بدلہ نیکی کے باب سے ہے۔ (مستفاد تحفۃ الالمعی) و ینصح له اذا غاب او شهد مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ہر حال میں خیر خواہ رہیں، موجودگی اور غیر موجودگی سے خیر خواہی میں اثر نہ پڑے۔ لم اجده فی الصحیحین صاحب مشکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث کو فصل اول میں ذکر کرنا مناسب نہیں ہے، کیوں کہ یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ہے۔

## حدیث ۱۴۷۹ ﴿محبت پیدا ہونے کا ذریعہ سلام ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۶۳۱

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا

اَوَلَا اُدُلُّکُمْ عَلٰی شَیْئٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۵۴ ج۱، باب بیان انه لا تدخل الجنة الا المؤمنون، کتاب الایمان، حدیث ۵۴

**حل لغات:** تحابوا (تفاعل) باہم محبت رکھنا وتعلق رکھنا، افشوا امر حاضر عام کرو پھیلاؤ اَفْشٰی (افعال) پھیلانا عام کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں داخل نہ ہوگے یہاں تک کہ ایمان نہ لے آؤ، اور ایمان لانے والے نہ ہوگے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو۔ میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اس کو کرو گے تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے۔ سلام کو آپس میں پھیلاؤ۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سلام کرنے سے مسلمانوں میں محبت ومودت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس محبت سے ایمان میں ترقی نصیب ہوتی ہے اور ایمان پختہ ومضبوط ہوتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا فعلتموہ تحاببتم محبت بڑھانے کا طریقہ سلام ہے، جب زبان سے سلام کیا جائے گا تو دل میں سلامتی کا جذبہ پیدا ہوگا اور اس کے نتیجہ میں ایمان میں کمال آئے گا اور کمال اول وہلہ میں دخول جنت کا مستحق بنادے گا، گویا اسلام سے محبت پیدا ہوئی اور محبت سے ایمان میں کمال آیا، اور کمال ایمان دخول اولی کا ذریعہ بنا، سلام میں الفت ومحبت کی کشش ہے اور اس سے تواضع وانکساری پیدا ہوتی ہے، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے یہ مقولہ نقل کیا ہے "ثلاث من جمعهن فقد جمع الایمان: الانصاف من نفسك، و بذل السلام للعام و الانفاق من الاقتار" تین باتوں سے ایمان میں کمال پیدا ہوتا ہے (۱) انصاف طبیعت بن جائے، یا اپنی ذات پر بھی انصاف نافذ کرنے لگے (۲) شناسا اور ناشناسا سبھی سے سلام کرے (۳) ضرورت مند ہوتے ہوئے دوسروں پر خرچ کرے۔ امام بخاریؒ کے علاوہ دوسرے حضرات نے اس مقولہ کو حدیث مرفوع بتایا ہے۔ (نفع المسلم)

## حدیث ۱۴۸۰ ﴿سوار پیدل کو سلام کرے﴾ عالمی حدیث: ۴۶۳۲

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۲۱ ج۲، باب یسلم الراکب علی الماشی، کتاب الاستیذان، حدیث ۶۲۳۲، مسلم، ص۲۱۲ ج۲، باب یسلم الراکب الخ، کتاب السلام، حدیث: ۲۱۶۰

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار پیدل کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مفضول کسی بھی اعتبار سے ہو، اس کو فاضل کو سلام کرنا چاہئے، اسی پس منظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوٹے بڑوں کو سلام کریں، چلنے والا بیٹھنے والے کو، سوار پیدل کو، اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یسلم الراکب علی الماشی سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے، سوار اپنی سواری کی بنا پر تکبر میں مبتلا ہوسکتا ہے، لہٰذا اس کے اندر تواضع پیدا کرنے کے لئے اس کو حکم ہوا کہ وہ سلام میں پہل کرے۔ الماشی علی القاعد چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے۔ گذرنے والا گھر میں آنے والے کے مانند ہے اور بیٹھنے والا گھر

میں رہنے کی طرح ہے، تو جس طرح باہر سے آنے والا گھر میں موجود لوگوں کو سلام کرتا ہے، اسی طرح گذرنے والے کو بیٹھنے والوں کو سلام کرنا چاہئے۔ نیز بیٹھنے والے کو گذرنے والے سے خاص طور پر سوار ہو کر گذرنے والے سے بعض معاملات میں خوف ہوتا ہے، ایسے میں جب گذرنے والا سلام کرے گا تو خوف دور ہو جائے گا اور انسیت پیدا ہو جائے گی۔ والقلیل علی الکثیر کثیر جماعت کو فوقیت حاصل ہے، لہٰذا قلیل کو چاہئے کہ وہ کثیر جماعت کو اپنا بڑا سمجھ کر سلام میں پہل کریں، قلیل کا کثیر کی طرف متوجہ ہونا بھی آسان ہے۔ (تکملہ فتح الملہم، ص۲۴۲-۲۴۳، ج۴)

**سوال:** حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چلنے والے کی ذمہ داری ہے کہ سلام میں پہل کرے، اگر چلنے والے زیادہ ہوں اور بیٹھنے والے کم ہوں تو اس صورت میں کیا کیا جائے گا؟ چلنے کے اعتبار سے چلنے والے کی ذمہ داری ہے اور قلت کا اعتبار کیا جائے تو بیٹھنے والے کی ذمہ داری ہوتی ہے؟

**جواب:** ایسی صورت میں دونوں برابر ہیں، جو بھی ابتدا کرے وہی بہتر ہے۔ (ارشاد الساری، ص۲۳۸، ج۹)

اگر کسی جماعت پر سلام کیا گیا تو پوری جماعت کا جواب دینا ضروری نہیں ہے، جماعت میں کسی ایک نے بھی جواب دے دیا تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا، البتہ اگر کسی نے بھی جواب نہیں دیا تو سب گنہگار ہوں۔ (فتح الباری، ص۱۷، ج۱۱)

## حدیث ۱٤۸۱ ﴿چھوٹا بڑے کو سلام کرے﴾ عالمی حدیث: ٤٦٣٣

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۲۱ ج۲، باب تسلیم القلیل علی الکثیر، کتاب الاستئذان، حدیث: ٦٢٣١

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوٹا بڑے کو، گذرنے والا بیٹھنے والے کو، اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سرِ راہ اگر ملاقات ہو تو حدیث میں جو صورت مذکور ہے وہ اختیار کی جائے، مثلاً ایک شخص کی دوسرے سے راہ چلتے ملاقات ہوئی تو اس صورت میں جو چھوٹا ہے وہ بڑے کو سلام کرے، لیکن اگر کسی جگہ جایا جا رہا ہے تو جانے والے کو سلام میں پہل کرنا چاہئے، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، کم تعداد میں ہوں یا زیادہ تعداد میں۔ (مرقات)

**کلمات حدیث کی تشریح** لیسلم الصغیر چھوٹے کو سلام میں پہل کرنا چاہئے۔ "یسلم" مضارع کا صیغہ ہے اور خبر ہے، لیکن امر کے معنی میں ہے، مسند احمد کی روایت میں "لیسلم" امر کا صیغہ آیا ہے۔ (فتح الباری، ص۱۸، ج۱۱) مزید کے لئے گزشتہ حدیث دیکھیں۔

## حدیث ۱٤۸۲ ﴿آپ کا لڑکوں کو سلام کرنا﴾ عالمی حدیث: ٤٦٣٤

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى غِلْمَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ:** بخاری، ص۹۲۳ ج۲، باب التسلیم علی الصبیان، کتاب الاستئذان، حدیث: ٦٢٤٧، مسلم، ص ۲۱٤ ج۲، باب استحباب السلام الخ، کتاب السلام، حدیث ۲۱٦۸

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لڑکوں کے پاس سے گذرے تو آپ نے ان کو سلام کیا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کی ذات تواضع کا پیکر تھی، کبر و غرور سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ نبیوں کے امام اور رسولوں کے سردار ہونے کے باوجود خود سلام میں پہل فرماتے تھے، اور نو جوان لڑکوں

اور بچوں کو بھی سلام کرنے میں آپ کو کوئی عار نہ تھا، اس سے امت کے تئیں آپ کی شفقت ومحبت بھی معلوم ہوتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مر علی غلمان فسلم علیھم آپ نے بچوں کو سلام کیا۔ بچوں کو سلام کرنا چاہئے، تا کہ وہ سلام کرنا اور جواب دینا سیکھیں، اور جب بڑے چھوٹوں کو سلام کریں گے تو ان میں تواضع بھی پیدا ہوگی۔ اگر کسی بچے کو سلام کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو سلام نہ کیا جائے، خاص طور پر بچہ جب کہ مراہق اور تنہا ہو تو اس کو سلام نہ کیا جائے، اگر کسی نے بچے کو سلام کیا تو بچے پر سلام کا جواب دینا لازم نہیں ہے، اس لئے کہ وہ غیر مکلف ہے، البتہ ولی کو چاہئے کہ جواب دینے کی تاکید کرے تاکہ بچے جواب دینا سیکھیں۔ اگر کسی نے مجمع کو سلام اور مجمع میں سے کسی بچے نے سلام کا جواب دیا، بڑوں میں سے کسی ایک نے بھی جواب نہیں دیا تو جواب دینے کا فریضہ ساقط نہ ہوگا، اگر کسی بچے نے کسی بڑے کو سلام کیا تو بڑے کو جواب دینا ضروری ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۲۵۷، ج ۴)

## حدیث ۱۴۸۳ ﴿غیر مسلموں کو سلام نہ کرنا چاهئیے﴾ عالمی حدیث: ۴۶۳۵

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَبْدَؤُا الْيَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ وَإِذَا لَقِيْتُمْ أَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ إِلٰى أَضْيَقِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۱۴ ج ۲، باب النهی عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام، كتاب السلام، حديث: ۲۱۶۴

**حل لغات:** اضطرّوا امر حاضر ہے، مجبور کرو، اضطرّ احدًا الی شئ (افتعال) مجبور کرنا، اضیق اسم تفضیل ہے زیادہ تنگ ضَاقَ (ض) ضَيقًا تنگ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودیوں اور نصرانیوں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، جب تمہیں ان میں سے کوئی کسی راستے میں ملے تو انہیں تنگ راستے پر چلنے پر مجبور کرو۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے یہودیوں اور نصرانیوں کے بارے میں مسلمانوں کو دو حکم دیئے ہیں (۱) ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے (۲) جب آمنا سامنا ہو تو ان کو دائیں بائیں ہٹنے پر مجبور کیا جائے، یہ دونوں حکم آپؐ نے مسلمانوں کے دلوں سے احساس کمتری ختم کرنے کے لئے دیئے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں جو یہودی آباد تھے وہ مذہب، سیاست، تعلیم، کاروبار اور مال و دولت میں مشرکین سے آگے تھے، اور مشرکین ان کو اپنے سے برتر سمجھتے تھے، پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین مسلمان ہو گئے مگر اصلی یہود عام طور پر مسلمان نہیں ہوئے، صرف وہ عرب جو یہودی بن گئے تھے وہ مسلمان ہوئے، ان مسلمانوں کے دلوں میں پہلے سے یہودیوں کی عظمت جاگزیں تھی، وہ اب بھی یہودیوں کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے، اس احساس کمتری کو ختم کرنے کے لئے آپ نے مذکورہ دونوں حکم دیئے ہیں۔ لہٰذا یہ وقتی احکام تھے، اور ان کی سیاسی مصلحت تھی۔ اب اہل کتاب کو ابتداء سلام بھی کر سکتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب بھی دے سکتے ہیں، اس طرح مسلمان بھی راستہ سے ہٹ سکتا ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تبدوا اليهود و لا النصارىٰ بالسلام یہود و نصاریٰ کو سلام میں پہل نہ کرو۔ ضرورت اور مصلحت سے سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

**سوال:** ہندو کو سلام کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**جواب:** آداب و تسلیمات کے ذریعہ سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسلامی سلام کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح ہندوانہ سلام "رام رام" کرنا بھی جائز نہیں۔ جمہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ کافر اور ذمی کو سلام نہ کیا جائے۔ بعض علماء کے نزدیک ذمیوں کو سلام کرنا جائز

ہے۔(ردالمختار)

و اذا لقيتم احدهم في طريق مطلب یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کے لئے احتراماً راستہ نہ چھوڑو، بلکہ اسلامی شوکت کا اظہار کرو اورانہیں پابند کرو کہ وہ ایک طرف ہو کر چلیں۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کشادہ راستہ ہونے کے باوجود بلاوجہ انہیں کنارہ چلنے پر مجبور کیا جائے، اسلئے کہ اس میں تکلیف پہنچانا ہے اور اسلام میں کسی کو بلاوجہ تکلیف دینے کی اجازت نہیں ہے۔(تکملہ فتح الملہم ،ص ۲۵۵، ج ۴)

## حدیث ۱٤۸٤ ﴿یہودیوں کی سلام کرنے میں شرارت﴾ عالمی حدیث: ٤٦٣٦

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُوْدُ فَإِنَّمَا يَقُوْلُ أَحَدُهُمْ اَلسَّامُ عَلَيْكَ فَقُلْ وَعَلَيْكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۲۵ ج ۲، باب كيف الرد على اهل الذمة بالسلام، كتاب الاستئذان، حديث ٦٢٥٧، مسلم، ص ۲۱۳ ج ۲، باب النهي عن ابتداء الخ كتاب السلام، حديث ٢١٦٤

**حل لغات:** السام موت واحد سَامَةٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کو یہودی سلام کرتے ہیں تو بلاشبہ ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ "السام عليك" یعنی تمہیں موت آئے، لہٰذا تم ان کے جواب میں کہو کہ "وعليك" یعنی تمہیں ہی موت آئے۔(بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** مدینہ منورہ اور اس کے قرب وجوار میں جو یہودی آباد تھے، وہ مسلمانوں کو سلام کیا کرتے تھے، مگر وہ یہ شرارت کرتے تھے کہ، "السلام عليكم" کے بجائے "السام عليكم" کہتے تھے، جس کے معنی ہیں تم مرو، جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ یہود "السام عليكم" کہتے ہیں، لہٰذا تم جواب میں "عليكم" کہو یعنی ہم نہیں تم مرو، چنانچہ یہودیوں نے یہ حرکت چھوڑ دی۔(تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** فقل وعليك جس موت کو برا سمجھ کر تم ہمارے حق میں بددعا کر رہے ہو اس کے تم خود مستحق ہو جاؤ۔ نوویؒ نے فرمایا کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہل کتاب کے سلام کا جواب دیا جائے، لیکن و عليكم السلام نہ کہا جائے یعنی جواب دینے والا نہ تو عليكم السلام کہے اور نہ عليك السلام کہے؛ بلکہ صرف وعليكم یا وعليك کہے، بلکہ وعليكم بھی اس صورت میں کہے جب وہ ایک سے زائد ہوں اور اگر ایک ہی ہو تو "عليكم" نہ کہے، کیوں کہ اس طرح اس کی تعظیم وتوقیر لازم آئے گی۔(مظاہر حق)

## حدیث ۱٤۸۵ ﴿اہل کتاب کے سلام کا جواب﴾ عالمی حدیث: ٤٦٣٧

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَيْكُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۲۵ ج ۲، باب كيف الرد على اهل الذمه بالسلام، كتاب الاستئذان، حديث ٦٢٥٨، مسلم، ص ۲۱۳ ج ۲، باب النهي عن ابتداء الخ كتاب السلام، حديث ٢١٦٣

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اہل کتاب تمہیں سلام کریں تو صرف وعليكم کہہ دیا کرو۔(بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب نے اگر مسلمانوں کو سلام کیا تو ان کو جواب دیا جائے، لیکن جواب میں صرف "وعلیك" کہا جائے اور اگر زیادہ ہوں تو وعلیکم کہا جائے، یہی عمل کافروں اور مشرکوں کے ساتھ کرنا چاہئے۔ درمختار میں ہے کہ "ولو اسلم یهودی او نصرانی او مجوسی علی مسلم فلا باس بالرد و لکن لا یزید علی قوله وعلیك" (درمختار، ص ۲۹۲، ج ۵)

**کلمات حدیث کی تشریح** فقولوا وعلیکم اہل کتاب کے سلام کے جواب میں صرف وعلیکم کہا جائے "السلام" کا لفظ استعمال نہ کیا جائے، مسلم کی روایت میں یوں وضاحت ہے کہ عن انس ان اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم قالوا للنبی صلی الله علیه وسلم ان اهل الکتاب یسلمون علینا فکیف نرد علیهم قال وعلیکم" حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریمؐ کے اصحابؓ نے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اہل کتاب ہم کو سلام کرتے ہیں، ہم ان کو کس انداز سے جواب دیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ "وعلیکم" کہا کرو۔

## حدیث ۱٤٨٦ ﴿شرارت کرنے والوں کے سلام کا جواب﴾ عالمی حدیث: ٤٦٣٨

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَأْذَنَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُوْدِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْتُ بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهِ قُلْتُ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلَيْكُمْ وَلَمْ يَذْكُرِ الْوَاوَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَتْ اِنَّ الْيَهُوْدَ اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكَ قَالَ وَعَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ قَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ اَوَلَمْ تَسْمَعِيْ مَا قُلْتُ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِيْ فِيْهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَاتَكُوْنِيْ فَاحِشَةً فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ..

**حوالہ:** بخاری، ص ۱۰۲۳ ج ۲، باب اذا عرض الذمی الخ کتاب استتابة المرتدین، حدیث ۶۹۲۷، مسلم، ص ۲۱۴-۲۱۳ ج ۲، باب النهی عن ابتداء الخ کتاب السلام، حدیث: ۲۱۶۵

**حل لغات:** استاذن (استفعال) احداً فی کذا اجازت چاہنا، رَهْطٌ تین سے یا سات سے دس تک کی جماعت (ج) اَرْهُطٌ وَاَرْهَاطٌ، رفیق مہربان شفیق (ج) رُفَقَاءُ، الرفق نرمی مہربانی رَفَقَ (ن) رِفْقًا کسی کے ساتھ نرمی برتنا مہربانی کرنا، مهلاً آہستگی اطمینان مَهَلَ (ف) مَهْلًا فی فعله کوئی کام اطمینان سے کرنا جلدی نہ کرنا، العنف سختی تشدد، عَنُفَ (ك) عُنْفًا به وعلیه، کسی کے ساتھ سختی کرنا، تشدد برتنا، فحش بھونڈی بات، بدزبانی فَحَشَ (ن) فُحْشًا القول اولفعل قول وفعل کا انتہائی برا ہونا، قابل مذمت ہونا، التفحش (تفعل) فحش گو یا فحش کار بننا، برائی کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود کی ایک جماعت نے اجازت مانگی اور انہوں نے کہا کہ "السام علیکم" میں نے کہا کہ "علیکم السام الخ" یعنی تم لوگوں کو موت آجائے اور تم لوگوں پر لعنت ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ! بے شک اللہ نرمی کرنے والا ہے اور ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ کیا آپؐ نے وہ نہیں سنا جو انہوں نے کہا، آپؐ نے فرمایا کہ میں نے "وعلیکم" کہہ دیا ہے۔ ایک روایت میں صرف "علیکم" ہے واؤ مذکور نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم) بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بے شک یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انہوں نے کہا کہ

"السام علیك" آپ نے فرمایا کہ "وعلیکم" حضرت عائشہؓ نے کہا کہ تم لوگ مر جاؤ اور تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ کا غضب ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھہر و اے عائشہ تم پر نرمی لازم ہے، سختی اور بدزبانی سے تم دور رہو۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ انہوں نے جو کہا وہ آپؐ نے سنا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو میں نے کہا کیا تم نے وہ نہیں سنا؟ میں نے ان کی بات ان پر لوٹا دی، میری بات ان کے حق میں قبول ہوتی ہے اور ان کی میرے حق میں قبول نہیں ہوتی ہے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم فحش گو مت بنو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بدزبانی اور بے ہودہ گوئی کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر معاملہ میں نرمی کا پہلو اختیار کرنا چاہئے، تحمل و بردباری اختیار کرتے ہوئے مناسب جواب دینا چاہئے، فحش گوئی اللہ کو پسند نہیں ہے، اس حدیث سے آپ کا کمال علم اور اعلیٰ فراست سمجھ میں آرہی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** و فی روایة علیکم و لم یذکر الواؤ اکثر محدثین کی روایت میں "وعلیکم" واؤ کے ساتھ ہے، لیکن بعض روایت میں بغیر واؤ کے صرف یہ "علیکم" نقل ہوا ہے۔ خطابیؒ نے واؤ کے حذف کو بہتر قرار دیا ہے۔ اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ "حذف واؤ" کی صورت میں ان کا قول اور بدعاء انہی کی طرف لوٹ جائے گی، اور واؤ کی صورت میں اشتراک ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ واؤ عطف اور جمع بین الشیئین کے لئے آتا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ واؤ عطف کے لئے نہیں بلکہ استیناف کے لئے ہے (بذل) مزید کے لئے گزشتہ احادیث دیکھیں۔

## حدیث ۱٤۸۷ ﴿مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مخلوط مجلس پر سلام کرنا﴾ عالمی حدیث: ٤٦٣٩

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيْهِ اَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُشْرِكِيْنَ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ وَالْيَهُوْدِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حواله:** بخاری، ص ٩٢٤ ج٢، باب التسليم فی مجلس فيه اخلاط، كتاب الاستئذان، حديث ٦٢٥٤، مسلم، ص١٠٩ ج٢، باب فی دعاء النبی صلی الله عليه وسلم و صبره علی اذی المنافقين، كتاب الجهاد و السير، حديث ١٧٩٨.

**حل لغات:** اخلاط جمع ہے واحد خِلْط ملی جلی چیز، ہر وہ چیز جو دوسری چیز سے ملے، اوثانٌ وَثَنٌ کی جمع ہے بت مجسمہ۔

**ترجمہ:** حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس کے پاس سے گذرے جس میں مسلمان، بت پرست، مشرک اور یہودی ملے جلے تھے، آپ نے انہیں سلام کیا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی ایسی مجلس سے گذر ہو، جہاں مسلمان اور کافر دونوں طرح کے لوگ ہوں تو سلام کرنا چاہئے، سنت یہی ہے کہ سلام تو علی العموم کیا جائے، لیکن قصد مسلمانوں کا کیا جائے۔ (فتح الباری، ص ۴۷، ج ۱۱)

**کلمات حدیث کی تشریح** فسلم علیهم مسلم اور غیر مسلم جمع ہوں تو مسلمانوں کی نیت سے سلام کیا جائے اور اگر غیر مسلم کو سلام کرے تو محافظ فرشتوں کی نیت سے سلام کرے۔ (تحفۃ الالمعی) ابن العربیؒ کہتے ہیں کہ یہی حکم ایسی مجلس کا ہے، جس میں اہل سنت و اہل بدعت ہوں، عادل و ظالم ہوں، نیک و فاجر ہوں، تو سلام عام کرنا چاہئے، لیکن ارادہ نیک لوگوں کا کرنا چاہئے۔ (فتح الباری، ص ۴۷، ج ۱۱)

## حدیث ۱٤۸۸ ﴿راستوں پر بیٹھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث: ٤٦٤٠

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ

اللّٰہِ مَالَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِیْهَا قَالَ فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسَ فَاَعْطُوْا الطَّرِیْقَ حَقَّهٗ قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِیْقِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

**حل لغات:** بدٌّ ہرشی کا حصہ، جدائی چھٹکارا لا بد منهم، اس سے چھٹکارا نہیں، یعنی وہ ضروری ہے، غضّ نیچا کرنا، غضّ (ن) غضًا البصرَ نگاہ نیچی کرنا، کف (ن) کفًّا عن الامر رکنا، باز آنا، الاذی تکلیف اذیت اَذِیَ (س) اذی فلانٌ بکذا تکلیف دینا۔

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۲۰ ج۲، باب قول اللہ تعالیٰ یاایها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتاً غیربیوتکم، کتاب الاستئذان، حدیث ۶۲۲۹، مسلم، ص ۲۰۴ ج۲، باب النهی عن الجلوس، کتاب اللباس، حدیث ۲۱۲۱.

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستوں میں بیٹھنے سے بچا کرو، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمیں ایسی جگہوں پر بیٹھنے کے سوا چارہ نہیں، کیوں کہ وہاں ہم گفتگو کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ جب تمہارے لئے بیٹھنے کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہے تو راستے کا حق ادا کیا کرو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ راستہ کا حق کیا ہے، اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا کہ نگاہ نیچی رکھنا، ہاتھ روکنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بلا کسی خاص ضرورت کے راستوں میں نہیں بیٹھنا چاہئے بلکہ کھلی اور کشادہ جگہ میں بیٹھنا چاہئے آپ کا فرمان ہے "خیر المجالس اوسعها" (زیادہ کھلی اور وسیع جگہ بہترین جائے جلوس ہے) کیوں کہ اس میں بیٹھنے والے کے لئے جگہ کی وسعت کی وجہ سے راحت رہتی ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے۔ اگر راستوں اور سڑکوں کے کنارے کسی خاص ضرورت سے بیٹھنا ہی پڑے تو ان باتوں کا خیال رکھا جائے: (۱) نگاہ نیچی رہے، بے محل نظر نہ پڑے (۲) اس بات کا پورا لحاظ رہے کہ ہم سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے (۳) سلام کرنے والے کے سلام کا جواب ضرور دے، باتوں میں اس قدر منہمک نہ ہو جائے کہ سلام کرنے والے کے سلام کی خبر ہی نہ رہے (۴) اچھی باتوں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا چاہئے۔ اس اہم فریضہ سے غفلت اور کوتاہی نہ ہونا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ایاکم و الجلوس بالطرقات آپؐ نے پہلے راستوں پر بیٹھنے سے ہی منع فرمایا، اور اگر بوقت ضرورت بیٹھنا ہی پڑے تو پھر راستوں کے حقوق کی رعایت کے ساتھ بیٹھا جائے، اگر ان حقوق کی رعایت ہو سکے تو بیٹھو ورنہ نہ بیٹھو۔ غض البصر نگاہ نیچی رکھنا چاہئے، بے محل نگاہ اٹھنا نہ چاہئے، خاص طور پر نامحرم عورت پر نگاہ نہ ڈالنا چاہئے۔ آپ کا فرمان ہے "فزنا العین النظر" (شہوت کے ساتھ دیکھنا آنکھ کا زنا ہے) و کف الاذی کسی کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچانا چاہئے، آپ کا فرمان ہے "الظلم ظلمات یوم القیامة" مطلب یہ ہے کہ ظالم کو قیامت کے دن نور نہ ملے گا، اس کو تاریکیاں ہی تاریکیاں گھیرے ہوں گی۔ و رد السلام سلام کا جواب دینا لازم ہے، جواب نہ دینا بہت بڑا گناہ ہے۔

## حدیث ۱۴۸۹ ﴿راستہ بھولنے والے کو راستہ بتانا چاہئے﴾ عالمی حدیث: ۴۶۴۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ وَاِرْشَادُ السَّبِیْلِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَعَقِیْبَ حَدِیْثِ الْخُدْرِیِّ هٰکَذَا۔

**حوالہ:** ابوداود، ص ۶۶۳ ج۲، باب فی الجلوس فی الطرقات، کتاب الادب، حدیث: ۴۸۱۶

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کے سلسلہ میں نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ "راستہ کی رہنمائی کرنا" اس کو ابوداود نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت کے بعد اسی طرح نقل کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ضرورت کے وقت راستے پر بیٹھے تو اس کو چاہئے کہ اگر کوئی راہ گیر راستہ بھول جائے اور یہ راستہ جانتا ہے تو اس بھولے ہوئے شخص کو راستہ بتادے، یہ بڑی نیکی اور اجر کا کام ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فی هذه القصة مراد گزشتہ روایت ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے ارشاد السبیل اس کا عطف "والنهی عن المنكر" پر ہے۔ یعنی راستہ پر بیٹھنے والے کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ راہ بھولے ہوئے کو سیدھا راستہ بتائے۔

## حدیث ۱۴۹۰ ﴿مظلوم کی فریاد رسی کرنا﴾ عالمی حدیث: ٤٦٤٢

وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَتُغِيثُوا الْمَلْهُوْفَ وَتَهْدُوا الضَّالَّ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَعَقِيْبَ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ هٰكَذَا وَلَمْ أَجِدْهُمَا فِي الصَّحِيْحَيْنِ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٦٣ ج ٢، باب فی الجلوس فی الطرقات، کتاب الادب، حدیث ٤٨١٧

**حل لغات:** تُغِيْثُوْا اَغَاثَ (افعال) اغاثة الداعیَ پکارنے والے کی بات سننا، داعی کی آواز پر لبیک کہنا مدد کرنا، امداد کرنا، ملھوف ستم رسیدہ شکستہ دل، لَهِفَ (س) لَهْفًا مظلوم و ستم رسیدہ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت عمرؓ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کے سلسلہ میں روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ مظلوم کی فریادرسی کرو، اور بھولے بھٹکے کو راستہ بتاؤ۔ اس روایت کو ابوداود نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے بعد اسی طرح نقل کیا ہے۔ مجھے یہ دونوں روایتیں بخاری و مسلم میں نہیں ملیں۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ راستے پر بیٹھنے والے کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اگر کوئی مظلوم ہے، تو حتی الامکان اس کی اعانت و نصرت کی جائے، اس کو ظالموں کے شکنجے سے نکالا جائے، اسی طرح گم گشتہ راہ کو سیدھا راستہ بتایا جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فی هذه القصة ابو ہریرہؓ کی روایت یا ابو سعید خدریؓ کی مذکورہ روایت پر حضرت عمرؓ نے یہاں مذکور اضافہ نقل کیا ہے۔ و تغیثوا الملهوف مظلوم کی دادرسی کرو۔ آپؐ کا فرمان ہے اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم، سائل نے عرض کیا کہ وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کریں گے، لیکن ظالم ہو تو کیسے مدد کریں؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا ہاتھ پکڑلو۔ (بخاری) لہٰذا اگر کوئی شخص راستہ پر بیٹھا ہے اور قدرت کے باوجود وہ ظالم کو ظلم سے روک کر مظلوم کی چارہ جوئی نہیں کر رہا ہے، تو سخت گنہگار ہے۔

# الفصل الثانی

## حدیث ۱۴۹۱ ﴿مسلمان سے ملاقات ہونے پر سلام کرنا﴾ عالمی حدیث: ٤٦٤٣

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوْفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُجِيْبُهُ إِذَا دَعَاهُ وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ وَيَعُوْدُهُ إِذَا مَرِضَ وَيَتْبَعُ جَنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۵۳، ج ۲، باب ما جاء فی تشمیت العاطس، کتاب الادب، حدیث ۲۷۳۶

**ترجمہ:** حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر دستور کے مطابق

چھ حق ہیں۔(۱) جب ملے تو سلام کرے (۲) جب اس کو بلائے تو وہ دعوت قبول کرے (۳) جب اس کو چھینک آئے تو اس کو جواب دے (۴) جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے (۵) جب وہ مرے تو اس کے جنازہ کے پیچھے چلے (۶) اس کے لئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا۔ (ترمذی، دارمی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں چھ باتیں مذکور ہیں، اگر تمام مسلمان ان باتوں پر عمل کریں، تو اتحاد و اتفاق قائم ہوگا، اور اخوت و محبت پروان چڑھے گی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** و یحب له ما یحب لنفسه. جو اپنے لئے پسند کرے وہی تمام مسلمانوں کے لئے پسند کرے، یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ "لایؤمن احدکم حتیٰ یحب لأخیه ما یحب لنفسه" (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک تم اپنے بھائی کے لئے وہی نہ پسند کرنے لگو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو) حدیث باب میں جو حقوق بیان ہوئے ہیں، ماقبل میں بھی اس مضمون سے متعلق احادیث گذر چکی ہیں، اور تشریح کی جا چکی ہے۔ کچھ صفحات پہلے عالمی حدیث ۴۶۳۰ گذری ہے، اس میں وضاحت ہے۔ دیکھ لیا جائے۔

## حدیث ۱۴۹۲ ﴿سلام کرنے کا اجروثواب﴾ عالمی حدیث: ٤٦٤٤

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلَاثُوْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ترمذی، ص۵۸، ج۲، باب ما ذکر فی فضل السلام، کتاب الاستئذان، حدیث ٢٦٨٩، ابو داود، ص٧٠٦، ج٢، باب کیف السلام، کتاب الادب، حدیث ٥١٩٥.

**ترجمه:** حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انہوں نے کہا کہ السلام علیکم، انہیں جواب دیا گیا، پھر وہ بیٹھ گئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس ہیں، پھر دوسرے صاحب آئے اور انہوں نے کہا کہ السلام علیکم و رحمة الله " انہیں جواب دیا گیا پھر وہ بیٹھ گئے، تو آپؐ نے فرمایا کہ بیس ہیں، پھر ایک تیسرے صاحب آئے اور انہوں نے کہا کہ "السلام علیکم و رحمة الله و برکاته" انہیں جواب دیا گیا تو وہ بیٹھ گئے پھر آپ نے فرمایا کہ تیس ہیں۔ (ترمذی، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس امت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا کریمانہ قانون "من جاء بالحسنة فله عشر امثالها" ہے، یعنی نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے، اس لئے پہلے شخص نے چوں کہ صرف السلام علیکم کہا تھا، لہٰذا اس کے لئے دس نیکیاں ثابت ہوئیں، دوسرے نے و رحمة الله بڑھایا، لہٰذا ان کے لئے بیس نیکیاں ثابت ہوئیں اور تیسرے نے و برکاته بھی بڑھایا، لہٰذا ان کے لئے تیس نیکیاں لکھی گئیں۔ اسی طرح جواب دینے والے کا بھی اجر وثواب بڑھتا ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** عشر یعنی اس شخص کے لئے سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں، عشرون و رحمة الله کے اضافہ کی بنا پر اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئیں۔ ثلاثون و برکاته کے اضافہ کی وجہ سے تیس نیکیاں لکھی گئیں۔ اگر سلام کرنے والا صرف السلام علیکم کہے اور جواب دینے والا وعلیکم السلام و رحمة الله کہے تو سلام کرنے

والے کے لئے دس نیکیاں اور جواب دینے والے کے لئے بیس نیکیاں ہیں۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مزید کلمات بڑھانے سے اجر میں اضافہ ہوتا ہے۔

## حدیث ۱۴۹۳ ﴿برکاته کے بعد اضافے کا حکم﴾ عالمی حدیث: ٤٦٤٥

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ وَزَادَ ثُمَّ أَتٰى آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ فَقَالَ اَرْبَعُوْنَ وَقَالَ هٰكَذَا تَكُوْنُ الْفَضَائِلُ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ابوداود، ص ۷۰٦، ج ۲، باب کیف السلام، کتاب الادب، حدیث ۵۱۹٦

**ترجمه:** حضرت معاذ بن انسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روایت کو معناً نقل کرتے ہوئے مزید بیان کرتے ہیں کہ پھر چوتھے صاحب آئے اور انہوں نے کہا کہ السلام علیکم و رحمة الله و بر کاته و مغفرته۔ آپؐ نے فرمایا کہ چالیس ہیں اور آپؐ نے فرمایا کہ اسی طرح فضیلت بڑھتی جاتی ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سلام کرنے والے نے چار کلمات استعمال کئے؛ لہٰذا اس کے لئے چالیس نیکیاں لکھی گئیں، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص سلام میں اس طرح کے دعائیہ کلمات میں اضافہ کرے گا، تو اس کے لئے نیکیوں میں اضافہ کیا جائے گا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اربعون آنے والے نے "بر کاته" کے بعد "مغفرته" کا اضافہ کیا، لہٰذا اس کے لئے دس نیکیاں مزید ثابت ہوئیں۔ "بر کاته" کے بعد اضافہ کرنا چاہئے کہ نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، حدیث باب سے تو اضافہ ثابت ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں۔ ابومرحوم اور سہل بن معاذ، منذری فرماتے ہیں کہ "لا یحتج بهما" اور موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک یمنی شخص آیا، جس نے آکر سلام کیا "السلام علیکم و رحمة الله و بر کاته ثم زاد شیئا مع ذالك ایضاً" یعنی برکاتہ کے بعد بھی کچھ اور بڑھایا تو ابن عباسؓ نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ وہی یمنی ہے جو آپؐ کے پاس آیا کرتا ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ "ان السلام انتهیٰ الی البر کة" یعنی سلام کے الفاظ وبرکاتہ پر آکر ختم ہو جاتے ہیں۔ (اوجز، ج ٦، ص ۳۷۱) لہٰذا برکاتہ پر اضافہ کرنا بہتر نہیں ہے۔ (الدر المنضود)

## حدیث ۱۴۹۴ ﴿سلام میں پہل کرنے والے کے لئے فضیلت ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٦٤٦

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** احمد، ص ۲۵٤، ج ۵، ابوداود، ص ۷۰٦، ج ۲، باب فضل من بدأ بالسلام، کتاب الادب، حدیث ۵۱۹۷، ترمذی، ص ۹۹، ج ۲، باب فی فضل الخ، کتاب الاستئذان، حدیث ۲٦۹٤

**ترجمه:** حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں اللہ کے سب سے قریب وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (احمد، ترمذی، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سلام کرنا سنت ہے، اور جواب دینا واجب ہے، مگر یہ وہ سنت ہے جس کا اجر وثواب واجب سے زیادہ ہے، کیوں کہ ایک تو اس کو سلام کرنے کا ثواب ملا، دوسرا "الدال علی الخیر کفاعله"

کے ضابطہ سے جواب دینے کا ثواب بھی اس کو ملتا ہے، لہٰذا اس کا ثواب دوگنا ہو جاتا ہے۔ ایک موقع پر آپؐ سے پوچھا گیا کہ دو شخص ایک دوسرے سے ملیں تو ان میں سے سلام کی ابتدا کون کرے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "اولاھما باللہ" پہل وہ کرے جو دونوں میں اللہ سے زیادہ قریب ہے، یعنی جو بندہ نیک ہوتا ہے وہ سلام میں پہل کرتا ہے۔ یہ سلام میں پہل کرنے کی فضیلت ہوئی اور پہل کرنا اللہ کے نزدیک نیک بندہ ہونے کی دلیل ہے۔ (ترمذی، تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** اولیٰ الناس باللہ "اولی" بمعنی اقرب، لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب یعنی اس کی رحمت اور مغفرت سے قریب وہ شخص ہے جو مسلمانوں کو سلام کرنے میں پہل کرے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کو اختیار کرنے سے مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے تئیں اخلاص ومحبت کے جذبات کو فروغ دیتا ہے، ایک تو ملاقات کے وقت سلام کرنے میں پہل کرنا، دوسرے کسی مسلمان کو اس کے اس نام کے ذریعہ مخاطب کرنا اور پکارنا جس کو وہ پسند کرتا ہے۔ اور تیسرے جب کوئی مسلمان کوئی مجلس میں آئے تو اس کو عزت واحترام کے ساتھ جگہ دینا۔ یہ روایت شرح السنۃ میں ہے۔ (مرقات، مظاہر حق)

## حدیث ۱۴۹۵ ﴿اجنبی عورت کو سلام کرنے کا مسئلہ﴾ عالمی حدیث: ٤٦٤٧

وَعَنْ جَرِيْرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِنَّ رَوَاهُ اَحْمَدُ

**حوالہ:** احمد، ص ۳۵۷، ج ۴۔

**ترجمہ:** حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عورتوں کے پاس سے گذرے تو آپ نے انہیں سلام کیا۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** اجنبی عورتوں کو سلام کرنا عام لوگوں کے لئے درست نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اجنبی عورتوں کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ آپؐ کے کسی فتنہ وشر میں مبتلا ہونے کا کوئی خدشہ نہیں، دوسرے لوگ فتنہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں، لہٰذا اجنبی عورت کو سلام کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر عورت بہت عمر دراز ہے اس کے حوالے سے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مرقات)

**کلمات حدیث کی تشریح** مر علی نسوۃ سلم علیھن آپؐ نے عورتوں کو سلام کیا۔ آپؐ کے لئے کوئی حرج نہ تھا، لیکن عام لوگوں کے لئے دو صورتوں میں سلام کرنا جائز ہے۔ (۱) مرد وعورت آپس میں محرم ہوں، یا میاں بیوی ہو، یا عورت بہت بوڑھی ہو یا چھوٹی بچی ہو تو ایک دوسرے کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۲) عورت اجنبی ہو مگر اس کو سلام کرنے یا اس کے سلام کرنے میں کوئی تہمت کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً عورتوں کا مجمع ہو، اور ان کو کوئی مرد سلام کرے، یا محرم کی موجودگی میں اجنبی عورت کو سلام کرے یا کوئی عورت مردوں کے مجمع کو سلام کرے تو یہ جائز ہے کیوں کہ ان صورتوں میں فساد کا اندیشہ نہیں ہے۔ بخاری میں روایت ہے کہ صحابہؓ اس بڑھیا کو سلام کیا کرتے تھے جو ہر جمعہ کو ان کی دعوت کیا کرتی تھی، ترمذی میں روایت ہے کہ حضرت جبرئیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حضرت عائشہ کو سلام کہلوایا ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث ۱۴۹۶ ﴿جماعت میں سے ایک شخص کا سلام کافی ہے﴾ عالمی حدیث ٤٦٤٨

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ اِذَا مَرُّوْا اَنْ يُّسَلِّمَ اَحَدُهُمْ وَيُجْزِئُ عَنِ الْجُلُوْسِ اَنْ يَّرُدَّ اَحَدُهُمْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مَرْفُوْعًا وَرَوٰى اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ رَفَعَهُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَهُوَ

شَیْخُ اَبِیْ دَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۷۰۸، ج ۲، باب ما جاء فی رد الواحد عن الجماعة، کتاب الادب، حدیث: ۵۲۱۰، بیهقی فی شعب الایمان، ص ٤٦٦، ج ٦، حدیث ٨٩٢٢

**ترجمہ:** حضرت علی بن طالبؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب کچھ لوگ گذر رہے ہوں، تو ان میں سے کسی ایک کا سلام کر لینا ان سب کی طرف سے کافی ہوگا، اسی طرح جو لوگ بیٹھے ہوئے ہوں ان میں سے کسی ایک کا جواب دینا ان سب کی طرف سے کافی ہوگا بیہقی نے اس روایت کو مرفوع نقل کیا ہے، ابوداود نے اس روایت کو نقل کیا اور فرمایا ہے کہ اس روایت کو حسن بن علیؒ نے مرفوع بیان کیا ہے، یہ حسن بن علیؒ ابوداود کے استاذ ہیں۔ (حسن بن علی صحابی، نبی کے نواسے مراد نہیں ہیں)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سلام کرنے میں پہل کرنا سنت کفایہ ہے اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے، جن لوگوں کو سلام میں پہل کرنی چاہئے یا جن لوگوں کو سلام کا جواب دینا ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک شخص سلام کرے یا کوئی ایک شخص سلام کا جواب دے دے تو وہ سلام یا جواب ان سب لوگوں کی طرف سے کافی ہوگا، اور وہ سب بری الذمہ ہو جائیں گے، اگرچہ ان میں سے ہر ایک کا سلام کرنا یا ہر ایک کا جواب دینا افضل ہوگا۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** یجزئ گذرنے والوں میں سے کسی ایک نے سلام کر لیا تو سب کی طرف سے کافی ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ سلام کرنا سنت علی الکفایہ ہے۔ کفایہ میں سب لوگ عمل کریں تو افضل ہوتا ہے روی ابو داود ابوداود نے اس روایت کو موقوفاً روایت کیا ہے۔ وقال ابوداود نے اپنی سند مکمل کرنے کے بعد کہا رفعه الحسن یہ ابوداود کے ایک استاذ ہیں، حسن بن علی ابی طالب نہیں ہیں۔ ذہن ان ہی کی طرف جاتا ہے لہٰذا وضاحت کر دی کہ یہ ابوداود کے استاذ ہیں۔

## حدیث ۱۴۹۷ ﴿ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث: ٤٦٤٩

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ وَلَا بِالنَّصَارٰى فَاِنَّ تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ الْاِشَارَةُ بِالْاَصَابِعِ وَتَسْلِيْمَ النَّصَارٰى الْاِشَارَةُ بِالْاَكُفِّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۹۹، ج ۲، باب فی کراهية اشارة اليد بالسلام، کتاب الاستئذان، حدیث ۲٦٩٥

**حل لغات:** تشبہ (تفعل) بغیرہ مشابہ ہونا، دوسرے کے ہم شکل یا ہم وصف ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے، جو ہمارے علاوہ کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے، نہ یہود کے ساتھ مشابہت اختیار کرو اور نہ نصاریٰ کے ساتھ، یہود کے سلام کا طریقہ انگلیوں سے اشارہ کرنا ہے اور نصرانیوں کے سلام کا طریقہ ہتھیلیوں سے اشارہ کرنا ہے۔ (ترمذی) ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

**خلاصہ حدیث** سلام میں سلام کے کلمات کا تلفظ ضروری ہے، اسی طرح جواب میں بھی کلمات جواب کا تلفظ ضروری ہے، نیز سلام سنانا بھی ضروری ہے، اور جواب سنانا بھی ضروری ہے، پس اگر کوئی صرف اشارہ سے سلام کرے، اور کلمات سلام منھ سے نہ بولے تو یہ سلام نہیں، اسی طرح جواب میں صرف ہاتھ سے اشارہ کر دینا اور منھ سے کلمات جواب ادا نہ کرنا کافی نہیں ہے، اس سے واجب ادا نہ ہوگا، ہاں اگر وہ شخص دور ہو، جس کو سلام کرنا یا جواب دینا ہے، تو کلمات سلام کے تلفظ کے ساتھ اشارہ

بھی کیا تو یہ درست ہے۔ (تحفۃ الاحوذی)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تشبھوا بالیھود و لا بالنصاری یہودیوں اور عیسائیوں کے کسی بھی فعل وطریقہ اور خاص طور پر سلام کرنے کے ان کے دونوں طریقوں کی مشابہت اختیار نہ کرنی چاہئے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی اور عیسائی سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے کے لئے اور یا دونوں کے لئے محض مذکورہ اشاروں پر ہی اکتفا کر لیتے تھے، سلام کا لفظ نہیں کہتے تھے، جو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت میں سے انبیاء واولیاء کی سنت وطریقہ ہے، چنانچہ آنحضرت کو گویا مکاشفہ ہوا کہ میری امت کے کچھ لوگ بے راہ روی کا شکار ہو کر سلام کرنے کا وہ طریقہ اختیار کریں گے جو یہودیوں عیسائیوں اور دوسری غیر اقوام کا ہے، جیسے انگلیوں یا ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنا، ہاتھ جوڑ لینا کمر یا سر کو جھکانا اور صرف لفظ سلام پر اکتفا کر لینا وغیرہ وغیرہ لہٰذا آپ نے پوری امت کو مخاطب کرتے ہوئے اس بارے میں تنبیہ بیان فرمائی اور یہ وعید بیان کی کہ جو شخص سلام کے ان رسم ورواج کو اپنائے گا جو اسلامی شریعت اور ہماری سنت کے خلاف ہیں تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا شمار ہماری امت کے لوگوں میں نہیں ہوگا۔ واضح رہے کہ اس حدیث کی اسناد کو ترمذیؒ نے ضعیف کہا ہے، لیکن یہ حدیث ایک دوسری سند سے بھی منقول ہے اور وہ ضعیف نہیں ہے، جس کو جامع صغیر میں نقل کیا گیا ہے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۴۹۸ ﴿ہر ملاقات پر سلام کرنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث: ۴۶۵۰

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا لَقِیَ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَهُمَا شَجَرَةٌ اَوْ جِدَارٌ اَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِیَهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۷۰۷، ج ۲، باب فی الرجل یفارق الرجل ثم یلقاہ ان یسلم علیه، کتاب الادب، حدیث ۵۲۰۰

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے تو سلام کرے، اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت، دیوار، یا پتھر حائل ہو جائے اور پھر ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی مسلمان سے ملاقات ہونے پر سلام کرنا مسنون ہے، اور معمولی مفارقت کے بعد اگر دوبارہ ملاقات ہو تو دوبارہ سلام کرنا مسنون ہے، یہ نہ سوچنا چاہئے کہ ابھی تو سلام کیا تھا، اب اتنی جلدی دوبارہ سلام کرنا بے فائدہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ثم لقیه فسلم علیه آپ کا منشا یہ ہے کہ سلام کے اندر خوب عموم ہو اور اس کی خوب کثرت ہو، اور ہر تغیر حال کے وقت سلام کیا جائے، معمولی سی غیبوبت کے بعد بھی سلام کرنا چاہئے۔ اور ہر آنے جانے والے کو سلام کیا جائے۔ (بذل المجہود)

## حدیث ۱۴۹۹ ﴿گھر والوں کو سلام کرنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث: ۴۶۵۱

وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ بَیْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَهْلِهٖ وَاِذَا خَرَجْتُمْ فَاَوْدِعُوْا اَهْلَهٗ بِسَلَامٍ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ مُرْسَلًا.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ۴۴۷، ج ۶، باب فی مقاربة و موادة اهل الدین، حدیث ۸۸۴۵

**ترجمہ:** حضرت قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی گھر میں داخل ہو، تو اس میں رہنے

والوں کوسلام کرو، اور جب نکلو تو اس میں رہنے والوں کوسلام کے ساتھ رخصت کرو۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں مرسلاً روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ گھر میں آنے کے وقت بھی سلام کرنا چاہئے، اور گھر سے جاتے وقت بھی سلام کر کے رخصت ہونا چاہئے، یہی مسنون ہے، گھر سے رخصت ہوتے وقت سلام کرنے کی مصالح کی تحقیق کے لئے آگے عالمی حدیث ۴۶۶۰ دیکھیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا دخلتم بيتاً گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کوسلام کرنا چاہئے، اگر گھر میں کوئی فرد نہ ہو، تو مستحب یہ ہے کہ اس طرح کہے "السلام علينا و على عباد الله الصالحين" تا کہ وہاں جو فرشتے ہوں ان کو سلام پہنچے۔ فاودعوا اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر سے جاتے وقت اپنے اہل وعیال کوسلام کے ذریعہ "وداع" کہو، بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس رخصتی سلام کا جواب واجب نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے، کیوں کہ یہ سلام اصل میں دعا اور وداع ہے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ لفظ "اودعوا" ایداع سے ہے، بایں معنی کہ اپنے اہل وعیال کے پاس سلام کو ودیعت امانت رکھو، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تم نے رخصت ہوتے وقت اپنے اہل وعیال کوسلام کیا تو گویا تم نے سلام کی خیر وبرکت کو اپنے اہل وعیال کے پاس امانت رکھا، جس کو تم آخرت میں واپس لو گے، جیسا کہ کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی کے پاس امانت رکھتا ہے اور پھر اس کو واپس لے لیتا ہے۔ طیبی کے مطابق مطلب یہ ہے کہ تم سلام کو اپنے گھر والوں کی ودیعت (امانت وسپردگی) میں دے دو، تا کہ تم لوٹ کر ان کے پاس آؤ تو اپنی امانت کو واپس لے لو، جیسا کہ امانتیں واپس لی جاتی ہیں، یہ بات گویا اس امر کی نیک فال لینے کے مترادف ہے کہ گھر سے رخصت ہونے والا سلامتی کے ساتھ لوٹ کر آئے گا اور اس کو دوبارہ سلام کرنے کا موقع نصیب ہوگا۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۵۰۰ ﴿سلام سے برکت نازل ہوتی ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۶۵۲

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَابُنَيَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى اَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

**حواله:** ترمذی، ص ۹۹، ج ۲، باب ما جاء فى التسليم اذا دخل بيته، كتاب الاستئذان، حديث: ۲۶۹۸

**ترجمه:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کرو، یہ تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے برکت کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** گھر میں داخل ہونے کیوقت سلام کرنا چاہئے، اسکا حکم قرآن کریم میں بھی ہے "فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً" (جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کوسلام کرو، جو دعا کے طور پر اللہ کی طرف سے مقرر ہے، اور یہ برکت والی عمدہ چیز ہے) اگر گھر میں کوئی انسان نہ ہو تو بھی سلام کرنا چاہئے تا کہ گھر میں جو فرشتے اور جنات ہیں ان کوسلام پہنچے اور وہ خوش ہوں۔ البتہ اس وقت یہ کہے کہ "السلام علينا و على عباد الله الصالحين"

**کلمات حدیث کی تشریح** يكون بركة یہ سلام کا فائدہ بیان ہوا کہ سلام کرنے سے خوب برکت ہوگی، خیر ورحمت وجود میں آئے گا۔

## حدیث ۱۵۰۱ ﴿کلام سے پہلے سلام کیا جائے﴾ عالمی حدیث: ۴۶۵۳

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا

حَدِیْثٌ مُنْكَرٌ .

**حوالہ:** ترمذی، ص ۹۹، ج ۲، باب ما جاء فی السلام قبل الکلام، حدیث ۲۶۹۹

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بات چیت سے پہلے سلام ہے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا یہ حدیث منکر ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بات چاہے جتنی اہم ہو پہلے سلام کیا جائے پھر بات شروع کی جائے، یہ نہ ہو کہ سلام سے پہلے بات شروع کر دی جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** السلام قبل الکلام جس طرح تحیۃ المسجد مسجد میں پہنچنے کے بعد بیٹھنے سے پہلے پڑھنا چاہئے، اگر کوئی تحیۃ المسجد پڑھنے سے پہلے بیٹھ گیا تو اس نے یہ نماز فوت کر دی، اسی طرح سلام بھی "تحیۃ" ہے، اس کا مقام بات شروع کرنے سے پہلے ہے، جس نے سلام سے پہلے بات شروع کر دی اس نے سلام کا موقع فوت کر دیا۔ ھذا حدیث منکر یہ حدیث نہایت ضعیف ہونے کی وجہ سے منکر ہے، اس کا ایک راوی عنبسہ اموی متروک ہے، ابو حاتم نے اس کو حدیثیں گڑھنے کے ساتھ متہم کیا ہے، امام ترمذی نہایت ضعیف حدیث کو منکر کہتے ہیں۔

## حدیث ۱۵۰۲ ﴿زمانہ جاہلیت کا سلام﴾ عالمی حدیث: ٤٦٥٤

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ نَقُوْلُ اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَاَنْعِمْ صَبَاحًا فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ نُهِيْنَا عَنْ ذٰلِكَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ .

**حوالہ:** ابوداود، ص ۷۰۹، ج ۲، باب فی الرجل یقول انعم اللہ بک عیناً، کتاب الادب، حدیث: ۵۲۲۷

**ترجمہ:** حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں "انعم اللہ الخ" کہتے تھے یعنی خدا تمہاری وجہ سے آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے اور تم ہر صبح نعمتوں میں پروان چڑھو۔ جب اسلام آیا تو ہم کو اس سے روک دیا گیا۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں زمانہ جاہلیت کے سلاموں کا ذکر ہے، اس میں اس بات کی دعا ہے کہ اللہ تم کو خوش و خرم رکھے اور حادثے اور مصیبتوں سے تمہاری حفاظت رہے۔ ان سلاموں میں وہ بات نہیں ہے جو اسلامی سلام میں ہے، لہٰذا اسلام نے ان سلاموں سے منع کر دیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** انعم اللہ بک عیناً، "انعم نعومۃ" سے ہے، جس کے معنی ہیں نرمی اور تازگی و شادمانی، اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) "بک" میں حرف "با" سبب کے معنی میں ہے اور یہ جملہ دعائیہ ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تمہاری وجہ سے تمہارے دوستوں و عزیزوں کی آنکھوں کو تر و تازہ اور روشن رکھے، یہ گویا مخاطب کی خوش حالی سے کنایہ ہے کہ وہ خوش حال اور شادماں رہے، تاکہ اس کے دوست اس کی خوش حالی و شادمانی دیکھ کر خوش ہوں۔ (۲) حرف "با" زائد ہے اور اس سے تاکید تعدیہ مراد ہے، اس صورت میں جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ خدا تمہیں اس چیز کے دیکھنے کا موقع دے کر خوش و خرم رکھے، جس کو تم پسند کرتے ہو، اور اس کی طلب رکھتے ہو۔ انعم صباحاً یہاں "انعم" امر کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری صبح تمہارے لئے تر و تازگی اور خوشی و مسرت کا باعث بنے یا یہ کہ صبح کے وقت تم تر و تازہ و خوش و خرم رہو، یہ بھی خوشی و فراغت کے ساتھ وقت گذارنے سے کنایہ ہے اور صبح کے وقت کی تخصیص اس سبب سے ہے کہ دن کی ابتدا صبح سے ہوتی ہے، اگر صبح کا وقت کسی حادثہ اور مصیبت کو اپنے ساتھ لاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب پورا دن بے چینی و بے اطمینانی کے ساتھ گذرے گا، خاص طور پر

اس زمانے میں لوٹ وغارت گری کا جو معمول بنا ہوا تھا، اس کی ابتداء عام طور پر صبح کے وقت ہی ہوتی تھی۔ لہٰذا اس دور میں جس شخص کی صبح خیر وعافیت اور امن کے ساتھ گذر جاتی تھی، اس کا پورا وقت اطمینان وچین کے ساتھ گذرتا تھا۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۵۰۳ ﴿غائبانہ سلام و جواب﴾ عالمی حدیث: ٤٦٥٥

وَعَنْ غَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ بِبَابِ الْحَسَنِ الْبَصَرِيِّ اِذْجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ قَالَ بَعَثَنِيْ اَبِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ائْتِهٖ فَاَقْرِئْهُ السَّلَامَ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ اَبِيْ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ فَقَالَ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَبِيْكَ السَّلَامُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود، ص ۷۱۰، ج۲، باب فی الرجل یقول فلان یقرئك السلام، کتاب الادب، حدیث ۵۲۳۱

**ترجمہ:** حضرت غالبؒ بیان کرتے ہیں کہ میں امام حسن بصریؒ کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا، کہ ایک آدمی نے آکر کہا کہ مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میرے والد نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر سلام عرض کرنا، کہتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ میرے والد آپ کو سلام پیش کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم پر اور تمہارے والد پر سلام ہو۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے پاس دوسرے کا سلام پہنچائے تو مسنون یہ ہے کہ سلام لانے والے پر سلام بھیجا جائے اور جس کی طرف سے اس نے سلام پہنچایا ہے، اس پر بھی، یعنی جب کوئی کسی کی طرف سے سلام پہنچائے تو جواب میں یوں کہا جائے "علیك و علی فلان السلام" تم پر اور فلاں پر سلام ہو۔ آپ نے سلام لانے والے پر سلامتی کی دعا کی اور جس کی طرف سے وہ سلام لائے تھے یعنی ان کے باپ پر بھی آپؐ نے سلامتی کی دعا بھیجی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** علیك و علی ابیك السلام تم پر اور تمہارے باپ پر سلامتی ہو۔ آپ نے سلام کرنے والے اور سلام پہنچانے والے دونوں کو جواب میں شامل کیا۔ ابوداؤد میں اسی باب کے تحت ایک حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ جبرئیل تم کو سلام کہتے ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے جواب میں کہا کہ "وعلیه السلام ورحمة الله" حضرت عائشہؓ نے صرف سلام کرنے والے کو جواب دیا، پہنچانے والے کو شامل نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ دونوں طرح جائز ہے۔ (بذل المجہود) ابن عابدین کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک تشریک واجب ہے اور دوسروں کے نزدیک مستحب ہے۔

## حدیث ۱۵۰٤ ﴿خط میں سلام لکھنے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث ٤٦٥٦

وَعَنْ اَبِي الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِيِّ اَنَّ الْعَلَاءَ الْحَضْرَمِيَّ كَانَ عَامِلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ اِذَا كَتَبَ اِلَيْهِ بَدَاَ بِنَفْسِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود، ص ۶۹۹، ج۲، باب فیمن یبدأ بنفسه فی الکتاب، کتاب الادب، حدیث ۵۱۳٤

**ترجمہ:** حضرت ابو العلاء بن حضرمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علاء حضرمیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عامل تھے، جب وہ آپؐ کے پاس خط لکھتے تو اپنی ذات سے شروع کرتے۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** خط لکھنے والا خط میں پہلے اپنا نام لکھے، پھر جس کے پاس خط لکھا جا رہا ہے اس کا نام لکھے، پھر سلام لکھے، اس کے بعد خط میں جو باتیں لکھنا ہے وہ لکھے۔ حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں لکھا ہے کہ اگر کاتب مرتبہ میں مکتوب الیہ

ے بڑا ہو تو اپنا نام پہلے لکھے اور اگر مکتوب الیہ بڑا ہے تو پہلے اس کا نام لکھے، حضرت علاء نے اپنا نام شاید پہلے اس لئے لکھا کہ آپؐ کے طریقہ پر عمل ہو سکے، کیوں کہ آپؐ پہلے اپنا نام لکھتے تھے پھر مکتوب الیہ کا، حضرت علاء کے خط پر آپ کا سکوت فرمانا اور تنبیہ نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جو طریقہ حضرت علاء نے اختیار کیا وہ بھی جائز ہے، گو خلاف اولیٰ ہے۔ (بذل المجھود، الدر المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** كـان عـامل رسول الله صلى الله عليه وسلم تقریب میں لکھا ہے کہ حضرت علاء رضی اللہ عنہ بنو امیہ کے حلیف تھے، ایک جلیل القدر اور بزرگ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بحرین کا عامل مقرر کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اپنی دورِ خلافت میں ان کو وہاں کا عامل باقی رکھا۔ اور اسی عہدہ پر ان کا انتقال ہوا۔ بـدا بـنفسه اپنی طرف سے شروع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خط کی ابتدا ان الفاظ سے کرتے من العلاء الحضرمي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم السلام عليكم و رحمة الله یعنی علاء حضرمی کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ اس عبارت کے بعد خط کا مضمون ہوتا اور حضرت علاءؓ خط لکھنے کا یہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اختیار کرتے تھے۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات گرامی کی ابتدا اسی طرح ہوتی تھی من محمد رسول الله الى فلان اس عبارت کے بعد سلام کے الفاظ ہوتے تھے۔ اگر مکتوب الیہ مسلمان ہوتا تو اس کا مخاطب خاص طور پر اسی کو بنایا جاتا یعنی سلام عليك جیسے الفاظ ہوتے، اور اگر مکتوب الیہ مسلمان نہ ہوتا تو علی العموم سلام کے الفاظ ہوتے یعنی یوں لکھتے کہ سـلام عـلـى مـن اتبـع الـهـدىٰ جو شخص راہ راست کی پیروی کرے اس پر سلامتی ہو۔ سلام کے بعد اصل مضمون ہوتا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو جو مکتوب ارسال کیا تھا وہ اسی ترتیب کے ساتھ لکھا گیا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو ان کے بیٹے کی تعزیت میں جو خط بھیجا تھا اس کے ابتدائی الفاظ یوں تھے بسم الـلـه الـرحـمـان الـرحيم من محمد رسول الله الى معاذ بن جبل سلام عليك فانى احمد اليك الله الذى لا اله الا هو اما بعد ...... الخ

یہ حدیث جو یہاں نقل کی گئی ہے بظاہر باب کے موضوع سے تعلق نہیں رکھتی، لیکن یہ حدیث چونکہ سلام کے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا، اس لئے یہ اس باب میں نقل کی گئی ہے، اسی طرح آگے جو تین حدیثیں آ رہی ہیں، اور جن میں خط سے متعلق کچھ باتیں بیان کی گئی ہیں، چونکہ ان کا تعلق بھی بایں اعتبار سلام سے ہے کہ سلام جس طرح زبانی پیش کیا جاتا ہے، اسی طرح وہ خط میں بھی لکھا جاتا ہے۔ لہٰذا ان حدیثوں کو بھی اس باب میں نقل کیا گیا، اور مشکوۃ کے مؤلف کا یہ معمول بھی ہے کہ وہ فصل کے آخر میں ان احادیث کو بھی نقل کرتے ہیں جو اگرچہ براہ راست باب سے تعلق نہیں رکھتی۔ لیکن باب اور اس کے موضوع کے مناسب اور بالواسطہ طور پر تعلق رکھنے والی ضرور ہوتی ہے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۵۰۵ ﴿خط پر مٹی ڈالنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٦٥٧

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَتَبَ اَحَدُكُمْ كِتَابًا فَلْيُتَرِّبْهُ فَاِنَّهُ اَنْجَحُ لِلْحَاجَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ.

**حواله:** ترمذی، ص ۱۰۰، ج ۲، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی تتریب الکتاب، حدیث ۲۷۱۳

**حل لغات:** فـليتربه امر غائب چاہئے کہ اس پر مٹی چھڑکے، تَرَّبَ (تفعیل) الکتابَ لکھے ہوئے پر مٹی چھڑکنا، انجح زیادہ کامیاب نَجَحَ (ن) نَجاحًا کامیاب ہونا۔

**ترجمه:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی خط لکھے، تو

چاہئے کہ اس پر مٹی ڈال دے، کیوں کہ ضرورت پورا ہونے کے لئے یہ چیزیں بہت فائدہ مند ہے۔ (ترمذی) ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔

**خلاصۂ حدیث** پہلے لوگ کچی سیاہی سے لکھتے تھے، وہ دیر تک خشک نہیں ہوتی تھی، اس لئے سیاہی چوس کاغذ رکھتے تھے؛ مگر یہ کاغذ ہر شخص کو میسر نہیں تھا، ایسے لوگ تحریر پر مٹی چھڑک لیتے تھے، پھر اس کو جھاڑ دیتے تھے، اس طرح مفت میں کام بن جاتا تھا، اسی کو حدیث میں کہا گیا ہے کہ اس میں بہت فائدہ ہے۔ بعض نے اس کی دوسری تشریح بھی کی ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا کتب احدکم کتاباً فلیتربہ کاغذ وغیرہ پر لکھنے کے بعد مٹی چھڑکنا بڑا اقدیم طریقہ ہے، اور عام طور پر اس کا مقصد روشنائی کو خشک کرنا سمجھا جاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ حاجت براری کے لئے ایک مخصوص تاثیر رکھتا ہے، اور یہ تاثیر بالخاصیت ہے کہ اس کا سبب شارع کے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں ہے تاہم بعض عارفین نے مٹی دال دینے کی وضاحت میں لکھا ہے کہ ایسا کرنا دراصل اپنے لکھے ہوئے پر خاک ڈالنے، کے مفہوم کے مرادف ہے، بایں طور کہ اس فعل سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اپنے مقصد و حاجت کے لئے نہ تو اپنے اس مکتوب پر اعتبار ہے اور نہ مکتوب الیہ کو حقیقی حاجت روا کا درجہ دینا مقصود ہے، بلکہ حقیقی اعتماد اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے کہ وہی مقصد کو پورا کرنے اور حاجت پر لانے والا ہے، لہٰذا یہ مکتوب محض اظہار حال کا ایک ظاہری ذریعہ ہے، حقیقی درخواست تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہے۔

**حدیث منکر:** یہ حدیث راویوں کے اعتبار سے منکر ہے اس کے مضمون میں کوئی کلام نہیں ہے، چنانچہ طبرانیؒ نے اوسط میں بطریق مرفوع حضرت ابودرداءؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ "اذا کتب احدکم الی انسان فلیبدأ بنفسہ و اذا کتب فلیترب کتابہ فھو انجح یعنی جب تم میں سے کوئی شخص کسی آدمی کو کوئی خط لکھے تو چاہئے کہ اس کو اپنی طرف سے شروع کرے اور جب اس خط کو لکھ لے تو اس پر مٹی چھڑک دے، کیوں کہ یہ چیز حاجت براری کے لئے بہت کارآمد ہے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۵۰۶ ﴿لکھتے وقت قلم کو کان پر رکھنا﴾ عالمی حدیث ٤٦٥٨

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ كَاتِبٌ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ ضَعِ الْقَلَمَ عَلٰى اُذُنِكَ فَاِنَّهُ اَذْكَرُ لِلْمَالِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِي اِسْنَادِهِ ضُعْفٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۰، ج۲، باب، کتاب الاستئذان، حدیث ۲۷۱٤

**ترجمہ:** حضرت زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپؐ کے پاس ایک لکھنے والا بیٹھا ہوا تھا، میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قلم کو اپنے کان پر رکھ لو، اس لئے وہ انجام امر کو بہت زیادہ ذہن میں لانے والا ہے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند میں ضعف ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا اصل یہ ہے کہ قلم کان پر رکھ لیا جائے تو ذہن کے دریچے کھل جاتے ہیں، اور لکھوانے والی بات اور لکھنے والی بات، بہت جلد ذہن میں آجاتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فانہ اذکر للمآل قلم کو کان پر رکھنے سے مقصد بیان کرنے کیلئے عبارت والفاظ کی آمد ہونے لگتی ہے اور لکھنے والا جو کچھ لکھنا چاہتا ہے، اسمیں پوری طرح کامیاب رہتا ہے، یہ چیز بھی بالخاصیت ہے، یعنی ایسا کس طرح ہوتا ہے، اسکا علم شارع کو ہے، تاہم بعض علماء نے اس کی تاویل وتوجیہ بیان کی ہے۔ یحییٰؒ نے لکھا ہے کہ قلم ایک طرح سے زبان کا حکم رکھتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ "القلم احد اللسانین" اور زبان، قلب وذہن کی ترجمان ہوتی ہے، لہٰذا قلم کو کان پر رکھنا گویا

زبان کو کان پر کہ جو سننے کی جگہ ہے رکھنے کی مرادف ہے؛ تاکہ زبان قلم، قلب وذہن کے قریب ہو جائے اور قلب وذہن جو کچھ کہنے کا ارادہ کریں اور وہ مفہوم کو جس اعلیٰ عبارت و پیرایۂ بیان اور جس عمدہ الفاظ واسلوب میں ادا کرنے کا تقاضہ کریں ان کو کلام و بیان کی اسی مناسبت وموزونیت کے ساتھ بصورت تحریر بیان کرے۔ (مظاہر حق)

**وقال هذا حديث غريب:** ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے، ہمارے ترمذی کے نسخے میں متن کی عبارت مشکوۃ کی عبارت سے کچھ مختلف ہے۔ ترمذی میں ہے "فانه اذكر للمملى" مملی اسم مفعول لکھوایا ہوا، یا مملی اسم فاعل لکھوانے والا، یعنی آئندہ جو مضمون لکھنا یا لکھوانا ہے وہ کان پر قلم رکھنے سے جلدی ذہن میں آتا ہے، یہ حدیث نہایت ضعیف ہے، اسکا راوی عنبسہ بن عبدالرحمٰن ہے، ہائل یہ بات بیان ہوئی کہ ابو حاتم نے اس پر حدیثیں گڑھنے کا الزام لگایا ہے، اور دوسرا راوی محمد بن زادان مدنی بھی متروک ہے (تحفۃ الالمعی)

## حدیث ۱۵۰۷ ﴿غیر مسلموں کی زبان سیکھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث: ٤٦٥٩

وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتَعَلَّمَ السُّرْيَانِيَّةَ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ اَمَرَنِیْ اَنْ اَتَعَلَّمَ كِتَابَ يَهُوْدَ وَقَالَ اِنِّیْ مَا آمَنُ يَهُوْدَ عَلٰی كِتَابٍ قَالَ فَمَا مَرَّ بِیْ نِصْفُ شَهْرٍ حَتّٰی تَعَلَّمْتُ فَكَانَ اِذَا كَتَبَ اِلٰی يَهُوْدَ كَتَبْتُ وَاِذَا كَتَبُوْا اِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهٗ كِتَابَهُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ .

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۰، ج۲، باب ما جاء فی تعليم السريانية، كتاب الاستئذان، حديث ۲۷۱۵

**ترجمہ:** حضرت زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے یہود کی کتابت سیکھنے کا حکم دیا اور آپؐ نے فرمایا کہ مجھے یہود کے لکھے ہوئے پر اعتماد نہیں ہے، راوی کہتے ہیں کہ ابھی نصف مہینہ بھی نہیں گذرا تھا کہ میں نے سیکھ لیا، لہٰذا یہود کیلئے کچھ لکھنا ہوتا تو میں لکھتا، اور جب وہ آپ کیلئے لکھتے تو میں ان کے لکھے ہوئے کو آپ کے سامنے پڑھتا۔

**خلاصۂ حدیث:** یہود کی قدیم زبان سریانی تھی، آپؐ نے ترجمانی کی غرض سے حضرت زید کو اس زبان کے سیکھنے کی تاکید کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کی بدولت بہت جلد زید نے یہ زبان سیکھ لی اور یہود کے خطوط پڑھنے اور جواب دینے لگے، معلوم ہوا کہ ضرورت کی غرض سے ہر زبان سیکھنا درست ہے۔ خواہ غیر مسلموں کی زبان کیوں نہ ہو۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** اتعلم كتاب يهود یہودیوں کی کتاب یعنی یہودیوں کا لکھنا سیکھوں دونوں روایتوں کا مطلب ایک ہے۔ انی ما آمن یہودی اعتبار کے قابل نہیں ممکن ہے کہ ان سے لکھواؤں کچھ اور یہ کچھ اور لکھ دیں اسی طرح پڑھنے میں بھی الٹا سیدھا کر سکتے ہیں۔ حتیٰ تعلمت یہاں سے معلوم ہوا کہ مصیبت اور شر سے بچنے کے لئے ممنوعہ چیزیں سیکھنے کی بھی اجازت ہے۔

## حدیث ۱۵۰۸ ﴿رخصت ہوتے وقت سلام کرنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث: ٤٦٦٠

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا انْتَهٰی اَحَدُكُمْ اِلٰی مَجْلِسٍ فَلْيُسَلِّمْ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ يَّجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ ثُمَّ اِذَا قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْاُوْلٰی بِاَحَقَّ مِنَ الْاٰخِرَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ .

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۰، ج۲، باب ما جاء فی التسليم عند القيام، كتاب الاستئذان، حديث ۲۷۰۶، ابوداود، ص، ج۲، باب فی السلام اذا قام من المجلس، كتاب الادب، حديث ۵۲۰۸

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے، تو سلام کرے۔ اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے، پھر جب جانے کے لئے کھڑا ہو تو پھر سلام کرے۔ پہلا سلام اس دوسرے سلام سے

زیادہ ضروری نہیں ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح آنے کے وقت سلام کرنا مسنون ہے رخصت ہونے کے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے، اسی طرح دونوں سلاموں کا جواب دینا بھی ضروری ہے، البتہ بعض محققین کے قول کے مطابق رخصتی کے وقت کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں، کیوں کہ یہ دعا ہے، اسی طرح یہ سلام مسنون نہیں بلکہ مستحب ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ثم اذا قام فلیسلم مطلب یہ ہے کہ رخصت ہوتے وقت سلام کیا جائے، خواہ بیٹھا ہو یا نہ بیٹھا ہو۔ فلیست الاولیٰ باحق من الآخرۃ سلام رخصت بھی کرنا چاہئے اور یہ پہلے ہی کی طرح مسنون ہے، اس کی چند مصلحتیں ہیں (۱) سلام کر کے جانے سے ناراض ہو کر ناگواری سے چل دینے اور کسی ضرورت کے لئے جانے کے درمیان امتیاز ہوتا ہے، اگر سلام کر کے گیا ہے تو خوش گیا ہے ورنہ دوسری بات کا اندیشہ ہے۔ (۲) سلام کر کے رخصت ہوگا تو صاحب مجلس کو اس سے کوئی بات کہنی ہوگی تو کہہ سکے گا اور چپکے سے چلا گیا تو بات رہ جائے گی۔ (۳) ایک جانا کھسک جانا ہے، جس کی سورۃ النور میں مذمت آئی ہے، لہٰذا جو سلام کر کے جائے گا وہ اس عیب سے محفوظ رہے گا۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث ۱۵۰۹ ﴿راستہ میں بیٹھنے میں خیر نہیں ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٦٦١

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا خَيْرَ فِي جُلُوْسٍ فِي الطُّرُقَاتِ اِلَّا لِمَنْ هَدَى السَّبِيْلَ وَرَدَّ التَّحِيَّةَ وَغَضَّ الْبَصَرَ وَاَعَانَ عَلَى الْحُمُوْلَةِ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِي جُرَيٍّ فِي بَابِ فَضْلِ الصَّدَقَةِ.

**حوالہ**: البغوی فی شرح السنۃ، باب کراھیۃ الجلوس علی الطرقات، کتاب الاستئذان، حدیث: ۳۳۳۹، ص ۳۰۵ ج ۱۲

**حل لغات**: الحمولۃ بوجھ حَمَلَ (ض) حَمْلًا لادنا، بوجھ لادنا۔

**ترجمہ**: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستوں میں بیٹھنے کے اندر کوئی بھلائی نہیں ہے، مگر اس شخص کے لئے جو راستہ بتائے، سلام کا جواب دے، نگاہ نیچی رکھے اور بوجھ لادنے میں دوسرے کی مدد کرے۔ (شرح السنۃ) ابوجری کی حدیث "فضل الصدقۃ" کے باب میں ذکر ہوئی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ راستوں پر بیٹھنا اچھی بات نہیں ہے، راستوں پر بیٹھنے والے عموماً گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی ضرورت سے راستہ میں بیٹھے تو وہ حدیث میں مذکور باتوں پر عمل کرے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** و اعان علی الحمولۃ: مطلب یہ ہے کہ راستے میں بیٹھنے والا اس شخص کی مدد کرے جو بوجھ لادے ہو، یعنی اگر کوئی شخص اپنے بوجھ اٹھانے والے جانور کی پیٹھ پر لادنے کے لئے یا خود اپنے سر یا اپنی پیٹھ پر رکھنے کے لئے کوئی بوجھ اٹھانا چاہتا ہو تو اس بوجھ کو اٹھانے میں اس کی مدد کرے۔ بقیہ کلمات تشریح گذر چکی ہے۔ دیکھیں عالمی حدیث ۴۶۴۰-۴۶۴۱-۴۶۴۲

# الفصل الثالث

## حدیث ۱۵۱۰ ﴿حضرت آدمؑ سے سلام کی ابتدا ہونے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٦٦٢

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ وَنَفَخَ فِيْهِ الرُّوْحَ عَطَسَ

فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ بِاِذْنِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ يَا آدَمُ اِذْهَبْ اِلٰى اُولٰئِكَ الْمَلَائِكَةِ اِلٰى مَلَأٍ مِّنْهُمْ جُلُوْسٍ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ قَالُوْا عَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى رَبِّهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ بَنِيْكَ بَيْنَهُمْ فَقَالَ لَهُ اللّٰهُ وَيَدَاهُ مَقْبُوْضَتَانِ اِخْتَرْ اَيَّتَهُمَا شِئْتَ فَقَالَ اخْتَرْتُ يَمِيْنَ رَبِّيْ وَكِلْتَا يَدَيْ رَبِّيْ يَمِيْنٌ مُبَارَكَةٌ ثُمَّ بَسَطَهَا فَاِذَا فِيْهَا آدَمُ وَذُرِّيَّتُهٗ فَقَالَ اَيْ رَبِّ مَا هٰؤُلَاءِ قَالَ هٰؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ فَاِذَا كُلُّ اِنْسَانٍ مَكْتُوْبٌ عُمْرُهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَاِذَا فِيْهِمْ رَجُلٌ اَضْوَؤُهُمْ اَوْ مِنْ اَضْوَئِهِمْ قَالَ يَا رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا اِبْنُكَ دَاوُدُ قَدْ كَتَبْتُ لَهٗ عُمْرَهٗ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ يَا رَبِّ زِدْ فِيْ عُمْرِهٖ قَالَ ذٰلِكَ الَّذِيْ كَتَبْتُ لَهٗ قَالَ اَيْ رَبِّ فَاِنِّيْ قَدْ جَعَلْتُ لَهٗ مِنْ عُمْرِيْ سِتِّيْنَ سَنَةً قَالَ اَنْتَ وَذَاكَ قَالَ ثُمَّ سَكَنَ الْجَنَّةَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اُهْبِطَ مِنْهَا وَكَانَ آدَمُ يَعُدُّ لِنَفْسِهٖ فَاَتَاهُ مَلَكُ الْمَوْتِ قَالَ لَهٗ آدَمُ قَدْ عَجِلْتَ قَدْ كُتِبَ لِيْ اَلْفُ سَنَةٍ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنَّكَ جَعَلْتَ لِاِبْنِكَ دَاوُدَ سِتِّيْنَ سَنَةً فَجَحَدَ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهٗ وَنَسِيَ وَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهٗ قَالَ فَمِنْ يَوْمَئِذٍ اُمِرَ بِالْكِتَابِ وَالشُّهُوْدِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۶٤، ج۲، باب، کتاب تفسیر القرآن، حدیث ۳۳٦۸

**حل لغات:** بَسَطَ (ن) بَسْطًا، پھیلانا، کھولنا، کشادہ کرنا، اضوء اسم تفضیل، زیادہ روشن، ضَاءَ (ن) ضَوْءًا روشن ہونا، اَهْبَطَ (افعال) هَبَطَ (ض) هُبُوْطًا اترنا، جَحَدَ (ف) جُحُوْدًا انکار کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اور ان میں روح پھونکی، تو انہیں چھینک آئی تو انہوں نے "الحمدللہ" کہا، اور اللہ کے حکم سے اللہ کی تعریف کی۔ تو ان کے رب نے ان سے فرمایا کہ اے آدم اللہ تم پر رحم فرمائے ان فرشتوں کے پاس جاؤ جو گروہ کی شکل میں بیٹھے ہیں اور ان کو "السلام علیکم" کہو۔ تو حضرت آدمؑ نے کہا السلام علیکم، فرشتوں نے کہا کہ "علیك السلام و رحمة الله" پھر حضرت آدمؑ اپنے رب کے پاس لوٹے تو خدا نے فرمایا کہ یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا آپس میں سلام کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے دونوں دست قدرت بند کر کے فرمایا کہ دونوں میں سے جس کو چاہو چن لو، انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اپنے رب کا داہنا ہاتھ اختیار کیا۔ جب کہ میرے رب کے دونوں ہاتھ داہنے بابرکت ہیں، پھر اس کو کھولا، تو اس میں حضرت آدمؑ تھے اور ان کی اولاد تھی، انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب یہ کون ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری اولاد ہیں، اس وقت ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان اس کی عمر لکھی ہوئی تھی، تو ان میں سے ایک شخص سب سے زیادہ منور تھا، یا ان میں کے روشن ترین لوگوں میں سے ایک تھا، حضرت آدمؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے، میں نے اس کی عمر چالیس سال لکھی ہے، حضرت آدمؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب اس کی عمر بڑھا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کی عمر یہی لکھ چکا ہوں، حضرت آدمؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے اپنی عمر سے ساٹھ سال اس کو دیئے، اللہ نے فرمایا کہ تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر وہ جنت میں رہے جب تک اللہ نے چاہا، پھر جب اس سے اتارے گئے، تو حضرت آدمؑ برابر اپنی زندگی کے سال گنتے رہے، پھر جب ملک الموت ان کے پاس آیا تو حضرت آدمؑ نے اس سے کہا کہ آپ نے جلدی کی، میرے لئے ہزار سال لکھے گئے ہیں، فرشتہ نے کہا کیوں نہیں، لیکن آپ نے اپنے ساٹھ سال اپنے بیٹے داؤد کو دے دیئے تھے، انہوں نے انکار کیا تو ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے، کیوں کہ وہ بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اسی دن سے لکھنے اور گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں عہد الست میں حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد کی تخلیق کا واقعہ نقل ہوا ہے، اس مضمون کی حدیث ماقبل میں گزر چکی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فحمد الله باذنه یعنی حضرت آدم کی زبان سے جو الحمد للہ نکلا، وہ اللہ کے دل میں ڈالنے کی وجہ سے نکلا۔ اذهب حضرت آدم کا فرشتوں کے پاس جا کر سلام کرنا اور ان کا جواب دینا یہ سب عالمی حدیث ۴۶۲۸ میں تفصیل کے ساتھ نقل ہوا ہے۔ دیکھ لیا جائے۔ بقیہ مضامین کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۱۱۸، ص ۱۶۸-۶۹، ج ۱

## حدیث ۱۵۱۱ ﴿آپؐ کا عورتوں کو سلام کرنا﴾ عالمی حدیث: ٤٦٦٣

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدٍ قَالَتْ مَرَّ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ.

**حواله:** ابوداود، ص۷۰۷، ج۲، باب فی السلام علی النساء، کتاب الادب، حدیث ٥٢٠٤، ابن ماجه، ص۲٦۳، باب السلام علی الصبیان و النساء، کتاب الادب، حدیث ۳۷۰۱، دارمی، ص ۳٥۹، ج۲، باب فی التسلیم علی النساء، کتاب الاستئذان، حدیث ۲٦۳۷

**ترجمه:** حضرت اسماء بنت یزیدؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گذرے، تو آپ نے ہم عورتوں کو سلام کیا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کے لئے عورتوں کو سلام کرنا جائز تھا، اس لئے کہ آپؐ ہر طرح کے فتنہ سے مامون تھے، عام لوگوں کو عورتوں کو سلام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مر علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم بذل میں ابن الملکؒ سے نقل ہے کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے کیوں کہ آپ خوف فتنہ سے مامون و محفوظ ہیں، دوسرے شخص کے لئے اجنبی عورت کو سلام کرنا مکروہ ہے، مگر یہ کہ وہ بڑھیا ہو جس میں فتنہ کا گمان نہ ہو، بہت سے علماء نے مرد وعورت کا ایک دوسرے کو سلام کرنا مکروہ لکھا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ سلام علی الاجنبی ہ مکروہ ہے، تو جب مکروہ ہے، تو سلام کرنے والا جواب کا مستحق بھی نہ ہوگا۔ (بذل، الدر المنضود) مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۶۴۷ دیکھیں۔

## حدیث ۱۵۱۲ ﴿سلام کرنے سے بہت ثواب ملتا ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٦٦٤

وَعَنِ الطُّفَيْلِ ابْنِ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ اَنَّهٗ كَانَ يَأْتِي ابْنَ عُمَرَ فَيَغْدُوْا مَعَهٗ اِلَى السُّوْقِ قَالَ فَاِذَا غَدَوْنَا اِلَى السُّوْقِ لَمْ يَمُرَّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَلٰى سَقَّاطٍ وَّلَا عَلٰى صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَّلَا مِسْكِيْنٍ وَّلَا عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا سَلَّمَ عَلَيْهِ قَالَ الطُّفَيْلُ فَجِئْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَوْمًا فَاسْتَتْبَعَنِيْ اِلَى السُّوْقِ فَقُلْتُ لَهٗ وَمَا تَصْنَعُ فِي السُّوْقِ وَاَنْتَ لَا تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَتَسْاَلُ عَنِ السِّلَعِ وَلَا تَسُوْمُهَا وَلَا تَجْلِسُ فِيْ مَجَالِسِ السُّوْقِ فَاجْلِسْ بِنَا هٰهُنَا نَتَحَدَّثُ قَالَ فَقَالَ لِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَا اَبَا بَطْنٍ قَالَ وَكَانَ الطُّفَيْلُ ذَا بَطْنٍ اِنَّمَا نَغْدُوْ مِنْ اَجْلِ السَّلَامِ نُسَلِّمُ عَلٰى مَنْ لَقِيْنَاهُ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

**حواله:** موطا امام مالك، ص، باب جامع السلام، کتاب السلام، حدیث ٦، بیهقی فی شعب الایمان، ص ٤٣٤، ج٦، باب مقاربة و موادة الخ، حدیث ۸۷۹۰

**حل لغات:** سقاط ہر گری ہوئی چیز، سَقَطَ (ن) سُقُوطًا گرنا، السقاط ردی بیچنے والا، کباڑی والا، السلع جمع ہے، واحد سِلْعَۃٌ سامان، تسوم سَامَ (ن) سَوْمًا بھاؤ تاؤ کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت طفیل بن ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ صبح کے وقت بازار جاتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ جب ہم صبح کو بازار جاتے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ جس کباڑی والے، یا تاجر، یا غریب یا جس کسی کے پاس سے بھی گذرتے تو اس کو سلام کرتے، طفیلؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں آیا تو وہ مجھے اپنے ساتھ بازار لئے جانے لگے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ بازار میں کیا کریں گے، جب کہ آپ نہ کسی سودے کے پاس ٹھہرتے ہیں، نہ کسی بیچی جانے والی چیز کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، اور نہ آپؓ کسی چیز کے بارے میں مول تول کرتے ہیں، اور نہ ہی آپ بازار کی کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں، لہٰذا آپ یہیں بیٹھیں تاکہ ہم کچھ بات چیت کرلیں۔ طفیل کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابو بطن طفیل کا پیٹ بڑا تھا، ہم صبح کے وقت سلام کی وجہ سے جاتے ہیں تاکہ جو ہمیں ملے ہم اس کو سلام کریں۔ (مالک، بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سلام کرنے میں بہت ثواب ملتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ بازار صرف لوگوں کو سلام کرنے جاتے اور سلام کر کے واپس تشریف لے آتے، تاکہ سلام کرنے کا اجر و ثواب زیادہ سے زیادہ حاصل ہوسکے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** و انت لا تقف بازار جانے کے عموماً جو مقاصد ہوتے ہیں ان مقاصد کو بیان کیا اور کہا کہ آپ ان وجوہات سے تو بازار جاتے نہیں، تو بازار جانے سے بہتر ہے کہ آپ یہیں بیٹھیں تاکہ دینی گفتگو ہو اور ہمیں سیکھنے کا موقع ملے۔ ابا بطن چونکہ طفیل کا پیٹ بہت بڑا تھا، لہٰذا اس کنیت سے ان کو مخاطب کیا۔

## حدیث ۱۵۱۳ ﴿سلام نہ کرنا بہت بڑا بخل ہے﴾ عالمی حدیث ٤٦٦٥

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتٰى رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِفُلَانٍ فِيْ حَائِطِيْ عَذْقٌ وَاِنَّهٗ قَدْ آذَانِيْ مَكَانُ عَذْقِهٖ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ بِعْنِيْ عَذْقَكَ قَالَ لَا قَالَ فَهَبْ لِيْ قَالَ لَا قَالَ فَبِعْنِيْهِ بِعَذْقٍ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَارَاَيْتُ الَّذِيْ هُوَ اَبْخَلُ مِنْكَ اِلَّا الَّذِيْ يَبْخَلُ بِالسَّلَامِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

**حوالہ:** احمد، ص ۳۲۸، ج۲، بیہقی فی شعب الایمان، ص ۴۳۰، ج٦، باب مقاربة و موادة اهل الدين، حديث ۸۷۷۱

**حل لغات:** عذق خوشۂ انگور (ج) اَعْذَاقٌ وَعُذُوْقٌ۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ فلاں کا میرے باغ میں کھجور کا درخت ہے، اور اس درخت کے باعث وہ مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر فرمایا کہ اپنا درخت مجھے بیچ دو، اس نے کہا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے ہبہ کردو اس نے کہا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جنت کے کھجور کے درخت کے بدلہ میں اس درخت کو بیچ دو، اس نے کہا کہ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم سے بڑھ کر بخیل نہیں دیکھا، مگر جو سلام میں بخل کرتا ہو۔ (احمد، بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل ہے کہ جو شخص سلام نہیں کرتا ہے وہ بہت بڑا بخیل ہے، اور بخل بہت برا عیب ہے، لہٰذا اپنے کو اس عیب سے پاک رکھنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** قال لا اس نے انکار کیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ ؐ نے اس شخص نے جو کچھ فرمایا وہ بطور سفارش تھا، حکم کے طور پر نہ تھا، اگر آپ حکم کے طور پر فرماتے تو وہ انکار کرنے کی ہرگز جرأت نہ کرتا، کیوں کہ وہ بہرحال مسلمان تھا، اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے آپ کے کسی حکم سے برملا کسی صورت میں انکار کی گنجائش نہیں ہے، ہاں اگر وہ مسلمان نہ ہوتا تو حکم نبویؐ سے انکار کرنا کوئی تعجب خیز امر نہ ہوتا، لیکن آپ کا یہ فرمانا کہ تم اس درخت کو جنت کے کھجور کے درخت کے بدلے میرے ہاتھ فروخت کردو۔ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ یقیناً مسلمان تھا، البتہ اس کی طبیعت بہت سخت تھی۔ (مظاہر حق) ما رایت تم بہت بڑے بخیل ہو اور تم سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام میں بخل کرتا ہو، ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہو جو آپ ؐ پر درود و سلام نہ بھیجتا ہو، ایک موقع پر آپ ؐ نے فرمایا کہ 'البخیل الذی ذکرت عندہ و لم یسلم علی' (وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور اس نے مجھ پر سلام نہیں بھیجا) حدیث کے اس جزء سے صحابہؓ کے بارے میں آپ کی کمال شفقت معلوم ہوئی کہ انہوں نے تین بار آپ ؐ کی بات کا انکار کیا اور آپ ؐ نے انہیں صرف بخیل کہا، یہ صاحب غیر تربیت یافتہ تھے، اس لئے ان سے ایسی بات سرزد ہوئی ورنہ صحابہ تو جاں نثاری کے پیکر اور آپ کی صراحت نہیں آپ کے ادنیٰ اشارہ پر جان و مال آل و اولاد سب نثار کردیتے تھے۔

**حدیث ١٥١٤ ﴿سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے﴾ عالمی حدیث ٤٦٦٦**

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِئٌ مِنَ الْكِبْرِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ

**حوالہ:** بیھقی فی شعب الایمان، ص ٤٣٢، ج٦، باب فی مقاربة و موادة اھل الدین، حدیث ٨٧٨٦

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ متکبر شخص عموماً سلام میں پہل نہیں کرتا، بلکہ وہ اس انتظار میں رہتا ہے کہ لوگ اس کو سلام کریں، اب جس نے سلام میں ابتدا کردی گویا اس کی جانب سے اس بات کا اظہار ہوا کہ اس میں تکبر نہیں ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ سلام میں پہل کرنے سے تکبر سے نجات ملتی ہے، اور جو شخص اس کا اہتمام کرتا ہے اس کے اندر سے تکبر نکل جاتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** البادئ بالسلام بری من الکبر دو شخص ملے اور دونوں کی حیثیت یکساں ہے، یعنی دونوں پیدل ہوں یا دونوں سوار ہوں تو اب جو سلام میں پہل کرے اس کو وہ فضیلت اور بشارت ہے جو حدیث میں ہے یعنی تکبر سے بری ہونے کی۔

# باب الاستئذان

## ﴿اجازت طلب کرنے کا بیان﴾

اس باب کے تحت ۱۰ حدیثیں مذکور ہیں، ان میں اجازت لینے کا طریقہ، اجازت کے بغیر گھر میں نہ داخل ہونے کا حکم، آپ ؐ کسی کے دروازہ پر جاتے تو اجازت طلب کرتے، اور اس کے علاوہ اہم مسائل اجازت کے سلسلہ میں مذکور ہیں ''استیذان'' استفعال کا مصدر ہے۔ اجازت طلب کرنا۔ ''بصلة علی'' اندر آنے کی اجازت مانگنا۔

## ﴿استیذان کی حکمت اور اس کے مختلف درجات﴾

سورۃ النور آیت ۲۷ میں ارشاد پاک ہے: ''اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو، یہاں

تک کہ تم اجازت حاصل کرو، اوران کے رہنے والوں کو سلام کرو''۔

اورسورۃ النور ہی کی آیات ۵۸و۵۹ میں ارشاد پاک ہے: ''اے ایمان والو! چاہئے کہ تم سے اجازت لیں وہ لوگ جن کے تم مالک ہو یعنی غلام باندی، اوروہ لوگ جو تم میں سے حد بلوغ کو نہیں پہنچے، تین اوقات میں: صبح کی نماز سے پہلے، اور دوپہر میں جب تم کپڑے اتار دیتے ہو، اورعشا کی نماز کے بعد، یہ تین اوقات تمہارے پردے کے اوقات ہیں، اوران اوقات کے علاوہ تم پر کچھ الزام نہیں، اور نہ ان پر کچھ الزام ہے، وہ بکثرت تمہارے پاس آنے جانے والے ہیں، ایک دوسرے کے پاس، اس طرح اللہ تعالیٰ صاف صاف احکام بیان فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جاننے والے حکمت والے ہیں، اور جب تمہارے بچے حد بلوغ کو پہنچیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہئے جس طرح ان سے اگلے لوگ لیتے ہیں''۔

استیناس کے لغوی معنی ہیں: انسیت حاصل کرنا، مانوس کرنا۔ اور مراد استیذان یعنی اجازت طلب کرنا ہے، اور استیذان کو استیناس کے لفظ سے ذکر کرنے میں اجازت طلبی کی ایک مصلحت کی طرف اشارہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص باقاعدہ اجازت لے کر اندر آتا ہے تو اس سے انسیت ہوتی ہے، وحشت نہیں ہوتی، اور اگر اذن واطلاع کے بغیر آجاتا ہے تو موڈ خراب ہوجاتا ہے۔

**فائدہ:** اور دو فعلوں کے درمیان واوِ عاطفہ مطلق جمع کے لئے ہے، ترتیب ملحوظ نہیں ہے، کیوں کہ استیذان کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آنے والا پہلے سلام کرے، پھر نام بتلا کر اجازت طلب کرے، حدیث میں ہے کہ بنوعامر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح اجازت طلب کی ''أألـــج'' میں اندر گھس آؤں؟ آپؐ نے خادم سے فرمایا: ''یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا، تم باہر جاکر اس کو طریقہ سکھلاؤ کہ کہے: ''السلام علیکم، أأدخل؟'' تم سلامت رہو! کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ ان صاحب نے آپ کی یہ بات سن لی، چنانچہ انھوں نے اسی طرح اجازت طلب کی، آپ نے اجازت دے دی۔ (ابوددحدیث ۵۱۷۷)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص پہلے سلام نہ کرے، اس کو اندر آنے کی اجازت مت دو۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۷۶) اور یہ سلام: سلامِ استیذان ہے، پس جب اجازت کے بعد گھر میں داخل ہو تو دوبارہ سلام کرے۔ (معارف القرآن)

اور آیت میں سلام پر استیذان کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ آنے والا سلام تو کیا ہی کرتا ہے، لوگ استیذان میں غفلت برتتے ہیں، اس لئے اہمیت ظاہر کرنے کے لئے استیذان کا حکم مقدم کیا گیا ہے۔ (فائدہ تمام ہوا)

اور استیذان کا حکم دو وجہ سے دیا گیا ہے:

پہلی وجہ: آدمی کبھی تنہائی میں بے تکلف حالت میں ہوتا ہے، اور کبھی کسی ضرورت سے برہنہ ہوتا ہے، پس اگر کوئی اچانک گھر میں گھس آئے گا تو اس کی اس کے ستر پر نظر پڑے گی، اور یہ بات اس کو سخت ناگوار ہوگی، حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: کیا میں اپنی والدہ کے پاس جانے کے لئے اجازت لوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں! اجازت لو'' انھوں نے عرض کیا: میں والدہ کے ساتھ رہتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''پھر بھی اجازت لو'' انھوں نے عرض کیا: میں اس کا خادم ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''تاہم اجازت لو، کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگا دیکھو؟'' انھوں نے جواب دیا: نہیں! آپؐ نے فرمایا: ''پس اجازت لو'' کیوں کہ ہوسکتا ہے وہ کسی ضرورت سے ستر کھولے ہوئے ہو، اور اس پر تمہاری نظر پڑ جائے۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۷۴)

**فائدہ:** گھر میں صرف اپنی بیوی ہو تو استیذان واجب نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ بدوں اطلاع داخل نہ ہو، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں کھنکار کر داخل ہوتے تھے، ان کی اہلیہ بیان کرتی ہیں کہ آپ کا یہ معمول اس لئے تھا کہ وہ ہمیں ایسی حالت میں نہ دیکھیں

جوان کو پسند نہ ہو۔ (ابن کثیر) اور یہ بھی ممکن ہے کہ پاس پڑوس کی کوئی عورت گھر میں آئی ہوئی ہو، اس لئے اجازت لے کر داخل ہونا ہی مناسب ہے۔ (فائدہ تمام ہوا)

**دوسری وجہ:** کبھی انسان اپنے گھر میں تنہائی میں کوئی ایسا کام کر رہا ہوتا ہے کہ نہیں چاہتا کہ دوسرا اس سے واقف ہو، پس اگر کوئی شخص بے اجازت اندر گھس آئے گا تو اس کو سخت اذیت پہنچے گی، اور حکم استیذ ان کی علت ایذاء رسانی سے بچنا، اور حسن معاشرت کے آداب سکھانا ہے، حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جھانکا، آپؐ باریک سینگی سے سر مبارک کھجلا رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: ''اگر میں جانتا کہ تو گھر میں دیکھ رہا ہے تو میں تیری آنکھ میں سینگی مارتا، اجازت حاصل کرنے کا حکم آنکھ ہی کی وجہ سے تو ہے!''۔ (بخاری حدیث ۶۲۴۱) اور استیذ ان کے تعلق سے لوگ تین طرح کے ہیں۔

**اول:** اجنبی شخص جس سے ملنا جلنا نہیں ہوتا، اس کا حکم یہ ہے کہ وہ صراحۃً اجازت لئے بغیر گھر میں داخل نہ ہوے، حضرت کلدۃ بن حنبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ان کے اخیافی بھائی) صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دودھ، ہرنی کا بچہ اور چھوٹی ککڑیاں دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، رسول اللہ ﷺ وادی مکہ کے بالائی حصہ میں قیام فرما تھے، کلدۃ کہتے ہیں: میں یہ چیزیں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا، اور میں نے پہلے سلام کیا نہ حاضری کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا: واپس جاؤ، اور کہو: **السلام علیکم، أأدخل؟** تم پر سلامتی ہو، کیا میں اندر آسکتا ہو؟۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۷۱) رسول اللہ ﷺ نے حضرت کلدۃؓ کو عملی طور پر استیذ ان کا طریقہ سکھلایا تاکہ یہ سبق ہمیشہ یاد رہے۔

**مسئلہ:** اگر کسی کے دروازے پر جا کر اجازت طلب کی: سلام کیا، دروازہ کھٹکھٹایا، یا گھنٹی بجائی، مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا، تو دوبارہ اجازت طلب کرے، پھر جواب نہ آئے تو تیسری مرتبہ اجازت طلب کرے، اگر تیسری مرتبہ بھی جواب نہ آئے، تو لوٹ جائے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ ''اجازت تین مرتبہ طلب کی جائے، پس اگر تمہیں اجازت دی جائے تو فبہا، ورنہ واپس لوٹ جائے'' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تین مرتبہ استیذ ان سے تقریباً یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ آواز سن لی گئی ہے، مگر صاحبِ خانہ یا تو ایسی حالت میں ہے کہ جواب نہیں دے سکتا، مثلاً نماز پڑھ رہا ہے، یا بیت الخلاء میں ہے، یا غسل کر رہا ہے، یا پھر اس کو اس وقت ملنا منظور نہیں، پس ایسی حالت میں جمے رہنا، اور مسلسل دستک دیتے رہنا مصلحت کے خلاف بلکہ باعثِ ایذا ہے، جس سے بچنا واجب ہے۔ (معارف القرآن ۶:۳۹۲)

**دوم:** ایسا غیر محرم جس کے ساتھ ملنا جلنا اور معاشرتی تعلقات ہوں، ایسے شخص کی اجازت طلبی پہلے شخص کی اجازت طلبی سے کم درجہ کی ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو نبی ﷺ کے خادم خاص تھے، آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے: ''**إذنك علي: أن يرفع الحجاب، وأن تستمع سوادي، حتى انهاك**'' (مسلم) ترجمہ: میرے پاس آنے کے لئے تمہاری اجازت یہ ہے کہ پردہ اٹھا دیا گیا ہو، یعنی دروازہ کھلا ہوا ہو، اور یہ بات ہے کہ تم (مجھے بات کرتا ہوا) سنو (اور) میری ذات کو (دیکھو) یہاں تک کہ میں تم کو روک دوں۔ یعنی بیٹھک میں کوئی آیا ہوا ہو، اور دروازہ کھلا ہو، اور اس آنے والے سے رسول اللہ ﷺ گفتگو فرما رہے ہوں، تو خادم خاص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، البتہ ان کو روک دیا جائے تو رک جانا ضروری ہے۔

**سوم:** بچے اور غلام ہیں، جن سے پردہ واجب نہیں، اسلئے ان کیلئے استیذ ان کا حکم بھی نہیں، البتہ وہ اوقات جن میں عام طور پر کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں انکو بھی اجازت لیکر آنا چاہئے، اور یہ اوقات ملکوں اور قوموں کے اعتبار سے مختلف ہو سکتے ہیں، اور آیت کریمہ میں جن اوقات کا ذکر ہے، انکی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان اوقات میں بچے اور غلام گھر میں آیا کرتے ہیں، ان اوقات میں حصر نہیں، مثلاً آدھی رات میں آنا چاہیں تو بھی اجازت ضروری ہے، مگر اس وقت کا ذکر اسلئے نہیں کیا کہ اس وقت بچے اور غلام گھر میں نہیں آیا کرتے۔

**مسئلہ:** جس شخص کو کسی کے ذریعہ بلایا گیا ہو، اگر وہ قاصد کے ساتھ ہی آجائے تو اس کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اس کی طرف قاصد بھیجنا ہی اجازت ہے، حدیث میں ہے کہ ''آدمی کا آدمی کی طرف قاصد بھیجنا اجازت ہے''۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۷۲) اور ایک روایت میں ہے: ''جو آدمی بلایا جائے، اور وہ قاصد کے ساتھ ہی آجائے، تو یہی اس کے لئے اندر آنے کی اجازت ہے۔ (حوالہ بالا)

حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر پہنچتے، تو دروازے کے سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے، بلکہ دائیں بائیں کھڑے ہوتے تھے، اور فرماتے: السلام علیکم، السلام علیکم (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۷۳) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے، پس اگر پردہ پڑا ہوا ہو یا کواڑ بند ہوں تو سامنے کھڑا ہونا جائز ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ ج ۵)

# الفصل الاول

## حدیث ۱۵۱۵ ﴿اجازت طلب کرنے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث: ٤٦٦٧

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ اَتَانَا اَبُوْ مُوْسٰی قَالَ اِنَّ عُمَرَ اَرْسَلَ اِلَیَّ اَنْ اٰتِیَهٗ فَاَتَیْتُ بَابَهٗ فَسَلَّمْتُ ثَلٰثًا فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ فَرَجَعْتُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَأْتِیَنَا فَقُلْتُ اِنِّیْ اَتَیْتُ فَسَلَّمْتُ عَلٰی بَابِكَ ثَلٰثًا فَلَمْ تَرُدُّوْا عَلَیَّ فَرَجَعْتُ وَقَدْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَأْذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلٰثًا فَلَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ فَلْیَرْجِعْ فَقَالَ عُمَرُ اَقِمْ عَلَیْهِ الْبَیِّنَةَ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ فَقُمْتُ مَعَهٗ فَذَهَبْتُ اِلٰی عُمَرَ فَشَهِدْتُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۲۳، ج ۲، باب التسلیم و الاستئذان، کتاب الاستئذان، حدیث ۶۲۴۵، مسلم، ص ۲۱۰، ج ۲، باب جواز الاذان، کتاب السلام، حدیث ۲۱۶۹

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ ہمارے پاس حضرت ابوموسیٰؓ تشریف لائے اور کہا کہ مجھے حضرت عمرؓ نے بلایا تھا کہ ان کے پاس آؤ، چنانچہ میں ان کے دروازے پر حاضر ہوا اور تین مرتبہ سلام کیا، مجھے کسی نے جواب نہیں دیا تو میں لوٹ آیا، حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہیں میرے پاس آنے سے کس چیز نے روکا؟ میں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوا تھا اور دروازہ پر تین مرتبہ سلام کیا تھا، لیکن جواب نہیں ملا تو لوٹ آیا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت مانگے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو چاہئے کہ لوٹ آئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس پر گواہی پیش کرو، حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ میں ابوموسیٰ کے ساتھ کھڑا ہوا اور میں حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور میں نے گواہی دی۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ استیذان اور سلام تین مرتبہ مشروع ہیں، سلام سے مراد سلام استیذان ہے، عام سلام ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے، اس میں تکرار نہیں ہوتا، ہاں مجمع اگر بڑا ہے اور ایک بار میں سب کو سلام پہنچانا مشکل ہے تو ایسی صورت میں مکرر سلام کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر مخاطب نے سلام سنا نہیں تو بھی اسے سنانے کے لئے دوبارہ سلام کیا جا سکتا ہے۔ (فتح الباری، ص ۳۲، ج ۱۱)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحب منزل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ کسی کام میں مشغول ہے تو سلام استیذان کا جواب نہ دے، اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بڑے کو وہ بات معلوم نہیں جو چھوٹے کو معلوم ہوتی ہے جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو تین بار اجازت لینے کے بعد لوٹ جانے کی بات کا علم نہ تھا اور ابوموسیٰؓ وغیرہ کو علم تھا۔ (فتح الباری، ص ۲۷، ج ۱۱)

**کلمات حدیث کی تشریح** **اتانا ابو موسیٰ:** یہاں بخاری کی روایت ہے، اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ روایت ترمذی میں ہے، لہٰذا ترمذی کی روایت کا ترجمہ حضرت مفتی سعید صاحب کی مختصر وضاحت کے ساتھ پیش کیا

جا رہا ہے اس سے حدیث باب کی خوب اچھی وضاحت ہو جائے گی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ سے اجازت طلب کی، انہوں نے کہا۔ السلام علیکم اادخل؟ اللہ آپ کو سلامت رکھے، کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ حضرت عمرؓ نے (دل میں) کہا ایک مرتبہ یعنی یہ ایک مرتبہ اجازت طلب کی، مگر کسی وجہ سے اجازت نہیں دی، آپ کسی کام میں مشغول ہو گئے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر کہا السلام علیکم اادخل حضرت عمرؓ نے دل میں کہا دو مرتبہ پھر حضرت ابوموسیٰ تھوڑی دیر اور خاموش رہے، پھر کہا السلام علیکم اادخل حضرت عمرؓ نے کہا تین مرتبہ پھر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ لوٹ گئے، پھر جب حضرت عمرؓ کام سے فارغ ہوئے تو دربان سے پوچھا ابوموسیٰ نے کیا کہا؟ یعنی تیسری مرتبہ کے بعد آواز نہیں آئی کیا بات ہوئی؟ دربان نے کہا کہ وہ لوٹ گئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ان کو بلا کر لاؤ جب ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے، تو حضرت عمرؓ نے پوچھا آپ نے یہ کیا کیا یعنی تیسری مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد آپ کیوں لوٹ گئے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ میں نے سنت پر عمل کیا یا فرمایا یہی سنت ہے السنۃ پر دو اعراب پڑھ سکتے ہیں مرفوع اور منصوب حضرت عمرؓ نے فرمایا (السنۃ) کیا یہ اسلامی طریقہ ہے یعنی تین مرتبہ اجازت طلب کرنے پر اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہئے، یہ شرعی مسئلہ ہے؟ آپ اس بات کی کوئی واضح دلیل لائیں، ورنہ میں آپ کو سزا دوں گا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں: پس ابوموسیٰ ہمارے پاس آئے ہم چند انصاری بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا، او جماعت انصار کیا تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو دوسروں سے زیادہ جاننے والے نہیں ہو، کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اجازت تین مرتبہ طلب کی جائے پس اگر اجازت دی جائے تو فبہا ورنہ لوٹ جائے؟ پس لوگ ابوموسیٰ اشعریؓ پر ہنسنے لگے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ابوسعید خدریؓ نے کہا تمہارا ایک مسلمان بھائی تمہارے پاس گھبرایا ہوا آیا ہے اور تم ہنس رہے ہو؟ اور امام نوویؒ کہتے ہیں لوگ اس بات پر ہنسے تھے کہ حضرت عمرؓ کو یہ موٹا سا مسئلہ معلوم نہیں تھا، حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں پھر میں نے اپنا سر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف اٹھایا اور کہا ما اصابك في هذا من العقوبة فانا شريكك آپ کو اس معاملہ میں جو سزا ملے گی اس میں میں آپ کا ساجھی ہوں، کیوں کہ میں بھی یہ مسئلہ جانتا ہوں اور حضرت عمرؓ سے جا کر بیان کروں گا، راوی کہتا ہے پس ابوسعید خدریؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور ان کو یہ بات بتائی حضرت عمرؓ نے کہا مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی: یہاں ایک اشکال اور ایک سوال ہے۔

**اشکال:** حدیث ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا استاذنت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثاً، فاذن لی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مرتبہ اجازت طلب کی تو آپ نے مجھے اجازت دے دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجازت تین ہی مرتبہ طلب کرنی چاہئے، پھر جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے یہ بات بیان کی تو حضرت عمرؓ نے ان پر اعتراض کیوں کر کیا؟ اور ان سے واضح دلیل کیوں طلب کی؟

**جواب:** دو باتیں الگ الگ ہیں ایک حضرت عمرؓ نے تین مرتبہ اجازت طلب کی تو ان کو اجازت مل گئی، دوسری بات تیسری مرتبہ میں بھی اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہئے۔ ان میں سے پہلی بات حضرت عمرؓ جانتے تھے مگر دوسری بات ان کے علم میں نہیں تھی۔ یہ بات حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان سے بیان کی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کی تصدیق طلب کی تھی (اشکال کا یہ جواب امام ترمذیؒ نے باب کے آخر میں دیا ہے مگر اشکال و جواب کو ملا دیا ہے اس لئے یہ عبارت پیچیدہ ہو گئی ہے)

**سوال:** حضرت عمرؓ کے انکار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خبر واحد معتبر نہیں، چنانچہ انہوں نے واضح دلیل مانگی کہ کوئی دوسرا شخص لاؤ جس نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو حالانکہ اخبار آحاد شریعت میں معتبر ہیں۔؟

**جواب:** حضرت عمرؓ کے اس واقعہ کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے متعدد واقعات میں خبر واحد قبول کی ہے، جیسے شوہر

کی دیت میں سے بیوی کو میراث دینے کا مسئلہ اور مجوس سے جزیہ لینے کا مسئلہ۔ ان مسائل میں حضرت عمرؓ نے خبر واحد پر عمل کیا ہے، بلکہ اس واقعہ کا تعلق دین کے معاملہ میں احتیاط برتنے سے ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں کسی وجہ سے تذبذب ہو تو دلائل کا تتبع کرنا چاہئے، مختلف کتابوں میں وہ مسئلہ دیکھنا چاہئے، جب چند کتابوں میں وہ مسئلہ مل جائے تو دل کو اطمینان نصیب ہوگا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اطمینان قلبی کے لئے احیائے موتی کے مشاہدہ کی درخواست کی تھی، چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے تائیدی بیان دیا، تو حضرت عمرؓ نے تاسف سے کہا میں بازار میں خرید وفروخت کرتا رہا اس لئے ان مسائل سے ناواقف رہا۔ (تحفۃ الالمعی)

**سوال:** کیا صحابی کی روایت متہم ہوسکتی ہے؟

**جواب:** حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے جو مطالبہ کیا کہ اس حدیث کے اوپر بینہ لے کر آؤ تو بظاہر یہ مطالبہ عجیب سا لگتا ہے، بعض لوگ اس سے یہ غلط نتیجہ بھی نکالتے ہیں کہ گویا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو متہم کیا یعنی تہمت لگائی کہ تم جو حدیث سنا رہے ہو یہ حقیقت میں حدیث نہیں ہے، اپنی طرف سے تم نے گھڑلی ہے، چونکہ اگر یہ تہمت نہ ہو تو پھر بینہ لانے کی کیا ضرورت ہے جب کہ قاعدہ ہے **الصحابة كلهم عدول** یعنی تمام صحابہ عادل ہیں یعنی خاص طور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے بارے میں عدول ہیں تو حضرت عمرؓ نے تنہا حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت کو کیوں قبول نہیں کیا اور اس پر کیوں بھروسہ نہیں کیا؟ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی روایت بھی متہم ہوسکتی ہے۔ یہاں تین باتیں سمجھ لینی چاہئیں پہلی بات تو یہ ہے کہ بینہ کے اس مطالبے سے حضرت عمرؓ کا منشا حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو متہم کرنا نہیں تھا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ الصحابۃ کلہم عدول کوئی بھی صحابی حضور اقدس کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہیں کرے گا، لیکن انہوں نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا کہ تاکہ لوگوں کو اس بات کی اہمیت کا احساس ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حدیث کی نسبت آسان بات نہیں ہے، کیوں کہ یہ زمانہ ایسا تھا کہ اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا نئے لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور صحابہ کرامؓ ان سے حدیثیں بیان بھی کرتے تھے تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ لوگ ان حدیث کے معاملہ میں بے احتیاطی سے کام لیں گے اور اس بے احتیاطی کے نتیجے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط باتیں منسوب کریں گے لہٰذا ان مفاسد کے سد باب اور لوگوں میں حزم واحتیاط پیدا کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ فرمایا بینہ پیش کرو، حالانکہ جب کوئی صحابی روایت کررہا ہو تو پھر فی نفسہ حدیث کو قبول کرنے کے لئے بینہ کی حاجت نہیں ہوتی، لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ خبر واحد معتبر نہیں یا سارے کے سارے صحابہؓ عدول نہیں یا کسی صحابی کو متہم کیا جاسکتا ہے کہ اس نے حدیث جان بوجھ کر غلط بیان کی ہو ایک تو وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے اندر تثبت کا یہ جذبہ پیدا ہو حضرت عمرؓ کا یہ مقصد تھا اور موطا مالک میں اس کی صراحت ہے کہ آپؓ نے تہمت نہیں لگائی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جان بوجھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط نسبت کرنا صحابہ کرامؓ سے ممکن نہیں لیکن غیر شعوری طور پر کوئی غلطی لگ جانا یا نسیان پیدا ہو جانا یہ بھی بعید نہیں لہٰذا حضرت عمرؓ نے یہ چاہا اس نسیان وغیرہ کے احتمال کا بھی سد باب ہو اور لوگ تثبت سے کام لیں، اس واسطے ایسا کیا اور بعد میں خود اپنے اوپر حسرت کا اظہار کیا کہ بچے بھی جانتے ہیں مگر میرے علم میں نہیں، یہ سلسلہ کچھ عرصے تک حضرت عمرؓ نے سد ذریعہ کے طور پر اختیار کیا تھا ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بعد میں جب اس بات کی اطلاع ملی کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے حدیث کے بارے میں بینہ طلب کرنا شروع کردیا ہے تو انہوں نے **یا ابن الخطاب لا تکونن عذاباً علی اصحاب رسول الله** یعنی آپ صحابہ کے لئے عذاب نہ بنئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ حدیث بیان کرنے سے ڈرنے لگیں گے کہ میں حدیث بیان کروں گا تو بینہ طلب ہوگا اور بینہ پیش نہ کرسکا تو حضرت عمرؓ ناراض ہوں گے، تو اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس طریقے کو ترک کردیا ابتدا میں مقصد لوگوں میں تثبت

پیدا کرنا تھا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس سے استئذ ان کی اہمیت بھی معلوم ہوئی کہ اگر استئذ ان کے نتیجے میں کوئی جواب نہ ملے یا وہ کسی امر میں مشغول ہونے کی بنا پر ملنے سے معذرت کرے تو یہ اس کا حق ہے اس پر ناراض ہونے کی کوئی بات نہیں اس لئے کہ قرآن کریم میں خاص طور پر فرمایا کہ و ان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکیٰ لکم ترجمہ: اگر تم کو جواب ملے کہ پھر جاؤ تو پھر جاؤ اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے لیے۔ صاحب خانہ کو کوئی ملامت نہیں کی گئی کہ تم نے کیوں اجازت نہیں دی، کیوں کہ تم ملنے جارہے ہو تو غرض تمہاری ہوئی اور جس کے پاس جارہے ہو وہ اگر مشغول ہے اس کو تمہاری ملاقات سے کوئی تکلیف ہوتی ہے اور وہ اس وجہ سے آپ سے معذرت کرلیتا ہے تو اس پر ناراضگی کی یا برا ماننے کی کوئی وجہ نہیں، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس بات پر کوئی برا نہیں مانا کہ حضرت عمرؓ نے کیوں اجازت نہیں دی، اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے پاس جاؤ تو یہ سوچ کر جاؤ کہ اگر ملاقات کا موقع ہوا تو کرلیں گے اور اگر کسی وجہ سے اس نے معذرت کرلی تو اس سے ناراض نہ ہوں گے۔ (انعام الباری)

## حدیث ۱۵۱۶ ﴿خصوصی اجازت کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٦٦٨

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْنُكَ عَلَیَّ اَنْ تَرْفَعَ الْحِجَابَ وَاَنْ تَسْمَعَ سِوَادِیْ حَتّٰی اَنْهَاكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۱۵، ج۲، باب جواز جعل الاذن رفع حجاب، کتاب السلام، حدیث ۲۱۶۹

**حل لغات:** سواد باندازِ سرگوشی گفتگو ساوَدَ مُسَاوَدَةً وسِوَادًا (مفاعلت) راز دارانہ بات کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا اجازت لینا یہی ہے کہ پردہ اٹھاؤ اور میری راز کی گفتگو بھی سن لیا کرو، یہاں تک کہ میں تم کو منع کردوں۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر آنے کی خصوصی اجازت حاصل تھی، ان کو دروازے پر کھڑے ہوکر عام اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی، حتیٰ کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز سننے کی بھی اجازت تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص خادم اور ہمہ وقت آپ کی خدمت اور راحت رسانی کی فکر کرنے والے فداکار تھے۔ البتہ جس وقت ازواج مطہرات موجود ہوتیں اس وقت عبداللہ کے لئے یہ اجازت نہیں تھی کہ وہ بلا روک ٹوک آجائیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذنك علی ان ترفع الحجاب یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی کہ نبی کے گھر میں داخل ہونے کے لئے انہیں قولی اجازت کی ضرورت نہ تھی، انہیں آپ نے اجازت دی تھی کہ تم پردہ اٹھا کر بغیر اجازت لئے گھر میں آسکتے ہو، لیکن یہ اجازت اس صورت سے متعلق تھی جب کہ حجرہ میں عورتوں کے موجود رہنے کا وقت نہیں ہوتا تھا، عبداللہ کی اس خصوصیت پر صحابہ بھی رشک کرتے تھے۔ و ان تسمع سوادی یہ عبداللہ کی دوسری خصوصیت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے راز کی گفتگو بھی سننے کی اجازت دے رکھی تھی، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر کسی وقت میں مناسب سمجھوں گا تو تمہیں اندر آنے سے منع کردوں گا۔ اس وقت تم اندر نہ آنا۔ اور جب تک منع نہیں کرتا تب تک تم بلا روک ٹوک آسکتے ہو۔

## حدیث ۱۵۱۷ ﴿اجازت طلب کرتے وقت نام بتانے کی تاکید﴾ عالمی حدیث ٤٦٦٩

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ دَیْنٍ کَانَ عَلٰی اَبِیْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا فَقُلْتُ اَنَا فَقَالَ اَنَا اَنَا کَاَنَّهٗ کَرِهَهَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۲۳، ج۲، باب اذا قال من ذا فقال انا، کتاب الاستئذان، حدیث ۶۲۵۰، مسلم، ص ۲۱۱، ج۲، باب کراھۃ قول المستاذن، کتاب الادب، حدیث: ۲۱۵۵

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد ماجد کے قرض کے سلسلہ میں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو فرمایا کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں آپ نے فرمایا کہ میں کیا ہوتا ہے گویا آپ نے اس کو ناپسند کیا۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی کے گھر آتے وقت اجازت لی جائے اور اپنا واضح تعارف کرایا جائے، جس سے صاحب خانہ کے سمجھ میں آجائے کہ فلاں صاحب آئے ہیں، اگر اجازت طلب کرنے والے کا کوئی عرفی نام ہے تو اس کو بھی ذکر کرنا چاہئے، اگر کوئی اپنے پیشہ سے متعارف ہے تو اس کو چاہئے کہ تعارف کے وقت اپنے پیشہ کا ذکر کرے، مثلاً کہے کہ وکیل عبداللہ ہوں، ملاقات کرنا چاہتا ہوں، اجازت طلب کرنے والے کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ میں ہوں بلکہ واضح طور پر اپنا نام بتا کر تعارف کرانا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی دین کان علی ابی حضرت جابرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں مشورہ کرنے آئے تھے، جو ان کے والد کے اوپر تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے قرض کی حدیث بہت سی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ متعدد جگہ بیان ہوئی، یہ روایت ''حدیث دین جابر'' کہلاتی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے، اور ان کے ذمہ بہت سے لوگوں کے بہت قرضے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے قرض خواہوں سے پہلے تو کچھ قرض کی معافی کی بات رکھی کہ چھوڑ دیا جائے، جب انہوں نے اس کو نہیں مانا تو انہوں نے مہلت طلب کی، جب انہوں نے اس سے بھی انکار کیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے عرض کیا کہ آپ سفارش فرما دیجئے، آپؐ نے ان قرض خواہوں سے سفارش فرمائی، وہ پھر بھی نہیں مانے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اچھا اپنے باغ میں جاؤ اور کھجوریں توڑو، اور ہر قسم کی کھجوریں علیحدہ علیحدہ جمع کرو۔ یعنی ان کو خلط ملط نہ کرو، اور جب یہ سب کام کر چکو تو مجھ کو اطلاع دو، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا کھجوروں کا ڈھیر لگا کر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کرادی۔ آپؐ تشریف لائے اور ان ڈھیروں میں سے ایک پر بیٹھ گئے، اور فرمایا کہ ان لوگوں کو ناپ ناپ کر کھجوریں دینی شروع کرو، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اور حضورؐ برکت کی دعا فرماتے رہے، یہاں تک کہ سب کا حق پورا ادا ہو گیا اور میری کھجوروں کا حال یہ تھا کہ گویا ان میں سے کچھ لیا ہی نہیں گیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے باغ کی کئی سال کی فصلوں میں جا کر یہ قرض ادا ہوگا، مگر وہ ایک ہی سال کی فصل سے ادا ہو گیا اور روایت میں ہے کہ ہمارے دو باغ تھے، ایک چھوٹا ایک بڑا اور یہ سارا قرض ایک چھوٹے باغ سے پورا ہو گیا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب سب کے حقوق ادا ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ ابوبکر وعمر کو بھی اس کی اطلاع کردو، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو اس کی اطلاع کی، ان دونوں نے فرمایا کہ ہم تو پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ ایسا ہوگا، اس لئے کہ آپؐ بہ نفس نفیس باغ تشریف لے گئے تھے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے اس روایت کو ''علامات النبوۃ'' میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ کتاب البیوع، کتاب الصلح وغیرہ میں بھی بخاری نے روایت نقل کی ہے ابوداود، نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

**فقال من ھذا فقلت انا** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کون ہے تو حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں ہوں۔

**سوال:** کسی کے گھر پہنچنے پر پہلے سلام کیا جائے یا پہلے اجازت طلب کی جائے؟

**جواب:** اس سلسلے میں جاننا چاہئے کہ اگر صاحب خانہ گھر میں قریب ہے اور وہ آواز سن رہا ہے تو پہلے سلام کرے، پھر اجازت طلب کرے، جیسا کہ روایت ۴۶۷۱ سے سمجھ میں آرہا ہے۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ گھر میں کوئی ہے یا نہیں؟ اور ہے تو قریب ہے یا دور؟ تو پہلے گھنٹی بجائے یا دروازہ کھٹکھٹائے، پھر جب رابطہ قائم ہو جائے تو سلام کرے اور اجازت طلب کرے اور یہ سلام استیذان ہے، پھر جب گھر میں داخل ہو تو دوبارہ سلام تحیہ کرے۔ (تحفۃ الالمعی) فقال انا انا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مبہم جواب پر ناگواری ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ انا انا کیا ہوتا ہے اس سے تعیین تو ہوتی نہیں ہے کہ کون ہے؟ بذل میں ہے کہ و انما کرر انا تاکیداً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار "انا" تاکید کی غرض سے فرمایا، مقصد ناگواری ظاہر کرنا تھا، ایک احتمال یہ بھی ہے کہ تکرار تاکید کے لئے نہ ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں فرمایا کہ "انا" تو میں بھی ہوں، یعنی یہ کلمہ تو مجھ پر بھی صادق آتا ہے، بلکہ ہر متکلم پر صادق آتا ہے، لہٰذا اس سے تعیین کا فائدہ حاصل نہیں ہوا، نام ہی لینا چاہئے۔ (بذل المجہود، الدر المنضود)

## حدیث ۱۵۱۸ ﴿دروازے پر رک کر اجازت طلب کرنا﴾ عالمی حدیث: ٤٦٧٠

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ لَبَنًا فِیْ قَدَحٍ فَقَالَ اَبَا هِرٍّ اِلْحَقْ بِاَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ اِلَیَّ فَاَتَیْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَاَقْبَلُوْا فَاسْتَاْذَنُوْا فَاُذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوْا رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۲۳، ج ۲، باب اذا دعی الرجل فجاء هل یستأذن، کتاب الاستئذان، حدیث ٦٢٤٦

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دودھ کا پیالہ پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوہریرہؓ! اہل صفہ کے پاس جاؤ اور ان کو میرے پاس بلا لاؤ، میں ان کے پاس آیا اور انہیں بلا لایا، وہ حاضر ہوئے اور انہوں نے اجازت طلب کی تو انہیں اجازت عطا کر دی گئی، چنانچہ وہ اندر داخل ہوئے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** یہاں یہ حدیث مختصر ہے، بخاری میں ص ۹۵۵ ج ۲، پر مفصل روایت ہے، یہاں ترجمہ نقل کر دوں، تاکہ حدیث باب کا پورا پس منظر سامنے آجائے اور یہ حدیث اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں بھوک کی وجہ سے اپنا پیٹ زمین پر چپکا دیتا تھا، (تاکہ زمین کی ٹھنڈک سے بھوک کی حرارت کم ہو یا یہ مطلب ہو بھوک کی شدت کے بارے میں زمین پر گر پڑتا) اور کبھی اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا، ایک دن میں لوگوں کے اس راستے پر بیٹھ گیا جس سے لوگ نکلتے تھے (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ) اتنے میں حضرت ابوبکرؓ گذرے تو میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا اور میں نے ان سے صرف اس لئے پوچھا تھا کہ (میری آواز کی کمزوری سے میرے بھوکے ہونے کا انہیں علم ہو جائے) تاکہ وہ ہمیں کھلا دیں لیکن وہ آگے بڑھ گئے اور کچھ نہیں کہا، پھر حضرت عمرؓ میرے پاس سے گذرے تو میں نے ان سے بھی قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا اور سوال کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے کھلا دیں لیکن وہ بھی گذر گئے، اور کچھ نہیں کہا، (ممکن ہے کہ اس وقت ان دونوں بزرگوں کے پاس کھلانے کی کوئی چیز نہ ہو واللہ اعلم) اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے دیکھا تو مسکرائے اور حضور نے میرے دل کی بات سمجھ لی اور میرے چہرے کو آپ نے تاڑ لیا آپؐ نے فرمایا ابا ھر یعنی اے ابوہریرہ میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ فرمایا میرے ساتھ آجاؤ اور حضور چلنے لگے اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر پہنچے پھر میں نے اجازت طلب کی تو مجھے اجازت دی اور اندر تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالے میں دودھ پایا تو گھر والوں سے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ

کہاں سے آیا ہے؟ گھر والوں نے بتایا کہ فلاں نے یا فلانی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ بھیجا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اباھو میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ فرمایا اصحاب صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں میرے پاس بلالاؤ ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ اصحاب صفہ مسلمانوں کے مہمان تھے، وہ نہ کسی کے گھر میں پناہ ڈھونڈھتے اور نہ کسی مال میں اور نہ کسی دوست پر (مطلب یہ ہے کہ اہل صفہ کے اہل وعیال تھے نہ مال تھا اور نہ کوئی دوست وآشنا جن کے پاس جا کر رہتے) جب حضورؐ کے پاس صدقہ آتا تو اصحاب صفہ کے پاس بھیج دیتے اور خود اس صدقے میں سے کچھ نہیں لیتے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ آتا تو انہیں بلا بھیجتے اور اس میں سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تناول فرماتے اور اس ہدیہ میں اصحاب صفہ کو بھی شریک کرتے ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جاؤ اصحاب صفہ کو بلالاؤ تو مجھ کو ناگوار گذرا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دودھ ہے ہی کتنا کہ سارے اصحاب صفہ میں تقسیم ہو جائے گا اس کا زیادہ حق دار میں تھا کہ اس دودھ کو پی کر کچھ قوت حاصل کروں پھر جب اصحاب صفہ آجائیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ہی حکم دیں گے کہ میں انہیں دوں مجھے تو شاید اس دودھ میں سے کچھ نہ ملے گا لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا، چنانچہ میں ان اصحاب کے پاس پہنچا اور ان سب کو بلایا پھر وہ سب آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی تو انہیں اجازت مل گئی اور وہ حضرات گھر میں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ ارشاد فرمایا اور ان سب حضرات کو دو چنانچہ میں نے پیالہ لیا اور ایک ایک کو دینے لگا ایک شخص جب دودھ پی کر سیراب ہو جاتا تو پیالہ مجھے واپس کر دیتا پھر میں پیالہ کو دوسرے کو دیتا وہ بھی سیراب ہو کر پی لیتا پھر پیالہ مجھے لوٹا دیتا یہاں تک کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا دراں حالانکہ سب لوگ پی کر سیراب ہو چکے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ لیا اور پیالے کو اپنے ہاتھ پر رکھ کر میری طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا اے ابو ہریرہ میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ ارشاد فرمایا اب میں اور تم باقی رہ گئے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے سچ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور پیو چنانچہ میں بیٹھ گیا اور پیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور پیو میں نے پھر پیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم برابر فرماتے رہے اور پیو آخر مجھے کہنا پڑا نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اب دودھ کی گنجائش نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر مجھے دے دو میں نے پیالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا دودھ خود نوش فرمایا۔ (بخاری)

**کلمات حدیث کی تشریح**

**الحق باهل الصفة** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو ہریرہ اصحاب صفہ کے پاس جاؤ اور ان کو میرے پاس بلالاؤ۔ بخاری کی گزشتہ سطور میں نقل کی گئی حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اہل صفہ صحابہ کی اس جماعت کو کہا جاتا ہے، جن کا مدینہ میں نہ گھر بار تھا اور نہ کوئی سلسلہ معاش، یہ مسجد نبوی کے باہر ایک چبوترہ پر جمع رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دین سیکھتے تھے، مدینہ کے مسلمان ان کے کھانے پینے کا نظم کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر و بیشتر ان کو اپنے گھر بلا کر کھلاتے پلاتے تھے۔ **فاستاذنوا فاذن لهم** انہوں نے یعنی اصحاب صفہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، تب گھر میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ کسی کو بلانا، اجازت حاصل کرنے کو ساقط نہیں کرتا ہے، یعنی اگر کوئی شخص کسی کے بلانے پر اس کے گھر جائے تو بھی اس کو چاہئے کہ وہ دروازہ پر آکر پہلے اجازت طلب کرلے اور پھر گھر کے اندر جائے۔ الا یہ کہ بلانے اور آنے میں زیادہ وقت کا فرق نہ ہو۔ آگے حدیث آرہی ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو بلایا جائے اور وہ بلانے والے کے ہمراہ آجائے، تو اس کے ساتھ آنا ہی اس کے لئے اجازت ہے۔ یعنی اس کو مزید اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ (دیکھیں عالمی حدیث ۴۶۷۲) چوں کہ حدیث باب، آگے آنے

والی حدیث کے بظاہر مطابق نہیں ہے، لہٰذا ان دونوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے علماء نے لکھا ہے کہ اصل مسئلہ یہی ہے کہ بلاکر لانے والے کے ساتھ آنے کی صورت میں اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، چنانچہ اہل صفہ نے اسی لئے اجازت چاہی تھی کہ وہ لوگ حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ نہیں آئے ہوں گے، بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کے بعد پہنچے ہوں گے، اگر وہ حضرات ابو ہریرہ کے ساتھ ہی چلے آتے تو ان کو اجازت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی یا یہ کہ وہ لوگ حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ ہی آئے تھے اور اس صورت میں ان کو اجازت حاصل کرنے کی حاجت نہیں تھی، لیکن چوں کہ ان لوگوں پر ادب وحیا کا انتہائی غلبہ تھا، اس لئے ان لوگوں نے اجازت حاصل کرنا ہی بہتر سمجھا، یا ان لوگوں کو وہاں کوئی ایسی چیز محسوس ہوئی ہوگی جو اجازت حاصل کرنے کی مقتضی تھی یا یہ کہ ان لوگوں کو یہ حدیث ہی نہیں پہنچی تھی، اس لئے ان لوگوں نے اجازت حاصل کی۔ (مظاہر حق)

## الفصل الثانی

### حدیث ۱۵۱۹ ﴿بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۶۷۱

عَنْ كَلْدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ بَعَثَ بِلَبَنٍ اَوْ جِدَايَةٍ وَضَغَابِيْسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَعْلَى الْوَادِيْ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ اُسَلِّمْ وَلَمْ اَسْتَأْذِنْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ ءَاَدْخُلُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ترمذی، ص ۱۰۰، ج۲، باب ما جاء فی التسلیم قبل الاستئذان، کتاب الاستئذان، حدیث ۲۷۱۰، ابوداود، ص ۷۰۳، ج۲، باب کیف الاستئذان، کتاب الادب، حدیث ۵۱۷۶

**حل لغات:** جداية ہرن کا چھ ماہ کا بچہ جو توانا ہو گیا ہو، نر اور مادہ دونوں کے لئے (ج) جَدَايا، ضغابيس جمع ہے، واحد ضُغْبُوْسٌ چھوٹا لومڑی کا بچہ، الوادی ٹیلوں اور پہاڑوں کے درمیان کی جگہ جہاں بارش اور سیلاب کا پانی بہتا ہو۔

**ترجمه:** حضرت کلدہ بن حنبلؓ سے روایت ہے کہ حضرت صفوان بن امیہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ، ہرن کا بچہ، اور ککڑی بھیجی، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وادی کے بالائی حصہ میں تھے، راوی کہتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، میں نے نہ سلام کیا اور نہ اجازت طلب کی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوٹ جاؤ اور کہو کہ "السلام علیکم" کیا میں اندر آجاؤں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صاحب خانہ اگر آواز سن رہا ہے تو پہلے سلام کرے پھر اجازت طلب کر کے گھر میں داخل ہو۔

**کلمات حدیث کی تشریح** كلدة بن حنبل ہدیہ بھیجنے والے صفوان بن امیہ ہیں، اور کلدہ بن حنبل ان کے قاصد ہیں، یہ ہدیہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تھے۔ باعلی الوادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی کے بالائی حصہ یعنی حجون میں تھے، یہیں مکہ کا مشہور قبرستان "معلاۃ" ہے۔ ادخل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی خیمہ یا مکان وغیرہ میں ہوں گے اسی لئے اجازت لئے بغیر داخل ہونے پر نکیر فرمائی۔

### حدیث ۱۵۲۰ ﴿بلانے والے کے ساتھ آنا اجازت ہے﴾ عالمی حدیث ۴۶۷۲

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ فَجَاءَ مَعَ الرَّسُوْلِ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَهُ اِذْنٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ رَسُوْلُ الرَّجُلِ اِلَى الرَّجُلِ اِذْنُهُ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۷۰۵، ج ۲، باب فی الرجل یدعی ان یکون ذالک اذنہ، کتاب الادب، حدیث ۵۱۹۰

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو بلایا جائے، اور وہ بلانے والے کے ساتھ آئے، تو یہی اس کی اجازت ہے۔ (ابوداؤد) اور ابوداؤد ہی کی ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا بھیجا ہوا شخص اس کی طرف سے اجازت ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے کسی آدمی کو بھیج کر کسی کو بلایا، اور بلایا ہوا شخص بھیجے ہوئے کے ساتھ ہی آ گیا تو اب گھر کے باہر رک کر اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ اگر بعد میں آیا ہے تو اجازت لینا ضروری ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فان ذلك لہ اذن بلایا ہوا شخص قاصد کے ساتھ آیا تو یہ بلا ناداخول کی اجازت ہے، الگ سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے، البتہ اگر بعد میں آیا تو یہ حکم نہیں ہے، لیکن احتیاطاً اجازت لینا بہتر ہے، خاص طور پر اس وقت جب گھر میں عورتیں ہوں۔ پیچھے حدیث گذری ۴۶۷۰۔ اس میں اصحاب صفہ اجازت لے کر ہی گھر میں آئے تھے، حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا تھا تب وہ آئے تھے۔ حدیث باب اور حدیث ۴۶۷۰ میں بظاہر تعارض ہے دفع تعارض وہیں پر ذکر کر دیا گیا ہے تفصیل دیکھ لی جائے۔

## حدیث ۱۵۲۱ ﴿اجازت ملنے سے قبل گھر کے دروازے پر کھڑے ہونے کا ذکر﴾ عالمی حدیث ٤٦٧٢

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰى بَابَ قَوْمٍ لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِهٖ وَلٰكِنْ مِنْ رُكْنِهِ الْاَيْمَنِ اَوِ الْاَيْسَرِ فَيَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَذٰلِكَ اَنَّ الدُّوْرَ لَمْ تَكُنْ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا سُتُوْرٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَنَسٍ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فِيْ بَابِ الضِّيَافَةِ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۷۰۵، ج ۲، باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستئذان، کتاب الادب، حدیث ۵۱۸۶

**حل لغات:** رکن (ج) ارکان، الدور مراد زمانہ، دار یدور دورا چکر لگانا کسی کو لاد کر گھومنا، ستور ستر کی جمع پردہ۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن بسرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر آتے، تو دروازہ کی طرف رخ کر کے کھڑے نہیں ہوتے، بلکہ دروازہ کے دائیں بائیں کھڑے ہوتے، پھر فرماتے السلام علیکم السلام علیکم اور دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہونے کی وجہ یہ ہوا کرتی تھی کہ اس زمانے میں دروازوں پر پردے نہ پڑے ہوتے تھے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں دو اہم باتیں ہیں (۱) آپ کسی کے گھر آتے تو اجازت ملنے اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے کے سامنے نہیں کھڑے ہوتے تا کہ بے پردگی نہ ہو، دروازہ سے ہٹ کر دائیں بائیں کھڑے ہوتے تھے۔ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سے زائد بار سلام کرتے تا کہ صاحب خانہ اچھی طرح سن لے، دوبارہ کا ذکر تعدد کو بتانے کے لئے ہے، دو پر حصر مقصود نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہونے سے پہلے تین بار سلام استیذان فرماتے تھے، تین بار میں بھی اجازت نہ ملتی تو واپس ہو جاتے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۶۶۷۔

**کلمات حدیث کی تشریح** و ذالك ان الدور لم تكن يومئذ عليها ستور. دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہونے کی مصلحت یہ تھی کہ اس زمانے میں دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے، بذل میں لکھا ہے کہ دروازہ سے ہٹ کر مطلقاً کھڑے ہونا ہی بہتر ہے، اگر چہ دروازہ پر پردہ پڑا ہی ہو۔ تا کہ اصل سنت پر عمل ہو جائے۔ (بذل المجهود)

# الفصل الثالث

**حدیث ۱۵۲۲ ﴿اپنی ماں کے گھر میں بھی اجازت لے کر جانے کی تاکید﴾ عالمی حدیث: ٤٦٧٤**

عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَسْتَأْذِنُ عَلٰى اُمِّىْ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّىْ مَعَهَا فِى الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّىْ خَادِمُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً قَالَ لَا قَالَ فَاسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا.

**حوالہ:** موطا امام مالك ص ۳۸۰ باب الاستئذان، کتاب الاستئذان، حدیث ۱

**حل لغات:** عریانة ننگی عریان کا مؤنث ہے، عَرِیَ (س) عُرْيًا من ثيابه برہنہ ہونا ننگا ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت عطا ابن یسارؒ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہوئے عرض گذار ہوا، کیا میں اپنی والدہ ماجدہ سے اجازت لیا کروں؟ فرمایا ہاں، انہوں نے عرض کیا کہ میں گھر میں ان کے ساتھ رہتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہر حال ان سے اجازت لیا کرو، ان آدمی نے عرض کیا کہ بے شک میں ان کا خادم ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر بھی اجازت لیا کرو، کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم انہیں ننگا دیکھو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے اجازت لیا کرو، امام مالکؒ نے اس روایت کو مرسلا روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا بہر حال ضروری ہے، اگر گھر میں محارم ہوں تو بھی اجازت لے کر جایا جائے، کیوں کہ بسا اوقات تنہائی میں عورتیں ستر وغیرہ کا خیال نہیں رکھ پاتیں، ایسے میں بغیر اجازت داخل ہونے پر اپنے محرم کو غیر مستور دیکھ کر شرمندگی ہوگی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اتحب ان تراها عريانة سائل کا مقصد یہ تھا کہ گھر میں ماں کے ساتھ میری رہائش ہے اور میں ان کا خادم ہوں، میرا بار بار آنا جانا ہے تو میرے لئے گنجائش ہونا چاہئے کہ میں بغیر اجازت گھر آؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے باوجود اجازت لے کر گھر میں داخل ہونے کی تاکید کی اور اس کی حکمت بیان کی کہ اجازت لینے کی مشروعیت کی غرض یہ ہے کہ بغیر اجازت داخل ہونے کی صورت میں جن چیزوں کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرتا ان سے بچا جائے، اب بغیر اجازت داخل ہونے میں ہوسکتا ہے کہ ماں کا کوئی عضو مستور اتفاقاً کھلا ہوا ہو اور بیٹے کی اس پر نظر بلا ارادہ پڑ جائے، لہٰذا استیذان کا حکم برقرار رہے گا، تا کہ ان خرابیوں سے بچا جا سکے۔

## حدیث ۱۵۲۳ ﴿اجازت دینے کے طریقے کا ذکر﴾ عالمی حدیث ٤٦٧٥

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ لِىْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْخَلٌ بِاللَّيْلِ وَمُدْخَلٌ بِالنَّهَارِ فَكُنْتُ اِذَا دَخَلْتُ بِاللَّيْلِ تَنَحْنَحَ لِىْ رَوَاهُ النَّسَائِىُّ.

**حوالہ:** نسائی، ص ۱۳۵، ج ۱، باب التنحنح فى الصلاة، کتاب السهو، حدیث ۱۲۱۲

**ترجمہ:** حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے پاس رات کو بھی اور دن کو بھی آیا جایا کرتا تھا، چنانچہ جب میں رات کے وقت حاضر ہوتا تو آپ مجھے اجازت دینے کے لئے کھنکار دیتے تھے۔ (نسائی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بار بار آنے جانے والے کو بھی اجازت لینا چاہئے، اور اجازت دینے والے نے صراحتاً اجازت نہ دی بلکہ کسی ایسے انداز اور عمل سے اجازت دی جس سے اجازت لینے والا واقف ہے تو یہ عمل بھی صراحتاً اجازت دینے کی طرح ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مدخل باللیل و مدخل بالنهار فكنت اذا دخلت بالليل حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کے وقت اجازت دینے کی علامت کھنکارنا تھا، رہی یہ بات کہ دن کے وقت حاضری کی صورت میں کون سی علامت مقرر تھی، تو احتمال ہے کہ اس صورت کے لئے امر بالعکس مراد ہو، یعنی حضرت علیؓ یہ کہنا چاہتے ہوں کہ رات کے وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھنکارتے تھے، جو میرے لئے اجازت کے مرادف ہوتا اور جب دن کے وقت حاضر ہوتا تو خود کھنکار کر اندر جاتا تھا، اس حدیث سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھنکارنا اجازت کی علامت تھا، لیکن ایک دوسری روایت میں حضرت علیؓ یہ فرماتے ہیں کہ جب میں رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھنکار دیتے تو میں واپس ہو جاتا، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کھنکارنا عدم اجازت کی علامت ہوتا تھا، لہٰذا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھنکارنا صرف اجازت کی علامت نہیں ہوتا تھا، بلکہ کوئی ایسا قرینہ ہوگا جس کے ذریعہ بعض اوقات تو کھنکارنا اجازت کی علامت سمجھا جاتا تھا اور بعض اوقات اس کو عدم اجازت کی علامت سمجھتے ہوں گے؛ لہٰذا وہ قرینہ جس صورت (اجازت یا عدم اجازت) کو ظاہر کرتا حضرت علیؓ اسی پر عمل کرتے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۵۲۴ ﴿سلام کے ذریعہ اجازت طلب کرنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ۴۶۷۶

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَأْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ .

**حواله:** بيهقى فى شعب الايمان، ص ۴۴۱، ج ۶، باب فى مقاربة و موادة اهل الدين، حديث ۸۸۱۶

**ترجمه:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سلام سے پہل نہ کرے اس کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دو۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص سلام کے ذریعہ اجازت طلب کئے بغیر اندر آ گیا اور اس نے اندر آ کر بھی سلام نہ کیا تو اس سے کہا جائے کہ واپس جاؤ اور سلام کے ذریعہ اجازت لے کر اندر داخل ہو۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تأذنوا لمن لم يبدأ بالسلام گھر کے اندر بغیر اجازت لئے داخل ہونا درست نہیں ہے، اجازت لے کر ہی داخل ہوا جائے۔ اب اجازت طلب کرنے کی کیفیت کیا ہو، اس کی تفصیل میں علماء کا اختلاف ہے۔

بعض علماء کے نزدیک استیذان کی صحیح صورت یہ ہے کہ اولاً اجازت طلب کی جائے اور اجازت ملنے کے بعد سلام کیا جائے یعنی استیذان سلام پر مقدم ہے۔ یہ حضرات ایک تو قرآن کریم کی آیت سے استدلال کرتے ہیں، جس میں ہے یاایها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتیٰ تستانسوا و تسلموا علی اهلها اس آیت میں تستانسوا کا ترجمہ حضرات مفسرین نے تستاذنوا سے کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے دو کام کرنے چاہئیں ایک استیناس یعنی استیذان اور دوم سلام۔ آیت میں استیذان کو سلام پر مقدم کیا ہے۔ دوسرے یہ حضرات، حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے، اس میں ہے قلنا یا رسول الله هذا السلام، فما الاستیذان ؟ قال: یتکلم الرجل بتسبیحة و تکبیرة، و یتنحنح و یؤذن اهل البیت" یعنی یا رسول اللہ یہ تو سلام ہوا، استیذان کا کیا طریقہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کو تسبیح وتکبیر کہہ کر اور کھنکار کر گھر والوں کو اپنی آمد کی خبر دینی چاہئے۔ معلوم ہوا سلام سے پہلے تسبیح وغیرہ پڑھ لینا یا کھنکارنا استیذان ہے، لیکن جمہور علماء کے نزدیک استیذان کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سلام کو استیذان پر مقدم کیا جائے، یعنی پہلے سلام کرے پھر گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی جائے۔ مثلاً پہلے یہ کہا جائے السلام علیکم اس کے بعد کہا جائے کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ یہ حضرات ایک تو سنن ابی داؤد میں حضرت ربعیؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تھے بنی عامر کے ایک شخص نے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی اور کہا أألج کیا میں داخل ہوسکتا ہوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا اخرج الی ھذا، فعلیہ الاستیذان، فقل لہ قل: السلام علیکم، أأدخل یعنی نکل کر اس آدمی کو استیذان کا طریقہ بتاؤ اور کہو کہ وہ یہ کہہ کر اجازت طلب کرے، السلام علیکم اادخل کیا میں داخل ہوسکتا ہوں، وہ صاحب یہ ہدایت سن رہے تھے، چنانچہ انہوں نے کہا السلام علیکم اادخل رسول اللہ نے انہیں اجازت دے دی۔ یہاں حدیث باب ہے، جس کو امام بیہقیؒ نے بھی شعب الایمان میں حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے اس میں بھی ہے کہ لاتاذنوالمن لم یبدأبالسلام یعنی جو سلام سے ابتدا نہ کرے اس کو اجازت مت دو۔ امام بخاریؒ نے بھی الادب المفرد میں حضرت ابوہریرہؓ سے اس طرح کی ایک روایت نقل کی ہے ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام استیذان پر مقدم ہے، جہاں تک تعلق ہے قرآن مجید کی آیت کا، تو اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ وہاں واؤ مطلق جمع کے لئے ہے ترتیب کے لئے نہیں جیسا کہ اصول فقہ میں قاعدہ مشہور ہے اور حضرت ابوایوبؓ کی روایت کو حافظ ابن حجرؒ نے ضعیف قرار دیا ہے، اس لئے وہ ذکر کردہ ان روایات کے مقابلے میں قابل حجت نہیں، بہر حال جمہور علماء کے نزدیک اجازت طلب کرنے کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ پہلے سلام کیا جائے اس کے بعد اپنا نام بتلا کر اجازت طلب کی جائے، ہاں ایسے مقامات ومکانات اور جگہیں جہاں کھلے عام ہر شخص کو آنے کی اجازت ہو مثلاً مسافر خانے، اسپتال وغیرہ تو وہاں استیذان کا مذکورہ حکم لاگو نہیں ہوگا آیت کریمہ میں بیوتا غیر مسکونۃ سے ایسے ہی مقامات مراد ہیں۔ (کشف الباری)

# باب المصافحة والمعانقة

## ﴿مصافحہ اور معانقہ کا بیان﴾

اس بات کے تحت ۱۸ احدیثیں منقول ہیں، جن میں مصافحہ کی مشروعیت، مصافحہ کی فضیلت وبرکت، معانقہ کا جواز، معانقہ اور بوسہ کا ذکر، مصافحہ کی فضیلت، آپؐ کے بوسہ کا ذکر، سفر سے آنے والے کے ساتھ معانقہ کرنا، اور دیگر امور کا تذکرہ ہے، ملاقات کے وقت سلام کے بعد اگر مصافحہ اور معانقہ بھی کیا جائے اور آنے والے کو خوش آمدید کہا جائے تو اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے، اور نفرت ختم ہوتی ہے، یہ اور باتیں سلام کے مقاصد کی تکمیل کرتی ہیں۔

''مصافحہ'' کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے، دست یکدیگر را گرفتن، دو آدمیوں کا باہم ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا۔
''معانقہ'' کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ دست درگردن یکدیگر درآوردن۔ یعنی دو آدمیوں کا باہم ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالنا۔ یا دو آدمیوں کا باہم ایک دوسرے کو سینے سے لگانا۔

## ﴿مصافحہ اور معانقہ کے احکام﴾

باہمی ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، نیز دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہئے، محض ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا غیر

مسنون ہے، کسی خاص موقعہ یا کسی خاص تقریب کے وقت مصافحہ کو ضروری سمجھنا غیر شرعی بات ہے، چنانچہ بعض مقامات پر جو یہ رواج ہے کہ کچھ لوگ عصر کی نماز یا جمعہ کے بعد ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ تخصیص وقت کے سبب اس طرح کا مصافحہ مکروہ اور بدعت مذمومہ ہے، ہاں اگر کوئی شخص مسجد میں آئے اور لوگ نماز میں مشغول ہوں یا نماز شروع کرنے والے ہوں اور وہ شخص نماز ہو جانے کے بعد ان لوگوں سے مصافحہ کرے تو یہ مصافحہ بلاشبہ مسنون مصافحہ ہوگا، بشرطیکہ اس نے مصافحہ سے پہلے سلام بھی کیا ہو، تاہم یہ واضح رہے کہ اگرچہ کسی متعین اور مکروہ وقت میں مصافحہ کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس وقت مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اس کی طرف سے ہاتھ کھینچ لینا اور اس طرح بے اعتنائی برتنا مناسب نہیں ہوگا، کیوں کہ اس کی وجہ سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھانے والے شخص کو دکھ پہنچے گا اور کسی مسلمان کو دکھ نہ پہنچانا آداب کی رعایت سے زیادہ اہم ہے۔

جوان عورت سے مصافحہ کرنا حرام ہے اور اس بوڑھی عورت سے مصافحہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جس کی طرف جنسی جذبات مائل نہ ہو سکتے ہوں، چنانچہ منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ان بوڑھیوں سے مصافحہ کرتے تھے جن کا دودھ انھوں نے پیا تھا، اسی طرح وہ بڈھا مرد جو جنسی جذبات کی فتنہ خیزیوں سے بے خوف ہو چکا ہو اس کو جوان عورت سے مصافحہ کرنا جائز ہے، عورت کی طرح خوش شکل امرد سے بھی مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے، واضح رہے کہ جس کو دیکھنا حرام ہے اس کو چھونا بھی حرام ہے، بلکہ چھونے کی حرمت دیکھنے کی حرمت سے زیادہ سخت ہے، جیسا کہ مطالب المومنین میں مذکور ہے۔

صلوٰۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص سلام کرے تو اپنا ہاتھ بھی دے، یعنی مصافحہ کے لئے ہاتھ دینا سنت ہے، لیکن مصافحہ کا یہ طریقہ ملحوظ رہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھے محض انگلیوں کے سروں کو پکڑنے پر اکتفا نہ کرے، کیوں کہ محض انگلیوں کے سروں کو پکڑنا مصافحہ کا ایسا طریقہ ہے جس کو بدعت کہا گیا ہے۔

معانقہ یعنی ایک دوسرے کو سینے سے لگانا مشروع ہے خاص طور سے اس وقت جب کہ کوئی شخص سفر سے آیا ہو جیسا کہ حضرت جعفر ابن ابی طالب کی حدیث منقول ہے، لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے کہ جب کہ اس کی وجہ سے کسی برائی میں مبتلا ہو جانے یا کسی شک وشبہ کے پیدا ہو جانے کا خوف نہ ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے بارے میں منقول ہے کہ یہ دونوں حضرات معانقہ اور تقبیل (یعنی ہاتھ کو منہ اور آنکھوں کے ذریعہ چومنے) کی کراہت کے قائل ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ معانقہ کے بارے میں نہی (ممانعت) منقول ہے، چنانچہ فصلِ اول میں حضرت انسؓ کی روایت سے یہ نہی ثابت ہوتی ہے یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ جن روایتوں سے معانقہ کی اجازت ثابت ہوتی ہے ان کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب کہ معانقہ کو ممنوع نہیں قرار دیا گیا تھا، بہر حال اس سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں اور جن کے درمیان بظاہر اختلاف نظر آتا ہے (کہ بعض سے اجازت ثابت ہوتی ہے اور بعض سے ممانعت) تو احادیث کے اس باہمی اختلاف کو دور کرنے اور ان کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے حضرت شیخ ابومنصور ماتریدیؒ کا یہ قول منقول ہے کہ جو معانقہ برے خیال اور جنسی جذبات کے تحت ہو وہ مکروہ ہے اور جس معانقہ کا تعلق محبت واکرام کے جذبہ سے ہو وہ بلاشک وشبہ جائز ہے، بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ معانقہ کے بارے میں فقہاء کے ہاں جو اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ جسم پر کپڑے نہ ہوں، بدن پر قمیص وجبہ وغیرہ ہونے کی صورت میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ بالاتفاق جائز ہے۔

تقبیل یعنی ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا بھی جائز ہے بلکہ بزرگانِ دین اور متبعین سنت علماء کے ہاتھ پر بوسہ دینے کو بعض حضرات نے مستحب کہا ہے، لیکن مصافحہ کے بعد خود اپنا ہاتھ چومنا کچھ اصل نہیں رکھتا، بلکہ یہ جاہلوں کا طریقہ ہے اور مکروہ ہے۔

امرائے سلطنت اور علماء مشائخ کے سامنے زمین بوسی کرنا حرام ہے، زمین بوسی کرنے والا اور اس زمین بوسی پر راضی ہونے والا دونوں ہی گنہگار ہوتے ہیں، فقیہ ابو جعفرؒ کہتے ہیں کہ سلطان وحاکم کے آگے زمین بوسی اور سجدہ کرنے والا کافر ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس کی زمین بوسی وسجدہ عبادت کی نیت سے ہو اور اگر تحیہ (سلام) کے طور پر ہو تو کافر نہیں ہوتا، لیکن آثم اور کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، اور بعض علماء کے قول کے مطابق کسی بھی طرح کی نیت نہ ہونے کی صورت میں بھی کافر ہو جاتا ہے، واضح رہے کہ اکثر علماء کے نزدیک زمین بوسی کرنا، زمین پر ماتھا ٹیکنے یا رخسار رکھنے سے ہلکا فعل ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ کسی عالم یا سلطان وحاکم کے ہاتھ کو چومنا ان کے علم وانصاف کی بنا پر اور دین کے اعزاز واکرام کے جذبہ سے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر ان کے ہاتھ چومنے کا تعلق کسی دنیاوی غرض ومنفعت سے ہو تو سخت مکروہ ہوگا، اگر کوئی شخص کسی عالم یا کسی بزرگ سے اس کا پیر چومنے کی درخواست کرے تو اس کو ہرگز نہیں ماننا چاہئے۔

بچوں کو بوسہ دینے (پیار کرنے) کی اجازت ہے اگرچہ غیر کا بچہ ہو بلکہ دہانِ طفل پر بوسہ دینا مسنون ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جو بوسہ شرعی طور پر جائز ہے اس کی پانچ صورتیں ہیں، ایک تو مؤدت ومحبت کا بوسہ، جیسے والدین کا اپنے بچے کے رخسار کو چومنا، دوسرے احترام واکرام اور رحمت کا بوسہ جیسے اولاد کا اپنے والدین کے سر پر بوسہ دینا، تیسرے جنسی جذبات کے تحت بوسہ، جیسے شوہر کا بیوی کے چہرہ کا بوسہ لینا، چوتھے تحیہ (سلام) کا بوسہ، جیسے مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ کو چومنا، اور پانچویں وہ بوسہ جو بہن اپنے بھائی کی پیشانی کا لیتی ہے، بعض حضرات کے نزدیک آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ اور چہرہ پر بوسہ دینا مکروہ ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچے کا بوسہ لینا واجب ہے۔

امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ (شوہر وبیوی کے علاوہ کسی اور کا) جنسی جذبات کے تحت بوسہ لینا بالاتفاق حرام ہے، خواہ وہ باپ ہو یا کوئی دوسرا۔ (مظاہر حق)

## الفصل الاول

### حدیث ۱۵۲۵ ﴿صحابہؓ ملاقات کے وقت مصافحہ کرتے تھے﴾ عالمی حدیث: ٤٦٧٧

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ اَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِىْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۲۶، ج ۲، باب المصافحة، کتاب الاستئذان، حدیث ٦٢٦٣

**ترجمہ:** حضرت قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے کہا کہ صحابہؓ آپس میں ملاقات کے وقت مصافحہ کرتے تھے؟ حضرت انسؓ نے کہا ہاں کرتے تھے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مصافحہ امر مشروع ہے، صحابہؓ آپس میں ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے تھے، حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی مصافحہ فرماتے تھے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مصافحہ کے سنت ہونے پر اجماع ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اکانت المصافحة فی اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم صحابہ کے درمیان آپس میں ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ کرنے کا رواج تھا؟ نعم ہاں یعنی صحابہ سلام کے بعد باہم مصافحہ کرتے تھے۔

**مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دونوں ہاتھ سے؟** مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ مصافحہ کا عام طریقہ تو یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا جائے، تاہم اگر کسی نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تو بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ (فیض الباری، ص ۴۱۱، ج ۴) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے بھی ثابت ہے اور دونوں ہاتھوں سے بھی ثابت ہے، لیکن ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا چوں کہ فرنگیوں کا شعار بن چکا ہے، لہٰذا واجب الترک ہے۔ (الکوکب الدری، ص ۳۹۲، ج ۳) آج کل بعض غیر مقلدین ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت قرار دیتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول سے استدلال کرتے ہیں "علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم التشھد و کفی بین کفیہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد سکھایا اور میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ایک غیر مقلد سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور اس نے ایک ہاتھ سے اور استدلال میں "و کفی بین کفیہ" پیش کیا، کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میرا ایک ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، مولانا نے فرمایا کہ پھر سنت پر عمل کس نے کیا؟ میں نے یا آپ نے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دونوں ہاتھ ملائے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل کرنا سنت کہلاتا ہے، تب وہ لاجواب ہو کر خاموش رہا۔ پھر "و کفی بین کفیہ" سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک ہی ہاتھ ملایا ہو، کیوں کہ بظاہر ایسا نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھ ملائے ہوں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک ہاتھ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی بظاہر دونوں ہاتھ ہی ملائے تھے، لیکن ایک چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ڈھکا ہوا تھا، اس لئے اس کا ذکر کیا، دوسرا ہاتھ درمیان میں نہیں بلکہ اوپر تھا، بہر حال ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا مستحب و مسنون ہے، البتہ اجنبی عورت اور ایسے امرد لڑکوں سے مصافحہ کرنا درست نہیں، جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو۔ (کشف الباری)

## حدیث ۱۵۲۶ ﴿بچوں کو بوسہ لینے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٦٧٨

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعِنْدَهُ الْاَقْرَعُ ابْنُ حَابِسٍ قَالَ الْاَقْرَعُ اِنَّ لِیْ عَشَرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا فَنَظَرَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَثَمَّ لُكَعُ فِیْ بَابِ مَنَاقِبِ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَذُكِرَ حَدِيْثُ اُمِّ هَانِئٍ فِیْ بَابِ الْاَمَانِ

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۸۷، ج ۲، باب رحمۃ الولد، کتاب الادب، حدیث ۵۹۹۷، مسلم، ص ۲۵٤، ج ۲، باب رحمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛ کتاب الفضائل، حدیث ۲۳۱۸

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علیؓ کو بوسہ دیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت اقرع بن حابسؓ موجود تھے۔ حضرت اقرعؓ نے عرض کیا کہ میرے دس بچے ہیں، لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چوما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ جو شفقت نہیں کرتا اس پر شفقت نہیں کی جائے گی۔ (بخاری و مسلم)
حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث "اثم لکع" کو باب مناقب اہل البیت الخ میں نقل کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور حضرت ام ہانی کی حدیث باب الامان میں گذر چکی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بچوں کے ساتھ پیار و محبت کرنا سنت ہے۔ یہ خلاف تقویٰ ہرگز نہیں ہے، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جو دوسروں پر جتنا رحم کرے گا اس کے ساتھ اسی قدر رحم و کرم کا برتاؤ ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کے ساتھ پیار و محبت نہ کرنا دل کی سختی کی علامت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** قبل رسول الله صلی الله علیه وسلم الحسن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کا بوسہ لیا، حاشیہ بذل میں ہے کہ ملاعلی قاریؒ نے امام نوویؒ سے نقل کیا ہے کہ باپ کا اپنے بیٹے کے رخسار کا بوسہ لینا محبت وشفقت کی بناپر واجب ہے اور ایسے میں رخسار کے علاوہ دوسرے اعضاء کا بھی اور اپنی اولاد کے علاوہ اپنے احباب کی اولاد کی تقبیل سنت ہے، البتہ شہوت کا بوسہ لینا بہر حال حرام ہے۔(الدر المنضود)

# الفصل الثانی

## حدیث ۱۵۲۷ ﴿مصافحه کی برکت کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٦٧٩

عَنِ الْبَراءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ اَنْ يَّتَفَرَّقَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ وَقَالَ اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَلَهُمَا.

**حواله:** مسند احمد، ص۲۸۹، ج٤، ابوداؤد، ص. ج۲، باب في المصافحة، كتاب الادب، حديث ۵۲۱۲، ترمذی، ص۱۰۲، ج۲، باب ما جاء في المصافحة، كتاب الاستئذان، حديث ۲۷۲۷، ابن ماجه، ص۲۶۳، باب المصافحة، كتاب الادب، حديث ۳۷۰۳

**ترجمه:** حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہیں ایسے دو مسلمان جو ملاقات کے وقت آپس میں مصافحہ کریں مگر دونوں جدا ہونے سے پہلے بخش دیئے جاتے ہیں۔(احمد، ترمذی، ابن ماجہ) اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو ایک دوسرے سے مصافحہ کریں، اور اللہ کی حمد وثناء کرنے کے ساتھ اس سے معافی چاہیں تو دونوں کو بخش دیا جاتا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** ملاقات کے وقت سلام کے بعد اگر مصافحہ اور معانقہ بھی کیا جائے اور آنے والے کو خوش آمدید کہا جائے تو اس سے مودت ومحبت اور فرحت وسرور میں اضافہ ہوتا ہے اور وحشت ونفرت اور قطع تعلق کا اندیشہ دور ہوتا ہے، یعنی یہ باتیں سلام کے مقصد کی تکمیل کرتی ہیں۔ حدیث میں مصافحہ کی برکت سے مغفرت کی بات فرمائی گئی ہے، لیکن مغفرت کا استحقاق اس وقت ہوتا ہے، جب ملاقات کے وقت پہلے سلام کیا جائے، "حضرت جندبؓ سے مروی ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں ملتے تھے تو جب تک سلام نہیں کر لیتے تھے مصافحہ نہیں کرتے تھے" پھر مصافحہ کے ساتھ سلام کی طرح زور سے کہے "یغفر الله لنا ولکم" اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی مغفرت فرمائیں۔ پھر مزاج پرسی کے وقت دونوں اللہ کی تعریف کریں اور ہر حال میں اللہ کا شکر بجالائیں تو دونوں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔(تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** غفر لهما قبل ان يتفرقا مصافحہ کرنے سے مغفرت ہوتی ہے، لیکن مصافحہ سلام کا تکملہ ہے، لہٰذا مصافحہ پر اکتفا درست نہیں، مصافحہ سے پہلے سلام بھی کرنا چاہئے۔ یہ تحیۃ السلام ہے، ہر مسلمان کو چاہئے کہ دوسرے مسلمان کو سلامتی کی دعا دے، پھر اگر جان پہچان ہے تو مصافحہ کیا جائے، یہ تحية المعرفة ہے اس سے سلام کی تکمیل ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے لئے دعا کریں، اور اللہ کا شکر ادا کریں۔ تو چار کام کرنا ہیں۔(۱) سلام (۲) مصافحہ (۳) دعاء (۴) اللہ کا شکر۔ جب یہ چاروں کام ہوں گے تب مغفرت کی بشارت کے مستحق ہوں گے۔

## حدیث ۱۵۲۸ ﴿سلام کے وقت جھکنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ٤٦٨٠

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ مِنَّا یَلْقٰی اَخَاہُ اَوْ صَدِیْقَہٗ اَیَنْحَنِیْ لَہٗ قَالَ لَا قَالَ اَفَیَلْتَزِمُہٗ وَیُقَبِّلُہٗ قَالَ لَا قَالَ اَفَیَاْخُذُ بِیَدِہٖ وَیُصَافِحُہٗ قَالَ نَعَمْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ۔

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۲، ج ۲، باب ما جاء فی المصافحۃ، کتاب الاستئذان، حدیث ۲۷۲۸

**حل لغات:** ینحنی (انفعال) مڑنا کر جھکنا، احتراماً تعظیماً جھکنا، یلتزم (التعال) فلاناً چمٹانا گلے ملنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی جب اپنے مسلمان بھائی یا اپنے دوست سے ملاقات کرے تو کیا وہ جھک جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، ان صاحبؓ نے کہا کہ کیا اس سے گلے ملے اور اس کو بوسہ دے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، انہوں نے کہا تو کیا اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس سے مصافحہ کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ملاقات کے وقت کسی کے سامنے جھکنے کی اجازت نہیں ہے، کیوں کہ جھکنا رکوع کے مشابہ ہے اور جس طرح غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا حرام ہے، رکوع کرنا بھی حرام ہے، لہٰذا صرف جھکنا یا سلام کے ساتھ جھکنا ممنوع ہے۔ اس حدیث میں گلے لگانے اور چومنے کی ممانعت ہے، بات یہ ہے کہ محبت وتعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی درجہ معانقہ اور تقبیل ہے، لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جب موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور اس سے کسی برائی یا شک وشبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، مذکورہ حدیث میں جو معانقہ اور تقبیل کی ممانعت ہے، اس کا مطلب دوسری حدیثوں کی روشنی میں یہ ہے کہ ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ سینے سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا شک وشبہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، ورنہ بہت سے واقعات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معانقہ فرمانا اور چومنا ثابت ہے۔ (ملخص تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** اینحنی لہ کسی کے سامنے جھکنے کی شریعت میں اجازت نہیں ہے، یہ گناہ کبیرہ ہے اور کفر وشرک کا ذریعہ ہے۔ افیلتزمہ بعض حضرات معانقہ وبوسہ کو مکروہ کہتے ہیں یہ حدیث ان کی دلیل ہے، لیکن جیسا کہ خلاصہ میں بیان ہوا کہ یہ ممانعت مخصوص حالت میں ہے، عام حالات میں اس کی ممانعت نہیں ہے۔ حضرت انسؓ کی طبرانی میں حدیث ہے "کانوا اذا تلاقوا تصافحوا و اذا قدموا من سفر تعانقوا" حضرات صحابہ کرام جب ایک دوسرے سے ملتے تو مصافحہ کرتے اور جب سفر سے آتے تو معانقہ کرتے۔ نعم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ کی اجازت دی مصافحہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے، صرف انگلیاں یا ہتھیلیاں ملانے سے مصافحہ نہیں ہوتا ہے، اور مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہئے کہ یہی اصل سنت ہے، دیکھیں عالمی حدیث ۴۶۷۷

## حدیث ۱۵۲۹ ﴿مصافحہ سلام کی تکمیل کرتا ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٦٨١

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تَمَامُ عِیَادَۃِ الْمَرِیْضِ اَنْ یَّضَعَ اَحَدُکُمْ یَدَہٗ عَلٰی جَبْھَتِہٖ اَوْ عَلٰی یَدِہٖ فَیَسْاَلُہٗ کَیْفَ ھُوَ وَتَمَامُ تَحِیَّاتِکُمْ بَیْنَکُمُ الْمُصَافَحَۃُ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَضَعَّفَہٗ۔

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۲۶۰، ج ۵، ترمذی، ص ۱۰۲، ج ۲، باب ما جاء فی المصافحۃ، کتاب الاستئذان، حدیث ۲۷۳۱

**ترجمہ:** حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مریض کی پوری عیادت یہ ہے کہ تم میں سے کوئی

شخص اس کی پیشانی یا اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے، پھر اس سے پوچھے کہ اس کا کیا حال ہے؟ اور تمہارا آپس میں سلام کرنا مصافحہ سے مکمل ہوتا ہے۔ (احمد، ترمذی) اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں دو باتیں ہیں (۱) جو کسی کی عیادت کے لئے جائے تو اس کو بیمار کے قریب ہونا چاہئے اور اس کے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر مزاج پرسی کرنا چاہئے، ایسا کرنے سے مزاج پرسی مکمل ہوتی ہے۔ (۲) سلام کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب سلام کے بعد مصافحہ کیا جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** تمام عیادۃ المریض مقصد یہ ہے کہ ان اعمال سے کمال پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اس پر کوئی دلالت نہیں ہے کہ ان پر کسی اور چیز کی زیادتی نہیں کی جاسکتی، اور یہ کہ زیادتی کی گئی تو وہ تکلف میں شامل ہو جائے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ کمال کا کم سے کم درجہ ہے۔ (طیبی)

## حدیث ۱۵۳۰ ﴿سفر سے آنے والے سے معانقہ کرنا﴾ عالمی حدیث: ۴۶۸۲

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِيْنَةَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِيْ فَأَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرْيَانًا يَجُرُّ ثَوْبَهُ وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُهُ عُرْيَانًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ فَاعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۲، ج ۲، باب ماجاء فی المعانقة و القبلة، کتاب الاستئذان، حدیث ۲۷۳۲

**حل لغات:** قرع (ف) قَرْعًا الباب کھٹکھٹانا، یجر جَرٌّ (ن) جَرًّا الشئ کھینچنا فاعتنق افتعال الرجلان ایک دوسرے گردن پر ہاتھ ڈالنا، یہاں مراد گلے لگنا ہے۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب زید بن حارثہؓ مدینہ منورہ میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے انہوں نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ننگے بدن، اپنے کپڑے گھسیٹتے ہوئے لپکے، اللہ کی قسم میں نے اس سے پہلے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کھلے بدن نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے لگایا اور ان کا بوسہ لیا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر اپنا کوئی عزیز سفر سے آئے تو اس کو محبت و اپنائیت سے گلے لگانا چاہئے۔ حضرت زیدؓ نبی کے منہ بولے بیٹے تھے۔ وہ سفر سے واپس آئے تو نبی پاک ان کی محبت میں کھلے بدن گھر سے نکلے، یعنی کرتے کی جگہ جو چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیب تن فرماتے تھے وہ جسم پر نہیں تھی اور کپڑا گھسیٹتے ہوئے یعنی جس طرح وہ بے تکلفی کی حالت میں گھر میں تھے اسی حالت میں زید کے استقبال کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور انہیں چمٹا لیا اور ان کا بوسہ لیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یجر ثوبه یہ ایک محاورہ ہے، گھر سے بے تکلف باہر آنے کے لئے بولا جاتا ہے، اس کے لئے کپڑا گھسیٹنا ضروری نہیں ہے۔ فاعتنقه آپ نے معانقہ کیا، معلوم ہوا کہ معانقہ کرنا بلا کراہت جائز ہے، خاص طور پر سفر سے لوٹنے والے سے معانقہ کرنا بہت اچھی بات ہے۔ مارأيته عريانا کھلے جسم کے ساتھ کسی کے سامنے آتے ہوئے نہیں دیکھا۔

## حدیث ۱۵۳۱ ﴿معانقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۶۸۳

وَعَنْ أَيُّوْبَ بْنِ بُشَيْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَنَزَةَ أَنَّهُ قَالَ قُلْتُ لِأَبِيْ ذَرٍّ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَافِحُكُمْ إِذَا لَقِيْتُمُوْهُ قَالَ مَا لَقِيْتُهُ قَطُّ إِلَّا صَافَحَنِيْ وَبَعَثَ إِلَيَّ ذَاتَ يَوْمٍ وَلَمْ أَكُنْ فِيْ أَهْلِيْ فَلَمَّا جِئْتُ أُخْبِرْتُ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ عَلَى سَرِيْرٍ فَالْتَزَمَنِيْ فَكَانَتْ تِلْكَ أَجْوَدَ وَأَجْوَدَ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود، ص، ج ۲، باب ما جاء فی قبلة المسجد، کتاب الادب، حدیث ۵۲۲٤

**ترجمہ:** حضرت ایوب بن بشیرؒ نے عنزہ کے ایک آدمی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ میں حضرت ابو ذرؓ کی خدمت میں عرض گزار ہوا کہ کیا ملاقات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ حضرات سے مصافحہ کیا کرتے تھے؟ فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی ملا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مصافحہ کیا، اور ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بلوایا جب کہ اس وقت میں اپنے گھر میں نہیں تھا، جب میں واپس آیا اور مجھے بتایا گیا تو میں حاضر بارگاہ ہوگیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تخت پر تشریف فرما تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گلے لگالیا، تو یہ کتنا کرم ہے، کتنا بڑا کرم ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے علاوہ بھی لوگوں سے اظہار محبت کے لئے معانقہ کرتے تھے، اور مصافحہ تو معمول میں داخل تھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فکانت تلك اجود　یعنی مصافحہ سے معانقہ بہت اچھا اور پر لطف تھا اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی۔

## حدیث نمبر ۱۵۳۲ ﴿حضرت عکرمہؓ کا استقبال﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٨٤

وَعَنْ عِكْرَمَةَ بْنِ اَبِیْ جَهْلٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ جِئْتُهُ مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۲ ج ۲، باب ما جاء فی مرحبا، کتاب الاستئذان حدیث نمبر ۲۷۳۵

**ترجمہ:** حضرت عکرمہ بن ابوجہل بیان کرتے ہیں کہ جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ "مہاجر سوار خوش آمدید!"۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** حضرت عکرمہ سفر سے آئے تھے اور آپؐ کی خدمت میں آکر اسلام قبول کرنا تھا، آپؐ نے ان کا استقبال کیا اور انھیں خوش آمدید کہا، استقبال کرنا اور خوش آمدید کہنا مصافحہ سے مناسبت رکھتا ہے، اسی وجہ سے اس حدیث کو مصافحہ کے باب میں ذکر کیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آنے والے کا استقبال کرنا اور خوش آمدید کہنا سنت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** عکرمة بن ابی جهل　اسلام قبول کرنے سے پہلے اپنے باپ ابوجہل کی طرح حضورؐ سے سخت نفرت کرتے تھے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت عکرمہ مکہ چھوڑ کر چل دیئے تھے، ان کی بیوی نے ان کے لئے پناہ مانگی، آپؐ نے پناہ دے دی اور اپنا عمامہ علامت کے طور پر عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ وہ عکرمہ کو بلا لائیں، وہ ساحل پر پہنچیں، عکرمہ جہاز پر سوار ہونے ہی والے تھے، وہ ان کو مکہ واپس لائیں، جب نبی نے ان کو دیکھا تو آپؐ چادر کے بغیر ان کی طرف بڑھے اور ان کو خوش آمدید کہا اور وہ بھاگ کر جہاں تک پہنچے وہاں سے نبی کی خدمت میں واپس آنے کو ہجرت قرار دیا۔ اور چوں کہ ان کا خاص وصف شہ سواری تھا جس میں بڑے مشہور تھے لہٰذا ان کو سوار کہا۔ سیوطیؒ نے جمع الجوامع میں حضرت مصعب بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ جب آپؐ نے عکرمہ کو اپنے پاس آتے دیکھا تو کھڑے ہوگئے اور چل کر ان کے پاس پہنچے اور پھر ان کو گلے سے لگایا اور خوش آمدید کہا۔ (مرقات، تحفۃ الالمعی) مرقات میں ہے کہ عکرمہ یمن پہنچ گئے تھے اور ان کی بیوی ام حکیم بنت حارث وہاں سے ان کو مدینہ لائیں تھیں۔

## حدیث نمبر ۱۵۳۳ ﴿آپؐ کو بوسہ دینے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٨٥

وَعَنْ اُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ وَكَانَ فِيْهِ مِزَاحٌ بَيْنَا يُضْحِكُهُمْ

فَطَعَنَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَاصِرَتِهِ بِعُوْدٍ فَقَالَ اَصْبِرْ لِي قَالَ اصْطَبِرْ قَالَ اِنَّ عَلَيْكَ قَمِيْصًا وَلَيْسَ عَلَيَّ قَمِيْصٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَمِيْصِهِ فَاحْتَضَنَهُ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهُ قَالَ اِنَّمَا اَرَدْتُ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ .

**حوالہ:** ابو داود، ص ۷۰۹ ج ۲، باب فی قبلة الجسد، کتاب الادب حدیث ۵۲۲۴

**حل لغات:** مزاح ہنسی مزاق دل لگی مَزَحَ (ف) مَزْحًا وَمِزَاحًا مزاق کرنا دل لگی کرنا، طَعَنَ (ف) طَعْنًا کچوکہ لگانا، خاصرة پہلو، سرین کی جڑ سے پسلیوں کے نیچے تک کا درمیانی حصہ، جمع خَوَاصِرُ، عود لکڑی (ج) اَعْوَادٌ، اصبر روکنا یہاں مراد انتقام لینے کے لئے قدرت دینا، احتضن (افتعال) گود میں لینا، کشح پہلو کوک اور پسلیوں کے درمیان کا حصہ (ج) کُشُوْحٌ۔

**ترجمہ:** حضرت اُسید بن حضیر انصار میں سے ایک صاحب ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت جب کہ وہ لوگوں سے باتیں کررہے تھے، اُن کے مزاج میں خوش طبعی تھی جس کی بنا پر وہ لوگوں کو ہنسا رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پہلو میں لکڑی چبھودی، انھوں نے عرض کیا کہ مجھے بدلہ دیجئے، آپؐ نے فرمایا کہ بدلہ لے لو، انھوں نے عرض کیا کہ آپؐ کے اوپر قمیص ہے جب کہ میرے اوپر قمیص نہیں تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیص اٹھادی تو وہ آپؐ سے لپٹ گئے، اور پہلوئے مبارک کو بوسہ دینے لگے، اور عرض گذار ہوئے کہ یارسول اللہ میرا صرف یہی ارادہ تھا۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بوسہ لینا درست ہے، نیز مزاح میں اگر کوئی شرعی قباحت نہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** رجل من الانصار اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحب کے مزاج میں خوش طبعی وظرافت تھی اور جنھوں نے آپؐ سے بدلہ کا مطالبہ کیا تھا وہ خود اسیدؓ تھے، جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے، لیکن جامع الاصول میں یہ لفظ "رجل" نہیں بلکہ "رجلا" منقول ہے، چنانچہ روایت کے الفاظ ہیں: "عن اسید بن حضیر فبینما هو یحدث القوم یضحکم اذ طعنه النبی..... الخ (حضرت اسید بن حضیرؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص تھے جن کے مزاج میں خوش طبعی تھی، چنانچہ ایک موقع پر جب کہ وہ لوگوں سے باتیں کررہے تھے، اور ان کو ہنسا رہے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے پہلو میں ایک لکڑی سے ٹھوکا دیا) اس سے واضح ہوتا ہے کہ خوش طبعی وظرافت کے ذریعہ ہنسانے والے اور آپؐ سے بدلہ لینے کا مطالبہ کرنے والے کوئی دوسرے صاحب تھے، خود حضرت اسیدؓ نہ تھے، حضرت اسیدؓ تو اس واقعہ کو نقل کرنے والے ہیں، چنانچہ طیبیؒ نے جامع الاصول ہی کی روایت کے پیش نظر متنِ حدیث کی روایت میں توجیہ وتاویل کرکے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صاحبِ واقعہ خود اسیدؓ نہیں ہیں، بلکہ وہ محض اس واقعہ کے راوی ہیں اور انھوں نے کوشش اس بنا پر کی ہے کہ حضرت اسیدؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے، ان کا تعلق اونچے درجے کے صحابہؓ کے زمرہ سے تھا، لہٰذا اُن کی جلالتِ شان سے یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق خود اُن کی ذات سے ہو۔ وطعنه النبی آپؐ نے اُن کے پہلو میں لکڑی سے ٹھوکا دیا۔ چوں کہ وہ صاحب مزاح کررہے تھے، لہٰذا آپؐ نے بھی خوش طبعی کے طور پر لکڑی سے کچوکا دیا۔ معلوم ہوا کہ خوش طبعی کی باتیں کرنا اور ان کو سننا جائز ہے، بشرطیکہ ان کی وجہ سے کسی غیر شرعی اور ممنوع بات کا صدور نہ ہو۔ علامہ قاری نے فرمایا کہ مزاح اپنی شرائط کے ساتھ مستحب ہے۔ (مرقات، مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۵۳۴ ﴿آپؐ کا حضرت جعفرؓ کا بوسہ لینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۶۸۶**

وَعَنِ الشَّعْبِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَقَّى جَعْفَرَ بْنَ اَبِي طَالِبٍ فَالْتَزَمَهُ وَقَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا وَفِي بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ عَنِ الْبَيَاضِيِّ مُتَّصِلًا .

**حوالہ:** ابوداود، ص ۷۰۹ ج ۲، باب فی قبلة مابین العینین، کتاب الادب، حدیث ۵۲۲۰ البغوی فی شرح السنة ص ۲۵۲ ج ۱۲، باب المصافحة وفضلها، کتاب الاستئذان حدیث ۳۳۲۷

**ترجمہ:** حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ بن ابوطالب سے ملاقات کی تو ان کو گلے لگالیا اور اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اس روایت کو ابوداؤد اور بیہقی نے شعب الایمان میں مرسلاً نقل کیا ہے۔ جب کہ مصابیح کے بعض نسخوں میں اور شرح السنۃ میں بیاض سے متصلاً روایت نقل ہوئی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** حضرت جعفرؓ جب حبشہ سے واپس آئے تو آپ نے انھیں گلے سے لگایا اور ان کا بوسہ لیا، حضرت جعفرؓ نے حبشہ میں شاہ حبشہ کے سامنے بڑی ولولہ انگیز تقریر فرمائی تھی اور مذہب اسلام اور آپ کا تعارف کرایا تھا، جس سے شاہ حبشہ متاثر ہوا تھا اور اس نے مسلمانوں کو پورے طور پر امان فراہم کیا تھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فالتزمه آپ نے حضرت جعفرؓ سے معانقہ کیا، جب کہ وہ حبشہ سے لوٹے تھے جیسا کہ اگلی روایت سے معلوم ہورہا ہے۔ معلوم ہوا کہ سفر سے کوئی عزیز لوٹ کر آئے تو اس سے معانقہ کرنا مستحب ہے۔

**حدیث نمبر ۱۵۳۵ ﴿حضرت جعفرؓ کو گلے لگانا اور اظہار مسرت کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٨٧**

وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فِي قِصَّةِ رُجُوْعِهٖ مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ قَالَ فَخَرَجْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا الْمَدِيْنَةَ فَتَلَقَّانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْتَنَقَنِيْ ثُمَّ قَالَ مَا اَدْرِيْ اَنَا بِفَتْحِ خَيْبَرَ اَفْرَحُ اَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرٍ وَوَافَقَ ذٰلِكَ فَتْحَ خَيْبَرَ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حوالہ:** البغوی فی شرح السنة، ص ۲۹۱ ج ۱۲، باب المصافحة، کتاب الاستئذان، حدیث ۳۳۲۷

**ترجمہ:** حضرت جعفرؓ بن ابوطالب سے سرزمین حبشہ سے واپس آنے کے واقعہ میں منقول ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم نکلے یہاں تک کہ مدینہ منورہ آپہنچے، تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے، آپ نے مجھے گلے لگایا پھر فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم مجھے خیبر فتح ہونے کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آنے کی زیادہ خوشی ہے، حضرت جعفرؓ کی آمد اس دن ہوئی جس دن خیبر فتح ہوا۔ (شرح السنہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ سنت ہے، اور اپنے عزیز کے سفر سے واپس آنے پر خصوصاً مصافحہ کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فاعتنقنی آپ نے مجھ سے معانقہ کیا۔ حضرت امام مالکؒ معانقہ کو بدعت خیال کرتے تھے۔ حضرت امام شافعیؒ کے شیخ واستاذ حضرت سفیان بن عیینہؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک دن حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت امام مالکؒ نے ان سے مصافحہ کیا اور فرمایا کہ اگر معانقہ بدعت نہ ہوتا تو میں آپ سے معانقہ بھی کرتا حضرت سفیانؒ نے کہا کہ معانقہ تو ان لوگوں نے کیا ہے جو مجھ سے اور آپ سے کہیں بہتر تھے، حبشہ سے حضرت جعفرؓ کی واپسی کے وقت آنحضرتؐ ان سے گلے ملے ہیں اور ان کو بوسہ دیا ہے، حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے لیکن وہ حضرت جعفرؓ کے ساتھ مخصوص تھا، حضرت سفیانؒ نے جواب دیا کہ جی نہیں وہ معانقہ حضرت جعفرؓ کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ ایک عام مسئلہ کے طور پر تھا اور اگر ہمارا تعلق صلحاء کے زمرہ سے ہو تو ہم اور جعفرؓ اس مسئلہ میں ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں، نیز اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی مجلس میں یہ حدیث بیان کروں، حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہاں میں اجازت دیتا ہوں، چنانچہ حضرت سفیانؒ نے حدیث کو اپنی سند کے ساتھ بیان کیا اور حضرت امام مالکؒ نے سکوت اختیار کیا، اس سکوت کی بنا پر فقہا کہتے ہیں کہ امام مالکؒ بھی معانقہ کے بدعت ہونے کے قائل نہیں رہے تھے۔ ووافق ذلك فتح خيبر یہ راوی کے الفاظ ہیں، انھوں نے متن حدیث کی وضاحت کی ہے۔ یعنی اتفاق

سے حضرت جعفرؓ حبشہ سے مدینہ منورہ اس دن واپس آئے جس دن خیبر فتح ہوا تھا۔ (مرقات، مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۵۳۶ ﴿پاؤں کے بوسہ دینے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٨٨**

وَعَنْ زَارِعٍ وَكَانَ فِي وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ .

**حوالہ:** ابو داود، ص ج۲، باب فی قبلة الرجل، کتاب الادب حدیث نمبر ٥٢٢٥

**حل لغات:** نتبادر (تفاعل) ایک دوسرے کے مقابلے تیز چلنا، سبقت لے جانا، رواحل رَاحِلَۃ کی جمع ہے سواری۔

**ترجمہ:** حضرت زراعؓ جو کہ وفد عبدالقیس میں شامل تھے بیان کرتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے، تو جلدی جلدی اپنی سواریوں سے اترنے لگے، اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور پیروں کے بوسے دیئے۔ (ابوداود)

**خلاصہ حدیث** یہ وفد عبدالقیس جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، مدینہ منورہ پہنچتے ہی اپنی سواریوں پر سے زیارت نبوی کے شوق میں نیچے کود پڑا اور بہت رواں دواں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ان کے جذبات کا مشاہدہ فرما رہے تھے، اس وفد کے سربراہ "الاشج" تھے وہ اپنی سواری سے آرام سے اترے، پھر اپنی قیام گاہ پر گئے اور وہاں جا کر غسل کیا اور صاف ستھرے کپڑے پہنے، اس کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی اور دعا مانگی، پھر آپ کی خدمت میں نہایت سکون و وقار کے ساتھ حاضر ہوئے، اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ (۱) حلم (۲) وقار۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ان دو خصلتوں کو میں اپنے طور سے اختیار کرتا ہوں یا اللہ تعالیٰ نے میری خلقت میں ان کو رکھا ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا ہی ان دونوں صفتوں پر کیا ہے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا فرمایا، جن کو وہ اور اس کا رسول پسند کرتا ہے۔ (عون المعبود، الدر المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** ورجلہ انھوں نے آپ کے پیروں کو چوما۔ اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ پیروں کو چومنا جائز ہے۔ لیکن فقہاء اس کو ممنوع قرار دیتے ہیں، چنانچہ وہ اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں کہ یا تو یہ آپ کے خصائص میں سے تھا (یعنی صرف آپ کے پاؤں کو بوسہ دینا جائز تھا) یا ابتداءً یہ جائز تھا، مگر پھر ممنوع قرار پایا۔ یا وہ لوگ اس مسئلہ سے ناواقف تھے، اور اس ناواقفی کی بناء پر انھوں نے آپ کے پاؤں کو بوسہ دیا اور یا یہ کہ شوقِ ملاقات میں اضطراری طور پر ان سے یہ فعل صادر ہو گیا تھا۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۵۳۷ ﴿حضرت فاطمہؓ کو آپ بوسہ دیتے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٨٩**

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلًّا وَفِي رِوَايَةٍ حَدِيْثًا وَكَلَامًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهٖ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ اِلَيْهِ فَاَخَذَتْ بِيَدِهٖ فَقَبَّلَتْهُ وَاَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ .

**حوالہ:** ابو داود، ص ۷۰۸ ج۲، باب ما جاء فی القیام، کتاب الادب حدیث نمبر ٥٢١٧

**حل لغات:** سمت ہیئت وصورت، ھدی سیرت، نقشِ قدم، دل وقار و سنجیدگی کیفیت، حدیث بات چیت گفتگو۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے ہیئت عادت، اور شکل وصورت میں اور ایک روایت میں ہے کہ بولنے اور گفتگو کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فاطمہ سے بڑھ کر مشابہت رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا، جب وہ آپ کی خدمت میں آتیں تو آپ

ان کے لئے کھڑے ہوجاتے، ان کا ہاتھ پکڑتے، اسے بوسہ دیتے اور اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بٹھاتے، جب آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہوجاتیں، آپ کا دستِ مبارک پکڑ کر اسے بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنے بیٹھنے کی جگہ بٹھاتیں۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ محبت کی وجہ سے فاطمہؓ کے لئے کھڑے ہوتے اور ان کا بوسہ لے کر انہیں اپنی جگہ بٹھاتے اور یہی حال خود حضرت فاطمہؓ کا آپ کے لئے تھا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم وفضل کے لئے قیام مستحب ہے اور احادیث سے ثابت ہے اور صراحتاً اس کی ممانعت میں کوئی حدیث نہیں ہے، اور اسی طرح علامہ شامیؒ نے بھی اس کے استحباب کی تصریح کی ہے، علماء فرماتے ہیں کہ تعظیماً کھڑا ہونا اہلِ فضل کے لئے مکروہ نہیں، بلکہ مکروہ وہ قیام ہے جو اس شخص کے لئے کیا جائے جو اپنے لئے قیام کو پسند کرے۔ (الدر المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** قام الیھا آپ محبت کی وجہ سے فاطمہؓ کے لئے کھڑے ہوتے اور ان کی عزت وتکریم کی وجہ سے انھیں اپنی جگہ بٹھاتے تھے۔

**قیام کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:** کسی کے لئے قیام کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں ان میں اکثر صورتیں متفق علیہ ہیں اور ان کا حکم واضح ہے کہ سردار بیٹھا ہے اور حاضرین تعظیم وتکریم میں مسلسل کھڑے ہیں یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، یا آنے والے کے دل میں تکبر وبڑائی ہو اور وہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے، آنے والے کے دل میں تکبر پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے قیام مکروہ ہے کسی کی آمد پر خوشی کی وجہ سے استقبال کے لئے کھڑا ہوجانا بالاتفاق مستحب ہے، مبارکباد دینے کے لئے کھڑا ہوجانا بھی مستحب ہے۔ مصیبت زدہ کو تسلی دینے کے لئے کھڑا ہونا بھی بالاتفاق مستحب ہے، ان تمام صورتوں کے حکم میں اختلاف نہیں۔

**قیام تعظیمی کے حکم میں اختلاف:** صرف ایک صورت قیام تعظیمی کے حکم میں اختلاف ہے اور یہ ہے کہ آنے والے کے اکرام میں کوئی آدمی کھڑا ہوتا ہے اور آنے والے کے دل میں نہ اپنے لئے اس قیام تعظیمی کی خواہش ہے اور نہ تمنا اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز ہے، لیکن یہ اجازت دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے ایک یہ کہ جس کے لئے کھڑے ہورہے ہیں اس کے دل میں یہ طلب نہ ہو کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں، دوسری شرط یہ ہے کہ کھڑے ہونے والے کے دل میں اس قیام کا داعیہ ہو اگر دل میں اس کے اکرام کا داعیہ نہیں محض ریاء اور تملق کی بناء پر کھڑا ہورہا ہے تو جائز نہیں، بعض حضرات اس قیام کو ناجائز کہتے ہیں اور وہ مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ طبرانی میں حضرت انسؓ کی حدیث ہے "انما ھلك من كان قبلكم فانھم عظموا ملوكھم بأن قاموا وھم قعود" یعنی تم سے پہلے لوگ صرف اس لئے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے بادشاہوں کی اس طرح تعظیم کرتے تھے کہ لوگ کھڑے رہتے اور بادشاہ بیٹھے رہتے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت معاویہؓ کی حدیث ہے: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من احب ان يمثل لي الرجال فليتبوأ مقعده من النار. میں نے رسول کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اس بات کا خواہاں ہو کہ لوگ اس کے لئے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ حضرت ابوامامہؓ کی حدیث ہے حضورؑ عصا کے سہارے ہماری طرف باہر نکلے، تو ہم آپ کے لئے کھڑے ہوگئے تو آپ نے فرمایا تم کھڑے مت ہوا کرو جس طرح کے عجمی ایک دوسرے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، لیکن جمہور کہتے ہیں کہ ان احادیث سے قیام تعظیمی کی جواز والی صورت مراد نہیں ہے، دوسری صورتیں مراد ہیں حدیث باب میں حضورؑ کا قول ہے قوموا الی سیدکم اس سے صاف جواز معلوم ہوتا ہے، مانعین اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ قیام کا یہ حکم تعظیم اور اکرام کے لئے نہیں تھا، بلکہ اعانت کے لئے تھا، چوں کہ حضرت سعد

بن معاذؓ زخمی تھے تو انہیں سواری سے اترنے میں مدد دینے کے لئے حضورؐ نے قیام کا حکم دیا، چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں اس کی صراحت ہے، اس میں ہے قوموا الی سیدکم فانزلوا۔ علامہ قسطلانیؒ لکھتے ہیں ابوالولید بن رشد کہتے ہیں کہ قیام چار طرح کا ہوتا ہے (۱) ممنوع: وہ متکبر شخص جو یہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں اس کے لئے کھڑا ہونا ممنوع ہے۔ (۲) مکروہ: وہ شخص جو متکبر تو نہیں ہے البتہ اسے یہ خدشہ ہو کہ اس سے اس کے دل میں بڑائی وغیرہ کی برائی پیدا ہو جائے گی تو اس کے لئے کھڑا ہونا مکروہ ہے، نیز یہ اس وقت بھی مکروہ ہے جب متکبرین کے ساتھ مشابہت کا اندیشہ ہو۔ (۳) جائز: جو شخص تعظیم واکرام کا خواہاں نہ ہو نیز متکبرین کے ساتھ مشابہت کا اندیشہ بھی نہ ہو تو اس کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے۔ (۴) مندوب: جیسے کوئی شخص سفر سے آئے تو اس کے آنے کی خوشی میں کھڑا ہونا تاکہ اسے سلام کیا جائے یا جس کو کوئی نئی نعمت مل گئی ہو تو اس کے حصول پر اسے مبارکباد دینے کے لئے کھڑا ہونا یا کسی مصیبت وآفت پر تعزیت کرنے کے لئے کھڑا ہونا یا حاکم کے لئے اس کے محل ولایت میں کھڑا ہونا۔ یہ مندوب ہے جیسا حضرت سعد کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے انہیں بنی قریظہ میں حاکم مقرر کیا اور بلایا جب آپؐ نے انہیں آتے دیکھا تو فرمایا اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور آپؐ نے ایسا صرف اس لئے کیا تا کہ ان کی حاکمیت نافذ ہو جائے۔ رہا اس کو عادت اور طور طریقہ بنالینا تو یہ عجمیوں کا شعار ہے۔ سنن کی حدیث ہے کہ صحابہ کرامؓ کو حضورؐ سے زیادہ محبوب کوئی نہ تھا اور آپؐ جب تشریف لاتے تو صحابہ کرامؓ آپ کے لئے کھڑے نہ ہوتے، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آپؐ اس کو پسند نہیں فرماتے۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۱۵۳۸ ﴿حضرت ابوبکرؓ کا بیٹی کے بوسہ لینا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٩٠**

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِي بَكْرٍ اَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَاِذَا عَائِشَةُ اِبْنَتُهُ مُضْطَجِعَةٌ قَدْ اَصَابَهَا حُمّٰى فَاَتَاهَا اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتِ يَا بُنَيَّةُ وَقَبَّلَ خَدَّهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ابوداود، ص ۷۰۹ ج۲، باب فی قبلة الخد، كتاب الادب حديث ۵۲۲۲

**ترجمہ:** حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ آنے کے بعد سب سے پہلے میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ (ان کے گھر میں) داخل ہوا، تو دیکھا کہ ان کی بیٹی عائشہؓ لیٹی ہوئیں ہیں اور انہیں بخار چڑھا ہوا ہے، حضرت ابوبکرؓ ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ میری بیٹی تمہاری کیسی طبیعت ہے اور ان کے رخسار کا بوسہ لیا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اپنے بچوں کا بوسہ لینا درست ہے، صدیق اکبرؓ نے اپنی بیٹی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کا بوسہ لیا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اول ما قدم المدینۃ کسی غزوہ وغیرہ سے لوٹ کر جیسے ہی مدینہ آئے صدیق اکبرؓ کے ساتھ ان کے گھر گئے۔ وقبل خدھا سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے از راہ شفقت ومحبت اپنی بیٹی کا بوسہ لیا۔

**حدیث نمبر ۱۵۳۹ ﴿آپ کا بچے کے بوسہ لینا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٩١**

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِصَبِيٍّ فَقَبَّلَهُ فَقَالَ اَمَا اِنَّهُمْ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ وَاِنَّهُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللّٰهِ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حواله:** البغوی فی شرح السنة، ص ۳۵ ج۱۳، باب رحمة الولد و تقبيله، كتاب الادب، حديث ٤٨٤٨

**حل لغات:** مبخلة کنجوسی کا سبب بَخِلَ (س) بُخْلاً کنجوسی کرنا، مجبنة بزدلی کا سبب، جَبُنَ (ن) جُبْناً بزدل ہونا، ریحان ہر خوشبودار پودا، رحم ومہربانی اور رزق (ج) رَوَاحِيْنُ۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بچے کو لایا گیا تو آپؐ نے اس کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ خبردار رہو یہ کنجوسی اور بزدلی کا سبب ہیں، لیکن بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت اور رزق بھی ہیں۔ (شرح السنۃ)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کے لئے باعث فتنہ ہے، اس کی بنا پر انسان غلط راستوں پر چلتا ہے، لیکن اس کے ساتھ اولاد نعمت بھی ہے، لہٰذا ماں باپ کو اولاد کی اچھی تربیت کرنا چاہئے اور فتنۂ اولاد میں نہ پڑنا چاہئے یعنی بچوں کی محبت سے مجبور ہو کر غلط کام نہ کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اما انهم مبخلة مجبنة اولاد کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے اس کی حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اولاد ہی ہے جو انسان سے سب کچھ کراتی ہے، ایک باپ اپنے بچوں کے لئے نہ صرف مختلف ذرائع و وسائل اختیار کر کے روپیہ پیسہ کماتا ہے اور مال و اسباب فراہم کرتا ہے، بلکہ بچوں کا مستقبل اس کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ اس نے جو کچھ کمایا ہے اس کو جوڑ کر رکھے۔ یہاں تک کہ اولاد کی فکر اس کو بخیل بنا دیتی ہے کہ وہ اپنے روپئے پیسے اور مال و اسباب کو نہ خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اور نہ کسی انسانی ہمدردی و بھلائی کے کام میں مدد کرتا ہے اور پھر یہ کہ آل و اولاد کی محبت ہوتی ہے جو انسان کو اس حد تک بزدل و نامرد بنا دیتی ہے، کہ وہ اعلاء کلمۃ الحق اور دین حق کی سربلندی کے اپنے فرض کو بھی فراموش کر دیتا ہے، چنانچہ جہاد کرنے سے کتراتا ہے اور لڑائی میں جانے سے دل چراتا ہے، اس کو یہ خوف شجاعت و بہادری دکھانے سے باز رکھتا ہے کہ اگر میں میدان جنگ میں مارا گیا یا مجھے پکڑ لیا گیا تو میرے بعد بچوں کا کیا ہوگا، ان کی دیکھ بھال اور پرورش کیسے ہوگی؟ اور میرے بچے باپ کے سایہ سے محروم ہو کر کس طرح تکلیف و مشقت برداشت کریں گے؟ پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اولاد کے بارے میں اس طرح کی برائی بیان کی اور پھر بعد میں اولاد کی ایک خوبی اور اس کی تعریف بھی بیان فرمائی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بچے ریحان ہیں، ریحان کے معنی روزی اور نعمت کے بھی ہیں۔ اور ریحان ہر اس پودے اور گھاس کو بھی کہتے ہیں جو خوشبودار ہو دونوں ہی صورتوں میں اولاد کی مدح یعنی تعریف ظاہر ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ بچے ماں باپ کے حق میں رزق کا درجہ رکھتے ہیں کہ اگر والدین کی گود اولاد سے خالی ہو تو ان کی ممتا اور ان کے جذبات اسی طرح مضطرب اور پریشان رہتے ہیں، جس طرح کوئی بھوکا روزی نہ ملنے کی صورت میں مضطرب رہتا ہے، اسی طرح بچے دراصل خدا کی طرف سے ماں باپ کو ایک عظیم نعمت کے طور پر عطا ہوتے ہیں، ایسی نعمت جو ان کی زندگی کا سہارا بھی ہوتی ہے اور ان کے گھر کا چراغ بھی۔ اور ریحان سے اگر خوشبودار پودا مراد لیا جائے تو بلا شک و شبہ بچے اپنے ماں باپ اور اہل خاندان کی نظر میں پھول کا درجہ رکھتے ہیں، جس طرح کوئی شخص خوشبودار پھول کو دیکھ کر سرور حاصل کرتا ہے اور سونگھ کر مشام جاں کو معطر کرتا ہے، اسی طرح بچوں کو دیکھ کر خوشی محسوس ہوتی ہے، ان کو پیار کر کے ان کو چوم کر اور ان کے ساتھ خوش طبعی کر کے سرور حاصل کیا جاتا ہے۔ (مظاہر حق)

## الفصل الثالث

### حدیث نمبر ۱۵۴۰ ﴿حضرات حسنینؓ کو گلے لگانے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۶۹۲

عَنْ يَعْلٰى قَالَ اِنَّ حَسَنًا وَحُسَيْنًا اِسْتَبَقَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَمَّهُمَا اِلَيْهِ وَقَالَ اِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

**حوالہ:** احمد، ص ۱۷۲ ج ٤

**ترجمہ:** حضرت یعلیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دوڑتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو

آپؐ نے ان دونوں کو سینے سے لگالیا، اور فرمایا کہ اولاد بخیل اور بزدل بنادینے والی ہوتی ہے۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بچوں کی وجہ سے آدمی بخل بھی کرتا ہے اور ان ہی کی وجہ سے بزدلی بھی دکھاتا ہے، لیکن بہرحال ان کی محبت سے کنارہ کش نہیں ہونا چاہئے۔ اس حدیث میں ایک طرح سے بچوں کے تئیں محبت و شفقت کا اظہار بھی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الولد مبخلة اولاد کی کمالِ محبت بخل اور جبن پیدا کرتی ہیں، لیکن جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ اولاد کی محبت کے باوجود بخل اور جبن سے دور رہتے ہیں، لہٰذا کمالِ عبدیت پیدا کرنا چاہئے، تاکہ محبتِ اولاد کی وجہ سے بخل وجبن پیدا نہ ہو۔

## حدیث نمبر ۱۵۴۱ ﴿مصافحه کی برکت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٩٣

وَعَنْ عَطَاءِ الْخُرَاسَانِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوْا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادَوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا.

**حواله:** موطا امام مالك، ص ٣٦٥، باب ما جاء في المهاجرة، جامع ماجاء في اهل القدر حديث ١٦

**حل لغات:** الغل غَلَّ (ض) غِلًّا دل میں بغض وکینہ بھرا ہونا، الشحناء بغض وعداوت کینہ شَحِنَ (س) شَحَنًا علیہ کسی کی طرف سے کینہ رکھنا۔

**ترجمه:** حضرت عطاؒ خراسانی سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے سے مصافحہ کیا کرو کہ اس سے بغض وکینہ جاتا رہے گا، اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ وتحفہ بھیجتے رہا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور دشمنی جاتی رہتی ہے، امام مالکؒ نے اس روایت کو بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں مصافحہ اور ہدیہ کی برکت کا ذکر ہے، مصافحہ کرنے سے محبت پیدا ہوتی ہے اور کینہ ختم ہوجاتا ہے، جب کہ ہدیہ وتحفہ سے آپس کی دشمنی ختم ہوتی ہے اور دلوں میں ایک دوسرے کی چاہت پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں اعمال کا مسلمانوں کو خوب اہتمام کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یذهب الغل مصافحہ کرنے سے کینہ نکل جاتا ہے۔ مصافحہ سے فرحت وسرور میں اضافہ ہوتا ہے اور محبت ومودت پیدا ہوتی ہے اور یہ چیز اللہ کو پسند ہے، اسی لئے مصافحہ کرنے والے مغفرت کے حقدار ہوتے ہیں اور اس کی برکت سے کینہ ختم ہوجاتا ہے۔ تھادوا ہدیہ وتحفہ سے دل خوش ہوتا ہے اور یہ نہایت پاکیزہ رزق ہے، لہٰذا اس کے اچھے ثمرات محبت کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت عطاء تابعیؒ ہیں، ان سے پہلے کے راوی سند میں محذوف ہیں، لہٰذا یہ روایت مرسل ہے۔

## حدیث نمبر ۱۵٤۲ ﴿مصافحه سے گناه جھڑتے ھیں﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٩٤

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى اَرْبَعًا قَبْلَ الْهَاجِرَةِ فَكَاَنَّمَا صَلَّاهُنَّ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَالْمُسْلِمَانِ اِذَا تَصَافَحَا لَمْ يَبْقَ بَيْنَهُمَا ذَنْبٌ اِلَّا سَقَطَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

**حواله:** بيهقي في شعب الايمان، ص ٤٧٤ ج٦ باب في مقاربة و موادة اهل الدين، حديث ٨٩٥٥

**ترجمه:** حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دو پہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے تو

گویا اس نے یہ نماز شب قدر میں پڑھی اور جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان کوئی گناہ باقی نہیں رہتا، بلکہ وہ جھڑ جاتا ہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں جس نماز کا ذکر ہے وہ چاشت کی نماز ہے، اس کی بہت فضیلت ہے، ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ جس نے چاشت کی نماز پابندی سے پڑھی اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے، چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (احمد) اسی طرح مصافحہ کی برکت سے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الاسقط بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد عام گناہ ہیں، لیکن طیبیؒ نے کہا ہے کہ گناہ سے مراد بغض و کینہ اور دشمنی ہے، جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ (مظاہر حق)

# باب القیام

## ﴿کھڑے ہونے کا بیان﴾

اس باب کے تحت ۱۶ حدیثیں ہیں۔ جن میں اہل شرف کے لئے کھڑے ہونے کا جواز، کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی ممانعت، آپ ﷺ کا اپنے لئے کھڑے ہونے کو ناپسند فرمانا، احتراماً کھڑے ہونے کی ممانعت، دوسرے کی جگہ پر بیٹھنے کی ممانعت، مجلس میں آنے والے کے لئے جگہ پیدا کرنا اور اس طرح کے دیگر اہم موضوعات کا بیان ہے۔ قیام، کے معنی کھڑا ہونا، یہاں قیام سے مراد کسی آنے والے کے لئے تعظیماً یا اعانۃً کھڑا ہونا کیسا ہے، دور نبوی میں اس کا رواج تھا یا نہیں؟ اس کا طریقہ کیا تھا اور اس کا حکم کیا ہے؟

اس سلسلہ میں دو طرح کی احادیث ہیں (ا) وہ روایات جو قیام کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں مثلاً آپؐ نے فرمایا کہ جس کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اسکے لئے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۹۹) وہ روایات جو جواز بلکہ استحسان پر دلالت کرتی ہیں مثلاً۔ آپؐ حضرت فاطمہؓ کے لئے کھڑے ہوئے اور حضرت فاطمہؓ آپؐ کے لئے کھڑی ہوتی تھیں۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۸۹) لیکن حقیقت میں ان روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیوں کہ جواز وعدم جواز کی علتیں مختلف ہیں۔

(ا) عجمیوں کی طرح کھڑا ہونا جائز نہیں، ان کا طریقہ یہ تھا کہ نوکر آقا کی خدمت میں اور رعایا بادشاہ کی خدمت میں کھڑی رہتی تھی، ان کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی، اور یہ انتہائی درجہ کی تعظیم تھی جس کی سرحدیں شرک سے ملی ہوئی تھیں، اس لئے اس کی ممانعت کی گئی، حدیثوں کے یہ الفاظ "جس طرح عجمی کھڑے ہوتے ہیں" اور "جس کو یہ پسند ہو کہ لوگ اس کے لئے کھڑے رہیں" اس پر دلالت کرتے ہیں، اور کھڑے رہنے اور کھڑے ہونے میں فرق ہے "مثل بین یدیه مثولا" کے معنی خدمت میں دست بستہ کھڑے رہنے کے ہیں اور یہی ممنوع ہے، پہلی حدیث میں اسی کا بیان ہے۔

(۲) اور کسی کے آنے پر فرحت و سرور سے کھڑا ہونا، اس کے لئے جھوم جانا، اور اس کے اکرام اور اس کی خوش دلی کے لئے اٹھنا، پھر بیٹھ جانا، مسلسل کھڑا نہ رہنا، اس کی گنجائش ہے، اور آخری حدیث میں اسی کا بیان ہے۔

**فائدہ:** قیام تعظیمی کے جواز بلکہ استحسان پر حضرت سعد بن معاذؓ کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے، مگر یہ استدلال درست نہیں، کیوں کہ حدیث میں "قوموا لسیدکم" نہیں ہے بلکہ "الی سیدکم" ہے یعنی ان کے تعاون کے لئے اٹھو، وہ بیمار تھے، ان کو سواری سے اترنے کے لئے مدد کی ضرورت تھی، لفظ سید سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ نے لوگوں کو قیام تعظیمی کا حکم دیا تھا، اور یہ شبہ حضرت عمرؓ کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا، مسند احمد کی روایت میں ہے "فقال عمر سیدنا الله عزوجل قال انزلوه فانزلوه" حضرت عمرؓ نے کہا

ہمارے آقا تو اللہ عزوجل ہیں، نبی علیہ السلام نے فرمایا ''ان کو اتارو'' چنانچہ لوگوں نے ان کو اتارا، اس میں اشارہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے لفظ سید سے قیام تعظیمی سمجھا تھا، نبی علیہ السلام نے اس کی وضاحت کی کہ تعظیم کے لئے نہیں، بلکہ تعاون کے لئے اٹھنا ہے، اور ایک حدیث آئی ہے اس میں صراحت ہے کہ جب نبیؐ مکان سے باہر تشریف لائے، اور صحابہ کھڑے ہوئے تو وہ تعظیم ہی کے لئے کھڑے ہوئے تھے، مثول یعنی خدمت میں کھڑا رہنا مقصود نہیں تھا، پھر بھی آپؐ نے ممانعت فرمائی، کیوں کہ یہی قیام تعظیمی مثول تک مفضی ہوتا ہے، اور اس سے مقتدیٰ کا نفس بھی خراب ہوتا ہے، اور تعظیم میں افراط شروع ہوتی ہے، تو مقتدیٰ کا حال بھی برا ہو جاتا ہے، جیسا کہ لوگوں کے احوال سے یہ بات واضح ہے۔

پس جسے اپنی تعظیم کے لئے دوسروں کا کھڑا ہونا اچھا لگے، اس کے لئے جہنم کی وعید ہے، کیوں کہ یہ تکبر کی نشانی ہے، اور متکبرین کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے، لیکن اگر کوئی شخص خود بالکل نہ چاہے، مگر دوسرے اکرام اور عقیدت ومحبت میں کھڑے ہو جائیں تو یہ دوسری بات ہے، اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بھی پسند نہیں تھی، اور ہمارے اکابر بھی اس پر سخت ناگواری ظاہر کرتے تھے، البتہ کسی مہمان وغیرہ کے آنے پر فرحت وسرور اور اعزاز واکرام کے طور پر کھڑا ہونا جائز ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ ج ۵)

## الفصل الاول

**حدیث نمبر ۱۵٤۳ ﴿سردار کے لئے قیام کرنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٩٥**

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَیْظَةَ عَلٰی حُکْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْهِ وَکَانَ قَرِیْبًا مِّنْهُ فَجَاءَ عَلٰی حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْاَنْصَارِ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَمَضَی الْحَدِیْثُ بِطُوْلِهٖ فِیْ بَابِ حُکْمِ الْاُسَرَاءِ.

**حواله:** بخاری، ص ۵۵۱ ج ۲، باب مرجع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم من الاحزاب، کتاب المغازی حدیث ٤١٢١، مسلم، ص ۹۵ ج ۲، باب جواز قتال من نقض، کتاب الجهاد والسیر، حدیث ١٧٦٨

**ترجمه:** حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت سعدؓ کے فیصلے پر بنو قریظہ اترے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بلوایا، وہ قریب ہی میں موجود تھے، تو وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے، جب مسجد نبوی کے قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا کہ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ۔ (بخاری ومسلم) اس سلسلہ کی طویل حدیث باب حکم الاسراء میں گذر چکی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بنو قریظہ جو کہ ایک یہودی قبیلہ تھا اور مدینہ میں آباد تھا، اُن کی شرارت کی بنا پر مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا، جب مجبور ہو گئے تو انھوں نے کہا کہ سعد بن معاذؓ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا، ان کا خیال تھا کہ ہم چوں کہ حضرت سعدؓ کے حلیف ہیں، لہٰذا وہ ہمیں محاصرہ سے نجات دلائیں گے، آپؐ نے ان کی شرط منظور فرمائی، اور حضرت سعدؓ کو بلوایا، وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے تو آپؐ نے ان کی قوم کے لوگوں کو حضرت سعدؓ کے لئے کھڑے ہونے کی تاکید فرمائی۔ پھر حضرت سعدؓ نے ان کے بارے میں فیصلہ فرمایا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لما نزلت بنو قریظة حضور اقدسؐ اور بنو قریظہ کے درمیان پہلے سے معاہدہ تھا، جب قریش دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آئے تو بنی قریظہ رسول اللہ کا عہد توڑ کر قریش کے ساتھ مل گئے، حق تعالیٰ نے جب احزاب کو شکست دی، تو آپ غزوۂ خندق سے صبح کی نماز کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے اور آپؐ نے اور

تمام مسلمانوں نے ہتھیار کھول دیئے، جب ظہر کا وقت قریب آیا، تو حضرت جبرئیل امینؑ ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے اور نبی اکرمؐ سے مخاطب ہو کر کہا کیا آپ نے ہتھیار اتار دیا آپؐ نے فرمایا ہاں۔ جبرئیلؑ نے کہا فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں کھولے اور نہ وہ ہنوز واپس ہوئے، آپ فوراً بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جایئے، آپؐ نے فرمایا میرے اصحاب ابھی تھکے ہوئے ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا آپ اس کا خیال نہ کریئے روانہ ہو جایئے، میں ابھی جا کر ان کو متزلزل کیئے دیتا ہوں، یہ کہہ کر جبرئیلؑ فرشتوں کی جماعت کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے، کوچہ بنی غنم تمام گرد و غبار سے بھر گیا۔ نبی کریمؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ کوئی شخص سوائے بنی قریظہ کے کہیں نماز عصر نہ پڑھے، راستہ میں جب نماز عصر کا وقت آیا تو اختلاف ہوا بعض نے کہا ہم تو بنی قریظہ ہی پہنچ کر نماز پڑھیں گے۔ بعض نے کہا کہ ہم نماز پڑھ لیتے ہیں آنحضرت کا یہ مقصد نہ تھا کہ نماز قضا کر دی جائے بلکہ تعجیل تھا، رسول اللہؐ سے جب اس کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے کسی پر اظہار ناراضگی نہیں فرمایا، اس لئے کہ نیت ہر ایک کی بخیر تھی۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ جس نے حدیث کے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اس کو بھی اجر ملا اور جس نے اجتہاد کیا اس کو بھی اجر ملا، لیکن جن لوگوں نے ظاہر الفاظ پر نظر کر کے بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر ادا نہ کی حتی کہ وقت عصر نکل گیا تو ان لوگوں کو فقط ایک فضیلت حاصل ہوئی یعنی حکم نبوی کی تعمیل کا اجر ملا اور جن لوگوں نے اجتہاد و استنباط سے کام لیا اور سمجھا کہ منشاء نبوی یہ نہیں ہے کہ نماز عصر قضا کر دی جائے بلکہ مقصود جلد پہنچنا ہے اس لئے نماز عصر راستہ میں پڑھ لی ان لوگوں کو اس اجتہاد کی بدولت دو فضیلتیں حاصل ہوئیں ایک فضیلت حکم نبوی کی تعمیل کی اور دوسری فضیلت صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر کی محافظت کی جو درحقیقت بے شمار فضائل کو متضمن اور شامل ہے، جس کی محافظت کا حکم قرآن میں آیا **حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ** اور حدیث میں ہے کہ جس کی نماز عصر فوت ہو گئی اس کے مال اور اہل سب برباد ہو گئے، پھر آپؐ نے بنی قریظہ میں پہنچ کر پچیس روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا، اس اثناء میں ان کے سردار کعب بن اسعد نے ان کو جمع کر کے یہ کہا کہ میں تین باتیں تم پر پیش کرتا ہوں ان میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کر لو تا کہ تم کو اس مصیبت سے نجات ملے، اول یہ کہ ہم اس شخص یعنی محمدؐ پر ایمان لے آئیں اور اس کے مطیع اور پیرو بن جائیں۔ **فواللہ لقد تبین لکم انہ لنبی مرسل وانہ للذی تجدونہ فی کتابکم فتامنون علی دمائکم واموالکم ونسائکم.** (کیونکہ خدا کی قسم تم پر یہ بات واضح اور روشن ہو چکی ہے کہ وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں اور بلاشبہ یہ وہی نبی ہیں جن کو تم تورات میں لکھا پاتے ہو اگر ایمان لے آؤ گے تو تمہاری جان اور مال اور عورتیں سب محفوظ ہو جائیں گی، بنی قریظہ نے کہا کہ ہم کو یہ منظور نہیں کہ ہم اپنا دین چھوڑ دیں کعب نے کہا اچھا اگر یہ منظور نہیں تو دوسری بات یہ ہے کہ بچوں اور عورتوں کو قتل کر کے بے فکر ہو جاؤ اور شمشیر بکف ہو کر پوری ہمت اور تن دہی کے ساتھ محمدؐ کا مقابلہ کرو اگر ناکام رہے تو بچوں اور عورتوں کا کوئی غم نہ ہو گا اور اگر کامیاب ہو گئے تو عورتیں بہت ہیں ان سے بچے بھی پیدا ہو جائیں گے۔ بنو قریظہ نے کہا بلا وجہ عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے زندگی کا لطف ختم کرنا ہو گا، کعب نے کہا اچھا اگر یہ بھی منظور نہیں تو تیسری بات یہ ہے کہ آج ہفتہ کی شب ہے عجب نہیں کہ محمدؐ اور ان کے اصحاب غافل اور بے خبر ہوں اور ہماری جانب سے بایں وجہ مطمئن ہوں کہ یہ دن یہود کے نزدیک محترم ہے، اس میں وہ حملہ نہیں کر سکتے مسلمانوں کی اس بے خبری اور غفلت سے نفع اٹھاؤ کہ یکایک ان پر شب خون مارو، بنو قریظہ نے کہا اے کعب تجھے معلوم ہے کہ ہمارے اسلاف اسی دن کی بے حرمتی کی وجہ سے بندر اور سور بنائے گئے، پھر تم ہمیں اس کا حکم دیتے، الغرض بنو قریظہ نے کعب کی ایک بات کو بھی نہ مانا بالآخر مجبور ہو کر بنو قریظہ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ رسول اللہؐ جو حکم دیں وہ ہمیں منظور ہے، جس طرح خزرج اور بنو نضیر میں حلیفانہ تعلقات تھے، اسی طرح اوس اور بنو قریظہ میں حلیفانہ تعلقات تھے اس لئے اوس نے رسول اللہؐ سے درخواست کی کہ خزرج کے التماس پر بنی نضیر کے ساتھ جو معاملہ فرمایا اسی طرح کا معاملہ ہماری استدعاء پر بنو قریظہ کے ساتھ فرمائیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم اس پر راضی

نہیں کہ تمہارا فیصلہ تمہیں میں کا ایک شخص کردے انھوں نے کہا یا رسول اللہؐ سعد بن معاذ جو فیصلہ کردیں گے وہ ہمیں منظور ہے۔ سعد بن معاذ جب غزوۂ خندق میں زخمی ہوئے تو رسول اللہؐ نے ان کے لئے مسجد نبوی میں ایک خیمہ لگوا دیا تھا کہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں، ان کے بلانے کے لئے آدمی بھیجا وہ گدھے پر سوار ہوکر تشریف لائے، جب آپؐ کے قریب پہنچے تو آپؐ نے فرمایا قوموا الیٰ سید کم یعنی اپنے سردار کی تعظیم کے لئے اٹھو، جب اتار کر بٹھا دیئے گئے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنا فیصلہ تیرے سپرد کیا ہے، سعد نے کہا کہ میں ان کے بابت یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان میں کے لڑنے والے یعنی مرد قتل کئے جائیں اور عورتیں اور دیگر مرد اسیر کرکے لونڈی اور غلام بنالئے جائیں اور ان کے تمام مال واسباب مسلمانوں میں تقسیم کردیئے جائیں، اور آپؐ نے ارشاد فرمایا بے شک تونے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا چنانچہ تمام بنی قریظہ گرفتار کرکے مدینہ لائے گئے اور ایک انصاری عورت کے مکان میں ان کو محبوس رکھا گیا اور بازار میں ان کے لئے خندقیں کھدوائی گئیں بعد ازاں دو دو چار چار کو اس مکان سے نکلوایا جاتا اور ان خندقوں میں ان کی گردن ماری جاتی۔ حی ابن اخطب اور سردار بنو قریظہ کعب بن اسد کی بھی گردنیں ماری گئیں، ترمذی وغیرہ میں حضرت جابر سے باسناد صحیح مروی ہے کہ ان کی تعداد چار سو تھی۔ عورتوں میں سوائے ایک عورت کے جس کا نام بنانہ تھا اور کوئی قتل نہیں کی گئی، اس عورت کا جرم یہ تھا کہ اس نے کوٹھے سے چکی کا پاٹ گرایا تھا، جس سے خلاد بن سویدؓ شہید ہوگئے۔ (نصر الباری) ''قیام'' سے متعلق تفصیلات عالمی حدیث ۴۶۸۹ کے تحت گذر چکی ہے۔ نیز عالمی حدیث ۳۹۶۳ پر بھی کافی تفصیل ہے۔ دیکھ لیا جائے۔

**حدیث نمبر ۱۵۴۴ ﴿کسی کو اٹھاکر اسکی جگہ بیٹھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٩٦**

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

**حواله:** بخاری، ص۹۲۷ ج۲، باب لا يقيم الرجل من مجلسه، کتاب الاستئذان، حدیث ۶۲۶۹، مسلم، ص۲۱۷ ج۲ باب تحريم اقامة الانسان من موضعه، کتاب السلام، حدیث ۲۱۷۷

**حل لغات:** تفسحوا امر حاضر کشادہ ہو، تَفَسَّحَ (تفعل) له فی المجلس کسی کے لئے بیٹھنے کے لئے جگہ نکالنا، توسعوا امر حاضر پھیلو کشادہ ہو، تَوَسَّعَ (تفعل) کشادہ ہونا پھیلنا۔

**ترجمه:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی دوسرے بیٹھے ہوئے آدمی کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نہ بیٹھے، بلکہ خود آپس میں فراخی اور وسعت پیدا کر دیا کرو۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عام جگہ میں مثلاً مسجد میں پہلے سے بیٹھ جائے، تو دوسرے کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو اس جگہ سے ہٹا کر خود بیٹھے، البتہ بیٹھنے والے کو خود چاہئے کہ ذرا سے اِدھر اُدھر کھسک کر دوسرے کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنا دے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا یقیم الرجل کوئی آدمی پہلے سے کسی جگہ بیٹھ چکا ہے، تو اس کو اٹھانا جائز نہیں ہے۔ ''لا یقیم'' اگرچہ مضارع کا صیغہ بصورت خبر ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ نہی ہے، بعض روایتوں میں ''لا یقم'' صیغہ نہی کے ساتھ وارد ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں ''لا یقیمن'' نہی بانون تاکید ہے، یہ نہی بعض علماء کے نزدیک تحریم کے لئے اور بعض کے نزدیک تنزیہی ہے۔ علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ نہی بظاہر تحریم کے لئے آتی ہے اور دلیل کے بغیر اس کو کسی اور معنی کے لئے نہیں لے سکتے، حدیث کے الفاظ عام ہیں، تاہم عموم مراد نہیں، بلکہ حدیث میں بیان کردہ حکم ان مجالس سے متعلق ہے، جو ہر ایک کے لئے

عام اور مباح ہوتی ہیں، اگر کوئی جگہ کسی کی ملکیت ہے تو ظاہر ہے وہاں اس کی اجازت کے بغیر بیٹھنا جائز نہیں۔ (ارشاد الساری، ص ۲۷۶ ج ۱۳، کشف الباری) ولکن تفسحوا بیٹھنے والے کو چاہئے کہ تھوڑا سا کھسک کر دوسرے کے لئے جگہ بنا دے۔ وتوسعوا ما قبل کی تاکید ہے۔ یعنی جب لوگ ایک دوسرے کے قریب ہو کر بیٹھیں گے تو دوسروں کے لئے وسعت ہو گی۔ بعض روایات میں ہے کہ "لیقل تفسحوا و توسعوا" یعنی کسی کو اس کی جگہ سے ہٹائے نہیں بلکہ وسعت اور گنجائش پیدا کرنے کی درخواست کرے۔

**حدیث نمبر ۱۵٤۵ ﴿حق جلوس کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٩٧**

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلَیْهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حواله:** مسلم، ص ۲۱۷ ج۲ باب اذا قام من مجلسه ثم عاد فهو احق من موضعه، کتاب السلام حدیث ۲۱۷۷

**ترجمه:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی جگہ سے اٹھے اور پھر واپس آ جائے تو اس جگہ کا وہی زیادہ حق دار ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص پہلے سے کسی جگہ بیٹھا تھا، پھر کسی عارض کی وجہ سے اٹھ گیا، تو اس کا حق جلوس زائل نہیں ہوا ہے، دوسرے شخص کو اس کی جگہ پر قبضہ نہیں جمانا چاہئے۔ بعض نے عدم جلوس کے اس حکم کو واجب قرار دیا ہے، لیکن جمہور کے نزدیک اس جگہ پر نہ بیٹھنا مستحب ہے۔ (فتح الباری، ج ۱۱ ص ۸۵)

**کلمات حدیث کی تشریح** من قام من مجلسه اگر کوئی شخص کسی ضرورت سے مجلس سے اٹھ کر جائے، اور پھر واپس آ جائے تو وہ اپنی جگہ کا زیادہ حق دار ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ جگہ کسی کی ملکیت نہ ہو بلکہ حقوقِ عامہ سے ہو، اگر وہ جگہ کسی کی ملک ہے تو مالک زیادہ حق دار ہوگا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ لوٹنے والے کی حقیت اس وقت ہے جب وہ کسی مختصر سے کام کے لئے اٹھا ہو، نیز وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے، خواہ اٹھنے والا اس جگہ پر اپنا کپڑا رکھ کر اٹھے یا بغیر اس کے اٹھے۔ آگے روایت آ رہی ہے کہ آپ کا معمول تھا کہ اگر آپ مجلس کے دوران کسی کام کے لئے اٹھتے تو اٹھتے وقت کوئی چیز اپنی وہاں چھوڑ دیتے، نعلین شریف یا کوئی کپڑا جس سے آپ کے اصحاب پہچان جاتے کہ آپ کو لوٹنا ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۱۸۱ ج ۴، الدر المنضود)

## الفصل الثانی

**حدیث نمبر ۱۵٤٦ ﴿آپ اپنے لئے کھڑے ہونے کو ناپسند کرتے تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٩٨**

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ یَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَیْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِیَتِهٖ لِذٰلِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ.

**حواله:** ترمذی، ص ١٠٤ ج٢، باب ما جاء فی کراهیة قیام الرجل للرجل، کتاب الادب حدیث ٢٧٥٤

**ترجمه:** حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی شخص نہیں تھا، لیکن صحابہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کمال تواضع کا پیکر تھے، لہٰذا آپ اپنے لئے قیام تعظیمی کو پسند نہیں کرتے تھے، ہمارے اکابر کا عمل بھی آپ کی سنت کے مطابق رہا ہے، چنانچہ ہمارے اکابر کے اعزاز میں کوئی کھڑا ہوا تو انھوں نے اس کو منع کیا اور اس پر نکیر فرمائی، اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لم یکن شخص احب الیھم صحابہ آپؐ سے کمال محبت کے باوجود آپؐ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیوں کہ خود آپؐ اس کو ناپسند کرتے تھے۔ کسی کے لئے کھڑا ہونا دو طرح ہوتا ہے۔ (۱) تعظیم کے لئے (۲) فرحت وانبساط کے طور پر۔ پھر قیام تعظیمی کی دو صورتیں ہیں (اول) مسلسل کھڑا رہنا یعنی جب تک بڑا مجلس میں رہے لوگ کھڑے رہیں۔ (دوم) کھڑے ہوکر بیٹھ جانا، یعنی جب بڑا آئے تو لوگ کھڑے ہوجائیں پھر جب وہ بیٹھ جائے تو لوگ بھی بیٹھ جائیں، یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں، پہلی صورت مکروہ تحریمی ہے اور دوسری صورت اس سے کم مکروہ ہے، رہا انبساط وفرحت کے طور پر کھڑا ہونا اور آنے والے کو خوش آمدید کہنا تو نہ یہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ (تحفۃ الالمعی) "قیام تعظیمی" سے متعلق تفصیلات کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۶۸۹ اور عالمی حدیث ۳۹۶۳

**حدیث نمبر ۱۵۴۷ ﴿اپنے آگے کھڑا رکھنے والا جھنمی ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٦٩٩**

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ترمذی، ص ۱۰٤ ج۲، باب ما جاء فی کراهیة قیام الرجل للرجل، کتاب الادب حدیث ۲۷۵۵، ابوداود، ص ۷۱۰ باب الرجل یقوم للرجل، کتاب الادب، حدیث ۵۲۲۹

**ترجمه:** حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی خوشی اس میں ہو کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوا کریں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** یہ حدیث اس شخص کے حق میں سخت وعید ہے جو بطور تکبر ونخوت کے لوگوں کو اپنے سامنے کھڑا رکھتا ہے۔ یا اپنی تعظیم وتکریم کرانے کی غرض سے لوگوں کا اپنے سامنے کھڑے رہنا پسند کرتا ہو، اگر کوئی اس کی طلب نہ رکھتا ہو۔ اور اس کے لئے کوئی اپنی خوشی سے کھڑا ہوگیا تو وعید نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من سره ان یتمثل له الرجال جو شخص اپنے لئے یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے تصویر بنے کھڑے رہیں تو اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہئے، یعنی وہ یہ سمجھ لے کہ میرا ٹھکانہ جہنم میں بن چکا ہے اور یا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ٹھکانے میں جو جہنم میں ہے داخل ہوچکا، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لئے دو دو ٹھکانے بنائے ہیں، ایک جنت میں اور ایک جہنم میں، خواہ وہ شخص دنیا میں آنے کے بعد مسلمان بنے یا کافر بنے، کفار پر حجت قائم کرنے کے لئے کبھی وہ یہ کہنے لگیں کہ اے اللہ تو نے ہمارا شروع سے ہی حصہ جنت میں نہیں رکھا تھا۔ (الدر المنضود) ترمذی میں صراحت ہے کہ حضرت معاویہؓ (گھر سے) نکلے تو حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت ابن صفوانؓ کھڑے ہوئے، جب انھوں نے حضرت معاویہ کو دیکھا، اس پر حضرت معاویہؓ نے آپؐ کی بات نقل کی، معلوم ہوا کسی کے آگے دست بستہ کھڑا رہنا درست نہیں ہے۔ البتہ کسی مہمان وغیرہ کی آمد پر اکرام کے لئے وقتی طور پر کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

**حدیث نمبر ۱۵٤۸ ﴿تعظیما کھڑے رھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٠٠**

وَعَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى عَصًا فَقُمْنَا لَهُ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ابوداود، ص ۷۱۰ ج۲، باب الرجل یقوم للرجل، کتاب الادب حدیث ۵۲۳۰

**ترجمہ:** حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے باہر تشریف لائے، تو ہم آپؐ کے لئے کھڑے ہوگئے، آپؐ نے فرمایا کہ ایسے کھڑے نہ ہوا کرو، جیسے عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** عجمی لوگوں کا دستور رہا ہے کہ جب ان کے سامنے ان کا کوئی بڑا یا سردار آتا تو وہ محض اس کو دیکھ کر ہڑ بڑا کر کھڑے ہوجاتے، اور پھر اس کے سامنے باادب سربستہ کھڑے رہتے آپؐ نے اپنے فرمان کے ذریعہ اس طرح کے تعظیماً کھڑے ہونے کی ممانعت فرمائی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تقوموا کما یقوم الاعاجم عجمیوں کی طرح تعظیماً مت کھڑے ہو۔ اس حدیث کا مصداق بھی بڑے کے سامنے مسلسل کھڑے رہنے کا ہے، مگر آپؐ نے یہ ارشاد اس موقع پر فرمایا ہے جب صحابہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے تھے، جو بعد میں بیٹھ گئے تھے، معلوم ہوا کہ یہ دوسری صورت بھی حدیث کا مصداق ہے۔ عجمیوں کی طرح کھڑا رہنا جائز نہیں، ان کا طریقہ یہ تھا کہ نوکر آقا کی خدمت میں اور رعایا بادشاہ کی خدمت میں کھڑی رہتی تھی، ان کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی، اور یہ انتہائی درجے کی تعظیم سمجھی جاتی تھی، جس کی سرحدیں شرک سے ملی ہوئی تھیں، اس لئے اس کی ممانعت کی گئی۔ اس طرح بڑے کے آنے پر تعظیم کے لئے کھڑا ہونا پھر بیٹھ جانا بھی ممنوع ہے۔ آپؐ مکان سے باہر تشریف لاتے تھے اور صحابہ کھڑے ہوتے تھے تو وہ تعظیم ہی کے لئے کھڑے ہوتے تھے، مسلسل کھڑا رہنا مقصود نہیں تھا، پھر بھی آپؐ نے ممانعت فرمادی، کیوں کہ یہی قیام دست بستہ کھڑے رہنے کا سبب بنتا ہے۔ اس سے جس کی تعظیم کی جاتی ہے اس کے نفس کے خراب ہونے کا امکان رہتا ہے۔ (تلخیص تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر ۱۵۴۹ ﴿دوسرے کی جگہ پر بیٹھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۰۱**

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي الْحَسَنِ قَالَ جَاءَ نَا اَبُوْبَكْرَةَ فِيْ شَهَادَةٍ فَقَامَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ مَجْلِسِهٖ فَاَبٰى اَنْ يَّجْلِسَ فِيْهِ وَقَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ذَا وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّمْسَحَ الرَّجُلُ يَدَهٗ بِثَوْبِ مَنْ لَمْ يَكْسُهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُد.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٦٤ ج٢، باب فی الرجل یقوم للرجل من مجلسه، کتاب الادب حدیث ٤٨٢٧

**حل لغات:** یکسه کَسِیَ (س) کَسًا پہننا، کَسَا (ن) کَسْوًا فُلَانًا ثَوْبًا کسی کو کپڑا دینا، یا پہنانا۔

**ترجمہ:** حضرت سعد بن ابوالحسنؒ سے روایت ہے کہ ایک گواہی کے سلسلے میں حضرت ابوبکرہؓ ہمارے پاس تشریف لائے تو ایک آدمی ان کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ گیا، انھوں نے اس جگہ بیٹھنے سے انکار کردیا، اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے اس کپڑے سے ہاتھ پونچھے جو اس نے اُسے پہنایا نہیں ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اپنی جگہ سے کھڑے ہونا یا اپنی جگہ دوسرے کے لئے چھوڑنا بعض مخصوص صورتوں میں غیر مناسب ہے، مثلاً مجلس وعظ یا علم ہو تو اس میں ہر بیٹھنے والے کو اپنے مقصد علم یا وعظ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ کسی آنے والے کے لئے کھڑے ہونا توجہ تام کے منافی ہے۔ لیکن موقع محل کے اعتبار سے مستثنیات ہر جگہ ہوتے ہیں، اسی طرح کھانے وغیرہ سے آلودہ ہاتھ اجنبی کے کپڑے میں نہیں پونچھنا چاہئے۔ (الدر المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** سعید بن الحسن حضرت حسن بصریؒ کے بھائی ہیں۔ نهى عن ذا اس سے منع فرمایا۔ اشارہ کس طرف ہے؟ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ دوسرے کے لئے کھڑے ہونے سے منع کرنا ہے اور ملا علی قاریؒ

فرماتے ہیں کہ اشارہ جلوس کی طرف ہے۔ یعنی دوسرے کی جگہ میں جو کہ اس کے لئے کھڑا ہوا ہے بیٹھنا ممنوع ہے۔ یمسح الرجل یدہ بثوب اگر ہاتھ کھانے وغیرہ سے آلودہ ہو گئے ہیں تو ان ہاتھوں کو کسی اجنبی کے کپڑے سے نہ پونچھے، بلکہ ایسے شخص کے کپڑے سے ہاتھ پونچھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جس کو اس نے کپڑے پہنائے اور دیئے ہوں، جیسے اپنی اولاد یا غلام اور خادم وغیرہ اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس اجنبی کے کپڑے سے پونچھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، جو اس بات پر راضی ہو۔ اس پر حدیث کے پہلے جزء کے مسئلہ کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص اس کے لئے اپنی جگہ سے بطیب خاطر اٹھا ہے تو اس کی جگہ پر بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جیسا کہ آیت تفسحوا فی المجالس سے مفہوم ہوتا ہے اور جیسا کہ اس پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے "صدر الدابة احق بصاحبها الا اذن" (سواری کی اگلی نشست پر بیٹھنے کا زیادہ حق دار اس سواری کا مالک ہے، الا یہ کہ وہ کسی کو وہاں بیٹھنے کی اجازت دے دے۔) رہی یہ بات کہ جب وہ حضرت ابوبکرؓ کے لئے اپنی مرضی سے جگہ چھوڑ کر اٹھے تھے تو حضرت ابوبکرؓ نے بیٹھنے سے کیوں انکار کیا؟ ان کے انکار کا سبب یہ تھا کہ ان کو اس شخص کی رضامندی کے بارے میں شک ہوگا، اور انھوں نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ یہ شخص از خود بطیب خاطر اپنی جگہ سے نہیں اٹھا ہے، بلکہ کسی اور کے کہنے سے اٹھا ہے، یا شرم حضوری میں اٹھا ہے، اور یا یہ کہ اس شخص کی رضامندی جاننے کے باوجود حضرت ابوبکرؓ نے احتیاط و تقویٰ اسی میں دیکھا ہوگا کہ وہ اس کی جگہ پر نہ بیٹھیں۔ یا انھوں نے ممانعت کی حدیث کو اطلاق پر محمول کیا ہوگا اور رضامندی کو بھی عدم ممانعت کا سبب نہیں سمجھتے ہوں گے۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۵۵۰ ﴿واپس آنا ہے تو کوئی نشانی رکھنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۰۲**

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ فَقَامَ فَاَرَادَ الرُّجُوْعَ نَزَعَ نَعْلَهُ اَوْ بَعْضَ مَایَکُوْنُ عَلَیْهِ فَیَعْرِفُ ذٰلِکَ اَصْحَابُهُ فَیَثْبُتُوْنَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ابوداود، ص ٦٦٦ ج٢، باب اذا قام الرجل من مجلس ثم رجع، کتاب الادب حدیث ٤٨٥٤

**ترجمہ:** حضرت ابودرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو ہم آپؐ کے اردگرد بیٹھ جاتے پھر آپ کھڑے ہوتے اور اگر واپسی کا ارادہ ہوتا تو آپ اپنے نعلین مبارک یا اپنا کوئی کپڑا چھوڑ جاتے تو آپؐ کے صحابہ جان جاتے چنانچہ وہ اپنی جگہ بیٹھے رہتے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ اگر مجلس سے کسی وقتی ضرورت کے لئے اٹھ کر جاتے اور واپسی کا ارادہ ہوتا تو بطور علامت کوئی چیز چھوڑ جاتے، صحابہ اس علامت سے سمجھ لیتے کہ حضرت ابھی واپس آئیں گے، لہٰذا مجلس برخواست نہ کرتے بلکہ مزید استفادہ کے لئے آپؐ کا انتظار کرتے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وجلسنا حوله صحابہ آپؐ کے اردگرد بیٹھتے تھے، یعنی دائیں بائیں اور سامنے بیٹھتے تھے، حلقہ بنا کر بیٹھنا مراد نہیں ہے، کیوں کہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے کہ کوئی آدمی بیچ میں بیٹھے اور بقیہ لوگ چاروں طرف سے اس کے بیٹھیں۔ فاراد الرجوع آپؐ بطور علامت کوئی چیز چھوڑتے تو صحابہ جان جاتے کہ آپ واپس آنے والے ہیں، لہٰذا منتشر نہ ہوتے، صحابہ میں سے کوئی آپؐ کی جگہ پر بیٹھنے کا خواہشمند نہیں تھا، لہٰذا آپ کے سلسلہ میں سوچنا کہ آپؐ بطور علامت کوئی چیز اس لئے چھوڑتے تا کہ دوسرا کوئی اس جگہ نہ بیٹھے مناسب نہیں ہے۔ البتہ عام آدمی اگر جگہ سے اٹھ کر جا رہا ہے اور وہ جگہ عام ہے اور اس کو جلد ہی واپس آنا ہے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ بطور علامت کوئی چیز رکھ دے، تا کہ دوسرے لوگ سمجھ لیں کہ وہ آنے والا ہے، لہٰذا اس کی جگہ پر نہ بیٹھیں۔

**حدیث نمبر ۱۵۵۱ ﴿دو آدمیوں کے درمیان گھسنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۰۳**

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۴ ج۲، باب ما جاء فی کراھیۃ الجلوس، کتاب الادب، حدیث ۲۷۵۲، ابو داود، ص ۶۶۵ ج۲، باب فی الرجل یجلس، کتاب الادب، حدیث ۴۸۴۵

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمروؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ کسی شخص کے لئے حلال نہیں ہے کہ دو بیٹھے ہوئے آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر جدائی ڈالے۔ (ابوداود، ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر دو آدمی ایک ساتھ بیٹھے ہوں تو کسی تیسرے شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان گھس کر بیٹھے، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں آدمی آپس میں محبت و تعلق رکھتے ہوں، اور رازدارانہ طور پر ایک دوسرے سے کوئی بات چیت کرنا چاہتے ہوں، اگر کوئی تیسرا آدمی ان کے درمیان حائل ہوکر بیٹھے گا تو اس کا وہاں بیٹھنا اُن پر شاق گذرے گا، علماء نے یہ وضاحت کی ہے کہ اگر یہ معلوم ہو کہ ان دونوں کے درمیان اتحاد و محبت کا علاقہ نہیں ہے، تو اس صورت میں ان دونوں کے درمیان بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا اور اگر ان دونوں کے درمیان تعلق مبہم ہو (یعنی یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ ان کے درمیان محبت کا علاقہ ہے یا نہیں) یا سرے سے یہ معلوم ہی نہ ہو تو اس صورت میں احتیاط کا تقاضہ یہ ہوگا کہ ان کے درمیان نہ بیٹھے۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا یحل لرجل دو آدمیوں کے درمیان جگہ خالی نہ ہونے کی صورت میں بغیر اجازت بیٹھنا ممنوع ہے، ہاں اجازت دیں تو کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ اجازت دیں گے، تو ان کو اس کے بیٹھنے سے تکلیف بھی نہ ہوگی۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ تیسرے آدمی کے گھسنے سے وہ رازدارانہ بات نہ کرسکیں گے اور بے تکلف بات چیت میں بھی خلل واقع ہوگا۔

**حدیث نمبر ۱۵۵۲ ﴿دو آدمیوں کے درمیان بلا اجازت بیٹھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۰۴**

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَجْلِسْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۶۶۵ ج۲، باب فی الرجل یجلس بین الرجلین بغیر اذنھا، کتاب الادب حدیث ۴۸۴۴

**ترجمہ:** حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھو، مگر ان کی اجازت سے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان بیٹھنا ان کو تکلیف دینا ہے، لہٰذا ان کی اجازت کے بغیر کوئی ان کے درمیان نہ بیٹھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تجلس بین رجلین دو شخصوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھنا ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ہے، اس لئے ممنوع ہے، کبھی دو شخص کوئی پوشیدہ بات کرنے کے لئے اور سرگوشی کرنے کے لئے اکٹھا بیٹھتے ہیں، لہٰذا ان کے درمیان گھسنا دونوں کو مکدر کردے گا اور کبھی دونوں میں انسیت و محبت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ

ساتھ بیٹھنا چاہتے ہیں، تو ان کے درمیان میں بیٹھنا ان کو وحشت میں ڈالتا ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## الفصل الثالث

### حدیث نمبر ۱۵۵۳ ﴿آپ مجلس سے اٹھتے تو صحابہ کھڑے ہوجاتے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٠٥

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجْلِسُ مَعَنَا فِی الْمَسْجِدِ یُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِیَامًا حَتّٰی نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُیُوْتِ اَزْوَاجِهٖ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ٤٦٧ ج ٦ باب فی مقاربة وموادة اهل الدین، حدیث ٨٩٣٠

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے ساتھ بیٹھ کر ہم سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہوجاتے، یہاں تک کہ ہم آپ کو دیکھتے کہ آپ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے گھر میں داخل ہوگئے ہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ مجلس سے اٹھتے تو صحابہ بھی کھڑے ہوجاتے، کیوں کہ آپ کا اٹھ کر جانا مجلس برخواست ہونا سمجھا جاتا تھا، پھر بیٹھے رہنے کا کوئی مطلب نہ تھا، لیکن صحابہ کچھ دیر کھڑے اس امید پر رہتے کہ ممکن ہے حضورؐ واپس تشریف لائیں، یا کسی سے کوئی کام کہیں۔ صحابہؓ کا کھڑا ہونا تعظیماً نہ تھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فاذا قام قمنا صحابہ کا کھڑا ہونا مجلس کی برخواستگی کی بنا پر تھا نہ کہ آپ کی تعظیم میں، اس لئے کہ آپؐ اپنی آمد پر صحابہ کا تعظیماً کھڑا ہونا ناپسند کرتے تھے اور آپؐ کے منع کرنے کی وجہ سے صحابہ کھڑے بھی نہ ہوتے تھے، پھر آپ کی واپسی پر صحابہ کا تعظیماً کھڑا ہونا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بیوت ازواجه جب آپؐ کسی بیوی کے گھر میں داخل ہوجاتے اور صحابہ کو یقین ہوجاتا کہ اب آپ فوری طور پر واپس نہ آئیں گے تو وہ بھی منتشر ہوجاتے۔

### حدیث نمبر ١٥٥٤ ﴿مجلس میں آنے والے کے لئے جگہ بنانا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٠٦

وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ خَطَّابٍ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فِی الْمَکَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ یَّتَزَحْزَحَ لَهٗ رَوَاهُمَا الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ٤٦٨ ج ٦ باب فی مقاربة وموادة اهل الدین حدیث ٨٩٣٣

**حل لغات:** تزحزح (تفعلل) الگ ہٹنا، دور ہونا، اپنی جگہ سے سرکنا، زَحْزَحَهٗ عَنْ مَکَانِهٖ (فعللة) ہٹانا، دور کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت واثلہ بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، جب کہ آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے کچھ سرکے، وہ آدمی عرض گذار ہوا کہ یارسول اللہ جگہ کی گنجائش موجود ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمان کا حق ہے کہ اس کا بھائی جب اسے دیکھے تو اس کے لئے کچھ سرک جائے۔ روایت کیا ان دونوں کو بیہقی نے۔

**خلاصہ حدیث** آنے والے کے اعزاز میں تھوڑا سا کھسکنا یہ اسلامی آداب اور عملی طور پر خوش آمدید کہنا ہے، یہ عمل جگہ میں وسعت کے باوجود کیا جائے، کیوں کہ اس کا اصل مقصد بیٹھنے کے لئے جگہ بنانا نہیں ہے، بلکہ آنے والے کا احترام اور اظہار مسرت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان فی المکان سعۃ جگہ میں وسعت تھی، اس کے باوجود آپ کھسکے، تو ایک صاحب نے عرض کیا کہ وسعت کے باوجود آپ نے یہ زحمت کیوں فرمائی۔ ان للمسلم حقا آپ نے عمل کے بعد قول سے بھی صراحت فرمائی کہ آنے والے کا یہ اعزازی حق ہے کہ اس کے لئے کھسک کر جگہ بنائی جائے، تاکہ وہ اپنی آمد کو دوسروں کے لئے بوجھ محسوس نہ کرے اور اس کو یہ احساس ہو کہ اس کی آمد سے لوگوں کو خوشی ہوئی ہے۔

# باب الجلوس والنوم والمشی

## ﴿بیٹھنے، سونے اور چلنے کا بیان﴾

اس باب کے تحت ۱۲۴ احادیث مذکور ہیں، جن میں گوٹ مار کر بیٹھنے کا جواز، پیر پر پیر رکھ کر بیٹھنے کا مسئلہ، تکبر کی چال کا انجام، سب سے بہتر چال، تکیہ لگا کر بیٹھنے کا استحباب، آپ کے بیٹھنے کا طریقہ، پیٹ کے بل بیٹھنے کی ممانعت، مجلس سے ہٹ کر بیٹھنے کی ممانعت اور ان جیسے دیگر آداب کا ذکر ہے، یہ شریعت کی جامعیت ہے کہ ہر مسئلہ کا حل موجود ہے، آپ نے اپنے فرامین کے ذریعہ ہمیں چلنے سونے اور بیٹھنے سے متعلق جو ہدایات دی ہیں اور جو آداب سکھائے ہیں ان میں سے بعض یہاں مذکور ہیں۔ ان سے متعلق وضاحت احادیث کے ذیل میں ہے۔

## ﴿سونے کے آداب﴾

فرمایا سرور دو عالم نے کہ کسی ایسی چھت پر نہ سوؤ جس پر (دیوار یا جنگلہ وغیرہ) کوئی رکاوٹ نہ ہو (ترمذی) جب بستر پر جانے لگو تو اس کو جھاڑ لو اور باوضو داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ، اور داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لو (بخاری شریف) بلاشبہ آگ تمہاری دشمن ہے لہذا جب سونے لگو تو اس کو بجھا دیا کرو (بخاری شریف) جب تم سونے لگو تو چراغ بجھا دو (ابوداود)

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو ہرگز اپنا ہاتھ (پانی وغیرہ کے) برتن میں داخل نہ کرے، یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ رات بھر اس کا ہاتھ کہاں رہا۔ (بخاری شریف)

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو کر وضو کرنے لگے تو تین بار اپنی ناک جھاڑ دے، کیونکہ شیطان اس کی ناک کے بانسہ میں رات گزارتا ہے (بخاری شریف)

## ﴿مجلس کے آداب﴾

فرمایا معلم انسانیت سرور کائنات نے کہ۔

مجلسیں امانت کیساتھ ہیں، یعنی مجلس میں جو باتیں سنیں انکا دوسری جگہ نقل کرنا امانت داری کیخلاف ہے اور گناہ ہے۔ (ابوداود)

کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھ جاؤ یہ ممنوع ہے۔

اور بیٹھنے والوں کو چاہئے کہ آنے والوں کو جگہ دینے کے لئے مجلس کشادہ کرلیں (بخاری شریف)

جب مجلس میں تین آدمی ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں آہستہ سے باتیں نہ کریں، کیوں کہ اس سے تیسرے کو رنج ہوگا (بخاری) کسی ایسی زبان میں باتیں کرنا جس کو تیسرا آدمی نہیں جانتا وہ بھی اسی حکم میں ہے۔

کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت بیٹھ جائے (ترمذی)

جب کوئی مسلمان تمہارے پاس آجائے تو جگہ ہونے کے باوجود اس کے اکرام کے لئے ذرا سا کھسک جاؤ۔ (بیہقی)

# الفصل الاول

**حدیث نمبر ۱۵۵۵ ﴿مخصوص ہیئت پر بیٹھنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٠٧**

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدَيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۲۸ ج۲، باب الاحتباء بالید وهو القرفصاء، کتاب الاستئذان حدیث ٦٢٧٢

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے صحن میں دونوں ہاتھوں سے "حبوہ" کی نشست میں دیکھا۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** گوٹ مار کر بیٹھنا "حبوہ" کہلاتا ہے۔ یہ نشست کا ایک خاص طریقہ ہے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دونوں زانوں کھڑے کر لئے جاتے ہیں، تلوے زمین پر رہتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے پنڈلیوں پر حلقہ باندھ لیتے ہیں اور کولہے کبھی زمین پر ٹکے ہوتے ہیں کبھی اوپر اٹھے رہتے ہیں، بسا اوقات پنڈلیوں پر ہاتھوں کے ذریعہ حلقہ باندھنے کے بجائے ان پر کوئی کپڑا جیسے رومال وغیرہ لپیٹ لیتے ہیں، چنانچہ آپؐ کے بارے میں کپڑا لپیٹ کر بیٹھنا بھی منقول ہے۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** محتبیاً بیدیه آپؐ کبھی کبھار گوٹ مار کر بیٹھتے تھے، معلوم ہوا کہ اس ہیئت پر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھنے کی ممانعت ہے، کیوں کہ اس میں ستر کھل جاتا ہے بخاری میں روایت ہے کہ آپؐ نے ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جب کہ اس کی ستر پر کپڑا نہ ہو۔

**حدیث نمبر ١٥٥٦ ﴿پیر پر پیر رکھ کر لیٹنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٠٨**

وَعَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ مُسْتَلْقِيًا وَاضِعًا إِحْدٰى قَدَمَيْهِ عَلَى الْأُخْرٰى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۳۰ ج۲، باب الاستلقاء، کتاب الاستئذان حدیث ٦٢٨٧، مسلم، ص١٩٨ ج٢، باب فی اباحة الاستلقاء، کتاب الاستئذان، حدیث ۲۱۰۰

**حل لغات:** مستلقیا (استفعال) اِسْتَلْقٰى عَلٰى ظَهْرِهٖ، چت لیٹنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبادہ بن تمیمؒ بیان کرتے ہیں کہ ان کے چچا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیر مبارک دوسرے پیر مبارک پر رکھے ہوئے مسجد میں چت لیٹے دیکھا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چت لیٹ کر ایک قدم کو دوسرے قدم پر رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ پاؤں اٹھا کر ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھنے میں احتیاط کرنا چاہئے، اس لئے کہ لنگی پہن کر اس طرح لیٹنے میں ستر عورت کھلنے کا قوی اندیشہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** احدی قدمیه علی الاخریٰ آپؐ کو ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ کر لیٹے ہوئے دیکھا۔ اگلی حدیث حضرت جابرؓ کی ہے جس میں آپؐ نے اس طرح چت لیٹنے سے منع فرمایا ہے، کہ اس وقت ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھا جائے۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق یوں ہے کہ منع اس صورت میں ہے جب انکشاف عورت کا احتمال ہو بایں طور کہ لباس بجائے پائجامہ کے لنگی ہو یا ازار وسیع اور غیر وسیع کا فرق ہو۔ اور اگر لباس پائجامہ ہے یا وسیع لنگی ہے جس میں کشف عورت کا احتمال نہیں، تو اس میں کراہت بھی نہیں، یہ توجیہ تو خطابی وغیرہ شراح نے لکھی ہے اور حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں یوں

توجیہ کی ہے کہ چت لیٹنے کے بعد پاؤں کو پاؤں پر رکھنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ دونوں ٹانگیں مبسوط اور پھیلی ہوئی ہوں، اس صورت میں ایک کو دوسری پر رکھنے سے کشف عورت نہیں ہوتا، لہٰذا حدیث میں جو ثبوت ہے وہ اس صورت کا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک گھٹنا کھڑا کر کے اس پر دوسری ٹانگ رکھی جائے تو اس صورت میں اگر لنگی پہنے ہوئے ہوگا تو کشف عورت کا احتمال ہے، لہٰذا محمل نہی اسی صورت کو قرار دیا جائے۔ (الدر المنضود)

**حدیث نمبر ۱۵۵۷ ﴿گھٹنا کھڑا کرکے اس پر ٹانگ رکھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٠٩**

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْفَعَ الرَّجُلُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۱۹۸ ج ۲، باب فی منع الاستلقاء علی الظهر، کتاب اللباس والزينة، حديث ۲۰۹۹

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس طرح چت نہ لیٹے کہ ایک پاؤں کھڑا کر کے اس پر دوسرا پاؤں رکھے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** چوں کہ چت لیٹ کر ٹانگ پر ٹانگ رکھنے کی صورت میں ستر عورت کھلنے کا امکان ہے، لہٰذا اس ہیئت پر لیٹنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان یرفع الرجل احدی رجلیه چت لیٹ کر ایک پیر کے گھٹنے کو کھڑا کیا جائے اور دوسری ٹانگ کے پیر کو اس کھڑے گھٹنے پر رکھا جائے تو یہ طریقہ ممنوع ہے، لیکن یہ ممانعت اس صورت میں جب ستر عورت کھلنے کا امکان ہو، اگر کوئی پائجامہ پہن کر اس نوعیت سے لیٹتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ ستر عورت کھلنے کا عموماً اندیشہ نہیں ہوتا۔ گذشتہ روایت میں پیر پر پیر رکھ کر جو لیٹنے کا جواز مذکور ہے اس کی بنیاد یہی ہے کہ وہاں وہ ہیئت مراد ہے، جس میں ستر عورت کھلنے کا امکان نہیں ہوتا۔ گذشتہ حدیث بھی دیکھ لیں۔

**حدیث ۱۵۵۸ ﴿ایسی نوعیت پر لیٹنا منع ہے جس میں کشفِ عورت ہو﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧١٠**

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسْتَلْقِيَنَّ اَحَدُكُمْ ثُمَّ يَضَعُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۱۹۸ ج ۲، باب فی منع الاستلقاء علی الظهر، کتاب اللباس والزينة، حديث ۲۰۹۹

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی چت نہ لیٹا کرے اس طور پر کہ اپنے ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ لے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ کر اس طرح لیٹنا کہ کشفِ عورت ہو جائز نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا یستلقین اس حدیث میں پیر پر پیر رکھ کر چت لیٹنے کی ممانعت ہے، جب کہ عالمی حدیث ۴۷۰۷ میں گذرا کہ آپ پیر پر پیر رکھ کر مسجد میں چت لیٹے۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ آپؐ نے پیر پر پیر رکھا، لیکن پیر بچھے ہونے کی حالت میں، اس میں کشف عورت کا امکان نہیں تھا، اور ممانعت کا تعلق ایک پیر کھڑا کر کے دوسرا پیر اس پر رکھنے سے ہے، کیوں کہ اس میں کشف عورت ہوتا ہے۔ مزید تحقیق گذشتہ دو حدیثوں میں دیکھ لی جائے۔

**حدیث نمبر ۱۵۵۹ ﴿متکبرانہ چال کا وبال﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧١١**

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَتَبَخْتَرُ فِيْ بُرْدَيْنِ وَقَدْ اَعْجَبَتْهُ

نَفْسُهُ خُسِفَ بِهِ الْأَرْضَ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۶۱ ج ۲، باب من جر ثوبہ من الخیلاء، کتاب اللباس، حدیث ۵۷۸۹، مسلم، ص ۱۹۵ ج ۲، باب تحریم التبختر فی المشی، کتاب اللباس والزینۃ، حدیث ۲۰۸۸

**حل لغات:** یَتَبَخْتَرُ اترا کر چلنا، مٹکنا، بردین بُرْدٌ کا تثنیہ ہے، (ج) أَبْرَادٌ وبُرُودٌ اوڑھنے کی دھاری دار چادر، خَسَفَ (ض) خَسْفًا اَلْاَرْضُ زمین کا دھنس جانا یتجلجل (تفعلل) الشیُ فی الارضِ زمین میں دھنسنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی دو چادروں میں اکڑ کر چل رہا تھا، اور اس کا نفس اس کو خود پسندی میں مبتلا کر رہا تھا، تو اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا، اور وہ اس میں قیامت تک دھنستا ہی جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عجب اور تکبر ناپسند ہے، تکبر اور عجب کا اظہار وضع قطع سے ہو، چال ڈھال سے ہو یا گفتار و کردار سے ہو، ہر حال اور ہر صورت میں ناجائز ہے، اس کی سزا آخرت میں تو ملنی ہی ہے، کبھی کبھی دنیا میں مل جاتی ہے، اس حدیث میں ایک ایسے ہی شخص کا ذکر ہے جس کی دنیا میں تکبر کی وجہ سے گرفت ہوگئی اور قیامت تک اس کو سزا ملتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام لوگوں کو اس برائی سے محفوظ فرمائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** رجل اس حدیث میں جس شخص کا ذکر ہے، اس سے قارون مراد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی ایک ضعیف حدیث میں قارون کا نام بھی آیا ہے۔ (فتح الباری، ص ۳۲۰ ج ۱۰) نوویؒ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے وہ شخص اس امت کا کوئی فرد ہو یا پچھلی امت میں قارون کے علاوہ کوئی شخص ہو۔ یتبختر فی بردین دھاری دار قیمتی اور خوبصورت چادر پہن رکھی تھی، اسی کی وجہ سے عجب میں مبتلا ہو کر اکڑ و اتراہٹ کے ساتھ چلنے لگا۔ وقد اعجبته نفسه 'اعجاب' کے معنی ہیں کہ انسان اپنے آپ کو کمال کی نگاہ سے دیکھے اور اپنے کو اچھا سمجھے اور یہ حقیقت فراموش کر دے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی عطا ہے۔ (فتح الباری، ص ۲۲۰ ج ۱۰) الی یوم القیامۃ جس دن سے دھنسایا گیا ہے، وہ برابر دھنس رہا ہے اور قیامت تک دھنستا رہے گا۔

# الفصل الثانی

## حدیث نمبر ۱۵۶۰ ﴿تکیہ لگاکر بیٹھنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۱۲

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى وِسَادَةٍ عَلَى يَسَارِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۵ ج ۲، باب ما جاء فی الاتکاء، کتاب الادب حدیث ۲۷۷۰

**ترجمہ:** حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ بائیں پہلو پر تکیہ سے ٹیک لگا کے بیٹھے ہوئے تھے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ سے تکیہ کے سہارے بیٹھنا ثابت ہے، لہٰذا تکیہ پر ٹیک لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے تکیہ کو پسند فرمایا ہے اور اس سے انکار کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، لہٰذا تکیہ لگا کر بیٹھنا مستحب قرار پایا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** متکئا علی وسادۃ علی یسارہ آپ بائیں طرف تکیہ لگائے تھے، یہ بیان واقعہ ہے، یعنی جس وقت حضرت جابرؓ نے آپ کو دیکھا اس وقت آپ بائیں پہلو پر تکیہ کے سہارے تشریف فرما تھے، یہ

کوئی قید نہیں ہے کہ بائیں جانب ٹیک لگانا لازم ہے، بلکہ حسب ضرورت دائیں بائیں دونوں طرف ٹیک لگانے کی اجازت ہے۔ البتہ ٹیک لگا کر کھانا کھانا منع ہے۔ کتاب الاطعمۃ میں روایت گذر چکی ہے۔

**حدیث نمبر ۱۵۶۱ ﴿آپ کے بیٹھنے کا انداز﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧١٣**

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِی الْمَسْجِدِ اِحْتَبٰی بِیَدَیْهِ رَوَاهُ رَزِیْنٌ .

**حوالہ:** (رزین)

**ترجمہ:** حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھوں سے حلقہ باندھ لیتے۔ (رزین)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ بسا اوقات بیٹھنے کے وقت دونوں زانوں کو کھڑے کر لیتے اور ان کے گرد سہارا لینے کے لئے دونوں ہاتھ باندھ لیتے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** احتبی بیدیہ اس حدیث میں جس انداز سے بیٹھنے کا ذکر ہے، اس کو "احتباء" یعنی گوٹ مار کر بیٹھنا کہتے ہیں، اس میں کولہے زمین پر ٹیک کر دونوں گھٹنے کھڑے کر لئے جاتے ہیں اور سہارے کے طور پر دونوں ہاتھ یا کوئی کپڑا گھٹنوں کے اردگرد لپیٹ لیا جاتا ہے۔ آپ سے گوٹ مار کر بیٹھنا ثابت ہے، جیسا کہ اس سے بھی معلوم ہو رہا ہے البتہ ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے، کیوں کہ اس میں کشف عورت ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری، ص ۱۴ ج ۲۲)

**حدیث نمبر ۱۵۶۲ ﴿آپ کی متواضعانہ نشست کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧١٤**

وَعَنْ قَیْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ اَنَّهَا رَاَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَاعِدُنِ الْقُرْفُصَاءَ قَالَتْ فَلَمَّا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشِّعَ اُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٦٦ ج ٢، باب فی جلوس الرجل، کتاب الادب حدیث ٤٨٤٧

**حل لغات:** القرفصاء اکڑوں بیٹھک، دونوں ہاتھ ٹانگوں کے اوپر سے باندھ کر بیٹھنا، المتخشع خاکساری، تَخَشَّعَ (تفعل) عاجزی دکھانا، خاکساری دکھانا، ارعدت (افعال) مجہول ہے، اُرْعِدَ فُلَانٌ کپکپی اور لرزہ میں مبتلا ہونا، گھبراہٹ سے کانپ جانا، اَرْعَدَ فُلَانًا لرزا دینا، خوف دلانا، رَعَدَ (ن) رَعْدًا السحاب بادل کا گرجنا، فلاں کسی کو دھمکی دینا، الفرق ڈر گھبراہٹ فَرَقَ (ن) فَرْقًا اَلصَّبِیَّ بچے کو ڈرانا۔

**ترجمہ:** حضرت قیلہ بنت مخرمہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں اکڑوں بیٹھے ہوئے دیکھا، وہ کہتی ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عاجزی دیکھی تو میں ہیبت کی وجہ سے کانپ گئی۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** حدیث میں جس نشست کا ذکر ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دونوں زانوں کو کھڑا کر کے سرینوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ زانوں کو پیٹ سے لگا لیتے ہیں اور دونوں ہاتھوں کو پنڈلیوں پر باندھ لیتے ہیں، اس نشست کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ دونوں زانوں کو زمین پر ٹیک کر رانوں کو پیٹ سے لگا لیتے ہیں اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں دونوں بغلوں میں داب لی جاتی ہیں، اس طرح کہ دائیں ہتھیلی بائیں بغل میں اور بائیں ہتھیلی دائیں بغل میں رہتی ہے۔ بیٹھنے کا یہ خاص طریقہ عرب کے ان غیر متمدن لوگوں میں عموماً رائج تھا، جو جنگلات میں رہتے تھے، نیز وہ مسکین وغریب لوگ بھی اس طرح بیٹھتے ہیں جو تفکرات وخیالات اور غم وآلام

میں مبتلا ہوتے ہیں، چوں کہ یہ نشست انتہائی عجز و بے چارگی اور کمالِ انکساری وفروتنی کو ظاہر کرتی ہے، اس لئے آپ اس ہیئت سے بیٹھا کرتے تھے۔ (مظاہر حق) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سادگی اور فروتنی بھی بڑی ہیبت اور وقار ہے، خاص طور سے جب بڑا آدمی ان اوصاف کو اختیار کرتا ہے تو اس کا وقار بڑھ جاتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ارعددت من الفرق آپ کی اس سادگی کو دیکھ کر کانپ گئیں کہ اتنی عظیم شخصیت اور انکساری کا یہ عالم۔ بذل میں لکھا ہے کہ یہ روایت طبرانی میں لمبی ہے، جس کے آخیر میں ہے کہ قیلہ کہتی ہیں کہ جو شخص میرے برابر میں بیٹھے تھے، انھوں نے میرے بارے میں آپ سے عرض کیا کہ "یارسول الله ارعدت المسکینة" یہ مسکین عورت تو کانپ رہی ہے۔ تو اس پر آپ نے بغیر میری طرف دیکھے اپنے دستِ مبارک سے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ "یا مسکینة علیك السکینة" آپ کے یہ فرماتے ہی اللہ تعالیٰ نے مجھ سے خوف کو دور کردیا۔ (بذل المجہود، الدر المنضود)

### حدیث نمبر ۱۵۶۳ ﴿نماز فجر کے بعد آپ کی نشست کا انداز﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧١٥

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْفَجْرَ تَرَبَّعَ فِيْ مَجْلِسِهٖ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسَنًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ابوداود، ص ٦٦٦ ج ٢، باب فی الرجل یجلس متربعاً، کتاب الادب، حدیث ٤٨٥٠

**حل لغات:** تربع (تفعل) المجلس چہار زانو بیٹھنا۔

**ترجمه:** حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی جگہ پر چارزانو بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ سورج اچھی طرح طلوع ہوجاتا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی جگہ پر چارزانوں تشریف رکھتے، یہاں تک کہ صاف دھوپ نکل آتی، اور سرخی کی آمیزش ختم ہوجاتی جو کہ شروع میں ہوتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** تربع نماز فجر کے بعد چارزانوں آپ بیٹھ جاتے اور بیٹھے رہتے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے مصلے ہی پر بیٹھے رہتے۔ ترمذی میں روایت ہے "کان اذا صلی الغدوۃ جلس فی مصلاہ حتی تطلع الشمس" (نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک آپ اپنے مصلے پر تشریف رکھتے)۔

### حدیث نمبر ١٥٦٤ ﴿آپ کے لیٹنے کے طریقے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧١٦

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ وَإِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَوَضَعَ رَأْسَهٗ عَلٰى كَفِّهٖ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حواله:** بغوی فی شرح السنة، ص ٣٢٥ ج ١٢ باب کیفیة النوم، کتاب الاستئذان حدیث ٣٣٥٩

**حل لغات:** عرس (تفعیل) المُسَافِرُوْنَ آرام کے لئے آخر شب میں قیام کرنا، شقة الشق پہلو، کنارہ۔

**ترجمه:** حضرت ابوقتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے دوران رات میں پڑاؤ کرتے تو اپنی داہنی کروٹ لیٹ جاتے اور جب صبح کے قریب کسی جگہ اترتے تو اپنی کلائی کو کھڑی رکھتے اور سر مبارک کو اپنی ہتھیلی پر رکھ لیتے۔ (شرح السنة)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا معمولِ مبارک یہ تھا کہ جب آپ سفر میں ہوتے اور رات کے وقت کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے اور رات کا کچھ حصہ باقی رہتا تو آپ داہنی کروٹ پر لیٹ کر آرام فرماتے، جیسا کہ غیر سفر میں داہنی

کروٹ پر لیٹنے کی آپ کی عادت تھی، اور اگر ایسے وقت پڑاؤ ڈالتے کہ رات کا تقریباً پورا حصہ گذر چکا ہوتا اور صبح ہونے والی ہوتی تو اس صورت میں آپ پوری طرح لیٹنے کے بجائے دستِ مبارک کو کھڑا کر لیتے اور اس کی ہتھیلی پر سر رکھ کر آرام فرما لیتے۔ ایسا اس وجہ سے کرتے تھے تاکہ غفلت کی نیند نہ آجائے اور فجر کی نماز قضا نہ ہو جائے۔ (تلخیص مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا عرس بلیل آپ کے اس وقت کے عمل کا ذکر ہے، جب دورانِ سفر آرام کی غرض سے رات میں کسی جگہ پڑاؤ کرتے، تعریس کے معنی خود مسافر کا آخرِ شب میں سونے کے لئے پڑاؤ کرنا ہے، یہاں "لیل" کا اضافہ بطور تاکید ہے۔ نصب ذراعه ہتھیلی پر سر رکھ کر اور کلائی کو کھڑا کر کے سونے میں دیر تک نیند آنے کا احتمال نہیں ہے، کیوں کہ تھوڑے وقفہ کے بعد ہاتھ میں تکلیف پیدا ہو کر آنکھ کھلنا یقینی ہے اور یہی آپ کا مقصد بھی تھا کہ دیر تک غفلت کی نیند نہ آئے اور نمازِ فجر قضا نہ ہو۔ آپ کا یہ عمل درحقیقت امت کے لئے بطور نمونہ تھا کہ لوگوں کو بہرصورت اپنی نماز کی فکر کرنا چاہئے۔

## حدیث نمبر ۱۵٦۵ ﴿لیٹنے کے وقت قبلہ کی طرف ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧١٧

وَعَنْ بَعْضِ آلِ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَ كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِمَّا يُوْضَعُ فِي قَبْرِهٖ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عِنْدَ رَأْسِهٖ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۲٦۷-۲٦۸ ج ۲، باب کیف یتوجه، کتاب الادب حدیث ۵۰٤٤

**ترجمہ:** حضرت ام سلمہؓ کی آل میں سے کسی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر اسی طرح کا تھا جو آپ کی قبرِ انور میں رکھا گیا۔ اور مسجد آپ کے سرِ مبارک کے پاس تھی۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حجرۂ شریفہ میں آپ جس بستر پر آرام فرماتے تھے، اس کی نوعیت اس طرح تھی جس طرح انسان کو قبر میں رکھا جاتا ہے، اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ میت کو قبر میں دائیں کروٹ پر روبقبلہ لٹایا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ آپ اپنے سونے کے وقت بھی یہی صورت اختیار کرتے تھے، لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ رخ ہو کر سونا سنت ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے بستر کا سرہانہ مسجد نبوی کی طرف تھا، مسجد نبوی آپ کے حجرۂ شریفہ سے غربی جانب میں ہے، تو یہ بھی ثابت ہوا کہ استراحت کے وقت آپ کا سرِ مبارک غربی جانب میں اور اقدامِ عالیہ شرقی جانب میں ہوتے تھے۔ اور دائیں کروٹ پر لیٹنے کا ثبوت احادیث کثیرہ سے ہے، اور اس طرح لیٹنے کے بعد دائیں جانب میں جانبِ جنوب ہے، اسی جانب جنوب میں اہلِ مدینہ کا قبلہ ہے۔ اور یہی ہیئت انسان کے قبر میں لیٹنے کی ہوتی ہے۔ (الدر المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** کان فراش رسول الله صلى الله عليه وسلم نحواً مما يوضع في قبره اس حدیث کی ایک وضاحت تو وہ ہے، جس کی طرف خلاصہ حدیث میں اشارہ ہے، بعض شراح نے اس کی یوں بھی وضاحت کی ہے کہ آپ جس بستر پر آرام فرماتے تھے اس کی لمبائی چوڑائی اس کپڑے کے تقریباً برابر تھی، جو آپ کی قبر شریف میں رکھا گیا تھا، وہ دراصل ایک سرخ چادر تھی جو بیماری کے دوران آپ کے نیچے بچھی رہتی تھی، جب آپ کا وصال ہوا تو شغران نے جو آپ کے غلام تھے، صحابہؓ کی رائے کے بغیر اس چادر کو قبر شریف میں آپ کے جسد مبارک کے نیچے رکھ دیا تھا، ان کا کہنا تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ کا کپڑا آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص پہنے یا استعمال کرے تاہم صحیح قول یہ ہے کہ صحابہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے قبر مبارک بند کئے جانے سے پہلے اس چادر کو نکال لیا تھا۔ وکان المسجد عند راسه مسجد آپ کے سرِ مبارک کے قریب رہا کرتی تھی، مطلب یہ ہے کہ آپ آرام فرماتے تو اس زاویہ سے لیٹتے کہ سرِ مبارک مسجد کی طرف رہتا۔ مشکوۃ کے ایک نسخہ میں لفظ 'مسجد' جیم کے زبر کے ساتھ ہے۔

جس کے معنی مصلے کے ہیں۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ استراحت کے وقت آپ کا مصلّٰی آپ کے سرہانے رکھا رہتا تھا، تاکہ جب نماز پڑھنی ہو تو اس کو فوراً بچھالیا جائے۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۵۶۶ ﴿پیٹ کے بل لیٹنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧١٨**

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلٰى بَطْنِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ لَا يُحِبُّهَا اللّٰهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۵ ج ۲، باب ما جاء فی کراهية الاضطجاع علی البطن، کتاب الادب حدیث ٢٧٦٨

**حل لغات:** ضجعة لیٹنے کا انداز، ضَجَعَ (ف) ضَجْعًا پہلو پر لیٹنا، کروٹ لے کر سونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اپنے پیٹ کے بل لیٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اس طرح لیٹنے کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** پیٹ کے بل لیٹنا ناپسندیدہ طریقہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ یہ دوزخیوں کے لیٹنے کا طریقہ ہے۔ دوزخیوں کے ساتھ مشابہت بھی اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ یہ ہیئت نہایت مکروہ اور ممنوع ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان هذه ضجعه لا يحبها الله علماء نے لکھا ہے کہ لیٹنے کی چار صورتیں ہیں: (۱) چت لیٹنا، لیٹنے کا یہ طریقہ اہلِ عبرت کا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازیوں اور عجائبات قدرت کو دیکھ کر ایمان باللہ کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں، وہ چت لیٹتے ہیں، تاکہ وہ آسمان اور ستاروں کی طرف بنظرِ استشہاد دیکھتے رہیں اور خدا کی قدرت وحکمت کی دلیل حاصل کریں۔ (۲) دائیں کروٹ پر لیٹنا ہے، یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جو خدا کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور شب بیداری کرنا چاہتے ہیں، وہ دائیں کروٹ لیٹ کر سوتے ہیں، تاکہ غفلت کی نیند طاری نہ ہو اور وقت پر اٹھ کر نماز ووظائف اور اپنے مولیٰ کے ذکر میں مشغول ہو سکیں۔ (۳) بائیں کروٹ پر لیٹنا ہے، یہ آرام وراحت کے طلبگاروں کے لیٹنے کا طریقہ ہے کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کھانا اچھی طرح ہضم ہو جائے چین وسکون کی نیند سو سکیں اور جسم کو پوری طرح آرام وراحت ملے وہ بائیں کروٹ پر لیٹ کر سوتے ہیں، اور (۴) چوتھی صورت اوندھا یعنی پیٹ کے بل لیٹنا ہے، یہ اہلِ غفلت اور نادان لوگوں کے لیٹنے کا طریقہ ہے، کیوں کہ اس طرح لیٹنے کا مطلب ہوتا ہے کہ سینہ اور منہ جو برتر اعضا ہیں اور اجزائے جسم میں سب سے افضل جزء ہیں ان کو بلاقصد وطاعت وسجدہ خاکِ مذلت پر اوندھا ڈال دیا جائے جو ان اعضاء کے عز وشرف کے منافی ہے۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۵۶۷ ﴿پیٹ کے بل لیٹے ہوئے کو تنبیہ کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧١٩**

وَعَنْ يَعِيْشَ بْنِ طِخْفَةَ بْنِ قَيْسٍ نِ الْغِفَارِىِّ عَنْ اَبِيْهِ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ الصُّفَّةِ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا مُضْطَجِعٌ مِنَ السَّحَرِ عَلٰى بَطْنِىْ اِذَا رَجُلٌ يُحَرِّكُنِىْ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٨٧ ج ٢، باب فی الرجل ینبطح علی بطنه، کتاب الادب حدیث ٥٠٤٠، ابن ماجه، ص ٥٥ باب النوم فی المساجد، کتاب المساجد والجماعات، حدیث ٧٥٢

**ترجمہ:** حضرت یعیش بن طخفہ بن قیس غفاری سے روایت ہے کہ ان کے والد نے فرمایا جو کہ اصحاب صفہ میں سے تھے کہ ایک مرتبہ درد کے باعث میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا کہ ایک صاحب پیر سے مجھ کو ہلانے لگے اور کہا کہ اس طرح سے لیٹنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے،

میں نے دیکھا کہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** پیٹ کے بل اوندھا لیٹنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، کسی کو اس طرح لیٹا دیکھا جائے تو اس کو تنبیہ کی جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** انا مضطجع من السحر پیٹ کے بل پھیپھڑے میں درد کی وجہ سے لیٹا تھا۔ یہ انھوں نے اپنے پیٹ کے بل لیٹنے کی علت بتائی کہ میرے درد تھا اس لئے میں پیٹ کے بل لیٹا تھا۔ معلوم ہوا کہ پیٹ اور سینے وغیرہ میں درد کے اوقات میں پیٹ کے بل لیٹنے سے سکون ملتا ہے۔ اذا رجل یحرکنی صحابی کے درد کا علم آپ کو نہ رہا ہوگا اس لئے آپ نے ان کو تنبیہ کی اور بتایا کہ اس ہیئت پر لیٹنا اللہ کو ناگوار ہے۔ اور اگر علم تھا تو پھر آپ نے کمالِ تقویٰ اختیار کر کے درست ہیئت پر لیٹنے کی تاکید اور درد کے افاقے کے لئے دوسری ترکیب اختیار کرنے پر راغب کیا۔

**حدیث نمبر ۱۵۶۸ ﴿بغیر منڈیر کی چھت پر سونے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۲۰**

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَيْسَ عَلَيْهِ حِجَابٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ حِجَارٌ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ مَعَالِمِ السُّنَنِ لِلْخَطَّابِيِّ حِجًى.

**حواله:** ابو داود، ص ۶۸۷ ج ۲، باب فی النوم علی سطح غیر حجار، کتاب الادب حدیث ۵۰۴۱

**حل لغات:** حجاب پردہ (ج) حُجُبٌ حِجًى الحِجی پردہ (ج) اَحْجَاءٌ۔

**ترجمہ:** حضرت علی بن شیبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بغیر پردہ والی چھت پر رات گذاری، دوسری روایت میں ہے کہ بغیر آڑ والی چھت پر رات گذاری تو اسکا کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔ (ابوداود) خطابی کی معالم السنن میں "حجی" کا لفظ ہے

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رات کو ایسی چھت پر نہ سونا چاہئے جس کے اردگرد دیوار کھڑی نہ ہو، دیوار کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سونے والے کی حفاظت کرتے ہیں، اب اگر کوئی اپنے کو جان بوجھ کر خطرہ میں ڈال رہا ہے اور بلندی پر بغیر باڑ والی چھت پر سو رہا ہے، تو اس کی ہلاکت کا اندیشہ قوی ہے اور اس ہلاکت کا ذمہ دار وہ خود ہی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لیس علیه حجاب ایک مضمون کے لئے یہاں تین لفظ موجود ہیں۔ (۱) 'حجاب' اس کے معنی پردہ ہیں، اس سے مراد وہ دیوار ہے جو بے پردگی سے حفاظت بھی کرتی ہے اور چھت پر سے گرنے کے اندیشہ کو ختم کرتی ہے۔ (۲) 'حجار' وہ چیز جو چھت کو اس طرح گھیر دے کہ کوئی گرنے نہ پائے، خواہ وہ دیوار ہو یا جنگلا وغیرہ (۳) 'حجی' اس کا مفہوم بھی پردہ ہے، یہ پردہ اور آڑ انسان کو چھت سے گرنے سے روکتا ہے۔ فقد برئت منه الذمة جو شخص ایسی چھت پر سوئے جس کے کناروں پر کوئی آڑ یا چھوٹی سی دیوار نہ ہو تو اس سے سب لوگ بری الذمہ ہیں، یعنی اگر ایسی چھت پر سے وہ شخص گر کر مر جائے تو اس کا کوئی ذمہ دار نہ ہوگا۔ وہ گرنے والا خود مستحق ملامت ہوگا، لہٰذا کسی مکان کی ایسی چھت پر نہیں سونا چاہئے، تاکہ کسی وقت اچانک اٹھنے میں بے خیالی کی بنا پر اوپر سے نیچے نہ گرے۔ فتح الودود میں اس کی شرح یہی کی ہے کہ اس کا خون بہا کسی سے نہ لیا جائے گا اور لمعات میں برائتِ ذمہ کے معنی یہ لکھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بندوں کی حفاظت ہوتی ہے وہ اس کے ساتھ نہ ہوگی اس کی اس بے احتیاطی اور سونے کے آداب کی خلاف ورزی کی بنا پر۔ (الدر المنضود)

**حدیث نمبر ۱۵۶۹ ﴿بغیر دیوار کی چھت پر نہ سونے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۲۱**

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۱۲ ج۲، باب کتاب الادب، حدیث ۲۸۵٤

**حل لغات:** سطح چھت ہر چیز کا بالائی اور اوپری حصہ۔ (ج) سُطُوْحٌ، مَحْجُورٌ رکاوٹ تعمیر حَجَرَ (ن) حَجْرًا روکنا پابندی کرنا، عزین جمع ہے اَلْعِزَۃُ فرقہ گروہ جمع عِزًی وعِزُوْنَ۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس کے اوپر پردہ کی دیوار نہ ہو۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ ایسی چھت پر نہ سونا چاہئے جس کے کناروں پر کچھ اونچی تعمیر نہ ہو، اس لئے کہ کھلی بغیر کنارے تعمیر چھت پر سونے سے نیچے گر کر ہلاک ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان ینام الرجل علی سطح لیس بمحجور علیہ بغیر منڈیر کی چھت پر سونے کی ممانعت اس اندیشہ سے ہے کہ آدمی کی آنکھ کھلے اور وہ چل دے اور رات کی تاریکی اور نیند کی غفلت میں وہ چھت سے نیچے گر جائے۔ تو ایسے میں اس نے خود کو ہلاک کیا، جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے ہاتھوں یعنی بااختیار خود ہلاکت میں نہ پڑو۔ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل نہیں کیا، اس لئے اگر وہ گر کر ہلاک ہو جائے یا چوٹ کھائے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۱۵۷۰ ﴿حلقه کے درمیان بیٹھنے والے پر لعنت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٢٢

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُد.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٦٤ ج۲، باب الجلوس وسط الحلقة، کتاب الادب حدیث ٤٨٢٦، ترمذی، ص ١٠٤ ج۲، باب ما جاء فی کراهية القعود وسط الحلقة، کتاب الادب، حدیث ۲۷۵۳

**ترجمہ:** حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک کے ذریعہ اس شخص کو ملعون قرار دیا گیا ہے جو حلقہ کے درمیان بیٹھے۔ (ترمذی، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** حلقہ کے بیچ میں مسخرہ لوگوں کو ہنسانے کے لئے بیٹھتا ہے، لوگ اس کو چھیڑتے ہیں، اس پر فقرے کستے ہیں اور وہ الٹا سیدھا جواب دیتا ہے، اس پر لوگ قہقہے لگاتے ہیں، یہ ایک شیطانی فعل ہے، اس لئے اس پر لعنت کی گئی ہے، نیز جب لوگ حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے ہوں تو ہر ایک کا دوسرے سے مواجہہ (آمنا سامنا) ہوتا ہے، پس اگر کوئی شخص حلقہ کے بیچ میں بیٹھ جائے تو لوگوں کا مواجہہ ختم ہو جائے گا، اس لئے ان کو یہ بات سخت ناگوار ہوگی، یہ بھی وجہ اس کے ملعون ہونے کی ہے، اسی طرح جب کوئی بے تمیز ادب ناآشنا حلقہ کے بیچ میں بیٹھ جاتا ہے تو لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار ہوتی ہے اور اس پر وہ پھٹکار بھیجتے ہیں، جیسے لوگوں کے سایے میں یا راستے میں بول و براز کرنے والے پر لوگ پھٹکار بھیجتے ہیں۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** من قعد وسط الحلقة آپؐ نے اس پر لعنت فرمائی ہے جو حلقہ کے بیچ میں جا کر بیٹھے۔ اس کی شرح میں تین قول ہیں۔ (۱) یا تو اس میں تخطی رقاب پائی جاتی ہے کہ وہ شخص گردنوں کو پھاند کر بیچ میں جا کر بیٹھتا ہے۔ (۲) بعض اہل مجلس کے حق میں آمنا سامنا ہونے سے حجاب بن جاتا ہے۔ (۳) بیچ میں بیٹھنے والے سے مسخرہ مراد ہے جو لوگوں کو اپنا مسخرہ پن دکھانے کے لئے بیچ میں بیٹھتا ہے۔ (الدر المنضود)

## حدیث نمبر ۱۵۷۱ ﴿کشادہ جگہ مجلس منعقد کرنا بہتر ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٢٣

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الْمَجَالِسِ اَوْسَعُهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٦٣ ج ٢، باب فی سعة المجلس، کتاب الادب حدیث ٤٨٢٠

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجلسوں میں سے اچھی مجلس وہ ہے جو زیادہ وسعت والی ہو۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی دینی مجلس کا انعقاد ہو یا کوئی دوسری مباح تقریب ہو کوشش اس بات کی کرنا چاہئے کہ شرکاء کے اعتبار سے جگہ وسیع ہو تا کہ لوگوں کو اٹھنے بیٹھنے میں تنگی اور تکلیف نہ ہو۔

**کلمات حدیث کی تشریح** خیر المجالس اوسعها۔ بہترین جائے جلوس اور بہتر محفل وہ ہے جو کشادہ اور وسیع جگہ والی ہو، کیوں کہ اس میں بیٹھنے والوں کو آرام بھی ہے اور گذرنے والوں کو زحمت بھی نہیں۔

**حدیث نمبر ۱۵۷۲ ﴿مجلس میں منتشر ہوکر بیٹھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٢٤**

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهُ جُلُوْسٌ فَقَالَ مَا لِىْ اَرَاكُمْ عِزِيْنَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٦٤ ج ٢، باب فی التحلق، کتاب الادب، حدیث ٤٨٢٣

**ترجمہ:** حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپؐ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے کہ تم لوگوں کو متفرق و منتشر ہو کر بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی جگہ کچھ مسلمان جمع ہوں تو وہ آپس میں مل جل کر بیٹھیں، ادھر اُدھر منتشر اور ایک دوسرے سے بے گانہ ہو کر نہ بیٹھیں۔ آپؐ نے ایک موقع پر صحابہ کو متفرق طور پر بیٹھے دیکھا تو اُن کو تنبیہ کی اور انھیں جمع ہو کر بیٹھنے کی ہدایت دی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مالی اراکم عزین ایک مرتبہ آپ مسجد میں تشریف لائے تو اس وقت صحابہ کرام الگ الگ حلقے بنائے بیٹھے تھے، تو آپؐ نے اس پر نکیر فرمائی کہ کیا بات ہے کہ میں تم کو متفرق الگ الگ مجلسوں میں دیکھ رہا ہوں۔ بظاہر یہ حضرات آپؐ کے انتظار میں بیٹھے تھے، لہٰذا آپؐ نے بلا کسی مصلحت و حاجت کے الگ الگ مجلسیں بنانے کو پسند نہیں فرمایا۔ سب کو ایک مجلس بنانے کی تاکید کی، تا کہ معلوم ہو کہ سب ایک ہی مقصد سے بیٹھے ہیں۔ اور ظاہر میں اتفاق کی صورت محسوس ہو۔

**حدیث نمبر ۱۵۷۳ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ٤٧٢٥-٤٧٢٦**

## ﴿جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سائے میں نہ ہونا چاہئے﴾

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِى الْفَىْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ الظِّلُّ فَصَارَ بَعْضُهُ فِى الشَّمْسِ وَبَعْضُهُ فِى الظِّلِّ فَلْيَقُمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِى الْفَىْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ فَلْيَقُمْ فَاِنَّهٗ مَجْلِسُ الشَّيْطَانِ هٰكَذَا رَوَاهُ مَعْمَرٌ مَوْقُوْفًا.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٦٣ ج ٢، باب فی الجلوس بین الظل والشمس، کتاب الادب حدیث ٤٨٢١

البغوی فی شرح السنہ، کتاب الاستئذان، حدیث ٣٣٣٥

**حل لغات:** قلص (ض) قُلُوْصًا الظِّلُّ عَنْهُ سایہ ہٹنا کم ہونا، الظل سایہ جمع ظِلَالٌ و اَظْلَالٌ، حافات حَافَّةٌ کی جمع ہے کنارہ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سائے میں بیٹھا ہوا اور سایہ

اس کے اوپر سے ہٹنے لگے، جس سے اس کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ حصہ سائے میں ہو جائے، تو چاہئے کہ وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہو۔ (ابوداود) اور شرح السنہ میں ان ہی سے روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی سائے میں ہو اور وہ ہٹنے لگے تو اٹھ کھڑا ہو، کیوں کہ شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ایسی ہوتی ہے۔ اسے معمرؒ نے موقوفاً روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بیٹھنے کے وقت آدمی کے بدن کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو اور کچھ سایہ میں، تو اس سے منع کیا جارہا ہے، اگر پہلے سے دھوپ میں بیٹھا ہے اور پھر سورج کے ڈھلنے سے اور وقت گذرنے سے بدن کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو گیا اور کچھ سایہ میں، اسی طرح اگر پہلے سے سایہ میں بیٹھا ہے اور پھر بعد میں اس طرح ہو جائے تو وہاں سے اٹھ کر جگہ بدل دینی چاہئے۔ (الدر المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** فانہ مجلس الشیطٰن شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے، اس کے بارے میں بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عبارت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے یعنی واقعۃً ایسا ہوتا ہے کہ شیطان اس جگہ بیٹھتا ہے جس کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سایہ میں ہوتا ہے اس اعتبار سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ کچھ سایہ میں اور کچھ دھوپ میں بیٹھنا شیطان کا کام ہے، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایسی جگہ کی نسبت شیطان کی طرف اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ شیطان جس شخص کو پریشان کرنا چاہتا ہے تو اس کو ایسی جگہ پر بیٹھنے یا لیٹنے کی طرف راغب کرتا ہے اور گویا اس جگہ پر کسی شخص کے بیٹھنے یا لیٹنے کا سبب شیطان بنتا ہے اور اس سے شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص تکلیف و دکھ میں مبتلا ہو، لہٰذا معلوم ہوا کہ شیطان جس طرح انسان کے دین کا دشمن ہے اسی طرح اس کے بدن کا بھی بدخواہ ہے۔

(۲) یہ بات ملحوظ رہے کہ کسی ایسی جگہ بھی بیٹھنا یا لیٹنا ممنوع و مکروہ ہے جو پوری طرح دھوپ میں ہو اگرچہ اس صورت میں ممانعت و کراہت کا سبب یہ نہیں ہوگا کہ ایسی جگہ شیطان کی نشست گاہ ہوتی ہے، بلکہ یہ اس لئے ممنوع و مکروہ ہوگا کہ پوری طرح دھوپ میں بیٹھنا گویا اپنے آپ کو تعب و مشقت اور تکلیف میں ڈالنا ہے، ہاں اگر جاڑے کا موسم ہو تو پھر دھوپ میں بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔ ھکذا رواہ معمر موقوفاً حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نہیں ہے، لیکن واضح رہے کہ یہ موقوف حکم کے اعتبار سے مرفوع حدیث ہی کے درجہ میں ہے، کیوں کہ دین کی جو بات اجتہاد و قیاس کے ذریعہ ثابت ہونے والی نہیں ہوتی اور اس کو کوئی صحابیؓ اپنے قول کے طور پر نقل کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس صحابیؓ نے وہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور سنی ہے ورنہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی صحابیؓ دین کی کوئی ایسی بات نقل کرے جو اجتہاد و قیاس سے باہر ہو اور اس بات کو اس نے آنحضرتؐ سے نہ سنا ہو۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۵۷۶ ﴿راستے میں عورتوں کو کنارے چلنے کی ہدایت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۲۷**

**وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدِنِ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَهُوَ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِی الطَّرِيْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اِسْتَأْخِرْنَ فَاِنَّهٗ لَيْسَ لَكُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيْقَ عَلَيْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِيْقِ فَكَانَتِ الْمَرْاَةُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰى اَنَّ ثَوْبَهَا لَيَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.**

**حوالہ:** ابوداود، ص ۷۱۴-۷۱۵ ج۲ باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق، کتاب الادب، حدیث ۵۲۷۲

**ترجمہ:** حضرت ابو اسید انصاریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب کہ آپ مسجد سے باہر تھے اور راستے میں مرد و عورت مخلوط ہو گئے، آپؐ نے عورتوں سے فرمایا کہ تم پیچھے ہٹ جاؤ، کیوں کہ تمہارے لئے راستے کے درمیان چلنا

مناسب نہیں، بلکہ راستے کے ایک جانب چلا کرو، تو عورتیں دیواروں سے لپٹ کر چلنے لگیں یہاں تک کہ بعض اوقات ان کا کپڑا دیوار میں اٹک جاتا تھا۔ (ابوداؤد، بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ راستے میں مرد وزن باہم مل کر نہ چلیں اس سے فتنے وجود میں آنے کا خطرہ بھی ہے اور بے حیائی و بے شرمی کا اظہار بھی ہے، عورتوں کو چاہئے کہ مردوں سے بچ کر راستے کے کنارے چلیں اور مردوں کو بھی چاہئے کہ جس کنارے سے عورتیں گذریں اس میں نہ گھسیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** علیکن بحافات الطریق آپؐ نے عورتوں کو بیچ سڑک پر چلنے سے منع فرمایا اور سڑک کے کناروں کو اختیار کرنے کی تاکید فرمائی۔ ایک روایت ہے کہ 'نھی ان یمشی یعنی الرجل بین المرأتین' (ابوداؤد) آپؐ نے اس بات سے منع کیا کہ مرد دو عورتوں کے درمیان چلے۔ یعنی راستہ چلتے وقت مرد کو عورتوں سے علاحدہ ہوکر چلنا چاہئے۔ ان فرامین کا مقصد بے حیائی سے بچانا ہے۔ آج کے ماحول میں آپؐ کے ان فرامین کی اہمیت اور ان پر عمل پہلے سے زیادہ ضروری اور قابل توجہ ہے۔

**حدیث نمبر ۱۵۷۵ ﴿دو عورتوں کے درمیان چلنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٢٨**

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَّمْشِيَ يَعْنِي الرَّجُلَ بَيْنَ الْمَرْأَتَيْنِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۷۱۵ ج۲، باب فی مشی النساء، کتاب الادب، حدیث ۵۲۷۳

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی دو عورتوں کے درمیان چلے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** آپؐ نے مردوں کو عورتوں کے درمیان چلنے سے منع فرمایا تاکہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو، اور فتنہ و بے حیائی سے حفاظت رہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نھی ان یمشی یعنی الرجل بین المرأتین مقصد یہ ہے کہ چلتے وقت مردوں کو عورتوں سے علاحدہ چلنا چاہئے۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ جس طرح مرد کے لئے عورتوں کے درمیان چلنے کی ممانعت ہے، اسی طرح عورت کے ساتھ چلنا بھی منع ہے، البتہ اگر محرم عورت ہے تو ساتھ چلنے میں حرج نہیں ہے۔ یعنی یہ راوی کا قول ہے جو انھوں نے حدیث کی وضاحت کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

**حدیث نمبر ۱۵۷۶ ﴿مجلس میں جہاں جگہ ملے بیٹھنا چاہئے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٢٩**

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ اَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ. وَذُكِرَ حَدِيْثَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فِيْ بَابِ الْقِيَامِ. وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَيْ عَلِيٍّ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ فِيْ بَابِ اَسْمَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِفَاتِهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٦٤ ج۲، باب فی التحلیق، کتاب الادب حدیث ٤٨٢٥

**ترجمہ:** حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تو ہم میں سے جو شخص جہاں جگہ دیکھتا اور آخر میں جو جگہ خالی ہوتی بیٹھ جاتا۔ (ابوداود) اور عبداللہ بن عمر کی دونوں حدیثیں (۱) لا یحل للرجل... الخ (۲) ولا یجلس بین رجلین) باب القیام میں نقل ہو چکی ہیں۔ اور حضرت علیؓ و حضرت ابو ہریرہؓ کی دونوں روایتوں کو ہم انشاء اللہ

"باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ" میں نقل کریں گے۔

**خلاصۂ حدیث** مطلب یہ ہے کہ مجلس نبوی میں ہر شخص مجلسِ نبوی کے آداب ووقار کو ملحوظ رکھتا تھا، اور اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ اس کو دوسروں کی بنسبت نمایاں اور برتر مقام ملے، جہاں جگہ دیکھتا وہیں بیٹھ جاتا تھا، کیوں کہ مجلس میں نمایاں اور برتر جگہ بیٹھنے کی خواہش اور اس کے لئے کوشش کرنا دراصل اس نفس کا تقاضا ہوتا ہے، جو ہر موقع پر اپنے آپ کو بلاضرورت نمایاں کرنے اور برتر ثابت کرنے کا متلاشی رہتا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کی شان ہے جو جاہ پسند اور دنیوی عزت اور بڑائی کے حریص ہوتے ہیں، جب کہ صحابہؓ اس طرح کے جذبات سے بالکل عاری تھے۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** جلس احدنا حیث ینتھی بعد میں آنے والے کو جہاں مجلس ختم ہو رہی ہے وہیں بیٹھنا چاہئے۔ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ لیکن اگر مجلس کے اگلے حصہ میں خلا ہے اور گنجائش موجود ہے تو اگر کسی خاص مصلحت سے وہ جگہ نہ چھوڑی گئی ہو، تو اس کو پر کرنے کے لئے آگے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

# الفصل الثالث

**حدیث نمبر ۱۵۷۷ ﴿ایک خاص ہیئت پر بیٹھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٣٠**

عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَرَّبِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جَالِسٌ هٰكَذَا وَقَدْ وَضَعْتُ يَدِيَ الْيُسْرٰى خَلْفَ ظَهْرِیْ وَاتَّكَأْتُ عَلٰى اَلْيَةِ يَدِیْ فَقَالَ اَتَقْعُدُ قِعْدَةَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُد.

**حواله:** ابوداود، ص٦٦٦ ج٢، باب فی الجلسة المکروهة، کتاب الادب، حدیث ٤٨٤٨

**حل لغات:** اتکات اِتَّكَأَ عَلٰى شَیْءٍ کسی چیز کا سہارا لینا، اَلْيَةٌ سرین آلایا۔

**ترجمہ:** حضرت عمرو بن شریدؓ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گذرے اور میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے اپنا بایاں ہاتھ پیچھے پیٹھ پر رکھا ہوا تھا اور ہاتھ سے سرین کو ٹیک لگائی ہوئی تھی، آپ نے فرمایا کیا تم ان کی طرح بیٹھے ہو جن پر غضب فرمایا گیا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بائیں ہاتھ پر اس انداز سے ٹیک لگا کر بیٹھنا اللہ کو پسند نہیں ہے، لہٰذا مسلمانوں کو اس انداز سے ہرگز نہ بیٹھنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** المغضوب علیھم اس سے یہودی مراد ہے، یا پھر تمام کفار اور اللہ کے باغی اور غرور وتکبر کرنے والے مراد ہیں۔ اس ہیئت پر بیٹھنے والوں پر اللہ کا غضب وغصہ نازل ہوا ہے اور مسلمان وہ قوم ہے جس پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، لہٰذا مسلمان اللہ کے دشمنوں کی نشست وبرخواست نہ اپنائیں۔

**حدیث نمبر ۱۵۷۸ ﴿دوزخیوں کے لیٹنے کا انداز﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٣١**

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ مَرَّبِیَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مُضْطَجِعٌ عَلٰى بَطْنِیْ فَرَكَضَنِیْ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ يَا جُنْدُبُ اِنَّمَا هِیَ ضِجْعَةُ اَهْلِ النَّارِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

**حواله:** ابن ماجه، ص ٢٦٤ ج٢، باب النهی عن الاضطجاع علی الوجه، کتاب الادب حدیث ٣٧٢٤

**حل لغات:** رکض (ن) رَکْضًا پیر کو زمین پر مارنا، ٹھوکر مارنا، جندب حضرت ابوذرؓ کی کنیت ہے، لغوی معنی ہیں ایک قسم کی ٹڈی جو آواز نکالتی ہے (ج) جَنَادِبُ جھینگر۔

**ترجمہ:** حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے، جب کہ میں پیٹ کے بل اوندھا لیٹا ہوا تھا، آپؐ نے اپنے پاؤں سے مجھے ٹھوکا دیا اور فرمایا کہ اے جندب! بے شک اس طرح لیٹنا جہنمیوں کا طریقہ ہے۔ (ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پیٹ کے بل نہ لیٹنا چاہئے، اس طرح لیٹنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے، اور اس کو جہنمیوں کا انداز بتایا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یا جندب حضرت ابوذرؓ کا اصل نام 'جندب' تھا۔ چنانچہ آپؐ نے اس موقع پر کنیت کے بجائے اصل نام سے ان کو پکارا۔ ضجعة اهل النار یہ دوزخیوں کے لیٹنے کا طریقہ ہے۔ اس بارے میں دو احتمال ہیں۔ (۱) اس ارشاد گرامی سے آپ کی مراد یہ تھی اس دنیا میں کفار وفجار اسی طرح لیٹنے کی عادت رکھتے ہیں، (۲) آپؐ نے اس ارشاد کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا کہ کفار وفجار دوزخ میں جس ہیئت پر ڈالے جائیں گے وہ یہی ہیئت ہوگی یعنی پیٹ کے بل۔ (مظاہر حق) مزید تفصیلات کے لئے عالمی حدیث ۴۷۱۸ دیکھیں

# باب العطاس والتثاؤب

## ﴿چھینکنے اور جمائی لینے کا بیان﴾

اس باب کے تحت ۱۳ احادیث مذکور ہیں جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ جمائی آنا شیطان کا اثر ہے، یرحمك الله کہنے کا حکم، جمائی آنے پر منہ پر ہاتھ رکھا جائے، یہودیوں کی چھینک کا جواب، چھینک کے وقت سلام اور اس طرح دیگر آداب کا ذکر ہے، عطاس کے معنی چھینکنا، چھینک آنے پر حمد کرنا دو وجہ سے مشروع ہے۔

**پہلی وجہ:** چھینک آنا ایک قسم کی شفا ہے۔ اس کے ذریعہ ایسی رطوبت اور ایسے ابخرے دماغ سے نکل جاتے ہیں کہ اگر وہ نہ نکلیں تو کسی تکلیف یا بیماری کا اندیشہ ہے۔ پس صحت کی حالت میں چھینک آنا اللہ کا فضل ہے، جس پر حمد ضروری ہے۔

**دوسری وجہ:** چھینک آنے پر حمد کرنا، حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحیح ابن حبان میں مرفوع روایت ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی، اور وہ روح ان کے سر میں پہنچی تو آپؐ کو چھینک آئی، پس آپؐ الحمد لله رب العلمين کہا، جس کے جواب میں اللہ تبارک وتعالی نے یرحمك الله فرمایا (البدایہ والنہایہ ۸۶.۱) اور چھینکنے پر حمد کرنا اسلامی شعار بھی ہے۔ حمد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ چھینکنے والا ملت انبیاء کا تابعدار، اور ان کی سنتوں پر عمل کرنے کا پختہ عزم رکھتا ہے۔

اور تحمید کا جواب یرحمک اللہ (یعنی چھینک تمہارے لئے خیر وبرکت کا ذریعہ بنے) سے دینا بھی دو وجہ سے مشروع کیا گیا ہے

پہلی وجہ یہ اللہ تعالی کے اخلاق کو اپنانا ہے۔ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کی تحمید کے جواب میں یرحمک اللہ فرمایا ہے

دوسری وجہ تحمید کرنے والے کی دین پر اور سنن انبیاء پر استقامت کا یہ حق ہے کہ اس کو یہ دعا دی جائے، چنانچہ اس کو حقوق اسلام میں شمار کیا گیا ہے (بخاری حدیث ۱۲۴۰، مشکوۃ حدیث ۴۷۳۲)

**تشریح:** جمائی اللہ تعالی کو ناپسند اس لئے ہے کہ وہ طبیعت کے کسل اور غلبۂ ملال سے پیدا ہوتی ہے اور یہ بری صفات ہیں اور جب آدمی جمائی کے لئے منہ کھولتا ہے، تو شیطان کو اپنی کارستانی کا موقع ملتا ہے جیسا کہ آئندہ روایت میں آرہا ہے اور منہ کھولنا اور ہاہا کرنا

شیطان کو پسند ہے، کیوں کہ یہ مکروہ ہیئت ہے اس لئے وہ ہنستا ہے۔

## ﴿جمائی لیتے وقت منہ بند کر لینے کی حکمت﴾

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو چاہئے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنا منہ بند کر لے، کیونکہ شیطان منہ میں داخل ہوتا ہے"۔ (مشکوۃ حدیث ۴۷۳۷)

**تشریح:** جمائی لیتے وقت منہ بند کر لینے کا حکم دو وجہ سے ہے اول مکھی مچھر منہ میں نہ چلا جائے، کیوں کہ کبھی شیطان مکھی یا مچھر کو اڑا کر کٹ جمائی لینے والے کے منہ میں داخل کر دیتا ہے، یہی شیطان کا منہ میں داخل ہونا ہے۔ دوم کبھی جمائی لیتے وقت منہ کے پٹھے کھچ جاتے ہیں، رگیں سکڑ جاتی ہیں اور نیچے والا جبڑا اتر جاتا ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا مشاہدہ کیا ہے، شارح نے بھی اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ میرا ایک طالب علم تھا۔ ایک دن جمائی لینے سے اس کی نیچے کی جباڑی اتر گئی، اور ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑا، اس لئے جمائی لیتے وقت ہاتھ سے منہ دبا لینا چاہئے تا کہ زیادہ نہ کھلے۔ (رحمۃ اللہ والواسعۃ)

## الفصل الاول

**حدیث نمبر ۱۵۷۹ ﴿جمائی لینا اللہ کو ناپسند ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۳۲**

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعُطَاسَ وَیَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ فَاِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ وَحَمِدَ اللّٰهَ كَانَ حَقًّا عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاَمَّا التَّثَاؤُبُ فَاِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْیَرُدَّهٗ مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّیْطَانُ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَالَ هَا ضَحِكَ الشَّیْطَانُ مِنْهُ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۱۹ ج ۲، باب اذا تثاءب فلیضع یدہ علی فیہ، کتاب الادب حدیث ۶۲۲۶

**حل لغات:** العطاس چھینک، عَطَسَ (ض) عَطْسًا چھینک آنا، چھینکنا، التثاؤب (تفاعل) جمائی لینا، ثَئِبَ (س) ثَئَبًا جمائی لینا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چھینک کو اچھا سمجھتا ہے، اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے، جب تم میں سے کوئی چھینکے اور الحمد للہ کہے تو جو مسلمان سنے اس پر 'یرحمك الله' کہنا واجب ہے، لیکن جمائی وہ تو شیطان کی طرف سے ہے، تو جب تم میں سے کسی کو جمائی آنے لگے تو جہاں تک ہو سکے اسے روکے، اس لئے کہ جب تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ بے شک جب تم میں سے کوئی 'ھا' کہتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔

**خلاصۂ حدیث:** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چھینک چستی اور نشاط کی علامت ہے اور بدن کے خفیف ہونے کی وجہ سے آتی ہے اور چھینکنے کے بعد آدمی کی طبیعت میں تازگی پیدا ہوتی ہے، اس لئے یہ پسندیدہ ہے، اس کے برعکس جمائی سستی اور کاہلی کی علامت ہے، اور یہ بدن کے بوجھل ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا یہ ناپسندیدہ ہے، حاصل یہ ہے کہ چھینک کا پسندیدہ ہونا اور جمائی کا ناپسند ہونا دونوں کے سبب کے اعتبار سے ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** ان اللّٰه یحب العطاس چھینک اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، کیوں کہ وہ صحت کی علامت ہے، اس کے ذریعہ سے وہ رطوبت خارج ہوتی ہے جو اگر نہ نکلے تو انسان بیمار ہو جائے۔ ویکرہ التثاؤب جمائی اللہ کو ناپسند ہے، کیوں کہ وہ کاہلی کے غلبہ کی پہچان ہے، معلوم ہوا کہ سستی و کاہلی اللہ کو ناپسند ہے۔ فاذا عطس احدکم و حمد اللّٰه

جب کسی کو چھینک آئے اور وہ 'الحمدللّٰہ' کہے۔ چھینکنے کی وجہ سے بعض بیماریاں دفع ہوتی ہیں لہٰذا بطور شکر یہ اس کو الحمد للّٰہ کہنا چاہئے۔ امام نوویؒ نے اس کے استحباب پر اجماع نقل کیا ہے۔ **کان حقا علی کل مسلم سمعه ان یقول له یرحمك الله** چھینکنے والے نے اگر 'الحمدللّٰہ' کہا تو ہر سننے والے مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس کا جواب دے، لیکن اگر چھینکنے والے نے 'الحمد للّٰہ' نہیں کہا تو چھینک سننے والے پر کوئی جواب واجب نہیں ہے۔ حدیث میں اس کی تصریح آئی ہے۔ امام نوویؒ نے فرمایا کہ کسی شخص کو چھینک آئی اور اس نے 'الحمدللّٰہ' نہیں کہا تو اس کو 'الحمدللّٰہ' یاد دلانا مستحب ہے، تا کہ وہ 'الحمدللّٰہ' کہے اور پھر اس کو 'یرحمك اللّٰہ' سے جواب دیا جائے۔ (فتح الباری، ص ۷۴۵، ج ۱۰) چھینکنے والے کی چھینک کا جواب واجب ہے، لیکن جمہور کے نزدیک 'واجب علی الکفایه' ہے۔ مجلس میں سے کسی ایک نے جواب دے دیا تو سب سے وجوب ساقط ہو جائے گا۔

**سوال:** جس کسی کو بھی چھینک آئے اس کو 'یرحمك اللّٰہ' کہا جائے۔ یا کچھ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں؟

**جواب:** کچھ لوگ تشمیت یعنی 'یرحمك اللّٰہ' کہے جانے کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ (۱) وہ شخص جس کو چھینک آئی لیکن اس نے 'الحمد للّٰہ' نہیں کہا۔ (۲) کافر کے چھینک آئے تو اس کو بھی جواب نہیں دیا جائے۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ '**کانت الیهود یتعاطسون عند النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم رجاء ان یقول یرحمکم اللّٰہ فکان یقول یهدیکم اللّٰہ ویصلح بالکم**" یہودی نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے پاس چھینکتے تھے، اس امید پر کہ حضورؐ ان کو 'یرحمك اللّٰہ' سے جواب دیں، لیکن حضور 'یهدیکم الله ویصلح بالکم" (یعنی اللّٰہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت کی اصلاح کرے) فرماتے تھے۔ (۳) زکام کی وجہ سے چھینکنے والے کو بھی جواب نہیں دیا جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ '**شمت اخاك واحدة وثنتین وثلاثاً وما کان ذلك فهو زکام**' اپنے مسلمان بھائی کو 'یرحمك اللّٰہ' سے جواب دو، ایک بار، دوبار، تین بار اس کے بعد اگر چھینک آتی ہے تو وہ زکام ہے۔

**سوال:** زکام کی وجہ سے چھینکنے والا تو 'یرحمك اللّٰہ' کہے جانے کا زیادہ مستحق ہے پھر اس کے حق میں یہ ضروری کیوں نہیں ہے؟

**جواب:** 'یرحمك اللّٰہ' کہنا چھینک آنے پر ایک مخصوص عمل کے طور پر شرعاً وضع کیا گیا ہے، لہٰذا بیمار کے لئے دوسری دعائیں تو کی جائیں، لیکن 'یرحمك اللّٰہ' کہے جانے کا حکم اس کے حق میں جاری نہ ہوگا۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کو زکام کی وجہ سے پے در پے چھینکیں نہیں آتیں، بلکہ وقفہ وقفہ سے ایک ایک چھینک آتی ہے، یا زکام کی وجہ سے مجلس میں ایک ہی چھینک آئی دو تین چھینکیں نہیں آئیں تو تشمیت اس کے حق میں ضروری نہیں، کیوں کہ وہ بیمار ہے۔

**سوال:** کسی کو زکام کی وجہ سے چھینکیں آ رہی ہیں، لیکن وہ 'الحمد اللّٰہ' کہہ رہا ہے، تو اس کے جواب میں 'یرحمك اللّٰہ' کہنا جائز ہے یا نہیں؟

**جواب:** اس میں دو طرح کی روایتیں ہیں، لہٰذا دو قول بھی ہیں: (۱) 'یرحمك اللّٰہ' نہیں کہنا چاہئے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے "**اذا عطس احدکم فلیشمته جلیسه فان زاد علی ثلاث فهو مذکوم ولا یشمته بعد ثلاث**" اس حدیث میں تین مرتبہ کے بعد تشمیت سے منع کیا گیا ہے۔ (۲) 'یرحمك اللّٰہ' کہنا جائز ہے۔ "**قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یشمت العاطس ثلاثاً فان زاد فان شئت فشمته وان شئت فلا**" اس روایت سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ ابن عربیؒ نے شرح ترمذی میں روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس روایت میں اگر چہ راوی مجہول ہے، تاہم اس پر عمل کرنا مستحب ہے، کیوں کہ دعائے خیر ہے اور اس میں ساتھی سے تعلق ومحبت کا اظہار بھی ہے، ابن عبدالبر نے شرح مؤطا میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا اس پر عمل کرنا زیادہ بہتر واولیٰ ہے۔ حاصل کلام یہ کہ تشمیت کے حکم عام سے تین آدمیوں کی تخصیص کی گئی ہے ایک وہ شخص

جس نے 'الحمدللہ' نہیں کہا، دوم کافر، سوم زکام زدہ۔ علماء نے ان تین کے ساتھ اس شخص کو بھی شامل کیا ہے جو تشمیت کو پسند نہیں کرتا، یعنی کسی آدمی کے بارے میں قرائن سے معلوم ہو جائے کہ وہ تشمیت کو اچھا نہیں سمجھتا تو اس کو 'یرحمك الله' سے جواب نہیں دینا چاہئے۔ واما التثاؤب فانما هو من الشيطان جمائی شیطان کی طرف سے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح زیادہ کھانا کہ طبیعت بوجھل اور کاہل ہو جائے، شیطان کے واسطے اور وسوسے سے ہوتا ہے، اس لئے اس کی نسبت شیطان کی طرف کر دی گئی ہے۔ جمائی لیتے وقت انسان کی صورت بگڑ جاتی ہے۔ اس بگڑی ہوئی صورت کو دیکھ کر شیطان خوش ہوتا ہے۔ فاذا تثاء ب احدكم کسی شخص کو جمائی آتی تو اس کو روکے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ منہ پر ہاتھ رکھ لے۔ جمائی کے وقت منہ کھل جاتا ہے، ایسے میں اگر ہاتھ وغیرہ رکھ کر منہ ڈھانپا نہ جائے تو ایک تو منہ کے اندر مکھی وغیرہ داخل ہونے کا امکان ہوتا ہے، دوسرے چہرہ بدنما لگتا ہے، اس لئے اسے ڈھانپ لینا چاہئے۔ ابن ماجہ میں روایت کے الفاظ بہت واضح ہیں "اذا تثاء ب احدكم فليضع يده على فيه ولا يعوى فان الشيطان يضحك منه" تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھے اور زور سے آواز نہ نکالے۔ اس لئے کہ شیطان اس کی وجہ سے ہنستا ہے۔

**سوال:** جمائی آنے کے وقت منہ پر دایاں ہاتھ رکھا جائے کہ بایاں ہاتھ رکھا جائے؟

**جواب:** کسی روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے، البتہ ایک روایت میں ایک راوی کا عمل نقل ہوا ہے، سہیل راوی نے حدیث بیان کرنے کے بعد اپنا بایاں ہاتھ منہ پر رکھا۔ (ارشاد الساری، ص ۲۲۷ ج ۱۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منہ پر بایاں ہاتھ رکھنا چاہئے۔ لیکن ان کے اس عمل میں بھی امکان ہے کہ شاید دائیں ہاتھ کی تخصیص کو ختم کرنے کے لئے انھوں نے ایسا کیا ہو۔ یہ بتلانے کے لئے کہ منہ کے اوپر ایسے مواقع میں بایاں ہاتھ بھی رکھا جا سکتا ہے۔

(یہ سطور ذیل کی حدیثوں اور کشف الباری سے ماخوذ ہیں) وفي رواية لمسلم یہ روایت مسلم میں نہیں ہے، بلکہ بخاری میں ہے۔

**حدیث نمبر ۱۵۸۰ ﴿یرحمک اللہ کہنے والے کو جواب دینے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۳۳**

**وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَلْيَقُلْ لَهُ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَإِذَا قَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.**

**حواله:** بخاری، ص ۹۱۹ ج ۲، باب اذا عطس كيف يشمت، كتاب الادب حديث ۶۲۲۴

**ترجمه:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کو 'الحمدللہ' کہنا چاہئے، اور اس کے بھائی کو یا آپؐ نے فرمایا کہ اس کے ساتھی کو 'یرحمك الله' کہنا چاہئے۔ اور جب وہ 'یرحمك الله' کہے تو چھینکنے والے کو چاہئے کہ وہ کہے 'یهدیکم الله ویصلح بالکم'۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے تو وہ 'الحمدللہ' کہے اور اس کے جواب میں اس کا مسلمان بھائی 'یرحمك الله' کہے پھر چھینکنے والا 'یهدیکم الله ویصلح بالکم' کہے، چوں کہ چھینک آنا ایک قسم کی شفا ہے، لہٰذا صحت کا حاصل ہونا اللہ کا فضل ہے، اس لئے اس پر حمد ضروری ہے۔ اور حمد کے جواب میں 'یرحمك الله' کہنا اس وجہ سے مشروع کیا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تحمید کے جواب میں 'یرحمك الله' فرمایا تھا، نیز تحمید کرنے والے کی دین پر اور سنن انبیاء پر استقامت کا یہ حق ہے کہ اس کو یہ دعا دی جائے، اس وجہ سے جواب دینے کو حقوق اسلام میں شمار کیا گیا ہے، پھر یرحمك الله کا جواب اس لئے مشروع کیا گیا ہے کہ وہ نیکی کا بدلہ نیکی کے باب سے ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا عطس احدکم چھینکنے والا چھینک کی آواز کو آہستہ رکھے یہ ایک ادب ہے اور 'الحمدللّٰہ' بلند آواز سے پڑھے۔ 'یرحمك اللّٰہ' جواب میں 'یرحمك اللّٰہ' کہا جائے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ مسلمانوں کے آپس میں محبت و مودت کا ذریعہ ہے، نیز اس میں چھینکنے والے کو کسرِ نفسی اور تواضع پر آمادہ کرنے کی تربیت بھی ہے، اس لئے کہ اس میں 'یرحمك اللّٰہ' کہا جاتا ہے۔ یعنی رحمت کی دعا دی جاتی ہے، جس میں گناہوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جن سے اکثر مکلف خالی نہیں۔ یھدیکم اللّٰہ و یصلح بالکم یہ 'یرحمك اللّٰہ' کہنے والے کا جواب ہے، یعنی اس کو ان کلمات سے دعا دی جائے۔ بعض روایتوں میں یغفر اللّٰہ لنا ولکم ہے، اور ان ہی کلمات کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ مکلف دعاءِ مغفرت کا زیادہ محتاج ہے، بہر حال مشہور "یھدیکم اللّٰہ ویصلح بالکم" ہے جیسا کہ اس روایت میں ہے۔ اگر دونوں کو جمع کرلیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ (فتح الباری، ص ۷۴۳، ج ۱۰)

**حدیث نمبر ۱۵۸۱ ﴿کس چھینک کا جواب دیا جائے؟﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٣٤**

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَشَمَّتَ اَحَدَھُمَا وَلَمْ یُشَمِّتِ الْاٰخَرَ فَقَالَ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ شَمَّتَ ھٰذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِیْ قَالَ اِنَّ ھٰذَا حَمِدَ اللّٰہَ وَلَمْ تَحْمِدِ اللّٰہَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۱۹ ج ۲، باب لا یشمت العاطس، کتاب الادب، حدیث ٦٢٢٥، مسلم، ص ٤١٢ ج ۲، باب تشمیت العاطس، کتاب الزھد، حدیث ۲۹۹۱

**حل لغات:** شمت (تفعیل) چھینکنے والے کے جواب میں "یرحمك اللّٰہ" وغیرہ کہنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمیوں کو چھینک آئی، تو آپؐ نے ان میں سے ایک کو جواب دیا اور دوسرے کو جواب نہیں دیا، تو اس آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے اس کو جواب دیا اور مجھ کو جواب نہیں دیا، آپؐ نے فرمایا کہ اس نے 'الحمدللّٰہ' کہا تھا، اور تم نے 'الحمدللّٰہ' نہیں کہا تھا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص چھینکنے کے بعد 'الحمدللّٰہ' نہ کہے وہ اس بات کا مستحق نہیں ہوتا کہ اس کی چھینک کے جواب میں 'یرحمك اللّٰہ' کہا جائے۔ حضرت مکحولؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ابن عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ کسی شخص نے مسجد کے کسی کونے میں چھینکا، حضرت ابن عمرؓ نے اس کی چھینک کی آواز سنی تو فرمایا کہ 'یرحمك اللّٰہ ان کنت حمدت اللّٰہ' (اگر تو نے اللہ کی حمد کی ہے، تو اللہ تجھ پر اپنی رحمت نازل کرے) شعبیؒ کہتے ہیں کہ اگر تمہارے کان میں دیوار کے پیچھے سے کسی کے چھینکنے اور 'الحمدللّٰہ' کہنے کی آواز آئے تو اس کو بھی جواب دو، یعنی 'یرحمك اللّٰہ' کہو۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** فشمت احدھما عالمی حدیث ۴۷۳۲ کے تحت وضاحت سے یہ بات بیان ہوئی کہ چھینکنے والا اگر 'الحمدللّٰہ' کہے گا تب ہی اس کا جواب ضروری ہے، لیکن اگر اس نے 'الحمدللّٰہ' نہیں کہا تو چھینک سننے والے پر کوئی جواب واجب نہیں۔ امام نوویؒ نے فرمایا کہ کسی شخص کو چھینک آئی اور اس نے 'الحمدللّٰہ' نہیں کہا تو اس کو 'الحمدللّٰہ' یاد دلانا مستحب ہے، تاکہ وہ 'الحمدللّٰہ' کہے اور پھر اسے 'یرحمك اللّٰہ' سے جواب دیا جائے۔ (فتح الباری، ص ۷۴۵، ج ۱۰)

**حدیث نمبر ۱۵۸۲ ﴿چھینکنے والا الحمدللہ نہ کہے تو اس کو جواب نہ دیا جائے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٣٥**

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَحَمِدَ اللّٰہَ

فَشَمِّتُوْهُ وَإِنْ لَّمْ يَحْمِدِ اللّٰهَ فَلَا تُشَمِّتُوْهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حواله:** مسلم، ص ۴۱۳ ج ۲، باب تشميت العاطس وكراهة التثاؤب، كتاب الزهد، حديث ۲۹۹۲

**ترجمه:** حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئی اور اس نے اللہ کی حمد کی تو اس کو جواب دو یعنی یرحمك الله کہو اور اگر اس نے اللہ کی حمد نہیں کی تو اس کو جواب مت دو۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چھینکنے والا اگر 'الحمدلله' نہیں کہتا ہے تو وہ 'یرحمك الله' کا مستحق نہیں ہے، لہٰذا اس کو جواب نہ دیا جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فلا تشمتوه اس حدیث میں صاف صراحت ہے کہ جو شخص چھینک آنے کے بعد 'الحمدلله' نہ کہے تو اس کو جواب نہ دیا جائے، یعنی اس کے لئے 'یرحمك الله' نہ کہا جائے۔ عالمی حدیث ۴۷۳۲ کے تحت تفصیل کے ساتھ اُن چار طرح کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو 'یرحمك الله' سے جواب نہیں دیا جائے گا۔

## حدیث نمبر ۱۵۸۳ ﴿زکام میں مبتلا شخص کی چھینک کا جواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۳۶

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ ثُمَّ عَطَسَ أُخْرٰى فَقَالَ الرَّجُلُ مَزْكُوْمٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ أَنَّهُ قَالَ لَهُ فِي الثَّالِثَةِ إِنَّهُ مَزْكُوْمٌ.

**حواله:** مسلم، ص ۴۱۳ ج ۲، باب تشميت العاطس، كتاب الزهد، حديث ۲۹۹۳

**حل لغات:** مذکوم زکام میں مبتلاء شخص، زَكِمَ زُكَامَةً (ن) زکام ہونا، زكم الله فلانا اللہ کا کسی کو زکام میں مبتلا کرنا۔

**ترجمه:** حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب کہ ایک آدمی نے آپؐ کے پاس چھینکا، تو آپ نے اس کے لئے 'یرحمك الله' کہا، پھر دوسرے نے چھینکا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس آدمی کو زکام ہے۔ (مسلم) اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے تیسری مرتبہ میں اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کو زکام ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس کو بار بار چھینک آرہی ہے تو یہ علامت ہے کہ اس کو زکام کی وجہ سے چھینک آرہی ہے، لہٰذا تین بار جواب دینے کے بعد جواب نہ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الرجل مزکوم چھینک آنا ایک طرح سے صحت کی علامت ہے، اس سے راحت بھی ملتی ہے۔ لہٰذا یہ اللہ کی نعمت ہے، اور جس کو چھینک آئے وہ دعاء کا مستحق ہے۔ البتہ اگر کسی کو زکام کی وجہ سے چھینک آرہی ہے تو یہ چھینک بیماری کی وجہ سے ہے اور بیمار کو دوسری دعائیں تو دی جائیں گی لیکن یہ مخصوص دعا 'یرحمك الله' نہ کہا جائے گا۔ اب اگر کسی کے بارے میں ایک مرتبہ ہی میں اندازہ ہوجائے کہ یہ چھینک زکام کی وجہ سے ہے تو دعاء بالکل نہ کی جائے تو کوئی حرج نہیں، تین مرتبہ کے بعد تو عموماً سمجھ میں آہی جاتا ہے لہٰذا یہاں تین کا عدد بھی ہے اور مسلم کی روایت میں کوئی عدد نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک کے بارے میں آپ کو فوراً اندازہ ہوگیا ہو کہ یہ بیمار ہے اور دوسرے کے بارے میں تین مرتبہ چھینکنے کے بعد آپؐ سمجھے ہوں، اور دونوں روایتوں میں الگ الگ لوگوں کا ذکر ہو۔

## حدیث نمبر ۱۵۸۴ ﴿جمائی آنے پر منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۳۷

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلٰى فَمِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

**حوالہ:** مسلم، ص ۴۱۳ ج ۲، باب تشمیت العاطس، کتاب الزھد، حدیث ۲۹۹۵

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے، کیوں کہ شیطان اس میں گھس جاتا ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جمائی آنا اچھی بات نہیں ہے، یہ سستی و کاہلی کی علامت ہے، جمائی آئے تو منہ بند کر لینا چاہئے، یعنی منہ پر ہاتھ یا کوئی اور چیز رکھ لینا چاہئے، تاکہ شیطان کے وساوس اور اس کی اثراندازی سے بھی حفاظت رہے، اور منہ میں مکھی مچھر بھی داخل نہ ہو سکیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا تثاءب احدکم فلیمسک بیدہ علی فمہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو بند لگائے اپنے منہ پر یعنی اگر ہو سکے تو منہ نہ کھولے، اس کو دبالے اور یہ نہ ہو سکے تو ہاتھ یا رومال رکھ کر منہ کو بند کر لے، اس لئے کہ منہ کھلا رہنے سے شیطان اندر داخل ہو جاتا ہے، یا تو حقیقتاً شیطان داخل ہوتا ہے یا پھر ایسے شخص پر اثر انداز ہونے اور اس کو وساوس میں مبتلا کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

# الفصل الثانی

**حدیث نمبر ۱۵۸۵ ﴿چھینکتے وقت چہرہ ڈھانکنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۳۸**

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا عَطَسَ غَطّٰی وَجْهَهٗ بِیَدِهٖ اَوْ ثَوْبِهٖ وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۰۳ ج ۲، باب ما جاء فی خفض الصوت، کتاب الادب، حدیث ۲۷۴۵، ابوداود، ص ۶۸۶ ج ۲، باب فی العطاس، کتاب الادب، حدیث ۵۰۲۹

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو آپ اپنے چہرے کو اپنے ہاتھ سے یا اپنے کپڑے سے ڈھانک لیتے تھے اور پست آواز سے چھینکتے تھے۔ (ترمذی، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** چھینکتے وقت کبھی پٹھے سکڑ جاتے ہیں اور شکل بدنما ہو جاتی ہے، اس لئے ہلکی آواز سے چھینک لینی چاہئے۔ اور ہاتھ سے یا کپڑے سے چہرہ ڈھانک لینا چاہئے، یہ چھینکنے کا اہم ادب ہے اور آپؐ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا عطس غطی وجھہ بیدہ. چھینکتے وقت چہرے کو ڈھانک لینا اور بلند آواز سے نہ چھینکنا یہ دونوں چیزیں تہذیب و شائستگی کی علامت بھی ہیں اور آداب شریعت کا تقاضہ بھی، کیوں کہ ایک تو چھینک کے ذریعہ عام طور پر دماغ کا فضلہ و بلغم وغیرہ ناک یا منہ سے نکل پڑتا ہے دوسرے چھینکتے وقت چہرہ کی ہیئت بگڑ جاتی ہے، اس لئے چہرہ کو ڈھانک لینا چاہئے، اسی طرح زیادہ زور سے آواز کے ساتھ چھینکنے کی صورت میں بسا اوقات لوگ چونک اٹھتے ہیں، اور ویسے بھی زیادہ بلند آواز سے بے ساختہ آواز کے ساتھ چھینکنا طبیعت کی سلامتی اور شخصی وقار کے خلاف سمجھا جاتا ہے، لہٰذا ہلکی آواز کے ساتھ چھینکنا حسنِ ادب سمجھا گیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ چھینکنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ اپنی چھینک کی آواز کو پست رکھے اور 'الحمدللہ' بلند آواز سے کہے، تاکہ لوگ سن کر جواب دیں۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۵۸۶ ﴿یرحمک اللہ کہنے والے کو دعاء دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۳۹**

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَلْیَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ

حَالٍ وَلْيَقُلِ الَّذِىْ يَرُدُّ عَلَيْهِ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَقُلْ هُوَ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَالدَّارِمِىُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص۱۰۳ ج۲، باب ما جاء کیف تشمیت العاطس، کتاب الادب، حدیث ۲۷۴۱، دارمی، ص۳۶۸ ج۲، حدیث ۲۶۵۹

**ترجمہ:** حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو چاہئے کہ وہ کہے کہ 'الحمدللہ علی کل حال' ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اور جو شخص اس کا جواب دے اس کو کہنا چاہئے 'یرحمك اللّٰہ' اللہ تم پر رحم کرے۔ پھر چھینکنے والا کہے کہ 'یھدیکم اللّٰہ ویصلح بالکم' اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے اور تمہارے احوال کی اصلاح فرمائے۔ (ترمذی، دارمی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چھینک آنے پر چھینکنے والے کو اللہ کی تعریف کرنا چاہئے، جو اس چھینک اور تحمید کو سنے اس کو 'یرحمك اللّٰہ' کہنا چاہئے، پھر چھینکنے والا اس شخص کے حق میں 'یھدیکم... الخ' کے ذریعہ دعا کرے جس نے اس کی چھینک کا جواب دیا ہے۔ تاکہ محبت ومودت میں اضافہ ہو۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا عطس احدکم یہ مضمون ابھی ماقبل میں حدیث ۴۷۳۳ کے تحت گذرا ہے، دیکھ لیا جائے۔ اس کے علاوہ عالمی حدیث ۴۷۳۲ دیکھ لی جائے۔

## حدیث نمبر ۱۵۸۷ ﴿یھودیوں کی چھینک کا جواب﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٤٠

وَعَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ كَانَ الْيَهُوْدُ يَتَعَاطَسُوْنَ عِنْدَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُوْنَ اَنْ يَقُوْلَ لَهُمْ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ فَيَقُوْلُ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص۶۸۷ ج۲، باب کیف یشمت الذمی، کتاب الادب، حدیث ۵۰۳۸، ترمذی، ص۱۰۳ ج۲، باب ما جاء کیف یشمت العاطس، کتاب الادب، حدیث ۲۷۳۹

**ترجمہ:** حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ یہودی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے تو جان بوجھ کر چھینکتے اس امید پر کہ آپؐ ان کے جواب میں 'یرحمك اللّٰہ' کہیں گے، لیکن آپ فرماتے کہ 'یھدیکم اللّٰہ ویصلح بالکم' اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے اور تمہارے احوال کی اصلاح فرمائے۔ (ترمذی، دارمی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان کی چھینک کا جواب 'یرحمك اللّٰہ' سے دیا جائے۔ غیر مسلم کو دعا دینے کی ضرورت پڑے تو 'یھدیکم اللّٰہ... الخ' کہا جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یتعاطسون یہودی آپؐ سے دعا لینے کے لئے بتکلف چھینکا کرتے تھے، آپؐ ان کی چال سمجھتے تھے، اس لئے اُن کے حسب حال ان کو دعا دیتے تھے، یعنی ان کی اصلاح ہو جائے اور ان کو ہدایت مل جائے اس کی دعاء کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت جو مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے، اس کی اُن کے حق میں دعاء نہیں کرتے تھے۔

## حدیث نمبر ۱۵۸۸ ﴿چھینکتے وقت سلام کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٤١

وَعَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ قَالَ كُنَّا مَعَ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ فَعَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ لَهُ سَالِمٌ وَعَلَيْكَ وَعَلٰى اُمِّكَ فَكَانَ الرَّجُلُ وَجَدَ فِىْ نَفْسِهِ فَقَالَ اَمَا اِنِّىْ لَمْ اَقُلْ اِلَّا مَا قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمِّكَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلْيَقُلْ لَهٗ مَنْ يَرُدُّ عَلَيْهِ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَقُلْ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود، ص ٦٨٦ ج ٢، باب ماجاء فی تشمیت العاطس، کتاب الادب، حدیث ٥٠٣١، ترمذی، ص ١٠٣ ج ٢، باب ما جاء کیف تشمیت العاطس، کتاب الادب، حدیث ٢٧٤٠

**ترجمہ:** حضرت بلال بن یساف سے روایت ہے کہ حضرت سالم بن عبیدؓ کے پاس وہ تھے، پس لوگوں میں سے ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے کہا کہ السلام علیکم، حضرت سالم نے کہا 'وعليك و على امك' تو اس شخص نے اس کو دل میں محسوس کیا تو انھوں نے عرض کیا کہ میں کچھ نہیں کہہ رہا مگر وہی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، جیسا کہ ایک آدمی کو چھینک آئی تو اس نے کہا کہ السلام علیکم، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'عليك وعلى امك' کیوں کہ تم میں سے جب کوئی چھینکے تو اس کو چاہئے کہ وہ 'الحمد لله رب العالمين' کہے۔ اور جو اس کو جواب دے وہ 'يرحمك الله' کہے، اور پہلے والا 'يغفر الله لی و لكم' کہے۔ (ترمذی، ابوداود)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چھینکنے کے موقع پر آپ ﷺ نے مختلف احادیث میں جو کلمات ارشاد فرمائے ہیں، ان ہی کو اختیار کرنا چاہئے، اس موقع پر سلام کرنا بے موقع بات ہے، یہیں سے معلوم ہوا کہ ایک ذکر کی جگہ دوسرا ذکر رکھنا غلط اور بدعت مذمومہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وعليك وعلى امك مطلب یہ ہے کہ چھینک آنے پر 'الحمد لله' یا 'الحمد لله رب العالمين' کے الفاظ کہنے چاہئے، اس موقع پر حاضرین کو سلام کرنا نہ کوئی معنی رکھتا ہے اور نہ اس کی کوئی اصل ہے۔ اگر چھینکنے والا 'الحمد لله' کے بجائے کوئی اور لفظ کہے تو وہ چھینک کے جواب کا مستحق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص کی چھینک کے جواب میں 'يرحمك الله' نہیں فرمایا، البتہ اس شخص نے چوں کہ آپ کو سلام کیا، اس لئے آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا۔ رہی بات یہ کہ آپ ﷺ نے سلام کے جواب میں 'وعلى امك' اور تمہاری ماں پر بھی سلام ہو، کے الفاظ کیوں فرمائے؟ تو دراصل آپ ﷺ نے اس لفظ کے ذریعہ دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ ایک تو یہ کہ اس موقع پر سلام کرنا بالکل بے محل اور بے موقع ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سلام تو تمہیں کرنا چاہے، مگر وہ یوں کہے تم پر اور تمہاری ماں پر سلام۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی بھی لفظ وکلام کا بے محل و بے موقع استعمال کرنا اپنے آپ کو علم و تربیت اور آداب مجلس سے بے بہرہ ثابت کرنا ہے، اور اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ میں اس شخص کی طرح ہوں جو کسی مردِ دانا کی تربیت سے محروم اور محض ماں کی غیر موزوں تربیت کا حامل ہوں اور جس کے دل و دماغ پر زنانہ ماحول اور زنانہ طور طریقوں کا اثر ہو۔ نیز علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ گویا اس شخص کی نادانی کو ظاہر کیا گیا جو اس میں ماں کے اوصاف کے سرایت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے وہ اپنی ماں کے حق میں آپ کی دعاء کا محتاج تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے ساتھ تمہاری ماں پر بھی سلام ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو عقل کی دولت سے نوازے اور نادانی کے فتنے سے محفوظ رکھے۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ١٥٨٩ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ٤٧٤٢**

## ﴿تین سے زائد بار چھینکنے والے کو جواب دینا ضروری نہیں﴾

وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلٰثًا فَمَا زَادَ فَاِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْهُ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ١٠٣ ج ٢، باب كم مرة يشمت العاطس، کتاب الادب، حدیث ٥٠٣٦، ترمذی،

ص ٦٨٦ ج ٢، باب ما جاء کم یشمت... الخ، کتاب الادب، حدیث ٢٧٤٤

**ترجمہ:** حضرت عبید بن رفاعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ چھینکنے والے کو تین مرتبہ 'یرحمك الله' کہہ کر دعا دو، پھر اگر وہ اس سے زیادہ چھینکے تو چاہو تو دعا دو اور اگر چاہو تو نہ دو۔ (ابوداود، ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چھینکنے والے کی چھینک کا تین مرتبہ جواب دیا، پھر اس کے بعد جواب دینا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ زیادہ چھینک آنا زکام کی علامت ہے اور مریض کو 'یرحمك الله' کے ذریعہ جواب دینے کا حکم نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فان زاد فشمته تین مرتبہ تک جواب دینا واجب ہے، اس کے بعد مستحب ہے، لیکن اگر کوئی تین بار کے بعد جواب نہ دے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر کسی شخص کے بارے میں پہلی چھینک سے اندازہ ہو جائے کہ مریض ہے اور اس کو مرض کی وجہ سے چھینک آئی ہے اور پھر جواب نہ دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ آپؐ نے ایک شخص کی پہلی چھینک پر ایک موقع پر فرمایا کہ 'الرجل مزکوم' اس شخص کو نزلہ ہوا ہے۔ دیکھیں عالمی حدیث ٤٧٣٦

## حدیث نمبر ١٥٩٠ ﴿تین بار سے زائد چھینکنے کا جواب﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٤٢

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ شَمِّتْ أَخَاكَ ثَلَاثًا فَإِنْ زَادَ فَهُوَ زُكَامٌ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا أَنَّهُ رَفَعَ الْحَدِيثَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٨٦ ج ٢، باب کم مرة یشمت العاطس، کتاب الادب، حدیث ٥٠٣٤

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ تم اپنے بھائی کی چھینک کا تین بار تک جواب دو، اگر اس سے زائد بار وہ چھینکے تو اس کو زکام ہو گیا ہے۔ (ابوداود) ابوداود کہتے ہیں کہ میں یہ بات جانتا ہوں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ تین سے زائد بار چھینک آنے کا مطلب عموماً یہی ہوتا ہے کہ چھینک آنا زکام کی وجہ سے ہے، لہٰذا تین بار جواب دینے کے بعد جواب نہ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا اعلمه الا انه رفع الحدیث یہ حدیث درحقیقت حدیث مرفوع ہے، حدیثِ موقوف نہیں ہے، یعنی یہ حضرت ابوہریرہؓ کی بات نہیں بلکہ فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

# الفصل الثالث

## حدیث نمبر ١٥٩١ ﴿چھینک آنے پر حمد کے ساتھ سلام ملانا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٤٤

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ رَجُلًا عَطَسَ إِلَى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَا أَقُولُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ وَلَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَقُولَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ١٠٣ ج ٢، باب ما یقول العاطس اذا عطس، کتاب الادب، حدیث ٢٧٣٨

**ترجمہ:** حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے برابر میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے چھینکا اور پھر کہا 'الحمدللہ

والسلام علی رسول اللہ' حضرت ابن عمرؓ نے کہا میں کہتا ہوں کہ 'الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح نہیں سکھایا، بلکہ ہمیں سکھایا کہ ہم 'الحمدللہ علی کل حال' کہیں۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چھینک آنے پر وہی الفاظ کہے جائیں، جن کی آپ ﷺ نے تعلیم دی ہے، اپنی طرف سے دوسرے کلمات شامل نہ کئے جائیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ولیس ھذا علمنا حمد کے ساتھ سلام ملانے کا حکم آپ ﷺ نے نہیں دیا ہے اور نہ یہ ادب ہے اور نہ مستحب ہے۔ اصل اتباع نبوی ہے۔ اور وہ اسی وقت ہوگی جب اِن کلمات کو اختیار کیا جائے گا جن کی آپ ﷺ نے تلقین فرمائی ہے۔ 'حدیث غریب' اس حدیث کی زیاد سے آخر تک ایک سند ہے، اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

# باب الضحک

## ﴿ہنسنے کا بیان﴾

اس باب کے تحت ۱۵/احادیث منقول ہیں۔ آپ ﷺ کی ہنسی کا ذکر آپ کا مسکرانا اور صحابہ کے ہنسنے مسکرانے کا ذکر اور اس کے طریقہ کا بیان ہے۔

ہنسا اسے کہتے ہیں کہ منہ کھل کر دانت نظر آئیں اور کچھ آواز ہو، آپ عموماً ایسے طریقہ پر نہیں ہنستے تھے، کبھی کبھار غیر معمول واقعہ پر آپ ﷺ سے ہنسا ثابت ہے، مگر ایسا بہت کم ہوا ہے، لوگوں کی عادت ہنسنے کی زائد ہوتی ہے اور مسکرانے کی کم، مگر آپ مسکراتے زیادہ تھے ہنستے کم تھے، آپ ﷺ کو ہنسی آتی تو آپ ﷺ دست مبارک منہ پر رکھ لیتے تھے، ایسا آپ ﷺ غایت حیاء کی وجہ سے فرماتے تھے، آپ ﷺ باطناً فکر آخرت میں رنجیدہ رہتے، لیکن بظاہر مسکراتے نظر آتے تھے، بہت زیادہ ہنسنے سے پرہیز بھی کرنا بھی چاہئے۔

## الفصل الاول

### حدیث نمبر ۱۵۹۲ ﴿آپ ﷺ کے ہنسنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٤٥

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۰۰ ج۲ باب التبسم والضحک، کتاب الادب، حدیث ۶۰۹۲

**حل لغات:** لھوات جمع ہے واحد اللّھاۃ حلق کے اندر ابھرا ہوا باریک گوشت، حلق کا کوا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کبھی ایسے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ کے حلق کا تالو مجھے نظر آنے لگا ہو۔ ہاں آپ ﷺ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ زور سے قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے، بلکہ مسکراہٹ پر اکتفا کرتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** انما کان تبسم تبسم مسکراہٹ کو کہتے ہیں، 'ضحک' ایسی ہنسی کو کہتے ہیں جس میں آواز بالکل ہلکی ہو کہ قریب کا آدمی نہ سن سکے اور اگر آواز بلند ہو اس طرح کہ سب کو سنائی دے تو اسے قہقہہ کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ عام حالات میں تبسم فرمایا کرتے تھے، کبھی کبھی ضحک بھی فرمایا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کی ہنسی بس تبسم ہوا کرتی تھی، آپ کے ہنسنے کا انتہائی درجہ یہ تھا کہ آپ کے دانت مبارک ظاہر ہو جاتے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی قہقہہ نہیں لگایا۔

**حدیث نمبر ۱۵۹۳ ﴿آپ کی مسکراہٹ کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٤٦**

وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِى النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَاٰنِى اِلَّا تَبَسَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۰۰ ج ۲، باب التبسم والضحك، کتاب الادب، حدیث ۶۰۸۹، مسلم، ص ۲۹۷ ج ۲، باب فضائل جریر بن عبداللہ، کتاب الفضائل، حدیث ۲۴۷۵

**ترجمہ:** حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی منع نہیں فرمایا اور جب بھی آپ مجھ کو دیکھتے تو مسکرا دیتے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپ کے اخلاق کریمانہ کا ذکر ہے، آپ کسی سے ملتے تو مسکرا کر ملتے اور آپ سے کوئی چیز طلب کی جاتی تو آپ انکار نہیں فرماتے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما حجبنی آپ نے مجھ کو منع نہیں کیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے کبھی بھی مجھ کو اپنے پاس آنے سے روکا نہیں، میں جس وقت چاہتا آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، چاہے کوئی مخصوص مجلس ہی کیوں نہ ہوتی، بشرطیکہ مردانہ مجلس ہوتی، یا یہ مراد ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے کوئی چیز مانگی ہو اور آپ نے اس کو دینے سے انکار کیا ہو، میں نے آپ سے جب بھی مانگا اور جو کچھ بھی مانگا وہ مجھ کو عطا ہوا۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۵۹٤ ﴿صحابہؓ کی باتیں سن کر آپ کا مسکرانہ﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٤٧**

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِىْ يُصَلِّىْ فِيْهِ الصُّبْحَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ وَكَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ فَيَاْخُذُوْنَ فِىْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُوْنَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِىِّ يَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۵۵ ج ۲، باب تبسمہ صلی اللہ علیہ وسلم وحسن عشرتہ، کتاب الفضائل، حدیث ۲۳۲۲

**ترجمہ:** حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس جگہ سے جہاں نماز فجر ادا کرتے تھے سورج طلوع ہونے تک کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ جب کہ صحابہ کرامؓ باتیں کرتے ہوئے زمانہ جاہلیت کا تذکرہ کرنے لگتے اور وہ ہنسنے لگتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے تھے اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ صحابہؓ شعر پڑھتے تھے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ فجر کی نماز کے بعد اشراق تک نماز کی جگہ پر بیٹھتے تھے، پھر نماز اشراق کے بعد گھر تشریف لے جاتے تھے، اس وقفہ میں صحابہؓ بات چیت بھی کرتے تھے، جس میں زمانۂ جاہلیت کی باتوں کا بھی تذکرہ ہوتا تھا، وہ ان باتوں پر ہنستے تو آپ بھی مسکرا دیا کرتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا یقوم من مصلاہ یہ فعلی حدیث ہے راوی کا انداز بتا رہا ہے کہ یہ آپ کا دائمی معمول تھا، حالاں کہ یہ دائمی معمول نہ تھا، بلکہ کبھی کبھار کا عمل تھا، جواز کے استمرار کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہ تعبیر

اختیار کی ہے۔ فی امر الجاهلية معلوم ہوا کہ زمانۂ جاہلیت کی بات کرنا اوران پر ہنسنا جائز ہے۔ یتناشدون الشعر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ مسجد میں اشعار پڑھتے تھے، جب کہ ترمذی میں روایت ہے کہ نهى عن تناشد الاشعار آپؐ نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے، دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ اگر شعر حمد وثنا اور اسلامی تعلیمات کے متعلق ہوں تو پڑھنا جائز ہے، بصورت دیگر مکروہ ہے۔

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۱۵۹۵ ﴿آپؐ مسکراتے خوب تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٤٨

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ اَحَدًا اَكْثَرَ تَبَسُّمًامِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِی.

**حواله:** ترمذی، ص ٢٠٥-٢٠٦ ج٢، باب فی بشاشة النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب المناقب، حدیث ٣٣٥١

**ترجمه:** حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکراتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ خوب مسکراتے تھے، جن سے ملتے مسکرا کر ملتے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما رأيت اكثر تبسما مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ ہیں، ان میں ضعف ہے لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے، ترمذی میں اسی موقع پر ایک دوسری حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا نہیں تھا، مگر مسکرانا، یعنی آپ بس مسکراتے تھے ہنستے بہت کم تھے۔ یہ حدیث صحیح ہے، یعنی آپ کا ہنسنا عموماً مسکرانے کی حد تک رہتا تھا، اور حدیث باب صحیح نہیں کہ آپ ہر وقت مسکراتے رہتے تھے۔ (مستفاد تحفۃ الالمعی)

## الفصل الثالث

### حدیث نمبر ۱۵۹۶ ﴿صحابہؓ سے ہنسنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٤٩

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ هَلْ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُوْنَ قَالَ نَعَمْ وَالْاِيْمَانُ فِي قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ وَقَالَ بِلَالُ بْنُ سَعْدٍ اَدْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُّوْنَ بَيْنَ الْاَغْرَاضِ وَيَضْحَكُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَاِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حواله:** بغوی فی شرح النسة، ص٣١٨ ج١٢، باب الضحك، کتاب الاستئذان، حدیث ٣٣٥١

**حل لغات:** يشتدون (افتعال) فی عدوه، تیز دوڑنا، الاغراض جمع ہے، واحد الغرض نشانہ مقصد، رهبان جمع ہے واحد رَاهِبٌ، زاہد، تارک الدنیا، گرجے کا مذہبی رہنما۔

**ترجمه:** حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہنسا کرتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں اور ان کے دلوں میں ایمان پہاڑ سے بھی مضبوط تھا اور حضرت بلال بن سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہؓ کو اس حال میں پایا کہ تیر کے نشانوں کے درمیان دوڑتے تھے اور ایک دوسرے کی باتوں پر ہنسا کرتے تھے، اور جب رات ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے ہوجاتے تھے۔ (شرح السنۃ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کے دل خشیتِ الٰہی سے لبریز تھے، اس کے باوجود ہنسی کے مواقع پر ہنستے تھے، لیکن ان کا ہنسنا اہل غفلت کی طرح نہ تھا، بلکہ ہنستے وقت بھی شرعی حدود کا خیال رکھتے تھے اور اس وقت بھی ان کے ایمان ویقین میں کوئی کمی نہ ہوتی تھی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اعظم من الجبل ان کے دلوں میں پہاڑ سے مضبوط ایمان تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی ہنسی ان کے نور ایمان میں خلل پیدا نہیں کرتی تھی۔ کانوا رھبانا رات آتی تو صحابہؓ دنیا کے کام کاج چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہو جاتے، اور خوف الٰہی کی بنا پر روتے گڑگڑاتے اور یادِ خدا میں مشغول رہتے۔

# باب الاسامی

## ﴿ناموں کا بیان﴾

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے ۳۰/احادیث نقل فرمائی ہیں، ان میں اس بات کا ذکر ہے کہ عبداللہ وعبدالرحمٰن بہترین نام ہیں، چند ناموں کی ممانعت، شہنشاہ لقب اختیار کرنے کی ممانعت، زمانہ کو برا کہنے کی ممانعت، اچھا نام رکھنے کا حکم، آپ ﷺ کا نام وکنیت دونوں اختیار کرنے کی ممانعت، حضرت انسؓ کی کنیت، برے نام کا برا اثر اور اچھے نام کا اچھا اثر اور اس طرح کے دیگر مضامین مذکور ہیں، بچہ کا اچھا نام رکھنا یہ بچے کا بنیادی حق ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے "حق الولد علی الوالد ان یحسن اسمه ویحسن ادبه" (بیہقی)
باپ پر بچے کا حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسن ادب سے آراستہ کرے۔

## ﴿ساتویں دن نام رکھا جائے﴾

جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام رکھنے میں جلدی کی جائے حضرت عمرو ابن شعیبؓ سے روایت ہے

ان النبی ﷺ امر بتسمیة المولود یوم سابعه ووضع الاذی عنه والعق۔ (ترمذی شریف)

**ترجمہ:** نبی ﷺ نے ساتویں دن بچہ کا نام رکھنے اور اس سے گندگی (سر کے بال) دور کرنے اور عقیقہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور نام ایسا رکھنا چاہئے جو پیارا ہونے کے ساتھ بامعنٰی بھی ہو، ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بچہ کا نام ابراہیم رکھا اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کے بچہ کا نام عبداللہ رکھا، جس سے معلوم ہوا کہ بچہ کا نام انبیاء اور صالحین کے نام پر رکھنا چاہئے، یا ایسا نام رکھنا چاہئے جو عبدیت اور بندگی ظاہر کرنے والا ہو، جیسے عبدالرحمٰن، عبدالرحیم وغیرہ۔ حدیث شریف میں ہے کہ "ان احب اسماء کم الی الله عبد الله وعبد الرحمن" (مسلم شریف)

**ترجمہ:** اللہ تعالیٰ کو تمہارے ناموں میں محبوب ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، ایک اور حدیث شریف میں ہے "انکم تدعون یوم القیامة باسمائکم واسماء آبائکم فاحسنوا اسمائکم" (ابوداود شریف)

**ترجمہ:** قیامت کے روز تمہیں تمہارے ناموں اور تمہارے باپوں کے ناموں سے پکارا جائے گا (مثلاً فلاں ولد فلاں) لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو، اب بتلائیں کہ اگر کسی کا نام گھسیٹا ہو اور اس کے بچے کا نام عبدالقادر ہو اور قیامت کے روز عبدالقادر ولد گھسیٹا کہہ کر پکارا جائے گا تو عبدالقادر کو کس قدر ندامت اور شرمندگی کا سامنا ہوگا، اس لئے بچہ کا نام بہت خوبصورت اور پیارا ہونا چاہئے، اور اس کا بھی لحاظ رہے کہ ایسا نام نہ ہو جس سے کسی موقع پر بدفالی لی جائے، مثلاً شرافت بہت اچھا لفظ ہے، لیکن اگر آپ نے اپنے بچے کا نام شرافت رکھ دیا اور کسی

نے آپ سے پوچھا کہ کیا شرافت ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہاں شرافت نہیں ہے، تو دیکھئے اس جواب سے بدفالی ہوتی ہے یا نہیں؟

اگر کسی بچہ کا نام نامناسب ہو تو اسے اچھے نام سے بدل دینا چاہئے، نبی علیہ السلام نے بہت سے بچوں کے نام انہیں نامناسب قرار دے کر بدلا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں "ان النبی ﷺ کان یغیر الاسم القبیح" (ترمذی شریف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ناپسندیدہ ناموں کو بدل دیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عاصیہ کا نام بدل دیا اور فرمایا کہ تمہارا نام جمیلہ ہے، عاصیہ کے معنی نافرمان ہیں، جس کا نامناسب ہونا ظاہر ہے، اس لئے آپؐ نے اس کے بجائے جمیلہ نام رکھا، جس کے معنی خوبصورت ہیں، اسی طرح زینب بنت ابوسلمہ کا نام برہ تھا، جس کے معنی نیک اور پارسا کے ہیں اب اگر وہ اپنا نام پوچھے جانے پر کہیں کہ میں برہ ہوں تو اس کا معنی ہوا کہ میں بہت نیک اور پارسا ہوں اور یہ اپنے منہ میاں مٹھو والی بات ہو جاتی ہے، اس لئے آپؐ نے اس نام کو ناپسند فرمایا اور زینب نام رکھا جیسا کہ محمد ابن عمر ابن عطا فرماتے ہیں۔ "سمیت ابنتی برة فقالت لی زینب بنت ابی سلمة ان رسول الله ﷺ نهی عن هذا الاسم وسمیت فقال لاتزکوا انفسکم الله اعلم باهل البر منکم فقالوا بم نسمیها قال سموها زینب" (مسلم شریف)

**ترجمہ:** میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ رکھا تو مجھ سے زینب بنت ابوسلمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے منع فرمایا ہے اور میرا برہ نام رکھا گیا تھا، تو آپؐ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو نیک اور پارسا نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ تم میں سے نیک اور پارسا لوگوں کو خوب جانتے ہیں، تو میرے (خاندان والوں نے) پوچھا کہ اس کا کیا نام رکھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کا نام زینب رکھو۔

جو بچہ زندہ پیدا ہونے کے بعد مر جائے، اسی طرح جو بچہ مرا ہوا پیدا ہو دونوں کا نام رکھا جائے گا، البتہ جو بچہ زندہ پیدا ہو کر مرا ہو اس کو غسل اور کفن بھی دیا جائے گا، اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائیگی اور جو مرا ہوا پیدا ہوا ہے اس کو غسل تو دیا جائے گا، مگر اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اور جس بچہ کی بھی انسانی صورت بھی نہیں بنی تھی اور وہ ضائع ہو گیا اس کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، بلکہ کپڑے میں لپیٹ کر گڑھا کھود کر اس میں دفن کر دیا جائے۔ (بچوں کی تربیت)

## الفصل الاول

**حدیث نمبر ۱۵۹۷ ﴿آپؐ کی کنیت پر اپنی کنیت رکھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۵۰**

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی السُّوْقِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا اَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا دَعَوْتُ هٰذَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمُّوْا بِاسْمِیْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِیْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۲۸۵ ج ۱، باب ما ذکر فی الاسواق، کتاب البیوع، حدیث ۲۱۲۰، مسلم، ص ۲۰۶ ج ۲، باب النهی عن التکنی بابی القاسم، کتاب الادب، حدیث ۲۱۳۱

**حل لغات:** لا تکتنوا فعل نہی، کنیت مت رکھو، اکتنی بکذا (افتعال) اپنی کوئی کنیت اختیار کرنا، کنیتی میری کنیت "الکنیة" نام اور لقب کے علاوہ کسی شخص کا کوئی مقرر کردہ نام، جیسے ابوالحسن وغیرہ، تکنی بکذا، کوئی کنیت یا لقب اختیار کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تھے کہ ایک آدمی نے کہا اے ابوالقاسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جانب متوجہ ہوئے تو اس نے کہا کہ یہ آواز میں نے اس کو دی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نام پر اپنا

نام رکھ لیا کرو، لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھا کرو۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی کی کنیت یا نام ابوالقاسم نہ رکھا جائے، اگر کوئی آپؐ کے نام پر 'محمد' نام رکھنا چاہے تو رکھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محمد نام رکھنے میں برکت تو ہے ہی، اس میں اشتباہ کا بھی کوئی اندیشہ نہیں، کیوں کہ مدینہ منورہ میں کوئی شخص آپ کو 'یا محمد' کہہ کر نہیں پکارتا تھا۔ مسلمان یا رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے، اہل کتاب آپ کی کنیت کے ساتھ 'یـا ابـا الـقـاسم' کہہ کر پکارتے تھے، اور کافر بھی یا محمد کہہ کر نہیں پکارتے تھے، اب یہ نئی قوم پیدا ہوئی ہے جو یا محمد کہہ کر پکارتی ہے، چوں کہ اس وقت لوگ آپ کا نام لے کر نہیں پکارتے تھے، اس واسطے اگر کسی دوسرے کا نام محمد رکھا جاتا تو اس میں کسی اشتباہ کا اندیشہ نہیں تھا کہ کوئی یا محمد کہہ کر پکارے گا اور حضور سمجھیں گے کہ مجھے بلا رہے ہیں، لیکن مسئلہ ابوالقاسم کا ہے، خاص طور پر اہل کتاب آپ کو ابوالقاسم کہہ کر پکارتے تھے، لہٰذا اگر کسی دوسرے کی کنیت ابوالقاسم رکھ دی گئی تو اس میں اشتباہ کا اندیشہ ہے، اسی لئے آپؐ نے فرمایا تھا کہ میرا نام رکھ لو، لیکن کنیت نہ رکھو۔ علماء نے لکھا ہے کہ ابوالقاسم کنیت کی ممانعت آپؐ کے زمانے کے ساتھ مخصوص تھی کیوں کہ علت اشتباہ تھی، اب وہ علت اشتباہ نہیں رہی، اس واسطے ممانعت بھی نہیں ہے، لیکن الفاظِ حدیث چوں کہ عام ہیں، اس واسطے اگر کوئی پرہیز کرے تو اچھا ہے، لیکن ناجائز اور حرام نہیں ہے۔ (انعام الباری، ج ۶)

**کلمات حدیث کی تشریح** فـالـتـفـت اليه النبی صلی اللّٰه عليه وسلم ایک شخص نے ابوالقاسم کہہ کر پکارا تو آپؐ اس کی طرف متوجہ ہوئے، کیوں کہ ابوالقاسم آپ کی کنیت تھی، آپ سمجھے کہ پکارنے والے نے مجھے پکارا ہے۔ فـقـال انـمـا دعـوت هـذا پکارنے والے نے کہا کہ میں نے آپ کو نہیں اس کو پکارا ہے، کوئی دوسرا آدمی تھا اس کی کنیت بھی ابوالقاسم تھی۔ سـمـوا باسمی آپؐ نے فرمایا کہ میرا نام رکھو، لیکن میری کنیت مت رکھو۔ وجہ یہ ہے کہ 'یا محمد' کہہ کر پکارنے سے اشتباہ نہ ہوگا، کیوں کہ حضورؐ کو 'یا محمد' کہہ کر پکارنا شرعاً ممنوع ہے، اس کی دلیل ارشادِ خداوندی ہے 'لا تـجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بـعـضـكم بعضاً' اور عقلاً ممنوع ہونا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تعلیم دیتے ہیں قرآن میں حضورؐ کا نام لے کر خطاب نہیں کیا بلکہ 'یـا ایها الرسول، یا ایها النبی' کہہ کر خطاب کیا، کـقـولـه تعالیٰ یا ایها الرسول بلّغ ما انزل الیك من ربك اور یا ایها النبی لم تحرم ما احل اللّٰه لك.... الآیه یا محمد کہہ کر خطاب تو نہیں کیا جو بلانے کا طرز ہے، ہاں حضورؐ کی علوشان بیان کرتے ہوئے تعیین و تمیز کر کے نام لیا گیا جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے 'مـحـمـد رسـول الـلّٰـه والـذين معهٗ اشدّآء علی الكفار' بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ ان کا نام لے کر اللہ نے پکارا، کـقـولـه تـعـالیٰ یـا آدم اسـكـن انـت وزوجك الجنة، ونادينٰهُ ان يا ابـراهيم، يا موسیٰ انی اصطفيتك برسالاتی اور یا عیسیٰ انی متوفيك ورافعك الیّ جب اللہ نے ادب سکھلاتے ہوئے یا محمد کہہ کر نہیں پکارا تو ہمارے لئے آپ کے علاوہ کو یا محمد کہہ کر پکارنا جائز ہے اور ابوالقاسم جو حضورؐ کی کنیت ہے اس سے کسی کی کنیت نہ رکھنے کی وجہ کی طرف حضورؐ نے اشارہ کیا انـمـا جعلتُ قاسماً أُقسّمُ بينكم' یعنی منجانب اللہ بذریعہ وحی جو علم و عمل القاء ہوتا ہے اور مطیعین کے درجات و ثواب و عاصین کے عقاب مواخذہ کے متعلق جو احکام نازل ہوتے ہیں ایسے ہی غنائم وغیرہ کو، میں تقسیم کر دیتا ہوں، حاصل یہ کہ حضورؐ کے بڑے صاحبزادے کا نام جو قاسم تھا صرف اُن کی وجہ سے حضور کو ابوالقاسم نہیں کہا جاتا بلکہ امورِ دینیہ و دنیویہ جو قسمتِ ازلیہ ہے اس کے اعتبار سے حضورؐ کے اندر جو قاسمیت کا وصف ہے اُس وصف کا لحاظ کر کے بھی حضور کو ابوالقاسم کہا جاتا ہے۔ فـلـمـعـنیٰ ابـو الـقـاسـم صـاحب هٰذا الوصف اور چونکہ وحی کے تحت تقسیم کرنے کی یہ صفت حضورؐ کے لئے خاص ہے، لہٰذا ابوالقاسم کی کنیت بھی حضورؐ کے لئے خاص ہے دوسرے کسی کے لئے یہ کنیت رکھنا جائز نہ ہوگا۔

امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ کسی کا نام محمد رکھنا تو جائز ہے لیکن ابوالقاسم کہہ کے بلانا جائز نہیں ہے خواہ اس کا نام محمدؐ ہو یا کچھ اور

دلیل حدیث جابرؓ ہے، محیط سے نقل کیا گیا ہے کہ امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ حضورؐ کی کنیت اور نام سے کسی کو ابوالقاسم محمد کہہ کر کے بلانا جائز نہیں ہے اگر صرف ابوالقاسم کہے تو کوئی حرج نہیں ہے حدیث مذکور کے معنی ان کے نزدیک یہ ہیں کہ نام اور کنیت کو جمع نہ کرے امام مالکؒ، قاضی عیاضؒ، جمہور سلف وفقہائے الامصار کا یہی قول ہے کہ حضورؐ کے نام وکنیت کو جمع کرنا جائز ہے، حضورؐ کے زمانے میں ابتداءً اشتباہ کی وجہ سے منع کیا گیا تھا جیسا کہ حدیث انسؓ سے اشتباہ کا معاملہ ظاہر ہے اب حضورؐ کے زمانے کے بعد اشتباہ کا خوف نہیں ہے، لہٰذا جمع کرنا جائز ہوگا کما روی عن علیؓ انه قال یا رسول الله ان وُلد لی بعدك ولدٌ اسمیه محمدا او اکنیه بکنیتك قال نعم. محمد بن حنفیہ جو حضورؐ کے بعد ہوئے ان کا نام محمد ہے اور کنیت ابوالقاسم ہے تو حدیث انسؓ وجابرؓ منسوخ ہے لیکن دعوائے نسخ پر اشکال یہ ہے کہ ترمذی میں ہے، قال علیؓ وکانت رخصة لی یعنی جمع کرنے کی اجازت میرے لئے خاص ہے دوسرے کسی کے لئے جائز نہیں ہے، لہٰذا ان اقوال میں سے قول صحیح یہ ہے کہ حضورؐ کا نام جو محمد ہے اس نام سے تو کسی کا نام رکھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے لیکن حضورؐ کی کنیت پر کسی کی کنیت رکھنا اگرچہ حضورؐ کے بعد ہو ممنوع ہے اور حضورؐ کے زمانے میں تو حکم منع قوی تھا ایسے ہی حضورؐ کا نام اور کنیت کو جمع کرنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔ (الاشعۃ، ص ۳۸ ج ۴، مرقات، ص ۱۰۵ ج ۹، تنظیم الاشتات، ج ۳)

### حدیث نمبر ۱۵۹۸ ﴿آپ کی کنیت کی وجہ کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٥١

**وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمُّوْا بِاِسْمِي وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِي فَاِنِّي اِنَّمَا جُعِلْتُ قَاسِمًا اَقْسِمُ بَيْنَكُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.**

**حواله:** بخاری، ص ٤٣٩ ج ١، باب قول الله تعالیٰ فان لله خمسه، کتاب فرض الخمس، حدیث ٣١١٤، مسلم، ص ٢٠٦ ج ٢ باب النهی عن التکنی بابی القاسم، کتاب الادب، حدیث ٢١٣٢

**حل لغات:** قاسم تقسیم کرنے والا، قَسَمَ الشیءَ (ض) قَسْمًا تقسیم کرنا، حصے کرنا، ٹکڑے کرنا۔

**ترجمه:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نام پر نام رکھو، لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو، کیوں کہ مجھے قاسم بنایا گیا ہے اور میں تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ کے ایک بیٹے کا نام قاسم تھا، محض اس سبب سے آپ کی کنیت ابوالقاسم نہیں تھی، بلکہ آپ کی کنیت میں قاسمیت کے معنی کا بھی لحاظ کیا گیا ہے، کیوں کہ آپ علم وحکمت اور مال غنیمت اسی طرح حق وباطل کو بھی تقسیم کرنے والے ہیں، نیز ایک فریق کو جنت اور دوسرے فریق کو دوزخ کی طرف تقسیم کرنے والے ہیں۔ اور آپؐ کے علاوہ کوئی اس مقام پر فائز نہیں، لہٰذا کسی کے لئے اس کنیت کو اختیار کرنے کی مجال نہیں، اس وقت ابو کے معنی باپ نہیں بلکہ صاحب ومالک ہیں۔ (ایضاح)

**کلمات حدیث کی تشریح** ولا تکنوا بکنیتی میری کنیت پر اپنی کنیت نہ رکھو۔ آپؐ کے نام پر نام رکھا جاسکتا ہے، لیکن آپؐ کی کنیت اپنانا درست نہیں ہے، آپؐ کے زمانہ میں ممانعت قوی تھی، آپؐ کے بعد بھی احتیاط ہی مناسب ہے۔ مزید کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

### حدیث نمبر ۱۵۹۹: ﴿عبداللہ اور عبدالرحمٰن بہترین نام ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٥٢

**وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِكُمْ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.**

**حواله:** مسلم، ص ۲۰۶ ج ۲، باب کراهیة التسمیة بالاسماء القبیحة، کتاب الآداب، حدیث ۲۱۳۷

**ترجمه:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کے نزدیک تمہارے ناموں میں سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ (مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عبدالرحمٰن اور عبداللہ نام بہت پسند ہیں۔ حاشیہ بذل میں ہے کہ ان دو ناموں کا سب سے زیادہ پسندیدہ ہونا علی الاطلاق نہیں ہے، بلکہ 'عبودیت' کے اعتبار سے ہے، اس لئے کہ پہلے لوگ 'عبدشمس' وغیرہ نام رکھتے تھے، ورنہ سب سے زیادہ پسندیدہ نام محمد و احمد ہیں۔ جن ناموں میں عبدیت کی نسبت اسمائے حسنیٰ میں سے کسی نام کی طرف کی گئی ہو وہ نام بھی پسندیدہ ہوتے ہیں۔ (مستفاد در المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** ان احب اسمائکم الی اللہ اللہ تعالیٰ کو ناموں میں سب سے زیادہ پسند نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، کیوں کہ ان ناموں میں بندگی کا اظہار ہے، اور اللہ کا وصفِ معروف کے ساتھ تعارف بھی ہے، اور جس نام میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں وہ نام اللہ کو زیادہ پسندیدہ ہے، پھر عبداللہ اور عبدالرحمٰن اگر بطور مثال ہیں تو عبدالرحیم، عبدالقیوم وغیرہ نام بھی پسند ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا رجحان یہ ہے کہ یہی دو نام مراد ہیں، اور یہ نام اللہ کو سب سے زیادہ محبوب دو وجہوں سے ہیں۔ پہلی وجہ شریعت نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے جو تدبیر اختیار کی ہے ان میں سے ایک تدبیر یہ ہے کہ دنیاوی معاملات میں ذکر الٰہی شامل کیا جائے، تاکہ وہ دعوت کا ذریعہ بن جائے۔ تو جب بچے کا نام عبداللہ یا عبدالرحمٰن ہوگا اور اس نام سے پکارا جائے گا تو توحید کی یاد تازہ ہوگی، دوسری وجہ عرب و عجم میں اپنے معبودوں کے نام سے نام رکھنے کا رواج ہے، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نشانہائے توحید کو قائم کرنے کے لئے ہوئی کہ ناموں میں بھی اس کا لحاظ کیا جائے اور ایسا نام رکھا جائے، جس سے توحید کا اعلان ہو۔

**سوال:** ان دو ناموں کے علاوہ اور بھی نام ہیں جن میں عبد کی اضافت اللہ کی کسی صفت کی طرف کی جاتی ہے، جیسے عبدالرحیم، عبدالحکیم، عبدالسمیع، وغیرہ، اور ان سے بھی توحید کا اعلان ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کو مذکورہ دو نام ہی سب سے زیادہ محبوب کیوں ہیں؟

**جواب:** یہ دو نام اللہ کے مشہور نام ہیں، اللہ تو اسم علم ذاتی نام ہے، اور 'رحمٰن' صفتِ خاصہ ہے، غیر اللہ پر ان دونوں ناموں کا اطلاق نہیں ہوتا، اور دیگر صفات کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے، اس لئے یہی دو نام اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں۔ (تحفۃ الالمعی) ان دو ناموں میں انحصار کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ یہی دو نام ہیں جن کی طرف عبد کی اضافت کر کے قرآن میں بیان ہوا ہے۔ (فتح الملہم ص ۲۰۷ ج ۴) بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس ارشادِ گرامی سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں نام یعنی عبداللہ، عبدالرحمٰن انبیاء کرام کے ناموں کے بعد سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں، اس اعتبار سے کہا جائے گا کہ یہ دونوں نام اسم محمد سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہیں، بلکہ پسندیدگی میں ان دونوں کا درجہ یا تو اسم محمد کے درجہ سے کم ہے یا برابر ہے۔ (مظاہر حق)

### حدیث نمبر ۱۶۰۰ ﴿چند ممنوع ناموں کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۵۳

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَمِّيَنَّ غُلَامَكَ يَسَارًا وَلَا رَبَاحًا وَلَا نَجِيْحًا وَلَا اَفْلَحَ فَاِنَّكَ تَقُوْلُ اَثَمَّ هُوَ فَلَا يَكُوْنُ فَيَقُوْلُ لَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ لَا تُسَمِّ غُلَامَكَ رَبَاحًا وَلَا يَسَارًا وَلَا اَفْلَحَ وَلَا نَافِعًا.

**حواله:** مسلم ص ۲۰۶ ج ۲، باب کراهة التسمیة بالاسماء القبیحة، کتاب الآداب، حدیث ۲۱۳۷

**حل لغات:** یسار آسانی و سہولت، آسودگی، خوش حالی، بایاں، یمین کی ضد، (ج) یُسُرٌ ویُسْرٌ، رباح فائدہ، نفع رَبِحَ (س)

رِبْحًا ورَبَاحًا کاروبار کا نفع بخش ہونا، نجیح کامیاب، نَجَحَ (ف) نَجْحًا، کامیاب ہونا، افلح زیادہ کامیاب، فَلَحَ (ف) فَلَاحًا مقصد میں کامیاب ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے لڑکے کا نام یسار، رباح، نجیح اور افلح نہ رکھا کرو، کیوں کہ تم پوچھو گے فلاں ہے، وہ نہ ہوا تو جواب دینے والا کہے گا کہ نہیں ہے۔ (مسلم) اور اسی طرح ایک روایت میں فرمایا اپنے لڑکے کا نام رباح، یسار، افلح اور نافع نہ رکھا کرو۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بعض نام رکھنا مناسب نہیں ہیں، حدیث میں چند ایسے ناموں کا بطور مثال ذکر ہے، مثلاً اگر کسی شخص کا نام یسار ہے اب کسی وقت گھر والوں سے پوچھا گیا کہ یہاں یسار ہے، گھر والوں نے جواب دیا کہ گھر میں یسار نہیں ہے، تو اگرچہ اس صورت میں متعین ذات مراد ہوگی، مگر لفظِ یسار کے حقیقی معنی کے اعتبار سے مفہوم یہ ہوگا کہ گھر میں فراخی و تونگری نہیں ہے اور اس طرح کہنا برائی کی بات ہے، اس پر دوسرے مذکورہ الفاظ کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کے نام رکھنا مکروہِ تنزیہی ہے، مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تسمین غلامك يسارا جس طرح آپؐ نے برے نام رکھنے سے منع فرمایا ہے، اسی طرح آپؐ نے بعض اچھے نام رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ جیسے یسار، رباح، نافع وغیرہ اور اس کی مصلحت بھی آپؐ نے بیان فرمائی ہے کہ بعض اوقات ان ناموں میں نیک فالی کی نفی ہو جاتی ہے۔ جیسے یسار (آسانی، فراخی)، رباح (نفع، فائدہ)، نجیح (فتح مندی)، افلح (کامیابی)، نافع (نفع بخش)۔ اب اگر ان کی نفی کی گئی تو یہ نیک فالی کی نفی ہوگی، جو کہ مناسب نہیں ہے۔ خلاصہ حدیث میں مثال دے کر سمجھایا گیا ہے۔

**تعارض:** اس حدیث اور اگلی حدیث میں بظاہر تعارض ہے۔ کیوں کہ اگلی حدیث سے سمجھ میں آتا ہے کہ ان ناموں کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے آپؐ نے ممانعت کا ارادہ فرمایا تھا، مگر آپؐ نے وفات تک ان ناموں سے روکا نہیں، اور اس حدیث میں صراحتاً ممانعت وارد ہے۔

**دفع تعارض:** اس تعارض کا حل یہ ہے کہ روایت میں نہی شرعی نہیں ہے، بلکہ ارشادی ہے، یعنی شرعاً یہ نام ناجائز نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ یہ نام نہ رکھے جائیں، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک مشورہ دیا ہے، اور اُن کو بھلائی کی بات بتائی ہے، اور یہ توجیہ اس لئے ضروری ہے کہ صحابہ کرامؓ کثرت سے یہ نام رکھتے تھے، اگر ناجائز ہوتے تو کیوں رکھتے؟ (تحفۃ الالمعی) مزید کے لئے اگلی حدیث دیکھیں۔

### حدیث نمبر ۱۶۰۱ ﴿ناپسندیدہ نام﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٥٤

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْهٰى عَنْ يُّسَمّٰى بِيَعْلٰى وَبِبَرَكَةَ وَبِاَفْلَحَ وَبِيَسَارٍ وَبِنَافِعٍ وَبِنَحْوِ ذٰلِكَ ثُمَّ رَاَيْتُهٗ سَكَتَ بَعْدُ عَنْهَا ثُمَّ قُبِضَ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ ذٰلِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حواله:** مسلم، ص۲۰۷ ج۲، باب کراهة التسمية بالاسماء القبيحة، کتاب الاداب، حديث ۲۱۳۸

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ یعلی، برکت، افلح، یسار اور نافع وغیرہ نام رکھنے سے منع کر دیا جائے، پھر میں نے آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ نے ممانعت سے خاموشی اختیار کی۔ اور پھر آپ کی وفات ہوگئی، لیکن آپؐ نے ان ناموں سے روکا نہیں۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پہلے آپؐ نے اِن ناموں کو تحریم کے طور پر منع کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن پھر اس طرح کی ممانعت نہیں فرمائی، ہاں تنزیہی طور پر ممانعت ہے، یعنی یہ نام رکھنا خلاف اولیٰ ہے، لیکن ناجائز اور حرام

نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ینھی عن ان یسمی اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا طرح کے نام رکھنے کی ممانعت نافذ نہیں ہوئی ہے جب کہ پچھلی حدیث ممانعت کے نفاذ پر واضح طور سے دلالت کرتی ہے، اس تضاد کو دور کرنے کے لئے یحییٰ کہتے ہیں کہ گویا حضرت جابرؓ نے ممانعت کی علامتوں کو دیکھا اور وہ چیز سنی جو ممانعت کی طرف اشارہ کرتی تھی، چونکہ انھوں نے ممانعت کا حکم صریح طور سے نہیں سنا تھا اس لئے اس مسئلہ کو انھوں نے مذکورہ اسلوب میں بیان کیا، لیکن یہ ممانعت چونکہ حدیث صحیحہ سے ثابت ہوتی ہے اس لئے یہی کہا جائے گا کہ ممانعت ثابت ہے۔ علاوہ ازیں ملاعلی قاریؒ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس تضاد کو دور کرنے کے لئے ایک اور تاویل ہے، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کا تعلق دراصل اس ممانعت کو نہی تحریمی کے طور پر نافذ کرنے سے تھا، لیکن اس کے بعد آپ نے امت کے حق میں آسانی و نرمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے سکوت فرمایا، کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ ناموں کا مسئلہ ایسا ہے جس کی طرف لوگ زیادہ توجہ نہیں دیں گے اور اچھے و برے ناموں میں فرق و امتیاز کرنے کے پابند نہیں ہوں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے امت کے لوگ دینی نقصان میں مبتلا ہوں گے، لہٰذا کہا جائے گا کہ جس روایت سے ممانعت کا عدم نفاذ ثابت ہوتا ہے اس کا تعلق نہی تحریمی سے ہے اور جس روایت سے ممانعت کا نفاذ ثابت ہوتا ہے، اس کا تعلق نہی تنزیہی سے ہے اور حقیقت میں مسئلہ بھی یہی ہے کہ مذکورہ طرح کے نام رکھنا مکروہ تنزیہی ہے مکروہ تحریمی نہیں۔

**حدیث نمبر ۱۶۰۲ ﴿شہنشاہ لقب اختیار کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٥٥**

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخْنَى الْاَسْمَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ یُسَمَّى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ رِوَایَةِ مُسْلِمٍ قَالَ اَغْیَظُ رَجُلٍ عَلَى اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَخْبَثُهٗ رَجُلٌ كَانَ یُسَمَّى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ لَا مَلِكَ اِلَّا اللّٰهُ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۱٦ ج ۲، باب ابغض الاسماء الی اللہ تعالیٰ، کتاب الادب، حدیث ٦٢٠٦

**حل لغات:** اخنی سب سے زیادہ قبیح اور برا، خنا (ن) فُلَانٌ خَنْوًا بدزبانی کرنا، بے ہودہ بات کرنا، اغیظ سب سے زیادہ غصہ دلانے والا غَاظَهٗ (ض) غَیْظًا سخت ناراض کرنا، بہت غصہ دلانا، اخبث سب سے زیادہ بدطینت، خَبُثَ (ك) خُبْثًا پلید و ناپاک ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا نام سب سے برا ہوگا، جس کا نام شہنشاہ رکھا گیا ہو، اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض اور سب سے زیادہ خبیث وہ شخص ہوگا جس کا نام شہنشاہ رکھا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حقیقی بادشاہ اللہ کی ذات ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بادشاہ نہیں ہے، لیکن مجازی طور پر ملکوں کے حکمرانوں کو بادشاہ کہہ دیا جاتا ہے، لیکن بادشاہوں کا بادشاہ جس کو عرف میں شہنشاہ کہتے ہیں، اس کا کسی انسان پر اطلاق بالکل درست نہیں اور جو اس لقب کو اپنے لئے تجویز کرے گا وہ قیامت کے دن سخت عذاب کا شکار ہوگا۔ یہ وصف ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے، مخلوق کو اس میں شریک کرنا حرام ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اخنی الاسماء یوم القیامۃ بادشاہوں کا بادشاہ بے ہودہ نام ہے۔ دین کی بنیادی تعلیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور ان کے برابر کسی کو نہ گردانا ہے اور کسی چیز کی تعظیم اور اس کے نام کی تعظیم میں چولی دامن

کا ساتھ ہے، محترم چیز کا نام بھی احترام سے لیا جاتا ہے اور نام کا احترام ذات کے احترام کا سبب بن جاتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام کسی کو نہ دیا جائے، خاص طور پر وہ جو انتہائی تعظیم پر دلالت کرتا ہے، یعنی کسی کو بادشاہوں کا بادشاہ نہ کہا جائے، ورنہ وہ نام بادشاہ کی تقدیس تک پہنچا دیگا اور وہ خدا بن جائیگا۔ (تحفۃ الالمعی) ملك الاملاك سفیان بن عیینہؒ نے اس کی تفسیر "شاہان شاہ" سے کی ہے، چونکہ عجمیوں اور خاص کر فارسی بولنے والے علاقوں میں اس نام کا رواج تھا، لہٰذا سفیان بن عیینہؒ نے اسکی تفسیر کر کے بتا دیا کہ صرف عربی زبان کیلئے یہ ممانعت نہیں؛ بلکہ دوسری زبانوں میں بھی اس مفہوم کا نام اگر رکھا جائیگا تو وہ بھی اس ممانعت میں داخل ہے۔ (فتح الباری)

**حدیث نمبر ۱۶۰۳ ﴿جس سے اپنی تعریف ہو وہ نام نہ رکھا جائے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٥٦**

وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِىْ سَلَمَةَ قَالَ سُمِّيَتْ بَرَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ سَمُّوْهَا زَيْنَبَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص۲۰۸ ج۲، باب استحباب تغییر الاسم القبیح، کتاب الآداب، حدیث ۲۱۳۹

**حل لغات:** بَرَّۃ (علم) نیکی احسان، بَرَّ (ض) بِرًّا نیک ہونا، لا تزکوا، زَكّٰى الشيءَ نیک بنانا (تفعیل) نفسهٗ خودستائی کرنا اپنی تعریف کرنا، اپنے کو پاک صاف بتانا، زینب ایک حسین مہک دار پودا، اسی مناسبت سے عورت کا نام رکھا جاتا ہے۔

**ترجمہ:** حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میرا نام برہ رکھا گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نفس کی تعریف مت کرو، تم میں سے جو نیک ہے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ اس کا زینب نام رکھو۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایسا نام نہیں رکھنا چاہئے جس کے معنی میں نام والے کی تعریف کا پہلو ہو، اس لئے کہ اس سے تعلّی و تکبر پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** سمیت برة ایسا نام نہیں رکھنا چاہئے جس کے معنی خراب ہوں، یا جس میں تزکیہ و تعریف نمایاں ہوتی ہو، زینب کا نام برہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زینب رکھا، کیوں کہ برہ میں خود اپنی نیکی کا اظہار ہوتا ہے، برہ کے معنی ہیں، نیک و پارسا، اس زینب سے وہ حضرت زینب مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ تھیں اور حضرت ام سلمہؓ کی صاحبزادی تھیں، ام المومنین حضرت جویریہؓ کا نام بھی برہ تھا، آپؐ نے نام تبدیل کر کے جویریہ رکھا، کیوں کہ آپؐ کو پسند نہیں تھا کہ کہا جائے آپؐ برہ کے پاس سے نکلے۔ (کشف الباری) مزید تفصیل اگلی حدیث میں دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۱۶۰٤ ﴿آپ کا نام تبدیل فرمانا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٥٧**

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ جُوَيْرِيَةُ اِسْمُهَا بَرَّةَ فَحَوَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَهَا جُوَيْرِيَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ اَنْ يُقَالَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ بَرَّةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص۲۰۸ ج۲، باب استحباب تغییر الاسم القبیح، کتاب الادب، حدیث ٤١٤٠

**حل لغات:** جویریۃ آپؐ کی بیوی کا نام ہے، حَوَّلَ (تفعیل) الشیءَ بدلنا ایک حالت یا صفت سے دوسری حالت یا صفت میں لے آنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت جویریہؓ کا نام برہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ نام بدل کر جویریہ رکھ دیا۔ کیوں کہ آپؐ کو یہ پسند نہیں تھا کہ کوئی شخص یوں کہے کہ آپؐ برہ کے پاس سے نکلے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ کی بیوی حضرت جویریہؓ کا نام برہ تھا۔ آپؐ نے بدل کر جویریہ رکھا، ان کے علاوہ بھی کچھ عورتوں کا نام برہ تھا، آپؐ نے بدل دیا۔ معلوم ہوا کہ اگر نام کسی وجہ سے نامناسب ہے تو بدل دینا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کانت جویریة اسمها برة 'برۃ' کے معنی نیکوکار کے ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے اس لفظ کے اصل معنی کے اعتبار سے اس کو پسند نہیں کیا، کہ جب برہ کے گھر سے نکلیں تو یوں کہا جائے کہ آپ ﷺ برہ یعنی نیکوکار کے پاس سے نکلے، کیوں کہ نیکوکار کے پاس سے نکلنا کوئی اچھی بات نہیں سمجھی جاتی 'وکان یکرہ... الخ' کے بارے میں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے، لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ اپنی مذکورہ ناپسندیدگی کے بارے میں خود آپ ﷺ نے اپنے متعلق ان الفاظ کے ذریعہ خبر دی ہوگی۔ واضح رہے کہ اس حدیث میں 'برۃ' یا اس طرح کا کوئی اور نام رکھنے کی ممانعت کا سبب مذکورہ ناپسندیدگی کو قرار دیا گیا ہے، جب کہ حضرت زینبؓ کے بارے میں اس ممانعت کا سبب تزکیۂ نفس یعنی نفس کی تعریف کو قرار دیا گیا ہے، لیکن ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیوں کہ اسباب کے درمیان کوئی مزاحمت نہیں ہوا کرتی ایک چیز کے دو مختلف سبب ہو سکتے ہیں، چنانچہ جن دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ دونوں مذکورہ ممانعت کا سبب بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں ہوسکتا ہے کہ زینبؓ کے خاندان وقبیلہ کے لوگوں سے معلوم کرنے کے بعد یہ واضح ہوا ہو کہ انھوں زینبؓ کا نام 'برۃ' واقعتہً ان کے نفس کی تعریف اور مدح وثنا کے قصد سے رکھا تھا، جب کہ حضرت جویریہؓ کے سلسلہ میں یہ بات نہیں تھی، اس لئے زینبؓ کے حق میں ممانعت کا سبب تزکیۂ نفس کو قرار دیا اور جویریہؓ کے حق میں اس ممانعت کا سبب آپ ﷺ نے برہ کے پاس سے نکلے کہے جانے کی ناپسندیدگی کو قرار دیا۔ اور یہ بات تھی بھی کہ ازواجِ مطہرات کے پاس آپ ﷺ کے جانے آنے کے بارے میں عام طور سے اسی طرح کہا جاتا تھا کہ آپ فلاں زوجہ مطہرہؓ کے پاس تشریف لے گئے ہیں، یا آپ فلاں زوجہ مطہرہؓ کے یہاں سے نکلے ہیں۔ نیز اس احتمال کو بھی ملحوظ رکھا جاسکتا ہے کہ جس طرح 'یسار' اور 'نجیح' وغیرہ جیسے ناموں کی ممانعت کے سلسلے میں بدفالی کا اعتبار کیا گیا ہے، اسی طرح 'برۃ' کے سلسلہ میں بھی اس کا اعتبار ہو، اور جس طرح برہ کے سلسلے میں تزکیہ وکراہت کا اعتبار کیا گیا ہے، اسی طرح یسار اور نجیح وغیرہ کے سلسلے میں بھی اس کا اعتبار ہو۔ (مظاہر حق)

## حدیث نمبر ۱۶۰۵ ﴿برا نام بدل دینا بہتر ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٥٨

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ بِنْتًا كَانَتْ لِعُمَرَ يُقَالُ لَهَا عَاصِيَةُ فَسَمَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيْلَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

**حوالہ:** مسلم، ص۲۰۸ ج۲، باب استحباب تغییر الاسم القبیح، کتاب الآداب، حدیث ۲۱۳۹

**حل لغات:** عاصية نافرمانی کرنے والی، اسم فاعل، عَصَىٰ (ض) عصیانًا نافرمانی کرنا، حکم کے خلاف ورزی کرنا، جميلة واحد ہے جمع ہے جمائل خوبصورت خوش اخلاق۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی ایک بیٹی تھیں، جن کو 'عاصیہ' (گنہ گار) کہا جاتا تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام جمیلہ رکھا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** عرب کے لوگ زمانۂ جاہلیت میں عاصی، عاصیہ، ظالم وغیرہ نام رکھتے تھے، مقصد اپنی بڑائی کا اظہار ہوتا، کہ ہم کسی سے دبنے اور کسی کے آگے جھکنے والے نہیں ہیں، اور نہ ہم کسی کی بات ماننے والے ہیں۔ اسلام نے آکر ایسے ناموں کی ممانعت کی، اور آپ ﷺ نے اس طرح کے نام تبدیل فرمائے۔ (بذل المجہود)

**کلمات حدیث کی تشریح** يقال لها عاصية فسمّها رسول الله صلى الله عليه وسلم جميلة اولاد کے باپ پر تین حقوق ہیں۔ (۱) نیک عورت سے شادی کرنا، تاکہ اس کی کوکھ سے نیک اولاد پیدا ہو، کیوں کہ ماں کے صلاح وفساد کا اولاد پر اثر پڑتا ہے۔ (۲) اولاد پیدا ہو تو اس کا اچھا نام رکھنا، کیوں کہ حدیث میں ہے کہ ہر نام کا حصہ ہے یعنی جیسا نام ہوگا ویسا مسمّی ہوگا۔ عاقل نام ہوگا اور اس کو بار بار اس نام سے پکارا جائے گا تو اس میں عقلمندی پیدا ہوگی، اور اگر بدھو نام رکھا جائے گا اور

اس کو بار باراس نام سے پکارا جائے گا تو وہ ناسمجھ بن جائے گا۔ (۳) اولاد کی اچھی تربیت کرنا، حدیث میں ہے کہ کسی باپ نے اچھی تربیت سے بہتر اولاد کو کوئی ہدیہ نہیں دیا۔ یعنی اولاد کے لئے مال چھوڑنے سے بہتر یہ ہے کہ اُن کی دینی تربیت پر مال خرچ کیا جائے۔ اس سے بہتر اولاد کے لئے کوئی ہدیہ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی بچے کا برا نام چل پڑے تو اس کو روکنا چاہئے، جیسے گڈو پپو وغیرہ، اسی طرح اگر کسی وجہ سے نامناسب نام رکھ دیا تو علم ہونے پر اس کو بدل دینا چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکی جس کا نام عاصیہ تھا اس کو بدل کر جمیلہ کر دیا تھا، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپؐ ہر برے نام کو بدل دیا کرتے تھے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۱۶۰۶ ﴿نام بدل کر منذر نام رکھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۵۹

وَعَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ اُتِيَ بِالْمُنْذِرِ ابْنِ اَبِيْ اُسَيْدٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وُلِدَ فَوَضَعَهُ عَلٰى فَخِذِهٖ فَقَالَ مَااسْمُهُ قَالَ فُلَانٌ قَالَ لَا لٰكِنِ اسْمُهُ الْمُنْذِرُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۱٤ ج۲، باب تحویل الاسم، کتاب الادب، حدیث ۶۱۹۱، مسلم، ص ۲۱۰ ج۲، باب استحباب تحنیك المولود، کتاب الآداب، حدیث ۲۱٤۹

**حل لغات:** فَخِذ ران (ج) اَفْخَاذٌ، المنذر ڈرانے والا اسم فاعل، اَنْذَرَهُ الشَّیْءَ، (افعال) کسی کو کوئی بات بتا کر چوکانا اور ڈرانا، آگاہ کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ جب منذر ابن ابی اسید پیدا ہوئے تو ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، آپؐ نے ان کو اپنی رانِ مبارک پر رکھا اور پوچھا کہ اس کا کیا نام ہے، لانے والے نے بتایا کہ فلاں نام ہے، آپؐ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ اس کا نام منذر ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** ابواسید کے بیٹے آپ کی خدمت میں لائے گئے، ضرور ان کا نام بہتر نہ ہوگا، اس لئے آپؐ نے نام تبدیل کر دیا، راوی کو بھی ان کا سابقہ نام یاد نہ ہوگا اس لئے ذکر نہیں کیا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اسمه المنذر منذر کے معنی عذابِ خداوندی سے ڈرانے والا، آپؐ نے نیک فال لیتے ہوئے یہ نام رکھا، یعنی یہ بچہ علم سیکھ کر لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائے گا اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ بہتر انداز میں انجام دے گا۔ قرآنِ کریم کی سورۂ توبہ میں ہے 'فلولا نفر من کل فرقۃ منهم طائفة لیتفقهو فی الدین ولینذروا قومهم' (فتح الملہم، ص۲۲۴ ج۴)

## حدیث نمبر ۱۶۰۷ ﴿غلام کو عبدی کہہ کر پکارنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۶۰

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَاَمَتِيْ كُلُّكُمْ عَبِيْدُاللّٰهِ وَكُلُّ نِسَائِكُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِيْ وَجَارِيَتِيْ وَفَتَايَ وَفَتَاتِيْ وَلَا يَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّيْ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ سَيِّدِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِيَقُلْ سَيِّدِيْ وَمَوْلَايَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَقُلِ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهٖ مَوْلَايَ فَاِنَّ مَوْلَاكُمُ اللّٰهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۳۸ ج۲، باب حکم اطلاق لفظة العبد، کتاب الالفاظ من الادب، حدیث ۲۲٤۹

**حل لغات:** اَمَاءُ اللّٰہ اللہ کی بندیاں، اِمَاءٌ جمع ہے واحد الاَمَۃُ ہے باندی بندی، فتای نوجوان (ج) فِتْیَانٌ، فتاۃ جوان لڑکی (ج) فَتَیَاتٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوھریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص غلام کو میرا بندہ اور میری بندی نہ کہے، کیوں کہ تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں، لیکن میرا خادم اور میری لونڈی یا میرا نوکر کہہ کر پکارا

کرو، اور غلام اپنے آقا کو میرا رب نہ کہے بلکہ میرے آقا کہے اور دوسری روایت میں ہے کہ میرے آقا و میرے مولیٰ کہے، اور ایک روایت میں ہے کہ غلام اپنے آقا کو میرے مولیٰ نہ کہے اس لئے کہ تمہارا مولیٰ تو اللہ ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ غلام کے ساتھ تکبر سے پیش آنا اور اس کی توہین کرنا منع ہے، لہٰذا غلام کو عبدی میرا غلام اور باندی کو امتی میری باندی کہہ کر پکارنا ناپسندیدہ ہے، اگر چہ جائز ہے لیکن کراہت تنزیہی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ عبدی اور امتی نہ کہو، ہاں نوکر وغیرہ کہہ کر پکارلو، کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک طرح سے ترفع ہے اور یہ تکبر کا باعث ہے، البتہ بعض آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ یہ ممنوع تو ہے، لیکن ممانعت تحریمی نہیں، تنزیہی ہے، اور عبد اور امۃ کہنا بھی جائز ہے اور مولیٰ کو سید کہنا بھی جائز ہے، البتہ مولیٰ کو رب کہنے سے منع کیا گیا ہے کہ مولیٰ کے لئے رب کا لفظ استعمال نہ کرو، لیکن قرآن کریم نے رب کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، سورۂ یوسف میں ہے اذکرنی عند ربك معلوم ہوا کہ فی نفسہ یہ بھی جائز ہے، لیکن پسندیدہ نہیں ہے اور یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (انعام الباری، ج ۷)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا یقولن احدکم عبدی و امتی غلام اور باندی کو عبد اور امۃ کے وصف سے متصف کر کے مت پکارو، کیوں کہ اگر کسی کی بندگی ہے تو اللہ کی ہے، سب کے سب اللہ کے بندے ہیں اور اس لفظ میں مخلوق کی اس تعظیم کا گمان ہوتا ہے جو کسی مخلوق کے لائق نہیں ہے۔ خطابیؒ کہتے ہیں کہ اس ممانعت کا مقصد تواضع پیدا کرنا اور تحقیر سے بچانا ہے۔ علماء کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'والصالحین من عبادکم وامائکم' اسی طرح فرمایا 'عبدا مملوکا' اللہ تعالیٰ نے خود غلام پر 'عبد' کے لفظ کا اطلاق فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ حدیث کا مقصد حسن ادب اور تواضع وغیرہ کی تعلیم دینا ہے۔ ولا یقل العبد غلام اپنے آقا کو 'ربی' کہہ کر نہ پکارے۔ یعنی اپنے مالک کو صفت ربوبیت کے ساتھ متصف کر کے نہ پکارے۔ اس لئے کہ ربوبیت اللہ تعالیٰ کی صفت، جس میں اس کے علاوہ کی شرکت نہیں ہے۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ جس طرح اللہ کے سوا کسی کو 'الٰہ' کہنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اللہ کے علاوہ کسی کو رب کہنا بھی جائز نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو رب مخصوص ہے وہ بغیر کسی اضافت کے ہے، اضافت کے ساتھ دوسروں پر اس کے اطلاق کی اجازت ہے۔ مثلاً گھر کے مالک کو 'رب الدار' اور صاحب مال کو 'رب المال' کہنا درست ہے۔ اسی طرح اضافت کے ساتھ یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو نقل کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد رب ہے 'اذکرنی عند ربك' اسی طرح ہے 'ارجع الی ربك'، 'فانساه الشیطن ذکر ربه' اسی طرح آپؐ کا فرمان ہے کہ 'ان تلد الامة ربها' یہ سب ارشادات دلالت کرتے ہیں کہ حدیث باب میں جو نہی ہے وہ نہی تنزیہی ہے۔ اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔ ولکن لیقل سیدی غیر اللہ کو 'سیدی' میرا سردار کہنے کی صاف صراحت کے ساتھ اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی اس کے جواز کو بتا رہا ہے 'والفیا سیدها لدی الباب' آپؐ کا فرمان حضرت سعد بن معاذؓ کے بارے میں ہے 'قوموا الی سیدکم' اور سعد بن عبادہؓ کے بارے میں ہے 'اسمعوا ما یقول سیدکم' اور حضرت حسن بن علیؓ کے بارے میں ہے 'ان ابنی هذا سید' یہ نصوص بتا رہے ہیں کہ غیر اللہ کے لئے سید کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی اجازت ہے پر صراحتاً دلالت کر رہے ہیں۔ البتہ ابوداؤد میں ایک روایت ہے کہ مطرف بن عبداللہ الشخیر کہتے ہیں کہ میرے والد نے کہا کہ ایک مرتبہ میں وفد بنو عامر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے آپؐ کے حق میں 'انت سیدنا' وغیرہ کے تعظیمی الفاظ کہے، تو آپؐ نے فرمایا کہ 'السید اللّٰه تبارك و تعالیٰ' کہ اصل سیادت تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے، اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ ساری باتیں مت کہو، یعنی مناقب بیان کرنے میں مبالغہ مت کرو تاکہ شیطان تم کو جری نہ کر سکے، یعنی مخلوق کی ناجائز تعظیم تک شیطان نہ پہنچا سکے۔ اس

حدیث سے اہل ظاہر نے استدلال کیا ہے کہ غیر اللہ کے لئے سید کا اطلاق درست نہیں ہے۔لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے، اس لئے کہ آپؐ نے اس لفظ کو اپنی ذات کے لئے استعمال کرنے سے روکا ہے اپنے علاوہ کے لئے نہیں روکا ہے، پھر آپ کا اصل منشا اس ممانعت سے مبالغہ کے ساتھ مدح وتعریف سے روکنا ہے، یہی وجہ ہے کہ صرف لفظ سید سے آپؐ نے نہیں روکا بلکہ آگے جو تعریف کی اس سے بھی روکا، یہاں آپ کا مقصد قطعاً یہ نہیں ہے کہ لفظ سید اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، یہ لفظ قرآن میں اس طور پر کہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے آیا بھی نہیں ہے، بلکہ حدیث باب سے یہ بتانا ہے کہ سیادت تامہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ کچھ سیادت اللہ کے علاوہ کے لئے بھی ہو، جیسے اصل کامل ومکمل حکومت، سلطنت، بادشاہت اللہ کے لئے ہے، لیکن اس کے باوجود الملک، الحاکم اور السلطان وغیرہ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کے لءبھی استعمال ہوتے ہیں اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ولا یقل العبد لسیدہ مولای غلام اپنے آقا کو میرے مولیٰ نہ کہے۔ یہ روایت یہاں موجود دوسری روایت کے معارض ہے، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے غلام سے کہا کہ اپنے آقا کو میرے مولیٰ کہو، اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس لفظ کے استعمال سے منع فرمایا ہے، یہ تو تعارض ہے۔ محدثین نے جواز کی روایت کو ترجیح دی ہے اور جواز کی روایت کو اصح قرار دیا ہے اور دیگر بہت سے دلائل سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لفظ مولیٰ کا استعمال جائز ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے 'وھو کل علی مولہ، فان اللہ ھو مولاہ وجبرئیل و صالح المؤمنین' اور بے شک مولیٰ کے بہت سے معانی ہیں، لہٰذا غیر اللہ کے لئے اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ہمارے یہاں علماء اور مشائخ کو 'مولانا' کہا جاتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بعض لوگ حدیث باب سے استدلال کر کے اس کو ناجائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، اُن کی کوشش غلط ہے اور ان کا اعتراض بے محل ہے۔(تکملہ فتح الملہم ص ۴۱۵ تا ۴۱۷ ج ۴)

**حدیث نمبر ۱۶۰۸ ﴿انگور کو کرم کہنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۶۱-۴۷۶۲**

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوا الْكَرْمَ فَإِنَّ الْكَرْمَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ وَّائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ لَا تَقُوْلُوا الْكَرْمَ وَلٰكِنْ قُوْلُوا الْعِنَبَ وَالْحَبَلَةَ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۳۷ ج ۲، باب کراھیة تسمیة العنب کرما، کتاب الالفاظ من الادب، حدیث ۲۲۴۷

**حل لغات:** الکرم انگور کی بیل انگور، (ج) کُرُوْمٌ، انبت الْکَرْمُ شراب۔ العنب انگور (ج) اَعْنَابٌ، الحبلة انگور کی بیل، انگور کی بیل کی شاخ (ج) حَبَلٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (انگور کے درخت کو) کرم مت کہو، اس لئے کہ کرم تو مومن کا دل ہے۔ (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت وائل بن حجرؓ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ انگور کے درخت کو کرم نہ کہو، بلکہ عنب اور 'حبلہ' کہو۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ 'انگور' کو عنب یا حبلہ کہو، یا اس کے جو دوسرے نام ہیں وہ لیا کرو، لیکن اس کو 'کرم' نہ کہا کرو، اس ممانعت کا ایک پس منظر ہے، اور وہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب انگور کو کرم کہا کرتے تھے، کیوں کہ انگور سے شراب بنتی تھی، اور اُن کا کہنا تھا کہ اس شراب کے پینے سے آدمی میں سخاوت وہمت اور جود وکرم کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ جب شریعت نے شراب کو حرام کر دیا اور وہ ایک نجس وناپاک چیز قرار پائی تو آپؐ نے انگور کو کرم کہنے سے منع فرمایا، کیوں کہ ایک ایسی چیز کو کرم وخیر کے ساتھ متصف کرنا جو شراب جیسی ناپاک چیز کی جڑ ہے، مناسب نہیں سمجھا گیا جب کہ انگور کو اتنے عمدہ

نام سے یاد کرنے کا مطلب ایک حرام چیز کی تعریف وتوصیف کا راستہ اختیار کرنا اور اس کی طرف دل ودماغ کو رغبت دلانا بھی ہوسکتا ہے، نیز آپؐ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ 'کرم' ایک ایسا اعلیٰ لفظ ہے جو اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے تمام بھلائیوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس اعتبار سے اس لفظ کا مصداق مومن اور اس کا قلب ہی ہوسکتا ہے، جو علم وتقویٰ کے نور کا مخزن اور اسرار ومعارف کا منبع ہے۔(مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تقولوا الکرم ابن قیمؒ فرماتے ہیں 'کرم' کے معنی ہیں، کثیر الخیر والمنافع، عرب کے لوگ انگور کے کثرت فوائد کی بنا پر اس کی بیل کو کرم کہتے تھے نام کی خوبی کی وجہ سے لوگ انگور کی بنی شراب کی طرف مائل نہ ہوں، اس لئے اس خوبصورت نام کے ساتھ انگور کو متصف کرنے ہی سے آپؐ نے منع کر دیا۔ فان الکرم قلب المؤمن قلبِ مومن کے لئے کرم کا لفظ بہت موزوں ہے، اس لئے کہ اس میں ایمان، یقین، تقویٰ اور خشیت الٰہی جیسی چیزیں بسی ہوئی ہیں۔

**حدیث نمبر ۱۶۰۹ ﴿زمانے کو برا کہنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٦٣**

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْكَرْمَ وَلَا تَقُوْلُوْا يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۱۳ ج ۲، باب لا تسبوا الدهر، کتاب الادب، حدیث ٦١٨٢

**حل لغات:** یاخیبة الدھر ہائے زمانے کی خرابی، خَابَ (ض) خیبۃً محروم رہنا، محروم کیا جانا، الدھر زمانہ دراز (ج) اَدْھُرٌ وَدُھُوْرٌ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انگور کو کرم مت کہو، اور زمانے کو برا مت کہو، کیوں کہ زمانہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔(بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ انگور کو کرم نہ کہو، کیوں کہ اس اچھے نام سے انگور سے بنی شراب کی محبت پیدا ہونے کا امکان ہے، اسی طرح کسی مصیبت یا پریشانی کی وجہ سے زمانے کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا کر اس کو برا بھلا کہنا بھی جائز نہیں ہے، اگر کوئی شخص زمانے کو برا بھلا کہتا تو اس سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تسموا العنب الکرم اس جز کی وضاحت کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔ لا تقولوا یا خیبۃ الدھر زمانے کو برا بھلا مت کہو۔ زمانے کو برا بھلا کہنے کی بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ زمانہ بڑا خراب ہے زمانہ منحوس ہے حدیث میں زمانہ کو برا بھلا کہنے سے منع کیا گیا اللہ نے فرمایا انا الدھر یہاں مضاف محذوف ہے ای انا مصرف الدھر یا انا مقلب الدھر یا انا خالق الدھر (۱۱) یعنی زمانے کو گالی مت دو کیوں کہ زمانے میں جتنے انقلابات تبدیلیاں اور حوادث وواقعات پیش آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور مرضی ہی سے رونما ہوتے ہیں چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے لا تسبوا الدھر فان اللّٰہ قال: انا الدھر، الایام واللیالی الی اجددھا وابلیھا واتی بملوك بعد ملوك یعنی زمانے کو گالی نہ دو کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں ہی زمانے میں تصرف کرنے والا ہوں، شب و روز کی گردش میری قدرت میں ہے میں ہی انھیں تازہ اور پرانا کرتا رہتا ہوں اور میں ہی بادشاہوں کو تبدیل کرتا ہوں۔

امام بخاریؒ نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں اگر چہ صراحتاً سبِ دھر سے منع نہیں کیا گیا، تاہم مسلم کی روایت میں لا تسبوا کی تصریح ہے۔ درحقیقت اس حدیث میں دھریہ پر رد کیا گیا ہے کیونکہ وہ ہر کام اور ہر واقعے کی نسبت زمانہ کی طرف کرتے ہیں زمانہ کو خالق واقعات سمجھ کر واقعات وحوادث کی اس کی طرف نسبت کرنا تو بالاتفاق کفر باطل وحرام ہے البتہ اگر کوئی خالق نہیں سمجھتا بلکہ زمانے کی طرف

ان حوادث کی اس لئے نسبت کرتا ہے کہ زمانہ ان کا ظرف ہے تو اس طرح نسبت کرنا حرام نہیں البتہ مکروہ ہے۔مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے فیض الباری میں لکھا ہے کہ شیخ اکبر فرمایا کرتے تھے دھر اسمائے حسنٰی میں سے ہے امام رازی نے لکھا ہے کہ ان کے بعض مشائخ نے انھیں یادھر، یا دیھار، یا دیھور کا وظیفہ دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ اللہ کے ناموں میں سے ہے،لیکن قاضی عیاضؒ نے اس کی تردید کی ہے اور کہا کہ یہ غلط ہے،دھر مدت طویلہ کو کہتے ہیں اس کو اسماء اللہ میں شمار کرنا صحیح نہیں۔(کشف الباری)

**حدیث نمبر ۱۶۱۰ ﴿زمانے کو برابھلا کھنے سے اللہ ناراض ھوتا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٦٤**

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسُبُّ اَحَدُكُمُ الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حواله:** مسلم، ص۲۳۷ ج۲، باب کراهية تسمية العنب کرماً، کتاب الالفاظ من الادب، حديث ۲۲٤٧

**حل لغات:** یسب، سَبَّ (ن) سَبًّا گالی دینا، برا کہنا، بے عزتی کرنا۔

**ترجمه:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی زمانے کو برا نہ کہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔(مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زمانہ بذات خود کوئی چیز نہیں ہے، اس میں جو کچھ بھی تصرف ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، لہٰذا زمانے کو برا کہنا اللہ کی شان میں گستاخی ہے اور اللہ کو ناراض کرنے کا ذریعہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا یسب احدکم الدھر آپؐ نے زمانے کو برا کہنے سے منع کیا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کو تکلیف ہوتی ہے، بخاری میں روایت ہے کہ 'یوذینی آدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنھار' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان مجھے بایں طور تکلیف دیتا ہے کہ وہ زمانے کو برا کہتا ہے حالاں کہ زمانہ تو میں ہی ہوں، تمام تصرفات میرے قبضہ میں ہیں اور شب وروز کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔ پہلے والے "الدھر" سے مراد زمانہ ہے اور دوسرے "الدھر" سے مراد مصرف ومدبر یعنی اللہ کی ذات ہے۔(تکملہ فتح الملہم ص ۱۴۱ ج ۴) مزید کیلئے گذشتہ حدیث اور عالمی حدیث ۲۲ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۱۶۱۱ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ٤٧٦٥**

**﴿اپنی ذات کی طرف خباثت کو منسوب کرنے کی ممانعت﴾**

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِيْ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِيْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ يُؤْذِيْنِيْ ابْنُ آدَمَ فِيْ بَابِ الْاِيْمَانِ.

**حواله:** بخاری، ص۹۱۳ ج۲، باب لا يقل خبث نفسي، کتاب الادب حديث ٦١٧٩، مسلم، ص۲۳۸ ج۲، باب کراهة قول الانسان خبث نفسي، کتاب الالفاظ من الادب، حديث ۲۲۵۰

**حل لغات:** لقست، لَقِسَ (س) لَقَسًا نفسُهُ من الشي، کسی چیز سے جی متلانا طبیعت ست ہونا۔

**ترجمه:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہو گیا، بلکہ یوں کہے میرا نفس برا ہوا (بخاری ومسلم) اور ابوہریرہؓ کی روایت 'یوذینی ابن آدم' کتاب الایمان میں ذکر ہو چکی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** حدیث شریف میں خبثت نفسی کہنے سے منع فرمایا ہے جھوٹ، بگاڑ، برائی اور بدکرداری کو خباثت اور اس کے مرتکب کو خبیث کہا جاتا ہے اگر کسی کے مزاج میں کوئی بگاڑ آ گیا یا اس سے کوئی برائی سرزد ہو گئی تو حدیث میں ایک ادب سکھایا گیا کہ ایسے موقع پر خبثت نفسی نہ کہے بلکہ لَقِسَتْ کہے اس کے بھی وہی معنی ہیں لیکن خبثت کے معنی زیادہ شنیع ہیں، ابن

بطالؒ نے فرمایا حدیث میں نہی وجوب کے لئے نہیں۔ بسا اوقات دو لفظ ایک معنی کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن ایک میں شناعت دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے مثلاً آپ کسی کو بیوقوف کہہ دیں تو وہ اس قدر محسوس نہیں کرے گا جتنا اسے گدھا، کہنے کی صورت میں وہ محسوس کرے گا حالانکہ اس کے حق میں بیوقوف اور گدھا دونوں ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں۔ (کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا یقولن احدکم جس وقت آدمی کا جی اندر سے خراب ہو، جی متلا رہا ہو، جیسے قئے سے پہلے کیفیت ہوتی ہے، تو اس وقت میں یوں نہ کہو کہ 'خبثت نفسی' بلکہ اس کے بجائے 'لقست نفسی' کہو، کیوں کہ خبث کا لفظ زیادہ سخت اور شنیع ہے، لہٰذا بلا ضرورت شنیع اور قبیح لفظ استعمال نہ کرنا چاہئے۔ (الدر المنضود)

## الفصل الثانی

### حدیث نمبر ۱۶۱۲ ﴿ناپسندیدہ کنیت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٦٦

عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ لَمَّا وَفَدَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ قَوْمِهٖ سَمِعَهُمْ يُكَنُّوْنَهٗ بِاَبِى الْحَكَمِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَكَمُ وَاِلَيْهِ الْحُكْمُ فَلِمَ تُكْنٰى اَبَا الْحَكَمِ قَالَ اِنَّ قَوْمِىْ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِىْ شَىْءٍ اَتَوْنِىْ فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ فَرَضِىَ كِلَا الْفَرِيْقَيْنِ بِحُكْمِىْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحْسَنَ هٰذَا فَمَا لَكَ مِنَ الْوَلَدِ قَالَ لِىْ شُرَيْحٌ وَمُسْلِمٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ قَالَ فَمَنْ اَكْبَرُهُمْ قَالَ قُلْتُ شُرَيْحٌ قَالَ فَاَنْتَ اَبُوْ شُرَيْحٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِىُّ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٧٧ ج ٢، باب فی تغییر الاسم القبیح، کتاب الادب حدیث ٤٩٥٥، نسائی، ص ٢٥٩ ج ٢ باب اذا حکموا رجلاً کتاب آداب القضاۃ، حدیث ٥٣٨٧

**ترجمہ:** حضرت شریح بن ہانی نے اپنے والد ماجد سے روایت کی ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ وفد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے سنا کہ لوگ ابوالحکم کی کنیت سے پکارتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بلایا اور فرمایا بیشک حکم تو اللہ تعالیٰ ہے اور حکم بھی اس کی طرف سے ہے، لہٰذا تمہاری کنیت ابوالحکم کس وجہ سے ہے؟ عرض کیا کہ میری قوم میں جب کسی بات پر اختلاف ہوتا ہے تو میرے پاس آجاتے ہیں اور میں ان کا فیصلہ کر دیتا ہوں تو میرے فیصلے پر دونوں فریق خوش ہوجاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو بہت اچھی بات ہے، تمہارے لڑکے کتنے ہیں؟ عرض گذار ہوئے شریح، مسلم اور عبداللہ ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ اُن میں بڑا کون ہے؟ عرض کیا کہ شریح، آپؐ نے فرمایا کہ تم ابوشریح ہو۔ (ابوداود، نسائی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک صاحب کی کنیت 'ابوالحکم' تھی آپؐ نے ان کی کنیت تبدیل کردی، کنیت کبھی تو کسی وصف کی طرف نسبت کرکے مقرر کی جاتی ہے جیسے کوئی شخص اپنی کنیت ابوالفضل یا ابوالحکم یا ابوالخیر وغیرہ مقرر کرے، کبھی اولاد کی طرف نسبت کرکے مقرر کی جاتی ہے جیسے ابوسلمہ یا ابوشریح وغیرہ، کبھی کنیت کا تعلق کسی ایسی خاص چیز کی طرف نسبت کرنے سے ہوتا ہے جس کے ساتھ انتہائی اختلاط و ربط ہو جیسے ابوہریرہ، چنانچہ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ کا اصل نام عبداللہ تھا، کہتے ہیں کہ ایک بلی ان کے پاس رہا کرتی تھی ایک دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس بلی کو اپنی آستین میں لیے ہوئے تھے، آپؐ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ بلی۔ آپؐ نے فرمایا کہ 'یا اباھریرہ' بس اس دن سے ان کی کنیت ابوہریرہ مشہور ہوگئی، اور کبھی کنیت محض علمیت کے لئے ہوتی ہے جیسے ابوذر وغیرہ۔ آپؐ نے ابوالحکم کنیت سے منع فرمایا تو آپ کی مراد یہ تھی کہ حقیقی حکم اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور حکم و فیصلہ کی ابتداء و انتہا اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے کہ نہ صرف اس کے کسی حکم و فیصلہ کو

کوئی رد نہیں کرسکتا، بلکہ اس کا حکم و فیصلہ حکمت و دانائی سے خالی نہیں ہوتا، اس اعتبار سے یہ وصف چوں کہ حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور وہی اس صفت کا سزاوار ہے، اس لئے کسی دوسرے کو مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ابوالحکم (یعنی حکم و فیصلہ کا مالک) کہے یا کہلائے، کیوں کہ اس صورت میں اللہ کے وصفِ خاص میں غیر اللہ کے شریک ہونے کا گمان پیدا ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ ابوت وابنیت کے وہم کی وجہ سے اس کی ذات پر ابوالحکم کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** فانت ابو شریح جس طرح آپؐ نام تبدیل کردیا کرتے تھے، اسی طرح اگر کسی کی کنیت نامناسب ہوتی تو آپ اس کو بدل دیا کرتے تھے۔ شریح نام کے بہت سے رجال حدیث ہیں، یہاں شریح بن ھانی ہیں، یہ مخضرم اور ثقہ ہیں ان کے والد ھانی بن یزید کی کنیت آپؐ نے تبدیل فرمائی تھی۔

## حدیث نمبر ۱۶۱۳ ﴿اجدع نام کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٦٧

وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ لَقِيْتُ عُمَرَ فَقَالَ مَنْ اَنْتَ قُلْتُ مَسْرُوْقُ بْنُ الْاَجْدَعِ قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْاَجْدَعُ شَيْطَانٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٧٧ باب فی تغییر اسم القبیح، کتاب الادب، حدیث ٤٩٥٧، ابن ماجہ، ص ٢٦٥ باب ما یکرہ من الاسماء کتاب الادب، حدیث ٣٧٣١

**حل لغات:** الاجدع شیطان، کٹی ہوئی ناک والا، کٹے ہوئے عضو والا، مؤنث جَدْعَاءُ (ج) جُدُعٌ۔

**ترجمہ:** حضرت مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا کہ مسروق بن اجدع، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ 'اجدع' شیطان ہے۔ (ابوداود و ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ 'اجدع' نام اچھا نہیں ہے، لہٰذا یہ نام نہیں رکھنا چاہئے، اور اگر کسی کا ہو اور بدلا جاسکتا ہو تو بدل دینا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مسروق بچپن میں چور ان کو اٹھا لے گئے تھے، لہٰذا ان کا نام مسروق پڑ گیا۔ الاجدع اس شخص کو کہتے ہیں جس کے کان ناک، ہونٹ اور ہاتھ کٹے ہوں، کنایۃً اس شخص پر اجدع کا اطلاق کرتے ہیں جس کی بات میں کوئی وزن نہیں ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے ایک شیطان کو بھی اجدع کہتے ہیں۔ مسروق کے والد 'الاجدع' ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کا نام بدل کر عبدالرحمٰن کردیا تھا۔ (معارف السنن)

## حدیث نمبر ١٦١٤ ﴿باپ کے نام سے پکارے جانے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٦٨

وَعَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَسْمَائِكُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِكُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَائَكُمْ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** مسند احمد، ص ١٩٤ ج٥، ابوداود، ص ٦٧٦ ج٢، باب فی تغییر الاسماء، کتاب الادب، حدیث ٤٩٤٨

**ترجمہ:** حضرت ابودرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپوں کے ناموں کے ساتھ پکارے جاؤ گے، لہٰذا اچھے نام رکھا کرو۔ (احمد، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے باپ کے نام کے ساتھ فلاں ابن فلاں کہہ کر پکارا جائے گا، یعنی دنیا میں جس شخص کی طرف بیٹے ہونے کی حیثیت سے اس کی نسبت کی جاتی تھی، قیامت کے دن

اسی کی طرف نسبت کر کے اس کو پکارا جائے گا نفس الامر اور حقیقت میں وہ اس کا بیٹا ہے یا نہیں؟ اس کو نہیں دیکھا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں ظاہر امر پر عمل ہوتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فاحسنوا اسمائکم تم اپنے اچھے نام رکھو، اس ارشاد کے ذریعہ تمام بنی آدم کو خطاب کیا گیا ہے لہٰذا اس میں باپ بھی داخل ہیں اور ان کے لئے ہدایت ہے کہ وہ اپنے بچوں کا اچھا نام رکھیں، ایک روایت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا اور علماء نے لکھا ہے کہ ماؤں کے نام کے ساتھ پکارنے کی حکمت وعلت ایک تو یہ ہے کہ جو لوگ زنا کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہوں گے وہ اس صورت میں شرمندگی اور رسوائی سے بچ جائیں گے، دوسرے حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کی رعایت حال مقصود ہوگی جو بے پدر تھے اور تیسرے حضرت حسنؓ وحضرت حسینؓ کے اس فضل وشرف کا اظہار مقصود ہوگا جو ان کو حضرت فاطمہؓ کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کے ذریعہ حاصل ہے، اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو کہا جائے گا کہ تم کو تمہارے باپ کے ناموں سے پکارا جائے گا، میں، باپ کو تغلیب پر حمل کیا جائے جیسا کہ ماں اور باپ دونوں کو ابوین کہا جاتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی موقع پر تو باپ کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا اور کسی موقع پر ماں کے نام کے ساتھ یا بعض لوگوں کی نسبت ان کے باپ کی طرف کی جائے گی اور بعض لوگوں کی نسبت ان کی ماں کی طرف کی جائے گی۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۶۱۵ ﴿آپؐ کا نام اور کنیت جمع کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٦٩**

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَّجْمَعَ اَحَدٌ بَيْنَ اِسْمِهٖ وَكُنْيَتِهٖ وَيُسَمّٰى مُحَمَّدًا اَبَا الْقَاسِمِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۱۱۱ ج۲، باب ما جاء فی کراهية الجمع بين اسم النبی صلی الله عليه وسلم و كنيته، كتاب الادب، حديث ۲۸٤۱

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص آپؐ کے نام اور کنیت کو ایک ساتھ جمع کرے اور وہ محمد ابوالقاسم کہہ کر پکارا جائے گا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس کا نام محمد ہو وہ اپنی کنیت ابوالقاسم مقرر نہ کرے اور اگر ابوالقاسم نام رکھا ہے تو اس پر محمد کا اضافہ نہ کرے، یعنی آپؐ کا نام اور کنیت دونوں کو جمع کر کے نہ اپنا نام رکھے اور نہ اپنے کو ان ناموں سے بلوائے، صرف محمد، یا صرف ابوالقاسم رکھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** نهى ان يجمع احد نام اور کنیت کو جمع کرنے کی ممانعت ہے، صرف آپؐ کا نام یا صرف آپؐ کی کنیت رکھنے میں حرج نہیں ہے، اس مسئلہ میں کئی اقوال ہیں اور اختلاف اقوال، اختلاف روایات کی بناء پر ہے، جمہور کا مسلک ہے کہ ممانعت کا تعلق آپؐ کی حیات سے ہے، وفات کے بعد ممانعت نہیں ہے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ٤٧٥٠ دیکھیں۔

**حدیث نمبر ۱۶۱٦ ﴿آپؐ کا نام جو رکھے وہ آپؐ کی کنیت نہ رکھے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٧٠**

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا سَمَّيْتُمْ بِاِسْمِیْ فَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِیْ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِیْ رِوَايَةِ اَبِیْ دَاوُدَ قَالَ مَنْ تَسَمّٰى بِاِسْمِیْ فَلَا يَكْتَنِ

بِكُنْيَتِي وَمَنْ تَكَنّٰى بِكُنْيَتِي فَلَا يَتَسَمَّ بِاسْمِي .

**حواله:** ترمذی، ص ۱۱۱ ج۲، باب ما جاء فی كراهية الجمع بين اسم النبی صلی الله عليه وسلم وكنيته، كتاب الادب، حديث ۲۸٤۲، ابن ماجه ص ۲۶۵

**ترجمه:** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میرا نام رکھو تو میری کنیت پر اپنی کنیت نہ رکھو (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، نیز ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص میرے نام پر نام رکھے وہ میری کنیت پر کنیت مقرر نہ کرے، اور جو شخص میری کنیت پر کنیت مقرر کرے وہ میرے نام پر نام نہ رکھے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ آپ کا نام اور کنیت دونوں کو جمع کرنا درست نہیں ہے، الگ الگ کوئی ان کو اختیار کرے تو حرج نہیں ہے یعنی ایک شخص اپنے کو محمد ابوالقاسم کہہ کر بلوائے تو درست نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا سمیتم باسمی جس کا نام محمد ہے وہ اپنی کنیت ابوالقاسم نہ رکھے اور اگر ابوالقاسم نام ہے تو محمد کا اضافہ نہ کرے یعنی دونوں کو ساتھ میں ملا کر نام نہ رکھے۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۷۵۰ دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۱۶۱۷ ﴿نام و کنیت جمع کرنا حرام نہیں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٧١

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اِمْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ وَلَدْتُ غُلَامًا فَسَمَّيْتُهُ مُحَمَّدًا وَكَنَّيْتُهُ اَبَا الْقَاسِمِ فَذُكِرَ لِيْ اَنَّكَ تَكْرَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ مَاالَّذِيْ اَحَلَّ اِسْمِيْ وَحَرَّمَ كُنْيَتِيْ اَوْ مَاالَّذِيْ حَرَّمَ كُنْيَتِيْ وَاَحَلَّ اِسْمِيْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ غَرِيْبٌ .

**حواله:** ابوداود، ص ۶۷۹ ج۲، باب فی الرخصة فی الجمع بينهما، كتاب الادب، حديث ٤٩٦٧

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت عرض گذار ہوئی اے اللہ کے رسول میرے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے، میں نے اس کا نام محمد اور اس کی کنیت ابوالقاسم رکھی ہے مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ اس کو ناپسند کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ کون ہے جس نے میرے نام کو حلال کیا اور میری کنیت کو حرام کیا، یا فرمایا کہ کون ہے جس نے میری کنیت کو حلال کیا ہے اور میرے نام کو حرام کیا۔ (ابوداؤد) محی السنۃ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا نام اور کنیت جمع کرنا حرام نہیں ہے، اور جن روایات میں ممانعت ہے تو وہ مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما الذی احل اسمی کون ہے جس نے میرے نام پر نام رکھنا تو جائز قرار دیا، لیکن میری کنیت پر کنیت رکھنے کو حرام قرار دیا، مطلب یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرنا جائز ہے، حرام نہیں ہے، اگرچہ نہ جمع کرنا بہتر ہے۔ او ما الذی آپؐ نے پہلے نام کی حلت اور بعد میں کنیت کی حرمت کو ذکر کیا، یا پہلے کنیت کی حرمت کو بعد میں نام کی حلت کو ذکر کیا، دونوں کا مفہوم ایک ہے، راوی نے کمال احتیاط کی بنا پر دونوں کو ذکر کیا؛ کہ آپؐ نے یوں یا یوں فرمایا۔

## حدیث نمبر ۱۶۱۸ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ٤٧٧٢

## ﴿حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے کا نام محمد ابوالقاسم رکھا﴾

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ وُلِدَ لِيْ بَعْدَكَ وَلَدٌ اُسَمِّيْهِ بِاسْمِكَ وَاُكَنِّيْهِ بِكُنْيَتِكَ قَالَ نَعَمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُد.

**حواله:** ابو داود، ص ۶۷۹ ج ۲، باب في الرخصة في الجمع بينهما، كتاب الادب حديث ۴۹۶۷

**ترجمه:** حضرت محمد بن حنفیہؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! بھلا بتایئے آپ کی وفات کے بعد میرے یہاں کوئی بچہ پیدا ہو تو کیا میں اس کا نام آپؐ کے نام پر اور اس کی کنیت آپ کی کنیت پر رکھ سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ کے وصال کے بعد آپ کا نام اور کنیت جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ممانعت کا تعلق آپؐ کے زمانے سے تھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ارأيت ان ولد لي بعدك ولد آپؐ نے اپنی کنیت پر کنیت رکھنے اور بعض روایات میں دونوں کو جمع کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، ممانعت کی وجہ اشتباہ کا اندیشہ ہے، آپ کی وفات کے بعد اشتباہ کا اندیشہ رہا نہیں، لہٰذا آپ کی کنیت اختیار کرنا یا دونوں کو جمع کرنا ممنوع نہیں رہا، اسی لئے حضرت علیؓ نے آپ کی وفات کے بعد پیدا ہونے والے اپنے بیٹے کے لئے ان دونوں چیزوں کی اجازت آپؐ سے طلب کی تو آپؐ نے اجازت دے دی اور حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی جو کہ بعد میں محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ بعض روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ 'كانت رخصة لي' یہ اجازت صرف میرے لئے تھی، لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ یہ اجازت عام ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

### حديث نمبر ۱۶۱۹ ﴿حضرت انسؓ کی کنیت﴾ عالمی حديث نمبر ۴۷۷۳

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَنَّانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَقْلَةٍ كُنْتُ اَجْتَنِيْهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَفِي الْمَصَابِيْحِ صَحَّحَهُ.

**حواله:** ترمذی، ص ۲۲۳ ج ۲، باب مناقب لانس بن مالكؓ، كتاب المناقب حديث ۳۸۳۰

**حل لغات:** بقلة سبزی بَقَلَ (ن) بَقْلاً زمین کا سبزی اگانا، اجتنيها اس کو میں چنتا تھا، اِجْتَنَى الثَّمْرَةَ، پھل توڑنا، (افتعال)۔

**ترجمه:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت ایک سبزی پر رکھی جس کو میں چنا کرتا تھا، (ترمذی) ترمذی کہتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں اور مصابیح میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** حضرت انسؓ آپؐ کے یہاں بچے کی طرح پروان چڑھے، آپؐ نے ان کی کنیت ابوحمزہ رکھی، اس لئے کہ حمزہ ایک گھاس یا سبزی ہے، حضرت انسؓ اس کو کھیتوں سے چن کر لاتے تھے، آپؐ نے اس مناسبت سے اُن کی کنیت ابوحمزہ رکھی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** كنت اجتنيها: کنیت پڑنے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، کسی خاص مناسبت کی وجہ سے بھی کنیت پڑ جاتی ہے، جیسے حضرت علیؓ کے کپڑے غبار آلود تھے تو آپؐ نے ان کو ابوتراب کہا تو ان کی کنیت ابوتراب پڑ گئی، حضرت ابوہریرہؓ کے پاس آپ نے بلی دیکھی تو انھیں ابوہریرہؓ کہا تو یہی ان کی کنیت ہوگی، اسی طرح حضرت انس ایک گھاس چنتے تھے اسی مناسبت سے اُن کی کنیت ابوحمزہ ہوگئی۔ مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۷۶۶ دیکھیں

### حديث نمبر ۱۶۲۰ ﴿برے نام بدل دینا﴾ عالمی حديث نمبر ۴۷۷۴

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُغَيِّرُ الْاِسْمَ الْقَبِيْحَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حواله:** ترمذی، ص ۱۱۱ ج ۲، باب ما جاء في تغيير الاسماء، كتاب الادب، حديث ۲۸۳۹

**ترجمه:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برے نام کو بدل دیا کرتے تھے۔ (ترمذی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی نام کے معنی اچھے نہ ہوتے یا کسی اور وجہ سے نام بہتر نہ ہوتا تو آپ نام بدل دیتے تھے، اس لئے کہ نام سے شخصیت پر اثر پڑتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یغیر الاسم القبیح آپ برے نام بدل دیا کرتے تھے، ایک لڑکی کا نام عاصیۃ تھا آپ نے بدل کر جمیلہ کردیا۔ مزید کے لئے دیکھیں عالمی حدیث، ۴۷۵۸، ۴۷۵۹، ۴۷۶۶

**حدیث نمبر ۱۶۲۱ ﴿شیطان نام رکھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۷۵-۴۷۷۶**

وَعَنْ بَشِيْرِ بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَمِّهٖ اُسَامَةَ بْنِ اَخْدَرِيٍّ اَنَّ رَجُلًا يُقَالُ لَهٗ اَصْرَمُ كَانَ فِي النَّفَرِ الَّذِيْ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اسْمُكَ قَالَ اَصْرَمُ قَالَ بَلْ اَنْتَ زُرْعَةُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ. وَقَالَ غَيَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَ الْعَاصِ وَعَزِيْزٍ وَعَتَلَةَ وَشَيْطَانِ وَالْحَكَمِ وَغُرَابِ وَحُبَابِ وَشِهَابِ وَقَالَ تَرَكْتُ اَسَانِيْدَهَا لِلْاِخْتِصَارِ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۶۷۷ ج ۲، باب ما جاء فی تغییر الاسماء، کتاب الادب، حدیث ۴۹۵۴

**حل لغات:** اصرم جس کے کان کے کنارے کٹے ہوئے ہوں، صَرَمَہٗ (ض) صَرْمًا کاٹنا، زرعۃ بیج قابل کاشت زمین، زَرَعَ (ف) زَرْعًا، اَلْحَبَّ بیج ڈالنا، بیج بونا۔ العاص نافرمان، عَصٰی (ض) عِصْیَانًا نافرمانی کرنا، عزیز (ج) اَعِزَّۃٌ عَزَّ فلانٌ (ض) عِزًّا طاقتور ہونا صاحب عزت ہونا عتلۃ زور سے کھینچنا، عَتَلَ (ض) عَتْلًا بہت زور سے کھینچنا، شیطان گمراہ کن، خبیث روح، جمع شیاطین، حکم اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے، حاکم کا مبالغہ، فیصلہ کرنے والا، حَکَمَ (ن) حُکْمًا کسی بات کا فیصلہ کرنا، غراب، کوا (ج) غِرْبَانٌ، حباب، سانپ شیطان کا نام بھی ہے، شھاب، آگ کا دہکتا ہوا انگارہ (ج) شُھُبٌ۔

**ترجمہ:** حضرت بشیر بن میمونؒ نے اپنے چچا حضرت اُسامہ بن اخدری سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی کو اصرم کہا جاتا تھا اور وہ اس جماعت میں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ عرض کیا کہ اصرم آپ نے فرمایا کہ بلکہ تمہارا نام زرعہ ہے۔ (ابوداود) اور ابوداودؒ نے کہا نبی کریم صل اللہ علیہ وسلم نے عاص، عزیز، عتلہ، شیطان، حکم، غراب، حباب اور شہاب ناموں کو بدل دیا تھا، اور کہا کہ میں نے ان کی سندوں کو اختصار کے باعث ترک کر دیا ہے۔

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے بعض نام جو کہ کسی وجہ سے مناسب نہ تھے ان کو بدلا ہے، آپ نے اچھے نام رکھنے کا حکم دیا ہے اور برے نام اور کنیت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے اور جس کا نام یا کنیت آپ کو ناپسند ہوئی اس کو تبدیل فرمایا ہے، معلوم ہوا اگر کسی کا برا نام چل پڑا ہے تو اس کو بدل دینا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کان فی النفر یہ لوگ وفد بنا کر آپ کی خدمت میں آئے تھے، اصرم، صرم سے مشتق ہے، جس کے معنی قطع و برید کرنا، ترک سلام و کلام کرنا، اور درخت کاٹنا ہیں، ان معنی کے اعتبار سے یہ جود و سخاوت اور خیر و برکت کی طرف اشارہ کرتا ہے، آخر میں ابوداودؒ نے آپ کی طرف سے جن ناموں کے بدلے جانے کا ذکر کیا ہے ان میں سے عاص ہے، یہ عاصی کا مخفف ہے، یہ نام لفظی مفہوم کے اعتبار سے عصیان و سرکشی عدم اطاعت اور نافرمانی پر دلالت کرتا ہے، جب کہ مومن کی خصوصیت اطاعت و فرمانبرداری ہے، اس لئے کسی مومن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ عاصی یا عاصیہ نام رکھے۔ عزیز چوں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم پاک ہے، اس لئے عبدالعزیز نام رکھنا تو مناسب ہے، لیکن صرف عزیز نام غیر موزوں ہے، علاوہ ازیں یہ لفظ غلبہ و قوت عزت اور زور آوری پر دلالت کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی شان ہے، جب کہ بندے کی شان ذلت و

انکساری خضوع اور فروتنی ہے، اسی طرح حمید نام رکھنا بھی غیر مناسب ہے، کیوں کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات میں سے ایک اسم ہے اور بطریق مبالغہ اس کی ایک صفت ہے، اس اعتبار سے کسی شخص کا نام عبدالحمید موزوں ہے۔ عتلہ اس نام کو بھی آپ نے ناپسند کیا ہے، اس میں غلظت وشدت اور سختی کے معنی نکلتے ہیں، جب کہ مومن کو نرمی اور ملائمت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔ شیطان یہ نام رکھنا نہ صرف اس ذات کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے، بلکہ اس کے لفظی مفہوم کے اعتبار سے بھی نہایت غیر موزوں ہے، کیوں کہ لفظ شیطان یا تو 'شیط' سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں جل جانا، ہلاک ہوجانا، یا شَطْنٌ سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں خدا کی رحمت سے دور ہونا، حکم حاکم کا مبالغہ ہے، اور حقیقی حاکم صرف اللہ کی ذات ہے کہ بس اسی کا حکم قابل نفاذ بھی ہے اور لائق طاعت بھی، اس اعتبار سے حکم نام بھی غیر موزوں ہے اور جب آپ نے ابوالحکم کنیت کو پسند نہیں فرمایا تو حکم نام کا تغیر تو بطریق اولیٰ مناسب ہے۔ غراب اس نام کی ناپسندیدگی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ غراب کوے کو کہتے ہیں، جو جانوروں میں پلید تر ہے، وہ مردار اور نجاست کھاتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کے معنی دوری کے ہیں۔ حباب یہ نام اس اعتبار سے نہایت غیر موزوں ہے کہ یہ شیطان کا نام ہے اور سانپ کو بھی حباب کہتے ہیں۔ شہاب آگ کے اس شعلہ کو کہتے ہیں جو فرشتے شیطانوں پر مارتے ہیں، اس مناسبت سے شہاب نام رکھنا بھی غیر پسندیدہ ہے، البتہ اگر لفظ ''شہاب'' کی اضافت دین کی طرف کی جائے، یعنی شہاب الدین نام رکھا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مظاہر حق) ترکت اسانیدھا للاختصار اوپر جو نام گذرے ان ناموں کو حضورؐ نے بدلا اور ان کی جگہ دوسرے نام رکھے، لیکن ابوداود نے یہ بات بغیر سند نقل کئے بیان فرمائی ہے اور اس کی وجہ بتا رہے ہیں کہ میں نے ان کی اسانید کو اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔ حضرت مولانا عاقل صاحب نے اس پر فرمایا کہ چوں کہ یہ کتاب (ابوداود) کا آخر ہے جو مدرسہ میں سال کے آخر میں پڑھایا جاتا ہے، اس لئے میں سبق میں طلباء سے کہہ دیا کرتا ہوں کہ جس طرح ہمیں کتاب ختم کرنے کی جلدی ہورہی ہے اسی طرح مصنف (ابوداوٗد) کو بھی جلدی ہورہی ہے، ان کی بھی تصنیف پوری ہورہی ہے۔ (الدرالمنضود)

## حدیث نمبر ۱۶۲۲ ﴿گمان والے لفظ کی ناپسندیدگی﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٧٧

وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِنِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ اَوْ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ لِاَبِیْ مَسْعُوْدٍ مَاسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ زَعَمُوْا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بِئْسَ مَطِیَّةُ الرَّجُلِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ اِنَّ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ حُذَیْفَةُ.

**حواله:** ابوداود ص ٦٧٩ ج٢، باب فی قول الرجل زعموا، کتاب الادب، حدیث ٤٩٧٢

**حل لغات:** بئس (ضد،نِعْمَ) فعل جامد برائے مذمت، جیسے بِئْسَ الرَّجُلُ، آدمی برا ہے، مطیة (مذکرومؤنث) سواری کا جانور، (ج)مَطَایَا، مَطِیٌّ۔

**ترجمه:** حضرت ابومسعود انصاری نے حضرت ابوعبداللہ سے یا حضرت ابوعبداللہ نے حضرت ابومسعود انصاریؓ سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو 'زعموا' کے بارے میں کیا فرماتے ہوئے سنا ہے، کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ آدمی کی بری سواری ہے، اسے ابوداودؒ نے روایت کیا اور کہا کہ ابوعبداللہ سے مراد حضرت حذیفہؓ ہیں۔

**خلاصۂ حدیث** علماء نے بیان کیا ہے کہ لوگوں کا جو یہ معمول ہے کہ جب انھیں کسی بے بنیاد بات کو بیان کرنا ہوتا ہے، تو وہ یوں کہتے ہیں یا لکھتے ہیں کہ لوگ یہ کہتے ہیں یا فلاں شخص کے متعلق یہ سنا گیا ہے، اور یا لوگ اس طرح کہہ رہے تھے وغیرہ، تردید اور جھٹلائے جانے کے خوف سے کسی شخص کا نام لے کر تو نہیں کہا جاتا کہ یہ بات فلاں نے کہی ہے یا فلاں شخص نے بیان کیا

ہے، بلکہ لوگ کہتے ہیں یا بیان کیا جاتا ہے کہ پردہ میں بے تحاشا جھوٹ بولا جاتا ہے اور بلا تحقیق و بے بنیاد باتوں کو پھیلایا جاتا ہے۔
چنانچہ مذکورہ بالا دونوں صحابہؓ میں سے ایک صحابیؓ نے دوسرے صحابی سے پوچھا کہ کچھ آدمی جو لفظ زعموا یعنی لوگ یہ کہتے ہیں کے ذریعہ بے بنیاد اور غیر تحقیقی باتیں نقل کرتے ہیں، تو کیا آپؐ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لفظ کے بارے میں سنا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس لفظ کی تحقیق میں یا اس لفظ کے استعمال اور اس کے مفہوم کے بارے میں کیا فرماتے تھے؟ دوسرے صحابی نے جواب دیا کہ میں نے آنحضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ لفظ بری سواری ہے، یعنی آپؐ نے اس لفظ کو سواری کے ساتھ تشبیہ دی کہ جس طرح کوئی شخص سواری پر بیٹھ کر اپنی منزل مقصود تک پہنچتا ہے اسی طرح جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ کسی بے بنیاد اور غیر تحقیقی بات کو دوسرے کے سامنے نقل کرے اور پھیلائے تو وہ اپنی گفتگو اور قول کے شروع میں لفظ زعموا استعمال کرتا ہے اور اس لفظ کے ذریعہ اپنی غرض حاصل کرنا چاہتا ہے، نیز آپؐ نے بری سواری کے ذریعہ اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ لفظ زعموا کوئی اچھا آغازِ کلام نہیں ہے، کیونکہ اس لفظ کو بنیاد بنا کر جو بات کہی یا نقل کی جاتی ہے اس کا محمول حزم و یقین نہیں ہوتا زعم و گمان ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ زعم و گمان کی نسبت اس بات و کلام کی طرف کی جاتی ہے جو کوئی سند اور ثبوت نہ رکھے، بلکہ ایک حکایت کے درجہ میں ہو اور بر سبیل ظن و گمان زبان پر آئے، لہٰذا آپؐ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ نقل و بیان اور روایات و حکایات کے سلسلے میں پوری احتیاط ملحوظ خاطر رہنا چاہئے، کسی بات کو بلا تحقیق بیان نہ کرنا چاہئے، اور سنی سنائی باتوں کو اعتماد و یقین کے ساتھ دوسروں تک نہ پہنچانا چاہئے، کیوں کہ وہ باتیں جن کا تعلق محض ظن و گمان سے ہوتا ہے عام طور پر غلط فہمی اور جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں اسی لئے کہا گیا ہے لفظ زعموا جھوٹ کی سواری ہے۔
یا آنحضرتؐ کے مذکورہ ارشاد کا مقصد یہ ہدایت دینا ہے کہ کوئی شخص بلا تحقیق و یقین کے کسی کی طرف زعم و گمان یعنی دروغ گوئی کی نسبت نہ کرے، ہاں اگر اس کو اس بات کا یقین ہو کہ فلاں شخص نے واقعۃً دروغ گوئی کی ہے اور یہ کہ اس شخص کے دروغ گوئی کے نقصان و اثرات سے دوسروں کو بچانا ضروری ہے، تا کہ کوئی دھوکا نہ کھا جائے تو اس مصلحت کے پیش نظر کسی کی طرف زعم و گمان کی نسبت کرنا جائز ہوگا جیسا محدثین وغیرہ کرتے ہیں۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح**
بئس مطیة الرجل "مطیہ" اس کی جمع مطایا آتی ہے، بمعنی سواری، زعم کا استعمال قول حق و باطل دونوں میں ہوتا ہے، اور زیادہ تر اس کا استعمال شک اور غیر یقینی باتوں میں ہوتا ہے، حدیث کا ترجمہ تو یہ ہے کہ لفظ "زعموا" آدمی کی بہت بری سواری ہے، بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے ہر سنی ہوئی بات نقل کرنے کی خواہ اس کی واقعی کوئی سند ہو یا نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص اس قسم کی بات نقل کرتا ہے جو ایسی ہی سنی ہوئی ہوتی ہے تو وہ اس کو اسی طرح نقل کرتا ہے، یوں سنا ہے اور لوگ یوں کہتے ہیں، تو گویا شخص مذکور نے "زعموا" کو اپنے کلام کا سلسلہ اور اس کی گاڑی چلانے کا ذریعہ اور اس کی سواری بنا رکھا ہے آپ اس پر تنبیہ فرما رہے ہیں کہ اس طرح بے سند باتیں نقل کرنی ہی نہیں چاہئے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع" (آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کرے) (الدر المنضود)

## حدیث نمبر ۱۶۲۳ ﴿صرف ما شاء اللہ کہو﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۷۸-۴۷۷۹

**وَعَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُولُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ فُلَانٌ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ مُنْقَطِعًا قَالَ لَا تَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.**

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۲۸٤ ج ۵، ابوداود، ص ٦٨٠ ج ٢، باب لا یقال خبثت نفسی، کتاب الادب، حدیث ٤٩٨٠

**ترجمہ:** حضرت حذیفہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ یہ مت کہا کرو کہ جو اللہ چاہے اور جو فلاں چاہے، لیکن کہا کرو جو اللہ چاہے اور پھر فلاں چاہے (احمد، ابوداود) اور ایک منقطع روایت میں ہے کہ یہ مت کہا کرو کہ جو اللہ چاہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں بلکہ کہا کرو جو اللہ تنہا چاہے۔ (شرح السنۃ)

**خلاصۂ حدیث:** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اصل مشیت اللہ کی ہے جو وہ چاہتا وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ قطعاً نہیں ہوتا ہے، البتہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا انسان ارادہ کرسکتا ہے، یا کسی کام کے ہونے میں انسان کا ظاہری تعاون ہوسکتا ہے، لہٰذا مشیتِ خداوندی اور انسان کے ارادہ وعمل کو ایسے جمع نہ کرنا چاہئے کہ دونوں کا اشتراک محسوس ہو۔ مثلاً کسی شخص نے کسی شخص کے کام میں اس کا ہاتھ بٹایا اور اس کی مدد کی اور پھر اللہ کے فضل سے وہ کام ہوگیا، تو اب وہ شخص دونوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ کا بھی اور اس شخص کا بھی جو ذریعہ بنا تو اس کا ذکر اس طرح نہ کرے کہ ماشاء اللہ و شاء فلان، یعنی واؤ عاطفہ کے ساتھ ذکر نہ کرے، کیوں کہ اس سے شرکت ومساوات کا وہم ہوتا ہے حالاں کہ اصل مشیت تو اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے بجائے وشاء فلانٌ کے ثم شاء فلانٌ کہنا چاہئے۔ کسی نے اللہ کی مشیت کے ساتھ آپ کو جمع کیا اور کہا 'ماشاء اللہ وما شئت' جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں، تو آپؐ نے منع کیا اور فرمایا 'ماشاء اللہ وحدہ' یعنی جو تنہا اللہ چاہے وہ ہوتا ہے۔ دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** لا تقولوا ماشاء اللہ ومحمد آپؐ نے یہ ممانعت اس لئے فرمائی تا کہ اللہ اور رسول کو العیاذ باللہ ایک ہی درجہ میں رکھنے کا وہم نہ ہو، اسی طرح جب ایک خطیب نے 'من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فقد غوی' کہا تو آپؐ نے نکیر فرمائی تھی، کیوں کہ اس خطیب کے اسلوب بیان سے تسویہ کا وہم ہوا تھا۔ بہر حال ایسا انداز اختیار نہ کرنا چاہئے جس میں اللہ اور غیر اللہ کا برابر ہونا مفہوم ہو۔ مشیت میں اللہ کی مشیت کو مقدم کرکے بندہ کی مشیت اس کے تابع کی جائے تو حرج نہیں ہے۔ مزید کیلئے (الدر المنضود باب الرجل یخطب علی قوس، ص ۴۳۳ تا ۴۳۴، ج ۲ دیکھیں)

## حدیث نمبر ١٦٢٤ ﴿منافق کو سید کہنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٨٠

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا لِلْمُنَافِقِ سَیِّدٌ فَاِنَّهٗ اِنْ یَّكُ سَیِّدًا فَقَدِ اسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ .

**حوالہ:** ابوداود ص ٦٨٠ ج ٢، باب لا یقول المملوك ربی، کتاب الادب، حدیث ٤٩٧٧

**حل لغات:** اسخطتم (افعال) ناراض کرنا، غصہ دلانا، سخط (س) علیہ، کسی سے ناراض ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت حذیفہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ کسی منافق کو سید یعنی سردار نہ کہو، کیوں کہ اگر وہ سید ہوا تمہاری نظر میں تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث:** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ منافق عزت واحترام کے لائق نہیں ہے، لہٰذا اگر وہ ظاہری ترقی کرکے کسی منصب پر پہنچ بھی جائے تو مسلمانوں کے دلوں میں اس کی تعظیم وتوقیر نہ ہونا چاہئے، اگر کوئی منافق کی عزت اور اس کا احترام کرتا ہے اور اس سے دلی الفت رکھتا ہے تو وہ اپنے رب کو ناراض کرتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تقولوا للمنافق سید منافق کو سردار مت کہو، اس لئے کہ سردار کی اتباع واجب ہوتی ہے اور منافق لائق اطاعت نہیں ہے، اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے، اس حکم میں کافر و مشرک سب شریک ہیں، لیکن منافق چوں کہ زبانی طور پر اپنے کو مسلمان کہتا ہے، لہٰذا عام مسلمان اس کی تعریف میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور اس کے عہدے کے رعب کی وجہ سے اس کی خوشامد کا زیادہ امکان ہے، لہٰذا خاص طور پر منافق کو سردار و امیر کہنے سے منع فرمایا۔

## حدیث نمبر ١٦٢٥ ﴿برے نام کا برا اثر ہوتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٨١

عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ شَيْبَةَ قَالَ جَلَسْتُ اِلٰى سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فَحَدَّثَنِيْ اَنَّ جَدَّهٗ حَزْنًا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا اسْمُكَ قَالَ اِسْمِيْ حَزْنٌ قَالَ بَلْ اَنْتَ سَهْلٌ مَا اَنَا بِمُغَيِّرٍ اِسْمًا سَمَّانِيْهِ اَبِيْ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَمَا زَالَتْ فِيْنَا الْحُزُوْنَةُ بَعْدُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری ص ٩١٤ ج٢، باب اسم الحزن کتاب الادب حدیث ٦١٩٠

**حل لغات:** حزن رنج وغم، (ج) اَحْزَانٌ، حَزَنَ (ن) حَزْنًا غمگین کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبدالحمید بن جبیر بن شیبہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں سعید بن مسیبؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، تو انھوں نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ میرے جد امجد حضرت حزن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ میرا نام حزن ہے، آپؐ نے فرمایا کہ بلکہ تمہارا نام سہل ہے، انھوں نے عرض کیا کہ میرے باپ نے میرا جو نام رکھا ہے میں اس کو بدل نہیں سکتا، ابن مسیبؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہمیشہ ہمارے درمیان سختی اور مصیبت رہی ہے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نام کا اثر پڑتا ہے، اچھے نام کا اچھا اثر پڑتا ہے اور برے نام کا برا اثر پڑتا ہے، جو صاحب آپؐ کی خدمت میں آئے ان کا نام 'حزن' تھا جس کے معنی ہیں سخت، یہ سہل کی ضد ہے، آپؐ نے نام تبدیل کیا، لیکن انھوں نے نام کی تبدیلی گوارا نہیں کی، کیوں کہ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور تربیت ہوئی نہیں تھی، پھر آپؐ کا یہ فرمان بطور مشورہ تھا، وجوب کے لئے تھا بھی نہیں، وجوب کے لئے ہوتا تو نافرمانی کی گنجائش نہ ہوتی، تب تو بہر صورت نام بدلنا پڑتا، بہر حال انھوں نے آپؐ کا مشورہ نہ مانا تو ان کے برے نام کا اثر پڑا اور خاندان سختی اور تکلیف سے دوچار ہوا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** بل انت سھل آپؐ کا فرمان ہے 'احسنوا اسمائکم' (اپنے نام اچھے رکھو) کیوں کہ نام کا اثر پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپؐ برے ناموں کو تبدیل کر دیا کرتے تھے اور اس سے متعلق ماقبل میں کئی حدیثیں گذری بھی ہیں۔ مشہور تابعی سعید ابن المسیبؒ کے دادا حزن ابن ابی وھب کا نام بھی آپؐ نے حزن سے بدل کر سہل رکھا، لیکن انھوں نے کہا کہ 'لا السھل، یوطأ و یمتھن' (مسند احمد) سہل نہیں کیوں کہ سہل کو تو ہر کوئی روندتا اور ذلیل کرتا ہے۔ اور اپنے باپ کے رکھے نام کو بدلنے سے انکار کر دیا۔ ابتداء ہجرت کا واقعہ ہے تعلیم و تربیت کی کمی کی وجہ سے شیطان کا وسوسہ کارگر ہو گیا، لیکن اس کا نقصان یہ ہوا کہ گھر والے ہمیشہ تنگی کا شکار رہے۔

## حدیث نمبر ١٦٢٦ ﴿انبیاء کے ناموں پر نام رکھنے کی ہدایت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٨٢

وَعَنْ اَبِيْ وَهْبِ نِ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَمَّوْا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِيَاءِ وَاَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُاللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَاَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَهَمَّامٌ وَاَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَمُرَّةُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص٦٧٦-٦٧٧ ج٢، باب فی تغییر الاسماء، کتاب الادب، حدیث ٤٩٥٠

**حل لغات:** حارث کھیتی کرنے والا، حَرَثَ (ن) حَرْثًا، کھیتی کرنا، ھمام عزم وارادہ کرنے والا، بڑا باہمت، ھَمَّ (ن) ھَمًّا ارادہ کرنا، حَرْبٌ (ج) حُرُوْبٌ جنگ، مرۃ کڑوا مَرَّ الشَّئُ (س) مَرَارَۃً، کڑوا ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابووھب جشمیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کرام کے ناموں پر نام رکھو، اور ناموں میں بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ اور سب سے سچے نام حارث اور ہمام ہیں اور سب سے برے نام حرب اور مرہ ہیں۔ (ابوداود)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں چار باتیں بیان ہوئی ہیں: (۱) انبیاء کرام کے نام پر نام رکھو۔ (۲) عبداللہ اور عبدالرحمٰن بہترین نام ہیں، کیوں کہ ان میں عبودیت کا اظہار ہے۔ (۳) حارث اور ہمام سب سے سچے نام ہیں، کیوں کہ ہر شخص ان کا مصداق ہیں۔ (۴) حرب اور مرہ برے نام ہیں، کیوں کہ ان کے معنی بہتر نہیں ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** تسموا اسماء الانبیاء انبیاء کے ناموں پر نام رکھنے کی ترغیب ہے، امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں روایت نقل کی ہے 'سموا باسماء الانبیاء ولا تسموا باسماء الملائکۃ' نبیوں کے نام پر نام رکھنا بطور نیک فال اچھی بات ہے، لیکن فرشتوں کے نام پر نام رکھنا مکروہ ہے۔ واحب الاسماء الی اللہ عالمی حدیث ۴۷۵۲ کے تحت اس کی وضاحت نقل ہو چکی ہے۔ واصدقها حارث و همام حارث اور ہمام بہت سچے نام ہیں۔ اس لئے کہ حارث کے معنی کھیتی کرنے والے کے ہیں اور الدنیا مزرعۃ للآخرۃ کے اعتبار سے یہاں ہر شخص کھیتی کرنے والا ہے۔ اور ہمام کے معنی فکرمند، یہاں ہر شخص کو کوئی نہ کوئی فکر بھی ہے لہٰذا ہر شخص ہمام بھی ہے، اسی مناسبت سے ان دونوں کو سب سے سچے نام کہا، یعنی یہ ہر کسی پر صادق آتے ہیں۔ واقبحها حرب و مرة حرب اور مرہ سب سے برے نام ہیں، کیوں کہ حرب کے معنی لڑائی اور مرہ کے معنی تلخی ہیں اور یہ دونوں چیزیں ناپسندیدہ ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ ابلیس کی کنیت ابومرہ ہے۔ (مرقات)

# باب البیان والشعر

## ﴿بیان اور شعر کا ذکر﴾

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے (۲۷) احادیث ذکر کی ہیں، جن میں تقریر کی تاثیر، اشعار میں دانائی وحکمت، آپ کا رجزیہ شعر، جہادی شعر کی فضیلت، برے اشعار وخطاب کی مذمت وغیرہ کا ذکر ہے۔ ''بیان'' بیان اس فصیح گفتگو کو کہتے ہیں جو مافی الضمیر کو ادا کرے۔ ''شعر'' شعر کے لغوی معنی دانائی اور زیرکی اور اصطلاح میں شعر کہا جاتا ہے، ایسے کلام کو جس میں وزن وقافیہ کا قصداً ارادہ کیا گیا ہو۔

## ﴿جائز وناجائز کلام، تقریر واشعار﴾

یہ بات جان لیں کہ کلام میں بناوٹ کرنا، بتکلف فصاحت کا مظاہرہ کرنا، گلا پھاڑ پھاڑ کر بولنا، اشعار کی بہتات کرنا، مذاق بہت کرنا، قصہ کہانیوں میں اور اس قسم کی دوسری باتوں میں وقت برباد کرنا، ایک طرح کا سامانِ تفریح ہے، جو دین ودنیا سے غافل کرتا ہے، اور تفاخر نام ونمود کا ذریعہ ہے، اس لئے اس کا حال عجم کی عادتوں جیسا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے اس کو ناپسند کیا، اور اس کی خرابیوں کو کھول کر بیان کیا ہے، اور جس کلام میں یہ خرابیاں نہیں تھیں، اس کی اجازت دی، اگرچہ معاملہ بظاہر یکساں نظر آتا ہو۔

**وضاحت:** مثلاً بیان کے بارے میں ایک حدیث میں فرمایا کہ بعض بیان جادو اثر ہوتے ہیں، اور دوسری حدیث میں بیان کو نفاق کی

ایک شاخ قرار دیا، ان دونوں حدیثوں کے مصداق الگ الگ ہیں، یا جیسے اشعار کے بارے میں جہاں یہ فرمایا کہ آدمی کا پیٹ ایسی پیپ سے بھر جائے جو اس کے پیٹ کو خراب کردے، بہتر ہے اس سے کہ اس کا پیٹ اشعار سے بھر جائے، وہیں حضرت لبید رضی اللہ عنہ کے ایک مصرعہ کی ''نہایت سچی بات'' کہہ کر تحسین فرمائی، اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو ان کے کلام پر دعائیں دیں، ظاہر ہے کہ ان اشعار کی نوعیت مختلف تھی، گو بظاہر معاملہ یکساں نظر آئے۔

اشعار کے سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، اور اس سلسلہ میں لوگوں کے ذہنوں میں بہت خلجان رہتا ہے، اور وہ افراط وتفریط کا شکار ہوتے ہیں، اس لئے استاذ محترم حضرت مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم کی ایک جامع تحریر کے بعض حصے نقل کئے جارہے ہیں، جس سے تمام مغالطوں اور وہموں کا ازالہ ہوجاتا ہے، اور باب کے تحت آنے والی مختلف احادیث کا مفہوم سمجھنا بھی بہت آسان ہوجاتا ہے۔

## ﴿دربار رسالت میں شاعری کی زبانی تحسین﴾

اسلام چوں کہ دین فطرت ہے اور انسانیت کے وہ فطری تقاضے جو تخلیق انسان کے بنیادی مقاصد سے متصادم نہ ہوں، اسلام میں باقی رکھے گئے ہیں، اس لئے جن اشعار میں صداقت وواقعیت ہو اور جن کے ذریعہ کوئی مہمل کام نہ لیا جارہا ہو، ان کو بارگاہِ رسالت سے پسندیدگی کی سند ملی ہے۔ آپ نے شعراء کی زبان سے ان کا کلام بھی سنا ہے اور موقع بموقع رجزیہ کلمات بھی آپ کے زبان پر جاری ہوگئے ہیں، پسندیدگی کی سند کے ثبوت میں حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت کا وہ حصہ نقل کیا جاسکتا ہے جو امام بخاریؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

''ان من الشعر لحکمة'' بلاشبہ کچھ اشعار حکمت ریز بھی ہوتے ہیں، اظہار پسندیدگی سے متعلق وہ واقعہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے جسے امام مسلمؒ نے حضرت عمرو بن شریدؓ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی کی سعادت نصیب ہوئی، آپ نے فرمایا، شرید! تمہیں امیہ بن الصلت کے اشعار بھی یاد ہیں، میں نے عرض کیا جی ہاں! یاد ہیں، آپ نے فرمایا سناؤ، چنانچہ میں نے ایک شعر سنایا، آپ نے فرمایا اور سناؤ، میں نے اور سنایا، اسی طرح فرمائش کرکر کے اشعار سنتے رہے حتی کہ میں نے آپ کو سو اشعار سنائے، الادب المفرد میں امام بخاری نے اس روایت میں یہ اور اضافہ کیا ہے کہ اشعار سننے کے بعد آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ''انہ کاد لیسلم'' یہ شاعر تو اسلام سے بہت قریب تھا، اظہار پسندیدگی اور دادِ تحسین کے ثبوت میں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے، جسے بیہقی نے تفصیل سے نقل کیا ہے اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم جلد سوم میں ذکر فرمایا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں ایک دن سوت کات رہی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفش مبارک میں ٹانکے لگا رہے تھے، آپ کی پیشانی عرق آلود تھی اور پسینہ کے قطرات روشنی میں کہکشاں کی بہار کا منظر پیش کررہے تھے، میں آپ کے حسن خداداد کی بہاروں میں کھوگئی، تو آپ نے فرمایا کہ عائشہ! اتنی حیرت زدہ کیوں ہورہی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کی پیشانی سے نور کی جو لہر اٹھ رہی ہے، اس نے مجھے غرق حیرت کردیا ہے، اگر ایسے میں ابوبکر ہذلی اس جمال جہاں افروز کا مشاہدہ کرتا تو وہ سمجھتا کہ اس کے شعر کے مصداق آپ ہی ہیں، آپ نے فرمایا اس کے اشعار کیا ہیں؟ میں نے اشعار پیش کئے۔

**ومبرء من کل غبر حیضہ ۞ وفساد مرضعة وداء مغیل**

**واذا نظرت الی اسرة وجہہ ۞ برقت کبرق العارض المتہلل**

میرا ممدوح حیض کی کدورت، دودھ پلانے کے دوران پائی جانے والے فساد مزاج اور ایام حمل میں ہونے والی بیماریوں

سے بالکل پاک وصاف ہے، اور اگر تمہیں اسکی پیشانی کے خطوط دیکھنے کا موقع ملے تو ابر گوہر بار کے درمیان چمکنے والی بجلیوں کا منظر یاد آجائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے اپنا شغل چھوڑ کر میری پیشانی کو چوما اور فرمایا عائشہ! اللہ تجھے جزائے خیر دے تجھے میرے حسن سے اتنی خوشی نہیں ہوئی ہے، جتنی خوشی مجھے تیری ذہانت اور برجستہ اشعار پیش کرنے سے ہوئی ہے۔

اول تو اس ذوق سلیم اور ادبی دستگاہ پر نظر رکھنی چاہئے جو اس مندرجہ بالا اشعار کی پسندیدگی کے پس منظر میں جھلک رہا ہے، پھر داد تحسین کی خوبی ملاحظہ ہو کہ وہ خود مستقل ایک ادبی شہ پارہ ہے۔

اظہار پسندیدگی کے ذیل میں ان مختصر ترانوں کو بھی پیش کیا جاسکتا ہے، جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے موقع پر انصار کی بچیوں کی جانب سے پڑھے گئے اور آپ کی جانب سے ان کلمات کے دہرانے کو ممنوع نہیں قرار دیا گیا، شدید انتظار کے بعد جب انصار مدینہ کی دعوت پر آپ یثرب میں داخل ہوئے اور یثرب کا نام مدینۃ النبی ہوگیا، اس وقت جہاں درو دیوار تسبیح وتقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے وہیں بنی نجار کی بچیاں دف بجا کر یہ الفاظ دہرا رہی تھیں:

نحن جوار من بنی النجار

یا حبذا محمد من جار

ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہونے پر استقبالیہ کلمات سے خوش آمدید کہہ رہی ہیں، حضرت عائشہؓ کی روایت میں انصار کی دوسری بچیوں کی زبان سے تین اشعار منقول ہیں۔

طلع البدر علینا ۞ من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ۞ ما دعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا ۞ جئت بالامر المطاع

پہاڑ کی جن چوٹیوں تک آکر ہم جانے والوں کو الوداع کہتے ہیں، آج اس سمت سے ایک ماہ کامل ہم پر جلوہ ریز ہوا ہے، اور جب تک اس دنیا میں خدا کا نام زندہ ہے اس وقت تک ہمارے اوپر سجدہ شکر واجب ہے، اے وہ ذات گرامی جسے ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کو سعادت سمجھتے ہیں۔

اظہار پسندیدگی کے ذیل میں اس واقعہ کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جسے ابن عبدالبرؒ نے الاستیعاب میں ذکر کیا ہے کہ عرب کی مشہور شاعرہ خنسا اپنی قوم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام قبول کیا، اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اشعار سن کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا، آپ فرمائش کرتے وقت دست مبارک سے اشارہ بھی فرماتے تھے، تاریخ میں یہ بھی مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے ان تین اشعار کے بارے میں حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بھائی (ابن رواحہ) نے ان اشعار میں اچھی بات کہی ہے۔

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ ☆ اذا انشق معروف من الفجر ساطع

ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا ☆ بہ موقنات ان ما قال واقع

یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ ☆ اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع

ہمارے درمیان رسول خدا ہیں جو سپیدۂ صبح کے طلوع کے وقت کتاب خداوندی کی تلاوت فرماتے ہیں، انھوں نے ہمیں

گمراہی کے بعد راہ دکھائی، اس لئے ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہو کر رہے گا، وہ رات اس طرح بسر کرتے ہیں کہ پہلو مبارک بستر سے الگ رہتا ہے جب کہ مشرکین کے بوجھ سے ان کے بستر بھی پناہ مانگتے ہیں۔

ان چند واقعات سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ جن اشعار میں مضامین سچے ہیں اور ان کا مقصد بھی درست ہے ان کو دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے پسندیدگی کی سند عطا ہوئی ہے۔

## شعراء کو انعام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں صرف اظہار پسندیدگی ہی نہیں، بلکہ اچھے اشعار سے گہرا تاثر لینے کے ساتھ کہیں کہیں شعراء کرام کو انعام سے نوازنے کا بھی تذکرہ ملتا ہے، جیسا کہ حضرت کعب بن زہیرؓ کے قصیدہ ''بانت سعاد'' کے بارے میں مشہور ہے، اس کا تفصیلی واقعہ یہ ہے کہ کعب اور ان کے بھائی بجیر بن زہیر دربار نبوی میں حاضری کے ارادہ سے روانہ ہوئے، راستہ میں کعب کے رجحان میں تبدیلی پیدا ہوئی اور انھوں نے بجیر سے کہا کہ تم آگے جا کر ان پیغمبر سے ملو اور مجھے اپنی رائے سے مطلع کرو، تا کہ میں بصیرت کے ساتھ کوئی فیصلہ کرسکوں، بجیر گئے اور جاتے ہی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، کعب کو جب یہ صورت حال معلوم ہوئی تو انھیں ناگوار گذرا اور انھوں نے ایک قصیدہ کہہ ڈالا، جس میں اپنے بھائی کے طرز عمل کی شکایت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہجو کا ارتکاب تھا، اشعار میں کسی چیز کا ذکر چوں کہ نثر سے کہیں زیادہ اہم ہے اور اس زمانہ میں اشعار چوں کہ زبان زد ہو جاتے تھے، اس لئے ان اشعار کو عام انسانوں کے لئے دین حق قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ سمجھا گیا اور ہجو پر مشتمل ان اشعار کے جرم میں کعب کے خون کو مباح قرار دیا گیا، کعب کو جب یہ اطلاع پہنچی تو وہ گھبرا گئے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ کہا، پھر لوگوں کی نظر سے بچ کر مسجد نبوی میں حاضر ہوگئے اور اپنا قصیدہ مدحیہ پیش کیا، یہی قصیدہ ''بانت سعاد'' کے نام سے مشہور ہے اور اس کی تشبیب اور دیگر مضامین جاہلیت کے روایتی انداز پر ہیں، پہلا شعر ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول ۔۔۔ متیم اثرها لم یفد مکبول

سعاد مجھ سے جدا ہوگئی اور میرا دل اس کی محبت میں بیمار اور اس کے پیچھے ایسا پابہ زنجیر ہے کہ زر فدیہ بھی اس کی رہائی کے لئے منظور نہیں ہے، تشبیب کے تیرہ اشعار کے بعد پھر دور جاہلیت کے روایتی انداز کے مطابق اونٹنی کا تفصیلی تذکرہ ہے، انتالیسویں (۳۹) شعر سے پچاسویں (۵۰) شعر تک معذرت کا مضمون ہے جن میں یہ اشعار بھی ہیں۔

انبئت ان رسول الله اوعدنی ۔۔۔ والعفو عند رسول الله مامول

مهلا هداك الذی اعطاك نافلة ۔۔۔ القرآن فیه مواعیظ و تفصیل

لا تاخذنی باقوال الوشاة فلم ۔۔۔ اذنب وقد کثرت فی الاقاویل

مجھے یہ بتلایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دھمکی دی ہے حالانکہ عفو کی درخواست کا قبول ہو جانا بارگاہ نبوت میں عین متوقع ہے، آپ ازراہ کرم نرمی اختیار فرمائیں، آپ کو وہ ذات پاک صراط مستقیم پر رکھے جس نے آپ کو اس قرآن کریم کا عطیہ مرحمت فرمایا جس میں نصیحتیں اور احکام کی تفصیل ہے، مجھے آپ چغلخوروں کے کہنے پر مورد عتاب نہ گردانیں، میں نے کوئی گناہ نہیں کیا میرے بارے میں بہت سی باتیں یوں ہی منسوب ہیں، اس کے بعد اکیاونواں (۵۱) شعر آنحضرت ﷺ کی مدح میں ہے۔

ان الرسول لنور یستضاء به ۔۔۔ وصارم من سیوف الهند مسلول

بیشک رسول اللہ ﷺ وہ نور تمام ہیں جن سے کائنات منور ہے اور وہ باطل کے حق میں ہندوستان کی شمشیر بے نیام ہیں۔

شاعر نے جب اپنا یہ قصیدہ سنایا تو باوجود یکہ یہ ادب جاہلی کی مکمل نمائندگی کر رہا تھا اس میں سعاد کے تذکرہ سے تشبیب بھی تھی، اونٹنی کے اوصاف بھی تھے اس میں گریز بھی تھا اور اپنا مقصد یعنی اظہار ندامت اور درخواست عفو بھی تھی، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاعر کی سابقہ خطاؤں سے درگذر فرمایا اور اکیاونواں شعر پر آپ نے ایک چادر بھی انعام کے طور پر مرحمت فرمادی، اسی چادر کے عطیہ کے سبب یہ قصیدہ "قصیدہ بردہ" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، اور یہی وہ مبارک چادر ہے جس کو حضرت معاویہؓ نے بیس یا تیس ہزار درہم میں خریدا تھا۔

حضرت کعب بن زہیرؓ کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ مقدس سے اچھے اشعار کے صلہ میں انعام مرحمت ہوا ہے اور اگر شعراء کرام کو ان کے قابل قدر اور صحیح ادبی خدمت پر انعامات سے بھی نوازا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

## ﴿قرآن وحدیث میں شعر کی مذمت اور اس کا صحیح مصداق﴾

دربار رسالت میں شعر اور شعراء کی اس درجہ پذیرائی، اور شعر کے ذریعہ گلستانِ اسلام کی چمن بندی کے کامیاب تجربہ کے باوجود ذوق سلیم سے محروم کچھ لوگ شعر کی مذمت کے لئے قرآن وحدیث سے استدلال کر ڈالتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ان حضرات کے استدلال کا بھی مختصر جائزہ لے لیا جائے، ان حضرات کے پاس تین استدلال بظاہر مضبوط ہیں۔

(۱) قرآن کریم میں سورۃ الشعراء میں فرمایا گیا: "**والشعراء یتبعهم الغاؤن الم ترانهم فی کل وادیهیمون وانهم یقولون مالا یفعلون**" شعراء کی پیروی صرف بے راہ لوگ کرتے ہیں کیا تم نے غور نہیں کیا؟ کہ یہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور یہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔

(۲) سورۃ یٰسین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔"**وما علمنه الشعر وما ینبغی له ان هو الا ذکر وقرآن مبین**" نہ ہم نے انھیں شعر گوئی سکھائی اور نہ وہ آپ کے مناسب ہے یہ تو خالص نصیحت اور واضح قرآن ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری اور مسلم میں بسند صحیح روایت ہے: "**لان یمتلئ جوف رجل فیحایو یه خیر من ان یمتلئ شعرا**" کسی شخص کے پیٹ کا پیپ سے بھر کر اسے فاسد کر دینا اس سے بہتر ہے کہ وہ اشعار سے پر ہو۔

یہ ہیں وہ نصوص جن سے بظاہر شعر کی مذمت پر استدلال کیا جاسکتا ہے لیکن حقیقت پسندانہ جائزہ اس کا جواز فراہم نہیں کرتا، جہاں تک پہلی بیت کا تعلق ہے تو خود اسی آیت میں استثناء موجود ہے۔"**الا الذین امنوا وعملوا الصلحت وذکروا الله کثیرا وانتصروا من بعد ما ظلمو**" مگر وہ لوگ جو ایمان لائیں اور انھوں نے نیک کام کئے اور اللہ کا بہت ذکر کیا اور اپنے اوپر کئے گئے ظلم کا بدلا لیا۔

اس کا مفہوم یہ ہوا کہ "**الشعراء یتبعهم الغاؤن**" عام نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ شعراء ہیں جو ایمان کی دولت سے محروم ہیں، عمل صالح کی توفیق ان سے سلب کر لی گئی ہے، ذکر خداوندی سے ان کے دل کی کائنات منور نہیں ہے، اور مظلوم ہو کر انتقام کی روش پر نہیں بلکہ ظالم ہو کر زبان وادب کو لوگوں کی عزت لوٹنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، پھر اگر حکم کو علت کی بنیاد پر عام کیا جائے تو اس سے مراد وہی لوگ ہوسکیں گے جو ان ظلم پیشہ، عمل صالح اور ذکر الٰہی سے محروم کافر شعراء کے نقش قدم پر چل کر شعر کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے ہوں، جیسا کہ مسند ابن ابی شیبہ میں موجود ہے کہ جب "**الشعراء یتبعهم الغاؤن**" کا نزول ہوا تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت حسانؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ روتے ہوئے دربار رسالت میں حاضر ہوئے، عرض کیا آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ ہم بھی شعر کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اس کے بعد کی آیت بھی پڑھو "**الا الذین امنوا وعملو الصلحات**" اور "**انتصروا من بعد ما ظلموا**" کا مصداق تم نہیں ہو تو پھر کون ہے؟۔

شرح السنہ میں امام بغویؒ نے حضرت کعب بن مالکؓ سے اور ابن عبدالبرؒ نے الاستیعاب میں نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ "الشعراء یتبعهم الغاؤن" کے نزول کے بعد میں نے آنحضرت ﷺ سے شعر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "ان المومن یجاهد بسیفه و لسانه" کہ مومن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔

دوسرا استدلال اس سے بھی زیادہ کمزور ہے، اس آیت کریمہ میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ شعر آپ کی ذات اقدس کے لئے موزوں نہیں تھا، اس لئے ہم نے آپ کو یہ سکھلایا ہی نہیں، گویا قرآن کریم کو شاعری یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے والے بالکل خلاف حقیقت بات کہہ رہے ہیں، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کتابت کے بارے میں فرمایا گیا: "ما کنت تتلوا من قبله من کتاب والا تخطه بیمینك اذا لارتاب المبطلون" نہ آپ اس سے پہلے کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے تب تو یہ جھوٹے لوگ شبہ میں پڑجاتے۔

لیکن آج تک کسی نے اس آیت کریمہ سے کتابت کی مذمت پر استدلال نہیں کیا، پھر نہ معلوم کیا جواز ہے کہ اسی طرح کی دوسری آیت سے اشعار کی مذمت پر استدلال کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ بعض چیزیں وحی کی حفاظت کے نقطۂ نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے موزوں نہیں سمجھی گئیں، ان میں کتابت بھی ہے اور شعر گوئی بھی، کہ آپ کا مشغلۂ کتابت یا شعر گوئی ہوتو باطل پسندوں کو وحی کی تشکیک کی ذہنیت پیدا کرنے کا موقع مل سکتا ہے، وہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی پرانا نوشتہ ان کے ہاتھ آگیا ہے یا یہ کہ شعر گوئی سے ترقی کر کے اب یہ معجزانہ نثر لکھنے لگے ہیں، اس لئے آپ کو ان چیزوں سے الگ رکھا گیا، لیکن امت کے دوسروں کے کتابت یا شعر گوئی کے مشغلہ سے یہ مصلحت فوت نہیں ہوتی، اس لئے ان چیزوں کو حدود شرعیہ میں رہتے ہوئے اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

جہاں تک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا معاملہ ہے تو اس کے ساتھ حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیے کہ جب حضرت عائشہؓ کو اس روایت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا: "ان ابا هريرة لم يحفظ وانما قال الرسول من ان يمتلى شعرا هجيت به" حضرت ابوہریرہؓ کو ٹھیک محفوظ نہیں ہے، آپ نے ان اشعار کے بارے میں فرمایا تھا جن میں آپ کی ہجو کی گئی ہو۔

پھر یہ کہ اصول کلی کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت دارقطنی میں موجود ہے کہ آپؐ کے سامنے شعر کا ذکر ہوا تو فرمایا: "هو كلام فحسنه حسن وقبيحه قبيح" یہ بھی کلام کی ایک قسم ہے اس کے اچھے کو اچھا اور برے کو برا کہا جائے گا۔ امام شافعیؒ نے بھی حضرت عروہ سے مرسلاً اس کو نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

یارب صل وسلم دائما ابدا ۞ علی حبیبك خير الخلق كلهم

(ندائے شاہی نعت النبی نمبر)

## الفصل الاول

**حدیث نمبر ۱۶۲۷ ﴿بعض بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۸۳**

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَيَانِهِمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

**حوالہ:** بخاری، ص۸۵۸ ج۲، باب ان من البیان لسحرا، کتاب الطب، حدیث ۵۷۶۷

**حل لغات:** عَجِبَ (س) عَجَبًا (منه) تعجب کرنا، حیرت کرنا، لسحرا اَلسِّحْرُ، جادو، (ج) اَسْحَارٌ، سَحَرَةٌ (ف)

**بِكَلَامِهِ**، اپنی باتوں سے مسحور کرنا، متاثر کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ مشرق کی طرف سے دو شخص آئے اور انھوں نے خطاب کیا، تو اُن کے بیان پر لوگ حیران رہ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض بیانات جادو کا اثر رکھتے ہیں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کلام میں بسا اوقات جادو کی تاثیر ہوتی ہے، آپؐ کے پاس عراق کی طرف سے دو آدمی آئے، اور دونوں نے بڑا فصیح و بلیغ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ بعض باتوں میں سحر کی تاثیر ہوتی ہے۔ اس ارشاد کو مدح و تعریف پر محمول کر سکتے ہیں، کہ بعض لوگوں کا کلام بڑا موثر ہوتا ہے، اور اسے مذمت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کہ جس طرح جادو ایک ناجائز امر ہے اور اس میں حقیقت کے خلاف ایک خیال میں آدمی مبتلا ہو جاتا ہے، اسی طرح بعض کلام بھی تصنع اور ظاہری خوش نمائی کی وجہ سے آدمی کو متاثر کرتا ہے، لیکن حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ (فتح الباری، ص ۲۹۱ ج ۱۰، کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** قدم رجلان من المشرق مشرق سے دو آدمی آئے یعنی عراق سے آئے، ان میں سے ایک نام حصین بن بدر تھا، جس کا لقب زبرقان تھا، دوسرے کا نام عمرو بن اہتم تھا۔ ان دونوں نے اپنے فضائل و کمالات بڑے پرسکون الفاظ میں بیان کئے۔ ان کی گفتگو سے سامعین حیران رہ گئے، تو آپؐ نے فرمایا بلاشبہ بعض بیان سحر ہیں۔ آپ کا یہ فرمان ذوجہتین ہے۔ (۱) اظہار مذمت یعنی بعض بیان سامعین کے دلوں میں جادو کی طرح بہت جلد اثر کر کے قلب کو پلٹا دیتے ہیں اور حق و باطل کے مابین تمیز کرنے کی قوت کو سلب کر لیتے ہیں، لہٰذا بیان بے تکلف اور سیدھا سادہ ہونا زیادہ مناسب ہے، گو زود اثر نہ ہو، لیکن جب اثر کرے گا تو دیرپا ہوگا، اس پر ابو امامہ کی حدیث 'البذاء والبیان شعبتان من النفاق' دال ہے، کیوں کہ یہاں فحش گوئی کے مانند بیان کو بھی شعبہ نفاق قرار دیا گیا ہے، یعنی چرب زبانی، مبالغہ آمیزی، زبان درازی اور بد دینی کی تعلیم پر جو بیان مشتمل ہو وہ سحر کی تاثیر کے مانند جلدی نفاق میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (۲) اظہار مدح یعنی بعض بیان بے نظیر اور معجز ہوتے ہیں اور دلوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف مائل کرنے میں سحر کی طرح اثر کرتے ہیں، اس وقت حسنِ اسلوب اور تحسین کلام کے ذریعہ بیان کرنے پر ترغیب دلانا مقصود ہوگا۔ (ایضاح المشکوۃ)

## حدیث نمبر ۱۶۲۸ ﴿بعض اشعار میں دانائی ہوتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٨٤

وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۰۸ ج۲، باب ما یجوز من الشعر، کتاب الادب، حدیث ٦١٤٥

**ترجمہ:** حضرت ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک بعض شعروں میں دانائی ہوتی ہے۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بعض اشعار حکمت و دانائی پر مشتمل ہوتے ہیں، بہت ساری حکمت و موعظت کی باتیں نثر کے مقابلے میں شعر کے اندر زیادہ موثر ہوتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ تمام اشعار برے نہیں ہوتے ہیں، بلکہ بہت سے اشعار بہتر اور فائدہ مند ہوتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان من الشعر حکمة بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے۔

**سوال:** شعر کی تعریف کیا ہے، یعنی شعر کسے کہتے ہیں؟

**جواب:** شعر کہتے ہیں: 'الکلام المقفی الموزون قصداً' شعر اس کلام کو کہتے ہیں جو بالقصد قافیہ اور وزن پر لایا گیا ہو؛ قصداً کی قید سے وہ کلام نکل گیا جو اتفاقاً موزوں ہوا ہو۔ اشعار سے متعلق تفصیل باب کے شروع میں مفصل نقل ہوئی ہے، دیکھ لی جائے کچھ یہاں

مزید ذکر کی جارہی ہے۔

## اشعار کہنے اور پڑھنے کا حکم

شعر کے بارے میں بعض علماء نے مطلقاً کراہت کا قول اختیار کیا ہے۔ وہ ایک تو حضرت ابن مسعودؓ کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ 'الشعر مزامیر الشیطان' (شعر شیطان کے آلات موسیقی میں سے ہے) اسی طرح مسروقؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک مصرع کہا اور پھر خاموش ہو گئے، اُن سے خاموشی کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے کہا 'اخاف ان اجد فی صحیفتی شعرا' (میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اپنے صحیفۂ اعمال میں کوئی شعر پاؤں)۔ اسی طرح ابوامامہؓ سے ایک مرفوع حدیث منقول ہے کہ ابلیس کو جب زمین پر اتارا گیا تو اس نے کہا کہ 'اجعل لی قرآنا' (میرے لئے پڑھنے کی کوئی چیز مقرر کردیں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ 'الشعر' لیکن یہ تمام روایتیں خلاف اصل اور ضعیف ہیں، البتہ امام بخاری نے ایک صحیح روایت نقل کی ہے 'لان یمتلی جوف رجل قیحا حتی یریه خیر من ان یمتلی شعرا' تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے، یہاں تک کہ اس کو خراب کردے، یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھرے، یہ روایت اگرچہ صحیح ہے، لیکن اس سے وہ اشعار مراد ہیں جن میں جھوٹ اور فحاشی ہو، یا یہ اس شخص کے بارے میں ہیں، جو شعر کو اپنی زندگی کا اس طرح مقصد ومشغلہ بنائے کہ دوسرے واجبات اور فرائض کی ادائیگی میں خلل ہو۔ جہاں تک عام اشعار کا تعلق ہے، ان کی اباحت میں کلام نہیں، امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ 'الشعر منه حسن و منه قبیح خذ الحسن ودع القبیح ولقد رویت من شعر کعب بن مالك اشعار منها القصیدة فیها اربعون بیتا' یعنی اشعار میں اچھے اور برے دونوں طرح ہوتے ہیں، میں نے کعب ابن مالکؓ کے اشعار نقل کئے، اس میں ایک قصیدہ چالیس اشعار پر مشتمل تھا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند حسن ہے، ان روایات کی موجودگی میں اشعار کو مطلقاً مکروہ قرار دینا درست نہیں ہے، البتہ اس میں شرعی حدود کی رعایت ضروری ہے۔ بہت زیادہ اس کا شغل نہ رکھا جائے، اس میں کسی کی ہجو نہ ہو، کسی کی تعریف میں مبالغہ آرائی نہ ہو، جھوٹ نہ ہو، کسی متعین عورت کا ذکر نہ ہو، شعر میں اگر اِن امور کی رعایت رکھی گئی ہو تو وہ بلا کراہت جائز ہے۔ بلکہ ابن عبدالبرؒ نے اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ شارح بخاری ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ شعر کے اندر اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس کی تعظیم اور اس کی وحدانیت وقدرت اور اس کی طاعت ودنیا کی حقارت بیان کی گئی ہو تو ایسے اشعار قابل رغبت ودلچسپی ہیں اور یہ صحیح ہیں، لیکن اگر ان میں جھوٹ اور فحاشی کا تذکرہ ہو تو وہ مذموم ہیں۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۱۶۲۹ ﴿بات چیت میں مبالغہ پر وعید﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٨٥**

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ قَالَهَا ثَلٰثًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

**حواله:** مسلم، ص ۲۳۹ ج ۲، باب هلك المتنطعون کتاب العلم، حدیث ۲۶۷۰

**حل لغات:** هلك (ض) هَلَاكًا مرجانا، تباہ ہوجانا، المتنطعون (ج) واحد اَلْمُتَنَطِّعُ، غلو اور تکلف کرنے والا، تَنَطَّعَ (تفعل) فلانٌ فی کلامه، گہرائی اور فصاحت سے بولنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کلام میں مبالغہ کرنے والے ہلاکت میں پڑ گئے۔ آپؐ نے یہ بات تین بار فرمائی۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تقریر وتحریر اور بات چیت میں حقیقت بیانی سے کام لینا چاہئے، کلام میں بے جا تکلفات اور مبالغہ کی آمیزش نہ ہونا چاہئے، جو مبالغہ کرے گا وہ ہلاکت میں پڑے گا اور دنیا وآخرت میں اس کا

نقصان ہوگا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** هلك المتنطعون مبالغہ آرائی کرنے والے ہلاک ہوگئے۔ابوداؤد میں روایت ہے کہ من تعلم صرف الكلام يسبي به قلوب الرجال او الناس لم يقبل الله منه يوم القيامة صرفاً ولا عدلاً' جو شخص لچھے دار باتیں لوگوں کے قلوب اس کے ذریعہ مقید کرنے کے لئے سیکھے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی نفل عبادت قبول فرمائیں گے نہ فرض۔ مبالغہ آرائی بڑی ہی قبیح چیز ہے، اس کی قباحت شدت کی وجہ سے آپ نے تین مرتبہ اپنی بات دہرائی۔

## حدیث نمبر ۱۶۳۰ ﴿ایک سچا شعر﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٨٦

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حواله:** بخاری، ص۹۰۸ ج۲، باب ما یجوز من الشعر، کتاب الادب، حدیث ٦١٤٧ مسلم، ص۲۳۹ ج۲، کتاب الشعر، حدیث ۲۲۵۵

**ترجمه:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاعروں کی باتوں میں سب سے سچی بات وہ ہے جو لبید نے کہی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں آپ نے لبید کے ایک شعر کی تعریف کی ہے، کیوں کہ اس میں ایک بہت بڑی سچائی اور حقیقت کا اظہار ہے کہ دنیا کہ ہر نعمت اور کائنات کی ہر چیز ختم اور فنا ہونے والی ہے، باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔'کل شئی فان ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام' ۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اصدق کلمة قالها الشاعر كلمة لبيد سب سے سچا کلمہ اور شعر لبید نے کہا ہے۔

الا کل شئی ما خلا الله باطل. لبید عربی زبان کے مشہور شاعر ہیں۔امام شافعیؒ کا ایک شعر مشہور ہے:

لولا الشعر بالعلماء يزرى ☆ لكنت اشعر من لبيد

(اگر شعر علماء کے لئے عیب کا باعث نہ ہوتا تو میں لبید سے بڑا شاعر ہوتا)۔

لبید بن ربیعہ بن مالک عامریؓ نے زمانہ اسلام اور جاہلیت دونوں پایا ہے، ان کی کنیت "ابوعقیل" ہے انھوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے ایک سو بیس ایک سو تیس اور ایک سو چالیس سال کی مختلف روایات ہیں۔انھوں نے اپنی طویل عمری کی شکایت اپنے ایک مشہور شعر میں یوں کی ہے: ولقد سئمت من الحياة وطولها ☆ وسؤال هذا الناس: كيف لبيد. (خدا کی قسم میں طویل زندگی سے اور لوگوں کے اس سوال سے اُکتا چکا ہوں کہ لبید حالت کیسی ہے؟)

اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے شعر کہنا چھوڑ دیا تھا، حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے پوچھا تو فرمانے لگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران اللہ نے مجھے شعر کے نعم البدل کے طور پر عطا کردی ہیں، اس لئے مجھے اب شعر کہنے کی ضرورت نہیں۔کہا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے صرف ایک شعر کہا ہے وہ یہ ہے: ما عاتب المرء الكريم كنفسه ☆ والمرء يصلحه الجليس الصالح شریف شخص کو اس کی اپنی ذات سے زیادہ کوئی ملامت نہیں کرتا اور ہر شخص کی اصلاح اس کا نیک اچھا دوست کرتا ہے۔

بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شعر کے ایک مصرعہ کو "اصدق كلمة" فرمایا۔یہ ان کے ایک قصیدے کا مصرعہ

ہے اس قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں: (۱) الا کل شئی ما خلا اللّٰہ باطل ☆ و کل نعیم لا محالۃ زائل. (۲) اذا المرء اسری لیلۃ ظن انہ ☆ قضی عملا والمرء ما عاش آمل. (۳) فقل لہ وان کان یقسم امرہ ☆ المایعظلك الدھر؟ امك ھابل. (۴) فان انت لم تصدقك نفسك فانسب ☆ لعلك تھدیك القرآن الاوائل.
(۵) وکل امری یوماً سیعلم سعیہ ☆ اذا کسفت عند الا لہٗ المحاصل.

(۱) آگاہ رہو اللہ کے سوا ہر چیز فانی، اور ہر نعمت یقیناً زائل ہونے والی ہے۔ (۲) جب آدمی ایک رات کا سفر کر لیتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ اس نے ایک کام نمٹا دیا، حالانکہ ہر شخص پوری زندگی امیدوں میں ہوتا ہے۔ (۳) آپ ان سے کہہ دیں اگر چہ اس نے اپنا کام تقسیم کر رکھا ہے کہ تیری ماں محروم ہو، کیا تو نے زمانے سے اب تک عبرت حاصل نہیں کی (۴) اگر تیری ذات تصدیق نہ کرے تو اپنا نسب بیان کر، شاید کہ تجھے پچھلے لوگ کوئی راستہ بتا دیں۔ (۵) اور ہر شخص کی محنت عنقریب اس دن ظاہر ہو جائے گی جب خدا کے سامنے اس کے کئے کے نتائج ظاہر ہوں گے۔ لبید نے یہ قصیدہ اسلام لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کہا تھا اگر چہ بعض حضرات نے کہا کہ یہ زمانہ اسلام میں انھوں نے کہا ہے لیکن صحیح قول پہلا ہے۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۱۶۳۱ ﴿اچھے اشعار سننا مسنون ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٨٧**

**وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ اُمَيَّةَ بْنِ اَبِى الصَّلْتِ شَیْءٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هِيْهِ فَاَنْشَدْتُهٗ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ ثُمَّ اَنْشَدْتُهٗ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ حَتّٰى اَنْشَدْتُهٗ مِائَةَ بَيْتٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.**

**حوالہ:** مسلم، ص ۲۳۹ ج ۲، کتاب الشعر، حدیث ۲۲۵۵

**حل لغات:** ردفت (ن) رَدْفًا کسی کے پیچھے سوار ہونا، پیچھے ہونا، ھیہ اصل میں "ایہ" ہے، اسم فعل، پیش کرو اور مزید ہاں کہتے رہو، انشدتہ (افعال) فلانًا الشِّعْرَ، کسی کو شعر سنانا، بیت (ج) اَبْیَاتٌ، شعر۔

**ترجمہ:** حضرت عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تمھیں امیہ بن ابوصلت کے اشعار میں سے کچھ یاد ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، آپؐ نے فرمایا کہ پیش کرو، میں نے ایک شعر پڑھا، آپؐ نے فرمایا کہ اور پیش کرو، میں نے ایک شعر اور پڑھا، آپؐ نے فرمایا کہ اور پیش کرو، یہاں تک کہ میں نے سو شعر پڑھ کر آپ کو سنائے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو اشعار اچھے ہوں، ان میں اسلام کی تعلیم ہو یا پند و نصائح ہوں، یا آپ کی سیرت مقدسہ کا بیان ہو، یا اس طرح کی دوسری چیزوں کا ذکر ہو، تو ان اشعار کا سننا جائز ہے، بلکہ مسنون ہے، اگر چہ وہ اشعار کسی کافر شاعر ہی کے کیوں نہ ہوں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** امیۃ بن ابی الصلت یہ زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر تھا، ابو الصلت کا نام ربیعہ ہے اور یہ عرب کے مشہور قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتا ہے اس نے زمانہ اسلام پایا، لیکن اسلام قبول نہیں کیا، سابقہ کتب سماویہ اور انبیاء کے قصص کا مطالعہ کیا کرتا تھا، حضورؐ نے اس کے اشعار کے بارے میں فرمایا امن لسانہ و کفر قلبہ (اس کی زبان مومن لیکن اس کا دل کافر تھا۔) حضور اکرمؐ نے ان کے بارے میں فرمایا امیہ بن ابی الصلت اسلام قبول کرنے کے بالکل قریب تھا (کیونکہ اس کے اشعار ایمان اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق تھے، لیکن اس کی قسمت میں اسلام نہیں تھا اور وہ دنیا سے یوں ہی محروم

ہو کر چلا گیا)۔ بعض روایات میں ہے کہ اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ وہ شام میں تھا، طائف سے اپنا مال لینے کے لئے حجاز آیا، جب بدر پہنچا تو کسی نے اس سے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے، کہنے لگا طائف اپنا مال لینے جا رہا ہوں، وہاں سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کا ارادہ ہے، اس سے کہا گیا کہ معلوم ہے کہ اس کنویں میں کیا ہے؟ کہنے لگا نہیں۔ کہا گیا اس میں شیبہ، عتبہ اور فلاں فلاں تمہارے چچازاد ہیں، یہ سن کر وہ رونے لگا اور ہجرت کا ارادہ ترک کر کے طائف گیا، وہیں سن دو ہجری میں اس کا انتقال ہوا۔ (کشف الباری)

## حدیث نمبر ۱۶۳۲ ﴿آپؐ کا موزوں کلام﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٨٨

وَعَنْ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ بَعْضِ الْمُشَاهِدِ وَقَدْ دَمِيَتْ اِصْبَعُهُ فَقَالَ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَالَقِيْتِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حواله:** بخاری، ص ۳۹۳ ج ۱، باب من ینکب فی سبیل الله، کتاب الجهاد، حدیث ۲۸۰۲، مسلم، ص ۱۰۹ ج ۲، باب ما لقی النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب الجهاد، حدیث ۱۷۹۶

**حل لغات:** دمیت دَمِيَ، (س) دَمًى، زخم کا خون آلود ہونا، اصبع انگلی (ج) اَصَابِعُ۔

**ترجمه:** حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ کسی جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انگشت مبارک خون آلود ہو گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں ہے تو مگر ایک انگلی جو خون آلود ہو گئی ہے، اور جو کچھ بھی تجھ کو تکلیف لاحق ہوئی وہ اللہ کے راستے میں ہوئی ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک غزوہ میں آپؐ کی انگلی زخمی ہو گئی تو بے ساختہ یہ موزوں کلام آپ کی زبان مبارک سے نکلا، جس میں آپؐ نے انگلی کو خطاب کر کے یہ بات سمجھائی کہ دوران جہاد تکالیف پر صبر کرنا چاہئے اور اس قربانی پر اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** في بعض المشاهد کسی غزوہ میں "مشاهد" سے مراد "مغازی" ہے اور اس کو مشاهد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ غزوہ شہادت کی جگہ ہے، اور حدیث میں جس غزوہ کا ذکر ہے اس سے غزوہ اُحد مراد ہے، اس غزوہ میں پتھر لگنے کی وجہ سے آپ کی انگلی مبارک زخمی ہو گئی تھی، تو آپؐ نے یہ شعر پڑھا جس میں آپؐ نے فرمایا کہ تو صرف ایک انگلی ہے جو خون آلود ہو گئی ہے اور جو مصیبت تمہیں پہنچی وہ اللہ کے راستے میں پہنچی ہے۔

**اشکال:** یہاں آپؐ نے ایک شعر پڑھا ہے، جب کہ قرآنِ کریم میں آپ کی صفت میں آیا ہے "وما علمناه الشعر وما ینبغی له" ہم نے ان کو شعر کی تعلیم نہیں دی ہے اور شعر کہنا ان کے لئے مناسب بھی نہیں ہے۔

**جواب:** (۱) علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ رجز ہے اور رجز شعر نہیں ہے، جیسا کہ امام اخفشؒ کا مذہب ہے، کیوں کہ رجز کہنے والے کو راجز کہتے ہیں، شاعر نہیں کہتے ہیں، اس لئے کہ شعر میں یہ ضروری ہے کہ وہ بیت تام ہو اور عروض کے مسلمہ اوزان کے مطابق مقفی ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ شعر کہنے کا قصد بھی کیا گیا ہو، اتفاقی طور پر زبان سے کسی مقفی عبارت کا نکلنا شعر نہیں کہلاتا۔ (۲) بعض حضرات نے آیت کریمہ 'وما علمناه الشعر' کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس میں مشرکین مکہ کے اس قول کا رد ہے، جس میں انھوں نے آپ کو شاعر قرار دیا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ آپ معروف معنی میں شاعر نہ تھے اور نہ شعر گوئی آپ کا معمول تھا۔ (۳) اگر آپؐ کے مذکورہ بالا کلام کو شعر قرار بھی دیا جائے تو کہا جائے گا کہ آپؐ کے حق میں انشاءِ شعر ممنوع ہے، انشادِ شعر ممنوع نہیں ہے۔ انشاء شعر اور انشاد شعر دو علاحدہ علاحدہ چیزیں ہیں، چنانچہ شاعر وہ ہوتا ہے، جو شعر کی تخلیق کرتا ہے، تشبیب کے اشعار کہتا ہے، مدح وذم کرتا ہے اور فن کے مختلف روپ دکھاتا ہے،

جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بری رکھا اور ان کے مرتبہ کی حفاظت کی ہے۔ (کشف الباری)

**حدیث نمبر ۱۶۳۳ ﴿آپ کی تعریف میں اشعار کہنا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٨٩**

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ اُهْجُ الْمُشْرِكِيْنَ فَاِنَّ جِبْرِيْلَ مَعَكَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِحَسَّانَ اَجِبْ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

**حوالہ:** بخاری، ص ٤٥٦ ج ۱، باب ذکر الملائکۃ، کتاب بدء الخلق، حدیث ۳۲۱۲، مسلم، ص ۳۰۰ باب فضائل حسان، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ٢٤٨٥

**حل لغات:** اهج امر حاضر، مذمت کرو، هَجَا (ن) هَجْوًا فُلَانًا، ہجو کرنا، کسی کے عیوب بیان کرنا، ایده ان کی مدد کریئے، امر حاضر ہے، اَيَّدَهٗ، تَأْيِيْدًا (تفعیل) تائید کرنا، مضبوط کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے روز حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا کہ مشرکین کی ہجو کرو، بے شک تمہارے ساتھ جبرئیلؑ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسانؓ سے فرماتے تھے میری طرف سے جواب دو، اے اللہ روح القدس سے حضرت حسانؓ کی مدد کیجئے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** مشرکین اشعار میں حضورؐ کی اور مسلمانوں کی ہجو کرتے تھے، صحابہؓ نے حضورؐ سے اس کی شکایت کی، تو آپؐ نے فرمایا کہ تم بھی ان کی ایسی ہی ہجو کرو جیسی ہجو وہ تمہاری کرتے ہیں۔ حضرت حسانؓ بہت اچھے شاعر تھے، لہٰذا وہ نبی کے حکم سے اشعار میں نبی کا دفاع کرتے تھے اور آپؐ اُن کے لئے دعاء کرتے تھے۔ ہشام اپنے والد حضرت عروہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا میں نے حضرت عائشہؓ کے پاس حضرت حسانؓ کو برا بھلا کہا، تو انھوں نے کہا کہ حسان کو برا بھلا نہ کہو اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کرتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اهج المشركين آپؐ نے حضرت حسانؓ سے مشرکین کی ہجو کرنے کے لئے کہا، مسجد نبوی میں حضرت حسانؓ مشرکین کی ہجو میں اشعار کہتے اور یہاں سے یہ اشعار مکہ والوں تک پہنچتے۔ اللّٰهم ايده بروح القدس اے اللہ روح القدس یعنی جبرئیل امین کے ذریعہ حسانؓ کی مدد فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور حضرت حسانؓ کی جبرئیل کے ذریعہ مدد فرمائی۔ چنانچہ ترمذی میں روایت ہے کہ 'ان اللّٰه يؤيد حسان بروح القدس ما يفاخر' اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل کے ذریعہ حضرت حسانؓ کی مدد کرتے ہیں، جب کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فخریہ اشعار پڑھتے ہیں۔

**حدیث نمبر ١٦٣٤ ﴿اشعار میں کفار کی هجو کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٩٠**

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُهْجُوْا قُرَيْشًا فَاِنَّهٗ اَشَدُّ عَلَيْهِمْ مِنْ رَشْقِ النَّبْلِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۰۰ ج ۲، باب فضائل حسان، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث ۲٤٩٠

**حل لغات:** رشق بوچھار، تیز تیر پھینکنے والی کھڑی کمان، النبل تیر، (ج) اَنْبَالٌ۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کی ہجو کیا کرو، کیوں کہ اشعار کے ذریعہ ہجو ان پر تیر مارنے سے زیادہ سخت ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** ہجو کے معنی ہیں اشعار کے ذریعہ برائی کرنا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار اور دشمنانِ دین کی ہجو کرنا جائز ہے، لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کی ہجو کریں تب اُن کی ہجو کی جائے، اس سے پہلے ان کی ہجو کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں مسلمانوں کی وہ ہجو کریں گے اور اس طرح سے مسلمانوں کے خلاف ان کی ہجو کا سبب خود مسلمان بنیں گے۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** اهج المشركين آپ نے مشرکین کی ہجو کرنے کا حکم دیا۔ طبرانی نے عمار بن یاسرؓ کی روایت نقل کی ہے 'لما هجانا المشركون شكونا ذلك الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال قولوا لهم كما يقولون لكم' مشرکین نے جب ہماری ہجو کی تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ تم بھی ان کی ایسی ہی ہجو کرو جیسے وہ تمہاری ہجو کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری، صفحہ ۱۸۶ ج ۲۲) بخاری میں روایت ہے کہ حضرت حسانؓ نے آپ سے مشرکوں کی ہجو کی اجازت چاہی، تو آپ نے فرمایا کہ ان کا اور میرا خاندان ایک ہے (تو میں بھی اس ہجو میں شریک ہو جاؤں گا) حضرت حسانؓ نے کہا میں آپ کو ایسے نکالوں گا جیسے آٹے سے بال نکال لیتے ہیں۔

**حدیث نمبر ۱۶۳۵ ﴿کفار کی ہجو سے مسلمانوں کو تسلی ملنا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٩١**

وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِحَسَّانَ اَنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ لَا يَزَالُ يُؤَيِّدُكَ مَانَافَحْتَ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هَجَاهُمْ حَسَّانُ فَشَفٰى وَاشْتَفٰى رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حواله:** مسلم، ص ۳۰۱ ج ۲، باب فضائل حسان، كتاب فضائل الصحابة، حديث ۲٤۹۰

**حلِ لغات:** نافحت (مفاعلة) عنه دفاع کرنا، کسی کی حمایت وطرف داری کرنا، شفى (ض) شِفَاءً اللّٰهُ العَلِيلَ "بیماری سے اچھا کرنا، شفا دینا، اشتفى (افتعال) مِنْ عِلَّتِهٖ، صحت یاب ہونا، بیماری سے شفا پانا۔

**ترجمه:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسانؓ سے فرماتے ہوئے سنا کہ روح القدس برابر تمہاری مدد کرتے رہیں گے کہ جب تک کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مدافعت کرتے رہو گے۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ان کی ہجو گوئی کر کے حضرت حسانؓ نے شفا دی اور شفا پائی۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** مشرکین مکہ نے نورِ حق کے خاتمہ کے لئے صرف تیر و تلوار کا سہارا نہیں لیا، بلکہ معرکہ حق و باطل میں ان بت پرستوں نے زبان و تخیل کی طاقتوں سے بھی کام لیا، اور نبی وصحابہ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہہ کر ان کی دل آزاری کی، تو آپ کے حکم سے حضرت حسانؓ نے ان کا منہ توڑ جواب دیا، آپ کی دعاء کی برکت سے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے حضرت حسانؓ کی مدد کی اور حضرت حسانؓ کے اشعار کفار کے حق میں تیر و تلوار سے زیادہ مہلک ثابت ہوئے اور مسلمانوں کو سکون حاصل ہوا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** هجاهم حسان حضرت حسانؓ نے اپنے اشعار کے ذریعہ حریم اسلام کی حفاظت، مشرکین کی گستاخیوں اور ان کے گندے اعتراضات کا بھرپور جواب دے کر اس سیلاب پر بند باندھا اور ناموسِ رسالت کا تحفظ کا فریضہ انجام دے کر اپنے لئے سامانِ راحت کا انتظام کیا۔ اور حضرت حسانؓ نے صاف اعلان کیا: هجوت محمداً فاجبت عنه ☆ وعند الله في ذاك الجزاء. فان ابي ووالده وعرضي ☆ لعرض محمد منكم وقاء.

تو نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی تو میں نے اس کا جواب دیا، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا ثواب ملے گا۔ میرے

باپ اور میرے باپ کے باپ اور میری آبرو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کے واسطے ڈھال ہے۔

**حدیث نمبر ۱۶۳۶ ﴿آپ کا رجزیہ کلام پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۹۲**

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْقُلُ التُّرَابَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰى اَغْبَرَ بَطْنُهٗ يَقُوْلُ

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا ۞ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا ۞ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

اِنَّ الْاُوْلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ۞ اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

يَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهٗ اَبَيْنَا اَبَيْنَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ:** بخاری، ص ۵۸۹ ج۲، باب غزوۃ الخندق، کتاب المغازی حدیث ۴۱۰۴، مسلم، ص ۱۱۲ ج۲، باب غزوۃ الاحزاب، کتاب الجهاد، حدیث ۱۸۰۳

**حل لغات:** التراب مٹی، (ج) اَتْرِبَةٌ، اغبر (افتعال) الشئُ، گرد آلود ہونا، بغوا بَغِیَ (ض) بَغْیًا زیادتی کرنا، ظلم کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے دن مٹی اٹھا کر لے جاتے تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک غبار آلود ہو گیا تھا اور آپ یہ رجزیہ کلمات کہہ رہے تھے 'واللہ لو لا اللہ... الخ بخدا اگر فضل خدا شامل حال نہ ہوتا تو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے، نہ صدقہ کی توفیق ہوتی نہ نماز کی سعادت ملتی۔ تو اے اللہ ہم پر وقار اور اطمینان نازل فرما، اور اگر مڈبھیڑ کا موقع آئے تو ہمیں ثابت قدم رکھ، یہ لوگ بلاشبہ آمادۂ ظلم نظر آتے ہیں، مگر ان کی فتنہ پروری ہمارے لئے قابل تسلیم نہیں ہے، قابل تسلیم نہیں کو بلند آواز سے کہتے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** غزوۂ خندق میں مسلمانوں کو سخت آزمائش اور کڑی محنت کا سامنا تھا، خندق کی کھدائی میں صحابہؓ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک تھے، اور ہر طرح کی مشقت برداشت کر رہے تھے، اس موقع پر آپؐ نے کچھ اشعار پڑھے جن کو رجز کہا جاتا ہے اور رجز آپؐ کے لئے ممنوع نہیں تھا، یا پھر آپؐ کے لئے شعر تخلیق کرنا منع تھا، دوسروں کے اشعار پڑھنا ممنوع نہ تھا، اور یہ عبداللہ بن رواحہ کا کلام ہے جو کہ زبان نبوت سے نقل ہوا ہے۔ اس موضوع پر کچھ تفصیل عالمی حدیث ۴۷۸۸ کے تحت گذر چکی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ینقل التراب یوم الخندق غزوۂ خندق کے موقعہ پر آپؐ خندق کی کھدائی میں شریک تھے اور مٹی اپنی پیٹھ پر لاد کر خندق کے باہر پھینک رہے تھے اور مندرجہ ذیل رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

## ﴿غزوۂ خندق کی تفصیل﴾

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہود کے قبیلۂ بنو نضیر کو مدینہ منورہ سے نکالا تو اس قبیلہ کی ایک جماعت جا کر خیبر میں آباد ہوئی اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئی مسلمانوں کو جب غزوۂ احد میں شکست ہوئی تو ان یہودیوں کو سازش کا بڑا اچھا موقع ملا، چنانچہ ان کے سرداروں میں سے حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع مکہ معظمہ گئے اور قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا۔ کنانہ بن ربیع نے جا کر بنی غطفان کے لوگوں سے کہا کہ خیبر کے نخلستانوں کی سالانہ کھجوروں میں سے نصف حصہ ہم تم کو دیا کریں گے بشرطیکہ تم مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس لالچ میں آ کر یہ

لوگ جنگ پر آمادہ ہوگئے، بنو اسد بنو غطفان کے حلیف تھے، بنو غطفان نے ان کو ساتھ دینے کے لئے کہا، وہ بھی تیار ہوگئے، اسی طرح بنو سلیم اور بنو سعید بھی تیار ہوگئے۔ چنانچہ دس ہزار کے قریب ایک لشکر جرار تیار ہوگیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا، اس میں قریش کے چار ہزار آدمی تھے، ان کے پاس تین سو گھوڑے اور ایک ہزار پانچ سو اونٹ تھے۔ ابو سفیان پورے لشکر کی قیادت کر رہا تھا اور احد کے قریب جا کر انہوں نے پڑاؤ ڈالا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسیؓ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا، مدینہ منورہ کے تین اطراف میں مکانات اور نخلستان تھے، ادھر سے حملہ کرنا تو کفار کے لئے مشکل تھا صرف شام کی جانب والا حصہ کھلا ہوا تھا اور دشمن کو اسی طرف سے حملہ کرنا تھا، چنانچہ آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے کو قبول کیا اور اس جانب خندق کھودنے کا آغاز ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین ہزار صحابہ خندق کی کھدائی میں شریک ہوئے، آپؐ نے خود اس کے حدود قائم فرمائے اور خط کھینچ کر دس آدمیوں پر دس گز زمین تقسیم کی، خندق کا عمق پانچ گز کے قریب رکھا گیا، اور اس کی لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود خندق کھودنے میں شریک تھے، انصار و مہاجرین سب مل کر رجزیہ اشعار پڑھتے اور اپنے اپنے حصہ کی کھدائی میں لگے رہتے، بعض صحابہؓ جب اپنے حصہ سے جلد فارغ ہوگئے تو وہ دوسرے صحابہ کے ساتھ ان کی حصے میں شریک ہوگئے، اس طرح ابن سعد کے بیان کے مطابق چھ دن میں یہ خندق تیار ہوئی، اس میں اور بھی روایتیں ہیں، بعض کے نزدیک پندرہ دن، بعض کے نزدیک بیس دن، ایک روایت میں چوبیس دن اور ایک روایت میں ایک ماہ کا عرصہ بھی بتایا گیا ہے، علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ اصل میں خندق کھودنے میں تو صرف چھ دن لگے تھے، البتہ کل مدتِ حصار بیس دن ہے۔

یہ سخت گرمی کا موسم تھا، اور قحط کا زمانہ تھا، کئی دن مسلمان فاقے سے رہے، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر پتھر بندھے ہوئے تھے، لیکن اسلام کے لئے قربانی کا ایک جذبہ تھا، جس کی وجہ سے دنیا کی ہر تکلیف کو اسلام کی خاطر برداشت کرنا ان کے لئے آسان تھا۔

مسلمان خندق کھود کر فارغ ہوئے تو کفار کا لشکر پہنچ گیا اور احد کے قریب آکر کفار نے پڑاؤ ڈالا، مسلمان کوہِ سلع کے قریب جا کر ٹھہرے، عورتوں اور بچوں کو محفوظ قلعوں میں بھیجنے کا حکم دیا گیا اور چند صحابہ کو ان کی حفاظت پر مامور فرمایا۔

لشکر کفار نے آکر جب خندق دیکھی تو اس چیز سے ان کو پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا اس لئے ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیسے حملہ کیا جائے، صرف ایک صورت تھی تیر اندازی کی، چنانچہ دونوں طرف سے تیر اندازی ہوتی رہی اسی تیر ،ندازی میں حضرت سعد بن معاذؓ زخمی ہوئے تھے، جس کی وجہ سے وہ بعد میں انتقال فرما گئے تھے۔

یہ سلسلہ بیس دن تک اور بعض کے نزدیک ایک ماہ تک جاری رہا، کفار نے کئی تدبیریں سوچیں لیکن کوئی کارگر نہ ہوئی، بالآخر ایک دن انھوں نے مشورہ کیا کہ آج مل کر ایک عام اور سخت حملہ کیا جائے، چنانچہ کفار نے ایک زبردست حملہ کیا تیروں اور پتھروں کی بارش کردی اور عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود اور اس کے ساتھ عکرمہ بن ابی جہل، نوفل بن عبداللہ، اور ضرار بن خطاب وغیرہ نے ایک جگہ سے خندق عبور کر کے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی، عمرو بن عبدود بدر میں زخمی ہوا تھا اور اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے انتقام نہ لے لوں اس وقت تک سر میں تیل نہیں لگاؤں گا، عمرو بن عبدود کے مقابلے میں حضرت علیؓ نکلے، عمرو نے کہا کہ تم چھوٹے ہو، ابھی تمہیں زندگی کی کچھ بہاریں دیکھنی ہیں، اس لئے واپس چلے جاؤ، کسی بڑے آدمی کو میرے مقابلہ میں لاؤ، میں تمہارے قتل کو پسند نہیں کرتا، حضرت علیؓ نے فرمایا "لیکن میں تو تمہارے قتل کو پسند کرتا ہوں" اس کی وجہ سے عمرو طیش میں آگیا اور گھوڑے سے اتر کر حضرت علیؓ پر وار کیا، حضرت علیؓ نے اس کا وار سپر سے روکا لیکن پیشانی پر زخم آیا، جواب میں حضرت علیؓ نے وار کیا، پہلے ہی وار میں

اس کو جہنم رسید کیا اور نعرۂ تکبیر بلند کر کے فتح کا اعلان کیا، عمرو کی موت دیکھ کر اس کے ساتھ آنے والے باقی لوگ بھاگے، نوفل بن عبداللہ بھاگتے ہوئے خندق میں جا گرا، حضرت علیؓ نے اتر کر اس کا بھی کام تمام کیا، یہ دن بڑا سخت تھا، پورے دن تیر اندازی ہوتی رہی، کفار تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے، اس دن آپ سے مسلسل چار نمازیں قضا ہوئیں۔

محاصرہ بدستور جاری رہا ایک دن نعیم بن مسعود اشجعیؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایمان لا چکا ہوں میری قوم کو میرے ایمان لانے کا علم نہیں، اگر آپ اجازت دیں تو میں کوئی تدبیر کروں، آپ نے اجازت دی اور فرمایا کہ ”فان الحرب خدعة“ لڑائی تو حیلہ اور تدبیر ہی کا نام ہے، نعیم بن مسعود اشجعی قبیلہ بنی غطفان کے سردار تھے، قریش اور یہود دونوں کا ان پر اعتماد تھا، انھوں نے یہودیوں اور قریش میں پھوٹ ڈالنے کی ایک عجیب تدبیر کی، اس طرح کہ پہلے یہودِ بنی قریظہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم لوگ لڑائی میں شریک تو ہو گئے ہو لیکن تم نے سوچا بھی ہے کہ اگر جنگ میں شکست ہوئی تو قریش اور غطفان کے لوگ تو اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے لیکن تم کہاں جاؤ گے، تمہارا واسطہ تو یہیں مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہی رہے گا، اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا؟ بنی قریظہ نے کہا کہ پھر کیا کرنا چاہئے؟ حضرت نعیم بن مسعودؓ نے کہا کہ اطمینان کر لو، قریش اور غطفان کے چند آدمی اپنے پاس رہن رکھو، اگر وہ رہن میں اپنے آدمی آپ کے پاس رکھوا دیں تو جنگ میں شرکت کرو ورنہ نہیں، بنی قریظہ کو ان کی بات پسند آئی اور سب نے کہا کہ قریش سے آدمیوں کے رہن رکھنے کا مطالبہ کرنا چاہئے، حضرت نعیمؓ وہاں سے پھر قریش کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہود مسلمانوں کے ساتھ جنگ پر پشیمان ہو چکے ہیں اور انھوں نے محمد ﷺ کے پاس پیغام بھیجا ہے کہ اگر ہم قریش اور غطفان کے کچھ سردار گرفتار کر کے آپ کے حوالے کر دیں تو کیا آپ راضی ہو جائیں گے، اور محمد ﷺ نے رضامندی ظاہر کر دی ہے، چنانچہ اب یہودیوں کا ارادہ ہے کہ تم سے رہن میں کچھ آدمی طلب کریں گے اور ان کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔

قریش اور غطفان نے عکرمہ بن ابی جہل کو بنی قریظہ کے پاس بھیجا کہ جنگ کا محاصرہ کافی طویل ہو گیا ہے اب تم باہر نکلو تا کہ مل کر حملہ کریں، عکرمہ وہاں گئے تو انھوں نے کہا کہ ہم جنگ میں اس وقت شرکت کریں گے جب تم اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس بطور رہن رکھ دو تا کہ ہمیں تمہاری طرف سے اطمینان ہو جائے اور کہیں تم ہمیں تنہا چھوڑ کر بھاگ نہ نکلو، اس جواب سے نعیم بن مسعودؓ کی بات کی صداقت کا قریش اور غطفان کو یقین ہو گیا کہ انھوں نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے، انھوں نے جواب دیا کہ ہم رہن میں اپنے آدمی نہیں رکھوا سکتے اگر جنگ لڑنی ہے تو آ جاؤ، اس طرح احزابِ کفار میں پھوٹ پڑ گئی اور ان کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ جل شانہٗ نے ایک تیز آندھی بھیجی جس نے لشکرِ کفار کے تمام خیمے اکھاڑ دیئے، ان کی طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں اور دیگر سامان بکھر گیا جس کی وجہ سے کفار بدحواس ہوئے، گھبرا گئے اور بالآخر ابو سفیان نے اعلان کیا کہ بنو قریظہ نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے، ہمارے جانور ہلاک ہو گئے، آندھی نے ہمارے خیمے اور ان کی طنابیں اکھاڑ دیں لہٰذا فوراً واپس چلو، یہ کہتے ہوئے ابو سفیان اونٹ پر سوار ہو گیا اور اس طرح قریش اور دوسرے سب لوگ روانہ ہو گئے۔

صبح ہوئی تو حضور ﷺ بھی یہ کہتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون، صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده یہ بدھ کا دن تھا اور ذی قعدہ کی ۲۳ رتاریخ تھی (۲۲) اس غزوہ میں چھ مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا (۱) حضرت سعید بن معاذؓ (۲) حضرت عبیداللہ بن سہلؓ (۳) حضرت انس بن اویسؓ (۴) طفیل بن نعمان (۵) حضرت کعب بن زیدؓ (۶) ثعلبہ بن عنمہ۔

کفار کے تین آدمی قتل ہوئے (۱) عمر بن عبدود (۲) نوفل بن عبداللہ (۳) عثمان بن منبہ غزوۂ خندق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب بنایا تھا۔ (۲۴) اس غزوہ میں مسلمانوں کا شعار (علامتی لفظ) ''حم لاینصرون'' تھا۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ غزوۂ خندق میں اس قلعہ کی حفاظت پر مامور تھے جس میں عورتیں تھیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے ایک یہودی کو قلعہ کے اردگرد چکر لگاتے دیکھا تو حضرت حسان سے کہا کہ اس کو قتل کردو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ہماری مخبری کردے، حضرت حسانؓ نے اس کو قتل کرنے سے معذرت کی، حضرت صفیہؓ خود خیمہ کی ایک لکڑی اٹھا کر اس یہودی کے تعاقب میں گئیں، اس کے سر پر وہ لکڑی مار کر اس کا کام تمام کیا، اور آکر حضرت حسان سے کہا کہ اب اس کے ہتھیار تو اتار لاؤ، حضرت حسانؓ نے اس سے بھی معذرت کی اور کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں، ایک تو اس لئے کہ یہ منقطع الاسناد ہے اور دوسرے اس لئے کہ حضرت حسان شعرائے قریش کی مذمت میں شعر کہتے تھے، اور جواب میں وہ بھی اشعار کہتے تھے تو حضرت حسانؓ اگر اتنے ہی بزدل تھے تو ان کے مخالف شعراء اشعار میں ان کی بزدلی کا ذکر ضرور کرتے جب کہ ان کے خلاف کہے گئے اشعار میں ان کی بزدلی کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔

### غزوۂ خندق کی تاریخ وقوع میں اختلاف

غزوۂ خندق کے بارے میں اسحاق، قتادہ اور عام اہل سیر ومغازی کی رائے یہ ہے کہ یہ ۵ھ کو پیش آیا ہے، امام بخاریؒ نے موسیٰ بن عقبہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ ۴ھ میں پیش آیا ہے، اور محمد حزم ظاہری کی بھی یہی رائے ہے، یہی قول امام مالکؒ کا بھی ہے، اور امام بخاریؒ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ انھوں نے موسیٰ بن عقبہ کا قول نقل کیا ہے، ابن اسحاق کا قول نقل نہیں کیا۔

وجہ تسمیہ: غزوۂ خندق کو غزوۂ خندق اس لئے کہا جاتا ہے کہ جبل سلع کے سامنے آپ نے خندق کھدوائی تھی، پیچھے جبل سلع تھا، سامنے خندق تھی اور اس کے آگے مشرکین کی جماعتیں ٹھہری ہوئی تھیں، اہل عرب کے یہاں خندق کھود کر دشمن کا راستہ روکنے کا طریقہ نہیں تھا، البتہ ایرانیوں میں یہ طریقہ رائج تھا اور حضرت سلمان فارسیؓ کا تعلق چونکہ ایران سے تھا اس لئے وہ اس سے واقف تھے، چنانچہ انھوں نے اس کا مشورہ دیا اور آپؐ نے قبول فرمایا۔

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کی دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے اور اپنے دفاع کی خاطر اگر دوسری قوموں کے ایجاد کردہ اسلحہ اور تدابیر کو اختیار کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کہتے ہیں کہ منوشہر ابن ایرج بن افریدون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص تھا، سب سے پہلے اس نے خندق کا طریقہ جاری کیا تھا، اور اس کے بعد پھر یہ مختلف اقوام میں جاری ہوا۔

غزوۂ خندق کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں، احزاب اس کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس غزوہ میں مشرکین مختلف قبائل کے لوگوں کو ساتھ لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے کے لئے آئے تھے، جن کی تعداد دس ہزار تھی، جب کہ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد کل تین ہزار تھی، تو چونکہ احزاب کفار کا بڑا اجتماع اس میں ہوا تھا اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔

**حدثنا یعقوب بن ابراھیم حدثنا یحیٰ بن سعید** ...... حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ غزوۂ احد میں حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوئے اس وقت ان کی عمر چودہ سال کی تھی، آپ ﷺ نے ان کو اجازت نہیں دی، پھر غزوۂ خندق کے موقع پر آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔

امام بخاریؒ نے یہ روایت نقل کی ہے، اس روایت میں غزوۂ احد کے موقع پر ان کی عمر چودہ سال کی بتائی گئی ہے اور غزوۂ احد جو بالا تفاق ۳ھ میں پیش آیا ہے، اسکے بعد غزوۂ احد کے موقع پر ان کی عمر اس روایت میں پندرہ سال بتائی گئی ہے، معلوم ہوا کہ غزوۂ خندق ۴ھ

میں پیش آیا ہے۔امام بخاریؒ نے "کانت فی شوال سنة اربع" کی تائید میں اس روایت کو پیش کیا ہے۔

(۱) لیکن جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ عام اہل سیر ومغازی ۵ھ میں اس غزوے کے وقوع کے قائل ہیں۔وہ اس روایت کے جواب میں کہتے ہیں کہ غزوۂ احد کے وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عمر چودھویں سال کی ابتدا تھی اور غزوۂ خندق کے موقع پر ان کی عمر کے پندرہویں سال کی انتہا تھی، تو اس طرح دو سال کا فاصلہ ہو جائیگا اور ۵ھ میں اس کے وقوع روایت باب کی رو سے کوئی اعتراض لازم نہیں آئیگا۔

(۲) بعض حضرات نے اس روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ غزوۂ خندق میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عمر پندرہ سال سے زیادہ تھی لیکن شرکت جہاد کے لئے پندرہ سال کی عمر چونکہ شرط ہے اس لئے روایت میں پندرہ کا ذکر کر دیا، تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی عمر پندرہ سے زائد نہ ہو۔

تیسری بات بعض حضرات نے یہ کہی کہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی اور اسی سال ربیع الاول سے پہلے جو محرم ہے اس سے سن ہجری کا حساب لگایا گیا، یہی عام علماء کا قول ہے، البتہ یعقوب بن سفیان وغیرہ کا خیال ہے تاریخ سن ہجری کی ابتدا کا حساب اگلے محرم سے لگایا گیا ہے، یعنی ہجرت کے دس ماہ بعد جو محرم ہے اس سے سن ہجری کی ابتدا ہوئی، اس لحاظ سے غزوۂ بدر ایک ہجری میں غزوۂ احد ۲ھ ہجری میں اور غزوۂ خندق ۴ھ ہجری میں ہوگا، جو لوگ غزوۂ خندق کے ۴ھ میں وقوع کے قائل ہیں انھوں نے تاریخ ہجری کی ابتدا میں یعقوب بن سفیان کا قول اختیار کیا ہے، اور جو حضرات ۵ھ میں اس کے وقوع کے قائل ہیں انھوں نے سن ہجری کی ابتدا میں جمہور علما کا قول لیا ہے، لہٰذا یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں، سال وقوع کی تعیین پر تو سب متفق ہیں، البتہ سن ہجری کی ابتدا میں اختلاف کی وجہ سے ۴ھ اور ۵ھ کا فرق پڑ گیا، لیکن سنہ ہجری کی ابتدا میں یعقوب بن سفیان کی رائے ٹھیک معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ اس صورت میں ہجرت کے بعد کے دس ماہ سن ہجری میں شمار نہیں ہوں گے، اور اس کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، لہٰذا ٹھیک بات وہی ہے کہ سنہ ہجری کی ابتدا ہجرت کے مہینے یعنی ربیع الاول سے پہلے والے محرم سے کی جائے۔

امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ تاریخ ہجری کا اعتبار ربیع الاول ہی سے کرنا چاہئے کیوں کہ یہی مہینہ ہجرت کا ہے۔ واللہ اعلم

**حدیث نمبر ۱۶۳۷ (غزوۂ خندق کے موقع پر صحابہؓ کے اشعار) عالمی حدیث نمبر ۴۷۹۳**

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَعَلَ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ يَحْفِرُوْنَ الْخَنْدَقَ وَيَنْقُلُوْنَ التُّرَابَ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُجِيْبُهُمْ اَللّٰهُمَّ لَاعَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۳۹۸ ج ۲، باب حفر الخندق، کتاب الجهاد، حدیث ۳۸۳۵، مسلم، ص ۱۱۳ ج ۲، باب غزوة الاحزاب، کتاب الجهاد، حدیث ۱۸۰۵

**ترجمه:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین وانصار سب خندق کھودتے اور مٹی اٹھا کر لے جاتے اور یہ کہتے، ہم وہ ہیں جو عمر بھر جہاد کرنے کے لئے محمد مصطفیٰؐ کے ہاتھوں بک گئے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں جواب دیتے ہوئے یوں گویا ہوتے اے اللہ آرام نہیں ہے، مگر آخرت کا، لہٰذا جملہ انصار ومہاجرین کی مغفرت فرما۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر سخت محنت ومشقت کے باوجود صحابہؓ نبی سے محبت وعقیدت کے اظہار کے لئے رجز یہ اشعار پڑھتے تو آپ بھی دعائیہ کلمات کے ذریعہ انھیں تسلی دیتے اور بتاتے کہ تمہاری یہ قربانی ضائع ہونے والی نہیں، اس کے عوض تمہیں آخرت کی تمام نعمتیں وراحتیں ملیں گی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** علی الجهاد ما بقينا ابدا جہاد بہت بڑی عبادت ہے، بخاری میں روایت ہے کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں آئے اور آپؐ سے عرض کیا کہ آپؐ میری کسی ایسے عمل کی طرف رہنمائی کیجئے جو جہاد کے مساوی ہو، آپؐ نے فرمایا کہ 'لا اجـــده' میں نہیں پاتا ہوں، یعنی جہاد کے مساوی کوئی عمل نہیں ہے۔ اسی فضیلت کی بنا پر صحابہ نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ ہم جب تک زندہ رہیں گے جہاد کو ترک نہ کریں گے۔ اللھم لا عیش مقصد یہ تھا کہ دنیا میں آرام ملے نہ ملے، لیکن اصلی راحت و آرام جو کہ آخرت کی راحت و آرام ہے وہ تمہیں ضرور ملے گا۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ خندق کھودنے کے دوران مذکورہ بالا شعر 'نحن الذين... الخ' رجز کے انداز میں پڑھا کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم میں سے جب کوئی آدمی عمل کرتا ہے تو وہ منہ ہی منہ میں گنگناتا ہے، تاکہ تھکاوٹ و بیزاری ظاہر نہ ہو، کیوں کہ انسان جب کوئی مشقت والا عمل کرتا ہے تو اس اثناء میں گنگناتا رہتا ہے، اس کا یہ گنگنانا اس کام کی مشقت کو غیر محسوس بنا دیتا ہے۔ (فیض الباری، صفحہ ۲۲۷ ج ۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی پوشیدہ صلاحیتوں اور جنگی جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لئے اشعار اور رجز وغیرہ استعمال کرنا چاہئے۔ آپؐ نے رجزیہ شعر پڑھ کر جس کام میں صحابہؓ مشغول تھے، یعنی خندق کی کھدائی، اس پر مزید ابھارا ہے۔ کیوں کہ یہ بھی جہاد ہی کا ایک حصہ ہے۔ (کشف الباری)

## حدیث نمبر ۱۶۳۸ ﴿برے اشعار کی مذمت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٩٤

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنْ يَّمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا يَرِيْهِ خَيْرٌ مِنْ اَنْ يَّمْتَلِئَ شِعْرًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حواله:** بخاری، ص ۹۰۹ ج ۲، باب ما يكره ان يكون الغالب... الخ، كتاب الادب، حديث ٦١٥٥، مسلم، ص ۲۴۰ ج ۲، كتاب الشعر، حديث ۲۲۵۷

**حل لغات:** یمتلی امتلاء (افتعال) بھرنا، جوف پیٹ (ج) اَجْوَاف، قَيْحًا پیپ قَاحَ (ض) قَيْحًا، الجُرْحُ، زخم میں پیپ پڑ جانا، یریه وَرَیَ (ض) وَرْيًا القِيحُ جَوْفَهُ پیپ کا اندرون جسم کو خراب کر دینا۔

**ترجمه:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاد رکھو کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھرنا جو اس کے پیٹ کو خراب کر دے اس سے بہتر ہے کہ پیٹ کو اشعار سے بھرا جائے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ انسان پر شعر و شاعری کا مشغلہ اس طرح غالب آجائے کہ اللہ کے ذکر، قرآن کی تلاوت اور دوسرے امور خیر کے لئے رکاوٹ بن جائے تو یہ ممنوع ہے، اشعار کہنے پڑھنے اور پڑھوانے کی اجازت اسی صورت میں ہے کہ جب وہ ان امور خیر کے لئے باعث خلل نہ ہو، اگر اشعار کا مشغلہ امور خیر اور ذکر الٰہی سے غافل کر رہا ہے اور تلاوت وغیرہ پر غالب آرہا ہے تو ناجائز ہے۔ (فتح الباری، صفحہ ۶۷۲ ج ۱۰)

**کلمات حدیث کی تشریح** لان يمتلى برے اشعار سے پیٹ بھرنے سے بہتر ہے کہ پیپ سے پیٹ بھر لیا جائے۔ یہاں وہ اشعار مراد ہیں، جو فحش و بے حیائی کی باتوں یا اسی طرح خرافات پر مشتمل ہوں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اشعار مراد ہیں جن میں آپ کی ہجو بیان کی گئی ہو، یا پھر وہ اشعار مراد ہیں جو امور خیر سے رکاوٹ کا ذریعہ بنیں، بہر حال مطلقاً شعر کہنا اور سننا منع نہیں ہے اور ماقبل کی روایات میں تفصیل سے یہ مضمون گذر چکا ہے۔ دیکھیں عالمی حدیث ۴۷۸۴

# الفصل الثانی

## حدیث نمبر ۱۶۳۹ ﴿زبان سے جهاد کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٩٥

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَنْزَلَ فِي الشِّعْرِ مَا اَنْزَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهٖ وَلِسَانِهٖ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَكَاَنَّمَا تَرْمُوْنَهُمْ بِهٖ نَضْحَ النَّبْلِ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِي الْاِسْتِيْعَابِ لِاِبْنِ عَبْدِ الْبَرِّ اَنَّهٗ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاذَا تَرٰى فِي الشِّعْرِ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهٖ وَلِسَانِهٖ.

**حواله:** البغوی فی شرح السنة، کتاب الاستئذان، باب الشعر والرجز، حدیث ۳٤۰۹

**ترجمه:** حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل کردہ آیت میں شعر کا حکم بیان کر دیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن اپنی تلوار اور اپنی زبان سے جہاد کرتا ہے، اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اُن کے ذریعہ تم اُن پر یوں تیر اندازی کرتے ہو جیسے تیروں کی بوچھار۔ (شرح السنۃ) اور ابن عبدالبر کی استیعاب میں ہے کہ وہ عرض گذار ہوئے اے اللہ کے رسول شعر کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے اور اپنی زبان سے لڑتا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** تین حضرات شعراء اسلام میں ممتاز اور برتر حیثیت رکھتے ہیں، ان میں ایک تو حضرت حسان ابن ثابتؓ تھے دوسرے حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ اور تیسرے حضرت کعب ابن مالکؓ، علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تینوں حضرات اپنا الگ الگ شعری انداز و رخ رکھتے تھے، حضرت کعبؓ کے اشعار خصوصیت سے ایسے مضامین پر مشتمل ہوتے تھے، جو کفار و مشرکین کو جنگ و جہاد کے خوف میں مبتلا کرتے تھے اور ان کے دلوں پر رعب و ہیبت کے اثرات مرتب کرتے تھے۔ حضرت حسانؓ اپنے اشعار کے ذریعہ دشمنانِ دین اور دشمنانِ رسولؐ کے حسب و نسب پر طعن و تشنیع کے تیر چلاتے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار کا رخ کفار و مشرکین کی توبیخ و سرزنش کی طرف رہتا تھا۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیت 'والشعراء یتبعهم الغاون' نازل فرمائی اور اس کے ذریعہ شعر اور شاعری کی مذمت ظاہر ہوئی، تو حضرت کعبؓ نے گویا شعر و شاعری کی برائی اور اپنے احوال یعنی اپنے شاعر ہونے پر تاسف کے اظہار کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مذکور جملہ ادا کیا، لیکن آنحضرتؐ نے اپنے جواب کے ذریعہ ان پر ظاہر فرمایا کہ شعر و شاعری بذاتِ خود کوئی بری چیز نہیں ہے، بلکہ اس میں برائی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کو غیر شرعی باتوں اور نامناسب مضامین کے اظہار کا ذریعہ بنایا جائے، اور چونکہ عام طور پر شعراء فکر اور خیال کی گمراہی اور زبان و کلام کی بے اعتدالیوں کا شکار ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں مذکورہ آیت نازل فرمائی ہے، ورنہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کوئی شخص اپنے اشعار کو حق و صداقت کا اظہار اور باطل و ناحق کی تردید کا ذریعہ بنائے، تو اس کی شعر و شاعری اس آیت کا محمل نہیں ہوگی، بلکہ جو شعراء اپنے اشعار کے ذریعہ خدا اور خدا کے رسولؐ کی خاطر کفار کا شاعری سے مقابلہ کرتے ہیں اور ان کی ہجو کا جواب ہجو سے دے کر گویا دین اسلام کی تائید کرتے ہیں، وہ دراصل جہاد کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں، لہٰذا تمہیں اطمینان رکھنا چاہئے کہ نہ تمہارے اشعار اس آیت کی روشنی میں قابل مذمت ہیں اور نہ تم ان شعراء میں داخل ہو جن کی برائی ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی گئی ہے، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے تم جیسے شعراء کو اپنے اس قول کے ذریعہ مذکورہ آیت کے حکم سے باہر رکھا ہے کہ الا الذین امنوا وعملوا الصالحت وذکروا اللہ کثیراً۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** ان اللہ تعالیٰ قد انزل فی الشعر ما انزل جب قرآن مجید کی آیت 'والشعراء یتبعھم الغاوٗن' نازل ہوئی کہ شعراء کی اتباع گمراہ لوگ کرتے ہیں، تو حضرت کعب بن مالکؓ اور مفسرین و شارحین کے مطابق حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت کعب بن زبیرؓ وغیرہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا ہم تو شعر کہتے ہیں، اور اپنے حال پر اظہار افسوس کیا تو آپؐ نے تسلی دی کہ تمہارا شعر کہنا زبانی جہاد ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے آگے 'الا الذین آمنوا... الخ' فرمایا اس پر تو غور کرو۔ اس سے وہ شعراء نکل گئے جو مومن اور صالح ہیں، تب یہ لوگ مطمئن ہو گئے۔

**حدیث نمبر ۱۶۴۰ ﴿زبان کو قابو میں رکھنا ایمان کی پہچان ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٩٦**

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۲ ج۲، باب ما جاء فی العی، کتاب البر والصلة، حدیث ۲۰۲۷

**حل لغات:** العی خاموشی، کلام پر عدم قدرت، عَیَّ فِی مَنْطِقِهِ (س) عِيًّا کلام سے عاجز ہونا، البذاء بدزبانی، فحش گوئی بَذُوَ (ك) بَذَاءً بدزبان ہونا، بدکلام ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوامامہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ حیاء اور خاموشی ایمان کی دو شاخیں ہیں، جبکہ فحش گوئی اور زبان درازی نفاق کی دو شاخیں ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حیاء اور کم گوئی اور کامل غور وفکر سے باتیں کرنا، زبان کو قابو میں رکھنا، گناہ اور ناجائز باتوں سے سکوت اختیار کرنا، یہ ایمان سے پیدا شدہ عمدہ خصلتیں ہیں، یہی ایمان مؤمن کو حیا پر ابھارتا ہے، تاکہ وہ خدا سے حیاء کر کے معاصی سے بچ سکے، اور اس کو بے پروا کلام سے روکتا ہے، تاکہ وہ گناہوں میں مبتلا نہ ہو، پس ایمان ان صفتوں کا اور تمام خصائل حمیدہ کا منشاء ہے۔ برخلاف فحش گوئی، کثرت کلام، چرب زبانی، مبالغہ آمیزی، بکواس اور چاپلوسی کے کہ اُن کا منشاء نفاق ہے، یا یہ مطلب ہے کہ یہ خصلتیں نفاق پیدا کرنے والی ہیں۔ (عون الترمذی)

**کلمات حدیث کی تشریح** العی عین کے زیر اور زبر کے ساتھ، مصدر ہے، جس کے معنی ہیں کام کی بات نہ کہہ سکنا، افہام مقصود پر قادر نہ ہونا، مگر یہاں قلتِ کلام مراد ہے، کیوں کہ حیاء کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے، اس لئے حیاء کی وجہ سے بات نہ کہہ سکنا مراد ہے اور یہ وصف محمود ہے، جیسے بے ہودہ گوئی وصفِ مذموم ہے۔ اور بدلحاظی اور چاپلوسی بری صفتیں ہیں۔ آپؐ نے شرم ولحاظ اور قلتِ کلام کو ایمان کی دو شاخیں قرار دیا ہے، یعنی یہ دونوں باتیں ایمان کے تقاضے سے پائی جاتی ہیں اور قلتِ کلام خود حیاء میں داخل ہے، کیوں کہ حیاء کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ حیاء جس کا اثر ظاہر نہ ہو، دوسری وہ حیاء جس کا اثر ظاہر ہو، یہاں حیا سے پہلی قسم مراد ہے اور دوسری قسم 'العی' سے مراد لی گئی ہے۔ یعنی شرم ولحاظ کی وجہ سے بات نہ کہہ سکنا خوبی کی بات ہے۔ والبذاء والبیان اور بے ہودہ گوئی اور چرب زبانی نفاق کی دو شاخیں ہیں، بے ہودہ گوئی، یعنی بے سمجھے اور انجام کی پرواہ کئے بغیر بولنا اور واہی تباہی باتیں کرنا اور بیان یعنی چرب زبانی۔ جیسے اس زمانے کے کچھ مقرروں میں ہوتی ہے، وہ جب بولنے پر آتے ہیں تو لگام ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے اور وہ بولتے چلے جاتے ہیں۔ اگر کسی کی برائی شروع کرتے ہیں تو جھوٹ اور بہتان تک پہنچ جاتے ہیں یہی بے ہودہ گوئی ہے اور کسی کی تعریف کرتے ہیں تو پل باندھ دیتے ہیں، اور خوشامد اور چاپلوسی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، یہی بیان نفاق کا شعبہ ہے۔ ایسے لوگ گفتار کے میر اور کردار کے پھسڈی ہوتے ہیں۔ (تحفۃ الالمعی)

**حدیث نمبر ۱۶۴۱ ﴿بکواس کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۹۷-۴۷۹۸**

وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبَكُمْ مِنِّیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا وَاِنَّ اَبْغَضَكُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَكُمْ مِنِّیْ مَسَاوِيْكُمْ اَخْلَاقًا الثَّرْثَارُوْنَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ الْمُتَفَيْهِقُوْنَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ. وَرَوَى التِّرْمِذِیُّ نَحْوَهٗ عَنْ جَابِرٍ وَّفِیْ رِوَايَةٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ فَمَا الْمُتَفَيْهِقُوْنَ قَالَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ.

**حوالہ:** بیہقی فی شعب الایمان، ص ۲۵۰ ج ٤ باب حفظ اللسان، حدیث ٤٩٦٩، ترمذی، ص ۲۲ ج ۲، باب ما جاء فی معالی الاخلاق، کتاب البر والصلة، حدیث ۲۰۱۸

**حل لغات:** مساویکم عیوب نقائص (خرابیاں) مَسَاءَ ةٌ واحد ہے اور جمع مَسَاوِئُ الثرثارون جمع ہے واحد اَلثَّرْثَار بکی (فضول بولنے والا) ثرثر فی الکلام فضول بولنا، المتشدقون جمع ہے واحد اَلْمُتَشَدِّقُ باتونی تَشَدَّق (تفعل) بالکلام کھل کر بات کرنا، المتفیھقون جمع ہے واحد مُتَفَيْهِقٌ اکڑنے والے تَفَيْهَقَ فِی كَلَامِهٖ (بڑھا چڑھا کر بات کرنا) فی مِشْيَتِهٖ (اکڑ کر چلنا)

**ترجمہ:** حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے قیامت میں میرا سب سے پیارا اور مجھ سے قریب وہ ہوگا جس کے اخلاق اچھے ہوں نیز میرا ناپسندیدہ اور مجھ سے بہت دور ہوگا، جس کے اخلاق برے ہوں، یعنی بہت بکواس کرنے والے، منہ پھٹ اور گپیں ہانکنے والے، اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے، اور ترمذی نے اسی طرح حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ عرض گذار ہوئے اللہ کے رسولؐ! 'الشرثارون' اور 'المتشدقون' کو تو ہم جانتے ہیں لیکن 'المتفیھقون' کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ 'المتکبرون' (تکبر کرنے والے)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو اچھے اخلاق اپنانا چاہئے، اس سے حضورؐ کا قرب نصیب ہوگا، اور برے اخلاق اور بدسلوکی سے بچنا چاہئے، بدخلقی سے حضور کو نفرت ہے، لہٰذا بدخلق سے آپؐ بہت دور رہیں گے، نیز بے فائدہ اور لاحاصل گفتگو اور مبالغہ آرائی سے گریز کرنا چاہئے، یہ نہایت مذموم اوصاف ہیں، اس سے انسان کی وقعت گر جاتی ہے۔ البتہ دعوتِ حق کی خاطر اگر بیان میں مؤثر انداز اختیار کیا جا رہا ہے تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** احسنکم اخلاقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زور دیا ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اخلاقِ حسنہ اختیار کرے، اصلاحِ اخلاق کا کام بعثتِ نبوی کے اہم مقاصد میں سے ہے اور ہونا بھی چاہئے تھا، کیوں کہ اخلاق اچھے ہوں گے تو خود کو بھی راحت ہوگی اور دوسروں کو بھی راحت پہنچائے گا اور برے اخلاق کے نتیجے میں خود بھی پریشان ہوگا اور دوسروں کے لئے بھی تکلیف کا باعث بنے گا۔ الشرثارون بلند اخلاق والوں کے مقام و مرتبہ کے بیان کے بعد پست اخلاق والوں کی قباحت بھی بیان کردی کہ بک بک کرنے والے، گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے والے، یا باتوں میں محتاط نہ رہ کر جھوٹ کی آمیزش کرنے والے بدخلق ہیں 'متفیھقون' سے گھمنڈی اور متکبر لوگ مراد ہیں۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ 'لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من کبر' (وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہے) تکبر میں آدمی اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے۔

**حدیث نمبر ۱۶۴۲ ﴿جھوٹی تعریف کرنے کی مذمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۹۹**

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ قَوْمٌ

يَأْكُلُوْنَ بِأَلْسِنَتِهِمْ كَمَا تَأْكُلُ الْبَقَرَةُ بِأَلْسِنَتِهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ.

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۱۸۴ ج ۱

**ترجمہ:** حضرت سعد بن وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک ایسے لوگ نکل آئیں جو اپنی زبانوں سے کھائیں گے جیسے گائے اپنی زبان سے کھاتی ہے۔ (احمد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جو اپنی زبانوں کو کھانے پینے کا وسیلہ و ذریعہ بنائیں گے، بایں طور کہ وہ خوشامد و چاپلوسی میں لوگوں کی جھوٹی تعریفیں بیان کریں گے، یا بغض وحسد کی بنا پر ان کی جھوٹی مذمت کریں گے، اور جس طرح گائیں چارہ چرتے وقت خشک و تر، تلخ وشیریں کی تمیز نہیں کرتیں، اسی طرح یہ لوگ اپنی زبان سے نکلنے والی باتوں کے بارے میں سچ وجھوٹ اور حرام وحلال کی تمیز نہیں کریں گے۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** یاکلون بالسنتھم اپنی زبان کو اپنی کمائی کا ذریعہ بنائیں گے، ہر طرح کے مکروفریب سے کام لیں گے، ایسے لوگ عموماً نفاق کی باتیں کرنے والے اور دورُخے ہوتے ہیں، جہاں جاتے ہیں اس کے حساب سے باتیں کرتے ہیں اور اس کو فن کاری وکامیاب سیاست باور کرتے ہیں، حالاں کہ آپ کا صاف فرمان ہے 'ان من اشر الناس عنداللہ یوم القیامۃ ذاالوجھین' رواہ الترمذی' (قیامت کے دن اللہ کے نزدیک دورُخا بدترین لوگوں میں سے ہوگا) بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے جب دو آدمیوں یا دو گروہوں میں اختلاف اور نزاع ہو تو ہر فریق سے مل کر دوسرے کے خلاف باتیں کرتے ہیں اور ہر فریق سے ظاہر کرتے ہیں، ہم تم سے ہیں، یہ طرز عمل ایک طرح سے منافقت اور دھوکہ بازی ہے، اس لئے قیامت کے دن ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین لوگوں میں سے ہوں گے۔ اور یہ دنیا میں اپنی چکنی چپڑی باتوں کی وجہ سے چاہے ہر فریق کے منظور نظر بن جائیں لیکن اللہ کے دربار میں ذلیل ہوں گے۔ (معارف الحدیث)

## حدیث نمبر ۱۶۴۳ ﴿بات چیت میں تصنع کی مذمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۰۰

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْبَلِيْغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِيْ يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ كَمَا يَتَخَلَّلُ الْبَاقِرَةُ بِلِسَانِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ۶۸۳ ج ۲، باب ما جاء فی المتشدق، کتاب الادب، حدیث ۵۰۰۵، ترمذی، ص ۱۱۲ ج ۲، باب ما جاء فی الفصاحۃ، کتاب الادب، حدیث ۲۸۵۳

**حل لغات:** یَتخلل الْکَلَام بِلِسَانِہٖ (وہ منہ پھاڑ پھاڑ کر بات کرتا ہے) (تفعل) البقرۃ گائے بیل (ج) بقرات۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے اُس فصیح آدمی کو یقیناً نہایت ناپسند کرتے ہیں جو کلام کو زبان سے ایسے لپیٹتا ہے جس طرح گائے گھاس کو اپنی زبان سے لپیٹتی ہے۔ (ابوداود، ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** کلام میں بناوٹ پیدا کرنا، باتکلف فصاحت کا مظاہرہ کرنا، گلا پھاڑ کر بولنا، بے ضرورت بے تحاشا اشعار کی بھرمار کرنا اور اس قسم کی دوسری باتوں میں وقت برباد کرنا ایک طرح کا سامانِ تفریح ہے، جو دین و دنیا سے غافل کرتا ہے اور تفاخر اور نام ونمود کا باعث بنتا ہے، لہٰذا شریعت نے اس کو پسند نہیں کیا، جب کہ فطری اور خداداد فصاحت وبلاغت نعمتِ خداوندی ہے، آپ کا ارشاد ہے 'انا افصحکم'، میں تم میں فصیح ترین ہوں اور ترمذی میں روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کو بھی فصاحت وبلاغت میں کمال حاصل تھا، مگر بناوٹ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، اس حدیث میں اسی کی برائی ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح**

ان اللہ یبغض البلیغ اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے ایسے فصیح وبلیغ کو ناپسند کرتے ہیں، جو اپنی زبان کو منہ کے اندر چلاتا ہے جس طرح گائیں گھاس کھانے کے وقت زبان چلاتی ہیں اور جو گھاس بھی منہ کے اندر پہنچ جائے اس کو چبا جاتی ہیں، اس سے مراد وہ شخص ہے جو تکلفاً وتصنعاً مبالغہ فی الکلام کرے اور اپنی فصاحت کا اظہار کرے، اس کی زبان مسلسل چلتی رہے اور چبا چبا کر باتیں کرے۔ باقی نفسہ بلاغت اور طبعی فصاحت مذموم نہیں ہے۔ (الدر المنضود)

## حدیث نمبر ۱۶۴۴ ﴿بے عمل مقرر کا انجام﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۰۱

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَرْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ بِقَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنَ النَّارِ فَقُلْتُ يَاجِبْرِيْلُ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ اُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

**حواله:** ترمذی میں روایت نہیں ہے۔

**حل لغات:** تقرض قَرَضَ (ض) قَرْضًا کترنا کاٹنا شفاهم جمع ہے واحد شفۃ ہونٹ مقاریض جمع ہے واحد مِقْرَاض قینچی۔

**ترجمه:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی شب میں ایسے لوگوں کے پاس سے گذرا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، میں نے کہا کہ اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ کہا کہ یہ آپ کی امت کے مقرر ہیں، یہ وہ باتیں کہتے تھے جو کرتے نہ تھے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث**

اس حدیث میں ان واعظوں ومقرروں کے لئے سخت وعید ہے، جو دوسروں کو اچھے کاموں کی ترغیب دیتے ہیں اور اپنی ہی کہی ہوئی اچھی باتوں پر خود عمل نہیں کرتے، لہٰذا داعی کو چاہئے کہ جن اچھی باتوں کی وہ دوسروں کو تلقین کرے، ان پر خود بھی عمل کرے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بے عمل آدمی دعوت ہی نہ دے۔

**کلمات حدیث کی تشریح**

الذین یقولون ما لا یفعلون اپنی کہی باتوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم" کیا غضب ہے کہ لوگوں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے۔ ابن عساکرؒ نے ذکر کیا ہے کہ نبیؐ نے ارشاد فرمایا کہ بعض جنتی بعض دوزخیوں کو آگ میں دیکھ کر پوچھیں گے کہ تم آگ میں کیوں پہنچ گئے؟ حالانکہ ہم تو بخدا انھیں نیک اعمال کی بدولت جنت میں داخل ہوئے ہیں جو ہم نے تم سے سیکھے تھے۔ اہل دوزخ کہیں گے ہم زبان سے کہتے ضرور تھے لیکن خود عمل نہیں کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

**کیا فاسق وعظ و نصیحت نہیں کرسکتا؟** مذکورہ بیان سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بے عمل یا فاسق کے لئے دوسروں کو وعظ ونصیحت کرنا جائز نہیں، اور جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو وہ دوسروں کو اس گناہ سے باز رہنے کی تلقین نہ کرے، کیونکہ کوئی اچھا عمل الگ نیکی ہے اور اس اچھے عمل کی تبلیغ دوسری مستقل نیکی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک نیکی کو چھوڑنے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ دوسری نیکی بھی چھوڑ دی جائے، جیسے ایک شخص اگر نماز نہیں پڑھتا تو اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ روزہ بھی ترک کردے، بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دوسروں کو بھی نماز پڑھنے کے لئے نہ کہے، اسی طرح کسی ناجائز فعل کا ارتکاب الگ گناہ ہے اور اپنے زیر اثر لوگوں کو اس ناجائز فعل سے نہ روکنا دوسرا گناہ ہے اور ایک گناہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا گناہ بھی ضرور کیا جائے۔ (روح المعانی) چنانچہ امام مالکؒ نے حضرت سعید ابن زبیرؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر ہر ایک شخص یہ سوچ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دے کہ میں خود گناہ گار ہوں، جب گناہوں سے خود پاک ہو جاؤں گا تو لوگوں کی تبلیغ کروں گا، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تبلیغ

کرنے والا کوئی بھی باقی نہ رہے گا، کیونکہ ایسا کون ہے جو گناہوں سے بالکل پاک ہو؟ حضرت حسنؓ کا ارشاد ہے کہ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ لوگ اسی غلط خیال میں پڑ کر تبلیغ کا فریضہ چھوڑ بیٹھیں۔ (قرطبی) بلکہ حضرت سیدی حکیم الامت تھانویؒ تو فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھے اپنی کسی بری عادت کا علم ہوتا ہے، تو میں اس عادت کی مذمت اپنے مواعظ میں خاص طور سے بیان کرتا ہوں، تاکہ وعظ کی برکت سے یہ عادت جاتی رہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیت 'اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بے عمل آدمی کو وعظ کہنا جائز نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ واعظ کو بے عمل نہیں ہونا چاہئے اور دونوں میں فرق واضح ہے، مگر یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ بے عمل ہونا نا تو واعظ کے لئے جائز ہے نہ غیر واعظ کے لئے، پھر واعظ کی تخصیص کیوں؟ جواب یہ ہے کہ ناجائز تو دونوں کے لئے ہے، مگر واعظ کا جرم غیر واعظ کے جرم کے مقابلے میں زیادہ سنگین اور زیادہ قابل ملامت ہے، کیونکہ واعظ جرم کو جرم سمجھتے ہوئے جان بوجھ کر کرتا ہے، اس کے پاس یہ عذر نہیں ہوتا ہے کہ مجھے اس کا جرم ہونا معلوم نہ تھا، برخلاف غیر واعظ اور ان پڑھ جاہل کے کہ اس کو خواہ علم حاصل نہ کرنے کا گناہ الگ ہو، لیکن ارتکاب گناہ میں اس کے پاس کسی درجہ میں عذر موجود ہوتا ہے کہ مجھے معلوم نہ تھا، اس کے علاوہ عالم اور واعظ اگر کوئی جرم کرتا ہے تو یہ دین کے ساتھ ایک قسم کا استہزا ہے، چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جتنا ان پڑھ لوگوں کو معاف کرے گا اتنا علماء کو معاف نہیں کرے گا۔ (معارف القرآن)

**حدیث نمبر ۱٦٤٥ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ٤٨٠٢**

## ﴿لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے جذبے سے تقریر کرنے پر وعید﴾

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ صَرْفَ الْكَلَامِ لِیَسْبِیَ بِهٖ قُلُوْبَ الرِّجَالِ اَوِ النَّاسِ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ابوداود، ص ٦٨٣ ج ٢، باب ما جاء فی المتشدق، کتاب الادب، حدیث ٥٠٠٦

**حل لغات:** یسبی سبی (ض) سَبْیًا قید کرنا گرفتار کرنا، صرفا (ج) صُرُوْف تبادلہ رقم یہاں مراد نفل عبادت ہے۔

**ترجمه:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لچھے دار باتیں بنانا سیکھ لے، تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب کھینچ لے، تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کے فرض ونفل کو قبول نہیں فرمائے گا۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چکنی چپڑی باتیں کرنا اور اس مقصد سے گھما پھرا کر بیان کرنا، تاکہ لوگ میرے ساحرانہ کلام کے دیوانہ ہو جائیں اور میری واہ واہی ہو جائز نہیں، خاص طور پر واعظوں کو اس سلسلہ میں بہت محتاط رہنا چاہئے، ورنہ ان کی نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **من تعلم صرف الکلام** جو شخص لچھے دار تقریر سیکھے لوگوں کے قلوب کو اس کے ذریعہ مقید کرنے کے لئے، یعنی اپنی طرف مائل کرنے کے لئے، تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی نہ نفل عبادت قبول فرمائیں گے نہ فرض اور ایک قول ہے کہ 'صـــرف' سے مراد توبہ اور عدل سے مراد فدیہ ہے، بذل میں لکھا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مقرر زور دار تقریر اس نیت سے کرے، تاکہ اس کے کلام اور وعظ کا اثر قلوب میں ہو اور وہ اس سے متاثر ہوں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے، تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ (الدر المنضود)

**حدیث نمبر ١٦٤٦ ﴿مختصر تقریر بهتر هوتی هے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٠٣**

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ قَالَ یَوْمًا وَّقَامَ رَجُلٌ فَاَكْثَرَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرٌو لَوْ قَصَدَ فِیْ قَوْلِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَّهٗ

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَقَدْ رَأَيْتُ لَوْ أُمِرْتُ أَنْ تَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ فَإِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد.

**حوالہ:** ابو داود، ص ۶۸۳ ج ۲، باب ما جاء فی المتشدق، کتاب الادب، حدیث ۵۰۰۸

**حل لغات:** التجوز (تفعل) مختصر بات کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عمرو بن عاصؓ نے فرمایا کہ ایک دن ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے بہت بات کی، حضرت عمرو نے فرمایا کہ اگر یہ اپنی گفتگو میں میانہ روی اختیار کرتا تو بہتر ہوتا، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے مناسب نظر آیا یا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مختصر گفتگو کروں، کیوں کہ مختصر گفتگو ہی بہتر ہوتی۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تقریر اور وعظ میں میانہ روی اختیار کرنا چاہئے، بہت لمبی تقریر سے گریز کرنا چاہئے، آپ کی عادت مبارکہ بھی یہی تھی کہ آپؐ مختصر تقریر فرماتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فان الجواز هو خير اختصار میں خیر ہے، طویل تقریر میں بسا اوقات بے فائدہ باتوں کی کثرت ہو جاتی ہے، اس لئے اس کے ثمرات اچھے مرتب نہیں ہوتے ہیں، پھر اکثر سامعین طولانی تقریر سے اکتا بھی جاتے ہیں، اور وعظ کہنے میں سامعین کے نشاط کا خیال یہ مستقل حکم ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ 'كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتخولنا بالموعظة في الايام مخافة السآمة علينا' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کے ذریعہ ہماری نگہداشت کیا کرتے تھے ہمارے اکتا جانے کے اندیشہ سے یعنی آپؐ روز وعظ نہیں کہتے تھے بلکہ وقفہ وقفہ سے وعظ کہتے تھے۔

## حدیث نمبر ۱۶۴۷ ﴿کچھ بیان جادو اثر ہوتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۰۴

وَعَنْ صَخْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا وَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا وَإِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حُكْمًا وَإِنَّ مِنَ الْقَوْلِ عِيَالًا رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود، ص ۶۸۴ ج ۲، باب ما جاء فی المتشدق، کتاب الادب، حدیث ۵۰۱۲

**حل لغات:** عيالا عال ضرب عيلا اپنا کلام ایسے شخص کے سامنے رکھنا جس کی اسے نہ خواہش ہو نہ سروکار۔

**ترجمہ:** حضرت صخر بن عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے اور وہ اُن کے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بعض بیان جادو اثر ہوتے ہیں اور بعض علوم جہالت ہیں، بعض اشعار حکمت والے ہوتے ہیں۔ اور بعض باتیں مصیبت ہوتی ہیں۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں چار باتیں بیان ہوئی ہیں: (۱) کچھ بیان جادو کی طرح اثر دار ہوتے ہیں۔ جس طرح جادو منٹوں میں اثر کرتا ہے اسی طرح تقریر لمحوں میں مجمع کا رخ پلٹ دیتی ہے۔ (۲) بعض علوم جہالت ہیں، کوئی عالم کوئی مسئلہ نہیں جانتا، لیکن بتکلف رائے زنی کرتا ہے، تو اس کی یہ رائے زنی جو صورتاً علم ہے صاحب بصیرت کے نزدیک اس کو جاہل بنا دے گی۔ (۳) بعض اشعار میں بہت اچھی نصیحت اور بڑی حکمت کی بات ہوتی ہے اور بعض لوگوں کو ان سے نفع ہوتا ہے۔ (۴) بعض کلام لوگوں کے نزدیک وبال اور گراں ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص بات سننا نہیں چاہتا اور اس کو زبردستی بات سنائی جائے تو وہ اکتائے گا اور یہ بات اس کے لئے وبال ہوگی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان من البيان لسحرا اس جز کا شان ورود یہ ہے کہ زبرقان اور عمرو بن اہتم مدینہ منورہ آئے، پہلے زبرقان نے اپنے قومی مفاخر بیان لئے اور نہایت فصیح تقریر کی، عمرو نے اس کا جواب دیا اور اس

نے بھی نہایت بلیغ تقریر کی اور زبرقان کا کمینہ پن ثابت کیا، زبرقان نے عرض کیا یارسول اللہ، بخدا عمرو جانتا ہے کہ میرے اندر اس کے علاوہ صفتیں ہیں، جو اس نے کہی ہیں مگر میرے فضائل کے اظہار سے اس کو حسد نے روک دیا ہے، عمرو نے اس کا بھی جواب دیا اور پہلے سے بھی زیادہ فصیح تقریر کی اور احیاء العلوم میں ہے ایک دن عمرو نے زبرقان کی تعریف کی، پھر دوسرے دن اس کی برائی کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'ما ھذا؟' یہ کیا بات ہوئی؟ کل تو نے اس کی تعریف کی تھی اور آج اس کی برائی کر رہا ہے؟ عمرو نے کہا کل میں نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا اور آج جو میں نے کہا وہ بھی جھوٹ نہیں، کل اس نے مجھے خوش کیا تھا اس لئے میں نے اس کے وہ فضائل بیان کیے جو میں جانتا تھا اور آج اس نے مجھے ناراض کر دیا پس میں نے اس کی وہ برائیاں بیان کیں جو میں اس میں پاتا ہوں، پس نبیؐ نے فرمایا: 'ان من البیان لسحرا' بعض تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں، قلوب کو ادھر سے ادھر پھیر دیتی ہیں۔ بہر حال اس ارشاد میں بیان کی مدح بھی ہے اور ذم بھی۔ (تحفۃ الالمعی) اس جز کی مزید تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۴۷۸۳ دیکھیں۔ ان من العلم جھلا بعض علم جہالت ہوتے ہیں کے دو معنی ہیں، ایک تو یہ کہ کسی شخص نے ایسا علم حاصل کیا جو بذات خود نہ تو فائدہ مند ہو اور نہ اس کی طرف احتیاج و ضرورت ہو، جیسے علم جفر و رمل یا علم نجوم و فلاسفہ وغیرہ اور اس بے فائدہ علم میں مشغولیت کی وجہ سے وہ ضروری علوم حاصل کرنے سے محروم رہا، جن سے لوگوں کی احتیاج و ضرورت وابستہ ہوتی ہے، جیسے قرآن و حدیث اور دین کے علوم، تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہی کہا جائے گا کہ اس شخص نے جو بے فائدہ علم حاصل کیا اس علم نے دوسرے ضروری علوم سے اس کو محروم و جاہل رکھا ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ بعض علوم درحقیقت جہل کو لازم کرتے ہیں اور اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ بعض علم جہالت ہوتے ہیں دوسرے معنی یہ ہیں کہ علم حاصل کرنے والا اپنے علم پر عمل پیرا نہ ہو، اس اعتبار سے وہ شخص عالم ہونے کے باوجود جاہل قرار پائے گا، کیونکہ جو شخص علم رکھے اور عمل نہ کرے تو وہ گویا جاہل ہے، علاوہ ازیں اس ارشاد گرامی سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ جو شخص علم کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے گمان کے مطابق خود کو عالم سمجھتا ہے، مگر حقیقت میں وہ عالم نہیں ہے تو اس کا یہ علم (جس کا اس نے دعویٰ کیا ہے) علم نہیں ہے، بلکہ سراسر جہالت و نادانی ہے۔ و ان من الشعر حکما اس جز کی وضاحت کے لئے عالمی حدیث ۴۷۸۴ دیکھیں۔

القول عیالا بعض قول و کلام وبال جان ہوتا ہے، کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی ایسی بات کہی جس کی وجہ سے وہ خود کسی آفت میں مبتلا ہو گیا، یا جس شخص نے اس بات کو سنا وہ کسی ملال و دل برداشتگی میں مبتلا ہو گیا بایں طور کہ اگر وہ سننے والا جاہل تھا، تو وہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی اور اگر عالم تھا تو اس کے لئے لاحاصل تھی، یا وہ کوئی ایسی بات ہے، جس کو سننے والا پسند نہیں کرتا اور اس بات کی وجہ سے اس کو رنج و ملال ہوتا ہے، تو ان صورتوں میں یہی کہا جائے گا کہ کہنے والے کا وہ قول و کلام وبال و ملال کا ذریعہ بن گیا ہے۔ (مظاہر حق)

## الفصل الثالث

**حدیث نمبر ۱۶۴۸ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۴۸۰۵**

## ﴿حضرت حسانؓ کے اشعار سنانے کے لئے منبر رکھا جانا﴾

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ يُنَافِحُ وَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا نَافَحَ اَوْ فَاخَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری میں روایت نہیں ھے۔ ترمذی، ص ۱۱۱ ج ۲، باب ما جاء فی انشاد الشعر، کتاب الادب، حدیث ۲۸۴۶

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حسان کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے، جس پر وہ اچھی طرح

کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فخر کرتے یا مدافعت کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے بیشک اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعہ حسان کی مدد کرتا ہے، جب تک کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت یا فخر کرتے ہیں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** کفار کے شعراء، اسلام مسلمانوں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتے تھے، حضرت حسانؓ اس کا جواب دیتے تھے، اور وہ اشعار مسجد نبوی میں سنائے جاتے تھے، آپؐ نے اشعار سنانے کے لئے ایک منبر رکھوا دیا تھا، تاکہ مجمع کو حسانؓ اچھی طرح اشعار سنا سکیں اور لوگ اشعار سن کر نقل کریں، اور وہ اشعار مکہ تک پہنچیں۔ اس زمانہ میں بات پھیلانے کا یہی طریقہ تھا اور یہ اشعار مکہ والوں کے لئے تیر سے زیادہ مہلک ثابت ہوتے تھے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** یضع لحسان منبرا فی المسجد حضرت حسانؓ کے لئے آپؐ نے مسجد میں منبر رکھوایا، یہ حضرت حسانؓ کا بہت بڑا اعزاز ہے۔ حضرت حسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں اشعار کہتے تھے۔ دراصل مشرکین کے بعض شعراء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہؓ کی ہجو کی، انصار میں سے حضرت حسانؓ سے کہا گیا کہ وہ جواب دیں، انھوں نے کہا کہ مجھے قریش کی شاخوں کا تفصیل سے علم نہیں، حضورؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے کہا کہ انھیں تفصیل بتا دیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے انھیں آگاہ کیا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کیا۔ (کشف الباری) مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۷۸۹-۴۷۹۱ دیکھیں۔

## حدیث نمبر ۱۶۴۹ ﴿حدی خوانی کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۰۶

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَادٍ يُقَالُ لَهُ اَنْجَشَةُ وَكَانَ حَسَنَ الصَّوْتِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُوَيْدَكَ يَا اَنْجَشَةُ لَا تُكَسِّرِ الْقَوَارِيْرَ قَالَ قَتَادَةُ يَعْنِيْ ضَعَفَةَ النِّسَاءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حواله:** بخاری، ص ۹۱۷ ج ۲، باب المعارض مندوحة، کتاب الادب، حدیث ۶۲۱۱، مسلم، ص ۲۵۵ ج ۲، باب رحمة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم للنساء، کتاب الفضائل، حدیث ۲۳۲۳

**حل لغات:** حاد حدی خواں، مخصوص گانوں کے ذریعہ ہانکنے کا گیت، حد الابل وبها (ن) حُدَاءً اونٹ کو ہکانے کا گانا رویدك آہستہ، رُوَيْدٌ، اِرْوَادٌ، کی تصغیر ہے، اَرْوَدَ فِی مَشْیِهٖ (افعال) نرم رفتاری سے چلنا، فلانا، مہلت دینا، القواریر جمع ہے، واحد اَلْقَارُوْرَةُ، بوتل، شیشی، عورت (نزاکت سے تشبیہ کی بنا پر) حدیث میں ہے "رفقا بالقواریر" عورتوں کے ساتھ نرمی برتو، ضعفة کمزوری، ضَعُفَ (ك) ضَعْفًا، کمزور ہونا۔

**ترجمه:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حدی خوان تھا، جس کو انجشہ کہا جاتا تھا، اور وہ خوش آواز تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے انجشہ! آہستہ۔ دیکھ کچے شیشوں کو توڑ مت دینا۔ قتادہؒ نے فرمایا کہ مراد عورتوں کی کمزوری ہے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر فرمایا کرتے تھے، تو عموماً ازواج مطہرات میں سے ایک دو آپؐ کے ساتھ سفر میں رہتیں، وہ اونٹ پر ہودج میں باپردہ سوار ہوتیں، اس اونٹ کو لے جانے کے لئے ایک حبشی غلام مقرر تھا، جس کا نام انجشہ تھا، بلاذری نے نقل کیا ہے کہ اس کی کنیت ابو ماریہ تھی، حدیث باب کا یہ واقعہ بھی ایک سفر ہی کا ہے، اونٹوں کی رفتار میں تیزی پیدا کرنے کے لئے حدی خوانی کی جاتی ہے، یہ رجزیہ اشعار ہوتے ہیں جو مخصوص لہجے میں پڑھے جائیں تو اونٹ وجد میں آ کر تیزی سے چلنے لگتے ہیں، ایک موقع پر انجشہ نے اونٹوں کی رفتار بڑھانے کے لئے حدی خوانی شروع کی تو حضورؐ نے اس کو روکا اور فرمایا کہ انجشہ تیرا ناس

ہو، اس حدی خوانی کو اور اونٹوں کی رفتار تیز کرنے کو روک دو، کیوں کہ اُن پر شیشہ کی مانند حساس و کمزور خواتین بیٹھی ہیں۔ (کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** رویدك اسم فعل 'امھل' کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ اپنی حدی خوانی کو روک دو۔ القواریر سے خواتین مراد ہیں، شیشے کے ساتھ خواتین کی تشبیہ کمزور ہونے اور جلد ٹوٹنے نیز حساس ہونے اور لطیف و رقیق ہونے میں دی گئی ہے، جس طرح شیشہ ایک حساس لطیف اور ذرا سی حرکت سے ٹوٹ کر بکھرنے والی شئی ہے، اسی طرح عورت بھی ایک صنفِ نازک اور ضعیف ہے جو جلد متاثر بھی ہو جاتی ہے اور جلد ٹوٹ بھی جاتی ہے۔ شیشوں یعنی عورتوں کو توڑو مت اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: (۱) تم اِن اونٹوں کو حدی خوانی کے ذریعہ جلدی مت چلاؤ، کیوں کہ ان پر شیشہ کی مانند کمزور خواتین بیٹھی ہیں، وہ اونٹوں کی تیز رفتاری کی وجہ سے گر کر زخمی ہو سکتی ہیں، (۲) تم اپنی حدی خوانی روک دو، کیوں کہ تمہاری خوبصورت آواز کی وجہ سے شیشے کی مانند حساس خواتین متاثر ہو سکتی ہیں، جس طرح شیشہ بہت جلد ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے، خواتین کے دل بھی اسی طرح جلد متاثر ہو سکتے ہیں، انجشہ کی آواز خوبصورت تھی، علامہ خطابیؒ اور طیبیؒ نے دونوں یہ مطلب بیان کئے ہیں۔ ابن بطالؒ نے پہلے مطلب کو اور قاضی عیاضؒ نے دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے۔ امام بخاریؒ کے نزدیک بھی دوسرے معنی راجح ہیں۔ (حوالہ سابقہ)

اس حدیث میں درحقیقت آپؐ نے پوری امت کو تعلیم دی ہے کہ جب عورتیں سفر میں ساتھ ہوں تو ان کے جسمانی آرام کا بھی خیال رکھا جائے اور ان کی عفت و پاکدامنی کی بھی حفاظت کی جائے۔

**حدیث نمبر ۱۶۵۰ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۴۸۰۷-۴۸۰۸**

## ﴿شعر کی اچھائی اور برائی اس کے مضمون پر منحصر ہے﴾

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهُ حَسَنٌ وَقَبِيْحُهُ قَبِيْحٌ رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِيُّ. وَرَوَى الشَّافِعِيُّ عَنْ عُرْوَةَ مُرْسَلًا.

**حواله:** دارقطنی، ص ۱۵۵ ج ٤ باب خد الواحد یوجب العمل، کتاب المکاتب، حدیث ۲، مسند امام شافعیؒ، ص ۱۸۸ ج ۲ حدیث ٦٧١

**ترجمه:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر کا تذکرہ ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعر بھی کلام ہی تو ہے، لہٰذا اچھا شعر اچھا کلام ہے اور برا شعر برا کلام ہے (دار قطنی) امام شافعیؒ نے اس روایت کو حضرت عروہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شاعری بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، بلکہ اس کی اچھائی اور برائی کا انحصار اس کے مضمون پر ہے، اگر اچھے مضمون کا شعر ہے تو پسندیدہ ہے اور جہاں بھی اشعار کی تعریف ہے وہاں مراد اچھے مضمون والے اشعار ہی ہیں۔ اور اگر شعر کا مضمون خراب ہے تو وہ شعر اچھا نہیں ہے اور جہاں اشعار کی قباحت و ممانعت کا ذکر ہے وہاں اسی قسم کے اشعار مراد ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فحسنہ حسن: اچھے اشعار کو آپؐ نے اچھا قرار دیا ہے اور اس کی توثیق کی ہے، چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ 'ان من الشعر الحکمة' بعض اشعار پُر حکمت ہوتے ہیں اور برے اشعار کی آپؐ نے مذمت کی ہے، چنانچہ آپؐ کا فرمان گذرا کہ آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ گندے اشعار سے بھر جائے۔ مزید کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۷۸۴۔

### حدیث نمبر ۱۶۵۱ ﴿برے شعر کی برائی﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۰۹

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ نَسِیْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ اِذْ عَرَضَ شَاعِرٌ یُنْشِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُذُوا الشَّیْطَانَ اَوْ اَمْسِكُوا الشَّیْطَانَ لَاَنْ یَمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحًا خَیْرٌ لَهٗ مِنْ اَنْ یَمْتَلِئَ شِعْرًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۲٤٠ ج ۲، کتاب الشعر، حدیث ۲۲۵۹

**ترجمہ:** حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کے دوران عرج میں تھے کہ اچانک ایک شاعر سامنے سے آیا جو کہ اشعار پڑھ رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شیطان کو پکڑو، یا یہ فرمایا کہ اس شیطان کو روک دو، یاد رکھو انسان کا اپنے پیٹ کو پیپ سے بھرنا، اس میں اشعار بھرنے سے بہتر ہے۔ (مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شعر و شاعری میں اس درجہ انہاک کہ دوسری چیز کی خبر ہی نہ ہو جائز نہیں ہے، لہٰذا جس طرح قبیح اشعار پڑھنے اور کہنے کی ممانعت ہے، اسی طرح شعر و شاعری میں حد درجہ انہاک بھی ممنوع ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** بالعرج "عرج" مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان راستہ میں پڑنے والی ایک گھاٹی کا نام ہے، جہاں ایک چھوٹی سی بستی بھی ہے اس راستے پر چلنے والے قافلے یہاں منزل کرتے تھے، آپؐ بھی سفر ہجرت اور حجۃ الوداع میں اس جگہ سے گذرے تھے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے، وہ حجۃ الوداع کے سفر کے دوران کا ہے، بہرحال جب آپؐ نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ شعر پڑھنے میں بری طرح مشغول ہے، یہاں تک کہ اس کو وہاں موجود مسلمانوں کی طرف بھی کوئی التفات نہیں ہے، بلکہ ایک طرح سے آپؐ اور تمام مسلمانوں سے صرفِ نظر کئے ہوئے بے محابا چلا جا رہا ہے اور اس کو شوقِ شعر و شاعری نے اس درجہ بے باک بنا دیا ہے کہ وہ انسانی اور اخلاقی تقاضوں اور آدابِ زندگی کو فراموش کر بیٹھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے رگ و پے میں صرف شعر و شاعری ہی سرایت کئے ہوئے ہے اور وہ پرلے درجے کا بے حیا و بے ادب بن گیا ہے، تو آپؐ نے اس کو شیطان فرمایا، جس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ یہ شخص رحمت الٰہی اور قرب خداوندی سے بعد اختیار کئے ہوئے ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے اس صورتِ حال کا صدور محض اس لئے ہوا کہ وہ اپنی شعر و شاعری کے غرور و نخوت میں مبتلا تھا، اس لئے آپؐ نے شعر کی مذمت فرمائی۔ (مظاہر حق)

### حدیث نمبر ۱۶۵۲ ﴿گانا نفاق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۱۰

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ كَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ۲۸۹ ج ٤، باب فی حفظ اللسان، حدیث ۵۱۰۰

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گانا دل میں ایسے نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی اُگاتا ہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ گانے بجانے سے بہت دور رہنا چاہئے کہ اس سے نفاق پیدا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابن عمرؓ کے کان میں بانسری کی آواز پڑی تو انہوں نے اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں پر رکھ لیں اور راستہ سے ایک طرف ہو گئے اور دور نکل گئے تو پوچھا کہ اب تو آواز نہیں سنائی

دے رہی؟ میں نے کہا کہ نہیں، تب آپؓ نے اپنے کانوں پر سے ہاتھ ہٹالیا اور فرمایا کہ ایک مرتبہ میں آپؐ کے ساتھ تھا تو آپؐ نے بھی ایسی آواز سن کر اسی طرح کیا تھا۔ (ابوداود)

**کلمات حدیث کی تشریح** الغناء ینبت النفاق گانا انسانی قلب میں نفاق پیدا کرتا ہے، محض آواز کے ساتھ گانا مکروہ ہے اور ساز و دیگر آلات موسیقی کے ساتھ حرام و ناجائز ہے۔ البتہ اعلانِ نکاح دف بجا کر اور غنا کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، لیکن اس میں بھی گانے بجانے کے آلات اور ساز وغیرہ کا استعمال ناجائز و حرام ہی ہے۔

## حدیث نمبر ۱۶۵۳ ﴿گانے کی آواز سن کر کان میں انگلی ڈالنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۱۱

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي طَرِيْقٍ فَسَمِعَ مِزْمَارًا فَوَضَعَ اصْبَعَيْهِ فِي اُذُنَيْهِ وَنَاعَنِ الطَّرِيْقِ اِلَى الْجَانِبِ الْاٰخَرِ ثُمَّ قَالَ لِيْ بَعْدَ اَنْ بَعُدَ يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا قُلْتُ لَا فَرَفَعَ اِصْبَعَيْهِ مِنْ اُذُنَيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ يَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَاصَنَعْتُ قَالَ نَافِعٌ وَكُنْتُ اِذًا ذَاكَ صَغِيْرًا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** مسند احمد، ص۸ ج۲، ابوداود، ص ۶۷۴ ج۲، باب کراهية الغناء کتاب الادب، حديث ۴۹۲۴

**حل لغات:** مزمار بانسری یا اس جیسا منھ سے بجانے کا باجا، (ج) مَزَامِیْرُ، ناء عنه (ض) نَأْيًا دور ہونا، یراع سرکنڈا، نرکل، بانسری واحد یَرَاعَةٌ ہے۔

**ترجمه:** حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ راستہ میں تھا کہ حضرت ابن عمرؓ نے بانسری کی آواز سنی تو انھوں نے اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں نیز اس راستہ سے ہٹ کر دوسری طرف ہو لئے، پھر اس راستہ سے دور نکل آنے کے بعد انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اے نافع کیا تم کچھ سن رہے ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں، تو انھوں نے اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں سے نکالیں اور پھر فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ آپؐ نے بانسری کی آواز سنی تو آپؐ نے بھی یہی کیا تھا جو میں نے کیا ہے۔ حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ میں اس وقت چھوٹی عمر کا لڑکا تھا۔ (احمد، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ گانا گانا اور سننا درست نہیں ہے، بالخصوص آلات موسیقی کے ساتھ سننا تو بہت بڑا گناہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نہ صرف خود کانوں میں انگلیاں ڈال کر اس سے گریز کیا، بلکہ یہ بھی وضاحت فرمائی کہ یہی آپؐ کی سنت بھی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وکنت اذا ذاك صغیرا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نافع کو گانا سننے سے اس لئے منع نہیں کیا کہ وہ غیر مکلف اور چھوٹے بچے تھے، اور یہ عبداللہ بن عمرؓ کا کمال تقویٰ تھا کہ کان میں انگلی ڈالنے کے بعد اس راستہ سے بھی ہٹ گئے جس پر گانا گایا جارہا تھا۔ گانے سے متعلق تفصیلات عالمی حدیث ۳۱۱۴ کے تحت نقل کرچکا ہوں، لہذا اعادہ مناسب نہیں ہے، وہاں تفصیل دیکھ لی جائے۔

# باب حفظ اللسان، والغيبة والشتم

## ﴿زبان کی حفاظت اور غیبت وبدکلامی کا بیان﴾

اس باب کے تحت ۶۰ / حدیثیں مذکور ہیں، جن میں زبان وشرمگاہ کی حفاظت پر جنت کی بشارت، مسلمان کو گالی دینے کی

ممانعت، لعن وطعن کرنے کی ممانعت، چغل خور کے بارے میں وعید، مصلحت آمیز جھوٹ کا حکم، غیبت کے معنی اور اس کی تفصیلات، فحش گوئی کی قباحت، جھوٹ کی قباحت، مسخرہ پن کرنے پر وعید، زبان کے فتنے سے بچنے کی تاکید اور بدعاء کرنے کی ممانعت وغیرہ کا ذکر ہے۔

زبان کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ زبان کو ہر طرح کی غلط گفتگو سے محفوظ رکھنا، جب اس کا استعمال ہو تو خیر میں ہو ورنہ اس کا استعمال ہی نہ ہو، غیبت جرم عظیم ہے، اس کے معنی پیٹھ پیچھے کسی کی کوئی برائی کرنا، اگر وہ برائی اس کے اندر ہے تو وہ غیبت ہے اور اگر سرے سے اس میں اس کا وجود ہی نہ ہو تو وہ بہتان ہے، یہ دونوں بدترین گناہ ہیں، اسی طرح گالی گلوچ، بدتمیزی اور بدتہذیبی، چغلی وغیرہ بھی حرام ہیں۔

## ﴿غیبت سے بچنے کا آسان راستہ﴾

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ فرماتے ہیں کہ غیبت سے بچنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ دوسرے کا ذکر کرو ہی نہیں، نہ اچھائی سے ذکر کرو، اور نہ برائی سے ذکر کرو، کیوں کہ شیطان بڑا خبیث ہے، اس لئے کہ جب تم کسی کا ذکر اچھائی سے کرو گے تو فلاں شخص بڑا اچھا آدمی ہے، اس کے اندر یہ اچھائی ہے، اس کے اندر یہ اچھائی ہے، تو دماغ میں یہ بات رہے گی کہ میں اس کی غیبت تو نہیں کر رہا، بلکہ اچھائی سے اس کا ذکر کر رہا ہوں، لیکن پھر یہ ہوگا کہ اس کی اچھائیاں بیان کرتے کرتے شیطان کوئی جملہ درمیان میں ایسا ڈال دے گا جس سے وہ اچھائی برائی کے اندر تبدیل ہو جائے گی، مثلاً وہ کہے گا کہ فلاں شخص ہے تو بڑا اچھا آدمی، مگر اس کے اندر فلاں خرابی ہے، یہ لفظ ''مگر'' آ کر سارا کام خراب کر دے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گفتگو کا رخ غیبت کی طرف منتقل ہو جائے گا، اس لئے حضرت تھانوی ؒ فرماتے ہیں کہ دوسروں کا ذکر کرو ہی نہیں، اس لئے کہ دوسرے کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، نہ اچھائی سے کرو اور نہ برائی سے کرو، اور اگر کسی کا ذکر اچھائی سے کر رہے ہو تو پھر ذرا کمر کس کے بیٹھو، تاکہ شیطان غلط راستے پر نہ ڈالے۔

## ﴿اپنی برائیوں پر نظر کرو﴾

ارے بھائی دوسروں کی برائی کیوں کرتے ہو، اپنی طرف نگاہ کرو، اپنے عیوب کا استحضار کرو، اگر دوسرے کے اندر کوئی برائی ہے تو اس برائی کا عذاب تمہیں نہیں ملے گا، اس برائی کا عذاب اور ثواب وہ جانے، اور اللہ جانے، تمہیں تو تمہارے اعمال کا صلہ ملنا ہے، اس کی فکر کرو:

اپنی طرف دھیان کرو، اپنے عیوب کو دیکھو، دوسرے کے عیوب کا خیال انسان کو اسی وقت آتا ہے، جب انسان اپنے آپ سے اور اپنی برائیوں سے بے خبر ہوتا ہے، لیکن جب اپنے عیوب کا استحضار ہوتا ہے، اس وقت کبھی دوسرے کی برائی کی طرف خیال نہیں جاتا، دوسرے کی برائی کی طرف اس کی زبان ہی نہیں اٹھ سکتی، بہادر شاہ ظفر مرحوم نے بڑے اچھے شعر کہے ہیں، فرماتے ہیں:

نہ تھی اپنے اپنے عیوب پہ جب کہ نظر — رہے ڈھونڈتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے عیوب پہ جب کہ نظر — تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے عیوب کا استحضار ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے، آمین۔ یہ سارا فساد اس سے پیدا ہوتا ہے، کہ اپنی طرف دھیان نہیں ہے، یہ خیال نہیں ہے کہ مجھے اپنی قبر میں جا کر سونا ہے، اس کا خیال نہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، کبھی اس کی برائی ہو رہی ہے، کبھی اس کی برائی ہے، اس کے اندر فلاں عیب ہے، اس کے اندر فلاں عیب ہے، بس دن و رات اس کے اندر پھنسے ہوئے ہیں، خدا کے لئے اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

## ﴿زبان ایک عظیم نعمت﴾

یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اس میں ذرا غور تو کرو کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے، یہ کتنا بڑا انعام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرما دیا، اور بولنے کی ایسی مشین عطا فرما دی کہ جو پیدائش سے لے کر مرتے دم تک انسان کا ساتھ دے رہی ہے، اور چل رہی ہے، اور اس طرح چل رہی ہے کہ آدمی نے ادھر ذرا ارادہ کیا، ادھر اس نے کام شروع کر دیا، اب چوں کہ اس مشین کو حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت اور مشقت نہیں کی، کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا، اس لئے اس نعمت کی قدر معلوم نہیں ہوتی، اور جو نعمت بھی بیٹھے بٹھائے بے مانگے مل جاتی ہے، اس کی قدر نہیں ہوتی، اب یہ زبان بھی بیٹھے بٹھائے مل گئی، اور مسلسل کام کر رہی ہے، ہم جو چاہتے ہیں اس زبان سے بول پڑتے ہیں اس نعمت کی قدر ان لوگوں سے پوچھیں جو اس نعمت سے محروم ہیں، زبان موجود ہے مگر بولنے کی طاقت نہیں ہے، آدمی کوئی بات کہنا چاہتا ہے، مگر کہہ نہیں سکتا، دل میں جذبات پیدا ہو رہے ہیں مگر ان کا اظہار نہیں کر سکتا، اس سے پوچھو وہ بتائے گا کہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے۔ (اصلاحی خطبات)

## الفصل الاول

### حدیث نمبر ۱٦٥٤ ﴿شرمگاہ اور زبان کی حفاظت پر بشارت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨١٢

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

**حواله:** بخاری، ص٩٥٨-٩٥٩ ج٢، باب حفظ اللسان، کتاب الرقاق، حدیث ٦٤٧٤

**ترجمه:** حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے اور اس کی ضمانت دے جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے، تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص بھی اس بات کی ضمانت دے گا کہ وہ اپنی زبان کو حرام باتوں سے بچائے گا اور اپنے دانتوں کو حرام چکھنے سے محفوظ رکھے گا، اسی طرح اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے گا، شہوت پر قابو پائے گا اور اس کو حرام سے بچائے گا، تو اس کے لئے جنت کی ضمانت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من یضمن لی ما بین لحییه زبان کی حفاظت کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو حاصل کرے، بایں طور کہ اس کو بے فائدہ اور فحش گوئی و سخت کلامی سے محفوظ رکھے اور حرام کھانے سے بچے، اسی طرح شرمگاہ کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ زنا جیسی برائی سے اجتناب کرے۔ جو شخص آپؐ سے اس بات کا عہد کرے اور عمل کے ذریعہ اس عہد کو پورا کرے کہ وہ اپنی زبان کو فحش گوئی و بدکلامی سے محفوظ رکھے اپنے منہ کو حرام و ناجائز کھانے پینے سے بچائے اور اپنی شرمگاہ کو حرام کاموں سے روکنے پر پوری طرح عامل رہے تو آپؐ اس کے تئیں اس بات کے ضامن ہیں کہ وہ شروع ہی میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور وہاں کے درجات عالیہ کا مستحق قرار پائے گا۔ واضح رہے کہ آپؐ کی یہ ضمانت دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندوں کے رزق کا ضامن ہوا ہے، اسی طرح اس نے پاکیزہ زندگی اختیار کرنے اور اعمالِ صالحہ انجام دینے پر اپنے انعامات سے نوازنے کا بھی قوی وعدہ کیا ہے۔ اور چوں کہ آپؐ اس کے نائب ہیں اس لئے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت لی ہے۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۶۵۵ ﴿اچھی بات کہنے پر اجر ملتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۱۳**

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لَا یُلْقِیْ لَهَا بَالًا یَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَاِنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا یُلْقِیْ لَهَا بَالًا یَهْوِیْ بِهَا فِیْ جَهَنَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهُمَا یَهْوِیْ بِهَا فِی النَّارِ اَبْعَدَ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ .

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۵۹ ج ۲، باب حفظ اللسان، کتاب الرقاق، حدیث ۶۴۷۷، مسلم، ص ۴۱۲ ج ۲، باب التکلم بالکلمة... الخ کتاب الزهد والرقاق، حدیث ۲۹۸۸

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کوئی لفظ کہہ دیتا ہے، جس کو اس نے اہمیت نہیں دی ہوتی ہے، لیکن اس کے باعث اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کر دیتا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والی کوئی بات کہہ دیتا ہے، اس کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی، لیکن وہ اس کو جہنم میں لے جاتی ہے۔ (بخاری) اور بخاری ومسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جہنم میں اتنا نیچے لے جاتی ہے، جتنا مشرق ومغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بسا اوقات انسان زبان سے کوئی جملہ نکالتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا جملہ ہوتا ہے، اس جملے کی اہمیت اور اس کی عظمت کا کہنے والے کو احساس بھی نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ اس کی بدولت کہنے والے کے درجات بلند فرما دیتے ہیں۔ اس کے برعکس بسا اوقات انسان کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکلتا ہے جس کی شناعت اور قباحت کا آدمی کو احساس نہیں ہوتا، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی پر مشتمل ایک سنگین جملہ ہوتا ہے، آدمی کو پتہ بھی نہیں چلتا اور اس کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ زبان سے نکلنے والے ہر کلمے، ہر جملے کی ادائیگی سے پہلے غور کیا جائے اور سوچ سمجھ کر زبان کھولی جائے کہ زبان کے اس چھوٹے سے گوشت کے ٹکڑے کا معاملہ بڑا احساس ہوتا ہے۔ 'جِرْمُهٗ صغیر و جُرْمہ کبیر' (اس کا وجود چھوٹا ہے لیکن اس سے جرم بڑا بھی کیا جاتا ہے) حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ! میرے حق میں سب سے خطرناک چیز کیا ہے؟ آپؐ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا یہ، اسی طرح حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے بھی ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! نجات کی کیا صورت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ (کشف الباری)

**کلمات حدیث کی تشریح** **یهوی بها فی جهنم** یعنی اس کلمہ کے ذریعہ سے وہ جہنم میں گر جائے گا، اوپر سے نیچے کی طرف گرنا مراد ہے، عزالدین بن عبدالسلامؒ فرماتے ہیں کہ اس سے وہ کلمہ مراد ہے جس کے اچھے اور برے ہونے کی تمیز نہ ہو سکے، لہٰذا انسان کیلئے ایسی بات کرنا حرام ہے، جس کی خوبی وبدی کی تمیز نہ ہو سکے۔ (فتح الباری، ج ۱۱ ص ۳۷۶)

**حدیث نمبر ۱۶۵۶ ﴿مسلمان کو گالی دینا فسق ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۱۴**

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ کُفْرٌ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ .

**حوالہ:** بخاری، ص ۱۲ ج ۱، باب خوف المؤمن، کتاب الایمان، حدیث ۴۸، مسلم، ص ۵۸ ج ۲، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم... الخ، کتاب الایمان، حدیث ۶۴

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل

کرنا کفر ہے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں آپ ﷺ نے مسلمان کو گالی دینے کو فسق اور اس سے قتال کو کفر قرار دیا ہے، یہ زجر و توبیخ کے لئے ہے، ورنہ قتال مسلم بھی درحقیقت فسق ہے قتال مسلم سے مؤمن کافر نہیں ہو جاتا ہے، کیوں کہ دین اسلام کے بدیہی مسلمات کو دل سے ماننا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ایمان ہے ان بدیہی مسلمات میں سے کسی ایک بات کا انکار کفر ہے، ایمان کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ دین کے تمام بدیہی مسلمات (ضروریات دین کو) قلب و زبان سے مان لیا جائے اور کفر کی صورتیں بہت ہیں تاہم دین کی بدیہیات میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کر دیا خواہ بقیہ سب کا اقرار موجود ہو تو بھی انسان کافر ہو جائے گا گویا کفر و ایمان کی مثال ترازو کے پلوں کی سی ہے کہ ان کے اعتدال کی ایک ہی صورت ہے اور اختلاف کی بہت سی شکلیں ہیں پھر علماء نے تصریح کی ہے کہ کفر صرف قول ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعض افعال بھی موجب کفر ہو سکتے ہیں جو خاص خاص افعال انسان کے قلبی کفر کے صریح ترجمان سمجھے جاتے ہیں ان کے صدور کے بعد زبانی انکار کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا صدور ہی کفر کی مستقل دلیل ہے لیکن بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جو قلبی کفر کی صریح دلیل تو نہیں مگر وہ کافروں کے افعال سمجھے جاتے ہیں، ایسے افعال پر فقیہ کفر کا حکم تو نہیں لگاتا، مگر حدیث ان پر بھی کفر کا اطلاق کر دیتی ہے، اس طرز تعبیر سے مسلمانوں کے ذہن میں یہ جاگزیں کرنا مقصود ہے کہ جس طرح تم حقیقت کفر سے نفرت کرتے ہو اس سے ڈرتے اور پرہیز کرتے ہو، صورت کفر سے بھی تم کو اسی طرح نفرت کرنی چاہئے، جس طرح زندہ سانپ سے انسان اس لئے ڈرتا ہے کہ اس کے منہ میں خطرناک زہر ہے لیکن مردہ سانپ سے اس لئے ڈرتا ہے کہ اس میں سانپ کی حقیقت اگرچہ نہیں مگر اس کی صورت ضرور باقی ہے، اور اس حکمت کے پیش نظر قتال مومن کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (نفع المسلم)

**کلمات حدیث کی تشریح** سباب المسلم فسوق وقتاله كفر مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے اور ظاہر ہے کہ کفر اور فسق ایمان کے لئے مضر ہے، کفر تو ایمان ہی کی ضد ہے اسی طرح فسق کا نقصان بھی ظاہر ہے، ارشاد باری ہے كره اليكم الكفر والفسوق والعصيان کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی۔ آیت کریمہ میں پہلا نمبر کفر کا ہے دوسرا فسق اور تیسرا عصیان کا، معلوم ہوا کہ فسق عصیان سے بڑھا ہوا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گالی میں، براہ راست دوسرے کی عزت پہ حملہ ہے، عصیان میں ایسا نہیں ہے کیوں کہ اس کا ابتدائی تعلق عاصی کی اپنی ذات سے ہے اور جب سباب کا یہ حال ہے تو قتال تو اس سے بھی اونچے درجے کی چیز ہے حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے خطاب فرمایا تھا لا ترجعوا بعدى كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض میرے بعد کفر کو اختیار مت کرنا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو، یعنی بلاوجہ مسلمان پر تلوار اٹھانا اس امر کی غمازی کر رہا ہے کہ تم اس کو مسلمان نہیں سمجھتے، ورنہ اپنے بھائی کی گردن کیوں مارتے، اور خواہ مخواہ کسی مسلمان کو کافر بنانا خود اپنے لئے کفر کا خطرہ پیدا کرنا ہے، اس حدیث میں صراحت کے ساتھ مرجیہ کا رد ہو گیا، کیونکہ ان کے یہاں اہل طاعت اور اہل معصیت کا کوئی فرق نہیں ہے، ایمان کے بعد نہ اطاعت کا کوئی فائدہ ہے نہ معصیت سے کوئی ضرر، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض معاصی کفر تک پہنچا دیتے ہیں اور بعض اس کو فاسق بنا دیتے ہیں، اس حدیث سے مرجیہ مذہب تو حرف غلط ہو گیا مگر خوارج کو اپنی طمع خام پکانے کا موقع ہاتھ لگ گیا کیونکہ خوارج مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں سمجھتے تو اس کا جواب بھی سن لیجئے کہ یہاں قتاله كفر، سباب المومن فسوق کے مقابلے پر وارد ہوا ہے جس کا منشا قتال مسلم کی تغلیظ و تشدید کا اظہار ہے، یعنی جب سباب مومن فسق ٹھہرا تو قتال مومن کو کیا درجہ دیا جائے، جو اس سے بہت اوپر کی چیز ہے یعنی اس سے قبل گالی دینے کو فسق فرمایا جا چکا ہے، اس لئے اگر اب قتال کے لئے بھی وہی لفظ استعمال کریں تو مقصد پوری طرح سے حاصل نہ ہوگا اور جرم قتال کی نوعیت پوری طرح واضح نہ ہوگی، اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے

ہوتی ہے۔ عاصم بن کلیب کہتے ہیں کہ حدثنی ابی قال قلت لابن عباس رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام قال صفہ لی قال ذکرت الحسن بن علی فشبھتہ بہ قال قد رأیتہ یعنی میں نے ابن عباس سے کہا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، انھوں نے فرمایا کس حلیہ میں دیکھا ہے بیان کرو۔ مجھے حضرت حسن بن علیؓ یاد آ ئے، میں نے ان کے ساتھ تشبیہ دی فرمایا کہ ہاں تم نے دیکھا ہے، جب کہ امام نوویؒ اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ دیکھنے والے نے جس شکل میں دیکھا ہے، حضور ہی کو دیکھا ہے البتہ اگر آپ کی اس شکل میں دیکھا ہے جو احادیث میں وارد ہوئی ہے، تو آپ کی ذات کو دیکھا ہے اور کسی اور شکل میں دیکھا تو یہ شکل تمثیل ہوگی۔ اگر اچھی شکل میں دیکھا ہے تو دیکھنے والے کے دین کی خوبی کی طرف اشارہ ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دین کے آئینہ ہیں۔ آپ کے آئینے میں دین نظر آتا ہے اور اگر کسی ناپسندیدہ صورت میں دیکھا ہے تو دیکھنے والے کے نقص کی علامت ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

**سوال:** خواب کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حجت شرعیہ ہے یا نہیں؟

**جواب:** ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو کہ آپ کسی چیز کی خبر دے رہے ہیں یا کسی چیز سے منع فرما رہے ہیں یا کسی چیز کا حکم دے رہے ہیں تو آیا ایسے ارشادات منامیہ شرعی حجت ہیں یا نہیں؟ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خواب میں آپ کے ارشادات شرعی حجت نہیں ہیں، البتہ وہ ارشاد اگر کسی حکم شرعی سے متصادم نہ ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت ذاتیہ یا صورت مثالیہ کے ساتھ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، چنانچہ ایسے حکم پر عمل کرنا مستحسن ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جب خواب دیکھنے والے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے اور آپ کا دیکھنا برحق بھی ہے، تو آپ کے ارشادات مبارکہ بھی برحق اور حجت ہونا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ جو حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت برحق ہونے کے لئے حقیقی حلیہ مبارکہ کے ساتھ لازمی قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک تو خواب کی حالت میں ارشادات کا حجت نہ ہونا ظاہر ہے کیوں کہ کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ جزمًا یہ بات کہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصل حلیہ میں دیکھا ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے میں شبہ پیدا ہو گیا تو خواب کے حجت ہونے کا کیا سوال ہے؟ اور جو حضرات کہتے ہیں کہ آپ کو اپنے اصل حلیہ میں دیکھنا ضروری نہیں ان کے نزدیک خواب کی عدم حجیت اس بنیاد پر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص خواب میں مجھے دیکھے اس نے واقعی مجھے دیکھا ہے، کیوں کہ شیطان تصرف کر کے میری صورت نہیں بنا سکتا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ خواب میں میرا ارشاد بھی برحق ہوگا اور اس کی نسبت میری طرف کی جا سکے گی ظاہر ہے کہ رؤیا کے برحق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز خواب میں دکھائی دے رہی ہے یا سنائی دے رہی ہے حقیقت میں بھی واقع ہو، بلکہ اتنی بات ثابت ہے کہ یہ خواب اضغاث میں سے نہیں ہے، اس کی کوئی تعبیر ہے اس تعبیر کی نسبت سے یہ خواب برحق ہے نہ کہ مرئی اور مسموع کی نسبت سے، پھر یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے اندر شیطان کے تصرفات کا کوئی دخل نہیں ہوتا، تاہم دیکھنے والے کی قوت متخیلہ بعض اوقات اثر انداز ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی معروف ہیئت کے بجائے کسی اور ہیئت میں دکھائی دیتے ہیں، اس لئے عین ممکن ہے کہ دیکھنے والے کے خیال میں ایسا کوئی کلام واقع ہو جائے جس کا تکلم آپ نے نہیں فرمایا، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ خواب دیکھنے والے نے خواب میں جو کچھ دیکھا وہ تو بھول چکا، تاہم جاگنے کے بعد اسے ایسی باتوں کا خیال آیا جو خواب میں پیش ہی نہیں آئیں، لہٰذا ان شبہات کے ہوتے ہوئے ہم ان احکام کو نہیں چھوڑ سکتے جو ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت یقظہ میں حاصل ہوئے، نیز اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حالت رؤیا اور حالت یقظہ میں اگر تعارض ہو جائے تو حالت یقظہ کو ترجیح حاصل ہوگی، کیوں کہ یہ بھی تو معلوم ہے

ایک کی طرف کفر لوٹا۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** جس طرح نیک اعمال کی بنا پر کسی کافر کو مسلمان کہنا صحیح نہیں، اسی طرح کسی مسلمان کو صرف اس کے اعمال بد کی وجہ سے کافر کہنا صحیح نہیں۔ اسلام میں کسی کافر کو مسلمان کہنا یا کسی مسلمان کو کافر کہنے کی ممانعت یکساں ہے۔ اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ کسی مومن کی خواہ وہ گنہگار کیوں نہ ہو ہرگز تکفیر نہ کی جائے، اگر کسی مسلمان کو دوسرا مسلمان کافر کہے گا، اس کہنے پر سخت ترین سزا کا مستحق ہوگا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **ایما رجل قال لاخیه کافر** جس نے مسلمان کو کافر کہا تو تو اس جملے کا وبال خود اس پر آئے گا۔ اور ظاہری مطلب کے اعتبار سے کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح کی روایت لعنت سے متعلق ابوداؤد نے نقل کی ہے۔ دیکھیں عالمی حدیث ۴۸۵۰

**اشکال:** اس حدیث کے پیش نظر ایک مشہور اشکال ہے کہ اہل سنت والجماعت تکفیر مسلم کو کفر نہیں سمجھتے، حالاں کہ ظاہر حدیث سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مسلمانوں کی تکفیر کرنے والا کافر ہو جاتا ہے، اس اشکال سے بچنے کی مختلف توجیہات کی جاتی ہیں؟

**جواب:** (۱) حدیث میں تکفیر کرنے والے کو جو کافر کہا وہ اس صورت میں جب کہ تکفیر کو حلال جانے، لیکن یہ تاویل کمزور ہے۔ (۲) کفر لوٹ آئے گا اس سے مراد تکفیر کی معصیت لوٹ آئے گی، یہ مطلب نہیں کہ وہ کافر ہو جائے گا۔ (۳) قاضی عیاضؒ نے امام مالکؒ سے یہ توجیہ نقل کی ہے کہ یہ حدیث اُن خوارج کے بارے میں ہے جو برملا مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ امام نوویؒ نے اس جواب کو کمزور قرار دیا ہے، کیوں کہ اہل سنت والجماعت خوارج کو کافر نہیں مانتے بلکہ بدعتی شمار کرتے ہیں۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق ہے کہ جو گروہ تمام صحابہؓ کی مذمت بیان کرے یا اُن میں سے اکثر کی مذمت کرے وہ کافر ہے، بعض لوگوں نے حضرات شیخین کے سب وشتم کو موجب کفر قرار دیا ہے۔ ایک دو صحابہ کی مذمت فسق ہے۔ (فتح الباری نفع المسلم)

## حدیث نمبر ١٦٥٨ ﴿مسلمان کو فاسق کہنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨١٦

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْمِيْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ وَلَا يَرْمِيْهِ بِالْكُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ اِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهٗ كَذٰلِكَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حواله:** بخاری، ص ۸۹۳ ج ۲، باب ما ینهی عن السباب، کتاب الادب، حدیث ٦١٤٥

**ترجمه:** حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی دوسرے پر فسق یا کفر کی تہمت نہ لگائے ورنہ وہ اسی پر لوٹتی ہے اگر اس کا ساتھی ایسا نہ ہو۔ (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کافر یا فاسق کہا گیا، اور وہ شخص حقیقتاً کافر یا فاسق ہے تو پھر کہنے والا سچا ہے اور جس کے متعلق کہا گیا وہ اس کا مستحق ہے اور اگر وہ کافر یا فاسق نہیں ہے تو پھر کہنے والے پر اس جملہ کا وبال آئے گا اور مستحق سزا ہوگا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **الا ارتدت علیه** وہ کلمہ کفر اس کی طرف لوٹ آتا ہے، اس میں کچھ تفصیل ہے، ایک شخص نے دوسرے کو فاسق یا کافر کہا اور جس کو کہا ہے وہ حقیقت میں فاسق یا کافر ہے، تو ایسی صورت میں کہنے والے کی نیت کو دیکھا جائے گا، اگر اس نے خیر خواہی کے جذبہ سے یا لوگوں کو اس کی حالت سے باخبر کرنے کے لئے یہ جملہ کہا ہے تو جائز ہے، لیکن اگر اس کا مقصد اس شخص پر طعن زنی اور بلاضرورت اس کے فسق یا کفر کی تشہیر ہے تو یہ جائز نہیں، کیوں کہ شریعت نے برائیوں کو

اچھالنے کا نہیں چھپانے کا حکم دیا ہے۔ترمذی کی حدیث ہے 'من ستره مسلما ستره الله يوم القيامة' لیکن جس شخص کو فاسق یا کافر کہا گیا اور وہ حقیقت میں فاسق و کافر نہیں ہے تو وہ کلمہ خود کہنے والے کی طرف لوٹے گا۔اس جز کی کافی وضاحت گذشتہ حدیث میں کی گئی ہے دیکھ لی جائے۔(فتح الباری، ص ۱۷۵ ج ۱۰، کشف الباری)

**سوال:** یہ تو صحیح ہے کہ کسی کو کافر کہنے والا حقیقتاً کافر نہ ہوگا، لیکن اس طرح کے الفاظ مثلاً یا کافر، یا فاسق وغیرہ کہنے والا شخص حاکم وقت کی طرف سے مستحق سزا ہوگا یا نہیں؟

**جواب:** اگر کسی شخص کو کافر یا ہندو، زندیق فاجر فاسق کہہ دیا تو وہ شخص مستحق تعزیز ہے، یعنی حاکم وقت اسے حسب مصلحت کوئی بھی سزا دے سکتا ہے۔(لفع المسلم)

## حدیث نمبر ۱۶۵۹ ﴿کسی شخص کو دشمن خدا کہنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨١٧

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ اَوْ قَالَ عَدُوَّ اللّٰهِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ اِلَّا حَارَ عَلَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حواله:** بخاری، ص ۸۹۳ ج ۲، باب ما ينهى عن السباب واللعن، كتاب الادب، حديث ٦٠٤٤، مسلم، ص ۵۷ ج ۱ باب بيان حال ايمان من رغب، كتاب الايمان، حديث ١١٢

**حل لغات:** حار (ن) حَوْرًا لوٹنا، واپس ہونا۔

**ترجمه:** حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو کافر کہہ کر پکارے یا کسی کو خدا کا دشمن کہے اور وہ واقعۃً ایسا نہ ہو تو اس کا کہا خود اس پر لوٹ پڑتا ہے۔(بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** زبان سے نکلی ہوئی باتوں کے متعلق آدمی سمجھتا ہے کہ وہ فضا میں فنا ہو جاتی ہیں، اور جب اسکا وجود ہی نہیں تو پھر اسپر گرفت اور مواخذہ کیسا؟ اسلئے جو کچھ منہ میں آتا ہے بک ڈالتا ہے، شارع کی نگاہوں میں انسانی باتوں کی بڑی اہمیت ہے، وہ جو کچھ بولتا ہے وہ فضا میں محفوظ ہے اور کم از کم ایک مسلمان کا عقیدہ تو ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر فرشتے کے پہرے مقرر کر دیئے ہیں، جو ان کے ہر قول و فعل کو قید کتابت میں لا رہے ہیں اور بروز جزا وہ سب پیش ہونگی اور اسپر جزا و سزا مرتب ہوگی، یہ تنبیہ اسلئے کی جارہی ہے کہ ہر شخص اپنی زبان کی اہمیت محسوس کرے۔اور اگر کسی کو کافر، ملعون دشمن خدا کہہ رہا ہے اور اسکی بات غلط ہے تو وہ خود خدا کا دشمن یا جو کچھ دوسرے کو کہہ رہا ہے اسکا مصداق ہوگا، اسلئے اس طرح کی باتیں منہ سے قطعاً نہ نکالنا چاہئے۔(لفع المسلم)

**کلمات حدیث کی تشریح** من دعا رجلا بالكفر معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو کافر یا دشمن خدا کہنے والا سخت ترین عذاب سے دوچار ہو سکتا ہے۔اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے عالمی حدیث ۴۸۱۵ دیکھیں۔اس حدیث میں مومن کی تکفیر وغیرہ کی ممانعت ہے، لیکن اگر کوئی مسلمان ضروریاتِ دین کا منکر ہو، یا دین کا مذاق اُڑائے، یا عقائد کفریہ اختیار کرے تو پھر اس کی تکفیر کی جائے گی، مسیلمہ کذاب مدعیِ اسلام اور معترف نبوت بھی تھا، مگر کیا مذکورہ حدیث کی بنا پر اس کو مسلمان سمجھا گیا، ہرگز نہیں، اسی طرح جن لوگوں نے زکاۃ کی فرضیت کا انکار کیا تھا اگر چہ وہ اہلِ قبلہ نمازی تھے، ذبیحہ کھاتے تھے مگر صحابہؓ کو مرتد سمجھ کر جہاد کیا، یہی وجہ ہے کہ آج بھی اگر کوئی مسلمان ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار کرے تو اس کو کافر کہا جائے گا۔(حوالہ بالا)

## حدیث نمبر ۱۶۶۰ ﴿گالی گلوچ میں پہل کرنے والا اصل مجرم ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨١٨

وَعَنْ اَنَسٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِيْ مَالَمْ

یَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ رَوَاہُ مُسْلِمٌ .

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۲۱ ج ۲، باب النھی عن السباب، کتاب البر، حدیث ۲۵۹۷

**حل لغات:** المستبان دو گالی گلوچ کرنے والے، اِسْتَبَّ (افتعال) ایک دوسرے کو گالی دینا، سَبَّ (ن) سَبًّا، گالی دینا، برا کہنا، البادی شروع کرنے والا، پہل کرنے والا، بَدَأَ (ف) بَدْءً ا الشئی شروع کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ و حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو گالی گلوچ کرنے والوں میں پہل کرنے والے پر گناہ ہے جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر دو شخص آپس میں گالم گلوچ کرنے لگیں، ایک دوسرے کے حق میں بدکلامی و سخت گوئی کریں تو ہر ایک کی گالم گلوچ کا گناہ ان دونوں میں سے اس شخص پر ہوگا جس نے گالم گلوچ کی ابتدا کی ہوگی، یعنی اس کو اپنی گالم گلوچ کا گناہ تو ہوگا ہی دوسرے شخص کی گالم گلوچ کا گناہ بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا، کیوں کہ ابتداء کرنے والے نے ثانی شخص کو گالی دینے پر ابھارا اور اس پر ظلم کیا، دوسرے شخص نے جو کچھ کہا انتقام و بدلہ لینے کی غرض سے کہا، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ دوسرا شخص یعنی مظلوم جواب دینے میں زیادتی نہ کرے، اگر مظلوم حد سے تجاوز کر گیا بایں طور کہ اس کی گالم گلوچ ابتداء کرنے والے کی گالم گلوچ سے بڑھ گئی یا ابتداء کرنے والے نے جو ایذا پہنچائی تھی، اس کے جواب میں دوسرے شخص نے اس سے زیادہ ایذا پہنچادی، تو اس صورت میں اس پر تجاوز کا گناہ ہوگا اور پہلے شخص پر ابتداء کرنے کا گناہ ہوگا۔ (تکملہ، مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** المستبان ما قالا فعلی البادی 'استباب' یعنی ایک دوسرے کو جانبین سے گالی دینا، اس صورت کا حدیث میں حکم بیان کیا گیا ہے کہ اس گالی گلوچ کا وبال ابتداء کرنیوالے پر ہوگا، لیکن اس میں ایک قید ہے۔ 'ما لم یعتد المظلوم' بشرطیکہ مظلوم یعنی جسکو ابتداء میں گالی دی گئی ہو اسنے زیادتی نہ کی ہو، اسکا زیادتی نہ کرنا یوں ہے کہ جس طرح اسکو ایک بار گالی دی گئی ہے وہ بھی بدلہ میں ایک بار گالی دے لے، تو اس طرح ایک گالی کا تقابل ایک گالی سے ہوتا رہا، تو جب تک یہ سلسلہ چلے گا تو پہل کرنیوالے پر اسکا گناہ ہوگا، لیکن اگر مظلوم نے زیادتی کی کہ ایک گالی کے جواب میں دو گالیاں دیں تو اسکا حکم یہ نہیں ہوگا، بلکہ اس صورت میں دونوں گناہ میں شریک رہیں گے۔ (الدر المنضود) نوویؒ نے کہا کہ مسلمان کو گالی دینا حرام ہے، جسکو گالی دی گئی وہ چاہے تو بدلہ لے سکتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اسمیں کذب بیانی اور تہمت نہ ہو، اسکے اگلے والوں پر سب و شتم نہ ہو (تکملہ فتح الملہم) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب و شتم کا قصاص لینا جائز ہے ارشاد ربانی ہے 'ومن انتصر بعد ظلمہ فاولئك ما علیھم من سبیل' باقی صبر اور عفو بہر حال افضل ہے، ارشاد رب ہے 'ولمن صبر و غفر ان ذلك من عزم الامور' (نووی، عون الترمذی)

## حدیث نمبر ۱۶۶۱ ﴿لعنت کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۱۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْبَغِیْ لِصِدِّيْقٍ اَنْ يَّكُوْنَ لَعَّانًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۲۳ ج ۲، باب النھی عن لعن الدواب، کتاب البر، حدیث ۲۵۹۸

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچے کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ بہت لعنت کرنے والا ہو۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی پر لعن طعن نہ کرنا چاہئے، خاص طور پر نیک اور متقی لوگ تو اپنے آپ کو بالکل لعن طعن سے بچائیں، کیوں کہ لعنت آخری درجہ کی بددعاء ہے، شریعت نے تو عام بددعاء کرنے سے روکا ہے،

کیوں کہ کبھی قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے اور بددعا قبول ہو جاتی ہے، پھر پچھتانا پڑتا ہے، علاوہ ازیں لعنت ملامت کرنے سے اور بددعائیں دینے سے معاشرہ بھی خراب ہوتا ہے، لوگوں کے دلوں میں میل اور آپس میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے ہمیشہ لوگوں کو اچھی دعائیں دی جائیں یا خاموش رہا جائے، لعنت ملامت کرنے اور بددعائیں کرنے سے احتراز کیا جائے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح**

لا ینبغی لصدیق ان یکون لعانا 'صدیق' مبالغہ کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں زیادہ سچا، بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ 'صدیق' اس شخص کو کہتے ہیں جس کے قول و فعل کے درمیان کوئی تضاد نہ ہو، بلکہ پوری یکسانیت و مطابقت ہو، صوفیا کے یہاں صدیقیت ایک مقام ہے جو کہ درجہ مقام نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ ہے، جو کہ قرآن کریم کی آیت 'فاولئک الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین' سے مفہوم ہوتا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صدق وراستی کے وصف سے مزین ہو اور ایسے اونچے مقام پر پہنچ چکا ہو جو مقامِ نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ ہے، اور اس اعتبار سے اس کے مرتبہ کو مرتبۂ نبوت سے قریبی نسبت حاصل ہے، تو اس کی شان یہ نہیں ہونی چاہئے کہ وہ دوسروں پر لعنت کرتا رہے اور نہ مقامِ صدیقیت کا یہ مقتضا ہو سکتا ہے، کیوں کہ کسی کو لعنت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو رحمتِ خداوندی اور بارگاہ الوہیت سے محروم اور بعید قرار دیا جائے، جب کہ تمام انبیاء کا مقصد ہی یہ رہا ہے کہ وہ مخلوقِ خدا کو رحمتِ خداوندی سے بہرہ یاب کریں، اور جو لوگ بارگاہ الوہیت سے دور ہو چکے ہیں، ان کو قریب تر لائیں، اسی وجہ سے اہل سنت والجماعت کا پسندیدہ شیوہ یہ ہے کہ لعن طعن کو ترک کیا جائے اور کسی بھی شخص کو لعنت نہ کی جائے، اگرچہ وہ اس لعنت کا مستحق ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ جو شخص اپنے قول و فعل کے ذریعہ خدا کے نزدیک خود ملعون قرار دیا جا چکا ہے، اس پر لعنت کرنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے، لہٰذا کسی ایسے شخص پر لعنت کرنا اپنی زبان کو خواہ مخواہ آلودہ کرنا اور اس کی لعنت میں اپنا وقت صرف کر کے اپنا وقت ضائع کرنا ہے اور یہ کہ اس پر لعن طعن کر کے گویا اپنے اور اپنی جماعت حقہ کے شیوہ کے خلاف عمل کرنا ہے، البتہ اس کافر پر لعنت کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے جس کے بارے میں مخبرِ صادق کی خبر یا اپنا علم و یقین یہ ہو کہ وہ کفر ہی کی حالت میں مرا ہے، واضح رہے کہ لعنت کی دو قسمیں ہیں (۱) اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کو بھلائی سے بالکل محروم اور رحمتِ خداوندی سے کلیۃً دور قرار دینا نیز اس کو اللہ تعالیٰ کے فضلِ لامتناہی سے مطلق ناامید کر دینا ہے، ایسی لعنت صرف کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ (۲) اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو رضائے حق اور قربِ خداوندی کے مقام سے دور و محروم قرار دیا جائے جو ترکِ اولیٰ واحوط کا مرتکب ہو، چنانچہ بعض اعمال کے ترک کے سلسلہ میں جو لعنت ملامت منقول ہے اور جو بعض صحابہ وغیرہ سے بھی نقل کی گئی ہے اس کا تعلق اسی دوسری قسم سے ہے۔ لفظ 'لعان' مبالغہ کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں بہت زیادہ لعنت کرنے والا، حدیث میں یہ لفظ بصیغۂ مبالغہ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ عام طور پر یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی اونچے سے اونچے درجہ کا مومن بھی تھوڑی بہت لعنت کرنے کا مرتکب نہ ہوا ہو، چنانچہ ابن ملکؒ نے لکھا ہے کہ اس ارشادِ گرامی میں اس لفظ کا بصیغۂ مبالغہ ذکر ہونا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ لعنت کرنے کی جو برائی اس حدیث سے واضح ہوتی ہے، وہ اس شخص کے حق میں نہیں جس سے کبھی کبھار یعنی ایک مرتبہ یا دو مرتبہ لعنت کا صدور ہو جائے۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۶۶۲ ﴿بہت لعنت کرنے والا محروم ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۲۰**

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللَّعَّانِیْنَ لَا یَکُوْنُوْنَ شُھَدَاءَ وَلَا شُفَعَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۲۳ ج ۲، باب النھی عن لعن الدواب، کتاب البر، حدیث ۲۵۹۸

**ترجمہ:** حضرت ابودرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بہت زیادہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے اور نہ شفاعت کرنے والے ہوں گے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** بہت زیادہ لعنت کرنے کی ممانعت ہے، جو شخص ممانعت کے باوجود لعن طعن کا شیوہ اپنائے گا، قیامت کے دن اس کو دو اعزازوں سے محروم کردیا جائے گا۔ (۱) وہ رسولوں کے حق میں یہ گواہی نہ دے سکے گا کہ انھوں نے اپنی امت تک دین حق پہنچادیا تھا۔ (۲) وہ کسی کے بارے میں جہنم سے رہائی کی سفارش نہ کرسکے گا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **لا یکونون شھداء ولا شفعاء** بہت لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے اور نہ سفارش کرنے والے۔ امت محمدیہ کو میدانِ محشر میں یہ امتیاز حاصل ہوگا کہ سارے انبیاء کرام کی امتیں جب اپنے انبیاء کی ہدایت وتبلیغ سے مکر جائیں گی اور ان کو جھٹلا کر یہ کہیں گی کہ ہمارے پاس نہ کوئی کتاب آئی نہ کسی نبی نے ہمیں کوئی ہدایت کی، اس وقت امتِ محمدیہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے گواہی میں پیش ہوگی اور یہ شہادت دے گی کہ انبیاء علیہم السلام نے ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائی ہوئی ہدایت ان کو پہنچائیں، اور ان کو صحیح راستہ پر لانے کی مقدور بھر پوری کوشش کی، مدعیٰ علیہم امتیں امتِ محمدیہ کی گواہی پر جرح کریں گی کہ اس امت محمدیہ کا تو ہمارے زمانے میں وجود بھی نہ تھا، اس کو ہمارے معاملات کی کیا خبر، اس کی گواہی ہمارے مقابلے میں کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔ امت محمدیہ اس جرح کا جواب دے گی کہ بے شک ہم اس وقت موجود نہ تھے، مگر اُن کے واقعات وحالات کی خبر ہمیں ایک صادق ومصدوق رسول نے اور اللہ کی کتاب نے دی ہے، جس پر ہم ایمان لائے اور ان کی خبر کو اپنے معائنہ سے زیادہ سچا اور یقینی جانتے ہیں، اس لئے ہم اپنی شہادت میں حق بجانب اور سچے ہیں، اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش ہوں گے اور ان گواہوں کا تزکیہ وتوثیق کریں گے کہ بے شک انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری تعلیم کے ذریعہ ان کو صحیح حالات معلوم ہوئے۔ (معارف القرآن) یہ امت محمدیہ کی بہت بڑی فضیلت واعزاز ہے، لیکن جو بہت لعنت کرنے والا ہوگا وہ اس اعزاز سے اور اس کے ساتھ کسی کی سفارش کرنے کے اعزاز سے دونوں سے محروم ہوگا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ دنیا میں یہ لوگ اس قابل نہ رہیں گے کہ ان کی شہادت قبول کی جائے ان کے فسق کی وجہ سے۔ یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ ان کو شہادت نصیب نہیں ہوگی۔ (بذل)

## حدیث نمبر ۱۶۶۳ ﴿کسی کو ھلاک ھونے کی بددعا نہ دو﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۲۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ اَهْلَكُهُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۲۹ ج ۲، باب النھی من قول ھلك الناس، کتاب البر، حدیث ۳۶۲۳

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی کہے کہ لوگ ہلاک ہوگئے، تو ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا وہی ہے۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی کو گناہ میں مبتلا دیکھ اس کے بارے میں فیصلہ نہیں سنانا چاہئے کہ یہ اُخروی اعتبار سے ہلاک وبرباد ہوگیا، کیوں کہ ایسا کہنے سے وہ شخص مایوس ہوکر گناہوں سے بچنے کے بجائے مزید گناہوں کا ارتکاب کرے گا اور اس کی بدعملی کا سبب یہ شخص ہوگا، لہٰذا یہ خود ہلاکت میں مبتلا ہوگا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** **ھلك الناس فھو اھلکھم** عیب جوئی اور حقارت کی بنا پر لوگوں کو ہلاک ہونے کی اور اخروی اعتبار سے سوءِ انجام کی اطلاع دینے والا سخت گنہگار ہے، گنہگار کو مایوس کرنے کے بجائے مغفرت کی

بشارت سنا کر گناہوں سے بچانا چاہیے۔

**حدیث نمبر ۱۶۶۴ ﴿منہ دیکھی بات کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۲۲**

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَاالْوَجْهَيْنِ الَّذِيْ يَأْتِيْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَّهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۹۵ ج۲، باب ما قیل فی ذی الوجهین، کتاب الادب، حدیث ۶۰۵۸، مسلم، ص ۳۲۵ ج۲، باب ذم ذی الوجهین، کتاب البر، حدیث ۲۵۲۶

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قیامت میں سب سے برا دو منہ والے آدمی کو دیکھو گے جو ایک کے منہ پر کچھ کہتا ہے اور دوسرے کے منہ پر کچھ کہتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں دوغلی پالیسی اختیار کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے۔ ایک قوم کے پاس آکر کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارا حامی ہوں، تمہارے مخالف کا میں مخالف ہوں، پھر دوسروں کے پاس جا کر ان کے ساتھ اپنی محبت جتاتا ہے، یہ ایک طرح کا نفاق ہے، دوغلا کی یہ بھی تفسیر ہے کہ وہ شخص جو لوگوں کی باتیں ایک دوسرے تک پہنچائے اور اس کا مقصد فساد برپا کرنا ہو، ایسے لوگوں کے بارے میں حدیث میں سخت وعید ہے، قیامت کے دن یہ سخت ترین انجام سے دوچار ہوں گے۔ (فتح الباری، ص ۵۸۲ ج ۲)

**کلمات حدیث کی تشریح** تجدون شر الناس دورخا آدمی دنیا میں چاہے اپنی دوغلی پالیسی کی وجہ سے کتنا بڑا منصب پالے، لیکن آخرت میں وہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ یہ بہت بری حرکت ہے کہ جس کے پاس گئے اس کے حساب سے بات کی، ان کے منہ پر اُن کی برائی اور اُن کے منہ پر اِن کی برائی کرنے والا دھوکے باز دوغلا منافق ہے، اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی نگاہ میں بدترین جرم کا مرتکب ہے۔

**حدیث نمبر ۱۶۶۵ ﴿چغل خوری کی سزا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۲۳**

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ نَمَّامٌ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۹۵ ج۲، باب ما یکره من النمیمة، کتاب الادب، حدیث ۶۰۵۶، مسلم، ص ۷۰ ج۲، باب بیان غلظ تحریم النمیمة، کتاب الایمان، حدیث ۱۶۹

**حل لغات:** قتات چوری سے لوگوں کی باتیں سننے والا، چغلی لگائے یا نہ لگائے، چغل خور، نمام بڑا چغل خور، واحد نمامة۔

**ترجمہ:** حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا، (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں 'نمام' کا لفظ آیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** چغل خوری ایک برا وصف ہے، اصلاح ذات البین کی جس قدر اہمیت ہے، اسی قدر فساد ذات البین کی قباحت ہے، لترا یعنی ادھر کی اُدھر کرنے والا آدمی لچا سمجھا جاتا ہے، جب اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے کھلتی ہے تو اس کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے اور لوگ اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، چغلخور کو لگائی بجھائی میں بڑا مزہ ملتا ہے، مگر اس کو سمجھنا چاہئے کہ اس سے اس کی شخصیت مجروح ہوتی ہے، اس کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے اور اس کی حیثیت چار پیسے کی باقی نہیں رہتی، اس لئے اس کو اس حرکت سے

باز آجانا چاہئے۔اس حدیث میں بھی یہی بات بتائی گئی ہے کہ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا، یعنی وہ اپنے گناہ کی سزا ضرور پائے گا، اللہ کی معافی اس کے حصے میں نہیں آئے گی۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** لا یدخل الجنة قتات چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔چغل خوری کہتے ہیں 'نقل کلام بعض الناس الی بعض علیٰ جهة الافساد بینهم' یعنی کسی کی بات دوسرے کے پاس اس غرض سے نقل کرنا کہ باہمی فتنہ وفساد پیدا ہوجائے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ جن کے بارے میں کوئی بات کہی گئی، ان کے سامنے وہ بات نقل کردینے کو چغل خوری کہتے ہیں، جیسے عمرو زید سے کہے کہ بکر تمہارے بارے میں ایسی ایسی باتیں کررہا تھا۔امام غزالیؒ کی رائے یہ ہے کہ چغل خوری صرف اسی صورت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ کوئی بھی ایسی ناگوار بات نقل کرنا چغل خوری میں داخل ہے جس سے خواہ ناگواری اس شخص کو ہو جس کی بات نقل کی گئی ہے یا اس شخص کو ہو جن کے بارے میں کہی گئی ہے، یا کسی تیسرے شخص کو ہو، خواہ یہ اظہار صراحۃً ہو یا کنایۃً، اشارے سے ہو یا آنکھ کی کنکھیوں سے، یہ تمام صورتیں چغل خوری میں داخل ہیں، گو چغل خوری کی حقیقت صرف اتنی سی ہے کہ کسی کے ایسے راز کو فاش کردینا، جس کو ظاہر کرنے سے ناگواری ہو۔

**چغل خوری کے گناہ سے بچنے کی صورت:** جس کے سامنے چغل خوری کی گئی ہے، اس پر گناہ سے بچنے کے لئے چھ باتیں لازم ہیں: (۱) چغلخور کی بات کی تصدیق نہ کرے، کیونکہ چغلخور فاسق ہے، (۲) چغل خور کو چغلخوری سے روک دے اس کو نصیحت کرے اور اس کی مذمت کرے، (۳) اللہ ایسے شخص سے بغض رکھے، کیونکہ ایسا شخص اللہ کے نزدیک مبغوض ہے اور جس سے خدا کو بغض ہو اس سے بغض رکھنا ضروری ہے، (۴) جس کی چغلی کی گئی ہے اس سے بدگمان نہ ہو، (۵) ان باتوں کی تصدیق وجستجو میں نہ لگے، (۶) چغلی دوسروں کے سامنے نقل نہ کرے، کیونکہ اگر اس کی بات دوسروں کے سامنے نقل کرے گا تو وہ خود چغل خور ہوجائے گا۔

**چغل خوری اور غیبت میں فرق:** چغلخوری کہتے ہیں کسی شخص کی بات، یا اس کی حالت کو، کسی دوسرے سے نقل کرنا خواہ اس کو معلوم ہو، یا نہ ہو، گویا چغل خوری میں جس کی چغلی کی جائے، اس کے غائب ہونے کی شرط نہیں، اور غیبت میں یہ شرط ہے کہ وہ غائب ہو۔دوسری شرط چغل خوری میں یہ ہے کہ علیٰ وجه الافساد ہو، اور غیبت میں یہ شرط نہیں، چغلخوری حرام ہے الا یہ کہ بنیت اصلاح ہو، اگر اصلاح کی غرض سے ہو تو کہیں واجب کہیں مستحب، کہیں مباح ہوجاتا ہے، مثلاً کسی کا بچہ غلط راستہ پر چلنے کی کوشش کررہا ہے، تو اس کے سرپرستوں سے، بغرض اصلاح شکایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اگر کوئی شخص کسی کو درپردہ قتل کرنا چاہتا ہے، تو اس کی اس اسکیم سے مطلع کردینا ضروری ہوجاتا ہے۔ (نفع المسلم)

**سوال:** کیا چغل خور کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا؟

**جواب:** چغل خوری کی خاصیت دخول نار ہے جیسے ایمان کی خصوصیت دخول جنت ہے، البتہ عوارض کی وجہ سے خاصیت ظاہر نہیں ہوتی، اگر چغل خور میں ایمان نہ ہوتا تو چغل خوری کا خاصہ اپنا اثر دکھلاتا اور وہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہتا، لیکن ایمان کی وجہ سے 'خلود فی النار' کا اثر ظاہر نہ ہوگا۔ (حوالہ بالا) البتہ چغل خوری کی وجہ سے جنت میں دخول اولیٰ سے محروم ہوگا۔'نمام' مسلم کی ایک روایت میں 'قتات' کے بجائے نمام استعمال ہوا ہے، اس کے معنی بھی چغل خور ہیں۔

**سوال:** کیا 'قتات' اور 'نمام' میں کچھ فرق ہے۔

**جواب:** بعض لوگ کہتے ہیں کہ 'نمام' اس شخص کو کہتے ہیں جو حاضر ہوکر کوئی بات سنے اور پھر آگے فساد پھیلانے کی نیت سے نقل کرے اور 'قتات' اس کو کہتے ہیں جو سنی سنائی باتوں کو آگے فساد پھیلانے کی نیت سے نقل کرے۔ (فتح الباری، ص ۵۸۰ ج ۱۰)

**حدیث نمبر ۱۶۶۶ ﴿سچ بولنے کی تاکید اور جھوٹ بولنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۲۴**

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْكِذْبَ فُجُوْرٌ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ.

**حواله:** بخاری، ص ۹۰۰ ج۲، باب قول اللّٰه تعالیٰ یا ایها الذین آمنوا اتقوا اللّٰه و کونوا مع الصادقین، کتاب الادب، حدیث ۶۰۹۴، مسلم، ص ۳۲۶ ج۲، باب قبح الکذب، کتاب البر، حدیث ۲۶۰۷

**حل لغات:** یتحدی (تفعل) الشیٔ قصد کرنا، ارادہ کرنا، چاہنا، طلب کرنا، فجور گناہ، فَجَرَ (ن) فَجْراً گناہ کرنا۔

**ترجمه:** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچائی کو تم لوگ اختیار کرو، اس لئے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے، اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، آدمی برابر سچ بولتا ہے اور سچائی کا متلاشی رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو بہت سچ بولنے والا لکھ لیا جاتا ہے، اور جھوٹ سے گریز کرو، کیوں کہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے، اور برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے، آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا متلاشی رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑا جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ بے شک سچائی نیکی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور بے شک جھوٹ برائی ہے اور برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں ایک مضمون یہ بیان ہوا کہ سچ بولنا اور جھوٹ بولنا، ایسی دو باتیں ہیں جن سے معاشرہ سنورتا اور بگڑتا ہے، اگر لوگ آپس میں سچ بولیں گے تو اچھا معاشرہ پروان چڑھے گا اور اگر جھوٹ بولیں گے تو طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوں گی، اسلئے اسلام میں سچ بولنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، اور جھوٹ بولنے سے بہت سختی سے روکا ہے، یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اعمال کا حال عادات جیسا ہے، جس طرح اچھی بری عادتیں آہستہ آہستہ بنتی ہیں، اچھے برے اعمال میں کمال بھی رفتہ رفتہ پیدا ہوتا ہے، اور ایک اچھا عمل دوسرے اچھے عمل تک پہچانا جاتا ہے اور اسی طرح آدمی اچھے اعمال کرتا کرتا جنت میں پہنچ جاتا ہے، سچ بولنا بھی ایک ایسا ہی نیک عمل ہے جو دوسرے نیک عمل تک مفضی ہوتا ہے، پھر وہ نیک اعمال اسے جنت تک پہنچاتے ہیں، اور جھوٹ بولنا نہایت برا عمل ہے۔ وہ دوسرے برے عمل تک مفضی ہوتا ہے، اور آدمی یکے بعد دیگرے برائیاں کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔ دوسرا مضمون اس حدیث میں یہ ہے کہ آدمی صدیق (نہایت سچا) اور کذاب (نہایت جھوٹا) ایک دم نہیں بن جاتا، بلکہ رفتہ رفتہ بنتا ہے، اگر آدمی برابر سچ بولتا رہے اور سچ بولنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے تو ایک دن وہ صدیق بن جاتا ہے، اور یہی حال جھوٹ بولنے کا ہے، پس ہر مومن کو سچ بولنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، تاکہ نبوت کے بعد جو سب سے بڑا مقام (صدیقیت) ہے اس کو حاصل کر سکے، اور جھوٹ سے ہر طرح دامن بچانا چاہئے، چھوٹی چنگاری کو بھی چھوٹا نہیں سمجھنا چاہئے، وہ گھر پھونک سکتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** علیکم بالصدق قول کا دل کی بات اور واقع کے مطابق ہونا صدق کہلاتا ہے، شریعت میں صدق عام ہے، افعال کو بھی اقوال کو بھی، احوال کو بھی اقوال کا صدق تو یہ ہے کہ بات پکی ہو یعنی واقع کے مطابق ہو، جو شخص اس صفت سے موصوف ہو اس کو صادق الاقوال کہتے ہیں، یہاں حدیث میں بھی یہی صدق مراد ہے اور افعال کا

صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر (بحکم الٰہی) ہو، حکم شرعی کے خلاف نہ ہو، پس جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں اس کو صادق الافعال کہا جاتا ہے، اور احوال کا صدق یہ ہے کہ وہ سنت کے موافق ہوں، پس جو افعال خلاف سنت ہوں وہ احوال کا ذمہ ہیں اور جس شخص کے احوال و کیفیات سنت کے موافق ہوتے ہیں اس کو صادق الاحوال کہتے ہیں، اس کی ضد کذب ہے۔ (تکملہ بصائر حکیم الامت) حتی یکتب عند اللہ صدیقا مطلب یہ ہے کہ اس کو صفت صدیقیت کا حامل اور اونچے درجے کے اجر و ثواب کا مستحق گردانا جاتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ملأ اعلیٰ میں وہ اس لقب سے مشہور ہو جاتا ہے، یا یہ کہ جس کتاب میں تمام بندوں کے اعمال لکھے ہوئے ہیں، اس میں مذکورہ شخص کا نام صدیق لکھا جاتا ہے، بعض نے یوں مطلب بیان کیا کہ دنیا میں لوگ اسے صدیق کے نام سے یاد کرتے ہیں کہ ملأ اعلیٰ سے لوگوں سے دلوں پر اس شخص کا لقب صدیق القا کیا جاتا ہے اور ان کی زبان پر اس لقب کو جاری کر دیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اسے سچا سمجھتے ہیں۔ حتی یکتب عند اللہ کذابا مطلب یہ ہے کہ جھوٹ بولنے والے کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور اس کے لئے وہ سزا مقرر کر دی جاتی ہے جو جھوٹوں کے لئے مخصوص ہے، یا یہ کہ اس شخص کے بارے میں لوگوں کی نظروں اور دلوں میں یہ بات ظاہر اور رائج کر دی جاتی ہے کہ یہ شخص ناقابل اعتبار ہے۔ اس طرح اس کو جھوٹا مشہور کر دیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے اور ہر شخص اس سے بغض و نفرت کرنے لگتا ہے۔ (مظاہر حق، عون الترمذی) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے کہ 'لا یزال العبد یکذب و تنکت فی قلبہ نکتۃ سوداء یسود قلبہ فلیکتب عند اللہ من الکاذبین' (آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا دل پورا سیاہ ہو جاتا ہے اور اللہ کے یہاں وہ جھوٹ بولنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے)۔ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ کذب قبیح لعینہٖ نہیں ہے، بلکہ اس میں چونکہ دوسروں کا نقصان ہوتا ہے اس لئے یہ قبیح ہے۔ (فتح الباری، ص۶۲۲ ج۱۰) بعض علماء نے اس کو قبیح لعینہٖ کہا ہے، کیوں کہ خلاف واقعہ اور خلاف حقیقت بات اگر چہ کسی کے لئے مضر نہ ہو فی نفسہٖ بھی قبیح ہے۔

بعض خاص صورتوں میں کذب کی اجازت منقول ہے، مثلاً دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی غرض سے اگر کذب کی ضرورت پڑ جائے تو اس کی گنجائش ہے، بیوی سے مخصوص صورتوں میں جھوٹ بولنے اور جنگ میں کفار کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کذب کی گنجائش ہے (ردالمختار) علامہ عینی نے فرمایا کہ فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ چند جگہوں پر جھوٹ بولنا واجب ہے، مثلاً کوئی ظالم کسی کو ناحق ایذا رسانی یا قتل کے درپے ہو، تو ایسے موقع پر اس کا پتہ جاننے والے کے لئے جھوٹ بولنا واجب ہے، ایسے ہی اگر کوئی ظالم غصب کی نیت سے امانت کا مال ڈھونڈھے، تو اس وقت بھی جھوٹ بولنا واجب ہے، ضرورت ہو تو حلف بھی اٹھائے۔ (الکوکب الدری)

**حدیث نمبر ۱۶۶۷☆☆☆عالمی حدیث نمبر ۴۸۲۵**

## ﴿صلح صفائی کی غرض سے جھوٹ بولنا منع نہیں ہے﴾

وَعَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ وَیَقُوْلُ خَیْرًا وَّیَنْمِیْ خَیْرًا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۳۷۱ ج۲، باب یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین، کتاب الادب، حدیث ۶۰۹۴، مسلم، ص ۳۲۵ ج۲، باب قبح الکذب، کتاب البر، حدیث ۲۶۰۷

**حل لغات:** ینمی اَلْمَی، اِنْمَاءً (افعال) الحدیث، چغلی کے طور پر بات پھیلانا۔

**ترجمہ:** حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آدمی جھوٹا نہیں ہے، جو لوگوں کے درمیان صلح

کروائے، بھلائی کی باتیں کہے اور بھلائی کی باتیں آگے پہنچائے۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صلح جوئی اور امن وامان پیدا کرنے کی غرض سے جھوٹ بولنا جائز ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخص یا دو پارٹیوں کے درمیان سخت نزاع اور رنجش ہے اور ہر فریق دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتا ہے، ان حالات میں اگر کوئی مخلص بے غرض بندہ اِن دونوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس کے لئے وہ ضرورت محسوس کرے کہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خیر اندیشی کی باتیں پہنچائی جائیں، جن سے عداوت کی آگ بجھے اور خوش گمانی اور مصلحت کی فضا پیدا ہو، تو اس مقصد کے لئے اگر اللہ کا وہ بندہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خوش کن اور صلح جویانہ باتیں پہنچائے جو واقع میں اس فریق نے نہ کہی ہوں تو اس مخلص بندہ کا ایسا کرنا اس جھوٹ میں شمار نہیں ہوگا جو کبیرہ گناہ ہے، مثلاً باہم لڑنے والے دو فریق میں سے ایک کے پاس جا کر یوں کہنا فلاں تیرے لئے دعا کرتا ہے، تجھے سلام کہتا ہے اور تیری تعریف کرتا ہے، اگرچہ اس نے اس میں سے کچھ بھی نہ سنا ہو، پھر دوسرے فریق کے پاس جا کر بھی ایسا ہی کرتا ہے تو جھوٹ نہیں ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** **لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس** وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان معاملات کو سنوارتا ہے۔ اصلاح ذات البین کی اس درجہ اہمیت ہے کہ اس کے لئے کذب کی بھی گنجائش ہے، مگر علماء کے درمیان اس میں شدید اختلاف ہے کہ اس مقصد سے بھی صریح جھوٹ بولنا جائز ہے یا نہیں، بلکہ صدق و کذب کی حقیقت و ماہیت میں بھی اختلاف ہے، جمہور کہتے ہیں کہ صدق (سچ) یہ ہے کہ نسبت کلامی اور نسبت واقعی میں اتحاد ہو، اور کذب (جھوٹ) یہ ہے کہ دونوں میں اختلاف ہو، جیسے کہا کہ "زید کھڑا ہے" اس میں نسبت ایجابی ہے، پس اگر خارج میں بھی زید کھڑا ہے تو کلام سچا ہے اور اگر خارج میں زید کھڑا نہیں ہے تو کلام جھوٹا ہے، اسی طرح زید کھڑا نہیں ہے کا معاملہ ہے۔ اور لغت میں کذب دو معنی میں مستعمل ہے، اول جھوٹ بولنا یعنی خلاف واقعہ خبر دینا، دوم غلطی ہو جانا، خواہ یہ غلطی زبان کرے یا گمان کرے، آنکھ کرے، کان کرے یا دل کرے، چنانچہ سورۃ النجم میں ہے 'ما کذب الفؤاد ما رای' علاوہ ازیں "معاریض" یعنی توریہ کو کذب سے خارج کیا گیا ہے، توریہ میں متکلم کی مراد کے اعتبار سے کلام سچا ہوتا ہے اور مخاطب کے فہم کے اعتبار سے کلام جھوٹا ہوتا ہے اور حدیث میں ہے 'ان فی المعاریض لمندوحة عن الکذب' یعنی توریہ کے ذریعہ جھوٹ سے بچا جاسکتا ہے، معلوم ہوا کہ توریہ جھوٹ نہیں ہے۔

**کذب کے سلسلہ میں علماء کی آراء:** بعض علماء جیسے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں بحالت مجبوری صریح جھوٹ کے جواز کے قائل ہیں، مگر عام علماء اس کی اجازت نہیں دیتے۔ درمختار میں ہے: **الکذب مباحٌ لاحیاءِ حقه و دفع الظلم عن نفسه والمراد التعریض، لانّ عین الکذب حرامٌ، وهو الحق، قال تعالیٰ 'قتل الخرّاصون'** جھوٹ بولنا دو صورتوں میں جائز ہے، اول اپنا حق بچانے کے لئے، دوم اپنی ذات سے ظلم دفع کرنے کے لئے، مگر کذب سے مراد توریہ ہے، اس لئے صریح جھوٹ حرام ہے۔ صاحب مجتبیٰ کہتے ہیں یہی قول برحق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الذاریات (آیت ۱۰) میں فرمایا ہے کہ غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے، جھوٹ بے سند بات ہوتی ہے پس وہ کیسے جائز ہوسکتا ہے، اس تفصیل کی روشنی میں باب کی حدیث کو سمجھنا چاہئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جھوٹ جائز نہیں یا جھوٹ مناسب نہیں مگر تین صورتوں میں، اس حدیث میں کذب سے صریح جھوٹ مراد ہے یا توریہ؟ علامہ عینیؒ کے نزدیک صریح جھوٹ مراد ہے مگر عام علماء صریح جھوٹ کو جائز نہیں کہتے، صرف توریہ کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر صریح جھوٹ کی اجازت دے دی جائے گی تو عوام کے دلوں سے جھوٹ کی نفرت ختم ہو جائے گی اور وہ جھوٹ بولنے پر جری ہو جائیں گے، اس لئے عام علماء نے اس حدیث سے توریہ مراد

لیا ہے اور میری ناقص رائے یہ ہے کہ جب لفظ کذب صریح جھوٹ کے لئے خاص نہیں ہے، بلکہ عام ہے غلطی کرنے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، تو اگر دونوں حدیثوں میں کذب کو عام رکھا جائے تو کیا حرج ہے، مثلاً آدمی بیوی کو پٹانے کے لئے کہے جب تنخواہ ملے گی تو سوٹ لاؤں گا تو یہ ایک وعدہ ہے، اگر وہ اس وعدہ کو وفا نہ کرے تو اس کو جھوٹ کیسے کہیں گے، یہی حال جنگ میں چال چلنے کا ہے اور یہی حال لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے کے لئے کوئی خیر کی بات کہنے کا، یا فریق مخالف کی طرف کوئی خیر کی بات منسوب کرنے کا ہے، مثلاً کہا آپ آتش فشاں ہو رہے ہیں اور وہ تو آپ کے لئے دعا کرتا ہے اور اس کی مراد یہ ہو کہ وہ عام مسلمانوں کی دعا کرتا ہے جس میں یہ بندہ بھی شامل ہے، پس اس میں غلط بات کیا ہوئی، پس اس حکمت سے جو حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے بیان فرمائی ہے، بات وہی راجح معلوم ہوتی ہے، جو درمختار میں ہے کہ صریح جھوٹ بولنا تو جائز نہیں، مگر اس طرح بات کرنا کہ نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے جائز ہے واللہ اعلم بالصواب۔

**حضرت ابراهیم علیه السلام کے تین کذبات:** (۱) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی دُرگت بنائی اور کفار نے ان سے پوچھا: 'ءَ اَنتَ فعلت هٰذا بالهتنا یا ابراهیم' کیا تم نے ہمارے بتوں کی یہ درگت بنائی ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: 'بل فعلهٗ' بلکہ کیا ہے اس کو کسی کرنے والے نے 'کبیرهم هٰذا فاسئلوهم ان کانوا ینطقون' ان کا بڑا یہ ہے کہ پس ان ٹوٹے ہوئے بتوں سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کی مراد یہ تھی کہ یہ کام کسی کرنے والے نے کیا ہے اور جس نے بھی کیا ہے اس کا ذکر چھوڑو، بڑا بت یہ ہے کہ جس کے گلے میں کلہاڑی لٹک رہی ہے، پس بظاہر اس نے یہ حرکت کی ہے، حالانکہ حضرت ابراہیم کی یہ مراد نہیں تھی، پس یہ توریہ ہوا جھوٹ نہیں ہوا۔ (۲) اسی طرح جب قوم میلے میں چلی اور ابراہیمؑ سے چلنے کو کہا، تو ابراہیمؑ نے ستاروں کی طرف دیکھا اور فرمایا: 'انی سقیم' میری طبیعت ناساز (ناموافق) ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف خواہ مخواہ دیکھا تھا اور طبیعت کا ناساز ہونا واقعی تھا، کس کی طبیعت کفار کے میلے میں جانے کے لئے تیار ہوتی ہے، طبیعت کے ناساز ہونے کا یہی مطلب تھا، مگر قوم ستارہ پرست تھی، وہ سمجھی ابراہیم نے ستاروں کے احوال سے جانا ہے کہ وہ بیمار پڑنے والے ہیں، یہ ان کی بھول تھی حضرت ابراہیمؑ جھوٹ نہیں بولے تھے۔ (۳) اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہ مصر نے طلب کیا اور پوچھا تمہارے ساتھ عورت کون ہے؟ تو آپ نے جواب دیا میری بہن ہے، کیوں کہ بادشاہ شوہر کو قتل کر دیتا تھا اور دوسرے رشتہ دار سے تعرض نہیں کرتا تھا اور حضرت ابراہیمؑ کی مراد دینی بہن تھی، نیز حضرت سارہ آپ کی چچا زاد بہن بھی تھیں، مگر بادشاہ نسبی بہن سمجھا، یہ اس کی غلطی تھی حضرت نے کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا، مگر بایں ہمہ حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان تینوں باتوں پر کذب کا اطلاق آیا ہے، آپؐ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ ہمیشہ دوٹوک بات کہا کرتے تھے، مگر تین موقعوں پر آپ نے توریہ سے کام لیا ہے، کیوں کہ یہ نہایت خطرناک مواقع تھے اور دوٹوک بات کہنے میں جان کا خطرہ تھا، اس لئے حضرت ابراہیم نے توریہ سے کام لیا، کیوں کہ توریہ کے ذریعہ جھوٹ سے بچا جا سکتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جہاں ضرورت پڑے توریہ سے کام لیا جائے صریح جھوٹ سے بچا جائے۔ (تحفۃ الالمعی)

### حدیث نمبر ۱۶۶۸ ﴿جھوٹی تعریف کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۲۶

وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَارَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِي وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حواله:** مسلم، ص ۴۱۴ ج ۲، باب النهي عن المدح، كتاب الزهد، حديث ۳۰۰۲

**حل لغات:** احثوا حَثٰی (ض) حَثْیًا لہ مٹی وغیرہ ڈالنا گرانا، اَحْثَاہُ، (افعال) مٹی کے ذرات اڑانا۔

**ترجمہ:** حضرت مقداد ابن اسودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو اُن کے منہ میں خاک ڈال دو۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی کی جھوٹی تعریف، اسی طرح تعریف میں مبالغہ جائز نہیں ہے، اس کی کئی خرابیاں ہیں۔ اول تو مبالغہ حقیقت کے خلاف ہے۔ دوم اس سے آدمی کے اندر عجب پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، سوم اس مبالغہ کو حقیقت سمجھ کر اپنے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گا، البتہ کسی شخص کی ایسی تعریف کی جائے جس کا وہ مستحق ہے اور ظن غالب ہے کہ وہ شخص عجب میں مبتلا نہیں ہوگا تو ایسی تعریف جائز ہے۔ اگر کوئی جھوٹی تعریف کر رہا ہے تو اس کے منہ پر مٹی ڈال دینا چاہئے تاکہ وہ باز آجائے۔ (فتح الباری، ص ۵۸۳ ج ۱۰)

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا رأیتم المداحین فاحثوا فی وجوھھم التراب اگر کوئی شخص تمہارے منہ پر تمہاری تعریف کرے اور وہ تعریف خواہ زبانی ہو یا قصیدہ ونثر کی صورت میں ہو، نیز اس تعریف کرنے سے اس کا مقصد کچھ مالی منفعت حاصل کرنا یا اپنا کوئی مطلب نکالنا ہو تو تم اس کے منہ پر مٹی ڈال دو، یعنی اس کو محروم رکھو، کہ نہ اس کو کچھ دو اور نہ اس کا مطلب پورا کرو، یا منہ میں خاک ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ اس کو کچھ معمولی طور پر دے دو کہ کسی کو بہت تھوڑا سا اور حقارت کے ساتھ دینا اس کے منہ میں خاک ڈالنے کے مشابہ ہے اور یہ معمولی طور پر دینا بھی اس مصلحت کے پیش نظر ہو کہ مبادا کچھ بھی نہ ملنے کی صورت میں وہ ہجو کرنے لگے۔ بعض علماء نے اس ارشادِ گرامی کو اس کے ظاہری مفہوم پر محمول کیا ہے، چنانچہ اس حدیث کے راوی حضرت مقدادؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک شخص امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے سامنے اُن کی تعریف کرنے لگا، تو انھوں نے ایک مٹھی خاک لے کر اس کے منہ پر ڈال دی۔ علماء نے لکھا ہے کہ تعریف کرنے والوں کے ساتھ اس طرح کے سلوک کرنے کا حکم دینا دراصل تعریف کرنے والوں کو سختی کے ساتھ متنبہ کرنا ہے، کیوں کہ کسی کے منہ پر اس کی تعریف کرنے والا اپنے ممدوح کو مغرور و متکبر بنا دیتا ہے۔ خطابیؒ نے یہ لکھا ہے کہ ''مداحین'' یعنی تعریف کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے خوشامد و چاپلوسی اور بے جا تعریف و مدح کرنے کی عادت بنالی ہو، چنانچہ ایسے لوگ تعریف کرنے میں ناحق و باطل کی تمیز کرتے ہیں اور نا مستحق اور غیر مستحق کا لحاظ کرتے ہیں، نیز انھوں نے اس چیز کو حصول منفعت اور معاش کا ذریعہ بنا رکھا ہے کہ جس شخص سے انھیں کچھ حاصل کرنا ہوتا ہے یا جس شخص سے مطلب برآری کی امید ہوتی ہے، وہ اس کے منہ پر اس کی نہایت مبالغہ آمیزی کے ساتھ تعریف کرتے ہیں، لہٰذا جو شخص کسی دنیاوی غرض و لالچ کے بغیر کسی قابل تعریف آدمی کی واقعی مدح و توصیف کرے، یا کسی شخص کے کسی اچھے فعل اور پسندیدہ کام پر اس نقطۂ نظر سے تعریف کرے کہ اس شخص کو مزید اچھے افعال اور بھلائی کے کام کرنے کا شوق پیدا ہو، نیز دوسرے لوگوں کو بھی اس کی اتباع میں نیک اعمال اور بھلائی کے کام کرنے کی رغبت ہو، تو ایسے شخص پر حدیث میں مذکور لفظ 'مداح' کا اطلاق نہیں ہوگا، یعنی اس کو قابلِ مذمت تعریف کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۶۶۹ ﴿سچی تعریف کی جاسکتی ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۲۷**

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ اَثْنٰی رَجُلٌ عَلٰی رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَیْلَکَ قَطَعْتَ عُنُقَ اَخِیْکَ ثَلٰثًا مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَادِحًا لَا مُحَالَۃَ فَلْیَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَّاللّٰہُ حَسِیْبُہٗ اِنْ کَانَ یُرٰی اَنَّہٗ کَذٰلِکَ وَلَا یُزَکِّیْ عَلَی اللّٰہِ اَحَدًا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۹۱۰ ج ۲، باب قول الرجل ویلك، کتاب الادب، حدیث ۶۱۶۲، مسلم، ص ۴۱۴ ج ۲، باب النهی عن المدح، کتاب الزهد، حدیث ۳۰۰۰

**ترجمہ:** حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک آدمی نے دوسرے کی تعریف کی، آپؐ نے تین دفعہ فرمایا تم پر افسوس ہے تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی، اگر تم میں سے کسی کو تعریف کرنی ہی پڑ جائے تو وہ کہے کہ میں فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں اور حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہے، جب کہ وہ اس کی نظر میں ایسا ہو اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ پر کسی کی صفائی بیان نہ کرو۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ کسی کے منہ پر اس کی تعریف سے گریز کیا جائے اور اگر تعریف میں کوئی اچھی مصلحت ہے تو تعریف کی جائے، لیکن احتیاط سے کی جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ویلك اس کے معنی ہلاکت کے ہیں، بعض مفسرین نے فرمایا کہ ’ویل‘ جہنم کی ایک جگہ کا نام ہے۔ اس لفظ کو عربی زبان میں لغوی معنی کے اعتبار سے نہیں بلکہ اظہار تعجب وغیرہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ قطعت عنق اخیك تعریف کر کے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی۔ تعریف میں مبالغہ کرنا اپنے کو اور جس کی تعریف کی ہے خطرہ میں ڈالنا ہے، لیکن سچی تعریف میں حرج نہیں ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اشعار اور خطبوں میں تعریف کی گئی ہے اور آپؐ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، حضرت حسان بن ثابتؓ اور کعب بن زہیرؓ کے قصائد و اشعار مشہور ہیں، اور کچھ گذشتہ باب میں گذرے بھی ہیں۔ خود آپؐ نے بعض صحابہؓ کی تعریف کی ہے، مثلاً آپؐ نے ایک موقع پر صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ ’لست منهم‘ (یعنی آپ متکبرین میں سے نہیں ہیں) (عمدۃ القاری، ص ۱۳۳ ج ۲۲) احسب فلانا تعریف کرنے کا ایک ادب ہے کہ تعریف میں احتیاط کے تقاضہ کے تحت آدمی کہے کہ میرے خیال میں یہ اس طرح ہے، کیوں کہ ممکن ہے آدمی جس وصف میں جس انداز سے تعریف کر رہا ہے تو جس کی تعریف کی جا رہی ہے، وہ اس کا اس طور پر مستحق نہ ہو اور اس کا خیال حقیقت سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو اس صورت میں اس کی گرفت نہ ہوگی۔

**حدیث نمبر ۱۶۷۰ ﴿غیبت کی تعریف و توضیح﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۲۸**

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَاالْغِیْبَةُ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ ذِکْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَکْرَهُ قِیْلَ اَفَرَأَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ کَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْهِ مَاتَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ اِذَا قُلْتَ لِاَخِیْكَ مَافِیْهِ فَقَدِاغْتَبْتَهٗ وَاِذَا قُلْتَ مَالَیْسَ فِیْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ.

**حوالہ:** مسلم، ص ۳۲۲ ج ۲، باب تحریم الغیبة، کتاب البر، حدیث ۲۵۸۹

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کا ایسا ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہو، عرض کیا گیا کہ اگر وہ برائی میرے بھائی میں موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ جو تم کہہ رہے ہو وہ برائی اگر اس میں ہے تو غیبت ہے اور جو تم کہہ رہے ہو اگر وہ برائی اس میں نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان باندھا۔ (مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب تم نے اپنے بھائی کی وہ بات کی جو اس میں ہے تو تم نے اس کی غیبت کی اور جب وہ بات کی جو اس میں نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان باندھا۔

**خلاصۂ حدیث** غیبت نہایت بری چیز ہے، اس کی قباحت و شناعت اس درجہ کی ہے کہ قرآن کریم نے خصوصیت کے ساتھ اس کی حرمت بیان کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ

أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ' اور کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تو تم برا سمجھتے ہو۔ پھر غیبت کیوں کرتے ہو، غیبت بھی تو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ محقق بات یہ ہے کہ غیبت گناہِ کبیرہ ہے، البتہ جس سے بہت کم تاذی ہو وہ صغیرہ ہوسکتا ہے، اور بلا اضطرار غیبت سننا مثل غیبت کرنے کے ممنوع ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** ذکرك اخاك یکرہ اپنے بھائی کا تذکرہ ایسی بات کے ذریعہ کرنا جو اسے ناگوار ہو غیبت ہے خواہ یہ تذکرہ لفظوں سے ہو یا اشارہ سے ہو سب غیبت میں شامل ہے۔

**غیبت کی تعریف:** امام راغبؒ نے غیبت کی تعریف کی ہے: 'الغیبۃ ان یذکر الانسان غیرۃ بما فیہ من عیب غیر ان احوج الیٰ ذکرہ' کسی دوسرے آدمی کا عیب بغیر ضرورت کے بیان کرنے کو غیبت کہتے ہیں، امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں غیبت کی تعریف کی ہے: 'الغیبۃ ان تذکر اخاك بما یکرہ لو بلغہ' علامہ ابن اثیر نے 'النہایۃ فی غریب الحدیث' میں غیبت کی تعریف کی ہے 'الغیبۃ وھی ان الانسان فی عیبتہ بسوء وان کان فیہ'، علامہ قرطبی نے تفسیر قرطبی میں غیبت کی تعریف کی ہے 'ھی ذکر العیب یظھر الغیب' حاصل یہ کہ کسی شخص کا اس انداز سے اس کی عدم موجودگی میں تذکرہ کرنا کہ وہ اگر اسے سن لے تو اچھا نہیں لگے غیبت ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ غیبت مطلقاً کسی شخص کی برائی بیان کرنے کا نام ہے چاہے وہ حاضر ہو یا غائب ہو لیکن راجح یہ ہے کہ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرنا تو غیبت ہے کیونکہ لفظ کے لغوی معنی کی اسی صورت میں رعایت ہے، جن تعریفات میں غائب ہونے کی قید نہیں لگائی گئی ہے وہاں بھی یہ قید محذوف ماننی چاہئے۔ (فتح الباری، ص ۵۷۵ ج ۱۰)

**غیبت کا حکم:** غیبت کو بعض علماء نے صغائر یعنی چھوٹے گناہوں میں شمار کیا ہے، لیکن جمہور کے نزدیک غیبت کبائر میں سے ہے علامہ قرطبیؒ وغیرہ کئی علماء نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے، کیوں کہ غیبت کے متعلق قرآن وحدیث میں بڑی شدید وعیدیں آئی ہیں، جو اس کے کبیرہ ہونے پر واضح دلالت کرتی ہیں، حدیث معراج میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ ناخنوں سے اپنے چہرے نوچ رہے ہیں ان کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: 'ھولاء الذین یاکلون لحوم الناس ویقعون فی اعراضھم' یعنی وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں (یعنی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی عزت پر حرف چینی کرتے ہیں۔ سعید ابن زید کی مرفوع روایت ہے 'ان من اربی الربا الاستطالۃ فی عرض المسلم بغیر حق' (کسی مسلمان کی عزت کے متعلق ناحق زبان درازی کرنا سود کی بدترین صورت ہے) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے: 'من اکل لحم اخیہ فی الدنیا قرب لہ یوم القیامۃ فیقال لہ. کلہ میتا کما اکلتہ حیا فیاکلہ ویکلح ویصیح' یعنی جس شخص نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا یعنی غیبت کی قیامت کے دن وہ اس کے قریب کردیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اس کو مردہ ہونے کی حالت میں کھا، جیسا کہ تو نے زندہ ہونے کی حالت میں اسے کھایا تو وہ اسے کھائے گا اور ترش رو ہو کر چیخے گا۔ امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت جابر کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں 'کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وارتفعت ریح خبیثۃ منتنۃ فقال أتدرون ما ھذہ؟ ھذہ ریح الذین یتغابون المؤمنین' (حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہؐ کے ساتھ تھے ایک بدبودار ہوا چلی آپؐ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مؤمنین کی غیبت کرتے ہیں) غیبت کے متعلق ان احادیث میں جو وعیدیں بیان ہوئی ہیں ان کے پیش نظر علماء نے غیبت کو کبائر میں شمار کیا ہے۔ (کشف الباری)

**غیبت سے توبہ کی صورت:** غیبت کے گناہ سے توبہ کی کیا صورت ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ اللہ سے توبہ کی جائے یعنی

ندامت کے ساتھ استغفار کیا جائے اور آئندہ دل کے اندر اس سے بچنے کا عزم ہو بس یہی کافی ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جس کی غیبت کی گئی اس کے لئے استغفار کیا جائے تو اس سے تلافی ہو جائے گی، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ غیبت کر کے حق تلفی کی گئی ہے، لہٰذا جب تک جس شخص کی غیبت کی گئی ہے، اس سے معافی طلب کر کے حق تلفی کو معاف نہ کرایا ہو اس وقت تک یہ گناہ معاف نہیں ہوگا، کیونکہ حق العبد صرف توبہ اور استغفار سے ادا نہیں ہوتا، جب تک ادا نہ کیا جائے یا معاف نہ کرایا جائے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: 'من کانت له عند اخیه مظلمة فی عرض او مال فلیتحللها منه' جس شخص نے اپنے بھائی پر عزت یا مال کے سلسلے میں ظلم کیا ہو وہ اس سے معاف کرا وے۔ معاف کرانے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ جا کر اس سے صاف کہہ دیا جائے کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے آپ مجھے معاف کر دیں۔ علامہ شامیؒ اور علامہ قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس طرح اظہار کرنا کوئی ضروری نہیں، اجمالی اور ابہام کے ساتھ اگر کہہ دیا جائے کہ آپ کی جو حق تلفی مجھ سے ہوئی ہے آپ معاف فرمادیں اور وہ معاف کردے تو انشاء اللہ غیبت کا گناہ معاف ہو جائے گا، البتہ اگر جس شخص کی غیبت کی گئی ہے اس کو غیبت کا علم نہ ہوا ہو تو اس سے معافی مانگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگنا کافی ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، کشف الباری)

**غیبت کا جواز:** علماء نے بیان کیا ہے کہ چھ صورتوں میں غیبت جائز ہے، پہلی صورت مظلوم کے لئے جائز ہے کہ بادشاہ قاضی یا ایسے شخص سے ظلم کا شکوہ کرے جس سے فریاد رسی کی امید ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے مگر مظلوم مستثنیٰ ہے (النساء، آیت ۱۴۸) یعنی مظلوم اگر ظالم کے خلاف حرف شکایت زبان پر لائے تو جائز ہے۔ دوسری صورت کسی امر منکر میں تبدیلی اور نافرمان کو راہ راست پر لانے کے لئے کسی سے مدد طلب کرنے کے لئے برائی کرے تو جائز ہے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کو عبداللہ بن ابی منافق کی وہ دو باتیں پہنچائی تھیں جو سورۃ المنافقین آیات ۷و۸ میں مذکور ہیں۔ (بخاری ومسلم) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حنین کی غنیمت کی تقسیم میں انصار کی بات رسول اللہ کو پہنچائی تھی (بخاری حدیث ۳۱۵۰) تیسری صورت فتویٰ حاصل کرنے کے لئے کسی کی غیبت کرنا پڑے تو جائز ہے۔ حضرت معاویہؓ کی والدہ حضرت ہندہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ابوسفیان بخیل آدمی ہے، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو میرے اور میری اولاد کے لئے کافی ہو الیٰ آخرہ (بخاری ومسلم) چوتھی صورت مسلمانوں کو شر سے بچانے کے لئے کسی کی برائی کرنی پڑے تو جائز ہے، جیسے ایک شخص نے نبی پاک ﷺ کے پاس حاضری کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے کہا آنے دو قبیلہ کا برا آدمی ہے۔ (بخاری) اور جیسے ضعیف راویوں پر جرح کرنا جیسے نبی کریم کا ارشاد ہے کہ معاویہ تو کنگال ہیں ان کے پاس کچھ نہیں اور ابوالجہم کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے (بخاری) پانچویں صورت جو شخص کھلے عام فسق و فجور میں مبتلا ہو، لوگوں کو اس سے متنفر کرنے کے لئے برائی کرنا جائز ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو منافقوں کے بارے میں فرمایا میں نہیں خیال کرتا کہ فلاں اور فلاں ہمارے دین سے کچھ بھی جانتے ہوں (متفق علیہ) چھٹی صورت کسی کا کوئی مشہور لقب ہو، تو پہچان کے لئے اس کا تذکرہ کرنا جائز ہے جیسے اعمش (چندھیا) اور اعرج (لنگڑا) وغیرہ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۱۶۷۱ ﴿فحش گوئی کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٢٩

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِئْذَنُوْا لَهُ فَبِئْسَ اَخُو الْعَشِيْرَةِ فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطَ اِلَيْهِ فَلَمَّا انْطَلَقَ الرَّجُلُ قَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ لَهٗ كَذَا وَكَذَا ثُمَّ تَطَلَّقْتَ فِيْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطْتَ اِلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتٰى عَاهَدْتِّنِيْ فَحَّاشًا اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ شَرِّهٖ وَفِيْ

رِوَايَةٍ اِتِّقَاءَ فُحْشِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۹۱ ج۲، باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا، کتاب الادب، حدیث ۶۰۳۲، مسلم، ص ۳۲۲ ج۲، باب مدارة من یتقی، کتاب البر، حدیث ۲۵۹۱

**حل لغات:** تطلق (تفعل) خندہ رو ہونا، ہشاش بشاش ہونا، انبسط (انفعال) خوش ہونا، بے تکلف ہو جانا۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، آپؐ نے فرمایا کہ اسے اجازت دے دو، اور یہ خاندان کا برا آدمی ہے، جب وہ بیٹھ گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خندہ پیشانی سے ملے اور کھل کر اس سے کلام کیا، جب وہ آدمی چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ نے تو ایسا فرمایا تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے مجھے فحش گو کب پایا؟ بے شک قیامت کے دن مرتبے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت برا وہ آدمی ہوگا جس کو اس کی برائی سے بچنے کی باعث لوگ چھوڑ دیں اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی فحش گوئی سے بچنے کی خاطر لوگ اس کو چھوڑ دیں۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی برا شخص بھی ملنے آئے تو اس سے بشاشت سے ملنا چاہئے، بسا اوقات اچھے اخلاق کا اثر پڑتا ہے اور برا شخص برائی سے بچنے والا بن جاتا ہے، ترش روئی سے ملنے والے کے کوئی قریب نہیں آتا ہے، آپؐ کے بارے میں ارشادِ رب ہے: 'فبما رحمة من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولك' اللہ کی مہربانی ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ نرم برتاؤ کرتے ہیں اور اگر آپ تندخو (سخت طبیعت) ہوتے، تو یہ سب لوگ آپؐ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، یہی وجہ ہے کہ آپؐ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے اور اسی کی تلقین بھی فرماتے، آپ کا فرمان ہے 'کل معروف صدقة وان من المعروف ان تلقی اخاك بوجه طلق' ہر بھلا کام باعث ثواب ہے اور بھلے کاموں میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے دینی بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملا جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان رجلا استاذن اس حدیث میں جس شخص کا ذکر ہے وہ عیینہ بن حصن تھا، امام مالکؒ نے حضرت عائشہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے اس میں اس کی تصریح ہے۔ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ شخص مخرمہ بن نوفل تھا۔ اس کو تعدد واقعات پر محمول کر سکتے ہیں۔ (فتح الباری، ص ۵۵۴ ج ۱۰) یہ شخص اپنی بدخلقی اور سخت مزاجی کے اعتبار سے بہت مشہور تھا، اپنی قوم کا سردار بھی تھا، اس کا شمار مؤلفۃ القلوب میں ہوتا تھا، آپؐ کے زمانے ہی میں اس کے دین وایمان میں نقصان واضمحلال کا اظہار ہونے لگا تھا، تا آنکہ آپؐ کے وصال کے بعد دین سے منحرف ہو کر مرتد ہو گیا، حضرت ابوبکرؓ نے اس کو گرفتار کر لیا، پھر اس نے دوبارہ ایمان قبول کر لیا اور اسلام کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا، بہر حال اس نے اپنے ابتدائی زمانۂ اسلام میں ایک دن بارگاہِ نبوت میں حاضری کی اجازت چاہی، تو آپؐ نے اس کو آنے کی اجازت دے دی اور حاضرین مجلس سے فرمایا کہ یہ شخص اپنی قوم کو برا شخص ہے، تا کہ حقیقتِ حال سے ناواقف کوئی شخص دھوکہ نہ کھائے، اس نے اس موقع پر آپؐ کے سامنے اپنے اسلام کا اظہار کیا، اگرچہ اس کا ایمان راسخ نہ تھا۔ اس سے واضح ہوا کہ آپؐ نے اِس کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ علامت نبوت اور آپ کا معجزہ تھا، آپؐ نے قبیلہ کا برا آدمی کہہ کر اس کے بارے میں آئندہ آنے والے واقعات اور اس کے باطن کے حقیقی احوال سے لوگوں کو پہلے سے مطلع فرما دیا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ آپؐ نے اس کے حق میں جو مذمت کے الفاظ فرمائے اس کا مقصد اس کے احوال کو منکشف کرنا تھا، تا کہ لوگ اس کو جان لیں اور اس کی حقیقت حال سے باخبر رہ کر اس کے فریب اور اس کی وجہ سے کسی فتنہ فساد میں مبتلا نہ ہوں، لہٰذا اس کو غیبت نہیں کہا جائے گا، کیوں کہ کسی شخص کی برائی کو اس وجہ سے ظاہر کرنا تا کہ لوگ اس کی برائی کا شکار نہ ہوں اور نقصان

سے محفوظ رہیں غیبت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے، نیز علماء نے لکھا ہے کہ وہ شخص فاسق معلن تھا اور جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو، اس کے عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔ (مظاہر حق) فلما جلس تطلق آپ نے اس سے خندہ پیشانی سے ملاقات کی اور بشاشت کا اظہار فرمایا۔ حضرت عائشہؓ کو آپ کے طرز عمل پر تعجب ہوا کہ آپ نے اس کو بدتر آدمی فرمایا اور اس کے بعد دوران ملاقات آپ بشاشت سے پیش آئے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ اس موقع پر ایک اور آدمی آئے تو آپ نے فرمایا 'نعم ابن العشیرۃ' (یہ قبیلہ کا اچھا آدمی ہے) لیکن جب آپ اس کے ساتھ ملے تو بہت زیادہ بشاشت کا اظہار نہیں کیا۔ اس لئے حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا عائشہ! آپ نے مجھے فحش گو کب دیکھا ہے؟ مقصد یہ تھا کہ آدمی کے برے ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے ساتھ ملاقات کرتے ہوئے درشتگی اور بے توجہی کا اظہار کیا جائے۔ پھر آپ نے گفتگو میں اس کے ساتھ نرمی اور شفقت کا مظاہرہ ضرور کیا، تاہم آپ نے زبان سے اس کی تعریف نہیں کی۔ اس طرح آپ کے قول و عمل میں تناقض نہیں ہے۔ (کشف الباری)

**من ترکہ الناس اتقاء شرہ** اس جملہ کے دو معنی ہیں: (۱) 'من' کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس ارشاد کے ذریعہ واضح فرمایا کہ میں نے اس شخص کے منہ پر اس کو اس لئے برا نہیں کہا کہ میں سخت گو قرار نہ پاسکوں اور میرا شماران لوگوں میں نہ ہونے لگے جن کی سخت اور کڑوی باتوں کی وجہ سے لوگ ان سے ملنا جلنا چھوڑ دینے کو کہیں۔ (۲) 'من' کا مصداق وہ آنے والا شخص ہو۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان الفاظ کے ذریعہ گویا یہ ظاہر فرمایا کہ وہ شخص چونکہ بہت شریر اور بد باطن تھا، لہٰذا میں نے اس کی بد باطنی اور بدگوئی کی وجہ سے اس سے اجتناب کیا اور اس کے منہ پر اس کو برا نہیں کہا اور حقیقت میں برا شخص وہی ہے جس کی برائی سے بچنے کے لئے لوگ اس سے اجتناب کریں اور اس کے عیوب سے بھی آگاہ نہ کریں۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور نے اس کی برائی سے بچنے کے لئے اس کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کیا اور منہ پر اس کو برا نہیں کہا۔ اور اگر کوئی آدمی شریر اور برا بھی ہو، جب بھی اس سے بات نرمی اور شریفانہ طریقہ ہی سے کرنی چاہئے۔ (الکوکب، تکملۃ)

**مدارات اور مداہنت میں فرق:** مدارات تو اس کو کہتے ہیں کہ کسی شخص کی دنیا یا دین یا دونوں کی اصلاح کے لئے اس پر دنیا کی چیز کو خرچ کیا جائے اور یہ مباح ہے۔ بلکہ بسا اوقات اس کی حیثیت ایک اچھی چیز کی ہو جاتی ہے، اس کے برخلاف مداہنت اس کو کہتے ہیں کہ دنیا کی اصلاح کے لئے اس پر دین قربان کیا جائے، یہ ناجائز اور حرام ہے، یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دنیا خرچ کی، یعنی بات چیت میں اس کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کیا، اور یہ مدارات کا تعلق کافر کے ساتھ بھی جائز ہے۔

**کافر کے ساتھ تعلقات:** واضح ہو کہ کافر کے ساتھ تعلقات کے چار درجات ہوتے ہیں، ایک درجہ تعلق کا قلبی موالات یا دلی محبت و مودت ہے، یہ صرف مومنین کے ساتھ مخصوص ہے، غیر مومن کے ساتھ مومن کا یہ تعلق کسی حالت میں قطعاً جائز نہیں، دوسرا درجہ مواسات کا ہے، جس کے معنی ہمدردی خیر خواہی اور نفع رسانی کے ہیں، یہ بجز کفار اہل حرب کے، جو مسلمان کے ساتھ برسرپیکار ہیں، باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، تیسرا درجہ مدارات کا ہے، جس کے معنی ہیں ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ کے، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جب کہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ اپنے مہمان ہوں یا ان کے شر و ضرر رسانی سے اپنے کو بچانا مقصود ہو، چوتھا درجہ معاملات کا ہے، کہ ان سے تجارت یا اجرت یا ملازمت اور صنعت و حرفت کے معاملات کئے جائیں، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، بجز ایسی حالت کے کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو، فقہاء نے اسی بنا پر کفار اہل حرب کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے (معارف القرآن، ج ۲)

**احکام مستنبطہ!** کسی شخص کی برائی کو اس وجہ سے ظاہر کرنا تاکہ لوگ اسکی برائی کا شکار نہ بن جائیں اور کسی نقصان میں نہ پھنس

جائیں غیبت میں داخل نہیں! جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو اسکی غیبت جائز ہے، کسی کی بدگوئی اور برائی سے اپنے کو بچانے کی غرض سے اس کیساتھ مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ جائز ہے امہمان کیساتھ مدارات کا برتاؤ کرنا جائز بلکہ مستحب ہے، اگر چہ وہ کافر یا فاسق ہو! اگر کوئی آدمی شریر اور برا بھی ہو جب بھی اس سے بات نرمی اور شریفانہ طریقہ سے ہی کرنی چاہئے۔ (نووی حاشیہ ترمذی، تکملۃ)

**حدیث نمبر ۱۶۷۲ ﴿اپنے عیوب افشاء کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۳۰**

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اُمَّتِیْ مُعَافًی اِلَّا الْمُجَاهِرُوْنَ وَاِنَّ مِنَ الْمَجَانَةِ اَنْ یَّعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّیْلِ عَمَلًا ثُمَّ یُصْبِحُ وَقَدْ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَیَقُوْلُ یَا فُلَانُ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا وَقَدْ بَاتَ یَسْتُرُهُ رَبُّهُ وَیُصْبِحُ یَكْشِفُ سِتْرَ اللّٰهِ عَنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَذُكِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ فِیْ بَابِ الضِّیَافَةِ.

**حوالہ:** بخاری، ص ۸۹۶ ج۲، باب ستر المؤمن علی نفسه، کتاب الادب، حدیث ۶۰۶۹، مسلم، ص ۴۱۲ ج۲، باب النهی عن هتك الانسان، کتاب الزهد، حدیث ۲۹۹۰

**حل لغات:** معافی عافیت سے رہنا، عَافَاهُ اللّٰهُ مُعَافَاةً، امراض و آفات سے محفوظ رکھنا (مفاعلت) المجاهرون اعلانیہ گناہ کرنے والے، واحد "مجاهر" جَاهَرَهُ (مفاعلت) بالامر، کسی کے سامنے کوئی بات کھولنا، المجانہ بے حیائی، مَجَنَ (ن) مَجُوْنٌ، فُلَانٌ بے حیا ہونا، گستاخ ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تمام امت عافیت سے رہے گی، سوائے اعلانیہ گناہ کرنے والوں کے اور یہ بھی اعلان کرنا ہے کہ آدمی رات کو ایک کام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا ہے، لیکن صبح کے وقت کہے کہ اے فلاں رات میں میں نے فلاں کام کیا، حالاں کہ رات کو اس کے رب نے پردہ ڈالے رکھا، لیکن صبح کو اس نے اپنے رب کا پردہ ہٹا دیا۔ (بخاری و مسلم) اور "من کان یؤمن باللہ" والی حدیث ابو ہریرہ پیچھے باب الضیافۃ میں مذکور ہوئی۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر گناہ سرزد ہو جائے تو اس کی اشاعت نہیں کرنا چاہئے، گناہ کی اشاعت و افشا سے معاشرہ میں گناہ پھیل جاتے ہیں اور ان کی شناعت لوگوں کے دلوں سے نکل جاتی ہے، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص سے سخت ناراض ہوتے ہیں، جو گناہ کرنے کے بعد اس کا اعلان کرتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کل امتی معافا میری امت معاف کردی جائے گی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب میں لفظ 'معافا' کے معنی سلامت و محفوظ رہنا لکھے ہیں، گویا ان کے نزدیک 'کل امتی معافا الا المجاهرون' کا ترجمہ یوں ہوگا کہ میری امت کے تمام لوگ غیبت سے محفوظ و مامون ہیں (یعنی شریعت خداوندی میں کسی مسلمان کی غیبت کرنے کو جائز نہیں رکھا گیا ہے) علاوہ ان لوگوں کے جو گناہ و معصیت کا کھلم کھلا ارتکاب کرتے ہیں۔ ایک دوسرے شارح طیبیؒ نے بھی یہی معنی لکھے ہیں، لیکن ملا علی قاریؒ نے یہ لکھا ہے کہ حدیث کا سیاق و سباق اور اس کا حقیقی مفہوم اس معنی پر دلالت نہیں کرتا، چنانچہ ان کے نزدیک زیادہ مبنی بر حقیقت معنی وہی ہیں جو ترجمہ میں نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے حدیث کی وضاحت میں لکھا ہے کہ شریعت نے جس غیبت کو حرام قرار دیا ہے وہ اس شخص کی غیبت ہے جو پوشیدہ طور پر کوئی گناہ کرتا ہے اور اپنے عیب کو چھپاتا ہے، لیکن جو لوگ کھلم کھلا ڈھٹائی کے ساتھ گناہ کرتے رہتے ہیں اور اپنے عیب کو خود ظاہر کرتے پھرتے ہیں کہ نہ تو خدا سے شرماتے ہیں اور نہ بندوں سے، تو ان کی غیبت کرنا درست ہے۔ (مظاہر حق)

# الفصل الثانی

**حدیث نمبر ۱٦٧٣ ﴿جھوٹ کو ترک کرنے والے کا مقام﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٣١**

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكِذْبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهٗ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَآءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهٗ فِيْ وَسَطِ الْجَنَّةِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهٗ بُنِيَ لَهٗ فِيْ اَعْلَاهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِي الْمَصَابِيْحِ قَالَ غَرِيْبٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۲۰ ج۲، باب ما جاء فی المراء، کتاب البر، حدیث ۱۹۹۳

**حل لغات:** ربض گوشہ، کنارہ، (ج) اَرْبَاضٌ۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جھوٹ کو چھوڑ دے جب کہ وہ غلطی پر ہو تو اس کے لئے جنت کے کنارہ پر مکان بنایا جائے گا اور جو حق پر ہوتے ہوئے جھگڑے کو چھوڑ دے، تو اس کے لئے جنت کے درمیان میں مکان بنایا جائے گا اور جس کا اخلاق اچھا ہو اس کے لئے جنت کے بالائی حصے میں مکان بنایا جائے گا۔ (ترمذی) اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور اسی طرح شرح السنہ میں ہے، اور مصابیح میں اسے غریب کہا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں تین طرح کے لوگوں کا ذکر ہے ان تینوں کو اپنے اپنے اچھے عمل کے اعتبار سے جنت میں مکان ملے گا۔ (۱) وہ شخص جس نے جھوٹ چھوڑ دیا، دراں حالیکہ وہ باطل پر ہے تو اس کے لئے جنت کی سرحد پر مکان بنایا جائے گا، باطل کا مطلب یہ ہے کہ بات کہنے والا غلط موقف پر ہے، مگر اس کو ثابت کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لے رہا ہے اور بحث و مباحثہ کر رہا ہے یہ غلط طریقہ ہے، لہٰذا جو اس سے احتراز کرے گا وہ قابل مبارک باد ہے اس کو جنت کے ارد گرد مکان ملے گا۔ (۲) اور جس نے بحث و تکرار سے احتراز کیا، دراں حالیکہ وہ حق پر ہے یعنی اس کا موقف صحیح ہے، تو اس کے لئے جنت کے درمیان میں یعنی بہترین حصے میں مکان بنایا جائے گا۔ (۳) جس نے اپنے اخلاق سنوار لیے اس کے لئے بہشت بریں میں مکان بنایا جائے گا۔ اخلاق سنوارنا آسان کام نہیں، اس لئے جزاء بقدر مشقت ہے، چنانچہ اس کے لئے جنت کے بلند و بالا حصہ میں مکان بنایا جائے گا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من ترک الکذب وھو باطل اس نے جھوٹ کو چھوڑ دیا اور وہ جھوٹ باطل تھا، 'باطل' یا تو صفت کاشفہ ہے، جس کو تنفیر کے لئے ذکر کیا ہے، اس صورت میں یہ جملہ معترضہ ہوگا، اور یا اس کو جملہ حالیہ قرار دیا جائے، یعنی حال یہ کہ وہ جھوٹ باطل ہو یعنی بلا مصلحت ہو، کیوں کہ بعض جھوٹ باطل نہیں ہوتے، وہ کسی خاص مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں، مثلاً اصلاح ذات البین یا حرب وغیرہ میں جھوٹ کی گنجائش ہے۔ یہ مسئلہ حدیث ۴۸۲۵ کے تحت گذر گیا کہ صریح جھوٹ کی ایسے موقعوں پر اجازت ہے، یا توریہ کی اجازت ہے، صریح جھوٹ کی اجازت نہیں ہے۔ یا پھر مطلب وہ ہے جو خلاصہ حدیث کے ذیل میں نقل ہوا کہ باطل پر ہونے کی وجہ سے اس نے جھوٹ کو چھوڑ دیا، چاہتا تو جھوٹ کا سہارا لے کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیتا، لیکن جھوٹ کا سہارا نہیں لیا۔ ایسے شخص کو جنت کے اطراف میں محل ملے گا۔

**اشکال:** جھوٹ چھوڑنے پر جنت کے اطراف میں محل ملے گا، لیکن ابوداؤد کی روایت میں ہے 'ربیت فی وسط الجنة لمن ترك الكذب' (وسط جنت میں اس شخص کو محل ملے گا جو جھوٹ کو چھوڑ دے) یہ تو کھلا ہوا تضاد ہے۔

**جواب:** علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ 'والظاھر انه وقع من تغییر بعض الرواۃ' (بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بعض راویوں کے سہو

کی وجہ سے یہ تضاد ہوا ہے)۔ جامع ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں جو روایت کے الفاظ ہیں وہ ابوداؤد کے مقابلہ میں راجح اور قرین قیاس ہیں۔ ومن ترك المراء حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا، اس خوف سے کہ کہیں وہ ایسی دشمنی میں تبدیل نہ ہوجائے جو باطل کے گڑھوں میں گرنے کا ذریعہ بنے، پہلے کی بنسبت اس کا زیادہ اعزاز ہوگا، اور اس کو وسطِ جنت میں محل ملے گا، کیوں کہ نفس کو دبانے کے ساتھ اس نے اپنا حق بھی چھوڑ دیا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "مراء" سے مراد تو یہ ہے کہ دوسرے کے کلام میں اعتراض کرنا، اس کے اندر کوئی نقص اور خلل ظاہر کر کے لفظوں کے اعتبار سے یا معنی کے اعتبار سے، یا قصدِ متکلم کے اعتبار سے، اور ترکِ مراء کی حقیقت ہے ترک الاعتراض والانکار۔ ومن حسن خلقه جس نے اپنے عادات واطوار کو درست اور شریعت کے مطابق کرلیا، تو اس کا محل جنت کے سب سے اونچے حصہ میں ہوگا، مذکورہ دونوں حضرات کے مقابلہ میں یہ اعزاز زیادہ بڑا ہے، کیوں کہ انھوں نے صرف ایک موقع پر نفس کشی کی ہے اور اس نے اپنے تمام عادات واطوار کو شریعت کے پابند کردیا ہے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب اعمال کا وزن ہوگا تو سب سے زیادہ وزنی چیز اس میں حسنِ خلق ہوگی، اور یہ کہ حسنِ خلق کی وجہ سے آدمی صوم وصلاۃ کی پابندی کرنے والے کے رتبہ کو پہنچ جاتا ہے۔ (ابوداؤد) ایک موقع پر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ جنت میں داخل ہونے کا زیادہ تر سبب کیا ہوتا ہے، تو آپ ﷺ نے مختصر جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور حسن خلق (ابوداود) یہ مباحث بذل المجہود، الدر المنضود اور تحفۃ الالمعی سے ماخوذ ہیں۔

**حدیث نمبر ۱۶۷۴ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۴۸۳۲**

## ﴿جنت میں داخلہ دلانے والی چیز اخلاق حسنہ ہے﴾

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَدْرُوْنَ مَا اَكْثَرُ مَا یُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ اَتَدْرُوْنَ مَا اَكْثَرُ مَا یُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ الْاَجْوَفَانِ الْفَمُ وَالْفَرْجُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

**حواله:** ترمذی، ص ۲۱ ج۲، باب ما جاء فی حسن الخلق، کتاب البر، حدیث ۲۰۰۴، ابن ماجه، ص ۳۱۳ باب ذکر الذنوب، کتاب الزهد، حدیث ۴۲۴۶

**حل لغات:** الاجوفان کھوکھلا، کشادہ، (ج) جَوْف، واحد الْاَجْوَف۔

**ترجمه:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا جانتے ہو کیا چیز لوگوں کو کثرت سے جنت میں داخل کرے گی وہ اللہ کا تقویٰ اور خوش خلقی ہے، کیا تم جانتے ہو کہ کیا چیز لوگوں کو کثرت سے جہنم میں داخل کرے گی، وہ دو کھلی چیزیں ہیں منہ اور شرمگاہ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں تقویٰ اور اخلاق حسنہ کو اختیار کرنے کی ترغیب ہے، اور زبان وشرمگاہ سے سرزد ہونے والی برائیوں سے بچنے کی تاکید ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اُن میں ایک اخلاق حسنہ بھی ہے، اصلاح اخلاق کا کام بعثتِ نبوی کے اہم مقاصد میں سے ہے اور ہونا بھی چاہئے تھا، کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواری کے ساتھ گذرے گی اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا، اس طرح ایک پرامن پرسکون سماجی زندگی وجود میں آئے گی اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق برے ہوں تو خود بھی وہ زندگی کے لطف ومسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی۔ یہ تو خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے وہ نقد دنیوی نتائج ہیں جن کا ہم آپ روز مشاہدہ اور تجربہ

کرتے ہیں، لیکن مرنے کے بعدوالی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے اِن سے بدر جہاز یادہ اہم نکلنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور رحمت ہے اور بداخلاقی کا انجام خداوند قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔(معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** تقوی اللّٰہ وحسن الخلق دو چیزیں جنت میں دخول کا ذریعہ ہیں (۱) اللہ کا ڈر، (۲) اچھے اخلاق۔ 'تقویٰ اللّٰہ' سے اشارہ ہے حسن معاملہ مع الخالق کی طرف کہ جملہ اوامر کو بجالائے اور جملہ منہیات سے رک جائے۔ اور 'حسن خلق' سے اشارہ ہے حسن المعاملہ مع الخلق کی طرف، یعنی اللہ تعالیٰ سے معاملہ کی صفائی تقویٰ ہے اور مخلوق کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا حسن خلق ہے۔(الدر المنضود) تقویٰ کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ شرک سے اجتناب کیا جاوے اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل میں اللہ کے علاوہ اور کسی کا خیال بھی نہ آنے دیا جائے اور حسن خلق سے مراد مخلوق خدا کے ساتھ خوش خلقی اختیار کرنا ہے جس کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی مخلوق کو کوئی تکلیف وایذا نہ پہنچائی جائے اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اس شخص کے ساتھ بھی بھلائی کرے جس نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا ہے، اس اعتبار سے حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص میں تقویٰ اور حسن خلق یہ دونوں اوصاف پیدا ہو جائیں تو سمجھو اس کی نجات کا دروازہ کھل گیا ہے، جس شخص سے خدا بھی خوش مخلوق خدا بھی خوش اس کے بیڑا پار ہونے میں کیا شبہ رہ جائے گا۔ حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے لکھا ہے خوش خلقی بھی تقویٰ میں داخل ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں تقویٰ کے بعد پھر خوش خلقی کا ذکر تخصیص بعد التعمیم کے طور پر ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تقویٰ سے ظاہری اعمال کا حسن مراد ہے اور حسن خلق سے باطنی احوال کا حسن۔ حدیث کے دوسرے جز میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا کہ منہ اور شرمگاہ گناہ کے دو بڑے سرچشمے ہیں جن سے پیدا ہونے والی برائیوں میں پڑ کر انسان دوزخ میں جا گرتا ہے، چنانچہ منہ میں زبان بھی داخل ہے، جو کہ گمراہی اور بدعملیوں کا بڑا ذریعہ ہے، انسان جو بھی حرام چیز کھاتا ہے پیتا ہے اسی منہ کے ذریعہ نگلتا ہے اور وہ جو بھی ممنوع وناجائز بیہودہ فحش کرتا ہے زبان ہی اس کا ذریعہ بنتی ہے، اسی طرح شرمگاہ خواہ عورت کی ہو یا مرد کی، شیطان کا سب سے دل فریب جال ہے، جس میں وہ لوگوں کو پھنسا کر دوزخ میں گراتا ہے، چنانچہ انسان اسی شرمگاہ کے سبب اپنے خالق کی نافرمانی کرتا ہے اور اکثر شقاوت ابدیہ کا منبع یہ دونوں چیزیں ہیں۔(تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۱۶۷۵ ﴿اچھی اور بری بات کی اهمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۳۳

وَعَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْهِ سَخَطَهُ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوٰى مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ.

**حواله:** موطا امام مالك، ص ۳٦۸ باب ما يؤمر به من التحفظ، كتاب الكلام، حديث ٥، ترمذی، ص ۵۸ ج ۲، باب فی قلة الكلام، كتاب الزهد، حديث ۲۳۱۹، ابن ماجه، ص ۲۸۵ باب كف اللسان فی الفتنة، كتاب الفتن، حديث ۳۹٦۹، بغوی، ص ۳۱۵ ج ١٤، حديث ٤١۲٥

**ترجمه:** حضرت بلال بن حارثؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی ایک بھلائی کا لفظ منہ سے نکالتا ہے اور اس کی قدر وقیمت نہیں جانتا تو اس کے باعث اللہ اس کے لئے قیامت تک کی رضامندی لکھ دیتے ہیں، ایک آدمی برا لفظ منہ سے نکالتا ہے اور اس کی حقیقت کو نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ اس کے باعث اس کے لئے ملاقات کے دن تک ناراضگی لکھ دیتا ہے، اس کو شرح السنہ نے روایت کیا ہے، اور مالک، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بعض معمولی اچھی باتوں سے اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوش ہوجاتے ہیں، اور بعض معمولی بری باتوں سے اللہ تعالیٰ بہت زیادہ ناراض ہوجاتے ہیں، آدمی اتفاقاً کوئی اچھی بات بول دیتا ہے جو اللہ کو خوش کرنے والی ہوتی ہے اور بولتے وقت اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ اس کا اجر ملے گا جو آگے آرہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا سے لے کر آخرت تک اپنی خوشنودی تجویز فرمادیتے ہیں، اسی طرح آدمی بے خبری میں یا اتفاقاً کوئی بری بات بول دیتا ہے اور وہ نہیں سمجھتا کہ اس کا وہ وبال سامنے آئے گا جو آگے آرہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے دنیا سے لے کر آخرت تک اس کے لئے ناراضگی لکھ دیتے ہیں۔ اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ ہر اچھی بات آدمی کو بولنی چاہئے اگرچہ معمولی ہو، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ بات پسند آجائے اور بری بات کبھی منہ سے نہیں نکالنی چاہئے اگرچہ معمولی ہو، کیوں کہ معمولی باتوں کا بھیانک انجام سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بندے سے دنیا سے لے کر آخرت تک ناراض ہوجائیں گے اور ایسی بری باتوں سے بچنا اس وقت ممکن ہے، جب آدمی کم بولنے کی عادت ڈالے، حسب ضرورت ہی بولے تاکہ زبان کی لغزشوں سے محفوظ رہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** یتکلم بالکلمة سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ کلمۂ خیر سے مراد ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے، اس پر قیاس کر کے کہا جاسکتا ہے کہ کلمۂ شر سے مراد کسی ظالم حاکم کے سامنے بری بات کہنا ہے جو کہ دین کو نقصان پہنچانے والی ہو، لیکن حدیث کا ظاہری مفہوم عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ (مظاہر حق) مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۸۱۳ دیکھیں۔

## حدیث نمبر ١٦٧٦ ﴿جھوٹے لطیفے سناکر ھنسانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٣٤

وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهٗ وَيْلٌ لَهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ .

**حواله:** احمد، ص ۳ ج۷، ترمذی، ص ۵۷ ج۲، باب فیمن تکلم بکلمة یضحك بها الناس، کتاب الزهد، حدیث ۲۳۱۵، ابو داود، ص ٦٨١ ج۲، باب فی التشدید فی الکذب، کتاب الادب، حدیث ۴۹۹۰، دارمی، ص ۲۸۲ ج۲، کتاب الاستئذان، حدیث ۲۷۰۲

**ترجمه:** حضرت بہزاد بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے لئے خرابی ہے جو جھوٹی بات کرے کہ اس کے ذریعہ لوگ ہنسیں، اس کے لئے خرابی ہے اور اس کے لئے خرابی ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداود، دارمی)

**خلاصۂ حدیث** گرمیِ محفل کے لئے جو باتیں کی جاتی ہیں وہ عام طور پر نامناسب ہوتی ہیں، کبھی اُن سے دل آزاری ہوتی ہے اور کبھی وہ لغویات پر مشتمل ہوتی ہیں، خاص طور پر مسخرے قسم کے لوگ جو باتیں کرتے ہیں وہ تو بالکل واہیات ہوتی ہیں، چنانچہ ایسی باتوں کے سلسلہ میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اگر تفریح طبع کے لئے ایسی بات کہی جائے جو جھوٹی نہ ہو، اور اس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو تو وہ جائز ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ویل لمن یحدث فیکذب لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولنا سنگین جرم ہے اور اس کی سزا بڑی شدید ہے، آپ نے مکرر کر کے ایسے شخص کو خسارہ کی اطلاع دی ہے، ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ آدمی کبھی کوئی بات کہتا ہے، جس کی برائی وہ محسوس نہیں کرتا ہے، وہ اس بات کی وجہ سے دوزخ میں ستر سال کی گہرائی میں گر پڑتا ہے۔ دوزخ میں ستر سالہ مسافت میں گرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز بلندی سے نیچے ڈالی جائے تو وہ ستر سال میں کہاں تک پہنچے گی، اتنی گہرائی میں مسخرہ ڈال دیا جاتا ہے۔ بذل میں لکھا ہے کہ جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے اس کی سزا بدترین ہے، اگر کسی

مصلحت وضرورت سے جھوٹ ہوتو امر آخر ہے، اس کی گنجائش ہے، اور محض تفریحاً قطعاً حرام ہے۔

**حدیث نمبر ۱۶۷۷ ﴿مسخرے پن سے بچنے کی ہدایت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۳۵**

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَقُوْلُ الْكَلِمَةَ لَا یَقُوْلُهَا اِلَّا لِیُضْحِكَ بِهِ النَّاسَ یَهْوِیْ بِهَا اَبْعَدَ مِمَّا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَاِنَّهٗ لَیَزِلُّ عَنْ لِسَانِهٖ اَشَدَّ مِمَّا یَزِلُّ عَنْ قَدَمِهٖ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِی شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

**حواله:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ۲۴٦ ج٤ باب فی حفظ اللسان، حدیث ٤٩٥٥

**حل لغات:** یهوی هَوٰی (ض) الشئ هُوِیًّا اوپر سے نیچے گرنا۔

**تــرجمــه:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی ایک لفظ کہتا ہے اور لوگوں کو ہنسانے کے لئے کہتا ہے تو اس کے باعث وہ اتنا نیچے گرتا ہے جتنا زمین وآسمان کے درمیان فاصلہ ہے اور زبان کے ذریعہ آدمی قدموں کے بنسبت زیادہ پھسل جاتا ہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کو ہنسانے کے غرض سے جھوٹی سچی بات سنانا بہت بڑا جرم ہے، اور اگر اس کو عادت بنالیا جائے تو اور بڑا گناہ ہے، اس لئے کہ بہت زیادہ ہنسی مذاق سے دل سخت ہوجاتا ہے اور فکر آخرت سے غافل ہوجاتا ہے، البتہ کبھی کبھار خوش طبعی اور مذاق میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن وہ جھوٹ اور دل آزاری سے پاک ہونا چاہئے۔ اور یہ بات بھی سمجھنا چاہئے کہ جھوٹ سے جونقصان ہوتا ہے وہ بڑا نقصان ہے، اس سے دنیا وآخرت دونوں برباد ہوتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لیضحك به الناس ہنسی مذاق کی بات پر ملامت کرنے سے بدترین سزا ملتی ہے لیکن جب ہنسی مذاق میں جھوٹ اور دل شکنی نہ ہوتو اس کی اجازت ہے ایک موقع پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ میں سچی بات کہتا ہوں، میری کسی بھی ہنسی مذاق کی بات میں جھوٹ کی آمیزش نہیں ہوتی۔ اشد مما یزل عن قدمه اگر کوئی شخص اپنے پاؤں کے پھسلنے سے منہ کے بل گر پڑے اور ضرر اٹھائے تو یہ ضرر اتنا نقصان دہ نہیں ہے جتنا ضرر ونقصان وہ ہے جو زبان کے پھسلنے سے ہوتا ہے، یعنی جھوٹ اور بے تحاشا ہنسی مذاق کا نقصان بہت زیادہ ہے پاؤں کی لغزش سے جسم کو تکلیف پہنچ سکتی ہے، جب کہ زبان سے سرزد ہونے والے گناہ سے دینی نقصان اور اخروی خسارہ ہوتا ہے۔

**حدیث نمبر ۱۶۷۸ ﴿چپ رہنے کا بڑا فائدہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٣٦**

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

**حواله:** احمد، ص ۱۷۷ ج۲، ترمذی، ص ۷٦ ج۲، کتاب صفة القیامة، باب، حدیث ۲۵۰۱

**تــرجمــه:** حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ (احمد، ترمذی، دارمی، بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصہ حدیث** مطلب یہ ہے کہ چپ رہ کر اور زبان کو بری باتوں سے محفوظ رکھ کر دنیا کی بھی بہت سی آفتوں سے نجات مل جاتی ہے اور دینی واخروی طور پر بھی بہت سی بلاؤں اور نقصان وخسران سے نجات حاصل ہوجاتی ہے، کیوں کہ انسان عام طور پر جن بلاؤں اور آفتوں میں مبتلا ہوتا ہے ان میں سے اکثر زبان ہی کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ انسان اپنی زبان سے جو بات نکالتا ہے اور جو کلام کرتا ہے اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں ایک تو محض نقصان، دوسرے محض نفع، تیسرے وہ بات اور کلام جس میں نفع بھی ہو اور نقصان بھی، اور چوتھے وہ بات وکلام جس میں نہ نفع ہو نہ نقصان، لہٰذا جو کلام محض ضرر کا حامل ہو اس سے خاموشی اختیار کرنا ضروری اور لازمی ہے اسی طرح جس کلام میں نفع بھی ہو اور نقصان بھی اس سے بھی خاموشی ہی اختیار کرنی چاہئے کیوں کہ نقصان سے بچنا فائدہ حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہوتا ہے اور وہ کلام جس میں نہ نفع ہو نہ نقصان تو ظاہر ہے کہ اس میں زبان کو مشغول کرنا محض وقت کو ضائع کرنا ہے اور یہ چیز بھی خالص ٹوٹا ہے، رہی دوسری قسم یعنی وہ کلام جس میں نفع ہو تو اگرچہ ایسی بات وکلام میں زبان کو مشغول کرنا برائی کی بات نہیں ہے، لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ اس میں بھی ابتلائے آفت کا خطرہ ضرور ہوتا ہے۔ بایں طور کہ ایسے کلام میں بسا اوقات ریا و تصنع خوشنودی نفس اور فضول باتوں کی آمیزش ہو جاتی ہے، اور اس صورت میں یہ تمیز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ کہاں لغزش ہوگئی، حاصل یہ کہ ہر حالت اور ہر صورت میں خاموشی اختیار کرنا بہتر اور نجات کا ذریعہ ہے، کیوں کہ زبان کی آفتیں ان گنت ہیں اور اس سے بچنا سخت مشکل الا یہ کہ زبان کو بند ہی رکھا جائے۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** من صمت نجا منہ سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے اور وہ آخرت کے لئے ریکارڈ کر لی جاتی ہے اور دنیا میں بھی اس کے بھلے برے اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی اس پر جزا و سزا مرتب ہوتی ہے، پس آدمی کو چاہئے کہ بھلی بات بولے، ورنہ خاموش رہے، خاموش رہنے والے کی پکڑ نہ دنیا میں ہوتی ہے، نہ آخرت میں اس لئے خاموشی میں نجات ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

## حدیث نمبر ۱۶۷۹ ﴿دنیا و آخرت میں نجات کی کنجی﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٣٧

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ.

**حوالہ:** احمد، ص ۲۵۹ ج ۵، ترمذی، ص ٦٦ ج ۲، باب ما جاء فی حفظ اللسان، کتاب الزهد، حدیث ۲٤٠٦

**ترجمہ:** حضرت عقبہ بن عامرؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور میں نے عرض کیا کہ نجات کس چیز میں ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو تمہارا گھر تمہارے لئے کافی رہے اور اپنی غلطیوں پر رویا کرو۔ (احمد، ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ نے نجات پانے کے لئے تین باتیں اختیار کرنے کا نسخہ بتایا ہے۔ (۱) زبان کی حفاظت کی جائے، زبان خرمنِ ایمان کو پھونکتی بھی ہے اور لوگوں کی دل آزاری کا ذریعہ بھی بنتی ہے، لہٰذا اس کو قابو میں رکھنا چاہئے، ان باتوں سے اس کو بچانا چاہئے جن میں خیر نہ ہو۔ (۲) فرصت کے لمحات بھی گھر میں گذارے جائیں۔ لوگوں میں ایک خاص کمزوری ہے کہ وہ اپنے گھر میں کھانے پینے اور سونے کے لئے ہی آتے ہیں۔ باقی فرصت کے لمحات ہوٹلوں، چوراہوں اور محفلوں میں گذارتے ہیں، جہاں لغویات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ آپؐ نے ہدایت دی کہ تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہونی چاہئے، فرصت کا وقت گھر میں گذارو، تاکہ کچھ نہ کچھ کرو، ورنہ گناہوں سے بچو۔ (۳) اپنی کوتاہیوں پر روؤ، رونا دو طرح کا ہوتا ہے آنکھ کا رونا اور دل کا رونا، اصل رونا دل کا رونا ہے، یعنی اپنے گناہوں پر پشیمان ہوؤ، ایسا شخص دیر سویر گناہوں سے باز آجاتا ہے اور جس کو گناہوں پر پشیمانی نہیں، وہ کبھی بھی گناہ ترک نہیں کرتا۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** ما النجاۃ دنیا و آخرت میں نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ املك عليك لسانك اپنی زبان بند رکھو۔ ضرورت کے وقت بولو اور مناسب بولو۔ ولیسعك بیتك تمہارا گھر تمہیں کفایت کرے،

بے سبب گھر سے مت نکلو بہت سے گناہوں سے بچو گے۔ وابك علی خطیئتك اپنی غلطیوں پر روؤ۔ یعنی گناہوں پر نادم و شرمندہ ہو کر توبہ کرو ان تین باتوں پر عمل کرو نجات حاصل ہو جائے گی۔

## حدیث نمبر ۱۶۸۰ ﴿اعضائے جسم کی زبان سے فریاد﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٣٨

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَفَعَهٗ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ کُلَّهَا تُکَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اِتَّقِ اللّٰهَ فِیْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَاِنْ اَعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ۔

**حوالہ:** ترمذی، ص٦٦ ج٢ باب ماجاء فی حفظ اللسان، کتاب الزھد، حدیث ٢٤٠٧

**ترجمہ:** حضرت ابو سعید خدریؓ نے مرفوعاً فرمایا کہ جب آدمی کے لئے صبح ہوتی ہے تو تمام اعضاء زبان کی خوشامد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرنا، کیوں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگی، تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ (ترمذی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زبان کو اعضائے جسم میں مرکزی حیثیت حاصل ہے، اس لئے دیگر اعضا اس سے فریاد کرتے ہیں کہ تو سیدھی اور صحیح رہ، تاکہ ہم بھی صحیح رہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جسم میں گوشت کی ایک بوٹی ہے، جب وہ سنورتی ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتی ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، سنو وہ بوٹی دل ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم میں بنیادی عضو دل ہے اور حدیث میں سارا مدار زبان پر ہے، اصل بات یہ ہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے، کیوں کہ دل پوشیدہ عضو ہے اور زبان اس کا نظر آنے والا خلیفہ ہے، لہٰذا حقیقت میں مدار دل پر ہے اور ظاہر میں مدار زبان پر ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وان اعوجت اعوججنا اگر زبان بگڑی تو سارا جسم بگڑ جائے گا۔ بخاری میں روایت ہے 'الا وان فی الجسد مضغة اذا اصلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب' سن لو جسم کے اندر ایک ٹکڑا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے، اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ یعنی قلب اگر صالح اور درست ہے، اس میں خشیت الٰہی ہے تو سارے جسم کا نظام صحیح رہے گا اور اس میں بگاڑ ہے تو سارا جسم بگڑا رہے گا، لیکن دل جو کچھ سوچتا ہے، زبان اس کو بیان کرتی ہے اور دیگر اعضا اس پر عمل کرتے ہیں، لہٰذا جو حکم دل کا ہے وہی زبان کا ہے، جس طرح دل کے صلاح و فساد کا اثر سارے جسم پر پڑتا ہے، ایسے ہی زبان کے صلاح و فساد کا اثر پورے جسم پر پڑتا ہے۔

## حدیث نمبر ۱۶۸۱ ﴿حسن اسلام کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٣٩-٤٨٤٠-٤٨٤١

وَعَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّاَحْمَدُ۔ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْهُمَا۔

**حوالہ:** مؤطا امام مالك، ص ٣٦٤ باب ما جاء فی حسن الخلق، جامع ماجاء فی اهل القدر حدیث٣، مسند احمد، ص ٢٠١ ج١، سنن ابن ماجه، ص٢٨٦ باب کف اللسان فی الفتنة، کتاب الفتن، حدیث ٣٩٧٦، ترمذی، ص٥٨ ج٢، باب کتاب الزھد، حدیث ٢٣١٨، بیھقی فی شعب الایمان، ص ٤١٥ ج٧ حدیث ١٠٨٠٥

**ترجمہ:** حضرت علی بن حسینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں سے ہے بیکار باتوں کو چھوڑ دینا۔ (مالک، احمد) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے، اور ترمذی اور بیہقی نے شعب الایمان میں دونوں سے روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث**　اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دین کی خوبی یہ ہے کہ آدمی بے فائدہ باتیں چھوڑ دے، دنیا آخرت کی کھیتی ہے، آدمی یہاں جو بوتا ہے وہی آخرت میں کاٹتا ہے، اس لئے مسلمان کو ہمیشہ اچھی باتیں اور اچھا کام کرنا چاہئے، تاکہ آخرت میں اس کا اچھا ثمرہ ظاہر ہو، فضول باتوں میں اور بے فائدہ کاموں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح**　**من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه**　اس حدیث کی عظمت شان پر علماء کا اجماع ہے۔ یہ اُن احادیث میں سے ہے، جن پر اسلام کا مدار ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں یہ ثلث اسلام ہے، کیوں کہ 'اسلام تین حدیثوں میں دائر ہے۔ (۱) الحلال بین، (۲) انما الاعمال بالنیات، (۳) حدیث باب۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں، ان میں سے منتخب کر کے میں نے کتاب السنن میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں جمع کی ہیں، جن میں صحیح بھی ہیں اور صحیح کے مشابہ و مقارب بھی، جب کہ انسان کے اپنے دین کے لئے چار حدیثیں کافی ہیں۔ تین تو وہی ہیں جو میں نے ابھی ذکر کیں اور چوتھی حدیث 'لا یکون المؤمن مؤمنا حتی یرضی لأخیه ما یرضی لنفسه' بعض حضرات نے 'ازهد فی الدنیا یحبك الله' بتایا ہے۔ ان سطور سے سمجھ میں آ گیا کہ یہ حدیث کتنی اہم ہے۔ درحقیقت اس میں ہر اس قول و عمل کو چھوڑ دینے کے لئے کہا ہے جو بے فائدہ ہو۔

**حدیث نمبر ۱۶۸۲ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۴۸۴۲**

## ﴿آخرت کے بارے میں قطعی فیصلہ کرنے کی ممانعت﴾

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ فَقَالَ رَجُلٌ اَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَلَاتَدْرِيْ فَلَعَلَّهٗ تَكَلَّمَ فِيْمَا لَا يَعْنِيْهِ اَوْ بَخِلَ بِمَا لَا يَنْقُصُهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حواله:** ترمذی، ص ۵۷ ج ۲، باب کتاب الزهد، حدیث ۲۳۱۶

**ترجمه:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک وفات پا گئے تو ایک شخص نے کہا آپ کو جنت مبارک ہو، آپؐ نے فرمایا تمہیں کیا معلوم کہ اس نے کوئی بیکار بات کی ہو یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو کم نہیں ہوتی۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث**　اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قطعیت سے کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہئے، بسا اوقات معمولی نیک عمل کی وجہ سے بڑے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور بظاہر جہنمی نظر آنے والا شخص جنتی ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس کے خلاف بھی ہوتا ہے، ایک بدکار عورت نے پیاسے کتے کو پانی پلا دیا تو اس کے صلہ میں جنت کی حقدار ہو گئی، اور کچھ لوگ معمولی گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح**　**تکلم فیما لا یعنیه**　کسی ایسے معاملے میں اپنی زبان سے الفاظ نکالے ہوں جن میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ یعنی اس نے بے فائدہ باتوں میں وقت ضائع کیا ہو اور ایسے امور میں خواہ مخواہ کے لئے اپنی زبان سے الفاظ نکالے ہوں، جو اس کے لئے کسی طرح کا ضرر و نفع پہنچانے کا سبب نہ ہوں۔ **او بخل بما لا ینقصه** کسی ایسی چیز میں بخل کیا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کسی ایسی چیز کو دینے میں بخل سے کام لیا ہو جو دیے جانے کے باوجود کم نہیں ہوتی جیسے علم کی تعلیم یا مال زکات کی ادائیگی کہ علم کو تقسیم کرنے یا زکاۃ ادا کرنے سے علم اور مال میں کمی نہیں ہوتی، بلکہ ان میں زیادتی ہی ہوتی ہے۔ آپؐ کے ارشاد کا حاصل یہ تھا کہ تم نے اس شخص کے جنت میں جانے کے بارے میں اس طرح کا جزم و یقین کیوں ظاہر کیا ہے؟ جبکہ تمہیں اس کی زندگی کے سارے ظاہری باطنی گوشوں سے واقفیت اور اس کے احوال کی حقیقت کا علم نہیں ہے، بے شک اس شخص کی ظاہری

زندگی بڑی پاکیزہ تھی اور اس کو صحابیت کی سعادت بھی حاصل ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنی زبان سے کوئی لایعنی بات نکالی ہو یا بخل کیا ہو اور اس کے مواخذہ وحساب میں گرفتار ہو کر جنت میں داخل ہونے سے روک دیا گیا ہو۔ (مظاہر حق)

**حدیث نمبر ۱۶۸۳ ﴿زبان کے فتنہ سے بچنے کی ھدایت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٤٣**

وَعَنْ سُفْيَانَ ابْنِ عَبْدِاللهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ قَالَ فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ وَقَالَ هٰذَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

**حواله:** ترمذی، ص ٦٦ ج ٢ باب ما جاء فی حفظ اللسان، کتاب الزهد، حدیث ٢٤١٠

**ترجمه:** حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اسب سے خوفناک چیز کیا ہے؟ جن سے آپؐ مجھے ڈراتے ہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی زبانِ مبارک پکڑ کر فرمایا کہ یہ اسے ترمذی نے روایت کیا اور اس کو صحیح کہا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اعضائے انسانی میں سے انسان کے حق میں سب سے زیادہ خطرناک زبان ہے۔ آپؐ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اس عضو کی حفاظت کرو، اس کا مجھے تمہارے حق میں سب سے زیادہ خطرہ ہے اور یہ بات اِن صحابی کے ساتھ خاص نہیں ہے، ہر شخص کے حق میں سب سے زیادہ خطرناک زبان کا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے اس سے جھوٹ، دل آزاری اور لایعنی باتیں سرزد نہ ہونے دے۔ اور اگر کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً تلافی کرے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فاخذ بلسانه انسان کے بارے میں سب سے خطرہ والی چیز اس کی زبان ہے، چوں کہ زبان کا فائدہ اور نقصان دوسرے تمام اعضاء کے فوائد ونقصانات سے بہت بڑھا ہوا ہے، کان کا کام صرف سننا، آنکھ کا صرف دیکھنا، ناک کا کام صرف سونگھنا اسی طرح دیگر اعضاء میں زبان وہ عضو ہے جو تمام اعضاء کے کاموں کو بیان کرسکتی ہے، خواہ مسموع ہو، مبصر ہو، مذوق ہو وغیرہ زبان اگرچہ چھوٹی ہے، لیکن کام بہت بڑا ہے۔ اسی سے ایمان وکفر اور دوستی ودشمنی کا اظہار ہوتا ہے، تو اس کی ذرا سی لغزش انسان کو تباہ کرسکتی ہے، لہٰذا اس کو خطرناک قرار دے کر ترغیب دلائی کہ اس کی طرف سے بہت محتاط رہو، اس کو کم سے کم استعمال کرو اور جب استعمال کرو تو خیر میں استعمال کرو۔

**حدیث نمبر ١٦٨٤ ﴿جھوٹ کی بدبو﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٤٤**

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

**حواله:** ترمذی، ص ١٨ ج ٢، باب ما جاء فی الصدق والکذب، کتاب البر، حدیث ١٩٧٢

**حل لغات:** تباعد (تفاعل) دور ہونا، نتن بدبو، نتن (ض) نَتْنًا بدبودار ہونا، سڑنا۔

**ترجمه:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو کے باعث فرشتے اس سے ایک میل دور ہٹ جاتے ہیں۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** جس طرح اس مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں، جس طرح ہم مادی خوشبو اور بدبو محسوس کرتے ہیں اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت اُن کی مادیت پر غالب آتی ہے۔ (معارف الحدیث)

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا کذب العبد جھوٹ بہت بڑا گناہ ہے، اس کے اندر سخت قسم کی بدبو ہوتی ہے، جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس کی بدبو سے بچنے کے لئے اس جگہ سے دور ہو جاتے ہیں۔

**حدیث نمبر ۱۶۸۵ ﴿جھوٹ بولنا دھوکہ دینا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٤٥**

وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَسِيْدِنِ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُد.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٧٩ ج٢، باب فی المعاریض، کتاب الادب، حدیث ٤٩٧١

**ترجمہ:** حضرت سفیان بن اسید حضرمیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کہہ رہے ہو اور وہ تم کو سچا سمجھ رہا ہو جب کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جھوٹ اپنی جگہ گناہ ہے، لیکن اس کی قباحت وشناعت اس وقت مزید ہو جاتی ہے جب تم کسی ایسے آدمی سے جھوٹ بولو جو تم پر اعتماد کرتا ہو، تمہیں سچا سمجھ کر تمہاری بات پر بھروسہ کر کے عمل کرتا ہو، تم اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤ تو جھوٹ کے ساتھ دھوکہ اور خیانت بھی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کبرت خیانة کتنی بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے ایسی بات کہے کہ وہ تو تجھ کو اس بات میں سچا سمجھے، حالاں کہ تو اس کے ساتھ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس حدیث کو ابوداود نے معاریض پر محمول کیا ہے، یعنی توریہ پر، کلام کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا کر دوسرے معنی مراد لینا، جس کو مخاطب اور سننے والا تو محمول کر رہا ہو ظاہر معنی پر اور متکلم نے اپنی نیت میں چھپا رکھے ہیں دوسرے معنی (کلام کے قریب معنی چھوڑ کر بعید معنی مراد لینا) مخاطب کو دھوکہ دینے کے لئے، اس لئے حدیث میں اس کو خیانت کہا گیا ہے، توریہ اور تعریض کی اجازت بعض مواقع پر ایک دوسرے کے ضرر سے بچنے کے لئے شریعت نے دی ہے اور دوسرے کو مغالطے میں ڈالنے کے لئے ممنوع ہے جس کو حدیث میں بڑی خیانت کہا گیا ہے۔ (الدرالمنضود)

**حدیث نمبر ۱۶۸۶ ﴿دورخے کے بارے میں وعید﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٤٦**

وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ.

**حوالہ:** دارمی، ص ٤٠٥ ج٢ باب ما قیل فی ذی الوجھین، کتاب الرقاق، حدیث ٢٧٦٤

**ترجمہ:** حضرت عمارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں دو چہروں والا ہوگا، قیامت کے دن اس کی دو زبانیں آگ کی ہوں گی۔ (دارمی)

**خلاصۂ حدیث** دو چہروں والا یعنی دورخا جس کے پاس جائے اس کے موافق بات کرے اور اس کے سامنے اس کے مخالف کی برائی کرے، چوں کہ یہ دو مختلف قسم کی باتیں اپنے منہ سے کرتا ہے، اس لحاظ سے اس کو دورخا کہا جاتا ہے، اور اسی اعتبار سے اس کی جہنم میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی، اور دنیا میں دورخی بات کرنے کا مقصد ہر ایک کے پاس عزت حاصل کرنا ہوتا ہے، تو دنیا میں چاہے ہر ایک کا منظور نظر ہو جائے، لیکن ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے بدترین ٹھکانہ اس کو نصیب ہوگا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من کان ذا وجھین فی الدنیا دورخا، یہ درحقیقت منافق کی طرح ہوتا ہے، ایک طریق میں ہے "الذی یاتی ھولاء بحدیث ھولاء وھولاء بحدیث ھولاء" یعنی لوگوں کی باتیں ایک

دوسرے تک پہنچائے اور ارادہ فساد کا ہو ایسے شخص کے بارے میں وعید ذکر کی گئی ہے۔ (فتح الباری، ص۵۸۲ ج ۱۰) یہ شخص دونوں فریق سے ہمدردی جتاتا ہے اور ہر ایک اس کو اپنا موافق اور دوسرے کا مخالف سمجھتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ کسی کا ہمدرد نہیں ہوتا ہے۔ (مزید کے لئے عالمی حدیث ۴۸۲۲ دیکھیں)

**حدیث نمبر ۱٦٨٧ ﴿مؤمن کے کمالِ ایمان کے خلاف چیزیں﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٤٧**

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَفِي أُخْرٰى لَهُ وَلَا الْفَاحِشِ الْبَذِيِّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

**حواله:** ترمذی، ص ۱۹-۱۸ ج ۲، باب ما جاء فی اللعنة، کتاب البر، حدیث ۱۹۷۷، بیهقی فی شعب الایمان، ص ۳۹۳ ج ٤ باب فی حفظ اللسان، حدیث ٥١٥٠

**ترجمه:** حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن بہت زیادہ طعنہ دینے والا، لعنت کرنے والا، بے ہودہ باتیں بکنے والا، اور بے غیرت نہیں ہوتا ہے۔ (ترمذی، بیہقی) اور بیہقی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ نہ فحش گو ہوتا ہے اور نہ بے غیرت ہوتا ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بہت زیادہ لعن طعن، بکواس اور بے غیرتی کمالِ ایمان کے منافی ہے، مومن کامل میں یہ خصلتیں نہیں ہوتی ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الطعان ولا اللعان 'طعان' اور 'لعان' مبالغے کے صیغے ہیں، معلوم ہوا کہ مومن بہت زیادہ لعن طعن نہیں کرتا، کبھی کبھار اگر یہ عمل ہو گیا تو کمالِ ایمان کے منافی نہیں ہے۔ البذی بے ہودہ گوئی اور بے غیرتی، بے ہودگی اور فحش گوئی جہاں ہوتی ہے وہاں قباحت ہی ہوتی ہے اور شئے کا حسن و جمال ختم کر دیتی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۸۱۹-۴۸۲۰ اور عالمی حدیث ۴۸۵۴

**حدیث نمبر ۱٦٨٨ ﴿مؤمن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٤٨**

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا وَفِي رِوَايَةٍ لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يَكُوْنَ لَعَّانًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حواله:** ترمذی، ص ۱۸ ج ۲، باب ما جاء فی اللعنة، کتاب البر، حدیث ۱۹۷۷

**ترجمه:** حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن بہت زیادہ لعنت کرنے والا نہیں ہوتا ہے ایک دوسری روایت میں ہے کہ مؤمن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ لعنت کرنے والا بنے۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** کسی معین چیز یا شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ اس کے کفر پر فوت ہونا یقینی ہو، جیسے فرعون اور ابو جہل وغیرہ، البتہ وصفِ عام پر لعنت کرنا جائز ہے، مثلاً 'لعنة اللّٰه علی الظالمین' کہنا جائز ہے، ایسے ہی وصفِ خاص پر لعنت کرنا بھی جائز ہے، مثلاً 'لعنة علی الیهود والنصاری' کہنا جائز ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا یکون المؤمن لعانا لعنت بہت سخت بددعاء ہے، اس لئے مؤمن یہ بددعا نہیں کرتا ہے، پھر اگر کسی پر لعنت کی گئی اور وہ اس کا مستحق نہیں ہے تو لعنت، لعنت کرنے والے پر لوٹتی ہے، لہٰذا اس

خسارہ کے سامنے ہونے کی بنا پر بھی مومن اپنی زبان کو لعنت سے آلودہ نہیں کرتا ہے۔

**حدیث نمبر ۱۶۸۹ ﴿لعنت نہ کرنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٤٩**

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ وَلَا بِغَضَبِ اللّٰهِ وَلَا بِجَهَنَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا بِالنَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٧٢ ج٢، باب فی اللعن، کتاب الادب، حدیث ٤٩٠٦، ترمذی، ص ١٨ ج٢، باب فی اللعنة، کتاب البر، حدیث ١٩٧٩

**ترجمه:** حضرت سمرہ بن جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی لعنت اور اس کے غضب کے ساتھ کسی پر لعنت نہ کیا کرو، اور نہ جہنم کے ساتھ لعنت کیا کرو۔ اور ایک روایت میں 'ولا بالنار' کے الفاظ ہیں، یعنی آگ کے ساتھ لعنت نہ کیا کرو۔ (ترمذی، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی کو یہ نہ کہنا چاہئے کہ تم پر اللہ کی لعنت ہو، اور نہ یہ کہنا چاہئے کہ 'غضب اللّٰہ علیك' تم پر اللہ کا غصہ نازل ہو، اور نہ یہ کہنا چاہئے 'ادخلك اللّٰہ النار او النار مثواك' اللہ تم کو جہنم میں داخل کریں، یا جہنم اور آگ کو تمہارا ٹھکانہ بنا دیں۔ اس طرح کی باتیں کسی متعین شخص کے بارے میں کہنا جائز نہیں الا یہ کہ اس کا کفر پر مرنا یقینی اور قطعی طور پر معلوم ہو۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا تلعنوا بلعنة اللّٰہ ایک دوسرے پر اللہ کی لعنت مت بھیجو۔ لعنت ملامت کرنے اور بددعائیں دینے سے لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے سے بغض ونفرت پیدا ہوتا ہے، عداوتیں پروان چڑھتی ہیں، اس لئے ان باتوں سے منع فرمادیا ہے۔

**حدیث نمبر ۱۶۹۰ ﴿لعنت کرنے والا لعنت کا مستحق ہوجاتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٥٠**

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا لَعَنَ شَيْئًا صَعِدَتِ اللَّعْنَةُ اِلَى السَّمَاءِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ دُوْنَهَا ثُمَّ تَهْبِطُ اِلَى الْاَرْضِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُهَا دُوْنَهَا ثُمَّ تَأْخُذُ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا فَاِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغًا رَجَعَتْ اِلَى الَّذِيْ لُعِنَ فَاِنْ كَانَ لِذٰلِكَ اَهْلًا وَّاِلَّا رَجَعَتْ اِلٰى قَائِلِهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٧٢ ج٢ باب فی اللعن، کتاب الادب، حدیث ٤٩٠٥

**حل لغات:** تهبط هَبَطَ (ض) هُبُوطًا، اترنا، ساغا جگہ ساغ الشئُ (ن) سَوْغًا آسان ہونا۔

**ترجمه:** حضرت ابودرداؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے، تو لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے، تو اس کے سامنے آسمان کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، پھر وہ زمین کی طرف آتی ہے تو اس کے دروازے بھی اس کے سامنے بند کردیئے جاتے ہیں، پھر وہ دائیں بائیں پھرتی ہے، جب کوئی ٹھکانہ نہیں پاتی ہے تو اس شخص کی طرف لوٹتی ہے، جس پر لعنت کی گئی تھی، اگر وہ اس کا اہل ہو تو اس پر پڑتی ہے، ورنہ اپنے کہنے والے کی طرف لوٹتی ہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** لعنت کا مطلب ہے رحمت خداوندی سے دور ہونے کی بددعاء دینا، یہ آخری درجہ کی بددعاء ہے، جس طرح ڈھیلا اگر سخت چیز پر پھینکا جائے، تو وہ ٹکرا کر واپس آتا ہے اسی طرح لعنت اگر کسی ایسے شخص پر کی جائے، جو لعنت کا

مستحق نہیں، تو وہ لوٹ کر واپس آتی ہے، اور لعنت بھیجنے والا خود ملعون ہو جاتا ہے، اور ڈھیلا اگر کسی نرم چیز پر مارا جائے تو وہ اس میں گھس جاتا ہے، اسی طرح لعنت اگر مستحق پر بھیجی جائے تو وہ اس پر اثر انداز ہوتی ہے اور وہ ملعون ہو جاتا ہے، اس لئے جس شخص کا بالیقین دشمنِ خدا ہونا معلوم ہو جیسے شیطان، قارون وغیرہ اُن پر لعنت بھیجنا جائز ہے، اور جس کا بالیقین کافر ہونا معلوم نہ ہو اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اگر وہ مستحق نہ ہوا تو لعنت لوٹ کر لعنت بھیجنے والے پر واپس آئے گی اور وہ خود ملعون ہو جائے گا۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** اس حدیث کے ذریعہ لعنت کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ جس چیز کو لوگ بہت معمولی سمجھتے ہیں، اور ہر کس و ناکس پر لعنت کرتے رہتے ہیں، انجام کار خود ہی اس لعنت کا شکار ہو جاتے ہیں، چنانچہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت ابتداء ہی سے اس پر متوجہ نہیں ہوتی اور یہ چاہتی ہے کہ ادھر ادھر سے ہو کر باہر نکل جائے، مگر جب کسی طرف کو راستہ نہیں پاتی تو آخر کار اس پر متوجہ ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ اس لعنت کا سزاوار ہو اور اگر حقیقت کے اعتبار سے وہ اس لعنت کا سزاوار نہیں ہوتا تو پھر انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ لعنت لوٹ کر اس شخص پر واقع ہو جاتی ہے جس نے وہ لعنت کی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ جب تک یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں شخص لعنت کا واقعی مستوجب ہے، اس پر لعنت نہ کی جائے اور ظاہر ہے کہ کسی شخص کا قابلِ لعنت ہونا شارع کی طرف سے بتائے بغیر متعین نہیں ہو سکتا۔ (مظاہر حق)

### حدیث نمبر ۱۶۹۱ ﴿ہوا پر لعنت کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٥١

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَجُلًا نَازَعَتْهُ الرِّيْحُ رِدَائَهُ فَلَعَنَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَلْعَنْهَا فَاِنَّهَا مَامُوْرَةٌ وَاِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِاَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ترمذی، ص ۵۱ ج ۲، باب ما جاء فی اللعنة، کتاب البر، حدیث ۱۹۷۸، ابوداود، ص ۶۷۲ ج ۲، باب فی اللعن، کتاب الادب، حدیث ٤٩٠٨

**حل لغات:** نازعتی نَازَعَ الشیئُ غیرہٗ ایک شی کا دوسرے سے ملنا، فلانًا الشیئَ کسی کے پاس سے کوئی چیز کھینچنا۔

**ترجمه:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہوا نے ایک آدمی کی چادر اُڑا دی تو اس نے ہوا پر لعنت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر لعنت نہ کرو، کیوں کہ یہ تو حکم کی پابند ہے، اور جو کسی چیز پر لعنت کرے اور وہ چیز لعنت کی مستحق نہ ہو تو لعنت اسی (کہنے والے) پر لوٹتی ہے۔ (ترمذی، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہوا بذاتِ خود کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور نہ کسی طرح کا تصرف کرنے کے قابل ہے، وہ تو چلنے پر من جانب اللہ مامور کی گئی ہے، لہٰذا اگر اس کی وجہ سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کو ہوا سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے، اس کو برا بھلا کہنا یہ نہایت ناموزوں بات ہے، بلکہ تقاضائے عبودیت کے منافی بھی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فانها مامورة ہوا حکم الٰہی سے چل رہی ہے، از خود نہیں چل رہی ہے، لہٰذا اس پر لعنت کرنا بہت بڑی غلطی ہے، اسی طرح جو بھی حادثے یا رنج و تکلیف پیش آئے اس پر صبر کرنا چاہئے، جزع و فزع اور لعن و طعن مؤمن کا شیوہ نہیں ہے۔ رجعت اللعنة علیہ لعنت کہنے والے پر لوٹتی ہے اس کی وضاحت گذشتہ حدیث میں کر دی گئی ہے۔ دیکھ لیا جائے۔

### حدیث نمبر ۱۶۹۲ ﴿شکوہ شکایت کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٥٢

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِيْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِيْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا

فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيمُ الصَّدْرِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ.

**حواله:** ابو داود، ص ۷۷ ج ۲، باب رفع الحديث، كتاب الادب، حديث ٤٨٦٠

**ترجمه:** حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مجھے میرے کسی صحابی کی شکایت نہ پہنچائے، کیوں کہ میں پسند کرتا ہوں کہ جب میں تمہارے پاس سے جاؤں تو میرا سینہ صاف ہو۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چھوٹوں کو بزرگوں کے پاس دوسروں کی کمیاں اور کوتاہیاں بیان نہ کرنا چاہئے، تاکہ ان کے دل میں میل نہ آئے، آپؐ نے اپنے صحابہ سے بھی منع کر دیا تھا کہ میرے پاس ایک دوسرے کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو نہ بیان کیا کرو۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا يبلغني احد من اصحابي آپؐ نے صحابہ کو ہدایت کی کہ تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کی شکایت مجھ کو نہ پہنچائے، کیوں کہ مجھ کو اپنے بارے میں یہ بات پسند ہے کہ میں تمہارے سامنے مجلس میں اس حال میں ہوں کہ میرا سینہ محفوظ ہو، یعنی اہل مجلس کی طرف سے اور کسی کی طرف سے میرا جی مکدر نہ ہو، ظاہر ہے کہ شکایت پہنچنے کی صورت میں تو آپ کی طبیعت میں اس شخص کی طرف سے تکدر پیدا ہوگا۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر 'باب فی فضل الازواج' ترجمہ قائم کیا ہے اور انھوں نے اس حدیث سے ازواجِ مطہرات کی فضیلت ثابت کی ہے، وہ بظاہر اس طور پر کہ اس حدیث سے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ آپؐ یہ فرما رہے ہیں کہ جس طرح میں گھر کے اندر کی مجلس سے باہر کی مجلس میں سلیم الصدر آتا ہوں تو اسی طرح باہر کی مجلس کے اعتبار سے بھی میں سلیم الصدر جانا چاہتا ہوں، لہٰذا تم میں سے کوئی کسی کی شکایت مجھ تک نہ پہنچائے، معلوم ہوا کہ ازواجِ مطہرات میں سے کوئی دسری کی شکایت آپؐ سے نہیں کرتی تھیں۔ کیوں کہ آپؐ نے اپنی سلامتی صدر کو باہر کی مجلس والوں کی عدم شکایت پر موقوف رکھا، معلوم ہوا کہ گھر کی مجلس سے آپ مطمئن تھے، وہاں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی تھی جو موجب تکدر ہو۔ (الدرالمنضود)

### حديث نمبر ١٦٩٣ ﴿يه بهى غيبت هے﴾ عالمى حديث نمبر ٤٨٥٣

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَكَذَا تَعْنِي قَصِيرَةً فَقَالَ لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ.

**حواله:** مسند احمد، ص ۱۸۹ ج ٦، ابوداود، ص ٦٦٨-٦٦٩ ج ٢، باب في الغيبة، كتاب الادب، حديث ٤٨٧٥، ترمذى، ص ٧٧ ج ٢، باب كتاب صفة القيامة، حديث ٢٥٠٢

**حل لغات:** مزج مَزَجَ (ن) مَزْجًا، اَلشَّرَابُ، وَنَحْوَهُ، مشروب وغیرہ میں کوئی چیز ملانا، آمیزش کرنا۔

**ترجمه:** حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کو صفیہ کا اتنا بڑا یعنی پستہ قد ہونا کافی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے دریا میں گھولا جائے تو اس کو رنگین کر دے۔ (احمد، ترمذی، ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** حضرت صفیہؓ بنت حیی بھی آنحضرتؐ کی ایک زوجۂ مطہرہ تھیں، اُن کا قد کچھ چھوٹا تھا، چنانچہ ایک دن حضرت عائشہؓ نے چاہا کہ آنحضرتؐ کے سامنے حضرت صفیہؓ کے اس عیب کا ذکر کریں اور اس طرح انھوں نے مذکورہ الفاظ اپنی زبان سے ادا کئے ظاہر ہے کہ غیبت تھی، جس میں حضرت عائشہؓ مبتلا ہوئیں، اس لئے حضورؐ نے ان کی اس بات پر ناگواری کا اظہار کیا اور مذکورہ ارشادِ گرامی کے ذریعہ گویا اُن پر یہ واضح کیا کہ تم نے جو بات کہی ہے وہ کوئی معمولی درجہ کی نہیں ہے، بلکہ اپنے نتیجے کے اعتبار سے اِس قدر ہیبت ناک ہے کہ اگر بالفرض اس کو کسی دریا میں ملا دیا جائے تو دریا اس کے سامنے ہیچ ہو جائے اور یہ چند الفاظ اُس دریا کی

وسعت وعظمت کے باوجود اس پر غالب آجائیں اور اس کو متغیر کردیں اور جب ان الفاظ کے مقابلہ پر دریا کا یہ حال ہے تو سوچو کہ تمہارے اعمال کا کیا حشر ہوسکتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے اس درجہ کے عیب کو بھی بقصد حقارت بیان کرنا کہ فلاں شخص کوتاہ قد ہے غیبت ہے۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** حسبك من صفية كذا جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا لفظ کذا و کذا کے ذریعہ حضرت صفیہؓ کے بعض عیوب یعنی اُن کے قد کی کوتاہی کو کنایۃً بیان کرنا مقصود تھا، جب کہ ایک شارح نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے ان الفاظ کذا و کذا کے ذریعہ دراصل اپنی بالشت کی طرف اشارہ کیا کہ حضرت صفیہؓ تو گویا بالشت بھر کی ہیں، نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ لفظ کذا و کذا کو مکرر لانا گویا یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا مقصد حضرت صفیہؓ کے اس عیب کو زبان اور اشارہ دونوں ذریعوں سے بیان کرنا تھا چنانچہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے پہلے تو اپنی زبان سے کہا ہوگا کہ صفیہ ٹھگنی ہے اور پھر اپنی بالشت کی طرف اشارہ کرکے اپنی بات کو مؤکد کردیا کہ بہت ہی ٹھگنی ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے اس طرح کی بات کہی ہے۔ (مرقات، مظاہر حق) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ نقل اتارنا مثلاً کسی کا لنگڑا پن ظاہر کرنے کے لئے لنگڑا کر چلے، یا سر جھکا کر کسی کی نقل اتارے تو یہ بھی غیبت میں داخل ہے۔

### حدیث نمبر ۱۶۹۴ ﴿بدگوئی عیب دار کردیتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٥٤

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ الْفُحْشُ فِيْ شَيْئٍ اِلَّا شَانَهٗ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِيْ شَيْئٍ اِلَّا زَانَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حواله:** ترمذی، ص ۱۸ ج۲، باب ما جاء فی الفحش، کتاب البر، حدیث ۱۹۷۴

**ترجمه:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدگوئی اور سخت کلامی جس چیز میں ہو اس کو عیب دار بنادیتی ہے اور جس میں حیاء ہوتی ہے تو اس کو زینت بخشتی ہے۔ (ترمذی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ فحش گوئی، بدکلامی اور گالی گلوچ معاشرہ کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہے اور خوش کلامی، شرم وحیا اور لحاظ ومروت معاشرہ کے لئے خوبی کی بات ہے۔ پھر بعض لوگ تو بدکلامی اور گالی گلوچ کے عادی ہوتے ہیں اور بعض بتکلف بھونڈے الفاظ بولتے ہیں، یہ چیزیں طریقۂ نبوی کے خلاف ہیں، حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ آپ فطری طور پر نہ بدگو تھے اور نہ بتکلف بدگوئی کرتے تھے، کیوں کہ یہ بداخلاقی ہے، آپ کا ارشاد ہے 'خیارکم احاسنکم اخلاقا' تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہیں، پس لوگوں کو چاہئے کہ خوش کلامی اختیار کریں، لحاظ ومروت سے کام لیں اور بدکلامی اور گالی گلوچ سے دور رہیں اور لوگوں سے بھونڈے انداز پر خطاب نہ کریں، اس سے معاشرہ کی قدر گھٹتی ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** ما کان الفحش فی شئی الا شانه 'فحش' کے اصل معنی ہیں کوئی بات کہنے یا کسی بات کا جواب دینے میں حد سے بڑھ جانا، زیادہ تر اس کا استعمال اس کلام کے لئے ہوتا ہے جس میں جماع یا جماع سے متعلق باتوں کا کھلم کھلا ذکر ہو، اسی طرح فحش کا لفظ ہر سخت گناہ ہر ایک بری اور قبیح خصلت اور زنا کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، بعض نے کہا کہ یہاں فحش سے سخت گوئی مراد ہے علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی میں فحش یعنی بدگوئی اور سخت کلامی اور اس کے مقابلہ پر حیاء و نرم گوئی کی تاثیر وشان کو مبالغہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ اگر بالفرض فحش یا حیاء کسی پتھر لکڑی میں پیدا ہوجائے تو اس کو بھی عیب دار یا با زینت بنادے، تو انسان کا کیا کہنا اگر اس میں بدگوئی اور سخت کلامی پیدا ہوجائے تو وہ سخت عیب دار ہوجائے گا، اور حیاء و نرم گوئی اس کے وقار وعظمت میں چار چاند لگادے گی۔ (عون الترمذی)

### حدیث نمبر ۱۶۹۵ ﴿عار دلانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۵۵

وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ يَعْنِيْ مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ خَالِدًا لَمْ يُدْرِكْ مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۷۷ ج۲، باب، کتاب صفۃ القیامۃ، حدیث ۲۵۰۵

**حل لغات:** عیر عَیَّرَہٗ (تفعیل) کسی کو برے فعل سے شرم دلانا، طعنہ دینا۔

**ترجمہ:** حضرت خالد بن معدان نے حضرت معاذؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے عار دلائے گا وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ اس گناہ کو کر نہ لے گا جب کہ اس نے گناہ سے توبہ کرلی ہو۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے کیوں کہ اس کی اسناد متصل نہیں ہے۔ خالد بن معدان نے حضرت معاذؓ کو نہیں پایا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل ہے کہ اگر کسی انسان سے بتقاضائے بشریت گناہ ہوگیا اور اس نے نادم ہو کر توبہ کرلی، تو اب گناہ نہیں رہا، اس کے باوجود اگر کوئی اس کا مذاق اُڑاتا ہے اور گناہ کو یاد دلا کر اس کو ذلیل و رسوا کرنا چاہتا ہے تو یہ شخص اس گناہ میں مبتلا کر کے رسوا کر دیا جائے گا، لہٰذا کسی کے گناہ پر اس کو عار نہیں دلانا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من عیر اخاہ گناہ پر عار دلانے والا اسی گناہ میں مبتلا کیا جائے گا، یہاں ایک سوال ہے کہ 'ذنب' کے معنی جرم، گناہ اور غلطی ہیں، لہٰذا کسی کو گناہ پر عار دلانے کا نتیجہ یہ کیسے نکلا کہ اللہ نے اس عار دلانے والے کو اس گناہ میں مبتلا کیا؟ نہی عن المنکر تو ضروری ہے۔ اس کا دو طرح سے جواب دیا گیا ہے: (۱) عار دلانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی برے فعل سے شرم دلانا، طعنہ اور عیب لگانا، اور نہی عن المنکر میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا، اس میں خیر خواہی کے جذبہ سے برائی پر نصیحت کی جاتی ہے (۲) دوسرا جواب امام ترمذیؒ کے استاد احمد بن منیع نے دیا ہے کہ حدیث میں وہ گناہ مراد ہے جس سے گنہ گار نے توبہ کرلی ہے، پھر بھی کوئی اس گناہ پر اس کو عار دلائے تو یہ جائز نہیں، کیوں کہ گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

لیس اسنادہ بمتصل حضرت خالد کا حضرت معاذؓ سے لقاء اور سماع نہیں ہے، اس لئے یہ حدیث منقطع ہے، اگرچہ حضرت خالد کی سَتر صحابہؓ سے ملاقات ہوئی ہے، مگر حضرت معاذؓ کا انتقال بہت پہلے حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ہوگیا تھا، اس لئے خالد کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی، مگر چوں کہ حضرت معاذؓ سے بالواسطہ روایت کرنے والے سارے ہی روات ثقہ ہیں، اس لئے امام ترمذیؒ نے اس روایت کی تحسین کی ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

### حدیث نمبر ۱۶۹۶ ☆☆☆ عالمی حدیث نمبر ۴۸۵۶

## ﴿کسی کو مصیبت میں دیکھ کر خوشی کا اظہار کرنے کی ممانعت﴾

وَعَنْ وَاثِلَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِاَخِيْكَ فَيَرْحَمَهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۷۷ ج۲، باب، کتاب صفۃ القیامۃ، حدیث ۲۵۰۶

**حل لغات:** الشماتۃ شَمِتَ (س) شَمَاتَةً، بہ، کسی کی مصیبت پر خوش ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت واثلہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر خوشی کا اظہار

مت کرو، ایسا نہ ہو کہ اللہ اس پر رحم فرمائے اور تم کو اس میں مبتلا کردے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اگر کسی شخص سے دنیوی کسی معاملہ کی بنیاد پر ناراضگی ہے، اور اتفاقاً وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوگیا، تو اب اس کی مصیبت پر خوش نہ ہونا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ عداوت کی یہ خوشی اللہ کو ناراض کردے اور اللہ اس کو مصیبت سے نکال کر تم کو اس میں گرفتار کردے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** حدیث حسن غریب یہ حدیث حضرت واثلہ سے حضرت مکحول نے روایت کی ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے حضرت مکحول کا حضرت واثلہ سے سماع نہیں ہے، مگر امام ترمذی فرماتے ہیں کہ مکحول کا تین صحابہ سے سماع ہے۔ (۱) حضرت واثلہؓ سے۔ (۲) حضرت انس بن مالکؓ سے (۳) حضرت ابو ہند داریؓ سے۔ غرض سند میں انقطاع نہیں ہے، امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین کی ہے۔

**حدیث نمبر ۱٦۹۷ ﴿کسی کی نقل اتارنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٥٧**

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا اُحِبُّ اِنِّي حَكَيْتُ اَحَدًا وَّاَنَّ لِي كَذَا وَكَذَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

**حوالہ:** ترمذی، ص ۷۷ ج ۲، باب، کتاب صفة القیامة، حدیث ۲۵۰۳

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں کسی کی نقل اتاروں، اگرچہ مجھے اتنا اور اتنا ملے۔ (ترمذی) ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی کی نقل اتارنا جائز نہیں ہے، امام نوویؒ نے اس کو غیبت میں شمار کیا ہے، پھر جس کی نقل اتاری جاتی ہے، اس کو تکلیف بھی پہنچتی ہے، کیوں کہ عموماً بری بات کی نقل اتاری جاتی ہے، اور ایذاء مسلم تو بہرحال حرام ہے ہی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ما احبّ انی حکیت احدا مجھے کسی کی نقل اتارنا پسند نہیں ہے، ابوداود کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ قالت وحکیت انسانا حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے آپؐ کے سامنے ایک انسان کی کسی بات یا صفت میں نقل اتاری، اس وقت آپؐ نے فرمایا کہ مجھے کسی کی نقل اتارنا پسند نہیں ہے، گویا آپؐ نے اس عمل پر تنبیہ فرمائی۔ نقل قولی بھی حرام ہے، مثلاً کسی کی زبان و آواز کی نقل کی جائے اور نقل فعلی بھی حرام ہے، مثلاً کسی لنگڑے کی نقل لنگڑا کر چل کر اتاری جائے۔ وان لی کذا و کذا اس میں کنایہ ہے، مراد یہ ہے کہ دنیا کے زیادہ سے زیادہ سامان کے عوض بھی اس حرام عمل کو نہیں کروں گا۔

**حدیث نمبر ۱٦۹۸ ﴿رحمت خداوندی کو محدود کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٥٨**

وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اَنَاخَ رَاحِلَتَهُ ثُمَّ عَقَلَهَا ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَتٰى رَاحِلَتَهُ فَاَطْلَقَهَا ثُمَّ رَكِبَ ثُمَّ نَادَى اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَمُحَمَّدًا وَّلَا تُشْرِكْ فِيْ رَحْمَتِنَا اَحَدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَقُوْلُوْنَ هُوَ اَضَلُّ اَمْ بَعِيْرُهُ اَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلٰى مَا قَالَ قَالُوْا بَلٰى رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا فِيْ بَابِ الْاِعْتِصَامِ فِي الْفَصْلِ الْاَوَّلِ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ٦٧٠ ج ۲، باب من لیس له غیبة، کتاب الادب، حدیث ٤٨٨٥

**حل لغات:** اناخ (افعال) الجملَ، اونٹ کو بٹھانا، بالمکان، قیام کرنا پڑاؤ ڈالنا، عَقَلَ (ض) عقلًا البعیر، اونٹ کی کلائی ران سے ملا کر باندھنا (تاکہ وہ بیٹھا رہے اٹھ نہ سکے)

**ترجمہ:** حضرت جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا، اس نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اس کا گھٹنا باندھا، پھر مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، جب سلام پھیرا تو اپنی سواری کے پاس آیا، اسے کھولا، پھر سوار ہو گیا اور پکارا، اے اللہ! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ کیا کہتے ہو یہ زیادہ بے خبر ہے یا اس کا اونٹ؟ کیا تم لوگوں نے سنا جو اس نے کہا تھا، لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ (ابوداود) اور ابو ہریرہؓ کی حدیث "کفی بالمرء کذبا" (آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے کافی ہے) "باب الاعتصام" کے فصل اول میں ذکر کی جا چکی ہے۔

**خلاصۂ حدیث:** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رحمتِ خداوندی کو مخصوص اور محدود نہ کرنا چاہئے، اعرابی نے رحمتِ خداوندی کو محدود کیا تو آپؐ نے ناگواری کا اظہار فرمایا، اسی طرح دعا میں بھی عمومیت رکھنا چاہئے، اپنی دعا میں تمام ایمان والوں کو شامل کرنا چاہئے۔

**کلماتِ حدیث کی تشریح:** هو اضل ام بعیره آپؐ نے اعرابی کی نادانی کا تذکرہ کیا، یہ چیز غیبت نہیں کہلائے گی، کیوں کہ آپؐ کا مقصد اظہارِ حق تھا، اظہارِ عیب نہیں تھا، لوگ صحیح بات جان لیں اور صحیح طریقہ پر چلیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی غلط عمل کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جائیں، اس جذبہ سے یہ غیبت کے حکم میں نہیں ہے تفصیل کے لئے دیکھیں عالمی حدیث ۴۸۲۸

## الفصل الثالث

### حدیث ١٦٩٩ ﴿فاسق کی تعریف کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ٤٨٥٩

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ تَعَالٰى وَاهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ۲۳۰ ج ٤، باب فی حفظ اللسان، حدیث ٤٨٨٦

**حل لغات:** اهتز (افتعال) الشئ، ہلنا، کانپنا، جھٹکا لگنا۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو رب تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اس کا عرش بھی ہلنے لگتا ہے۔ (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث:** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ فاسق کی تعریف کرنے سے بچا جائے اور اس سے بچنے کے لئے اس کی صحبت سے بچا جائے، تا کہ گناہ کا وبال ذمہ میں نہ آئے۔

**کلماتِ حدیث کی تشریح:** واهتزت له العرش عرش کا کانپ اٹھنا یا تو اپنے ظاہری مفہوم پر محمول ہے کہ جب کسی فاسق و فاجر کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے تو عرش الٰہی واقعتاً کانپنے لگتا ہے اور یا ان الفاظ کے ذریعہ اس بات کو بطور کنایہ بیان کرنا مقصود ہے کہ فاسق کی تعریف اور توصیف ایک بہت ہی ہیبت ناک بات اور انتہائی سنگین برائی ہے اور اس ہیبت ناکی کی وجہ بالکل ظاہر ہے، کیوں کہ جب کوئی شخص کسی فاسق کی تعریف میں رطب اللسان ہوتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے، تعریف کرنے والا گویا ان امور و افعال سے راضی اور خوش ہے، جو اس فاسق کی زندگی میں پائے جاتے ہیں بلکہ عجب نہیں کہ تعریف کرنے والا کفر کی حد میں داخل ہو جائے، کیوں کہ فاسق کی تعریف اس کو اس مقام تک لے جا سکتی ہے جہاں وہ حرام کو حلال جاننے لگے، اس سے معلوم ہوا کہ بے عمل اور دنیا دار علماء گمراہ شعراء اور ریاکار و پیشہ ور قراء کی مدح و تعریف کرنا بھی اس حکم میں داخل

ہے، نیز اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جب فاسق کی مدح وتعریف کرنے کا یہ حال ہے تو ظالم اور کافر کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہونا کس درجہ ہیبت ناک برائی ہوگی، لہٰذا اس بات میں احتیاط لازم ہے اور اس بلاءِ عظیم سے بچنا اشد ضروری ہے، نیز اس سے بچنا اسی صورت میں ممکن ہے، جب کہ ان لوگوں کی صحبت وہم نشینی سے اجتناب کیا جائے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۷۰۰ ﴿جھوٹ اور خیانت مومن کی شان نہیں ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٨٦٠، ٤٨٦١

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَی الْخِلَالِ کُلِّھَا اِلَّا الْخِیَانَۃَ وَالْکَذِبَ رَوَاہُ اَحْمَدُ. وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ .

**حوالہ:** احمد، ص ۲۵۲ ج ٥، بیھقی فی شعب الایمان، ص ۲۰۷ ج ٤، باب فی حفظ اللسان، حدیث ٤٨٠٩

**حل لغات:** یطبع طَبَعَ (ف) طَبعًا، اَللّٰہُ الْخَلقَ، اللہ کا مخلوق کو خاص شکل پر پیدا کرنا، الخلالُ، (ج) واحد اَلْخَلَّۃُ، عادت، خصلت۔

**ترجمہ:** حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن ہر قسم کی خصلتوں میں پیدا کیا جاتا ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے، (احمد) بیہقی نے اس کو شعب الایمان میں حضرت سعد بن وقاصؓ سے روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** جھوٹ اور خیانت دو بہت بڑے گناہ اور عیوب ہیں، مومن کی شان نہیں کہ اس کے اندر یہ عیوب ہوں، جھوٹ کے حوالے سے ماقبل میں وضاحت ہو چکی ہے، جہاں تک خیانت کا تعلق ہے تو جن اسباب سے معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، ان میں خیانت اور دھوکہ دہی کا بھی اہم کردار ہے، خائن اور دھوکے باز سے لوگوں کا دل میلا ہو جاتا ہے اور ان کو ایسی اذیت پہنچتی ہے کہ اس کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا، چنانچہ حدیثوں میں ان باتوں پر سخت وعید آئی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ "لا ایمان لمن لا امانۃ لہ" جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں اور امانت کی ضد خیانت ہے، تو خیانت کرنے والا بے ایمان ہے اور حدیث میں ہے کہ "من غشنا فلیس منا" جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے، یعنی ملت اسلامیہ سے اس کا تعلق نہیں۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** یطبع المؤمن علی الخلال اس ارشاد گرامی کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ مومن میں یہ دو خصلتیں نہیں ہو سکتیں، بلکہ اس کے اجزاء ترکیبی میں صدق وامانت کے اوصاف ہوتے ہیں، جو تصدیق وایمان کا تقاضا کرتے ہیں، یا اس ارشاد گرامی کی مراد مومن کی ذات میں ان دونوں خصلتوں کی نفی کرنا ہے، یعنی یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مومن جو ایمان کے بار امانت کا حامل ہے، ان دو خصلتوں میں مبتلا نہیں ہو سکتا اور زیادہ واضح بات یہ ہے کہ آپؐ نے اس ارشاد کے ذریعہ دراصل ان دو خصلتوں کو اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کو یہ نہ چاہیے کہ ان دو خصلتوں یعنی خیانت اور جھوٹ کو اپنے اندر راہ پانے دے، کیوں کہ یہ دونوں برائیاں درحقیقت ایمان واسلام کی ضد ہیں۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۷۰۱ ﴿مومن جھوٹا نہیں ہو سکتا﴾ عالمی حدیث: ٤٨٦٢

وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَیْمٍ اَنَّہٗ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ فَقِیْلَ لَہٗ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِیْلًا قَالَ نَعَمْ فَقِیْلَ لَہٗ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ کَذَّابًا قَالَ لَا رَوَاہُ مَالِکٌ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ مُرْسَلًا.

**حوالہ:** مؤطا امام مالک ص۳۸۸ باب ما جاء فی الصدق والکذب، کتاب الکلام، حدیث ۱۹ بیھقی فی شعب الایمان ص ۲۰۷ ج ٤

**حل لغات:** جبانا، بزدل، جَبُنَ (ک) جبنًا بزدل ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت صفوان بن سلیمؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے، آپ نے فرمایا کہ ہاں، عرض کیا گیا کہ کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ فرمایا ہاں، عرض کیا گیا کہ کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ فرمایا کہ نہیں، اس کو مالک اور بیہقی نے شعب الایمان میں مرسلاً روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مومن کسی موقع پر بزدلی دکھا سکتا ہے، اور کسی صورت میں بخیل بھی ہوسکتا ہے؟ لیکن وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا، کیوں کہ ایمان کی صداقت وحقانیت کذب کے منافی ہے، جو اپنی اصل اور نفس الامر کے اعتبار سے باطل اور ناحق ہے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث بھی گذشتہ حدیث کی تشریح میں ذکر کردہ تاویلات پر محمول ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کذابا مبالغہ کے صیغے کے ساتھ ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر بتقاضائے بشریت کسی موقع پر مومن سے جھوٹ سرزد ہوجائے جیسا کہ بعض صورتوں میں، مثلاً دنیا کی کسی ناجائز غرض سے نہیں بلکہ مصالح اور حکمت عملی کے پیش نظر جھوٹ بولنا ضروری بھی ہوجاتا ہے، تو ایسی صورت مستثنیٰ ہے، اس کو ایمان کے منافی نہیں کہا جاسکتا۔ (حوالہ بالا)

### حدیث ۱۷۰۲ ﴿شیطان کا فتنہ﴾ عالمی حدیث: ٤٨٦٣

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِي صُوْرَةِ الرَّجُلِ فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيْثِ مِنَ الْكِذْبِ فَيَتَفَرَّقُوْنَ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلًا اَعْرِفُ وَجْهَهٗ وَلَا اَدْرِيْ مَا اِسْمُهٗ يُحَدِّثُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم ص ۱۰ ج ۱، المقدمہ.

**حل لغات:** یتمثل، (تفعل) کسی کی صورت اختیار کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کی صورت اختیار کرتا ہے، پھر وہ لوگوں کے پاس آتا ہے، اور ان کو جھوٹی حدیثیں سناتا ہے، پھر جب لوگ منتشر ہوتے ہیں تو ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے، جس کی صورت سے میں آشنا ہوں، مگر نام نہیں جانتا۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شیاطین جھوٹی حدیثیں پھیلانے میں بڑا حصہ لیتے ہیں، لہٰذا تحقیق کے بعد ہی حدیث قبول کی جائے، صحابہ کرامؓ نے اپنے آخری دور میں جب حدیثوں کے معاملہ میں لوگوں نے بے احتیاطی شروع کی تو حدیثیں قبول کرنے میں احتیاط شروع کی، تاکہ بعد کے لوگوں کے لئے سنت بنے۔ (فیض المنعم)

**کلمات حدیث کی تشریح** فیحدثهم بالحدیث من الکذب کسی بھی شخص پر کذب بیانی بہت بڑا گناہ ہے، اور اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب بیانی تو نہایت مہلک گناہ ہے، کیوں کہ اس کا اثر دین پر پڑتا ہے، اللہ تعالی پر کذب بیانی اس طرح ہوتی ہے کہ جو بات دین کی نہیں اس کو دین کی بات بتایا جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب بیانی اس طرح ہوتی ہے کہ جو بات آپؐ نے نہیں فرمائی اس کی نسبت آپ کی طرف کی جائے، ایسا کرنے والے انسانی شیطان بھی ہوسکتے ہیں اور جناتی شیطان بھی ہوسکتے ہیں۔ یہ حدیث اگرچہ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے، لیکن حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، کیوں کہ ابن مسعود نے آپؐ سے سن کر ہی ایسا فرمایا ہوگا۔

### حدیث ۱۷۰۳ ﴿خاموشی بہتر ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٨٦٤

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ قَالَ اَتَيْتُ اَبَا ذَرٍّ فَوَجَدْتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ مُحْتَبِيًا بِكِسَاءٍ اَسْوَدَ وَحْدَهٗ فَقُلْتُ يَا اَبَا ذَرٍّ مَا

هٰذِهِ الْوَحْدَةُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ وَاِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ۲۵۶-۲۵۷ ج٤، باب فی حفظ اللسان، حدیث ۴۹۹۳

**حل لغات:** محتبیا، (افتعال) حبوا باندھنا، سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے ان کے گرد سہارا لینے کے لئے دونوں ہاتھ باندھ لینا یا کمر اور گھٹنوں کے گرد کپڑا باندھنا، (عرب لوگ اکثر اس طرح بیٹھا کرتے تھے)

**ترجمہ:** حضرت عمران بن حطمانؒ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوذرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھیں ایک سیاہ کمبل لپیٹے ہوئے مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے پایا، میں نے عرض کیا کہ اے ابوذر! یہ تنہائی کیسی؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ برے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے، اچھا ساتھی تنہائی سے بہتر ہے، اچھی بات کہنا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموش رہنا بری بات کہنے سے بہتر ہے۔ (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اچھا رفیق بڑی نعمت ہے، لہٰذا کسی نیک آدمی کی رفاقت میسر آئے تو اس کی صحبت میں رہنا چاہئے اور اگر نیک آدمی کی رفاقت نہ ملے تو برے ساتھی کو اپنانے کے بجائے تنہائی اور گوشہ نشینی میں ہی عافیت ہے، اسی طرح بات کی جائے تو اچھی اور نفع بخش کی جائے ورنہ خاموشی ہی بہتر ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الجلیس الصالح حضرت ابوذرؓ کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت چوں کہ وہ خاص رفقاء اور ہم نشین یہاں موجود نہیں ہیں، جن کی نیکیوں، سلامتیٔ طبع اور پاکیزہ صحبت کا جویا ہونا چاہئے، اور جن پر مجھے اعتماد و بھروسہ ہو سکتا ہے، اس لئے میں نے یہی بہتر سمجھا ہے کہ یہاں چپ چاپ اور تنہا بیٹھا رہوں، ہاں جب ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ بیٹھتا ہی ہوں۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۷۰٤ ﴿خاموشی عبادت ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٨٦٥

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَقَامُ الرَّجُلِ بِالصَّمْتِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ۲٤٥ باب فی حفظ اللسان، حدیث ۴۹۵۳

**ترجمہ:** حضرت عمران ابن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چپ رہنے کی وجہ سے آدمی کو جو مقام حاصل ہوتا ہے، وہ ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔" (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خاموش رہ کر اللہ تعالی کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا اور شکر ادا کرنا بہت بڑی عبادت ہے، جب کہ زبان کی بے احتیاطی اور لغویات یعنی زبان کے استعمال سے نیکیاں ضائع ہوتی ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** "مقام الرجل" لفظ مقام میم کے زبر کے ساتھ ہے، اور میم کے پیش کے ساتھ بھی منقول ہے، مطلب یہ ہے کہ آدمی کا بری باتوں سے خاموشی اختیار کرنا اور خاموشی پر مداومت کے ساتھ عمل پیرا اور ثابت قدم رہنا، اس شخص کی ساٹھ سال کی عبادت سے بھی بہتر و افضل ہے جو کثرت کلام اور زبان کی بے احتیاطی میں مبتلا ہو اور اس کی وہ عبادت استقامت دین کی روح سے خالی ہو، طیبیؒ نے مقام کے معنی اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ لکھے ہیں اور افضل ہونے کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ عبادات میں بہت سی آفات بھی پیش آتی ہیں اور جو شخص خاموشی اختیار کر لیتا ہے، وہ ان آفات سے محفوظ و سلامت

رہتا ہے، جیسا کہ آپ کا فرمان ہے کہ "من صمت نجا" جو چپ رہا اس نے نجات پائی۔

**حدیث ۱۷۰۵ ﴿حضرت ابوذرؓ کو آپ کی نصائح﴾ عالمی حدیث: ٤٨٦٦**

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِہٖ اِلٰی اَنْ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْصِنِیْ قَالَ اُوْصِیْكَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِكَ کُلِّہٖ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ عَلَیْكَ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَذِکْرِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ فَاِنَّہٗ ذِکْرٌ لَكَ فِی السَّمَاءِ وَنُوْرٌ لَكَ فِی الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ عَلَیْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّہٗ مَطْرَدَۃٌ لِلشَّیْطَانِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلٰی اَمْرِ دِیْنِكَ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ اِیَّاكَ وَکَثْرَۃَ الضِّحْكِ فَاِنَّہٗ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَیَذْھَبُ بِنُوْرِ الْوَجْہِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لَا تَخَفْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لِیَحْجُزْكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ۔

**حوالہ:** بیھقی فی شعب الایمان، ص ۲۴۲ ج ٤، باب فی حفظ اللسان حدیث ٤٩٤١

**حل لغات:** مطردۃ (ج) مَطَارِدُ، بھگانے کا ذریعہ، طَرَدَ (ن) طَرْدًا دھتکارنا، دور کرنا، لیحجزك چاہئے کہ وہ تم کو روکے، امر غائب، حَجَزَ (ض) حَجْزًا فلانًا عن الامر کسی کام سے روکنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، پھر لمبی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت فرمائیے، فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کا تقوی اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں، کیوں کہ یہ تمہارے کاموں کو زینت دے گا، میں نے عرض کیا کہ اور زیادہ، آپؐ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ تعالی کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کرلو، تو آسمانوں میں تمہارا چرچا اور زمین میں تمہارے لئے نور ہوگا، عرض کیا کہ اور زیادہ، آپؐ نے فرمایا کہ لمبی خاموشی کو اپنے اوپر لازم کرلو، کیوں کہ یہ شیطان کو بھگانے والی اور دینی کاموں میں تمہاری مددگار ہوگی، کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اور زیادہ، آپؐ نے فرمایا کہ زیادہ ہنسنے سے بچنا، کیوں کہ یہ دل کو مردہ کرتا ہے اور چہرے کے نور کو دور کر دیتا ہے میں نے عرض کیا کہ اور زیادہ، آپؐ نے فرمایا کہ حق بات کہنا اگر چہ وہ کڑوی ہو، میں نے عرض کیا کہ اور زیادہ، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا، عرض کیا کہ اور زیادہ، آپؐ نے فرمایا کہ وہ برائی تمہیں لوگوں سے روکے، جس کے بارے میں تم جانتے ہو کہ وہ تمہارے اندر موجود ہے۔ (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث:** اس حدیث میں آپ کی ان نصیحتوں میں سے چند مذکور ہیں، جو آپؐ نے حضرت ابوذرؓ کو فرمائی تھیں، آج بھی ان پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کی جاسکتی ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح:** "علیك بتلاوۃ القرآن وذکر اللہ" جب تم تلاوت قرآن اور ذکر اللہ میں مشغولیت اختیار کرو گے، تو اس کے سبب آسمانوں میں ملائکہ تمہارا ذکر خیر کریں گے، بلکہ حق تعالی بھی تمہیں یاد کریں گے، اور اس دنیا میں تمہارے لئے معرفت و یقین اور راہِ ہدایت کا نور ظاہر ہوگا، یہاں تلاوت قرآن کے بعد پھر ذکر اللہ کا ذکر کرنا تعمیم بعد از تخصیص کے طور پر ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ ذکر الٰہی سے مراد وہ مخصوص ذکر ہے، جس میں کلمۂ توحید یعنی "لاالہ الااللہ" کا ورد کیا جاتا ہے اور جس کے بارے میں ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے "افضل الذکر لاالہ الااللہ" سب ذکروں میں افضل لاالہ الااللہ ہے تو کہا جائے گا کہ مذکورہ جملہ اس اسلوب بیانی کا مظہر ہے کہ جس میں کوئی بات عمومی طور پر ذکر کی جاتی ہے اور پھر کسی ایسے جزء کو خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے، جو تمام اجزاء سے زیادہ شرف و فضیلت رکھتا ہو۔ "بطول الصمت" خاموشی پر مداومت اختیار کرو، اس کی وجہ

سے اللہ کی نعمتوں میں غور کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے گا، علاوہ ازیں خاموشی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تم اپنے کو شیطان کی فتنہ خیزیوں سے محفوظ رکھ سکو گے، جو زبان کے راستے سے عملی زندگی میں سرایت کرتا ہے اور دنیا و آخرت کو زبردست نقصان وخسران میں مبتلا کرتا ہے، دوسرے یہ کہ خاموشی تمہاری دنیوی واخروی بھلائی وسعادت کا ضامن بھی بنے گی، کیوں کہ جب وہ تمہیں زبان کی آفتوں سے محفوظ وسلامت رکھ کر تمہارے دل کو خدا کی طرف متوجہ رکھے گی، تو یہ چیز ذکر خفی کے سبب سے تمہارے حق میں علوم ومعارف اور نورانیت قلب کے حصول کا موجب ہوگی۔ "ایاك و كثرة الضحك" بہت زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو، کیونکہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ کر دیتا ہے، اور چہرے کی نورانیت کھو دیتا ہے، یعنی بہت زیادہ ہنسنے ہنسانے کی وجہ سے چوں کہ قلب پر غفلت و بے حسی کی تاریکی چھا جاتی ہے اور علم ومعرفت کا وہ نور بجھ جاتا ہے، جس پر دل کی حیات کا دارومدار ہے، اس لئے بہت زیادہ ہنسنے والے کا دل گویا مردہ ہو جاتا ہے، نیز جب دل غافل ہو جاتا ہے اور قوائے باطن پر غفلت و بے حسی طاری ہو جاتی ہے، تو طاعت وعبادت میں بھی کمی آجاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ نور رخصت ہو جاتا ہے جو عبادت کی علامت کے طور پر مومن کے چہرے پر ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " سيماهم في وجوههم من اثر السجود" ویسے بھی یہ بات یقینی ہے کہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ اور چہرے کو بے نور بنا دیتی ہے، کیوں کہ بدن کی تر و تازگی اور نورانیت دراصل حسی اور معنوی حیات پر منحصر ہے۔ "لاتخف في الله لومة لائم " کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرو۔ گویا یہ تلقین فرمائی گئی کہ خدا کے دین کو سربلند کرنے کا جو فریضہ تم پر عائد ہوتا ہے، اگر اس کی انجام دہی میں تمہیں دنیا والوں سے پوری طرح منہ موڑنا پڑے تو اس میں بھی کوئی ہچکچاہٹ نہ دکھاؤ اور اس بات کو ضروری سمجھ کر کہ دنیا والوں کی تعریف ومذمت کوئی چیز نہیں حق وصداقت پر ثابت قدم رہو، "ليحجزك عن الناس" اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ خود تمہارے اندر کیا عیوب ہیں اور تمہارا نفس کن برائیوں میں مبتلا ہے تو پھر تمہارے لئے یہ قطعاً مناسب نہیں ہوگا کہ تم دوسروں کے عیوب پر نظر رکھو اور دوسروں کی برائیوں پر انگلی اٹھاؤ۔ "امر بالمعروف والنهي عن المنكر" کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے نقطہ نظر سے تو بے شک کسی کو اس کی برائی پر ٹوک سکتے ہو اور اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کر سکتے ہو، بلکہ یہ تو ضروری بھی ہے کہ اگر کسی میں برائی نظر آئے تو اس کو اس سے ختم کرنے کی کوشش کی جائے، لیکن محض عیب جوئی اور تحقیر وتذلیل کے خیال سے کسی کی برائی پر انگلی نہ اٹھاؤ، اور اس کی غیبت نہ کرو، بلکہ اپنی برائیوں اور عیوب پر نظر رکھتے ہوئے خود اپنے کو ناقص اور کمتر سمجھو۔ (مظاہر حق)

**حدیث ۱۷۰۶ ﴿خاموشی اور اچھے اخلاق کی فضیلت﴾ عالمی حدیث: ٤٨٦٧**

وَعَنْ اَنَسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا اَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَاَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ.

**حوالہ:** بيهقى فى شعب الايمان، ص ٢٤٢ ج ٤، باب فى حفظ اللسان، حديث ٤٩٤١

**ترجمہ:** حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اے ابوذر! کیا میں تمہیں ایسی دو عادتیں نہ بتاؤں جو پیٹھ پر ہلکی اور ترازو میں بھاری ہیں، میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں، یارسول اللہؐ! آپؐ نے فرمایا کہ لمبی خاموشی اور حسن اخلاق، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے مخلوق نے ان جیسا کوئی عمل نہیں کیا۔ (بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** چپ رہنا اور خوش خلقی اختیار کرنا، یہ دونوں خصلتیں اس اعتبار سے بہت آسان اور ہلکی ہیں کہ خاموش رہنے میں کوئی محنت ومشقت برداشت کرنا نہیں پڑتی، بلکہ ایک طرح سے راحت ہی ملتی ہے، کیوں کہ زبان ہلانے اور

الفاظ کو ترتیب دے کر جملے ادا کرنے میں ظاہر و باطن کی مشقت ہے، اسی پر خوش خلقی کو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ نرم خوئی، خوش مزاجی اور خندہ روی میں راحت و سکون اور آسانی اور نرمی حاصل ہوتی ہے، برخلاف سخت خوئی تند مزاجی اور جدال و نزاع کے کہ ان میں سراسر محنت و مشقت ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** "اخف علی الظهر" مکلف انسان کی پشت پر مذکورہ خصلتیں بہت ہلکی ہیں، یعنی ان دونوں خصلتوں کو اپنے اندر پیدا کرنا بہت آسان ہے، گویا اس ارشاد میں تکلیف شرعی کو بوجھ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یا یہ کہ ان دونوں خصلتوں کو اٹھانا یعنی اپنے اوپر لازم کرلینا، قوت برداشت کے اعتبار سے اس بوجھ کے مشابہ ہے جس کو کوئی شخص بہت آسانی سے پیٹھ پر لاد سکتا ہے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۷۰۷ ﴿لعنت کی قباحت کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٨٦٨

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَبِيْ بَكْرٍ وَّهُوَ يَلْعَنُ بَعْضَ رَقِيْقِهٖ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ فَقَالَ لَعَّانِيْنَ وَصِدِّيْقِيْنَ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَاَعْتَقَ اَبُوْ بَكْرٍ يَوْمَئِذٍ بَعْضَ رَقِيْقِهٖ ثُمَّ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا اَعُوْدُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْخَمْسَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ۲۹٤ ج ٤، باب فی حفظ اللسان، حدیث ٥١٥٤

**حل لغات:** رقیق غلام، (ج) ارقاء۔

**ترجمہ:** حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے گذرے، جو اپنے کسی غلام کو لعنت و ملامت کررہے تھے، ان کی جانب متوجہ ہوکر آپؐ نے فرمایا، صدیق ہوکر لعنت ملامت کرنا، رب کعبہ کی قسم یہ نہیں ہوسکتا، اسی دن حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام کو آزاد کردیا پھر وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور انھوں نے عرض کیا کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا، ان پانچوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** لعنت ملامت اچھی عادت نہیں ہے، اور اچھے و نیک لوگوں کو تو اپنے کو اس وصف سے دور رکھنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** "لعانین و صدیقین" لعانیت و صدیقیت یہ دونوں وصف ایک شخص میں جمع نہیں ہوسکتے، مطلب یہ تھا کہ صدیق کیلئے قطعاً مناسب نہیں کہ وہ لعنت کریں، چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی تقصیر کے ازالہ کے لئے غلاموں کو آزاد کردیا، اور آپ کی خدمت میں آکر آپؐ سے یہ وعدہ کیا کہ آئندہ لعنت نہیں کروں گا۔

## حدیث ۱۷۰۸ ﴿زبان ہلاکت میں ڈالتی ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٨٦٩

وَعَنْ اَسْلَمَ قَالَ اِنَّ عُمَرَ دَخَلَ يَوْمًا عَلٰى اَبِيْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ وَهُوَ يَجْبِذُ لِسَانَهٗ فَقَالَ عُمَرُ مَهْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّ هٰذَا اَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ رَوَاهُ مَالِكٌ.

**حوالہ:** مؤطا امام مالك ص ۳۸۷ باب ماجاء فیما یخاف من اللسان، کتاب الکلام، حدیث ۱۲

**حل لغات:** يَجْبِذُ جَبَذَ (ض) جَبْذًا الشئ کھینچنا۔

**ترجمہ:** حضرت اسلمؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دن حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے، اس وقت حضرت ابوبکرؓ اپنی زبان کو کھینچ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ آپ کو معاف فرمائے ٹھہریئے، حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا کہ یہ مجھے ہلاکت کی جگہ پہنچادیتی ہے۔ (مالک)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زبان کے فتنوں سے ہمیشہ محفوظ رہنے کی فکر کرنا چاہئے، یہ زبان ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ بڑی بڑی مصیبتوں کا شکار ہوتے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** "وھو یجبذ لسانہ" اپنی زبان کے سلسلہ میں غیظ وغضب کا اظہار کر رہے تھے، اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ زبان منہ سے نکال دیں گے، تا کہ اس کی وجہ سے کسی نقصان کا شکار نہ ہوں، یہ صدیق اکبرؓ کے کمال تقوی اور خشیت الٰہی کے بلند درجہ پر فائز ہونے کی دلیل ہے۔

## حدیث ۱۷۰۹ ﴿جنت میں لے جانے والے اعمال﴾ عالمی حدیث: ۴۸۷۰

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اضْمَنُوْا لِیْ سِتًّا مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَضْمَنْ لَکُمُ الْجَنَّةَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُّمْ وَاَدُّوْا اِذَا ائْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَکُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ وَکُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبَیْھَقِیُّ.

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۳۲۳ ج ۵، بیھقی فی شعب الایمان، ص ۳۲۰ ج ٤، باب فی الامانات، حدیث ۵۲۵٦

**ترجمہ:** حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو تو میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، جب بات کرو تو سچ بولو، جب وعدہ کرو تو پورا کرو، جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اسے ادا کرو، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اپنی نگاہیں نیچی رکھو، اور اپنے ہاتھ روکے رکھو۔ (احمد بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں جن چھ باتوں کا ذکر ہے اگر کوئی شخص ان کے مطابق زندگی گزارے گا، تو نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں دخول اولی کی سعادت اسے حاصل ہوگی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** "اصدقوا اذا حدثتم" بولو تو سچ بولو، قول کا دل کی بات اور واقع کے مطابق ہونا صدق کہلاتا ہے شریعت میں صدق عام ہے افعال کو بھی اقوال کو بھی، احوال کو بھی، اقوال کے صدق کا مطلب یہ ہے کہ بات سچی ہو، یعنی واقع کے مطابق ہو، جو شخص اس صفت سے متصف ہو اس کو صادق الاقوال کہتے ہیں، یہاں حدیث میں یہی صدق مراد ہے، اور افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر الٰہی ہو، حکم شرعی کے خلاف نہ ہو، پس جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں اس کو صادق الافعال کہا جاتا ہے اور احوال کا صدق یہ ہے کہ وہ سنت کے موافق ہوں، پس جو افعال خلاف سنت ہوں وہ احوال کاذبہ ہیں اور جس شخص کے احوال وکیفیات سنت کے موافق ہوں اس کو صادق الاحوال کہتے ہیں، اس کی ضد، کذب ہے۔ (تکملہ بصائر حکیم الامت) "کفو ایدیکم" اپنے ہاتھوں کو روکو، یعنی اپنے ہاتھوں سے کسی پر ظلم نہ کرو، حرام کمانے اور حرام چیز استعمال کرنے سے بچو۔

## حدیث ۱۷۱۰ ﴿اچھے اور برے انسانوں کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ۷۲۔ ٤٨٧١

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ وَاَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خِیَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِیْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَیْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَاءَ الْعَنَتَ رَوَاھُمَا اَحْمَدُ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

**حوالہ:** مسند احمد، ص ۲۲۷ ج ٤، بیھقی فی شعب الایمان، ص ٤٩٤ ج ۷، باب فی الاصلاح بین الناس، حدیث ۱۱۱۰۸

**حل لغات:** البراء بالکل بری، بے قصور، الگ تھلگ بَرُؤَ (ك) بُرْأً، بری ہونا، سبکدوش ہونا۔

**ترجمہ:** حضرت عبدالرحمن بن غنم اور حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں بہترین وہ ہیں کہ جب انھیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے اور اللہ کے بندوں میں سے برے وہ ہیں جو چغلی کے لئے چلنے

والے دوستوں میں جدائی ڈالنے والے اور پاکباز لوگوں کے عیوب ڈھونڈنے والے ہیں ان دونوں کو احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو تقویٰ وطہارت اختیار کر کے ایسا کامل انسان بننا چاہئے کہ اس کی صورت وسیرت سے ایسا نور جھلکے کہ لوگ خدا کی طرف رجوع کرنے والے بن جائیں۔ اور چغلی، عیب جوئی اور فتنہ فساد پھیلانے سے بالکلیہ اجتناب کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** خیار عباد اللہ اس حدیث میں بہترین لوگوں کی تعریف کی گئی ہے کہ خدا کے وہ نیک صالح اور عبادت گزار بندے جو اللہ رب العزت کے ساتھ اپنے کمال تعلق واختصاص کی بنا پر ایسے درجے پر فائز ہوجاتے ہیں کہ ان کے احوال وکردار عادت واطوار وحرکات وسکنات پر انوار وآثار الٰہی ہویدا ہوجاتے ہیں اور انکے چہرے پر عبادت گزاری اور اتباع دین وشریعت کی وہ علامتیں ظاہر ہوتی ہیں کہ جب ان کے جمال پر نظر پڑتی ہے تو بے ساختہ خدا یاد آجاتا ہے اور دل پکار اٹھتا ہے کہ یہی وہ نیک بندے ہیں جو کمال محبوبیت کے حامل اور کائنات انسانی کا خلاصہ اور انوار الٰہی کے مظہر ہیں، بعض حضرات نے خدا یاد آجانے کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ خدا کے ایسے نیک وصالح بندوں کو دیکھنا گویا ذکر الٰہی میں مشغول ہونا ہے، جیسا کہ علماء نے لکھا ہے کہ عالم دین کے چہرے پر نظر ڈالنا عبادت اور عین سعادت ہے اور اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ بسا اوقات کسی مرد صالح اور شیخ کامل کے چہرے پر نظر پڑتے ہی باطن میں ایسی نورانیت محسوس ہوتی ہے جس سے دل روشن ہوجاتا ہے یہ بات حدیث سے ثابت ہے چنانچہ حضرت علیؓ کے بارے میں فرمایا گیا کہ النظر الی وجه علی عبادة یعنی علیؓ کے چہرے پر نظر کرنا عبادت ہے، نیز منقول ہے کہ جب حضرت علیؓ گھر سے نکلتے تھے اور لوگوں کی نظران کے چہرہ انور پر پڑتی تھی تو یہ الفاظ ان کی زبان پر آجاتے لا اله الله مااشر ف هذا الفتى لا اله الله ما اكر م هذالفتى لا اله الله ما اعلم هذالفتى لااله الله ما اشجع هذاالفتى گویا حضرت علیؓ کو دیکھنا کلمہ توحید کے ورد کا باعث بنتا تھا۔ (مظاہر حق)

### حدیث ۱۷۱۱ ﴿غیبت روزہ کو خراب کرتی ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٨٧٣

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ صَلَّيَا صَلَاةَ الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ وَكَانَا صَائِمَيْنِ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ قَالَ اَعِيْدُوا وُضُوْءَ كُمَا وَصَلَاتَكُمَا وَامْضِيَا فِيْ صَوْمِكُمَا وَاقْضِيَاهُ يَوْمًا اٰخَرَ قَالَ لِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِغْتَبْتُمْ فُلَانًا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص ۲۰۳ ج۵، باب فی تحریم اعراض الناس، حدیث ٦٧٢٩

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی، اور دونوں روزہ دار تھے، جب نماز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا تم دونوں اپنا وضو اور اپنی نماز دہراؤ، اور اپنے اس روزے کے بدلہ کسی اور دن روزہ رکھنا، عرض گذار ہوئے کہ یا رسول اللہ یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ تم نے فلاں کی غیبت کی ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ غیبت بڑا گناہ ہے، اس کی وجہ سے نیکیوں کا اجر وثواب بھی ختم ہوتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** واقضیاہ یوماً آخر اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ غیبت وضو اور روزے کو توڑ دیتی ہے لیکن علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث دراصل غیبت کی شدید مذمت اور غیبت کرنے والے کے حق میں سخت ترین زجر وتنبیہ کے طور پر ارشاد ہوئی ہے، ورنہ حقیقت میں غیبت سے روزہ اور وضو ٹوٹتا نہیں، تاہم غیبت کی وجہ سے وضو اور روزہ کا

کمال وثواب ضرور ختم ہوجاتا ہے، لیکن حضرت سفیان ثوریؒ کے نزدیک غیبت مفسد روزہ ہے، بہرحال حدیث سے یہ بات یقیناً واضح ہوتی ہے اور احتیاط وتقوی کا تقاضہ یہی ہے کہ اگر غیبت صادر ہوجائے تو وضو کی تجدید کرنا چاہئے، بلکہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص بہت زیادہ ہنسے یا کسی نے بہت زیادہ لایعنی باتیں کیں تو اس کے لئے مستحب ہوگا کہ وضو کرلے، تاکہ وہ ظلمت زائل ہوجائے جو بہت زیادہ ہنسنے یا بہت زیادہ لایعنی باتیں کرنے سے اس کے باطن پر طاری ہوگئی ہے۔ نیز روزہ دار کو چاہئے کہ پورے طور پر غیبت کرنے سے اجتناب کرے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۷۱۲ ﴿غیبت زنا سے زیادہ شدید گناہ ہے﴾ عالمی حدیث: ۷۶-۷۵-٤٨٧٤

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَجَابِرٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَکَیْفَ الْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَزْنِیْ فَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَیَتُوْبُ فَیَغْفِرُ اللّٰهُ لَهٗ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِیْبَةِ لَا یُغْفَرُ لَهٗ حَتّٰی یَغْفِرَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَفِیْ رِوَایَةِ اَنَسٍ قَالَ صَاحِبُ الزِّنَا یَتُوْبُ وَصَاحِبُ الْغِیْبَةِ لَیْسَ لَهٗ تَوْبَةٌ رَوَی الْبَیْهَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الثَّلَاثَةَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

**حوالہ:** بیهقی فی شعب الایمان، ص۲۰٦ ج٥ باب فی تحریم اعراض الناس، حدیث ٦٧٤١

**ترجمہ:** حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے، لوگ عرض گذار ہوئے کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت کس طرح ہے؟ فرمایا کہ زنا کرنے والا اللہ سے توبہ کرلیتا ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ زانی توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردیتا ہے، لیکن غیبت کرنے والے کو معاف نہیں کیا جاتا جب تک کہ وہ معاف نہ کرے جس کی غیبت کی ہے، اور حضرت انسؓ کی روایت میں فرمایا کہ زانی توبہ کرلیتا ہے، لیکن غیبت کرنے والے کی توبہ نہیں، ان تینوں حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ کہ غیبت نہایت سنگین جرم ہے، اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، لہذا توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ معاف بھی نہیں کرتے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** صاحب الغیبة لیس له توبة غیبت کرنے والے کے لئے توبہ نہیں ہے، غالباً اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ جو شخص زنا میں مبتلا ہوجاتا ہے اس کے دل پر خدا کا خوف طاری ہوجاتا ہے، اور اس تصور سے لرزنے لگتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مواخذہ کرلیا تو نجات کا راستہ نہیں ملے گا، اس لئے وہ اپنے اس فعل شنیع پر نادم وشرمسار ہوکر توبہ کرتا ہے، جب کہ غیبت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے گناہ کی چیز ہے، مگر غیبت کرنے والا اس کو ہلکی چیز سمجھتا ہے، کیوں کہ کوئی برائی عام ہوجاتی ہے تو اس کی قباحت دل سے نکل جاتی ہے، اور لوگ اس میں مبتلا ہوجانے کی برائی کو محسوس نہیں کرتے، یہ بات بھی بعید از امکان نہیں ہوسکتی کہ غیبت کرنے والا غیبت کو سرے سے کوئی برا فعل ہی نہ سمجھے، بلکہ اس کو حلال جانے اور اس طرح وہ کفر کے بھنور میں پھنس جائے اور یا اس جملے کے یہ معنی ہیں کہ غیبت کرنے والا توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ بذات خود کارگر نہیں ہوتی، بلکہ اس توبہ کا صحیح ومقبول ہونا اس شخص کی رضامندی اور اس کی طرف سے معاف کرے جانے پر موقوف ہوتا ہے، جس کی اس نے غیبت کی ہے، چنانچہ اوپر کی حدیث سے یہی واضح ہوتا ہے۔ (مظاہر حق)

## حدیث ۱۷۱۳ ﴿غیبت کے کفارے کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٨٧٧

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ کَفَّارَةِ الْغِیْبَةِ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنِ اغْتَبْتَهٗ تَقُوْلُ

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ وَقَالَ فِي هٰذَا الْإِسْنَادِ ضُعْف.

**حوالہ:** بیہقی

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی جائے، اس کے لئے استغفار کیا جائے اور کہے کہ اے اللہ ہمیں اور اسے بخش دے، اس کو بیہقی نے دعواتِ کبیر میں روایت کیا ہے، اور کہا کہ اس کی اسناد میں ضعف ہے۔

**خلاصہ حدیث** غیبت کرنے والا اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت طلب کرے کیوں کہ اس نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے، اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے، پھر جس کی غیبت کی ہے اس کو تکلیف پہنچائی ہے، لہٰذا اس کی مغفرت طلب کرے تا کہ اس کا کچھ حق ادا ہو سکے، اور اس کو کچھ فائدہ پہنچا سکے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اللهم اغفر لنا وله مغفرت کی دعا کرنا اس صورت سے متعلق ہے جب کی اس کی غیبت کی خبر اس شخص کو نہ پہنچی ہو، جس کی غیبت کی گئی ہے، اور اگر یہ صورت ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے، اس کو معلوم ہو گیا ہے فلاں شخص نے میری یہ غیبت کی ہے تو غیبت کرنے والے کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اس شخص سے اپنے کو معاف کرائے بایں طور کہ پہلے اس کو بتائے کہ میں نے تمہاری غیبت میں اس طرح کہا ہے، اور پھر اس سے اپنے کو معاف کرائے اور اگر غیبت کرنے والا کسی مجبوری اور عذر کی بنا پر ایسا نہ کر سکے تو پھر یہ ارادہ رکھے کہ جب بھی ہو سکے گا اس سے اپنے آپ کو معاف کراؤں گا، چنانچہ اس کے بعد وہ اپنے آپ اس سے معاف کرالے گا تو اس ذمہ داری سے بری ہو جائے گا اور اس غیبت کے سلسلہ میں اس پر کوئی حق و مواخذہ نہیں رہ جائے گا، ہاں اگر وہ اپنے آپ کو معاف کرانے سے بالکل عاجز رہا بایں سبب کہ جس شخص کی اس نے غیبت کی ہے وہ مثلاً مر گیا ہے، یا اتنی دور رہائش پذیر ہے کہ اس سے ملاقات کا کوئی امکان نہیں ہے تو اس صورت میں اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش کا طلبگار رہو، اور اس کے فضل و کرم سے یہ امید رکھے کہ وہ اس شخص کو اس کے تئیں راضی کر دے گا۔ (مظاہر حق)

## باب الوعد

### ﴿وعدے کا بیان﴾

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے چھ روایات ذکر کی ہیں، جن میں وعدہ پورا کرنے کی عملی تعلیم، ایفاء وعدہ واجب ہے کہ مستحب، وعدہ پورا کرنے کی اہمیت، بچے سے وعدہ کیا ہو تو بھی پورا کرنے کی تاکید، اور وعدہ سے متعلق دیگر اہم ہدایات مذکور ہیں۔ وعدہ کے معنی ہیں کسی کے ساتھ قول و قرار کرنا، یہ قول و فعل دونوں میں عام ہے، وعدہ پورا کرنا انسانیت کا مظہر اور اسلامی آداب و اخلاق کی ایک بنیادی چیز ہے، اور وعدہ خلافی کرنا بہت بڑا عیب ہے۔ (ایضاح المشکوۃ) وعدہ کی خلاف ورزی منافق کی علامت ہے، آپ کا فرمان ہے "واذا وعد اخلف" (منافق وعدہ کرتا ہے تو وعدہ کے خلاف کرتا ہے) مؤمن کا کام یہ ہے کہ وعدہ کرے تو نبھائے، اور اگر کسی عذر کی وجہ سے وعدہ پورا کرنا ناممکن ہو تو بتا دے کہ اس عذر کی وجہ سے وعدہ پورا کرنے سے معذور ہوں۔

## الفصل الاول

**حدیث ۱۷۱۴ ﴿وعدہ بہر صورت پورا ہونا چاہئیے﴾ عالمی حدیث: ۴۸۷۸**

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ اَبَا بَكْرٍ مَالٌ مِّنْ قِبَلِ الْعَلَاءِ بْنِ

الْحَضْرَمِيُّ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ أَوْ كَانَتْ لَهُ قِبَلَهُ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنَا قَالَ جَابِرٌ فَقُلْتُ وَعَدَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعْطِيَنِي هٰكَذَا وَهٰكَذَا فَبَسَطَ يَدَيْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ جَابِرٌ فَحَثَا لِي حَثْيَةً فَعَدَدْتُهَا فَإِذَا هِيَ خَمْسُ مِائَةٍ قَالَ خُذْ مِثْلَيْهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری ص ۶۰۳-۶۰۷ ج ۱، باب من تكفل عن ميت دليا، كتاب الكفالة، حديث ۲۲۹۶ مسلم ص ۲۵۴ ج ۲، باب ما سئل رسول الله صلى عليه وسلم شيئا قط فقال لا، كتاب الفضائل، حديث ۲۳۱۴

**حل لغات:** عدة وعده، وَعَدَهُ (ض) وَعْدًا، وعِدَةً، وعده کرنا، حثا (ن) حَثْوًا، لہ کسی کو تھوڑی چیز دینا، الماء چلو بھرنا۔

**ترجمہ:** حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس علاء الحضرمی کی طرف سے مال آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ جس کا نبی کریم صلی علیہ وسلم پر قرض ہو، یا جس سے آپؐ نے کوئی وعدہ فرمایا ہو تو وہ ہمارے پاس آجائے، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں عرض گذار ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اتنا مال عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا اور تین مرتبہ انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک مرتبہ دونوں ہاتھ بھر کر مجھے دیا میں نے انھیں گنا پانچ سو درہم تھے، صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اس سے دوگنا اور لے لو۔ (بخاری و مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میت کے قرض کو ادا کرنا اور اس کے وعدہ کو پورا کرنا اس شخص کے لئے مستحب ہے جو اس میت کا خلیفہ و جانشین قرار پائے، خواہ وہ ورثا میں سے ہو یا غیر ورثا میں ہو، نیز اس حدیث میں اس طرف بھی ارشاد ہے کہ وعدہ قرض کے ساتھ ملحق ہے، یعنی جو حیثیت قرض کی ہے وہی حیثیت وعدہ کی بھی ہے کہ جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے، اسی طرح وعدہ کا پورا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، چنانچہ طبرانیؒ نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے آپ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ "العدة دين" وعدہ قرض کی طرح ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لما مات رسول الله صلى عليه وسلم یہاں حدیث مختصر ہے، بخاری میں مغازی میں تفصیل ہے، اس روایت کا ترجمہ نقل کردوں تو یہاں کی روایت کی وضاحت ہوجائے گی، حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر بحرین سے مال آیا تو میں تمہیں اتنا اتنا تین مرتبہ لپ بھر کردوں گا، لیکن بحرین سے جس وقت مال آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوچکی تھی، اس لئے وہ مال جب ابوبکر صدیقؓ کے پاس آیا تو ابوبکرؓ نے اعلان کرایا کہ جس شخص کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض یا کسی سے حضورؐ کا کوئی وعدہ ہو، تو وہ میرے پاس آئے، حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس حاضر ہوا، اور میں نے ان سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر بحرین سے میرے پاس مال آیا تو میں تمہیں اتنا اتنا تین لپیں بھر کردوں گا، حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے دیا (یعنی حضور ﷺ کے قول کے مطابق ابوبکرؓ نے دینے کا وعدہ فرمایا اور اطمینان دلایا) جابرؓ نے بیان کیا کہ اس کے بعد میں نے ابوبکرؓ سے پھر ملاقات کی، اور ان سے مال مانگا لیکن انھوں نے مجھے نہیں دیا، پھر دوسری مرتبہ ان کے پاس آیا، لیکن انھوں نے نہیں دیا، پھر تیسری مرتبہ ان کے پاس آیا، لیکن انھوں نے مجھ کو نہیں دیا، تو میں نے ان سے کہا میں آپؓ کے پاس آیا تو آپؓ نے نہیں دیا، پھر میں آپؓ کے پاس آیا، آپؓ نے پھر مجھ کو نہیں دیا، اس کے بعد تیسری مرتبہ پھر میں آپؓ کے پاس آیا، اور آپؓ نے نہیں دیا، سو یا تو مجھ کو دے دیجئے، یا مجھ کو نہ دینے کی وجہ سے بخیل بنئے، یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم نے کہا ہے کہ مجھ سے بخل کرتے ہیں، بھلا بخل سے بڑھ کر کیا بیماری ہوسکتی ہے، ابوبکرؓ نے اس جملہ کو تین مرتبہ دہرایا، اور فرمایا میں نے جب بھی تمہیں ٹالا تو میرا ارادہ یہی تھا، کہ بہرحال

تمہیں دیتا ہے، یعنی میرا ٹالنا اور نہ دینا بخل کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ میرا ارادہ خمس سے دینے کا تھا، جو خمس خاص خلیفۃ المسلمین کا حصہ ہے، وہ مختار ہیں جسے چاہے دیں، اور عمر بن دینار سے روایت ہے، کہ انھوں نے محمد بن علی یعنی حضرت باقرؒ سے روایت کیا، کہ حضرت باقرؒ نے بیان کیا، کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا ہے کہ جابرؓ نے بیان کیا، کہ میں ابوبکرؓ کے پاس حاضر ہوا، تو مجھ سے ابوبکرؓ نے کہا کہ اے جابر شمار کرو، میں نے اسے شمار کیا تو پانچ سو تھے، فرمایا کہ دو مرتبہ اتنا ہی اور لے لو، یعنی ایک ہزار اور لے لو، حضورؐ کے کیے ہوے وعدہ کا صدیق اکبرؓ نے احترام کیا اور کہا کہ جس کسی سے حضور اکرمؐ نے وعدہ کیا ہوگا اس کو میں پورا کروں گا۔ (انعام الباری)

## الفصل الثانی

### حدیث ۱۷۱۵ ﴿آپؐ کا کیا ہوا وعدہ پورا کرنا﴾ عالمی حدیث: ۴۸۷۹

عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَبْیَضَ قَدْشَابَ وَکَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ یُشْبِهُهٗ وَاَمَرَ لَنَا بِثَلٰثَةَ عَشَرَ قَلُوْصًا فَذَهَبْنَا نَقْبِضُهَا فَاَتَانَا مَوْتُهٗ فَلَمْ یُعْطُوْنَا شَیْئًا فَلَمَّا قَامَ اَبُوْ بَکْرٍ قَالَ مَنْ کَانَتْ لَهٗ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِدَةٌ فَلْیَجِیْٔ فَقُمْتُ اِلَیْهِ فَاَخْبَرْتُهٗ فَاَمَرَ لَنَا بِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

**حوالہ:** ترمذی ص ۱۱۰ ج ۲، باب ماجاء فی العدۃ، کتاب الادب، حدیث ۲۸۲۶

**حل لغات:** قلوصا تھکے ہوئے جسم کی جوان اونٹنی (نویں سال کی عمر تک "قلوص" اس کے بعد "ناقة" کہلاتی ہے) (ج) قِلَاصٌ وقَلَائِصُ۔

**ترجمہ:** حضرت ابوحجیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سفید رنگ اور عمر رسیدہ تھے، حسن بن علیؓ آپؐ سے بہت مشابہت رکھتے تھے، آپؐ نے ہمارے لیے تیرہ اونٹنیوں کا حکم فرمایا تھا، ہم لینے کے لئے گئے تو آپ کی وفات کی خبر ملی، جب حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ جس سے رسول اللہؐ نے کوئی وعدہ کیا ہو تو آجائے، پس میں آپ کی طرف گیا اور انھیں یہ بات بتائی، تو انھوں دینے کا حکم فرمایا۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** وعدہ ایک اخلاقی قرض ہے، لہٰذا اگر کسی سے کوئی وعدہ کیا ہے تو اس کو پورا کیا جائے، اس طرح اگر کسی نے وعدہ کیا ہو اور وہ شخص اپنی زندگی میں اس کو پورا نہ کرسکا ہو تو اس کے پسماندگان اور جانشینوں کو چاہئے کہ وہ مرحوم کا وعدہ پورا کریں اور یہ بھی اخلاقی بات ہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے خلافت سنبھالنے کے بعد آپؐ کے کئے ہوئے تمام وعدہ پورے کئے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** قد شاب آپؐ بوڑھے ہوگئے تھے، لیکن آپؐ کے سر اور داڑھی کے بال سفید نہیں ہوئے تھے، وکان الحسن بن علی یشبهه حضرت حسن بن علیؓ اوپر کے آدھے بدن میں آپؐ کے مشابہ وہم شکل تھے، فامر لنا آپؐ نے ہمارے قبیلہ کے لئے تیرہ اونٹنیوں کا حکم دیا تھا لیکن ان کے اصول کرنے سے قبل آپؐ کے وفات کی اطلاع ملی، اور اونٹنیاں ہمیں نہیں مل سکیں، کیوں کہ ابھی حکومت کا کوئی ذمہ دار متعین نہیں ہوا تھا، پھر جب حضرت ابوبکرؓ نے زمام حکومت سنبھالی تو آپؐ کے وعدے انھوں نے پورے کیے۔

### حدیث ۱۷۱۶ ﴿آپؐ کا وعدہ پورا فرمانا﴾ عالمی حدیث: ۴۸۸۰

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِی الْحَمْسَاءِ قَالَ بَایَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ یُّبْعَثَ وَبَقِیَتْ لَهٗ بَقِیَّةٌ فَوَعَدْتُّهٗ اَنْ اٰتِیَهٗ بِهَا فِیْ مَکَانِهٖ فَنَسِیْتُ فَذَکَرْتُ بَعْدَ ثَلٰثٍ فَاِذَا هُوَ فِیْ مَکَانِهٖ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَیَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ اَنْتَظِرُكَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابوداود ص ۲۸۲ ج ۱، باب فی العدۃ، کتاب الادب، حدیث ۴۹۹۶

**حل لغات:** شققت شَقَّ (ن) شَقًّا علی فلان، مشکلات میں ڈالدینا، کسی کے لئے دشواری پیدا کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ اعلان نبوت سے پہلے میں نے نبی کریم ﷺ سے ایک سودا کیا تھا، اور میری طرف آپ کا کچھ بقایارہ گیا تھا میں نے وعدہ کیا کہ آپ اسی جگہ رہیں میں ابھی آتا ہوں، میں بھول گیا تین دن کے بعد مجھے یادآیا تو آپ اسی جگہ موجود تھے فرمایا کہ تم نے مجھ پر مشقت ڈال دی میں یہاں تین دن سے تمہارا انتظار کررہا ہوں۔ (ابوداؤد)

**خلاصۂ حدیث** آپ نے وعدہ پورا کرنے کے لئے خوب مشقت اٹھائی آپ نے اتنا طویل انتظار بقیہ قیمت وصول کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ اس احساس کے تحت کیا تھا کہ جب عبداللہ نے بقیہ قیمت لے کر یہاں آنے کا وعدہ کیا تھا، اوراُن کے وعدہ کے جواب میں گویا میری طرف سے بھی یہ وعدہ تھا کہ میں بھی یہاں ہوں گا، تو جب تک وہ یہاں نہ آئیں، ایفاء وعدہ کی خاطر مجھے یہاں انتظار کرنا چاہئے، اس اعتبار سے آپ نے اپنے اس عمل کے ذریعہ امت کو یہ تعلیم دی کہ وعدہ کو بہرصورت پورا کرنا چاہئے، خواہ اس کے لئے کتنی ہی زحمت کیوں نہ برداشت کرنا پڑے، واضح رہے کہ دین اسلام سے پہلے بھی تمام ادیان میں وعدے کو پورا کرنے کا حکم تھا، اور سارے رسول وپیغمبر ایفاء وعدہ کی محافظت کرتے رہے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی مدح وتعریف میں فرمایا وابراهيم الذى وفى اور ابراہیم کے جنہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ (مظاہر حق)

**کلمات حدیث کی تشریح** منذ ثلاث انتظرك آپ نے وعدہ پورا کرنے کے لئے تین دن ٹھہر کر انتظار فرمایا، ایفاء وعدہ مکارم اخلاق میں سے ہے، اور بعض کی رائے ہے کہ بغیر کسی مانع کے وعدہ پورا نہ کرنا حرام ہے، جب کوئی شخص کسی چیز کا وعدہ کرے اور وعدہ کے وقت میں اس کے پورا کرنے کا ارادہ ہو، اور پھر بعد میں کسی عذر کی وجہ سے پورا نہ کرسکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، حدیث میں جس وعدہ خلافی کو علامت نفاق قرار دیا گیا ہے اس سے مراد وہ وعدہ ہے جو پورا کرنے کی نیت سے نہ ہو۔

## حدیث ۱۷۱۷ ﴿وعدہ کی نیت ہے لیکن وعدہ پورا نہ کرسکا﴾ عالمی حدیث: ٤٨٨١

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ اَخَاهُ وَمِنْ اُمْنِيَّتِهٖ اَنْ يَفِيَ لَهٗ فَلَمْ يَفِ وَلَمْ يَجِئْ لِلْمِيْعَادِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

**حوالہ:** ابو داود، ص ۲۸۲ ج۲، باب فی العدة کتاب الادب، حدیث ٤٩٩٥، ترمذی، ص ١١٠ ج۲، باب ماجاء فی علامة المنافق، کتاب الایمان، حدیث ۲٦۳۳

**ترجمہ:** حضرت زید بن ارقم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی اپنے بھائی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت وعدہ پورا کرنے کی ہو لیکن ایفاء عہد نہ کرسکے اور مقررہ وقت پر نہ آسکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایفائے عہد کی نیت سے اگر وعدہ کیا تھا لیکن ایفاء کا موقع نہیں ہوا تو گنہگار نہ ہوگا طیبیؒ نے کہا کہ اس پر اتفاق ہے کہ غیر منہی عنہ کے متعلق اگر کوئی وعدہ ہو تو اس کو پورا کرنا چاہئے، اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ وعدہ کرتے وقت دل میں عدم ایفاء کی نیت رکھنا علامت نفاق میں سے ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اذا وعد الرجل اخاه، وعدہ پورا کرنا انسانیت کا مظہر ہے، وعدہ خلافی کرنا بہت بڑا عیب ہے، وعدہ خلافی عادت بنانے کو آپ نے منافق کی علامت قرار دیا ہے، بری چیز کے متعلق وعدہ خلافی کرنا شرعاً مطلوب ہے، اور مجبوری میں کوئی بھی وعدہ توڑنا جائز ہے۔ جیسا کہ حدیث باب سے سمجھ میں آرہا ہے۔

سوال۔ وعدہ پورا کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟

جواب۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور بعض علماء کے نزدیک وعدہ پورا کرنا واجب ہے، کیوں کہ آپؐ نے عدم ایفاء کو علامت نفاق قرار دیا ہے، جب کہ جمہور علماء کے نزدیک وعدہ پورہ کرنا مستحب ہے، اور وعدہ خلافی پر جو وعیدیں آئی ہیں، وہ شدت کراہت پر محمول ہے، لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وعدہ خلافی وغیرہ پایا جانا ایمان دار کی علامت نہیں ہے، بلکہ نفاق کی علامت ہے، چوں کہ یہ بھی نفاق حقیقی یا نفاق اعتقادی کا مقدمہ ہے، اس لیے زجراً و تاکیداً منافق کی علامت قرار دیا ہے۔

**حدیث ۱۷۱۸ ﴿بچے سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث: ٤٨٨٢**

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِیْ اُمِّیْ یَوْمًا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِیْ بَیْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ اُعْطِیْكَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتِّ اَنْ تُعْطِیَهٗ قَالَتْ اَرَدْتُّ اَنْ اُعْطِیَهٗ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِیْهِ شَیْئًا كُتِبَتْ عَلَیْكِ كِذْبَةٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

**حوالہ:** ابوداود، ص ج۲، باب فی التشدید فی الکذب، کتاب الادب، حدیث ٤٩٩١، بیهقی فی شعب الایمان ص ٢١٠ ج٤، حدیث ٤٨٢٢

**ترجمہ:** حضرت عبداللہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ محترمہ نے ایک روز مجھے بلوایا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں جلوہ افروز تھے، میری والدہ نے فرمایا کہ ادھر آؤ میں تمہیں کچھ دوں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہارا اسے کیا دینے کا ارادہ ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اسے کھجوریں دوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اسے کوئی چیز نہ دیتیں تو تمہارے اوپر گناہ لکھا جاتا۔ (ابوداود، بیہقی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بچے کو بہلانے کے لئے جھوٹے وعدہ کرنا بھی غلط ہے اور اس پر بھی گناہ لکھا جاتا ہے، لہٰذا اس سے بھی احتیاط کرنا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** كتبت علیك كذبة بسا اوقات لوگ مٹھی بند کر کے بچے کو بلاتے ہیں، بچے سے یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ میری مٹھی میں فلاں چیز ہے، میرے پاس آؤ میں تم کو دوں گا، بچہ اس چیز کو لینے کے لئے آتا ہے تو اس کو پکڑ لیتے ہیں، یہ جھوٹ اور وعدہ خلافی ہے، اس پر بھی مواخذہ ہوگا، ایسے مواقع پر بھی جھوٹ اور وعدہ خلافی کی گنجائش نہیں ہے۔

## الفصل الثالث

**حدیث ۱۷۱۹ ﴿عذر کے وقت وعدہ خلافی کرنا﴾ عالمی حدیث: ٤٨٨٣**

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَّعَدَ رَجُلًا فَلَمْ یَاْتِ اَحَدُهُمَا اِلٰی وَقْتِ الصَّلٰوةِ وَذَهَبَ الَّذِیْ جَاءَ لِیُصَلِّیَ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ رَوَاهُ رَزِیْنٌ.

**حوالہ:** رزین

**ترجمہ:** حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی آدمی سے وعدہ کرے اور ان میں سے ایک نماز کے وقت تک نہ آئے اور جانے والا نماز پڑھنے چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ (رزین)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مناسب عذر کی وجہ سے وعدہ خلافی کر رہا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، اس پر گناہ بھی نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فلا اثم علیہ دو آدمیوں نے آپس میں وعدہ کیا کہ فلاں جگہ ایک دوسرے سے ملیں گے، اس وعدہ کے مطابق ان دونوں میں سے کوئی ایک مقررہ جگہ پر پہنچ گیا اور دوسرے کی آمد کا انتظار کرنے لگا، لیکن وہ نہیں آیا، یہاں تک کہ نماز کا وقت آگیا تو اس صورت میں اگر وہ شخص کہ جو مقررہ جگہ پر پہنچ کر دوسرے آدمی کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا، اب مزید انتظار نہ کرے اور نماز کے لئے چلا جائے تو وہ وعدہ خلافی نہیں کہلائے گا، اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، کیوں کہ نماز کے لئے جانا ضروریات دین میں سے ہے ہاں اگر وہ نماز کا وقت آنے سے پہلے ہی وہاں سے اٹھ کر چلا جائے تو بے شک اس کو وعدہ خلاف کہا جائے گا، اور وعدہ خلافی کی برائی اس کے ذمہ ہوگی، اس طرح اگر کوئی ضروری امر مانع پیش آئے جیسے کھانے پینے کا وقت ہوگیا ہو یا پیشاب و پاخانہ کی حاجت لاحق ہوگئی ہو یا اسی طرح کا کوئی اور حقیقی عذر پیش آگیا ہو تو اس صورت میں بھی مزید انتظار کئے بغیر چلے جانا جائز ہوگا۔ (مظاہر حق)

# باب المزاح

## ﴿خوش طبعی کا بیان﴾

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے نو احادیث ذکر کی ہیں، جن میں آپ ﷺ کی خوش طبعی، آپ ﷺ کی ظرافت کا واقعہ ایک بڑھیا کے ساتھ آپ ﷺ کی خوش طبعی وغیرہ کا ذکر اور تکلیف دہ مزاق کی ممانعت کا بیان ہے۔

## ﴿خوش طبعی کا بیان﴾

''مزاح'' میم کے زیر کے ساتھ، مصدر ہے، جس کے معنی ہیں خوش طبعی کرنا، ہنسی مذاق کرنا، اور میم کے پیش کے ساتھ اسم مصدر ہے جس کے معنی خوش طبعی وظرافت کے ہیں۔

عربی میں لفظ مزاح کا اطلاق اس خوش طبعی اور ہنسی مذاق پر ہوتا ہے، جس میں کسی کی دل شکنی اور ایذا رسانی کا پہلو نہ ہو، اس کے برخلاف جس خوش طبعی اور ہنسی مذاق کا تعلق دل شکنی اور ایذاء رسانی سے ہو اس کو سخریہ کہتے ہیں۔

ایک حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "لا تمار اخاك ولا تمازحه" یعنی اپنے مسلمان بھائی سے جھگڑا فساد نہ کرو اور نہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرو، تو علماء لکھتے ہیں کہ وہ مزاح وظرافت ممنوع ہے جس میں حد سے تجاوز کیا جائے، اور اس کو عادت و معمول بنالیا جائے، کیوں کہ ہر وقت مزاح وظرافت میں مبتلا رہنا اور اس میں حد سے تجاوز کرنا بہت زیادہ ہنسنے اور قہقہہ لگانے کا باعث ہوتا ہے، قلب وذہن کو قساوت اور بے حسی میں مبتلا کر دیتا ہے، ذکر الٰہی سے غافل کر دیتا ہے، مہمات دین میں غور وفکر اور پیش قدمی سے باز رکھتا ہے، اور اکثر اوقات اس کا انجام ایذاء رسانی اور آپس میں بغض وعناد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص ہر وقت ہنسی مذاق کرتا رہتا ہے اس کی شخصیت بری طرح متاثر اور مجروح ہو جاتی ہے، کہ نہ اس کا کوئی دبدبہ قائم رہتا ہے اور نہ اس کی عظمت اور نہ اس کا وقار باقی رہتا ہے، اس کے برعکس جو مزاح وظرافت حد کے اندر اور کبھی کبھار ہو وہ نہ صرف مباح ہے بلکہ صحت مزاج، وفور نشاط اور سلامتِ طبع کی علامت بھی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزاح وظرافت کو اختیار فرماتے تھے، جس سے آپ کا مقصد مخاطب کی دل بستگی و خوش وقتی اور آپس میں محبت و موانست کے جذبات کو مستحکم کرنا ہوتا تھا، اور یہ چیز سنت مستحبہ ہے، اگر اس موقع پر یہ اشکال واقع ہو کہ یہ بات (کہ وہی مزاح وظرافت مباح ہے جو کبھی کبھار ہو) اس روایت کے مخالف ہے، جس میں حضرت عبداللہ ابن حارث نے بیان کیا ہے کہ "ما رایت احدا اکثر مزاحا من رسول الله صلی الله علیه وسلم" (یعنی میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

زیادہ مزاح کرنے والا شخص نہیں دیکھا) تو اس کا جواب مختصر طور پر یہ ہوگا کہ زیادہ مزاح وظرافت کرنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس سے نفس پر قابو نہیں رہتا اور ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کے برابر کوئی اور شخص اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتا، یہ چیز (زیادہ مزاح کرنا) ان امور میں سے ہے جو صرف آنحضرتؐ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں اور دوسروں کے لئے ان سے اجتناب ہی اولیٰ ہے، اس کی تائید ترمذی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو آگے آئے گی، کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمارے ساتھ مزاح فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "میں مزاح میں بھی سچ بات کہتا ہوں" حاصل یہ کہ زیادہ مزاح کرنے کی ممانعت کا تعلق آنحضرت کے سوا دوسرے لوگوں سے ہے، ہاں اگر کوئی شخص حد پر قائم ہے، نفس پر قابو رکھے اور راہِ اعتدال سے منحرف نہ ہونے پر قادر ہو وہ بھی اس ممانعت سے مستثنیٰ ہوگا۔ (مظاہر حق)

## الفصل الاول

### حدیث ۱۷۲۰ ﴿آپؐ کا خوش طبعی فرمانا﴾ عالمی حدیث: ٤٨٨٤

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا حَتّٰى يَقُوْلَ لِاَخٍ لِّيْ صَغِيْرٍ يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ يَلْعَبُ بِهٖ فَمَاتَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری ص ۹۰۵ ج۲، باب الانبساط الی الناس، کتاب الادب، حدیث ۶۱۲۹ مسلم ص ۲۱۰ ج۲، باب استحباب تحنیك المولود، كتاب الادب حديث ۲۱۵۰

**حل لغات:** النغیر تصغیر ہے، نُغَر کی چڑیا کا بچہ، بلبل۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں گھل مل کر رہتے تھے، یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے اے ابو عمیر! نغیر کا کیا ہوا؟ ہمارے پاس ایک چڑیا تھی جس سے وہ کھیلتا تھا اور وہ مرگئی تھی۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ گھر والوں کے ساتھ اسی طرح ساتھیوں اور متعلقین کے ساتھ ایسا مزاح کرنا جس میں شرعی حدود کی رعایت ہو نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کا مزاح ثابت ہے، البتہ مزاح کو مشغلہ بنالینا پسندیدہ نہیں ہے، حضرت انسؓ کے بھائی ایک چھوٹا پرندہ لے کر آپؐ کے پاس آتے تھے، وہ اس چڑیا سے کھیلتے بھی تھے، پھر وہ پرندہ مرگیا، اس کے بعد جب وہ آپ کی خدمت میں آئے تو آپؐ نے از راہ مزاق ان سے کہا کہ اے ابو عمیر تمہارا نغیر کیا ہوا؟ گویا ان کو مخاطب کرتے وقت تفنن کلام کا اسلوب اختیار کیا، نغیر کی مناسبت سے اور اس لفظ کے قافیہ کے طور پر ان کو ابو عمیر کی کنیت کے ذریعہ مخاطب کیا۔ (فتح الباری ۱۰/۱۵۴)

**کلمات حدیث کی تشریح** یا ابا عمیر مافعل النغیر ابو عمیر حضرت انسؓ کے ماں شریک چھوٹے بھائی تھے، ان کا نام عمر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دل لگی فرماتے تھے، انھوں نے "نغیر" نامی ایک پرندہ رکھا تھا، اس کو اردو میں بلبل کہتے ہیں، اس مختصر حدیث سے علماء نے تقریبا سو مسائل مستنبط کئے ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کی بھی کنیت رکھ سکتے ہیں، اس کو ابو فلاں کہہ سکتے ہیں، یہ جھوٹ میں شمار نہیں ہے، مزاح کرنا جائز ہے، کلام کے اندر بلا تکلف سجع جائز ہے، بچوں کے ساتھ دل لگی کرنا جائز ہے۔

## الفصل الثانی

### حدیث ۱۷۲۱ ﴿خوش طبعی میں جھوٹ کی اجازت نہیں ہے﴾ عالمی حدیث: ٤٨٨٥

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ اِنِّيْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

**حوالہ:** ترمذی ص ۲۰ ج۲، باب ماجاء فی المزاح، کتاب البر والصلة، حدیث ۱۹۹۰

**حل لغات:** تداعبنا دَاعَبَۃٌ (مفاعلت) کسی سے دل لگی وخوش طبعی کرنا، ہنسی مذاق کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ ہمارے ساتھ خوش طبعی فرماتے ہیں، فرمایا کہ میں نہیں کہتا مگر سچی بات۔ (ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دل لگی اور خوش طبعی مسنون ہے، مگر دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، ایک یہ کہ کوئی خلاف واقعہ بات نہ کہی جائے، دوسری یہ کہ کسی کی دل آزاری نہ کی جائے، ان دو باتوں کا خیال رکھ کر خوش طبعی سنت ہے، اسی طرح بہت زیادہ مذاق کرنا بھی وقار ومتانت کے خلاف ہے، جو شخص لوگوں کو ہنساتا ہے، وہ مسخرہ کہلاتا ہے اور یہ برا لقب ہے، اس لئے اس درجہ کے مذاق سے بچنا چاہئے۔ (تحفۃ الالمعی)

**کلمات حدیث کی تشریح** انك تداعبنا آپؐ ہمارے ساتھ دل لگی کرتے ہیں، کیا یہ بات آپؐ کے شایان شان ہے؟ چوں کہ آپؐ نے مذاق سے منع کر رکھا تھا اور یہ وقار کو گراتا ہے، اس لئے صحابہ کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوا تھا، بعض نے اس کو آپ سے پوچھ لیا، لا اقول الا حقا آپؐ نے فرمایا کہ میں سچ ہی کہتا ہوں، یعنی میری دل لگی ممانعت میں داخل نہیں ہے، کیوں کہ آپؐ کے مزاح میں کوئی غلط بات نہیں ہوتی تھی، آپؐ کو مزاح کی ضرورت بھی تھی، کیوں کہ آپؐ کا ذاتی وقار اتنا بڑھا ہوا تھا کہ مہینہ کے سفر کی دوری تک آپ کا رعب پہنچتا تھا، اس لئے اگر حضور تبسم (مزاح) کا اہتمام نہ فرماتے، تو حاضرین کو رعب کی وجہ سے پاس رہنا مشکل بن جاتا اور انتفاع کے اسباب مسدود ہو جاتے۔ (خصائل نبوی)

اشکال: آپؐ سے مزاح کی ممانعت وارد ہے، حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے لا تمار اخاك ولا تمازحه۔

جواب: امام نوویؒ نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ کثرتِ مزاح جو قساوتِ قلب کا باعث بن جائے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روک دے یا ایذائے مسلم کا سبب بن جائے، یا وقار وہیبت گرا دے یہ سب ممانعت میں داخل ہے، اور جو ان سب سے خالی ہو، محض دوسرے کی دل داری اور اس کے انبساط کا سبب ہو وہ مستحب ہے۔

### حدیث ۱۷۲۲ ﴿آپؐ کے مزاح کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٨٨٦

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود ص ٦٨٢ ج٢، باب ماجاء فی المزاح، کتاب الادب، حدیث ٤٩٩٨ ترمذی، ص ۲۰ ج۲، باب ماجاء فی المزاح، کتاب البر والصلة، حدیث ۱۹۹۱

**حل لغات:** النوق جمع ہے واحد نَاقَۃٌ اونٹنی۔

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کا جانور مانگا، آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا، عرض کیا کہ اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا، آپؐ نے فرمایا کہ اونٹ کو اونٹنی ہی تو جنتی ہے۔ (ابوداود، ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کے مزاح کا ذکر ہے، لیکن اس میں کسی طرح کا جھوٹ نہیں تھا۔

**کلمات حدیث کی تشریح** وهل تلد الابل الا النوق مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے یہ سمجھا تھا کہ بچہ سے مراد چھوٹا بچہ ہے، جو سواری کے قابل نہیں ہوتا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ سواری کے قابل جو اونٹ

ہوتا ہے وہ بھی تو کسی اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے، لہٰذا آپؐ نے اس شخص کی طلب پر مذکورہ ارشاد بطور خوش طبعی فرمایا اور پھر اس کی حیرت پر جو جواب دیا اس کے ذریعہ نہ صرف حقیقت مفہوم کو ادا کیا بلکہ اس کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ اگر تم تھوڑی سی عقل سے کام لیتے اور میری بات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرتے تو اس حیرت میں نہ پڑتے اور حقیقی مفہوم کو خود سمجھ لیتے، لہٰذا اس ارشاد میں نری ظرافت ہی نہیں بلکہ اس امر کی طرف متوجہ کرنا بھی مقصود ہے کہ سننے والے کو چاہئے کہ وہ اس بات میں غور و تامل کرے جو اس سے کہی گئی ہے اور بغیر سوچے سمجھے سوال و جواب نہ کرے۔ (مظاہر حق، خصائل نبوی)

## حدیث ۱۷۲۳ ﴿تعریفی مزاح﴾ عالمی حدیث: ٤٨٨٧

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ یَا ذَاالْاُذُنَیْنِ رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ .

**حوالہ:** ابوداود ص ٦٧٣ ج ٢، باب ما جاء فی المزاح کتاب الادب حدیث ٥٠٠٢ ترمذی ص ٢٠ ج ٢، باب ماجاء فی المزاح کتاب الادب

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا اے دو کانوں والے (ابوداود، ترمذی)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ نے مزاحاً حضرت انسؓ کو دو کانوں والا کہہ کر پکارا، مزاح کے ساتھ اس میں حضرت انسؓ کی تعریف بھی ہے کہ ماشاء اللہ ان کے دو کان ہیں، دونوں سے سنتے ہیں یعنی متیقظ اور چست و بیدار ہیں۔ (الدر المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** یاذالا ذنین اے دو کانوں والے دو کان تو سب کے ہوتے ہیں، مگر اس طرح پکارنے سے حضرت انسؓ کے دل میں فرحت پیدا ہوئی، یہی مزاح اور خوش طبعی ہے، ممکن ہے کہ حضرت انسؓ کے کان بڑے ہوں یا تیز ہوں کہ بات دور سے سن لیتے ہوں یہی اقرب ہے۔ (بذل المجہود)

## حدیث ۱۷۲٤ ﴿ایک بڑھیا سے آپ ﷺ کا مزاح﴾ عالمی حدیث: ٤٨٨٨

وَعَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِامْرَاَۃٍ عَجُوْزٍ اِنَّہٗ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّۃَ عَجُوْزٌ فَقَالَتْ وَمَا لَھُنَّ وَکَانَتْ تَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ فَقَالَ لَھَا اَمَا تَقْرَئِیْنَ الْقُرْاٰنَ اِنَّا اَنْشَاْنٰھُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنٰھُنَّ اَبْکَارًا رَوَاہُ رَزِیْنٌ وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ بِلَفْظِ الْمَصَابِیْحِ.

**حوالہ:** بغوی فی شرح السنۃ ص ۱۸۳ ج ۱۳ باب المزاح کتاب الاستئذان حدیث ٣٦٠٦

**ترجمہ:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا، کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہوگی، عرض گزار ہوئیں یہ کس لئے؟ جب کہ وہ تو قرآن مجید پڑھتی ہیں، فرمایا کہ کیا تم قرآن مجید میں یہ نہیں پڑھتیں، ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا تو انہیں کنواریاں بنایا۔ (رزین اور شرح السنہ میں مصابیح کے لفظوں میں ہے)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بھی آپ کے مزاح کا ذکر ہے، جو کہ آپؐ نے ایک بوڑھی عورت سے کیا، اس میں بھی کوئی غلط بیانی نہیں ہے، کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ جنت میں کوئی بوڑھا نہیں ہوگا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دنیا کے بوڑھے جنت میں نہیں جائیں گے، بلکہ دنیا کے بوڑھے اور بڑھیائیں جنت میں جوان ہو کر جائیں گے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** بلفظ المصابیح مصابیح میں یہ صراحت ہے کہ آپؐ نے اس عورت سے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی، یہ سن کر وہ عورت واپس ہوئی اور روتی ہوئی چلی، آپؐ نے فرمایا کہ اس عورت کو جا کر بتادو کہ عورتیں اپنے بڑھاپے کے ساتھ داخل نہیں ہوں گی، یوں کہ ارشاد رب ہے کہ انا انشانھن انشاء فجعلنھن ابکارا.

**حدیث ۱۷۲۵ ﴿ایک صاحب سے آپ کی خوش طبعی کا ذکر﴾ عالمی حدیث: ٤٨٨٩**

وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ كَانَ اِسْمُهُ زَاهِرَ بْنَ حَرَامٍ وَكَانَ يُهْدِيْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْبَادِيَةِ فَيُجَهِّزُهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوْهُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّهُ وَكَانَ دَمِيْمًا فَاَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا وَهُوَ يَبِيْعُ مَتَاعَهُ فَاحْتَضَنَهُ مِنْ خَلْفِهِ وَهُوَ لَا يُبْصِرُهُ فَقَالَ اَرْسِلْنِيْ مَنْ هٰذَا فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ لَا يَاْلُوْا لَمَا اَلْزَقَ ظَهْرَهُ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عَرَفَهُ وَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَّشْتَرِى الْعَبْدَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا وَّاللّٰهِ تَجِدُنِيْ كَاسِدًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حواله:** بغوی فی شرح السنة، ص ۱۸۱ ج ۱۳ باب المزاح کتاب الا ستئذان حدیث ۳۶۰٤

**حل لغات:** البادیة مؤنث البادی کھلا جنگل، جنگل کے رہنے والے، (ج) بَوَادٍ، دمِيمًا (ج) دِمَام، بدشکل، دَمَّ (ن،ض) دَمَامَةً بدشکل ہونا، جسم کا چھوٹا اور بھدا ہونا، احتضنه (افتعال) الشئ گود میں لینا، الامر ذمہ داری لینا، الزق (افعال) بالشئ چپکانا، کاسد نہ بکنے والا سودا، کَسَدَ (ن) کَسَادًا، الشئ کوئی چیز نہ چلنا، مانگ نہ ہونا۔

**ترجمه:** حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک بدو جن کا نام زاہر بن حزام تھا، وہ نبی کریم ﷺ کے لئے گاؤں سے تحفے لاتے تھے اور جب وہ گاؤں واپس جانے کا ارادہ کرتے، تو رسول اللہ ﷺ انہیں سامان دیتے، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زاہر ہمارا گاؤں اور ہم ان کا شہر ہیں، نبی کریم ﷺ ان سے محبت کرتے، حالاں کہ وہ خوبصورت نہ تھے، ایک دن نبی کریم ﷺ آئے تو وہ اپنا سامان بیچ رہے تھے، حضور ﷺ نے پیچھے سے انہیں گود میں لے لیا، جب کہ انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا، وہ کہنے لگے کہ کون ہے؟ مجھے چھوڑ دیں، وہ مڑے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ نبی کریم ﷺ ہیں، تو اپنی کمر نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک سے مس کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جب کہ پہچان لیا نبی کریم ﷺ کو، آپ فرمانے لگے کہ کون غلام خریدتا ہے، عرض گزار ہوئے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ پھر آپ مجھے بہت کم قیمت پائیں گے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لیکن تم اللہ کے نزدیک کم قیمت نہیں ہو۔ (شرح السنہ)

**خلاصہ حدیث** حدود شرعی میں رہ کر خوش طبعی کرنا جائز ہے اور آپؐ سے ثابت ہے، اور نیک بندے دنیا کے اعتبار سے خواہ کتنے ہی معمولی کیوں نہ ہوں، اللہ کی نگاہ میں وہ بہت معزز ہیں، اور اُخروی اعتبار سے بڑے رتبے والے ہیں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من یشتری العبد اس غلام کو کون خریدے گا، آپؐ نے زاہر کو مذاق میں غلام سے تعبیر کیا اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے کیوں کہ وہ اللہ کے غلام بہر حال تھے ہی، کسی چیز کو فروخت کرنے کے لئے بطور استفہام کہنا کہ کون شخص اس کو خریدتا ہے؟ مفہوم کے اعتبار سے کبھی اس چیز کی بیش قیمت حیثیت ظاہر کرنے کے لئے مقابلہ آرائی پر اطلاق کیا جاتا ہے، لہٰذا آپؐ کے ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ اس بازار میں کیا ایسا شخص کوئی ہے جو اس غلام کی قدر و قیمت اور اس کی حیثیت کا مقابلہ کرے، یعنی یہاں کوئی چیز اس کی حیثیت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ (مظاہر حق)

**حدیث ۱۷۲٦ ☆☆☆ عالمی حدیث: ٤٨٩٠**

## ﴿صحابہ کرام کی آپ سے بے تکلفی کا ذکر﴾

وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكِ نِ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَهُوَ فِيْ

قُبَّةٍ مِنْ اَدَمٍ فَسَلَّمْتُ فَرَدَّ عَلَيَّ فَقَالَ اُدْخُلْ فَقُلْتُ اَكُلِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كُلُّكَ فَدَخَلْتُ قَالَ عُثْمَانُ بْنُ اَبِي الْعَاتِكَةِ اِنَّمَا قَالَ اَدْخُلُ كُلِّيْ مِنْ صِغَرِ الْقُبَّةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود ص ۶۸۳ ج ۲، باب ما جاء فی المزاح کتاب الادب حدیث ۵۰۰۰

**حل لغات:** قبۃ چھوٹا خیمہ یا شامیانہ، جو اوپر سے گول ہو، (ج) قِبَابٌ و قُبَبٌ۔

**ترجمہ:** حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ نے فرمایا کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر میں رسول ﷺ کی بارگاہ میں آیا، جب کہ آپ ﷺ چمڑے کے خیمے میں جلوہ افروز تھے، میں نے سلام عرض کیا تو آپؐ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اندر آجاؤ، میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! کیا پورا ہی داخل ہو جاؤں؟ فرمایا کہ پورے ہی، تو میں داخل ہو گیا، عثمان بن عاتکہ نے کہا ہے کہ انہوں نے پورا داخل ہونے کی بات اس لئے کہی تھی کہ خیمہ چھوٹا تھا (ابوداود)

**خلاصہ حدیث** آپ کی شفقت و محبت کی وجہ سے صحابہؓ آپؐ سے بہت بے تکلف تھے، اسلئے احترام و ادب کو ملحوظ رکھکر کبھی کبھی آپ سے ظریفانہ بات کر لیتے تھے اور آپ غصہ ہونے کے بجائے بڑی بشاشت کیساتھ اس خوش طبعی سے محظوظ ہوتے تھے

**کلمات حدیث کی تشریح** اکلی یا رسول اللہ ﷺ یعنی پورے جسم کو لے کر داخل ہو جاؤں؟ جب قبہ میں آپ تھے ممکن ہے کہ قبہ چھوٹا تھا، اس لئے یہ بات کہی ہو، لیکن یہ ظرافت ہی تھی، کیوں کہ داخل ہونا پورے جسم کے ساتھ ہی مفہوم ہوتا ہے۔

## حدیث ۱۷۲۷ ﴿آپ کا حضرت عائشہؓ سے مزاح﴾ عالمی حدیث: ۴۸۹۱

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اسْتَأْذَنَ اَبُوْ بَكْرٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ عَائِشَةَ عَالِيًا فَلَمَّا دَخَلَ تَنَاوَلَهَا لِيَلْطِمَهَا وَقَالَ لَا اَرَاكِ تَرْفَعِيْنَ صَوْتَكِ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْجُزُهُ وَخَرَجَ اَبُوْ بَكْرٍ مُغْضَبًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ خَرَجَ اَبُوْ بَكْرٍ كَيْفَ رَاَيْتِنِيْ اَنْقَذْتُكِ مِنَ الرَّجُلِ قَالَتْ فَمَكَثَ اَبُوْ بَكْرٍ اَيَّامًا ثُمَّ اسْتَأْذَنَ فَوَجَدَهُمَا قَدِ اصْطَلَحَا فَقَالَ لَهُمَا اَدْخِلَانِيْ فِيْ سِلْمِكُمَا كَمَا اَدْخَلْتُمَانِيْ فِيْ حَرْبِكُمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ فَعَلْنَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود ص ۶۸۲ ج ۲ باب ماجاء فی المزاح کتاب الادب حدیث ۴۹۹۹

**حل لغات:** تناولها (تفاعل) لینا، لیلطمها لَطَمَ (ض) لَطْمًا تھپڑ مارنا، انقذتك (افعال) چھڑانا۔

**ترجمہ:** حضرت نعمان بن بشیرؓ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ نے نبی کریم ﷺ سے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی، تو حضرت عائشہؓ کی بلند آواز سنی، جب اندر داخل ہوئے تو طمانچہ مارنے کے لئے حضرت عائشہؓ کو پکڑا اور فرمایا تم رسول اللہ ﷺ سے اپنی آواز اونچی کرتی ہو، نبی کریم ﷺ انہیں روکتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ غصے کی حالت میں نکل جاتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تم نے مجھے کیسا دیکھا میں نے تمہیں اس شخص سے چھڑا لیا، اور حضرت ابوبکرؓ کئی روز نہ آئے، پھر اجازت مانگی تو دونوں میں صلح ہو چکی تھی، چنانچہ دونوں سے کہا کہ مجھے اپنی صلح میں بھی شامل کر لیجئے، جیسے اپنی لڑائی میں شامل کیا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے ایسا کر لیا (ابوداود)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث میں آپؐ کے اور صدیق اکبرؓ کے ظریفانہ جملے ہیں، اور صدیقؓ کی آپؐ سے محبت بھی جھلک رہی ہے، نیز آپؐ کا عفو و درگزر اور کمال اخلاق بھی سمجھ میں آ رہا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کیف رایتنی انقذتك من الرجل دیکھا تم نے کیسے اس آدمی سے میں نے تمہیں بچایا، یہ مزاح کی بات ہے کہ آپؐ نے حضرت عائشہ کے والد حضرت ابوبکرؓ کو "رجـــــل" سے تعبیر کیا، آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عائشہؓ کے حق میں اجنبی قرار دینے والی تعبیر اختیار کی، کیوں کہ وہ حضرت عائشہؓ کو مارنے کے لئے بڑھے تھے، ادخلانی فی سلمکما مجھے دوستی اور سلامتی کے وقت بھی اپنے ساتھ شامل فرمالیجئے، یہ صدیق اکبرؓ کی جانب سے مزاح ہے۔

### حدیث ۱۷۲۸ ﴿تکلیف دہ مزاق کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۸۹۲

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

**حوالہ:** ترمذی ص ۲۰ ج۲، باب ماجاء فی المراء، کتاب البر والصلة حدیث ۱۹۹۵

**حل اللغات:** لاتمار مت جھگڑا کرو، فعل نہی حاضر، ماراہ، مُمَارَاۃ (مفاعلت) مناظرہ کرنا، جھگڑ کر، لا تمازح دل لگی مت کرو، نہی حاضر، مَازَحَ، مِزَاحًا، (مفاعلت) کسی کے ساتھ ہنسی مزاق کرنا۔

**ترجمہ:** حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو، اور نہ اس کا مزاق اڑاؤ، اور نہ اس سے ایسا وعدہ کرو جس کے خلاف تم کو کرنا ہے، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان سے جھگڑا نہ کیا جائے اور نہ ایسا مزاق کیا جائے جس سے تکلیف پہنچے اور وعدہ کیا جائے، تو پورا کیا جائے وعدہ خلافی سے بچنے کا آسان ذریعہ یہ ہے کہ وعدہ کیا ہی نہ جائے اور اگر کیا جائے تو پھر بہر صورت پورا کیا جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لاتمازحہ مزاح کو آپ نے منع فرمایا، اس سے وہ مزاح مراد ہے جو ناگواری اور اذیت کا باعث ہو ولاتــــعـــده وعدہ کرتے وقت پورا کرنے کی نیت نہیں تو گناہ اور نفاق کی علامت ہے اور اگر پورا کرنے کی نیت ہے، لیکن کسی عذر کی وجہ سے پورا نہیں کرسکا تو گناہ نہیں ہے، تفصیل گزشتہ باب کے تحت گزر چکی ہے۔

## باب المفاخرة والعصبية

## ﴿مفاخرت اور عصبیت کا بیان﴾

اس باب کے تحت صاحب کتاب نے (۱۸) احادیث ذکر کی ہیں، جن میں خاندانی بزرگی و شرافت کی اہمیت، اظہار فخر کی ممانعت، نسب پر اترانے کی ممانعت، شیخی بگھارنے کی قباحت، عصبیت کی مذمت اور دیگر مضامین مذکور ہیں۔

"فخر یا فخارة" کے معنی ہیں اترانا، یعنی اپنے حسب ونسب یا اپنے خاندان وقبیلہ یا اپنی قوم وجماعت یا اپنے علم واخلاق یا اپنی مالداری وثروت وغیرہ پر نازاں ہونا اور فخر کرنا، تفاخر کے معنی ہیں ایک دوسرے پر فخر کرنا، مفاخرت کے معنی ہیں فخر میں ایک دوسرے کی برابری کرنا، اور افتخار وتفخر کے معنی ہیں، ایک کو دوسرے کے مقابلہ پر بڑھانا۔

مفاخرت یعنی اظہار فخر کرنا، اور نازاں ہونا، اگر حق کے معاملہ میں ہو، کہ حق کی خاطر ہو، کسی دینی مصلحت کے پیش نظر ہو اور دشمنان اسلام پر اپنی برتری، اپنی شان وشوکت اور اپنی قوت کے اظہار کے طور پر ہو تو جائز ہے، چنانچہ اس طرح کی مفاخرت صحابہؓ اور سلف سے منقول ہے، اور اگر مفاخرت کا تعلق ناحق معاملہ سے ہو اور نفسانیت کے تحت تکبر وغرور اور گھمنڈ کے طور پر ہو تو مذموم ہے اور

عرف عام میں مفاخرت کا استعمال اکثر اسی معنی میں ہوتا ہے۔

عصبیت کے معنی ہیں عصبی یا متعصب ہونا، یعنی اپنے مذہب یا اپنے خیال کی پچ کرنا اور اپنی قوم کی قوت وشئی کے اظہار کے لئے جدل وخصومت کرنا، چنانچہ عصبہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی بات یا اپنی قوم کی حمایت کرے، اور یا اپنی قوم وجماعت کی پچ کے لئے غصہ ہو، تعصب بھی اگر حق کے معاملہ میں ہو اور ظلم وتعدی کے ساتھ نہ ہو تو مستحسن ہے، اور اگر تعصب کا تعلق حق بات کو نہ ماننے ظلم وتعدی اختیار کرنے اور اپنی قوت وشان وشوکت کے بیجا اظہار کی خاطر ہو تو مذموم ہے، عام طور پر تعصب کا اطلاق اپنی بات وخیال اور اپنے مذہب وقوم کے حق میں ناروا سختی اختیار کرنے اور دوسرے کے تئیں ظلم وتعدی کرنے پر ہوتا ہے، جیسا کہ اس باب میں نقل کی جانے والی احادیث سے معلوم ہوگا۔ (مظاہر حق)

# الفصل الاول

**حدیث ۱۷۲۹ ﴿دین کی سمجھ خاندانی شرافت کو وقار عطا کرتی ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۸۹۳**

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَکْرَمُ فَقَالَ اَکْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ هٰذَا نَسْاَلُكَ قَالَ وَاَکْرَمُ النَّاسِ یُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰهِ بْنُ نَبِیِّ اللّٰهِ بْنِ نَبِیِّ اللّٰهِ بْنِ خَلِیْلِ اللّٰهِ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ هٰذَا نَسْاَلُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْاَلُوْنِیْ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَخِیَارُکُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

**حوالہ:** بخاری ص ۶۷۹ ج ۲ باب لقد کان فی یوسف الخ، کتاب التفسیر حدیث ۴۶۸۹ مسلم ص ۲۶۸ ج ۲، باب من فضائل یوسف الخ حدیث ۲۳۷۸

**حل لغات:** معادن جمع ہے واحد المعدن، وہ جگہ جہاں کسی چیز کی اصل اور جڑ ہو، سرچشمہ، کان۔

**ترجمہ:** حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا آدمی زیادہ معزز ہے؟ فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہو، عرض گزار ہوئے کہ ہم اس کے متعلق نہیں پوچھتے، فرمایا کہ لوگوں میں سب سے معزز حضرت یوسفؑ نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں، عرض کیا کہ ہم اس کے بارے میں نہیں پوچھتے، فرمایا کہ تم قبائل عرب کے بارے میں پوچھتے ہو؟ عرض کیا کہ ہاں، فرمایا کہ جو تم میں دور جاہلیت کے اندر بہتر تھے، وہی دور اسلام میں بہتر ہیں، جب کہ دین کی سوجھ بوجھ حاصل کرلیں۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی کافر اعلیٰ خاندان اور حسب ونسب والا ہے، یا زیادہ اچھی خصلتوں اور نیک چال چلن والا ہے اور یہ ان خوبیوں کی وجہ سے کافروں کے درمیان ممتاز ہے، اب اگر یہ شخص اسلام لاکر علم دین حاصل کرلے تو اس کی زمانہ جاہلیت میں ممتاز ہونے والی وجوہات کی اسلام میں بھی قدر ہوگی، اور مسلمانوں کے درمیان بھی اس کی عمدہ خصلتوں اور حسب ونسب کی اہمیت باقی رہے گی، لیکن خالص حسب ونسب کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں، البتہ اگر کوئی شخص اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزار رہا ہے اور ساتھ میں حسب ونسب والا بھی ہے تو یہ نور علیٰ نور ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** اکرمهم عند الله اتقاهم اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے معزز ومکرم وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ومتقی ہے، یعنی اگر تمہارے سوال کا مطلب یہ ہے کہ خاندانی عظمت باپ دادا کی بڑائی اور اپنے فضائل وعادات سے قطع نظر ذاتی بزرگی وکرامت کیا چیز ہے؟ تو جان لو کہ وہ تقوی ہے، لہٰذا جو شخص لوگوں میں سب سے

زیادہ متقی وپرہیزگار ہے وہی سب سے زیادہ معزز ومکرم ہے، خوہ وہ اپنے حسب ونسب خاندانی عظمت ووجاہت اور اپنے اوصاف وخصائل کے اعتبار سے کم تر ہو یا برتر، اکرم الناس یوسف نبی الله حسب ونسب کی بزرگی وشرافت کے اعتبار سے انسانوں میں سب سے بزرگ حضرت یوسفؑ ہیں، جو خدا کے نبی ہیں اور خدا کے نبی حضرت یعقوبؑ کے بیٹے ہیں اور خدا کے نبی حضرت اسحٰق کے پوتے ہیں اور خدا کے دوست حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے ہیں تو حضرت یوسفؑ میں کئی طرح کی شرافت وبزرگیاں جمع ہیں کہ خود بھی نبی ہیں اور باپ دادا بھی نبی ہیں، پردادا بھی نبی ہیں، نیز وہ علم ودانائی حسن وجمال عفو وکرم اخلاق واحسان عدل وانصاف اور دینی ودنیاوی سرداری وحکمرانی کے اوصاف سے بھی متصف تھے، لہٰذا اس اعتبار سے بھی وہ انسانوں میں سب سے بزرگ وشریف انسان تھے، فعن معادن العرب عربوں کی خاندانی شرافت کے اعتبار سے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں اچھے اخلاق اور مروت والے تھے، اگر وہ اسلام لے آئیں اور احکام شرعیہ کے عالم ہوجائیں تو وہ مسلمانوں میں سب سے بہتر لوگ شمار ہوں گے (نووی مسلم ص ۲۶۸ ج ۲)

اذا فقھو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نہایت افضل ہے وہ شخص جو زمانہ اسلام اور کفر دونوں میں عمدہ خصلتیں اختیار کرے، اب اگر یہی عمدہ خصلت والا انسان تفقہ بھی حاصل کرلے تو اس کے فضل وکمال میں چار چاند لگ جائیں گے۔

## حدیث ۱۷۳۰ ﴿سب سے زیادہ مکرم﴾ عالمی حدیث: ٤٨٩٤

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَرِيْمُ ابْنُ الْكَرِيْمِ ابْنِ الْكَرِيْمِ بْنِ الْكَرِيْمِ يُوْسُفُ بْنُ يَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحَاقَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

**حوالہ:** بخاری ص ٤٨٠ ج١، باب قول الله تعالى لقد كان في يوسف كتاب احاديث الانبياء حديث ٣٣٩٠

**ترجمہ:** حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا محترم ابن محترم ابن محترم ابن محترم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیمؑ ہیں (بخاری)

**خلاصۂ حدیث** حضرت یوسفؑ خاندانی اعتبار سے اور اپنے اخلاق وکردار کے اعتبار سے انبیاء کرام میں بھی بلند مقام کے حامل ہیں

**کلمات حدیث کی تشریح** الکریم یوسف مطلب یہ ہے کہ خاندانی شرافت وعظمت اور نسبی برتری کی جو خصوصیت حضرت یوسفؑ کو حاصل تھی وہ کسی کو حاصل نہیں ہے یہ شرف کہ خود نبی، باپ نبی، دادا نبی، پردادا نبی یوسف کو ہی حاصل تھا، اس خصوصیت کے علاوہ ان کو حسن وجمال، عدل وانصاف علم ودانائی اور ریاست وحکومت کے جو اوصاف حاصل تھے، ان کے اعتبار سے بھی سے ان کو بڑا شرف حاصل تھا، لیکن مجموعی طور پر انبیاء کرام میں سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں۔

## حدیث ۱۷۳۱ ﴿کفار کے سامنے آپ کا اظہار فخر﴾ عالمی حدیث: ٤٨٩٥

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ فِيْ يَوْمِ حُنَيْنٍ كَانَ اَبُوْسُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ اٰخِذًا بِعِنَانِ بَغْلَتِهٖ يَعْنِيْ بَغْلَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا غَشِيَهُ الْمُشْرِكُوْنَ نَزَلَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ قَالَ فَمَا رُئِيَ مِنَ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ اَشَدُّ مِنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

**حوالہ:** بخاری ص ٤٢٧ ج١، باب من قال خذها وانا ابن فلان كتاب الجهاد حديث ٣٠٤٢ مسلم ص ١٠٠-١٠١ ج٢، باب غزوة حنين كتاب الجهاد والسير حديث ١٧٧٦

**حل لغات:** عنان لگام، مہار، (ج) اَعِنَّة، بغلة (ج) بِغَال، خچر، غشيه (س) غَشْيًا فلانًا، گھیر لینا۔

**ترجمہ:** حضرت براء بن عازبؓ نے غزوۂ حنین کے روز فرمایا کہ حضرت ابوسفیان بن حارث نے رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام تھامی

ہوئی تھی، جب مشرکین نے آپ کو نرغے میں لے لیا تھا، تو آپ نیچے اتر آئے اور فرمانے لگے میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، راوی کا بیان ہے کہ اس دن آپ ﷺ سے زیادہ بہادر اور دلیر کسی کو نہیں دیکھا گیا (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر دشمن پر اپنی بہادری کا رعب ڈالنے کے لئے کوئی جملہ بطور فخر استعمال کیا جارہا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں محض اپنے آپ کو بلند بتانے کے لئے عام حالات میں بطور فخر کوئی بات کہی جائے تو وہ درست نہیں ہے، کیوں کہ فخر تکبر کی علامت ہے اور تکبر حرام ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** قال فی یوم حنین حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، یہاں عرب کے دو مشہور قبیلے آباد تھے ہوازن اور ثقیف۔ ہوازن تیراندازی میں مشہور تھا، اور ثقیف اپنی شرافت میں معروف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو ان دو قبیلوں نے باہمی مشورہ کیا کہ فتح مکہ کے بعد اب ان کی باری ہے، اس سے پہلے کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہوں ہمیں پیش قدمی کر کے ان پر حملہ کرنا چاہئے، چنانچہ دونوں قبیلوں کے بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکرِ جرار مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے مالک بن عوف کی زیر نگرانی چل پڑا، عورتوں اور بچوں کو بھی اس غرض سے انھوں نے اپنے ساتھ لے لیا کہ ان کو چھوڑ کر کوئی بھاگ نہ سکے اور ان کی حفاظت کے لئے اپنی جان دے دے۔

لشکر کی قیادت اگر چہ قبیلہ ہوازن کا سردار مالک بن عوف کر رہا تھا لیکن قبیلۂ بنی جُشَم کا سردار درید بن صمہ کو بھی مشیر کی حیثیت سے لشکر میں لایا گیا تا کہ جنگی امور میں اس کی مہارت سے فائدہ اٹھایا جا سکے، درید بن صمہ مشہور شاعر اور میدانِ جنگ کو سمجھنے میں غیر معمولی صلاحیت کا مالک تھا، اس وقت اس کی عمر سو سال سے زیادہ ہوگئی تھی، لوگوں نے اس کو اٹھا کر میدانِ جنگ میں پہنچایا، درید نے دریافت کیا کہ یہ کون سا مقام ہے؟ لوگوں نے کہا ''اوطاس'' درید نے کہا ''ہاں، یہ مقام جنگ کے لئے موزوں ہے، کیوں کہ یہاں کی زمین نہ زیادہ سخت ہے اور نہ اس قدر نرم کہ پاؤں دھنس جائیں'' پھر اس نے پوچھا کہ ''یہ بچوں کے رونے کی آواز کیسی آرہی ہے؟'' لوگوں نے کہا کہ بچے اور عورتیں ساتھ آئی ہیں تا کہ ہر شخص بہادری سے لڑے اور کوئی مڑ کر نہ بھاگے، اس پر درید بولا ''جنگ میں صرف نیزہ اور تلوار کام آتی ہے، اگر جنگ میں فتح ہوئی تو اہل وعیال لانے کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر شکست ہوئی تو بچوں اور عورتوں کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی، اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ اہل وعیال کو لشکر کے پیچھے رکھا جائے'' لیکن مالک بن عوف نے جوانی کے جوش میں درید کی یہ رائے بالکل پسند نہیں کی اور کہا بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عقل بے کار ہو چکی ہے، ادھر مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے تحقیق حال کے لئے عبداللہ بن ابی حدرد کو بھیجا، وہ گئے اور دو دن ہوازن کے لشکر میں رہنے کے بعد آکر آپ ﷺ کو تفصیل بتائی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مقابلہ کے لئے تیاریاں کیں، صفوان بن امیہ سے جو اب تک اسلام نہیں لایا تھا سو زرہیں مع ساز وسامان مستعار لی، ہفتہ کے دن ۶ شوال ۸ھ کو بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ سے حنین کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے، یہ اسلامی غزوات کا پہلا لشکر تھا جو اتنی تعداد اور اس جاہ وجلال کے ساتھ حنین کی جانب بڑھ رہا تھا، بعض صحابہؓ کی زبان سے یہ الفاظ: لن نغلب الیوم من قلۃ ''آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے'' اس جملہ میں ایک گونہ فخر واعجاب کا شائبہ تھا اس لئے بارگاہِ خداوندی میں یہ بات ناپسند ہوئی، اسی کی طرف اشارہ کر کے قرآن نے کہا: ویوم حنین، اذا عجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئا۔

اسلامی لشکر سہ شنبہ کی شام کو وادئ حنین پہنچا، مالک بن عوف نے اپنی فوج حنین کے دونوں جانب کمین گاہوں میں بٹھادی تھی اور ان کو ہدایت کردی تھی کہ اپنی تلواروں کی نیام توڑ کر پھینک دو، جب لشکرِ اسلام ادھر سے گزرے تو سب مل کر حملہ کردو۔

چنانچہ ابھی صبح کی روشنی طرح نمودار نہ ہوئی تھی کہ لشکرِ اسلام وادئ حنین سے گزرنے لگا، ہوازن اور ثقیف کے بیس ہزار

نوجوانوں نے مل کر تلواروں اور تیروں سے مسلمان فوج پر زبردست حملہ کر دیا، اس ناگہانی حملہ سے لشکر اسلام منتشر اور تتر بتر ہو گیا، صرف چند صحابہؓ آپ ﷺ کے ساتھ رہ گئے جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور سفیان بن حارثؓ وغیرہ شامل تھے، حضرت عباسؓ آپؐ کے خچر کی لگام اور ابوسفیان بن حارثؓ رکاب پکڑے ہوئے تھے گھمسان کی جنگ میں آپ ﷺ سواری سے اترے اور جلالِ نبوت کے لہجہ میں فرمایا:

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

حضرت عباسؓ بلند آواز والے تھے، آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو، انھوں نے بآوازِ بلند یہ نعرہ لگایا "یامعشر الانصار یا اصحاب السمرة اے انصار کی جماعت اے کیکر کے درخت والو! یہ نعرہ جوں ہی صحابہؓ نے سنا، دیوانہ وار پلٹے اور آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے حملہ کا حکم دیا اور میدانِ جنگ گرم ہو گیا، آپ ﷺ نے مٹی ہاتھ میں لے کر کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا "وشاهت الوجوه" برا ہوا ان چہروں کا یا برے ہوئے یہ چہرے، بددعاء قرار دیجئے یا خبر کہئے، کفار میں سے کوئی ایسا نہیں بچا جس کی آنکھ میں اس مشت خاک کا غبار نہ پہنچا ہو۔

دشمن کے قدم اکھڑ گئے، ستر آدمی ان کے مارے گئے بہت سے قیدی بنا لئے گئے اور کچھ بھاگ کر اوطاس اور طائف میں جا کر پناہ گزیں ہوئے، طائف کی طرف بھاگنے والوں میں مالک بن عوف بھی تھا، درید بن صمہ اوطاس کی طرف جانے والوں میں شامل تھا، اس طرح اللہ جل شانہ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو بالآخر فتح سے ہمکنار کیا، جنگِ حنین میں ابتداء میں مسلمانوں کی جو ہزیمت ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ کسی صحابی کی زبان سے ایسا کلمہ نکل گیا تھا جس میں اعجاب کا شائبہ تھا کہ "ہم آج قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے"۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: ویوم حنين اذ اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئا وضاقت عليكم الارض بما رحبت ثم وليتم مدبرين، ثم انزل الله سكينته على رسوله وعلى المؤمنين. اللہ جل شانہٗ نے پھر اپنی عنایت ظاہر فرمائی اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا، اس لئے بھائی! بڑائی کے بول سے بہت ڈرنا چاہئے۔

فلما غشيه المشركون حضرت براء سے کسی نے پوچھا کہ غزوۂ حنین کے دن لوگ بھاگ گئے تھے، انہوں نے جواب دیا کہ مگر حضور ﷺ نہیں بھاگے تھے، آپؐ اس دن دشمن کے سامنے جمے کھڑے تھے اور فرما رہے تھے کہ میں پیغمبر ہوں اس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں ہے، میں عبد المطلب کا بہادر بیٹا ہوں، آپؐ نے اس دن جیسی جواں مردی اور بہادری دکھائی کسی نے نہیں دکھائی، آپؐ نے فخر سے یہ بات فرمائی، لیکن اگر نیت محض دشمن کو مرعوب کرنے کی ہو اور دل احساس تفاخر سے خالی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

**سوال:** رسول اللہ ﷺ نے عبد المطلب کی طرف اپنی نسبت کیوں فرمائی؟ وہ تو آپؐ کے دادا تھے، باپ نہیں تھے؟

**جواب:** حضرت عبد المطلب کی شجاعت و بزرگی سارے عرب کے اندر مسلم تھی، جب کہ آپ کے والد جوانی میں وفات پا گئے تھے، ان کی شہرت نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپؐ نے دادا کی طرف نسبت فرمائی (عمدۃ القاری (۲۹۶ ج ۱۷) یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبد المطلب کی اولاد میں پیغمبر آخر الزماں ظاہر ہوں گے اور مخلوق کی ہدایت کا سامان کریں گے مشہور ہو گئی تھی، اس لئے آپؐ نے عبد المطلب کی طرف نسبت فرمائی، آپؐ نے اس موقع پر اس طرف بھی اشارہ کیا کہ نبوت اور جھوٹ جمع نہیں ہوتے چوں کہ میں نبی ہوں، لہذا جھوٹا نہیں ہو سکتا کہ بھاگ جاؤں مجھے اللہ کی مدد کا پورا یقین ہے (کشف الباری)

**حدیث ۱۷۳۲ ﴿تمام مخلوق میں سب سے بہتر﴾ عالمی حدیث نمبر: ۴۸۹۶**

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

**حوالہ:** مسلم ص ۲۶۵ ج ۲، باب من فضائل ابراهیم الخلیل حدیث ۲۳۶۹

**ترجمہ:** حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر کہتا ہے، اے ساری مخلوق سے بہتر، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تو حضرت ابراہیم ہیں۔ (مسلم)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اپنے زمانہ میں مخلوقات میں سب سے بہتر تھے اور ایسے ہی آئندہ زمانے میں بھی حضور ﷺ کے زمانہ کا استثناء کر کے حضرت ابراہیمؑ افضل ہیں، اور آپ تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہیں مطلقاً، یعنی آپ کی فضیلت کلی اعتبار سے ہے (بذل المجہود)

**کلمات حدیث کی تشریح** یاخیر البریة ایک شخص نے آپ کو مخلوق میں سب سے بہتر کہا، آپؐ نے فرمایا وہ ابراہیم ہیں یہ تواضع کی وجہ سے کہا، معلوم ہوا کہ آدمی کو چاہئے از خود اپنی تعریف نہ کرے اور اگر کوئی تعریف میں کوئی بات کہے تو اس کا مصداق دوسرے کو بتائے۔

**اشکال:** جب صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ تمام مخلوقات میں آپؐ سب سے افضل ہیں، تو آپؐ نے تمام مخلوقات میں افضل حضرت ابراہیم کو کیوں بتایا؟

**جواب:** اس کے تین جواب ہیں (۱) آپؐ نے تواضع کی وجہ سے ایسا فرمایا، اس حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے کہ وہ خلیل اللہ اور آپؐ کے جد امجد ہیں (۲) آپؐ نے حضرت ابراہیم کو تمام مخلوقات میں افضل اس وقت قرار دیا جب آپؐ پر یہ وحی نازل نہیں ہوئی تھی کہ آپؐ تمام مخلوقات میں افضل ہیں (۳) حضرت ابراہیم اپنے زمانے میں ساری مخلوقات میں افضل تھے، آپؐ نے اس بات کو زیادہ مؤثر طریقہ سے بیان کرنے کے لئے مطلقاً افضلیت بیان فرمائی۔ (مرقات)

**حدیث ۱۷۳۳ ﴿آپ کی شان میں مبالغہ کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۸۹۷**

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهُ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

**حوالہ:** بخاری ص ۱ باب قول الله تعالى واذكر في الكتاب مريم كتاب احاديث الانبياء حديث ۳۴۴۵

مسلم ص ج۲ باب رجم الثيب الزنا كتاب الحدود حديث ۱۶۹۱

**حل لغات:** لاتطرونی فعل نہی، اَطراہُ (افعال) خوب تعریف کرنا، اچھی طرح سراہنا۔

**ترجمہ:** حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اتنا نہ بڑھانا جتنا نصاری نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا، کیوں کہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا مجھے اللہ تعالی کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔ (بخاری ومسلم)

**خلاصۂ حدیث** جس طرح آپ کی شان میں ادنی سی گستاخی سنگین جرم ہے، اسی طرح آپؐ کے اصل مقام سے آگے بڑھانا اور عبدیت کے مقام سے نکال کر معبود بنانا بھی نہایت سنگین جرم اور شرکیہ عمل ہے، عیسائی حضرت عیسیٰ کی شان میں مبالغہ کر کے اور ان کو اللہ کا ہمسر قرار دے کر گمراہ ہوئے، آپؐ نے اپنی امت کو تنبیہ فرمائی کہ وہ اس گمراہی میں نہ پڑے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فقولو اعبدالله ورسوله عبودیت اور بندگی کا جو سب سے اعلی درجہ ہے وہ آپ کی مخصوص صفت ہے کہ بندۂ حقیقی، آپ کی ذات گرامی ہے اور صفت عبودیت میں آپؐ سب سے کامل و برتر

ہیں، لہٰذا آپ کی مدح وتعریف کا کمال اور آپ کی علو مرتبت کا بیان اسی صفت کو ظاہر کرنے میں ہے، نہ کہ آپ کی ذات گرامی کی منقبت وتعریف ایسے الفاظ و پیرایہ بیان اور ان صفات کے ذریعہ کی جائے جس سے آپ کا مقام عبودیت پیچھے چلا جائے اور وہ حد آجائے جہاں سے معبود کی صفات شروع ہو جاتی ہیں۔ (مظاہر حق)

**حدیث ۱۷۳٤ ﴿حدیث اظہار فخر ممنوع ہے﴾ عالمی حدیث ٤٨٩٨**

وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارِ الْمُجَاشِعِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَلَا يَبْغِىْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

**حوالہ:** مسلم ص ٣٣٥ ج ٢، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا كتاب الجنة وصفة نعيمها حديث ٢٨٦٥

**ترجمہ:** حضرت عیاض بن حمار مجاشعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ تم تواضع اختیار کرو، یہاں تک کہ کوئی دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی دوسرے پر ظلم کرے (مسلم)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تواضع وانکساری عمدہ خصلت ہے اس کو اختیار کرنا چاہئے اور فخر وغیرہ سے اپنے کو بچانا چاہئے غرور اور فخر تکبر کی علامت ہے اور یہ ناجائز وحرام ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لا يفخر احد علىٰ احد فخر کرنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ اگر کسی دینی ضرورت سے ہو تو جائز ہے، چنانچہ اس طرح کی مفاخرت آپ سے ثابت ہے دیکھیں عالمی حدیث ۴۸۹۵ اور اگر مفاخرت تکبر غرور اور گھمنڈ کے طور پر ہو تو نہایت مذموم ہے اکثر مفاخرت کا استعمال ناحق ہی ہوتا ہے۔

## الفصل الثانی

**حدیث ۱۷۳۵ ﴿شرافت کا معیار﴾ عالمی حدیث: ٤٨٩٩**

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ يَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَائِهِمُ الَّذِيْنَ مَاتُوْا اِنَّمَاهُمْ فَحْمٌ مِّنْ جَهَنَّمَ اَوْ لَيَكُوْنُنَّ اَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِىْ يُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِاَنْفِهٖ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ اَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود ص ٦٩٧–٦٩٨ ج ٢، باب في التفاخر بالا حساب، كتاب الادب، حديث ٥١١٦ ترمذی ص ٢٣٢ ج ٢، باب فضل الشام كتاب المناقب حديث ٣٩٥٦

**حل لغات:** فحم کوئلہ، (ج) فِحَامٌ وفُحُوْمٌ، يدهده (فعللة) ڈھکیلتا ہے، الشئ توڑ کر اوپر نیچے کرنا، الخراء بیٹ، لید، پاخانہ، (ج) خُرُوْءٌ، عبية غرور ونخوت، اتراہٹ۔

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اپنے ان آباء واجداد پر فخر کرنے سے باز رہیں جو مر چکے ہیں، بے شک وہ جہنم کے کوئلے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ گو کے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل وخوار ہوں گے جو کہ نجاست کو اپنی ناک سے ڈھکیلتا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا غرور اور آباء واجداد پر فخر کرنا دور فرما دیا ہے، اب خواہ کوئی مؤمن پرہیزگار ہو یا فاسق بدبخت سب حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور حضرت آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ (ابو داود، ترمذی)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی انسان دوسرے انسان کو کمتر اور ذلیل نہ سمجھے، اور کوئی اپنے نسب اور خاندان پر اترائے نہیں، کیوں کہ تفاخر سے باہمی نفرت وعداوت پیدا ہوتی ہے جو کہ فسادِ معاشرہ کا سبب بنتی ہے، اخلاف کو اپنے نیک آباء واجداد کی روش پر چلنا چاہئے، ان پر اترانا نہیں چاہئے، کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل سزا ہوں اور بعد والے ناحق ان کو برتر سمجھ رہے ہوں۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ان الله قد ذهب عنكم عبية الجاهلية آپ ﷺ فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان ہے جس پر اس کا شکر واجب ہے کہ اس نے تم کو اسلام سے نواز کر زمانہ جاہلیت کی بری خصلت یعنی آباء واجداد پر فخر کرنا، اس کو تم سے زائل کردیا پس اب اسلام میں تو یہ ہے کہ عزت اور ذلت کا مدار ایمان اور تقویٰ اور فسق وفجور ہے، مؤمن متقی ہے تو باعزت ہے اور فاسق اور فاجر ہے تو بدبخت اور ذلیل ہے، یعنی اپنے اعمال کا اعتبار ہے، نسبت الی الآباء اصالۃ معتبر نہیں ہے نہ اچھائی میں نہ برائی میں، آپ فرمارہے ہیں کہ تم سب آدم کی اولاد ہو اور تم سب کے باپ آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں، تو جس شخص کی اصل خاک اور مٹی ہو، وہ فخر کیوں کرے، آپ فرمارہے ہیں کہ جو لوگ اپنے آباء پر فخر کرتے ہیں آباء بھی ایسے جو جہنم کا ایندھن ہیں وہ یا تو ان پر فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاخانہ کے اس کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوں گے، جو غلاظت اپنی ناک سے ہٹاتا ہو یا آگے بڑھاتا ہو۔ (الدر المنضود)

**حدیث ۱۷۳۶ ﴿اپنے منہ پر آپ نے اپنی تعریف پسند نہیں کی﴾ عالمی حدیث ۴۹۰۰**

وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ قَالَ انْطَلَقْتُ فِيْ وَفْدِ بَنِيْ عَامِرٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَنْتَ سَيِّدُنَا فَقَالَ السَّيِّدُ اللّٰهُ فَقُلْنَا وَاَفْضَلُنَا فَضْلًا وَّاَعْظَمُنَا طَوْلًا فَقَالَ قُوْلُوْا قَوْلَكُمْ اَوْ بَعْضَ قَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** مسند احمد ص۲۵ ج۴، ابو داود، ص۶۶۲ ج۲، باب في كراهية التمادح، كتاب الادب، حديث ۴۸۰۶

**حل لغات:** يستجرينكم (استفعال) استجراه، ساتھ چلنے کے لئے کہنا، وکیل وضامن بنانا۔

**ترجمه:** حضرت مطرف بن عبداللہ شخیرؒ کا بیان ہے کہ میں بنی عامر کے وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، ہم نے عرض کیا کہ آپؐ ہمارے سردار ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ سید تو اللہ تعالیٰ ہیں، ہم نے عرض کیا کہ آپؐ ہم میں بڑی بزرگی اور خوب سخاوت کرنے والے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ اپنی بات کرو یا کوئی اور بات کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو بے لگام کردے۔ (احمد ابوداود)

**خلاصہ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ منہ پر تعریف نہ کی جائے، اس لئے کہ اس سے اعجاب پیدا ہوتا ہے، جو دنیا وآخرت دونوں جہان میں نقصان کا ذریعہ بنتا ہے، آپؐ نے اپنی تعریف میں بھی مبالغہ سے کام لینے سے منع فرمایا، کیوں کہ شیطان اس کے ذریعہ سے شرک میں مبتلا کرسکتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** السيد الله اصل سیادت اللہ کے لئے ہے، آپ ﷺ نے اپنے مناقب اپنے سامنے بیان کرنے سے منع فرمایا، ایسا تو اضعا تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ جب آپؐ کے پاس یہ وحی نہیں آئی ہو کہ آپؐ اولادِ آدم کے سردار ہیں اس وقت کی یہ بات ہو، شیطان تم کو جری نہ کردے، یعنی مخلوق کی ایسی تعظیم کرائے کہ جو ناجائز حد تک پہنچنے والی ہو۔

**حدیث ۱۷۳۷ ﴿شرافت کا معیار تقویٰ ہے﴾ عالمی حدیث: ۴۹۰۱**

وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَسَبُ الْمَالُ وَالْكَرَمُ التَّقْوٰى

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

**حوالہ:** ترمذی ص ۱۶۳ ج ۲، باب ومن سورة الحجرات، کتاب تفسير القرآن حدیث ۳۲۷۱ ابن ماجہ ص ۳۱۱ باب الورع والتقوی کتاب الزهد حدیث ۴۲۱۹

**ترجمہ:** حضرت حسنؒ نے حضرت سمرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حسب مال ہے اور بزرگی تقویٰ ہے (ترمذی ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جس کے پاس مال ہوتا ہے اس کو معزز و برتر سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ اللہ کے نزدیک عزت اور رفعت دلانی والی چیز تقویٰ ہے، جس کے اندر تقویٰ ہے وہ اللہ کے نزدیک معزز ہوتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** الحسب المال حسب اصلاً خاندانی خوبیاں اور نسبی برتری ہے، لیکن دنیا والوں کا حال یہ ہے کہ مال والے کو ہی عموماً معزز خیال کرتے ہیں، الکرم التقوی کرم کا اطلاق تمام طرح کی بھلائیوں اور شرافتوں پر ہوتا ہے، اللہ کے نزدیک تقویٰ کی بناء پر عزت ہے بغیر تقویٰ کے کوئی فضیلت نہیں ہے۔

## حدیث ۱۷۳۸ ﴿باپ دادا پر فخر کرنے پر وعید﴾ عالمی حدیث: ۴۹۰۲

وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَعَزّٰى بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَعِضُّوْهُ بِهَنِ اَبِيْهِ وَلَا تَكْنُوْا رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ.

**حوالہ:** البغوی فی شرح السنہ، ص ۱۲۰. ۱۲۱ ج ۱۲ باب التعزی بعزاء الجاهلية، کتاب الاستئذان، حدیث ۳۵۴۱

**حل لغات:** تعزی (تفعل) فلانٌ تعزّيًا الی فلان منسوب ہونا، فاعضوه امر حاضر، (انعال) فلانٌ فلانًا الشيءَ کسی سے کسی کو کٹوانا، بهن قبیح چیز کے لئے کنایہ، گندی بات، مراد شرمگاہ۔

**ترجمہ:** حضرت ابی بن کعب کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو جاہلیت کی نسبتوں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے تو اس کے باپ کی شرمگاہ اس کے منہ میں دے دو اور کنایہ نہ کرو۔ (شرح السنہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ باپ دادا کی خاندانی وجاہت وثروت پر فخر کرنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے، جو شخص یہ مذموم حرکت کرے اس سے شدید نفرت کا اظہار کرنا چاہئے اور واضح طور پر اس کی غلطی کا اس کو احساس دلانا چاہئے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** فاعضو بهن ابيه ولا تكنوا "بهن" ہر اس قبیح اور بری چیز کو کہتے ہیں جو صاف صاف نام لے کر بیان نہیں کی جاتی، اس لئے اس لفظ کا اطلاق شرمگاہ پر بھی ہوتا ہے، یعنی اگر کسی موقع پر شرمگاہ کا نام لینا ہو تو اس مقصد کے لئے، بهن کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے باپ دادا پر فخر کرے جو زمانہ جاہلیت میں گزرے ہیں تو اس کو صاف صاف باپ کی گالی دو اور اس کے باپ کی شرم گاہ کا ذکر کرتے ہوئے اشارے کنائے سے کام نہ لو، بلکہ اس کا صریح نام لو، مقصد یہ ہے کہ اس سے مہذب گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بعض حضرات نے من تعزى بعزاء الجاهلية، کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص زمانہ جاہلیت کی رسموں اور عادتوں کو اختیار کرے، جیسے نوحہ اور بال نوچنے اور کپڑے وغیرہ پھاڑنے کے ذریعہ غمی منائے تو اس کو صاف صاف باپ کی گالی دو (مظاہر حق)۔

## حدیث ۱۷۳۹ ﴿زمانہ جاہلیت کے تعلق پر فخر کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۹۰۳

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ عُقْبَةَ عَنْ اَبِيْ عُقْبَةَ وَكَانَ مَوْلًى مِنْ اَهْلِ فَارِسَ قَالَ شَهِدْتُّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُحُدًا فَضَرَبْتُ رَجُلًا مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقُلْتُ خُذْهَا مِنِّيْ وَأَنَا الْغُلَامُ الْفَارِسِيُّ فَالْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ هَلَّا قُلْتَ خُذْهَا مِنِّيْ وَأَنَا الْغُلَامُ الْأَنْصَارِيُّ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود ص ۲۹۸ ج ۲، باب فی العصبیۃ، کتاب الادب حدیث ۵۱۲۳

**ترجمہ:** حضرت عبدالرحمٰن بن عقبہ سے روایت ہے جو کہ اہل فارس کے مولی تھے، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ احد میں شریک ہوا، تو میں نے مشرکین کے ایک آدمی پر ضرب لگائی، اور میں نے کہا یہ لے مجھ سے اور میں فارسی غلام ہوں، حضور ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور آپؐ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ لے مجھ سے اور میں انصاری غلام ہوں (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے کسی عمل یا تعلق کی طرف نسبت نہیں کرنا چاہئے، خاص طور سے اسلامی چیز کو چھوڑ کر تو بالکل نہیں کرنا چاہئے، حضرت عقبہؓ نے اپنی نسبت فارس کی طرف کی جو کہ مذہبا مجوسی ہوتے تھے اور انصار کی طرف نہیں کی، حالاں کہ ان کا تعلق انصار سے ہو گیا تھا، کیوں کہ وہ ایک انصاری صحابی کے زیر تربیت تھے، آپؐ نے اسی واسطہ ان کو تنبیہ فرمائی۔

**کلمات حدیث کی تشریح** ھلا قلت خذ ھامنی وانا الغلام الانصاری۔ حضرت عقبہؓ اصلاً ملک فارس کے رہنے والے تھے، اسلام قبول کر کے مدینہ آگئے اور کسی انصاری کے یہاں زیر تربیت رہے، اس اعتبار سے وہ انصاری کے مولیٰ بھی ہوئے، تو ان کے ساتھ دو نسبتیں تھیں (۱) مولی الانصار کی نسبت جو کہ دینی نسبت ہے اور فارسی ہونے کی نسبت ہے جو کہ قومی نسبت ہے اور یہ مقام افتخار ہے جو کہ جہاد کے موقع پر جائز ہے، اور عصبیت میں داخل نہیں ہے، آپ ﷺ نے یہاں تنبیہ فرمائی کہ فخر اگر کیا جائے تو دینی نسبت کے لحاظ سے ہونا چاہئے انصاری ہونا ایک دینی نسبت ہے۔ (الدر المنضود)

## حدیث ۱۷۴۰ ﴿اپنی قوم کی بے جا حمایت کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۴۹۰۴

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِيْ رَدٰى فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنَبِهِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود ص ۶۹۸ ج ۲، باب فی العصبیۃ، کتاب الادب حدیث ۵۱۱۸

**ترجمہ:** حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنی قوم کی ناحق ہوتے ہوئے مدد کی تو وہ اونٹ کی طرح ہے جو گڑھے میں گر جائے اور دم پکڑ کر اس کو کھینچا جائے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ کہ حق کی حمایت اور نصرت کرنا چاہئے، محض اس بنیاد پر کہ ہماری قوم ہے، اگر چہ وہ ناحق ہو ہمیں حمایت کرنا ہے یہ نظریہ اسلام کے خلاف ہے، جو شخص ناحق اپنی قوم کی حمایت کرتا ہے وہ خود بھی تباہ ہوتا ہے اور قوم کی حقیقی معنوں میں کی کوئی نصرت نہیں کر پاتا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** البعیر الذی ردی ناحق اپنی قوم کی حمایت کرنا ایسے ہے جیسے کوئی اونٹ زمین پر سے کنویں میں گر جائے اور اس کو دم پکڑ کر کھینچا جائے، تو ظاہر ہے کہ یہ اونٹ اس طرح باہر نہیں آسکتا، مگر یہ اس وقت ہے، جب کہ اپنی قوم کی حمایت بے جا اور ناحق ہو، ورنہ اپنی قوم کی حمایت ان کے حق پر ہونے کی صورت میں بڑی عمدہ خصلت ہے۔ (بذل المجہود) بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ قوم و جماعت کو تو ہلاک ہو جانے والے اونٹ کے مشابہ قرار دیا ہے، کیوں جو طبقہ و گروہ حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کرتا ہے وہ گویا ہلاک ہو جانے والا شمار ہوتا ہے اور جو شخص اس قوم

وجماعت کی حمایت کرتا ہے اس کو اس اونٹ کے دم کے ساتھ تشبیہ دی ہے، چنانچہ جو اونٹ کنویں میں گر جائے اس کو اس کی دم پکڑ کر کھینچنا ہلاکت سے نہیں بچاسکتا، اسی طرح جو قوم وجماعت باطل پر ہونے کی وجہ سے ہلاکت کی کھائی میں گر پڑتی ہے، اس کو وہ حمایتی اور مددگار ہلاکت کی کھائی سے نجات نہیں دلاسکتا۔ (مظاہر حق)

### حدیث ۱۷۴۱ ﴿عصبیت کی وضاحت﴾ عالمی حدیث ۴۹۰۵

وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْعَصَبِيَّةُ قَالَ اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ

**حوالہ:** ابو داود ص ۶۹۸ ص ۲، باب فی العصبیة، کتاب الادب حدیث ۵۱۱۹

**ترجمہ:** حضرت واثلہ بن اسقع بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول عصبیت کیا ہے؟ فرمایا کہ عصبیت یہ ہے کہ ظلم پر تم اپنی قوم کی مدد کرو۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** عصبیت بہر صورت اپنی قوم کی حمایت کرنے کو کہتے ہیں، چاہے وہ حق پر ہو یا ناحق، اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** العصبیة یہ عصبۃ سے ماخوذ ہے، جس کا اطلاق باپ کی جانب کے اقارب ورشتہ داروں پر ہوتا ہے، عصبیت کی اسلام میں ممانعت ہے، لیکن اس سے مراد اپنی قوم کی ہر حال میں طرف داری کرنا ہے، اگر اپنی قوم حق پر ہے اور اس کی نصرت حمایت کی جارہی ہے، تو یہ محمود ہے۔

### حدیث ۱۷۴۲ ﴿خاندان کی اعانت کی تاکید﴾ عالمی حدیث ۴۹۰۶

وَعَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خَيْرُكُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيْرَتِهِ مَا لَمْ يَأْثَمْ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود ص ۶۹۸ ج ۲، باب فی العصبیة کتاب الادب حدیث ۵۱۲۰

**ترجمہ:** حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے خاندان والوں کا دفاع کرے مظلوم کی حمایت کرے جب تک وہ گنہگار نہ ہو۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اپنی قوم یا خاندان والوں پر اگر ظلم ہو رہا ہے تو ان کی مدد ونصرت کرنا چاہئے، اور ظلم وستم کو ان سے ختم کرنا چاہئے لیکن مظلوم کی حمایت میں خود ظالم نہ بن جائے، بس اس قدر مدد ونصرت کرے کہ ان سے مظلومیت کا خاتمہ ہو جائے اور ان کا حق ان کو مل جائے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** مالم یأثم اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جو شخص ظلم وزیادتی کا دفعیہ کر رہا ہے، وہ خود ظلم کا مرتکب کس طرح ہو سکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ فرض کیجئے ایک شخص کو اس کے ظلم سے زبانی ہدایت اور افہام وتفہیم سے روکا جاسکتا ہے، لیکن کوئی شخص اس ظلم کے دفعیہ کے لئے اپنی زبان کو ذریعہ بنانے کے بجائے اپنے ہاتھوں کو ذریعہ بنانے لگے کہ ظلم کرنے والے کو مارنے لگے تو ظاہر ہے کہ یہ درست نہیں ہوگا اور اس صورت ظلم کا دفعیہ کرنے والا خود گنہگار ہو جائے گا۔ (مظاہر حق)

### حدیث ۱۷۴۳ ﴿متعصب سے اظہار برأت﴾ عالمی حدیث ۴۹۰۷

وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰى عَصَبِيَّةٍ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ.

**حوالہ:** ابو داود ص ۶۹۸ ج ۲

**ترجمہ:** حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو عصبیت کی طرف بلائے اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کے باعث لڑے اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت پر رہے۔ (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث میں بھی آپؐ نے عصبیت سے اظہار نفرت فرمایا ہے، اگر کوئی ناحق ہوتے ہوئے اپنے خاندان کے لوگوں کو محض عصبیت کی بنیاد پر پکار رہا ہے تو یہ بلاشبہ گناہ ہے اور کوئی خاندان اور ذات بات کی بنا پر شریک جنگ ہو رہا ہے تو یہ بھی گناہ ہے، ایسے ہی کوئی شخص مرتے وقت عصبیت کی بری خصلت میں مبتلا ہے اور توبہ نہیں کر رہا ہے تو یہ بھی سخت گناہ کا مرتکب ہے ایسے لوگوں سے آپؐ نے برأت کا اظہار فرمایا ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** من دعا الی عصبیة عصبیت کی ہر شکل ممنوع ہے، اگر دینی مصلحت سے خاندان کی حمایت ہے تو اچھی بات ہے۔

## حدیث ۱۷۴۴ ﴿محبت اندھا کردیتی ھے﴾ عالمی حدیث ۴۹۰۸

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُبُّكَ الشَّیْئَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

**حواله:** ابوداود ص ۶۹۹ ج ۲، باب فی الهوی کتاب الادب حدیث ۵۱۳۰

**حل لغات:** یعمی اعماه (افعال) اندھا کرنا، بینائی سے محروم کرنا، اَصمّ فلانًا ونحوہ (افعال) بہرا کردینا۔

**ترجمہ:** حضرت ابودرداءؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا تمہارا کسی چیز سے محبت کرنا تم کو اندھا، بہرا کردیتا ہے (ابوداود)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی چیز کی محبت میں آدمی کو اندھا اور بہرا نہ ہونا چاہئے، محبوب چیز کے بارے میں ہوائے نفسانی کا اتباع نہ کرنا چاہئے، خود بھی اس کو پرکھنا چاہئے اور دوسرا کوئی تنقید یا نصیحت کرے تو اس کو بھی سننا چاہئے۔ (الدر المنضود)

**کلمات حدیث کی تشریح** حبك الشئی یعمی ویصم اس ارشاد گرامی کے ذریعہ اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ محبت کا جنون، انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے کہ وہ غلبۂ محبت کی وجہ سے اپنی محبوب چیز کے عیب کو نہ دیکھنے کی صلاحیت باقی رکھتا ہے اور نہ سننے کی، اگر محبوب میں کوئی برائی دیکھتا بھی ہے تو اس کو اچھی چیز سمجھتا ہے اور اگر اس سے کوئی بری بات سنتا بھی ہے تو اس کو اچھا جانتا ہے، یہ مراد ہے کہ محبت انسان کو محبوب کے علاوہ ہر چیز سے اندھا اور بہرا کردیتی ہے کہ وہ جمال یار کے سوا نہ کسی چیز پر نظر ڈالتا ہے اور نہ محبوب کی بات کے سوا کوئی بات سننا پسند کرتا ہے، اس باب میں اس حدیث کو نقل کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ارشاد گرامی اس شخص کے حق میں فرمایا گیا ہے جو کسی کی محبت سے مغلوب ہو کر باطل و ناروا امور میں اس کی حمایت و مدد کرتا ہے کہ وہ نہ حق کو دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے، بلکہ محض محبت کی وجہ سے ناحق و باطل کا حامی و مددگار بن جاتا ہے۔

# الفصل الثالث

## حدیث ۱۷۴۵ ﴿عصبیت کیا ھے﴾ عالمی حدیث: ۴۹۰۹

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ كَثِیْرِ الشَّامِیِّ مِنْ اَهْلِ فِلَسْطِیْنَ عَنِ امْرَاَةٍ مِّنْهُمْ یُقَالُ لَهَا فَسِیْلَةُ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مِنَ الْعَصَبِیَّةِ اَنْ یُّحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهٗ قَالَ لَا وَلٰكِنْ مِنَ الْعَصَبِیَّةِ اَنْ یَّنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهٗ عَلَی الظُّلْمِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ.

**حوالہ:** ابن ماجہ ص ۲۸۳ باب فی العصبیۃ کتاب الفتن حدیث ۳۹۴۹

**ترجمہ:** حضرت عبادہ بن کثیر شامیؒ جو اہل فلسطین میں سے تھے، انہوں نے اپنے میں سے ایک عورت سے روایت کی، جس کو فسیلہ کہا جاتا تھا کہ اس نے کہا کہ میں نے اپنے والد ماجد کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں پوچھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض گزار ہوا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ عصبیت ہے کہ آدمی اپنی قوم سے محبت رکھے، فرمایا نہیں بلکہ عصبیت یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرے (احمد، ابن ماجہ)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ناحق اپنی قوم کی حمایت کرنا عصبیت ہے، یہی ممنوع ہے، حق پر ہوتے ہوئے اپنی قوم کی حمایت نہ صرف جائز ہے بلکہ مطلوب ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** لکن من العصبیۃ ان ینصر الرجل آپ ﷺ نے عصبیت کے مفہوم پر بڑے سادہ انداز میں روشنی ڈالی ہے اور اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ اپنی جماعت اور اپنی قوم کی جائز حمایت کرنا اور اس کے فطری وقانونی حقوق ومفادات کے حصول وتحفظ کے لئے اس طرح جدوجہد کرنا کہ دوسروں کے حقوق ومفادات پر کوئی زد نہ پڑے عصبیت کے معنی میں داخل نہیں ہے، ہاں اگر اپنی جماعت وقوم کی اس طرح حمایت کی جائے جس سے دوسروں کے تئیں ظلم وتعدی کے جذبات ظاہر ہوتے ہوں، یا اپنی جماعت وقوم کی ایسی جدوجہد میں معاونت کرنا جو سراسر زیادتی اور انتہا پسندی پر مبنی ہو، نیز اس جدوجہد کا کوئی نظری وقانونی جواز موجود نہ ہو، تو اس کو عصبیت کہا جائے گا اور شریعت کی نظر میں اس حمایت ومعاونت کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی (مظاہر حق)

## حدیث ۱۷٤٦ ﴿اپنے نسب پر اترانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ٤٩١٠

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْسَابُكُمْ هٰذِهٖ لَيْسَتْ بِمُسَبَّةٍ عَلٰى اَحَدٍ كُلُّكُمْ بَنُوْ آدَمَ طَفُّ الصَّاعِ بِالصَّاعِ لَمْ تَمْلَأُوْهُ لَيْسَ لِاَحَدٍ عَلٰى اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بِدِيْنٍ وَتَقْوٰى كَفٰى بِالرَّجُلِ اَنْ يَّكُوْنَ بَذِيًّا فَاحِشًا بَخِيْلًا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

**حوالہ:** مسند احمد ص ۱٤٥ بیہقی فی شعب الایمان ۲۹۲ ج ٤ باب فی حفظ اللسان، حدیث ۵۱٤٦

**حل لغات:** مسبۃ گالی دینے کا ذریعہ، شہادت کی انگلی کو بھی کہتے ہیں، سَبًّا (ن) سَبًّا گالی دینا، برا کہنا، طف الشئ بیدہ (ض) ہاتھ سے کوئی چیز اٹھانا، تملاۂ ملأ (ف) بھرنا۔

**ترجمہ:** حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے یہ نسب کسی کو گالی دینے کے لئے نہیں ہیں، تم سب حضرت آدمؑ کی اولاد ہو، صاع کا صاع میں ڈالنا اسے بھرتا نہیں ہے، تم میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، مگر دین اور تقویٰ کے باعث، آدمی کی ذلت کے لئے زبان دراز فحش گو اور بخیل ہونا کافی ہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

**خلاصۂ حدیث** اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص اگر دنیوی اعتبار سے عالی نسب ہے، تو اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک بھی معزز ہے، اللہ کے نزدیک تو وہی معزز ہے جو دین پر عمل کرنے والا اور اللہ سے ڈرنے والا ہو، اگر کوئی شخص کسی کو بے ہودہ بات کہہ رہا ہے گالی گلوچ کر رہا ہے، اپنے نسب پر اتراتے ہوئے دوسروں کو حقیر وذلیل سمجھ رہا ہے، تو وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے، اللہ کے یہاں اس کا کوئی مقام نہیں ہے اور اس کے مواخذہ کا خطرہ ہے۔

**کلمات حدیث کی تشریح** کلکم بنو آدم تمام انسانوں کے باپ آدم ہیں اور آدم کو خاک سے پیدا کیا گیا ہے، لہٰذا محض پیدائش پر کسی کو فوقیت مل جائے کہ فلاں کے گھر میں پیدا ہوا ہے اس بنیاد پر معزز ہے یہ بے عقلی کی بات ہے طف الصاع بالصاع مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک صاع یعنی پیمانہ اپنے جیسے صاع یعنی پیمانے کے برابر ہوتا ہے، ان دونوں

میں جو چیزیں بھری ہوتی ہیں برابر ہوتی ہیں، ان کو ایک پر دوسرے کو ترجیح دینا بے بنیاد ہے، اسی طرح تمام انسانوں کے باپ آدمؑ ہیں، لہٰذا نسب کی بنیاد پر کسی کو کوئی فضیلت نہیں ہے، فضیلت کا معیار دین داری و پرہیز گاری پر ہے جو جتنا دین دار اور متقی ہوگا اتنا ہی معزز ہوگا۔

اللہ کے فضل و کرم سے آج مورخہ ۶ مارچ ۲۰۱۴ء مطابق ۴ ر جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ بروز جمعرات فیض المشکوۃ کی آٹھویں جلد مکمل ہوگئی، شکر خدا کہ اس نے اپنے حقیر بندہ کو خدمت حدیث کی توفیق عطا فرمائی، ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم، ربنا واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امةمسلمةلك وارنامناسكنا وتب علينا انك انت التواب الرحيم، رب اغفروارحمهما كما ربياني صغيرا وصلى الله علي خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين.

# فہرست مضامین فیض المشکوٰۃ جلد ہشتم

## تفہیم البخاری

عربی متن مع اردو شرح

## صحیح بخاری شریف

**مسلک دیوبند کا پہلا اور واحد بخاری شریف کا اردو ترجمہ**

فخر دو عالم کائنات حضور اکرم ﷺ کے ارشادات مبارکہ کا گراں قدر مجموعہ قرآن کریم کے بعد دنیا کی وہ مستند ترین اور لاثانی کتاب ہے جس میں قطعی سچی احادیث کا عظیم علمی خزانہ پوشیدہ ہے۔

بخاری شریف کا مسلک دیوبند کا مکمل کوئی ترجمہ نہ ہونے کی وجہ سے علامہ وحید الزماں (غیر مقلد عالم) کا ہی ترجمہ بازار میں دستیاب تھا اور مجبوراً یہی ترجمہ عوام وخواص تک پہنچ رہا تھا اب الحمد للہ تفہیم البخاری مکمل شائع ہونے پر قدیم ترجمہ کی چندہ ضرورت نہیں رہی اس لئے کتاب خریدتے وقت صرف تفہیم البخاری ہی طلب فرمائیں۔

### اہم خصوصیات

☆اطمینان بخش ترجمانی اور عام فہم شرح اس زمانہ کی ذہنی سطح کے مطابق کی گئی ہے۔☆ حدیث کے ان پہلوؤں کی واضح ترجمانی جن کو موجودہ شارحین نے چھوا تک نہیں۔☆ بخاری شریف کے لطائف وخصوصیات کی کامل رعایت۔☆ فقہی مذاہب کی ترجمانی معتدل لب ولہجہ میں اور محدثین وفقہاء کے اختلافات کی دلآویز وضاحت کی گئی ہے۔
☆ایک کالم میں عربی متن احادیث اور مقابل کالم میں ترجمہ وتشریح۔

سائز ۳۰×۲۰ قیمت کامل سیٹ مجلد ۶ جلد

## تفسیر فیض الامامین

اردو شرح تفسیر جلالین

اس تفسیر کی زبردست اہمیت اور مستند ہونے کا عظیم ترین ثبوت یہ ہے کہ ہر طالب علم کو عالم وفاضل کی سند حاصل کرنے کے لئے دیگر کتب کے ساتھ اس تفسیر کو درساً درساً پڑھ کر امتحان دینا ضروری ہے، چنانچہ جملہ مدارس کے طلباء کے لئے بھی یہ انتہائی اہم ہے۔ اب الحمد للہ اسکا جدید اردو ترجمہ وتشریح نہایت آسان اردو میں علامہ محمد عثمان صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم نے کرکے عوام الناس کیلئے سہل کردیا ہے۔

### اردو تفسیر کی اضافہ شدہ خصوصیات

☆ ترجمہ وتفسیر اتنی آسان اردو میں کی گئی ہے کہ ہر خاص وعام اس کو یکساں سمجھ سکیں۔☆ تفسیر میں ربط آیات کے نام سے عنوان لگا کر سابقہ آیات سے ربط قائم کردیا ہے۔☆ تحقیق وتشریح کا عنوان لگا کر ہر آیت کی جامع تحقیق وتشریح کردی گئی ہے۔☆ شان نزول کے تحت قرآن شریف کی آیتوں کے نازل ہونے کا سبب اور پس منظر بیان کردیا گیا ہے۔☆ مشکل عربی الفاظ کی تحقیق کے ساتھ ساتھ نحوی وصرفی ترکیب کا بھرپور اہتمام کیا ہے۔ قیمت کامل سیٹ مکمل ۶ جلد

## کشف الاسرار

ترجمہ وشرح اردو (درمختار)

ترجمہ اردو مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند

ادارہ فیض القرآن نے موجودہ دور کی اہم ضرورت کے پیش نظر فقہ حنفی کی نہایت مفید مستند اور معتبر ترین کتاب درمختار مع اردو تشریح کے صاف وسلیس اردو میں شائع کی ہے۔ مسلم پرسنل لا (یعنی مسلمانوں کے قانون کی معتبر ترین کتاب) کی طباعت یقیناً ایک بڑی خدمت ہے جس میں پاکی، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح وطلاق غرض روز مرہ کی زندگی میں پیش آنے والے ہر مسئلہ کا شرعی حل موجود ہے اسلئے اس کتاب کا ہر مسلمان کے گھر میں ہونا وقت کی شدید ضرورت ہے۔

### کتاب کی اہم خصوصیات

☆ ترجمہ کے ساتھ ساتھ متن کی عربی عبارت بھی باقی رکھی گئی ہے تاکہ اہل علم اس سے پورے طور پر مستفید ہوں اور انکو کوئی اشکال پیش نہ آئے۔ ☆عموماً ہر باب کے آخر میں مصنف نے "فروع" کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور اس کے نیچے ضروری جزئیات کے بیان کا اہتمام کیا ہے۔☆ شامی اور طحطاوی کا خلاصہ سمیٹ لینے کی سعی کی گئی ہے۔

## تفسیر ابن کثیر اردو (مع حواشی واضافات)

(مع اختصار تفسیر بیان القرآن)

تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کو بطریق سلف صالحین سمجھانے والی تفسیر "تفسیر ابن کثیر" ہے اور اسکے بعد کی تمام اردو عربی تفاسیر اس سے ماخوذ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر کو ام التفاسیر کا لقب دیا گیا ہے۔

### جدید نسخے کی اضافہ شدہ خصوصیات

☆ یہ تفسیر کیونکہ شافعی مسلک ہے اس لئے جہاں جہاں حنفی مسلک سے ٹکراؤ پیدا ہوا وہاں حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری کے قیمتی حاشیہ نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔☆ قدیم تفسیر میں ترجمہ قرآن پاک غیر مقلد عالم کا تھا اس لئے اس ترجمہ کی جگہ حنفی مسلک کا مستند ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ شامل کتاب کیا گیا ہے۔ ☆تفسیر تھانوی عنوان کے تحت تفسیر بیان القرآن کا اختصار شامل کتاب کیا گیا ہے اس طرح یہ کتاب دو تفاسیر کا مجموعہ بن گئی ہے اور عوام کو اب اس کتاب کے بعد تفسیر بیان القرآن حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔☆ جدید نسخہ از سر نو کمپیوٹر کی عمدہ کتابت اور بہترین کاغذ پر آفسیٹ کی دیدہ زیب طباعت سے آراستہ کیا گیا ہے۔

قیمت کامل سیٹ مجلد ۵ جلد

پتہ:۔ مکتبہ فیض القرآن، دیوبند، ضلع سہارنپور (یوپی) فون: 01336-222401